انسائیکلوپیڈیا—۲

ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی
ظہران یونیورسٹی، سعودی عرب

ادارہ معارف اسلامی
منصورہ ۰ لاہور

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا :

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

جس شخص کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے
اُسے دین میں تفقّہ عطا فرما دیتا ہے ـــــــ

انسائیکلوپیڈیا — ۲

فقہ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ

ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی

پروفیسر یونیورسٹی آف پٹرولیم و معدنیات

ظہران، سعودی عرب

اردو ترجمہ : ساجد الرحمٰن صدیقی

ادارۂ معارف اسلامی

منصورہ ○ لاہور

نام کتاب	:	فقہ حضرت عمرؓ
نام مصنف	:	ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی
اردو ترجمہ	:	ساجد الرحمٰن صدیقی
نظر ثانی	:	سید شبیر احمد
ناشر	:	ادارہ معارف اسلامی، منصورہ۔ لاہور
طابع	:	رشید احمد چودھری، مکتبہ جدید پریس
قیمت	:	روپے
پہلی بار	:	گیارہ سو ۔ جنوری ۱۹۹۰ء
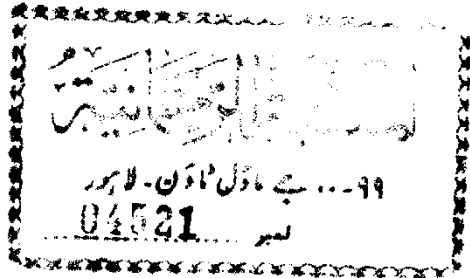
تقسیم کنندہ :

المنار بک سنٹر،
منصورہ ـ ملتان روڈ۔ لاہور : ۵۴۵۷۰

پیش لفظ

تحریک اسلامی پوری دنیا میں اسلام کے احیائے نو کی دعوت لے کر اٹھی ہوئی ہے۔ "احیائے نو" سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی انفرادی زندگی میں اپنے اصل خالق و مالک کا بندہ بن کر رہے اور اجتماعی زندگی میں بھی وہ ایسا نظام قائم کرے جو ہر شعبہ زندگی پر خدا کی شریعت کو بلند و بالا کرے اور فرد اور اجتماع دونوں ہم آہنگ ہو کر دین حق کے اس مقصد کو بروئے کار لائیں جس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب نازل کی اور اپنا آخری رسول بھیجا۔

جہاں تک فرد کو خدا کے پیغام، رسولؐ کے مشن اور انسان کے مقصد وجود سے آگاہ کرنے کا تعلق ہے وہ تحریک اسلامی نصف صدی سے سرانجام دے رہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ تحریک نے مسلسل جدوجہد کے بعد نئی نسل کو بڑی حد تک اسلام کے ساتھ وابستہ کر لیا ہے۔ مزید یہ کہ تحریک نے مسلم معاشروں کے اندر اپنی تنظیمی قوت و استحکام بھی پیدا کر لیا ہے جس کی بدولت وہ ایک جامع تہذیبی انقلاب برپا کرنا چاہتی ہے۔ اگر تحریک اپنے مقصد کے لئے پیہم جادہ پیمائی کرتی رہے گی تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے منزل سے ہمکنار کرے گا۔ اس سلسلے میں تحریک کے سامنے تین بڑے میدان ہیں جن میں اسے اپنی کوششوں کو مرکوز اور اپنی توانائیوں کو نچوڑنا ہو گا۔

پہلا میدان یہ ہے کہ وہ معاشرے کے اندر ایسے Base پیدا کرے جو مجموعی طور پر معاشرے میں تحریک کا نقطۂ ماسکہ ہوں اور اچھائیوں کو فروغ دینے اور مستحکم کرنے میں بنیادی کردار ادا کریں۔ ایسے Base معاشرے کے اندر نیکی کو غالب رکھیں گے اور برائی کو مایوس و مغلوب کرتے رہیں گے۔ نیز یہ اسلامی نظام حیات کے قصر ضوفشاں کے لئے مضبوط ستون ہوں گے۔

دوسرا میدان یہ ہے کہ ایسے صالح افراد کو اوپر لایا جائے جو دل و جان سے اسلام کو مانتے ہوں اور اسلامی نظام کا شعور رکھتے ہوں۔ قانونی نظام خواہ کتنا ہی اعلیٰ و ارفع ہو، اگر اس کو عملاً نافذ کرنے والے ہاتھ پاکیزہ اور امانت و دیانت سے بہرہ ور اور دینی شعور و آگہی سے آراستہ و پیراستہ نہ ہوں گے تو وہ کبھی اپنے جوہر نہیں دکھا سکتا۔ پاکستان میں اس کا تجربہ (۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۸ء) میں بخوبی کیا جا چکا ہے۔ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک طرف اسلام کا قانونی نظام بتدریج نازل ہو رہا تھا اور دوسری طرف ایسے افراد تیار کئے جا رہے تھے جو اسے روح اور الفاظ دونوں لحاظ سے پوری دیانت کے ساتھ نافذ کریں۔ عہد رسالت کے بعد بھی صدیوں تک اسلامی قانون کو قائم رکھنے اور اسے موثر اور نتیجہ خیز بنانے میں صالح افراد ہی کی محنتوں کو دخل رہا ہے۔ گو

اسلامی سلطنت خلافت کی بجائے موروثی بادشاہت میں تبدیل ہو چکی تھی، مگر قانون نافذ کرنے والے افراد اور عدلیہ و احتساب کے ادارے بڑی حد تک باکردار، باضمیر اور نڈر ہاتھوں میں تھے۔ آج بھی اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے ایسے ہی افراد کی ضرورت ہو گی۔ کم از کم اونچے مناصب پر تو خدا ترس لوگوں کے بغیر اسلامی شریعت کا نفاذ کارِ مہمل ہو گا۔

تیسرا میدان یہ ہے کہ اسلامی تحریک اسلامی نظام کے مختلف پہلوؤں کو علمی لحاظ سے اس طرح سے پیش کرے کہ آج کا انسان اس کی حقیقت، اہمیت اور برتری کو سمجھ سکے۔ مولانا مودودی رحمتہ اللہ علیہ نے اسلامی قانون کی اصولی بحثیں اور اس کے حدود کار تو بیان کر دیئے ہیں۔ مگر یہ بات ابھی بڑی تشنہ ہے کہ اسلامی قانون مختلف مسائل زندگی میں کیا رہنمائی پیش کرتا ہے۔ یا اس نے کم از کم ماضی میں کیا کردار ادا کیا ہے تاکہ مستقبل میں اس کے کردار کے بارے میں بھی خطوط متعین کئے جا سکیں۔ اب تک تو ہم یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ اسلامی نظام کی تفصیلات پیش کرنا افراد یا تحریکوں کا کام نہیں ہے، بلکہ یہ خود ریاست کا کام ہے، لیکن ہمیں اس نقطۂ نظر میں تبدیلی کرنی چاہئے۔ جس طرح ہم عقیدہ و اخلاق کے پہلو سے اسلام کی دعوت پیش کرتے ہیں، اسی طرح ہم اپنے قانونی اور فقہی سرمائے کو بھی اہل علم کے سامنے پیش کریں۔ یہ کام بھی دعوت اسلامی کو فروغ دینے کا ذریعہ ہو گا۔ اور تعلیم یافتہ طبقے کو جدید خود ساختہ قوانین اور اسلام کے قوانین میں موازنہ کا موقع ملے گا۔ اور اسلامی قانون اپنے قدرتی محاسن کی بنا پر خود اپنی حقیقت و اہمیت منوا لے گا۔

پہلے دو میدانوں میں تو تحریک اسلامی پاکستان اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہے اور ان میں وہ روز بروز پیش رفت حاصل کرتی جا رہی ہے اور امید ہے کہ وہ اپنا مطلوبہ تناسب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ البتہ تیسرے میدان میں ابھی تک قابل قدر کام نہیں ہوا اور اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اسلامی قانون کے مختلف شعبوں کو اردو زبان میں وسیع پیمانے پر پیش کیا جائے۔ ادارہ معارف اسلامی منصورہ نے اس ذمہ داری کو تاحد استطاعت ادا کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ ادارے کی طرف سے خلفائے اربعہ اور فقہا صحابہ کی فقہی اور قانونی آراء اور فتاویٰ اور احکام پر مشتمل موسوعات (انسائیکلوپیڈیاز) اردو میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ کویت کا فقہی انسائیکلوپیڈیا بھی جلد از جلد پیش کرنا شروع کر دیا جائے گا۔ احکام القرآن جصاص اور نیل الاوطار شوکانی بھی اسلامی احکام کے قابل قدر مجموعے ہیں۔ ادارہ انہیں بھی مستقبل قریب میں اردو میں چھاپے گا۔ وبیدہ التوفیق

خاکسار

خلیل احمد الحامدی

ڈائرکٹر، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ۔ لاہور

۲۱ر نومبر ۱۹۸۹ء

مقدمہ

جب سے تہذیب جدید نے انسانی زندگی کو اپنی گرفت میں لیا ہے انسان بے شمار اقتصادی، مالی، معاشی اور معاشرتی مسائل سے دوچار ہو گیا ہے اور اب ان مسائل کے حل کے لئے نظریں اسلامی فقہ کی جانب اٹھ رہی ہیں تاکہ وہاں سے ان کا حل دریافت ہو جائے یا کم از کم اس کی رائے معلوم ہو جائے۔ لیکن امر واقع یہ ہے کہ کوئی ایک فقہی مسلک تنہا اس تہذیبی چیلنج کا سامنا نہیں کر سکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام فقہی مذاہب و مسالک کو مل کر اس کا مقابلہ کرنا چاہئے اور تہذیب کو ان تعلیمات کی روشنی فراہم کرنی چاہئے جو اس کے غلط رخ کو درست کر دیں اور انسانی زندگی کے بارے میں اس رویئے کی اصلاح کر دیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انسانی معلومات کی حد تک اسلامی فقہ دنیا کی سب سے زیادہ جامع اور مکمل فقہ ہے۔

تدوین فقہ کی ابتدائی کوششیں

چنانچہ فقہ اسلامی کی اس حیثیت کو مسلمان حکومتوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے اور چونکہ مصر ہمیشہ سے اسلامی فکر کا مرکز رہا ہے اس لئے فقہ اسلامی کی تدوین نو کا آغاز بھی سب سے پہلے مصر ہی میں ہوا۔ ۱۹۳۶ء میں حکومت مصر نے ایک بورڈ تشکیل دیا جس کے سپرد یہ ذمہ داری کی گئی کہ وہ احوال شخصی (Personal Law) کو نئے سرے سے مدون کرے۔ چنانچہ اس بورڈ نے فیصلہ کیا کہ مختلف فقہی مسالک اور فقہاء کے انفرادی اجتہادات میں سے ایسی آراء کو منتخب کیا جائے جو دور حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں اور انسانی ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ اس فیصلے کے پیچھے یہ اصول کار فرما تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت نازل ہی اس غرض سے فرمائی ہے کہ اس کے ذریعے انسانی مصالح کی حفاظت کی جا سکے۔

مصر کے بعد ۱۹۵۱ء میں شام نے بھی مصر کی تقلید کرتے ہوئے اسلامی فقہ کی تدوین کی طرف قدم اٹھایا۔ اس کے بعد دیگر اسلامی حکومتوں نے بھی ان کی پیروی کی۔ یہاں تک کہ اب پوری دنیا اس حقیقت کی قائل ہو گئی ہے کہ اسلامی فقہ قانون کا ایسا بیش بہا خزانہ ہے، کہ دنیا کا کوئی قانونی نظام اس کے ہم پلہ نہیں ہے اور جدید دنیا کو اس عظیم فقہ کی برکت سے محروم نہیں رکھا جانا چاہئے۔

فقہ اسلامی کے بارے میں قانون کے بین الاقوامی اداروں کی رائے

۱۹۳۷ء میں جب "لاھائی" میں قانون کے تقابلی مطالعہ کے موضوع پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی تو اس میں یہ قرار داد پاس کی گئی کہ اسلامی فقہ کو پبلک لا کا ایک مآخذ شمار کیا جائے۔ اسی طرح ۱۹۴۸ء میں منعقد ہونے والی وکلاء کی بین الاقوامی کانفرنس نے انٹرنیشنل لائرز ایسوسی ایشن کو یہ سفارش کی کہ اسلامی قانون اور دیگر قوانین کے مابین تقابلی مطالعہ کو رواج دیا جائے اور اس مطالعے کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ پوری دنیا اس عظیم فقہ کے سرمائے سے متعارف اور مستفید ہو سکے۔

اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں قانون کے متقابل مطالعہ کی بین الاقوامی اکیڈمی کے شعبہ "قوانین مشرق" کی ایک کانفرنس ہفتۂ فقۂ اسلامی کے نام سے پیرس میں منعقد ہوئی۔ اس کی رپورٹ میں یہ اعتراف کیا گیا کہ فقہ اسلامی کا عظیم الشان ذخیرہ مسالکِ فقہ کے تنوع کی بدولت قانونی افکار و معاملات کا ایسا بیش قیمت خزانہ بن چکا ہے جس نے دنیائے قانون کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اس عظیم خزانے کی مدد سے اسلامی فقہ نہ صرف دور جدید کے تقاضوں کو پورا کر سکتی ہے، بلکہ انسانی ضرورتوں کے مابین بہترین توازن پیدا کر سکتی ہے۔

نیز ۱۹۵۲ء میں دمشق میں منعقد ہونے والی انسداد جرائم کانفرنس نے بھی حکومتوں سے اپیل کی کہ جرائم کی روک تھام کے لئے اپنے قانونی نظام کو اسلامی شریعت سے قریب تر کریں۔ ان تمام تجاویز و سفارشات کے باوجود یہ مسئلہ اپنی جگہ باقی رہا کہ کس طرح فقۂ اسلامی کو ایسے پیرائے میں مدون کیا جائے کہ ہر محقق خواہ وہ اس فقہ کو ماننے والا ہو یا مخالف بآسانی اس سے استفادہ کر سکے۔ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ۱۹۵۱ء میں پیرس میں بین الاقوامی اکیڈمی برائے مطالعۂ قوانین نے ایک بورڈ تشکیل دینے کی خواہش ظاہر کی جو فقۂ اسلامی کی ڈکشنری تیار کرے جس میں فقہی مباحث کا نہایت آسان اور ہلکے پھلکے انداز میں تعارف کرا دیا جائے۔

شام و مصر کے فقہی انسائیکلوپیڈیا

وقت گزرتا رہا لیکن اس اہم مقصد کے سلسلہ میں کوئی پیش رفت نہ ہوئی۔ آخر کار دمشق میں

شریعت کالج کا قیام عمل میں آیا جس کے پرنسپل اخوان المسلون کے مشہور رہنما ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم بنائے گئے۔ وہ اس میدان کے شاہ سوار تھے۔ ان کی غیر معمولی مساعی کی بدولت ۱۹۵۶ء میں حکومت شام کی طرف سے ایک سرکاری فرمان جاری ہوا جس کی رو سے شریعت کالج کو فقہ اسلامی کی ایک انسائیکلوپیڈیا تیار کرنے کا اختیار دیا گیا، لیکن مالی وسائل کی قلت کی وجہ سے یہ نوخیز منصوبہ بارآور نہ ہوسکا اور سوائے اس کے کوئی قابل ذکر کام نہ ہوسکا کہ پروفیسر علامہ محمد مختصر الکتانی کی مرتب کردہ ایک معجم جو صرف امام ابن حزم رحمہ اللہ کی فقہ پر مشتمل تھی شائع کی گئی۔

پھر مصر و شام کے مابین اتحاد ہوگیا اور دونوں ملک ایک ہی جمہوریہ کی صورت اختیار کر گئے۔

اس زمانے میں قاہرہ میں امور اسلامی کی مجلس اعلیٰ قائم ہوئی اور فقہی انسائیکلوپیڈیا کی تدوین کی ذمہ داری اس مجلس کو سونپی گئی۔ دمشق کی انسائیکلوپیڈیا کمیٹی کے ساتھ بھی رابطہ قائم کیا گیا اور پھر مجلس اعلیٰ کے زیر اہتمام ایک وسیع بورڈ تشکیل دیا گیا جس میں دمشق کمیٹی کے ارکان کے ساتھ نئے مصری علماء کو بھی شامل کیا گیا۔ اس نے ایک انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب شروع کی جس کا نام "انسائیکلوپیڈیا جمال عبدالناصر فی الفقہ الاسلامی" رکھا گیا۔ جمال عبدالناصر کی موت کے بعد اس میں سے "جمال عبدالناصر" کا نام حذف کر دیا گیا اور اس کا نام صرف "انسائیکلوپیڈیا فقہ اسلامی" رہ گیا۔ اس کے اجزا ابھی تک مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔

کویت کا فقہی انسائیکلوپیڈیا

۱۹۶۵ء میں حکومت کویت نے انسائیکلوپیڈیا فقہ اسلامی کی تیاری میں سرگرمی دکھائی۔ اس منصوبے کے لئے استاذ مصطفیٰ الزرقاء کا انتخاب عمل میں آیا، جو ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی مرحوم کے بعد دمشق کی انسائیکلوپیڈیا کمیٹی کے صدر بنے تھے۔ ان کے ساتھ چار دیگر اساتذہ کو بطور معاون مقرر کیا گیا جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: ڈاکٹر عبدالستار ابو غدہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی، پروفیسر سعدی ابو حبیب اور پروفیسر بسام اسطوانی۔ بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر اس انسائیکلوپیڈیا کی تیاری کا کام کچھ عرصہ کے لئے تعطل کا شکار ہو گیا تھا، لیکن اب اس پر بھرپور کام کیا جا رہا ہے اور دس مجلدات چھپ کر آ گئی ہیں۔

مذکورہ دونوں انسائیکلوپیڈیا میں پائی جانے والی کمی

مذکورہ بالا دونوں انسائیکلوپیڈیا کے اندر ہمیں یہ کمی محسوس ہوئی ہے کہ ان میں صرف ذیل کے آٹھ فقہی مکاتب کو نمایندگی دی گئی ہے:

(۱) حنفی (۲) شافعی (۳) مالکی (۴) حنبلی (۵) زیدی (۶) اثنا عشری (۷) اباضی (۸) ظاہری۔ ان آٹھ مسالک کو منتخب کرنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ مسالک مدون شکل میں موجود ہیں اور ان کے مآخذ تک رسائی آسان ہے، جبکہ صحابہ کرامؓ، تابعین اور وہ آئمہ جن کی فقہ مدون نہیں ہے مثلاً لیث بن سعدؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ تو ان کے فقہی نظریات کو ان مجموعوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ان کے نظریات کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یہ دونوں انسائیکلوپیڈیا پوری فقہ اسلامی کی نمائندگی نہیں کرتے۔ بلکہ فقہ کا صرف وہ حصہ ان کی زینت بن سکا ہے جو پہلے سے مرتب و مدون شکل میں موجود ہے۔ گویا جو کام ہوا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ مختلف کتب فقہ میں محض مسائل کو نقل کر دیا گیا ہے۔ نہ تو کوئی نئی تحقیق سامنے آئی ہے، نہ مدفون علوم کے خزانوں کو وا کیا گیا ہے۔ البتہ فقہی مباحث کو ابجدی ترتیب میں ضرور مدون کر دیا گیا ہے اور بعض فروعی مسائل مثلاً استلحاق اور استمناء وغیرہ پر بحث کے لئے مستقل باب باندھے گئے ہیں۔

ہمیں مصر کی مجلس اعلیٰ کے تیار کردہ انسائیکلوپیڈیا سے توقع تھی کہ اس میں صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور ایسے آئمہ فقہ کی آرا مدون کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہو گی جن کی فقہی آراء و اقوال کو ابھی تک جامۂ تدوین نہیں پہنایا جا سکا۔ کیونکہ اس انسائیکلوپیڈیا کے مقدمہ میں جسے نظر ثانی کمیٹی کے ایک رکن اور مشہور قانون دان استاذ محمد احمد فرج سنہوری نے لکھا ہے، قدماء کی آراء کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ . ”صحابہ کرامؓ اور تابعین کے فقہی مسالک ہی دراصل وہ مؤثر ماخذ اور طاقتور عناصر ہیں جن کی بنا پر مختلف علاقوں میں فقہی مذاہب وجود میں آئے ہیں اور یہ آراء ان فقہی مذاہب میں اس طرح مدغم ہو گئیں کہ اب کتب فقہ میں ان کو علیحدہ نہیں دیکھا جا سکتا۔ البتہ وہ کتابیں جن میں آثار صحابہؓ اور اختلاف فقہاء کا بیان ہے، نیز ابتدائی دور کی تفاسیر اور مفصل شروح احادیث دیکھیں تو ان میں یہ آراء اب بھی محفوظ ہیں اور ان کے ذریعہ سے ہم تک صحیح طریقہ سے پہنچ گئی ہیں۔ دراصل یہی ہمارے اسلاف کا باقی ماندہ ذخیرہ ہے جو ہر دور میں ہماری رہنمائی کر سکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ:

"انسائیکلوپیڈیا فقہ اسلامی" - مطبوعہ قاہرہ)

پروفیسر سنہوری کی یہ رائے امت مسلمہ کی متفقہ رائے سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ اس سے پہلے شاطبیؒ بھی یہی بات کہہ چکے ہیں۔ علامہ شاطبیؒ نے لکھا ہے: "دین و دنیا کے اصلاح کے سلسلے میں متقدمین کے کارنامے متاخرین کے کاموں سے مختلف ہیں۔ اس طرح متقدمین کے علوم زیادہ دور رس اور عمیق ہیں۔ علوم شرعیہ پر صحابہؓ کی جو نظر ہے تابعین کی وہ نہیں ہے اور تابعین کو جو جزرسی حاصل تھی وہ تبع تابعین کو حاصل نہ تھی (الموافقات مقدمہ بارھواں ۱/۹۷)

لیکن جو کچھ ہوا وہ اس کے برعکس تھا۔ مجلس اعلیٰ کے انسائیکلوپیڈیا میں صحابہؓ اور تابعین کی فقہ کو چھوا تک نہیں گیا اور کویت کے فقہی انسائیکلوپیڈیا کے جو اجزاء اب تک چھپے ہیں ان میں بھی صحابہؓ اور تابعین کے مذاہب کو شامل نہیں کیا گیا۔ ان دونوں انسائیکلوپیڈیا کے مرتبین نے یہ طریقہ غالباً اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس میں انہیں کوئی زیادہ مشقت اور دقت ریزی کی ضرورت پیش نہ آئے۔ گویا جو چیز سہل الحصول تھی وہ لے لی اور جو محنت طلب تھی اسے چھوڑ دیا اور صبر و محنت کے بجائے جلد بازی کو ترجیح دی۔

میں نے ایک فاضل مرتب سے جو ان دونوں انسائیکلوپیڈیا میں شامل رہے ہیں جب اس موضوع پر بحث کی اور صحابہؓ کرام اور تابعین کے اجتهادات کو پیش کرنے کی ضرورت پر زور دیا تو وہ فرمانے لگے "کہ یہ کام تو ایسے طوفانی سمندر میں اترنے کے مترادف ہے جو نہایت گہرا اور تاریک ہو۔ اس کے اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہو، اس پر ایک اور موج، اور اس کے اوپر بادل گویا تاریکی پر تاریکی مسلط ہو۔ علاوہ ازیں یہ وہ مہم ہے کہ زندگی ختم ہو جائے اور یہ ختم نہ ہو۔"

مصنف کا منصوبہ اور اس کی خصوصیات

ایک طویل مدت سے میرا یہ پختہ یقین ہے کہ آج کی دنیائے قانون ہم سے محض ایسے انسائیکلوپیڈیا کا تقاضا نہیں کرتی جو مدون فقہی مذاہب کا چربہ ہو، بلکہ وہ ایک ایسے انسائیکلوپیڈیا کی پیاسی ہے جس میں فقہ اسلامی کا ہر مسلک اور ہر اجتهاد پیش کیا گیا ہو۔ چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر میں نے اپنی بے بضاعتی اور کم ہمتی کے باوجود اس بحر زخار میں کودنے کا فیصلہ کر لیا اور تقریباً بیس

سال گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر صحابۂ کرام، تابعین عظام اور ان آئمہ اور فقہا کی آراء اور اجتھادات کو مختلف مآخذ سے جمع کر تا رہا جن کی فقہ ابھی تک جامۂ تدوین سے محروم رہی ہے۔ میں نے ان کے علمی ذخائر کا اس کثرت سے مطالعہ کیا کہ ان اکابر کی آراء اور ان کے فقہی اسالیب سے میرے اندر ایک خاص مناسبت پیدا ہو گئی اور یہی وہ چیز ہے جس نے میرے لئے ان حضرات کی فقہ مدون کرنے کا انتہائی مشکل کام آسان بنا دیا۔

میں نے صحابہؓ و تابعین کی فقہ کو ایسے انداز میں مرتب کیا ہے جو جدید فقہی اسالیب سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس کی ترتیب بھی حروف ابجد کے حساب سے کی ہے۔ اور اصل مآخذ کے حوالے انتہائی اہتمام و احتیاط کے ساتھ درج کئے ہیں۔ یہ کام میں نے اس توقع سے کیا ہے کہ اس طرح ایک جامع فقہی انسائیکلوپیڈیا تیار ہونے کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ اب تک میں فقہ امام ابراہیم نخعیؒ کی تدوین سے فارغ ہو چکا ہوں۔ ابراہیم نخعیؒ فقہ اسلامی میں مدرسہ اہل الرائے کے بانی ہیں اور امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ انہی کے شاگرد ہیں۔ اس مجموعے کے طباعت کی ذمہ داری ام القریٰ یونیورسٹی کے سینٹر آف اکیڈمک ریسرچ نے قبول کی ہے۔ (۱)

میری دوسری کاوش انسائیکلوپیڈیا فقہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہے۔ جو اس وقت آپ کے سامنے ہے چند روز ہوئے فقہ علیؓ ابن ابی طالب کو اختتام تک پہنچایا ہے۔ اب فقہ عبد اللہؓ بن مسعود شروع کرنے والا ہوں۔ ابھی دیگر اکابر صحابہؓ و تابعین کی فقہ کی تدوین باقی ہے۔ بس یہی آرزو ہے کہ یہ تمام منصوبے تکمیل تک پہنچ جائیں کیونکہ ڈرتا ہوں کہیں عمر ختم ہو جائے اور یہ کام ادھورا رہ جائے۔ (۲)

---

(۱) ام القریٰ یونیورسٹی نے یہ کتاب نہایت اعلیٰ پیمانے پر چھاپ دی ہے۔ ادارہ معارف اسلامی منصورہ اس کا ترجمہ بھی شائع کرے گا۔

(۲) یہ مصنف کی پرانی تحریر ہے۔ مصنف اب تک فقہ ابو بکر، فقہ عمر، فقہ عثمان، فقہ علی ابن ابی طالب اور فقہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی مدون کر چکا ہے۔ ادارہ معارف اسلامی منصورہ ان تمام مجموعات کے اردو تراجم مکمل کر چکا ہے اور وہ مرحلۂ طباعت میں داخل ہو چکے ہیں۔

فقہ عمرؓ کی اہمیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور اس کے نشانہائے راہ اچھی طرح واضح کر دیئے۔ اغراض و مقاصد بھی متعین فرما دیئے اور پھر اس کارواں کو رواں دواں رکھنے کے لئے اس کا ابتدائی لائحہ عمل بھی طے فرمایا۔ آپ کے بعد حضرت ابو بکرؓ صدیق رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو بعض قبائل باغی ہو گئے اور آپؓ ان کی بغاوت کو فرو کرنے اور دولت اسلامیہ کی بنیادوں کو مستحکم بنانے میں مشغول رہے، مگر آپؓ کو تقدیر نے کام کی زیادہ مہلت نہ دی اور آپؓ کی عمر خلافت توقع سے بھی کم رہی۔ لہٰذا آپؓ کے دور میں ریاست کے نظم و نسق کے سلسلہ میں کوئی قابل ذکر پیش رفت نہ ہو سکی۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بکثرت فتوحات ہوئیں جن کے نتیجہ میں مسلمانوں پر مال و دولت کے خزانے کھل گئے اور مسلمانوں کو ایسی تہذیبوں اور تمدنوں سے سابقہ پڑا جن سے وہ پہلے واقف نہ تھے۔ لہٰذا ناگزیر ہوا کہ خلیفہؓ دوم ان نئے تہذیبی اور ارتقائی حالات کا مقابلہ ایسے متبادل ارتقائی اصولوں سے کریں جو اسلامی شریعت اور اس کے عمومی اصولوں سے ماخوذ ہوں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زندگی کے تمام پہلوؤں میں خواہ وہ سیاسی ہوں یا اقتصادی، معاشرتی ہوں یا قانونی ایسی ترقی پذیر تبدیلیاں کر دیں جو ایک طرف امت مسلمہ کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو بروئے کار لے آئیں اور دوسری طرف معاشرے کو اسلام کے بنیادی اصولوں سے دور بھی نہ ہونے دیا۔ آپ نے شہر آباد کئے اور مختلف علاقوں کے قاضیوں کے نام فرامین و احکام جاری کئے۔ جو آج کل بھی قاضیوں، قانون دانوں اور حکومت کے مالی امور کے ماہرین کے لئے رہنما اصولوں کا کام دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ریاست کا مالی نظام قائم کیا، محکموں کے ریکارڈ (دواوین) مرتب کئے، ایک مکمل اور مضبوط اقتصادی نظام کی عمارت استوار کی اور لوگوں کی اجتماعی زندگی کا ڈھانچہ انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ استوار کیا۔ لہٰذا لوگ ان کے مطیع فرمان ہو گئے۔ اور ان کے دلوں میں آپ کی محبت نے گھر کر لیا کیونکہ ان کو اس حقیقت کا یقین ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس راستے پر چلتے ہیں شیطان اس کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ کیا یہ ایک حقیقت واقعی نہیں کہ ۱۶ مقامات

ایسے ہیں جن میں قرآن مجید نے حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے اتفاق کیا۔ یعنی ان مسائل میں وحی کا فیصلہ وہی تھا جو حضرت عمرؓ کا خیال تھا۔ [۱]

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے اجتہادات کی اسلامی نقطہ نگاہ سے ایک خاص اہمیت اور قدر و قیمت ہے اور ان پر صرف اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو برتری حاصل ہے۔

حضرت عمرؓ نے اسلامی حکومت کی تعمیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روح کو کمال درجہ کی مہارت کے ساتھ سمویا۔ بلکہ انہوں نے اس عمارت میں ایسی ماہرانہ زر نگاری کی جس نے اسے مزید چکاچوند بخش دی۔ اور اس کی عظمت واستحکام میں غیر معمولی اضافہ کر دیا۔ آپ کو فقہ عمرؓ کا مطالعہ کرتے وقت حضرت عمرؓ کے ان ماہرانہ کارناموں کے آثار جگہ جگہ نمایاں نظر آئیں گے۔

فقہ عمرؓ کی تدوین میں میرا طریق کار

میں نے کوشش کی ہے کہ کسی مسئلہ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے معلوم کرنے کے لئے صرف ایک مرجع پر اعتماد نہ کیا جائے، بلکہ ایک سے زائد مراجع میں اس مسئلہ کی چھان بین کی جائے۔ اس طریق کار کے کئی فائدے ہیں، جن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اس طرح کتابت اور طباعت میں اگر کہیں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کا پتہ چل جاتا ہے۔ دوسرے اس خاص پس منظر سے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے جس میں آپؓ نے یہ رائے دی تھی۔ ظاہر ہے کہ فقہی مسائل کی تدوین میں پس منظر کا جاننا انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

۲۔ میں نے اس انسائیکلوپیڈیا میں صرف بنیادی مآخذ پر اعتماد کیا ہے اور انہی کے حوالے دیئے ہیں۔

---

(۴) ان باتوں کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ ہو امام سیوطی رحمہ اللہ کی نہایت عمدہ تصنیف: "قصیدۃ قطب الثمر فی موافقات عمرؓ"۔ یہ کتاب ابھی مخطوطے کی شکل میں ہے اور دمشق کے مکتبہ ظاہریہ میں محفوظ ہے۔

اس مقصد کے لئے میں نے پہلے ان مآخذ کی پوری طرح چھان پھٹک کی، پھر ان میں سے مسائل نکال کر حوالہ کارڈ تیار کر لئے۔ میرے مآخذ درج ذیل ہیں:

حدیث کی مشہور چھ کتابیں (بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ) موطا امام مالک، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ محلی ابن حزم، مغنی ابن قدامہ، اور المجموع از امام نوویؒ ـــــ ان کے علاوہ بعض دوسرے درجے کے ایسے مآخذ سے بھی رجوع کیا ہے جن سے صرف نظر ممکن نہ تھا، مثلاً فتح الباری، عون المعبود، فتح القدیر، آثار محمد بن حسن الشیبانی وغیرہ۔

دوسرے میں نے یہ التزام بھی کیا ہے کہ حوالے دیتے وقت ان بنیادی مآخذ کا ذکر کروں جو بالعموم دستیاب ہیں اور جن سے علماء اکثر و بیشتر استفادہ کرتے رہتے ہیں، تاکہ ہر آدمی کے لیے کسی ابہام یا شک کے موقع پر ان سے رجوع کرنا ممکن ہو۔ سوائے مصنف ابن ابی شیبہ کے جس کی اپنی اہمیت بہت زیادہ ہونے کی بنا پر اس کو چھوڑنا میرے لئے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ میں نے اس سے نقل و حوالہ کے سلسلہ میں اس قلمی نسخہ پر اعتماد کیا ہے جو استنبول کے توپ کاپی عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔

۳۔ اختصار اور دیگر کئی امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اکثر اجتہادات اس طرح درج کئے ہیں کہ ان کے لئے نہ تو کوئی عقلی دلیل پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے اور نہ احادیث نبوی سے استشہاد کیا ہے۔ گویا اس طرح میں نے بھی دیگر فقہا کی مانند حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہادات کو بطور خود ایک دلیل کی حیثیت دی ہے اور دلیل کسی دلیل کی محتاج نہیں ہوتی۔ بسا اوقات قاری کو محسوس ہو گا کہ جن مسائل و آراء کو حضرت عمرؓ کے اجتہادات کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے ان میں سے اکثر دراصل لفظاً یا معناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں۔ لیکن ان کو میں نے حضرت عمرؓ کی آراء کے طور پر درج کیا ہے ـــــ ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی قول منسوب کئے بغیر ان مسائل میں اپنی رائے سے فتویٰ دیا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کسی حدیث کو بیان کرتے وقت کسی لغزش کے امکان کے پیش نظر قول کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرنے سے سخت گھبراتے تھے اور یہ کہنے کے مقابلے میں کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اس طرح کہنے کو ترجیح دیتے تھے کہ " "عمر نے کہا" یا "عبداللہ بن مسعود نے کہا" ـــــ یا یہ ان کی رائے ہے۔

۴۔ بہت ممکن ہے کہ بعض علماء حدیث مجھ پر اس لحاظ سے گرفت کریں کہ میں نے حضرت عمرؓ کی بعض ایسی آراء کو بھی نقل کر دیا ہے جن کی سند ضعیف ہے لہٰذا ضروری ہے کہ یہاں میں اپنے اس طریق کار کی وضاحت کروں جو میں نے فقہ بالعموم فقہ سلف کی تدوین کے بارے میں اختیار کیا ہے۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ فقہاء کے نزدیک فقہ ایک ایسی مکمل عمارت کی مانند ہے جس کے سب حصے باہم ایک دوسرے کو تھامے ہوئے ہیں۔ لہٰذا کسی مجتہد کی رائے کے قابل قبول ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ رائے یا اجتہاد اس مجتہد کے فقہی نظام سے مطابقت رکھتا ہو۔ اگر کوئی رائے اس نظام سے ہم آہنگی نہ رکھتی ہو تو نا قابل قبول ہو گی۔ اور اگر مطابقت رکھتی ہے تو قابل قبول ہے خواہ اس کی سند ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ میں نے حضرت عمرؓ کے سلسلہ میں بھی آپ کی جس رائے کو دیکھا کہ وہ آپ کے فقہی تصورات سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے تو ضعیف سند کے باوجود اسے درج کر دیا ہے۔ محدثین کرام بھی اس ضعیف حدیث کو قبول کر لیتے ہیں جس کے شواہد دوسری احادیث سے مل جاتے ہوں۔ اس صورت میں ضعیف حدیث کی توثیق ہو جاتی ہے اور وہ قابل قبول قرار پائی ہے۔ یہی اصول میں نے اقوال عمر رضی اللہ عنہ کے باب میں اختیار کر لیا ہے۔ مثلاً حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ چلو میں پانی لے کر اسی سے کلی بھی کر لیتے تھے اور ناک میں بھی پانی چڑھا لیتے تھے۔ اس روایت کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نجاست کے بارے میں اس بنیادی تصور سے ہوتی ہے کہ "پانی ناپاک نہیں ہوتا" ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک جب پانی ناپاک ہی نہیں ہوتا تو ایک مرتبہ چلو میں پانی لے کر اسی سے کلی کر لینے اور ناک میں چڑھا لینے میں کیا حرج ہے۔ اسی پر ان کی باقی آراء و اقوال کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ موازنہ حقوق کی بین الاقوامی مجلس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس انسائیکلوپیڈیا میں میں نے ابجدی ترتیب کا التزام کیا ہے اور الفاظ کو فقہی اصطلاح کے لحاظ سے درج کیا ہے ان کی لغوی ترکیب ملحوظ نہیں رکھی۔ مثلاً لفظ استحاضہ آپ کو حروف "ح" میں نہیں ملے گا. بلکہ حرف الف میں ملے گا۔ اسی طرح لفظ استبراء کو بجائے "ب" کے حرف "الف" کے عنوان میں تلاش کیجئے۔

(ابو المنتصر محمد رواس قلعہ جی حلب)۔

یکم رمضان ۱۳۹۶ھ)

الف

آمّہ (دماغ کی چوٹ)

۱۔ **تعریف:** سر کا وہ زخم جو ام الدماغ تک پہنچ جائے۔
ام الدماغ اس باریک جھلی کو کہتے ہیں جو دماغ کو چاروں طرف سے محیط ہے۔

۲۔ **احکام:** دیکھو (جنایہ/۴ب ۲ج) و (جنایہ/۵ب ۴ھ)

آنیہ: (دیکھو: اِنا)

آئِسہ

۱۔ **تعریف:** اس سے مراد وہ عورت ہے جو عمر کے اِس مرحلے میں پہنچ جائے جب حیض منقطع ہوجاتا ہے۔

۲۔ **آئِسہ لونڈی کے استبراء کا بیان:** (د: استبراء/اد)

: باپ اپنے بیٹے کے مال میں سے حسبِ ضرورت لے سکتا ہے؛ لہٰذا اگر باپ بیٹے کے مال میں سے کچھ لے لیتا ہے تو یہ مال باپ پر قرض متصور نہیں ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ ایک شخص نے اپنی بیٹی کی شادی کی اور شوہر نے مہر باپ کے پاس بھیج دیا اور باپ نے مہر قبضہ میں لے لیا۔ باپ کے انتقال پر بیٹی نے اپنے مہر کا مطالبہ کیا۔ اُس کے بھائیوں نے کہا کہ وہ تو باپ نے اپنی زندگی میں ہی لے لیا تھا۔ بیٹی نے مہر کا دعویٰ دائر کیا۔ اِس پر حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا:

"مہر کا جو حصّہ تمہیں اصلی حالت میں مل جائے اس کی تو تم ہی حقدار ہو۔ لیکن اس کا وہ حصّہ جو تمہارے باپ نے خرچ کر دیا تھا وہ اس پر قرض نہیں ہے۔"[1]

آب

نسیئہ (د: دین/۳ و)

- باپ کا اپنی اولاد کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا۔ (د: صدقہ فطر)
- نابالغ بچے کے لیے باپ کا ولی ہونا۔ (د: ولایۃ/۲)
- باپ پر بیٹے کا قرض نہیں ہوتا۔ (د: دین/۱۳) و (ترکۃ/۲ب)
- نکاح میں باپ کی ولایۃ۔ (د: نکاح/۵ب ۲ب)
- باپ پر اولاد کے نفقہ کا واجب ہونا اور اولاد پہ باپ کے نفقہ کا وجوب۔ (د: نفقہ/۲)
- باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔ (د: جنایہ/۳ب ۳)
- اگر باپ بیٹے کا مال چرا لے۔ (د: سرقہ/۴)
- جہاد پر جانے کے لیے والدین کی اجازت۔ (د: جہاد/۴)
- کسی باپ کو یہ اجازت نہیں ہے کہ دارالاسلام میں اپنے بیٹے کو عیسائی بنائے۔ (د: اسلام/۴د)

---

[1] مصنف عبدالرزاق: ۹/ ۲۲۱

- بیٹے کے حق میں باپ کی گواہی اور باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی۔ (د: شہادۃ /۱ھ)
- میراث میں باپ کے کوائف۔ (د: ارث/۱۵)
- باپ کا اپنے چھوٹے بچوں کی پرورش کرنا (د: حضانۃ /۱۲)
- باپ کا اپنے بیٹوں کے پسندیدہ ترین نام رکھنا۔ (د: اسم)
- باپ کا اپنے بیٹے سے اُس چیز کا واپس لینا جو اُس نے اُسے ہبہ کی تھی۔ (د: ہبۃ /۴ج)

اِبَاحَۃ (اباحت)

۱۔ **تعریف:** فاعل (کرنے والے) کو فعل (کام) اپنی مرضی سے جیسے چاہے کرنے کی اجازت۔

۲۔ **اقسام:** اباحت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ اللہ سبحانہٗ کی طرف سے کسی شئے کو خرچ کرنے یا اُس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت۔

خرچ کرنے کی اباحت کی مثال: جیسے چشمے سے پانی یا گھاس اُگنے کے مقام سے گھاس یا پانی میں موجود مچھلی کو حاصل کرنا۔ یعنی ایسی اشیا جو اللہ کی جانب سے وجود میں آئی ہوں اور اُن کی ایجاد میں انسان کا کوئی دخل نہ ہو، اُن کو خرچ کرنا اور کام میں لانا۔

اور استفادے کی اباحت کی مثال: جیسے راستے پر چلنے کی اباحت۔

پہلی قسم کی اباحت میں انسان چیز پر حقِ ملکیت حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن دوسری قسم کی اباحت میں حسبِ حالات حقِ استنفاع حاصل ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر ضرورت مندوں کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے تو حضرت عمرؓ کے نزدیک ایسی صورت میں فائدہ اُٹھانے کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ ضرورت مند ہوگا؛ چنانچہ پانی اور سائے پر مقیم کے مقابلے میں مسافر کا حق زیادہ ہے، کیونکہ اُسے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے۔

"پانی اور سائے پر مقیم کے مقابلہ میں مسافر زیادہ حق رکھتا ہے۔"

(ب) دوسری قسم: کسی انسان کا اپنی ملکیتی شئے سے کسی دوسرے شخص کے لیے استفادہ کو مباح کر دینا، جیسے اپنے باغ کا پھل کھانے کی اجازت دینا یا ہر مسافر کو اپنے گھر ٹھہرنے کی اجازت دے دینا۔ یہ اباحت بالاجماع جائز ہے۔

اِبَاق (فرار)

۱۔ **تعریف:** غلام کا بلاوجہ محض سرکشی کی بنا پر اپنے مالک کے پاس سے فرار ہو جانا۔

۲۔ مفرور غلام کو واپس پہنچانے کے لیے کام کرنا (د: الجعالۃ/۲)

ابراء (بری کر دینا)

تعریف: کسی شخص کا اپنا وہ حق ساقط کر دینا جو دوسرے کے ذمہ لازم ہو۔ (د: قضاء/۳د۱)

ابکم: دیکھو: اخرس

ابل:

اُونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کا لازم آنا۔

(د: وضوء/۸ب)

اُونٹ کی زکوٰۃ (د: زکوٰۃ/۴د۳)

اُونٹ کو قربانی کا جانور ظاہر کرنے کے لیے اس پر کوئی

نشانی یا علامت بنانے کا جواز ۔ (د: اشعار)
اُونٹ کی قربانی ایک سے زائد اشخاص کی طرف سے کافی نہیں ۔
(د: اضحیہ/ ۳)
دیت کی مقدار مقرر کرنے کے سلسلہ میں اُونٹ کو اصل و اساس کی حیثیت حاصل ہے ۔ (د: جنایہ/ ۵ ب ۲)
غرّہ کے بدلے میں کتنے اُونٹ دینے لازم ہوں گے ۔
(د: اجہاض/ ۳)

ابن: نیز دیکھو: ولد
میراث میں بیٹے کے احکام ۔ (د: ارث/ ۱۶/ ا) و (ارث/ ۵ د)

ابن الابن:
میراث میں پوتے کے احکام ۔ (د: ارث/ ۵ ز) و (ارث/ ۶/ ا)

ابن السّبیل (مسافر)

۱. تعریف: وہ مسافر جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جو منزل تک پہنچنے کے لیے کفایت کرے ۔
۲. احکام: ایسے شخص کو مالِ زکاۃ میں سے کچھ دینے کا بیان ۔
(د: زکاۃ/ ۸)
ایسے شخص کو مالِ غنیمت کے خمس میں سے کچھ دینے کا بیان ۔
(د: غنیمۃ/ ۲ ب ۲)
ایسے شخص کی مہمان داری کا بیان (د: ذمۃ/ ۲ اج) و (ذمۃ/ ۲ ب ۴) و (ذمۃ/ ۵ ج ۵) و (ضیافۃ)

اتلاف (ضائع کرنا)

۱. تعریف: کسی شے کو ایسی حالت میں پہنچا دینا کہ جو منفعت علوتاً اس سے مطلوب ہو وہ باقی نہ رہے ۔ (۱)

۲. تلف شدہ اشیاء کا تاوان: کسی چیز کو تلف کرنے پر ضمان لازم آتا ہے بشرطیکہ درج ذیل شرائط پائی جائیں ۔
(ا) جو چیز ضائع ہوئی ہے وہ مال ہو ۔ چنانچہ مردار کے تلف کرنے پر ضمان نہیں ہے ۔ اس لئے کہ وہ مال نہیں ہے ۔
(ب) ضائع شدہ چیز قیمت رکھتی ہو؛ چنانچہ مسلمان کے قبضہ میں موجود شراب یا خنزیر کے ضائع کر دینے پر ضمان نہیں ہے خواہ تلف کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی ۔ (د: اشربہ/ ۱ د ۲)
(ج) ضائع کرنے والا ایسا شخص ہو جو ضمان (تاوان) ادا کرنے کا اہل ہو؛ لہٰذا اگر کوئی جانور کسی انسان کا مال تلف کر دے تو جانور کے مالک پر ضمان نہیں ہے ۔ اس لیے کہ بے زبان (جانور) کا فعل ناقابلِ ضمان ہے؛ البتہ نابالغ بچہ، مجنون اور سویا ہوا شخص اگر کوئی چیز تلف کر دے گا تو اُس پر تاوان لازم ہو گا ۔ (د: صغیر/ ۵ د) و (جنون/ ۲)
(د) وجوب ضمان کا فائدہ ہو؛ چنانچہ دار الحرب میں اگر مسلمان حربی کا مال تلف کر دے یا حربی مسلمان کا مال تلف کر دے، ہر دو صورت میں ضمان نہیں ہے ۔ اسی طرح اگر امام عادل باغی کا مال ضائع کر دے یا باغی حاکم عادل کا مال ضائع کر دے تو ضمان نہیں ہے ۔ اس لیے کہ اس وجوب کا کوئی فائدہ نہیں ہے؛ کیونکہ اختیار نہ ہونے کی بنا پر تاوان کی وصولیابی کا امکان نہیں ہے ۔ (د: بغاۃ/ ۲)
جان اور اعضاء کا تلف کرنا ۔ (د: جنایہ)
صیدِ حرم کا تلف کرنا ۔ (د: حج/ ۵ د ۶)
چلا چلا کر تلف کر دینا ۔ (د: جنایہ/ ۵ اے) و (قسامۃ/ ۵ د)

شراب تلف کرنا (د: اشربۃ/ ای ۲)
جو ہجوم میں دب کر ہلاک ہو جائے۔ (د: جنایہ ۲ب ۲ب)
کسی عضو کو تلف کرنے کی تعزیر (د: تعزیر/ ۲م ۲)
سامان تلف کرنے کی تعزیر (د: تعزیر/ ۲ک)

اثبات (ثبوت دینا)

۱۔ **تعریف:** کسی معاملہ میں قاضی (عدالت) کے سامنے دلائل پیش کرنا۔

۲۔ ثبوت پیش کرنے کے طریقے۔

زبانی اقرار اور تحریر (د: اقرار) و (قضاء/ ۳ ا)
ایک گواہ کے ساتھ قسم (د: قضاء/ ۳ج)
قیافہ (د: قضاء/ ۳ھ)
قاضی کا معاملہ سے باخبر ہونا ماسوائے حدود کے۔ (د: قضاء/ ۳ز)
گواہی (د: شہادۃ) و (قضاء/ ۳ب)
قسم (د: قضاء/ ۳د)

۳۔ رمضان اور شوال کا چاند نظر آنے کا ثبوت۔ (د: صیام/ ۴و)

اِجارہ (کرایہ پر دینا)

تعریف: اجارہ سے مراد وہ معاہدہ ہے جو کسی چیز سے متعین، مقصود اور جائز منفعت حاصل کرنے کے لیے طے شدہ معاوضہ کے بدلے میں کیا جائے اور یہ منفعت قابلِ استفادہ اور جائز بھی ہو جب کہ کرایہ پر لی ہوئی چیز کا اصل بعینہ باقی رہے۔

۲۔ **ارکانِ اجارہ:**

اجارہ کے ارکان چار ہیں۔
متعاقدان (فریقینِ معاہدہ)
الفاظ عقد (معاہدہ)
معقود علیہ (جس شئے پر معاہدہ طے ہوا) اور وہ دو ہیں۔ ایک اُجرت اور دوسرے وہ منفعت جو اجارہ پر دی جا رہی ہے۔

(الف) فریقینِ معاہدہ کے لیے درج ذیل شرائط ہیں، جن کا ہر ایک میں موجود ہونا ضروری ہے۔

(۱) عقد کرنے کی اہلیت۔ چنانچہ مجنون اور محجور علیہ (جس کے مالی تصرفات پر عدالتی پابندی عائد ہو) معاہدہ کرنے کے اہل نہیں ہیں۔

(۲) بااختیار ہو، کیونکہ معاہدہ کرنے یا اُسے ختم کرنے میں مُکرَہ (مجبور) کا قول قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ (د: اکراہ/ ۴)

اجیر کی دو قسمیں ہیں۔

اجیرِ خاص: جو ایک شخص کا کام کرے اور دوسروں کا نہ کرے۔ سرکاری ملازمین بھی اجیرِ خاص کے زمرہ میں آتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو خط لکھا تھا کہ ہرگز نہ تو کوئی مال خریدنا اور نہ فروخت کرنا (۱)
نیز حضرت عمرؓ نے جب حضرت ابوہریرہؓ کو بحرین بھیجا تو اس علاقے کا عامل ہوتے ہوئے اُن کا دوسرے کاموں میں مصروف ہونا ناپسند فرمایا۔ (۲)
اور ان دونوں کو منع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ

(۱) مصنف عبدالرزاق ۸/ ۳۰۰ (۲) العقد الفرید ۱/ ۱۴

نے دونوں کو اجیرِ خاص متصور کیا تھا اور ایک موقعہ پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ امیر کا تجارت کرنا (کاروبارِ مملکت کے لیے) باعثِ خسارہ ہے (۱)

اجیرِ خاص پر اُس کی مقدرت سے زیادہ کام کی ذمہ داری ڈالنا درست نہیں ہے؛ چنانچہ امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت نقل کی ہے کہ

حضرت عمرؓ ہر ہفتہ کے روز عَوالی (مدینہ منورہ کے باہر بستی) میں جاتے اور اگر کسی غلام کو دیکھتے کہ اُس سے مقدرت سے زائد کام لیا جارہا ہے، تو زائد کام لینے سے روک دیتے تھے۔ (۲)

اجیرِ خاص اپنے آپ کو مستاجر کے سپرد کر دینے پر اُجرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

دوسری قسم۔

اجیرِ عام: وہ شخص جو آپ کا کام بھی کرے اور دوسرے لوگوں کا بھی کرے، جیسے درزی اور بڑھئی وغیرہ۔ یہ لوگ کام کرکے ہی اُجرت کے مستحق ہوتے ہیں؛ لہٰذا کام کریں گے تو اُجرت پائیں گے ورنہ نہیں۔

(ب) الفاظ عقد (معاہدہ) ایجاب PROPOSAL اور قبول ACCEPTANCE ہیں۔

ایجاب و قبول میں ہم آہنگی ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ قبول کسی ایسی بات کے واقع ہونے سے پہلے ہو جو ایجاب سے گریز پر دلالت کرتی ہو اور ایجاب اور قبول دونوں حتمی الفاظ میں ہوں۔

(ج) اجرت۔ اس کی دو شرطیں ہیں۔

(۱) السنن البیہقی: ۱۰/۱۰۷ (۲) المؤطا ۲/۹۸۰

(۱) یہ کہ اُجرت معلوم و متعین ہو۔ کیونکہ اجارہ ایک "عقدِ معاوضہ" ہے جو نامعلوم معاوضہ کے ساتھ صحیح نہیں ہو گا۔ جیسا کہ بیع صحیح نہیں ہوتی۔ اجارہ میں اُجرت کی وہی حیثیت ہے جو بیع میں ثمن کی ہے۔ (د۱ بیع /۲)

البتہ اِس اصول سے اجیرِ خاص کی اُجرت مستثنیٰ ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک اجیرِ خاص کے معاملے کی بنیاد باہمی درگزر پر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اجیرِ خاص نے معاہدہ کی تمام مدت کے لیے اپنا وقت مستاجر کو فروخت کر دیا ہے اس لیے حضرت عمرؓ نے تھوڑی بہت غیر واضح صورتحال کے باوجود جیسا کہ رواج ہے، اجیرِ خاص مقرر کرنا جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مزارعت کو جائز قرار دیا حالانکہ زمین کی پیداوار نامعلوم اور غیر متعین ہے اور حضرت عمرؓ نے ہی عمار بن یاسرؓ کو نماز اور جہاد کی ذمہ داری سپرد کرکے، عبداللہ بن مسعودؓ کو قضا اور مالیات کے محکمہ کا سربراہ بنا کر اور عثمانؓ بن حنیف کو پیمائش زمین کا کام سپرد کرکے کوفہ بھیجا۔ اور اُن کے لیے ایک بکری روزانہ (اجرت) مقرر کی کہ نصف بکری اور سری پائے عمارؓ کے لئے۔ یہ تہائی عبداللہؓ کے لیے اور یہ تہائی ابن حنیفؓ کے لیے۔ اور فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ کسی بھی بستی سے روزانہ ایک بکری حاصل ہونا ممکن ہو۔ جس بستی میں ایسا کیا جائے گا وہاں بکریاں تیزی سے ختم ہو جائیں گی۔ پھر فرمایا۔ بس یہ سمجھ لو کہ تم کو میں نے اِس کام پر لگا تو دیا ہے لیکن میں اس کا ویسا ہی ذمہ دار ہوں جیسے یتیم کا سرپرست یتیم کے مال کا ہوتا ہے۔ (۱)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۶۳

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ (النساء : ۶)

"یتیم کا جو سرپرست مالدار ہو وہ پرہیزگاری سے کام لے اور جو غریب ہو وہ معروف طریقہ سے کھائے۔"

حضرت عمرؓ نے ان تینوں صحابۂ کرام کو ایسی اُجرت کے عوض کام پر لگایا تھا جو اُن کے اخراجات کے لیے کافی تھی لیکن غیر واضح تھی۔ نیز ابنِ قدامہ نے المغنی میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ طعام اور لباس کے بالعوض اجیر مقرر کر لیتے تھے (۱) حالانکہ اُن کے کھانے کی مقدار اور جو لباس وہ پہنیں گے اُس کی قیمت کو پُوری طرح متعین نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) اجیرِ خاص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اِس کام کے بدلے میں جو وہ اپنے ملازم رکھنے والے کے ہاں کرتا ہے مقررہ اُجرت کے علاوہ مزید اُجرت کا تقاضا کرے، کیونکہ اس طرح وہ ایک ہی عمل کی دو اُجرتیں طلب کرنے والا ہو گا۔ اِسی لیے حضرت عمرؓ نے قاضیوں کی اُجرتیں متعین فرما دی تھیں اور اُن کے لیے مکروہ قرار دے دیا تھا کہ وہ اس کے علاوہ فریقین سے کچھ لیں۔

چنانچہ عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے شریح اور سلیمان بن ربیعۃ الباہلی کو عہدہ قضا پر مقرر کیا اور اُن کی تنخواہ مقرر کی (۲) اور ابنِ قدامہ المغنی میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے شریح کی تنخواہ سو درہم ماہانہ مقرر کی تھی۔ اسی طرح زید بن ثابتؓ کو عامل بنایا اور اُن کی تنخواہ مقرر کی۔ اور عمارؓ، عثمان بن حنیفؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ بھیجا اور اُن کی تنخواہ مقرر کی۔ اور معاذ بن جبلؓ اور ابو عبیدہؓ کو جب شام بھیجا تو اُن کو لکھا کہ :

اپنے علاقے کے نیک اور صالح افراد کو منصب قضا پر مامور کرو۔ انہیں سہولتیں فراہم کرو اور اللہ کے مال سے اُن کے رزق اور گزر بسر کا انتظام کرو۔

مَیں کہتا ہوں کہ یہ جو حضرت عمرؓ نے انہیں دلوایا یہ درحقیقت تنخواہ ہی کی ایک صورت تھی لیکن فریقین سے کسی قسم کی اُجرت لینے کے بارے میں فرمایا کہ :

"مسلمانوں کے قاضی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے فیصلے کی اُجرت طلب کرے۔" (۱)

اور عبدالرزاق نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ :

حضرت عمرؓ کو یہ بات ناپسند تھی کہ قاضی قضاء کی اُجرت لے۔(۲)

(۳) اُجرت معاہدہ طے پانے پر واجب الادا ہو جاتی ہے۔ اور جو چیز اُجرت پر دی گئی ہے اُس کے سپرد کرتے ہی اُجرت کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے کہ اگر منفعت حاصل کر لی تو اُجرت پوری ہو گئی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے سواری کرائے پر لی اور ذوالحلیفہ سے گزر گیا تو اس پر کرایہ لازم ہو گیا۔(۳) اس بات کا کوئی لحاظ نہیں ہے کہ جسے اُجرت دی جا رہی ہے اسے اُجرت کی ضرورت ہے یا وہ اس سے مستغنی ہے اور بلا لحاظ اس کے کہ اُجرت پر لینے والا حقیقی شخص ہے یا مجازی، مثلاً ریاست وغیرہ۔ کرایہ پر دینے والا ہر حالت میں اُجرت کا مستحق ہو گا۔

عبداللہ بن الساعدی نے روایت کیا ہے کہ :

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں مجھ سے فرمایا کہ آپ لوگوں کے کام کرتے ہیں اور مَیں آپ کو اُجرت دیتا ہوں

---

(۱) المغنی ۵/۴۸۴ (۲) مصنف عبدالرزاق ۸/۲۹۷

(۱) المغنی ۹/۳۷ (۲) مصنف عبدالرزاق ۸/۲۹۷ (۳) السنن البیہقی ۶/۱۲۳

تو آپ پسند نہیں کرتے ۔ مَیں نے کہا میرے پاس گھوڑے
اور غلام موجود ہیں اور مَیں خوشحال ہوں؛ لہٰذا مَیں چاہتا ہوں
کہ میری یہ اُجرت مسلمانوں کے لیے صدقہ ہو جائے ۔ حضرت
عمرؓ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو ۔ پھر آپ نے رسول اللہ کے
ساتھ پیش آنے والا اپنا واقعہ بیان کیا کہ آپؐ حضرت عمرؓ
کو عطا دیتے تو عمرؓ کہتے یا رسولؐ اللہ یہ کسی مجھ سے زیادہ
حاجت مند کو دے دیجیے ۔ اس پر رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ تم
لے لو اور یا تو اپنے مال میں اضافہ کرو اور یا خود صدقہ کر دو
اور جو مال تمہارے پاس اس طرح آئے کہ نہ تو تم اس کی
تاک میں بیٹھے ہو اور نہ تم نے اس کی طلب کی ہو تو وہ لے لو ۔
اور جو مال اس طرح نہ آئے اس کے حصول میں اپنی جان
نہ کھپاؤ ۔ (۱)

ب) منفعت :

جس منفعت کے حصول کے لیے مالی معاوضہ ادا کرنا جائز ہے
اُس کی حسبِ ذیل شرائط ہیں ۔

(۱) وہ منفعت ایسی ہو کہ بازار میں اُس کی قیمت ہو ۔ جیسے کوئی
سواری کرایہ پر لے یا مکان برائے رہائش لے ۔ چنانچہ
امام نووی نے المجموع میں حضرت عمرؓ کے بارے میں نقل
کیا ہے کہ اُنہوں نے مکّہ کے گھروں کو فروخت کرنے
کرائے پر دینے اور رہن رکھنے کو جائز قرار دیا تھا (۲) اگر
منفعت قابلِ قیمت نہ ہو تو عقد اجارہ درست نہ ہو گا ۔
ناقابلِ قیمت منفعت کی مثال ۔ جیسے جادوگری کا فن؛ لہٰذا
جادو کرانے کے لیے ملازم رکھنے کا معاہدہ ناجائز ہے ۔ اور
نشہ آور شے کی بار برداری پر اُجرت لینا بھی درست نہیں
ہے الا یہ کہ اس کو ضائع کرنے کے لیے اجارہ کیا جائے ۔

(۲) یہ کہ وہ منفعت ایسے شخص کو حاصل رہی ہو جو اجیر کے علاوہ
ہو ۔ اگر منفعت اجیر ہی کو حاصل ہو رہی ہے تو عقد اجارہ
صحیح نہیں ہو گا ۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے ان عبادات پر
اُجرت لینے کو جائز قرار نہیں دیا جو مسلمان خود اپنی ذات کے
لیے کرتا ہے، کیونکہ اس کی منفعت خود اسی کو حاصل ہوتی
ہے جیسے نماز اور اذکار اور تلاوتِ قرآن وغیرہ ۔ چنانچہ ابن
حزم نے المحلی میں روایت کیا ہے کہ کچھ حضرات نے رمضان
میں قرآن کی تلاوت کی اور حضرت عمار بن یاسرؓ نے اُن کو
کچھ عطا کیا ۔ حضرت عمرؓ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے ناپسند
فرمایا ۔ اور سعد بن ابی وقاص نے اعلان کیا جو قرآن پڑھے
گا میں اسے دو ہزار وظیفہ پانے والوں میں شامل کر دوں گا ۔ اس پر حضرت عمرؓ
نے فرمایا کہ کیا اللہ کی کتاب پر بھی اُجرت دی جائے گی ؟
جب بزاخہ، اسد اور غطفان کا وفد برائے صلح حضرت ابوبکرؓ
کے پاس آیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اُنہیں اختیار دیا کہ وہ "کھلی
جنگ" یا "رسوا کن صلح" میں سے کسی کو اختیار کر لیں۔ اُنہوں
نے کہا کہ کھلی جنگ کا مفہوم تو ہم سمجھتے ہیں لیکن رسوا کن
صلح سے آپؓ کی کیا مراد ہے ؟
حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم ہمیں اُونٹ اور گھوڑے فراہم
کرو گے ۔ ہمارے اُونٹوں کے چرانے کے لیے آدمی دو گے
تا آنکہ اللہ اپنے اور مسلمانوں کے حق کے سلسلہ میں اپنے خلیفہ
کو کوئی ایسی بات سجھا دے جس کی بنا پر وہ اور مسلمان تم کو
معذور خیال کرتے ہوئے اس ذمہ داری سے آزاد کر دیں ۔
اور تم ہمارے مقتولوں کی دیت دو گے لیکن ہم تمہارے
مقتولوں کی دیت نہیں دیں گے کیونکہ ہمارے مقتول جنت

(۱) المحلی ۹/۱۵۲، ۱۵۳، مسند الامام احمد ۱/۱۷ (۲) المجموع ۹/۲۶۹

میں ہوں گے اور تمہارے مقتول جہنمی ہوں گے ۔ اور تم جو مال ہمارا لوگے وہ تم لوٹاؤ گے اور ہم جو لیں گے وہ ہمارے لیے غنیمت ہوگا ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میری بھی ایک رائے ہے جس سے میں آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی یہ رائے درست ہے کہ انہیں چاہیئے کہ ہمیں اونٹ اور گھوڑے فراہم کریں ۔ یہ بھی درست ہے کہ اونٹوں کے چرانے کے لیے وہ اپنے لوگ مقرر کریں ۔ آپ کی یہ رائے بھی صائب ہے کہ ان کا جو مال ہم لیں گے وہ غنیمت ہوگا اور جو وہ لیں گے وہ انہیں لوٹانا ہوگا اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ ہمارے مقتول جنتی ہیں اور ان کے مقتول جہنمی ہیں ۔ لیکن یہ بات کہ انہیں ہمارے مقتولوں کی دیت ادا کرنی ہوگی درست نہیں ہے کیونکہ ہمارے مقتول اللہ کی راہ میں شہید ہوئے ہیں اور شہدا کی دیت نہیں ہوتی ۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے ان مجاہدین کی دیت لینے سے اتفاق نہیں کیا جو مرتد باغیوں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگئے ۔ اس لیے کہ ان کے جہاد کی منفعت یعنی ثواب انہی کو حاصل ہوگا اور وہ ہے رضائے الٰہی کا حصول، جس کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے ۔

اسی طرح ان عبادات پر بھی اجارہ کرنا درست نہیں ہے جو نیابتاً ادا نہیں ہوسکتی، جیسے نماز اور روزہ ۔ البتہ وہ عبادات جو نیابتاً ادا ہوسکتی ہیں ان میں اجارہ کا معاملہ کرنا درست ہے، جیسے حج اور ہدی کا ذبح کرنا وغیرہ ۔

(۳) یہ منفعت ایسی ہو کہ اسے حاصل کرنے کی خاطر کوئی قابلِ اعتناء کوشش بروئے کار لائی گئی ہو یا مال خرچ کیا گیا ہو۔ مثلاً بھاگے ہوئے غلام کو واپس لے آنا، تعلیم قرآن کریم اور

(۱) السنن البیہقی ۸/۳۳۵

بعض سرکاری امور کی انجام دہی، جیسے امن وامان قائم کرنا، اور حسابات مرتب کرنا وغیرہ ۔ چنانچہ وضین بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں تین معلم بچوں کو قرآن پڑھاتے تھے اور حضرت عمرؓ ہر ایک کو پندرہ درہم ماہوار دیا کرتے تھے ۔ (۱)

نیز حضرت عمرؓ نے بعض سرکاری کاموں کی انجام دہی کے لیے کچھ لوگوں کو تنخواہ پر ملازم رکھا تھا ۔ اور حضرت عمرؓ کے نزدیک بھاگے ہوئے غلام (ABSCONDED SLAVE) کو واپس لانے والا اجرت کا مستحق تھا اگرچہ پہلے سے معاوضہ دینے کی شرط طے نہ کی گئی ہو ۔ ان کی رائے کے مطابق یہ معاوضہ ایک دینار یا بارہ درہم[۲] تھے ۔

لیکن جس منفعت کے حصول میں قابلِ اعتناء محنت نہ ہو تو اس پر اجارہ کا معاملہ کرنا درست نہیں ہے، جیسے مفتی کا استفتاء کے جواب دینے پر اجرت لینا اور قرآن کریم پڑھنے والے کی غلطی درست کر دینے پر اجرت لینا اور مشترکہ اشیاء کے حصوں کا حساب کرنے پر اجرت لینا؛ چنانچہ قاسم بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ حصہ داروں کے حصوں کا حساب لگانے پر اجرت لینے کو مکروہ خیال کرتے تھے (۳)

(۳) متاجر اور اجیر پر تاوان:

(الف) متاجر پر تاوان: اجارہ کی مدت کے دوران جو گھر یا جانور متاجر کے پاس اجارہ پر ہوگا اس کی حیثیت امانت کی سی ہے کہ اگر متاجر کی کسی زیادتی اور کوتاہی کے بغیر عین متاجرہ (اجارہ پر لی ہوئی چیز) تلف ہوجائے تو اس کا تاوان نہیں

(۱) السنن البیہقی ۶/۱۲۴ (۲) المغنی ۵/۶۶۱
(۳) مصنف عبدالرزاق ۸/۱۱۵

ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے سواری کرائے پر لی اور وہ شخص اُسے لے کر ذوالحلیفہ سے گزر گیا تو کرایہ واجب ہو گیا اور (اگر سواری تلف ہو گئی تو) اس پر تاوان نہیں ہے۔ (۱)

ب) اجیر پر تاوان: اگر اجیر خاص کے قبضے میں کوئی شئے ضائع ہو جائے تو اُس پر تاوان نہیں ہے، کیونکہ یہ شئے اُس کے پاس امانت ہے اور لاپرواہی کا گمان موجود نہیں ہے الا یہ کہ عمداً تلف کرے یا حفاظت میں لاپرواہی برتے تو اس پر تاوان ہو گا۔ اس مسئلہ میں ہمیں حضرت عمرؓ کا کوئی قول نہیں ملا۔

البتہ اجیر عام کے پاس اگر کوئی چیز ضائع ہو جائے تو وہ اس کا تاوان ادا کرے گا، کیونکہ لاپرواہی کا گمان موجود ہے۔ چنانچہ عبدالرزاق نے بکیر بن عبداللہ الاشج سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہاتھ سے کام کرنے والے صباغ (رنگریز) سے تاوان دلوایا اور صباغ اجیر عام ہے۔ (۲)

سنن البیہقی میں ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے بعض کاریگروں سے تاوان وصول کیا تو غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کاریگر اجیر عام ہو اس پر تاوان ہے۔

اجبار (مجبور کرنا)

حکم شریعت بروئے کار لانے کے لیے حکومت کا کسی شخص سے جبراً کام لینا۔ یہ اکراہ سے مختلف ہے۔ کیونکہ اکراہ غیر حاکم کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے اور اکراہ شیطانی اغراض پوری کرنے کے لیے بھی ہو سکتا ہے جو کہ حکم شرع کے خلاف ہو۔

۱) حضرت عمرؓ کے اقدامات اور فیصلوں میں اجبار کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

حقوق "ارتفاق" کو پورا کرنے کیلئے اجبار (د: ارتفاق/ ۲ ح د)

حق شفع میں جائیداد دلوانے کے لیے اجبار (د: شفعہ)

واجب الادا رقوم کی ادائیگی کے لیے اجبار (د: دین/ ۷ و)

عہدہ و منصب قبول کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے اجبار۔ (د: امارہ/ ۷ أ)

زکاۃ ادا کروانے کے لیے اجبار (د: زکاۃ/ ۵ أ ۲)

خراج ادا کرانے کے لیے اجبار (د: خراج/ ۲)

جزیہ ادا کرانے کے لیے اجبار (د: جزیہ/ ۲)

نقصان کا معاوضہ دلوانے کے لیے اجبار (د: ضمان/ ۲)

ذخیرہ اندوز پر ذخیرہ کردہ مال فروخت کرنے کے لیے اجبار۔ (د: احتکار/ ۴)

نابالغ لڑکی کو نکاح پر آمادہ کرنے کے لیے اجبار۔ (د: نکاح/ ۵ ب ۲ أ)

نکاح فسخ کرنے کے لیے اجبار (د: طلاق/ ۱۱)

میاں بیوی میں تفریق کرانے کے لیے اجبار (د: طلاق/ ۲)

اجل: (میعاد)

ادھار میں میعادی خرید و فروخت (د: بیع/ ۱ ب ۲) و (دین/ ۵)

بیع سلم میں میعاد (د: بیع/ ۵ ب)

---

(۱) سنن البیہقی: ۶/ ۱۲۳ (۲) مصنف عبدالرزاق: ۸/ ۲۱۷ المحلی: ۸/ ۲۰۲ ۔ المغنی: ۵/ ۴۷۹

"ایلاء" کی مدت (د: ایلاء/۲)

عدت کی مدت (د: عدۃ)

نامرد کو (علاج کے لیے مہلت کی) مدت (د: عنۃ/۲ أ)

جس عورت کا خاوند لاپتہ ہو اُس کے لیے مدت انتظار

(د: مفقود/۲ أ)

اجنبی: دو قسمیں ہیں۔

(۱) اجنبی: یعنی دارالاسلام میں اجنبی۔ یہ یا تو حربی ہوگا (د: حربی) یا مستامن ہوگا (د: امان)

(۲) اجنبی: عورت کے لیے اجنبی۔ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو عورت کے محارم اور شوہر کے علاوہ ہو۔ (د: نکاح/۴)

اجنبی کے لیے جائز نہیں کہ عورت کو نظر اٹھا کر دیکھے۔

(د: حجاب/۱)

اور نہ غیر عورت کو چھونا جائز ہے، کیونکہ چھونا دیکھنے سے بھی زیادہ بُرا ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھے۔ (د: خلوت/۲)

اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کے ساتھ سفر کرے (د: حج/۱۹)

اجنبی عورت کو طلاق دینا (د: طلاق/۳۱۴)

اجنبی کو کوئی چیز ہبہ کرنا (د: ہبۃ/۴ ج ۱)

اجہاض (اسقاط)

۱. **تعریف:** عورت کے پیٹ کے بچّے کا مُردہ حالت میں گر جانا۔ خواہ اُس کی تخلیق پُوری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اور خواہ اُس میں جان پڑ چکی ہو یا نہ پڑی ہو۔

۲. اجہاض کی مختلف صورتیں: اسقاط کسی طریقہ سے ہو، خواہ پیٹ ملنے سے ہو یا ضرب سے یا کسی دوا کے پینے سے ہو (اس کے احکام میں کوئی فرق نہیں ہے)

حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ ایک عورت نے دوسری حاملہ عورت کا پیٹ ملا، جس کے نتیجے میں حاملہ عورت کا حمل ساقط ہوگیا۔ اُس نے حضرت عمرؓ کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا، تو آپ نے غرّہ کی ادائیگی کے علاوہ ایک غلام بطور کفارہ آزاد کرنے کا حکم دیا۔ (۱)

ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص پر جو عورت کے پیٹ پر ایسی چوٹ لگائے جس سے اُس کا اسقاط ہو جائے، ایک غرّہ کی ادائیگی واجب کی تھی اور ساتھ ہی وہ ایک غلام آزاد کرے۔

۳- **سزا:**

اس شخص پر جو اسقاط کا مرتکب ہو ایک غرّہ ہے اور وہ کفارہ بھی ادا کرے۔

(الف) غرّہ وہ غلام یا باندی ہے جو ساقط ہونے والے جنین کے ورثا کو دیا جاتا ہے۔

ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عورت کا جنین ساقط کر دینے کی سزا کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے فرمایا کہ میں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے اِس مقدمہ میں ایک غرّہ یعنی ایک غلام یا باندی دینے کا حکم فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ گواہ پیش کرو۔ اس پر محمد بن مسلمہؓ نے اس واقعہ کی گواہی دی[۲]۔ نیز حضرت عمرؓ نے غرّہ کی قیمت کا اندازہ پانچ اُونٹ یا ساٹھ دینار مقرر کیا۔ (۳)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۱۰/۶۳ - ابن ابی شیبہ: ۱/۱۵۷
المحلی: ۱۱/۲۹ - (۲) المغنی: ۷/۸۱۵

حضرت سعید بن المسیبؓ نے بیان کیا کہ ایک عربی شخص کی باندی بھاگ گئی اور کسی دوسرے عرب کے پاس پہنچ گئی۔ پھر بنی عذرہ کے ایک شخص نے اُس سے شادی کرلی۔ بعد ازاں اُس کے مالک نے اُس کا پتہ لگا لیا اور اُس کو اور اُس کے بچّے کو لے گیا۔ حضرت عمرؓ کے پاس معاملہ آیا تو آپ نے بنی عذرہ کے شخص کے حق میں فیصلہ دیا کہ اس کے ہر لڑکے کے بدلے میں ایک غلام اور لڑکی کے بدلے میں ایک باندی بطور غرّہ دی جائے۔ حضرت عمرؓ غرّہ کی قیمت بستی والوں کے ذمّے عائد کرتے تھے اور جس کے پاس غرّہ نہ ہو وہ ساٹھ دینار ادا کرے (۳) اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے غرّہ کی قیمت پچاس دینار مقرر کی تھی (۴) جو قیاس کے عین مطابق ہے اس لیے کہ غرّہ کی قیمت دیت کے بیسویں حصّے کے مساوی ہے۔

ب) اسقاط کر دینے والے پر علاوہ غرّہ کے کفارہ بھی لازم ہے اور کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے؛ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس عورت کو جس نے حاملہ عورت کا پیٹ ملا تھا جس کے نتیجہ میں اُس کا جنین ساقط ہو گیا تھا، ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ اور اگر غلام میسر نہ ہو تو حکم قرآنی کے مطابق دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنا لازم ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (النساء: ۹۲)

اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اُس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے، الا یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں۔ لیکن اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہو تو اس کا کفارہ ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے اور اگر وہ کسی ایسی غیر مسلم قوم کا فرد تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اُس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔ پھر جو غلام نہ پائے وہ پے در پے دو ماہ کے روزے رکھے۔ یہ اس گناہ پر اللہ سے توبہ کرنے کا طریقہ ہے اور اللہ علیم و دانا ہے۔

۴۔ ولادت کے بعد موت:

اگر بوقتِ اسقاط جنین زندہ تھا جو بعد ازاں مرگیا تو وہ شخص جو اسقاط کے جرم کا مرتکب ہوا پوری دیت ادا کرے گا اور جنین کے زندہ ہونے کا فیصلہ اس صورت میں دیا جائے گا جب اُس نے بوقتِ ولادت رونے کی آواز نکالی ہو (۱)

احتجار (زمین کی حد بندی)

احتجار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص جو مردہ زمین کو آباد کرنا چاہے وہ اُس زمین کے چاروں طرف پتھر نصب کر دے یا لکڑیاں وغیرہ گاڑ دے۔

احتجار کی مدت: (دیکھئے: احیاء الموات/۲/ج)

(۱) المغنی ۷/۴۰۸ (۲) المغنی ۷/۵۲۰ (۳) سنن البیہقی ۸/۱۱۶
(۴) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۶۳، ابن ابی شیبہ ۱۱/۱۵۶ ب، المحلی ۱۱/۳۹، المغنی ۷/۸۱۵

(۱) المغنی ۷/۸۱۱

احتضار (وقتِ نزع)

نزع میں مبتلا شخص کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے (دیکھئے موت/۲)

احتکار (ذخیرہ اندوزی)

تعریف: احتکار سے مراد ایسی اشیا کو خرید کر ذخیرہ کرنا ہے جن کے روک لینے سے لوگوں کو تنگی ہو جیسے خوردنی اشیاء تیل، اُون اور کپڑا وغیرہ (۱)

احتکار میں ہم نے خریدنے کی شرط اس لیے عائد کی کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک باہر سے سامان خرید کر لانے یا کوئی سامان خود تیار کرنے کی صورت میں احتکار کا اطلاق نہیں ہوگا بلکہ احتکار صرف اس صورت میں کہلائے گا جب کوئی مخصوص سامان مسلمانوں کی منڈیوں میں سے خرید کر ذخیرہ کر لیا جائے اور اسے اپنی مرضی کے مطابق منہ مانگی قیمت پر فروخت کیا جائے۔ اور یہ بات حضرت عمرؓ کے اس قول میں صاف نظر آتی ہے جو آپ نے حاطبؓ سے کہا تھا۔

حضرت عمرؓ نے حاطبؓ سے پوچھا کہ کیسے فروخت کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ (درہم کے) دو مُد۔

آپ نے فرمایا کہ ہمارے دروازوں، ہمارے گھروں اور ہمارے بازاروں سے خرید کر ہماری ہی گردنیں کاٹتے ہو اور اپنی مرضی سے فروخت کرتے ہو۔ تم صاع کے حساب سے (یعنی درہم کا ایک صاع) فروخت کرو۔ (صاع چار مد کا ہوتا ہے) ورنہ ہمارے بازار میں فروخت نہ کرو۔ یا پھر سفر کر کے کہیں دور جاؤ اور سامان لے کر آؤ اور جس طرح چاہو فروخت کرو۔ (۱)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بازار تشریف لے گئے اور دیکھا کہ لوگ اپنے فاضل(۲) سونے کے زور پر خرید کر ذخیرہ اندوزی کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ ہمیں رزق دیتا ہے اور جب وہ بازار میں آجاتا ہے تو لوگ اپنے فاضل سونے کے بل بوتے پر، بیوہ اور مسکین سے روک کر ذخیرہ کر لیتے ہیں تاکہ جب باہر سے سامان لے کر آنے والے چلے جائیں تو اُسے مُنہ مانگے داموں جیسے چاہیں فروخت کریں۔ بہرحال جو باہر سے مال لانے والا گرمی سردی کی مشقت برداشت کر کے سامان لے کر آئے وہ عمر کا مہمان ہے وہ جو سامان خدا کی مرضی ہو فروخت کرے اور جو خدا کی مرضی ہو روک لے(۳)

حضرت عمرؓ کے نزدیک اس امر میں فرق نہیں ہے کہ احتکار ایک شخص کی جانب سے ہو، جیسے حاطبؓ کے قصے میں ہے یا کسی جماعت کی جانب سے ہو جو کوئی متعین سامان متفقہ طور پر مسلمانوں کے بازار سے خرید لیں اور باہم معاہدہ کر لیں کہ ایک نرخ از خود مقرر کر کے اس پر فروخت کریں گے اس سے کم پر نہ بیچیں گے۔

چنانچہ مُسلم بن جُندب سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں غذائی اشیاء آئیں۔ منڈی والوں نے انہیں جا کر خرید لیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہمارے ہی بازاروں میں تجارت کرنے لگے یا تو اُن لوگوں کے ساتھ شریک ہو جاؤ یا باہر جا کر اُن سے خریدو اور پھر لا کر فروخت کرو۔(۴)

(۲) بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک ذخیرہ

---

(۱) المدونۃ بروایۃ سحنون: ۱۰/ ۱۲۳

(۱) مصنف عبد الرزاق: ۸/ ۲۰۷، المحلی: ۹/ ۳۰ (۲) ذہب عین کا ایک قدیم پیمانہ (۳) سنن البیہقی: ۶/ ۳۰، الموطا: ۲/ ۶۵۱ (۴) المحلی: ۹/ ۴۱

اندوزی کا اطلاق صرف انسانوں اور جانوروں کی غذائی اشیاء ہی پر نہیں تھا بلکہ ہر وہ چیز جس کی کمیابی سے لوگوں کو تکلیف ہو احتکار کے دائرہ میں آجاتی ہے مثلاً ملبوسات اور مختلف مصنوعات۔

ہمارے سامنے حضرت عمرؓ کے دو اقوال ہیں۔

پہلا اس غلّے کے سلسلہ میں ہے جسے ذخیرہ کر لیا گیا تھا۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ مسجد کی جانب جا رہے تھے کہ آپ نے کچھ غلّہ پڑا ہوا دیکھا۔ کسی نے بتایا کہ باہر سے غلّہ آیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ اس غلّہ میں بھی برکت دے اور لانے والے میں بھی۔ کسی نے کہا کہ امیرالمومنینؓ یہ تو ذخیرہ کر لیا گیا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کس نے ذخیرہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ فروخ مولی عثمانؓ نے اور فلاں مولی عمرؓ نے۔ آپ نے دونوں کو بلوایا اور پوچھا کہ تم نے مسلمانوں کا غلّہ کیوں ذخیرہ کر لیا۔ انہوں نے کہا کہ امیرالمومنین ہم نے اپنے مال سے خریدا ہے اور ہم ہی فروخت کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کی غذائی اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کرے گا۔ اللہ اس پر افلاس اور جذام مسلط کر دے گا۔ اس پر فروخ نے کہا کہ اے امیرالمومنین میں آپ سے اور اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ میں غذائی اشیاء کی پھر کبھی ذخیرہ اندوزی نہیں کروں گا۔ لیکن مولی عمرؓ نے پھر وہی بات دہرائی کہ ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور خود ہی فروخت کرتے ہیں۔ اس حدیث کے راوی ابو یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا کہ مولی عمرؓ جذام میں مبتلا ہو گیا تھا۔ [1]

(۱) مسند الامام احمد ۱/۲۱۔ المغنی ۴/۲۲۱

اس سلسلے میں دوسری نص جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے اطلاق میں ہر اس چیز کو شامل ہے جس کی ذخیرہ اندوزی سے مسلمانوں کو نقصان ہوتا ہو وہ ہے، جو امام مالک نے مؤطا میں حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

ہمارے بازار میں احتکار کی اجازت نہیں ہے، یہاں جس کے پاس زائد سونا ہو وہ یہ نہ کرے کہ ہمارے پاس جو اللہ کا رزق آئے اُسے خرید لے اور ہمارے اوپر احتکار کرے، لیکن بہرحال جو باہر سے سامان لانے والا گرمی سردی کی مشقت برداشت کر کے سامان لے کر آئے تو وہ عمرؓ کا مہمان ہے، وہ جو چاہے فروخت کرے اور جو چاہے روک لے۔[2]

ان نصوص سے ہمیں معلوم ہوا کہ احتکار کی غرض وغایت قیمتوں میں من مانی کرنا ہے، جس سے غریب لوگ، بیوائیں اور یتیم متاثر ہوتے ہیں۔ یہ بات حضرت عمرؓ کے اس فرمان سے واضح ہے جو آپ نے حاطب بن ابی بلتعہؓ سے فرمایا کہ:

حاطب دو مد ایک درہم میں فروخت کر رہے تھے۔ آپ نے کہا کہ تم ہمارے دروازوں، ہمارے میدانوں اور ہمارے بازاروں سے خریدتے ہو اور ہمیں ہی نقصان پہنچاتے ہو اور جس طرح چاہتے ہو فروخت کرتے ہو۔ (ایک درہم میں، ایک صاع دیا کرو۔ (صاع چار مُد کا ہوتا ہے)

اور آپ نے ان بازار والوں سے فرمایا جو ذخیرہ اندوزی کر رہے تھے کہ اللہ ہمیں رزق دیتا ہے، جب وہ ہمارے بازاروں میں آتا ہے تو کچھ لوگ اپنے فاضل سونے سے اُسے خرید کر بیواؤں اور مسکینوں کو محروم کرنے کے لیے ذخیرہ اندوزی

(۱) الموطا: ۲/۶۵۱

شروع کر دیتے ہیں تاکہ جب باہر سے مال لانے والے چلے جائیں تو وہ اپنی من مانی قیمتوں پر فروخت کریں۔ غرض حضرت عمرؓ نے ایسے لوگوں پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

۔ ذخیرہ اندوزی ختم کرنے کی تدابیر:

لوگوں کی ضرورت کے پیشِ نظر حاکم ذخیرہ اندوز کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ سامان لاکر بازار میں فروخت کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو امیر خود فروخت کرا دے۔ البتہ اگر لوگوں کو ضرورت نہ ہو تو امیر کو چاہیے کہ اُسے عذابِ الٰہی کی تنبیہہ اور نصیحت پر اکتفا کرے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے بعض احتکار کرنے والوں سے فرمایا کہ جس نے غذائی اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کی اور پھر اصل مال اور اُس کا نفع سب صدقہ کر دیا تب بھی اس (جرم) کا کفارہ ادا نہیں ہو گا (۱) اور آپ نے اپنے غلام اور عثمانؓ کے غلام سے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مسلمانوں کے لیے آنے والی اجناس کی ذخیرہ اندوزی کرے گا، اللہ اُسے افلاس یا جذام میں مبتلا کر دے گا (۲)

ہمیں کوئی ایسی نص نہیں ملی جس سے معلوم ہو کہ حضرت عمرؓ نے کسی ذخیرہ اندوز کو سامان فروخت کرنے پر مجبور کیا یا اُس کا سامان فروخت کرایا۔ کیونکہ بظاہر لوگوں کو اُس وقت اتنی شدید احتیاج نہیں تھی۔

لیکن اس صورت میں بھی ذخیرہ اندوز کو سخت تعزیری سزا دینا ناگزیر ہے۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۷۷

(۲) مسند الامام احمد ۱/ ۲۱
المغنی ۴/ ۲۲۱

احتلام:

۱۔ تعریف: احتلام سے مراد وہ خواب ہے جو سونے کی حالت میں جنسی لذت کے ساتھ نظر آئے اور منی کی رطوبت بھی پائی جائے۔

۲۔ احکام: احتلام سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔ (د: غسل/۱أ)

احتلام بالغ ہونے کی علامت ہے۔

احداد: دیکھو: حداد

احراق: آگ میں جلانے کی سزا (د: تعزیر/۲م ۱)

احرام: (دیکھو: حج/۶)

جو شخص بحالتِ احرام قتل کر دیا جائے اس کی دیت میں اضافہ (د: جنایہ/۳ب ۵)

احصان

احصان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) احصانِ رجم:

احصانِ رجم سے مراد چند صفات کا مجموعہ ہے جن کا زانی اور زانیہ میں پایا جانا، اُن پر حدِ رجم جاری کرنے کے لیے ضروری ہے۔

ہمارے پاس حضرت عمرؓ سے مروی نصوص کا جو ذخیرہ ہے اُن میں ایسا مواد موجود نہیں جو ان تمام صفات کا احاطہ کر سکے۔ بہرحال جو نصوص موجود ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ محصن ہونے کے لیے جن صفات کا پایا جانا ضروری ہے وہ یہ ہیں۔

(الف) عقل: ابو داؤد نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مجنون عورت پیش کی گئی جو زنا کی مرتکب ہوئی تھی۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور اُس کے رجم کا حکم دے دیا۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو انہوں

نے لوگوں سے کہا کہ اِسے واپس لے جاؤ۔ اور آپ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ اے امیرالمؤمنین کیا آپ کو نہیں معلوم کہ تین افراد سے مواخذہ نہیں ہے۔

(۱) مجنون سے جب تک وہ تندرست نہ ہو جائے۔

(۲) سونے والے سے جب تک وہ بیدار نہ ہو جائے۔

(۳) بچہ سے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔

آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ پھر اس عورت کا کیا معاملہ ہے، آپ نے فرمایا کہ کچھ نہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ پھر اُسے چھوڑ دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے اُسے چھوڑ دیا۔ اس پر حضرت علیؓ کے مُنہ سے بے ساختہ نکلا۔ اللہ اکبر(۱)

(ب) بلوغ: کیونکہ اُوپر جو روایت بیان ہوئی ہے، اس میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین افراد سے مواخذہ نہیں ہے، دیوانے سے جب تک کہ تندرست نہ ہو جائے اور سوئے ہوئے شخص سے جب تک وہ بیدار نہ ہو جائے اور بچے سے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے اور حضرت عمرؓ نے کہا، درست ہے۔

(ج) حریت: امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ غلام یا باندی اگر مرتکب زنا ہوں تو اُنہیں پچاس کوڑے مارے جائیں(۲) کنوارے ہوں یا شادی شدہ۔

اور زہریؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک احصان کے لیے حریت (آزاد ہونا) شرط نہیں ہے اور قرآن مجید کی آیۂ کریمہ:

(۱) سنن ابی داؤد، باب فی المجنون یصیب حداً

(۲) الخراج ابی یوسف، ۱۹۹، المغنی ۸/۴۲

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (النساء: ۲۵)

"پھر جب وہ حصار نکاح میں محفوظ ہو جائیں اور اُس کے بعد کسی بدچلنی کی مرتکب ہُوں تو اُن پر اُس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو خاندانی عورتوں (محصنات) کے لیے مقرر ہے۔" کے بارے میں حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس میں احصان سے مراد اسلام ہے(۱)

(د) اسلام: ایک شخص نے دوسرے کو ایک ایسی بدکاری کا طعنہ دیا جس کا ارتکاب اُس کی ماں نے جاہلیت کے زمانے میں کیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ:

"اس پر حد نہیں کیونکہ کافر محصن نہیں ہوتا۔" (۲)

(ہ) نکاح صحیح: اس شرط کے بارے میں ہمارے علم کی حد تک علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۲۔ **احصانِ قذف:** مُسلم فقہا کا اس امر پر اتفاق ہے کہ تہمت لگانے والا حدِ قذف کا مستحق نہیں ہے جب تک کہ وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی ہے محصن نہ ہو۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور: ۴)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں اُن کو اَسّی کوڑے مارو اور اُن کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور وہ خود ہی فاسق ہیں۔

(۱) تفسیر ابن کثیر ۱/۴۳۶ (۲) مصنف عبدالرزاق ۷/۳۶۱

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان اس وقت تک محصن نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں پانچ صفات جمع نہ ہوں جو یہ ہیں۔ (۱) عقل (۲) بلوغ (۳) حریت (۴) اسلام (۵) زنا سے پاکدامنی۔

لیکن ہمیں ایسی روایات نہیں ملیں جن سے یہ ثابت ہو کہ حضرت عمرؓ بھی ان صفات کو ضروری خیال کرتے تھے۔ ماسوا صفت اسلام کے۔ چنانچہ عبدالرزاق نے ابوسلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کسی کو اُس کی ماں کے کسی عمل پر جو اُس نے جاہلیت کے زمانہ میں کیا تھا غیرت دلائی۔ جب یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ:

"اس پر حد نہیں ہے کیونکہ کافر محصن نہیں ہوتا" (۱)

لیکن حضرت عمرؓ اُس شخص پر حد نافذ کیا کرتے تھے جو کسی کی کافر ماں پر تہمت لگاتا۔ مثلاً کسی سے کہتا کہ تو اپنے باپ کا بیٹا نہیں ہے، بشرطیکہ وہ شخص جسے مطعون کیا گیا ہے مسلمان ہو لیکن یہ حد حضرت عمرؓ اس بنا پر نافذ نہیں کیا کرتے تھے کہ اُس کی ماں محصنہ تھی بلکہ احترامِ مُسلم کو ملحوظ رکھتے ہوئے حد جاری کرتے تھے۔

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں مہاجرین میں سے ایک شخص پر بہتان لگایا گیا۔ اُس کی ماں زمانہ جاہلیت ہی میں مرگئی تھی۔ تو حضرت عمرؓ نے تہمت لگانے والے پر حد نافذ کی احترامِ مسلم کی بناء پر اور یہ طریق کار یعنی احترامِ مُسلم کی بناء پر حد نافذ کرنا خلفائے راشدین کے درمیان جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں متداول تھا۔

چنانچہ محدث عبدالرزاق نے زہریؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور اُن کے بعد والے خلفاء اس شخص کو کوڑے لگاتے تھے جو کسی کی ماں کو زانیہ کہتا اگرچہ وہ یہودی یا نصرانی ہوتی۔ اور یہ سزا احترامِ مُسلم کی بناء پر دی جاتی تھی۔ (۱)

اِحیاءِ مَوات

۱۔ ارضِ موات: (مردہ زمین) وہ زمین ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو اور اُس سے کھیتی باڑی یا تعمیر وغیرہ کا فائدہ حاصل نہ ہو رہا ہو۔ مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کی محافظ ہونے کی بناء پر ایسی زمینوں کی دیکھ بھال بھی مُسلم حکومت کے ذمہ ہے۔

۲۔ قابلِ احیاء زمینیں:

احیاء کے قابل زمینیں یہ ہیں۔

(الف) اراضی صفی (منتخبہ زمینیں) (دیکھئے ارض/ ۱ ج ۲) و (ارض/ ۲ ب)

(ب) دریا اور نہر کے ہٹ جانے سے برآمد ہونے والی زمین۔ (۲)

(ج) وہ زمین جس کے گرد آبادکاری کی غرض سے پتھروں کی باڑ لگا دی گئی ہو یا جو امام نے بطور جاگیر کسی کو دے دی ہو اور اس پر تین سال گزر گئے ہوں اور کسی نے اس کا احیاء نہ کیا ہو تو ایسی زمین کے سلسلہ میں عبدالرزاق نے یحییٰ بن سعید سے روایت کیا ہے کہ:

حضرت عمرؓ نے زمین بطور جاگیر دی اور اُس کے آباد کرنے کے لیے تین سال کی شرط لگائی۔ اور حضرت عثمانؓ نے بھی جاگیر دی لیکن کوئی شرط نہیں لگائی۔ (۳)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۷/ ۴۳۶

(۱) مصنف عبدالرزاق ۷/ ۴۳۵ (۲) المغنی ۵/ ۲۵ ۵ (۳) مصنف عبدالرزاق ۱۱/ ۹

یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج میں ہے کہ

حضرت عمرؓ نے زمین کے گرد برائے آباد کاری پتھر نصب کرنے کی مدت تین سال مقرر کی تھی، چنانچہ اگر تین سال تک غیر آباد رہتی، پھر کوئی اور اُسے آباد کر لیتا تو وہ اس زمین کا زیادہ مستحق قرار پاتا (۱)

د) آباد کاری کی غرض سے حاصل کی گئی زمین یا بطور جاگیر دی گئی زمین اگر تین سال بے کار پڑی رہے تو دوبارہ "موات" بن جائے گی۔

کیونکہ رسولؐ اللہ نے مزینہ یا جہینہ کے لوگوں کو زمین عطا کی تھی، اُنہوں نے اُسے آباد نہیں کیا اور دوسرے لوگوں نے اُکر اُسے آباد کر لیا۔ جہنی یا مزنی مقدمہ لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ زمین رسولؐ اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اگر میری یا ابوبکرؓ کی دی ہوئی ہوتی تو میں واپس لے لیتا۔ پھر آپؓ نے فرمایا۔ جس کے پاس زمین ہو اور وہ تین سال تک اُسے بے آباد پڑا رہنے دے اور دوسرے لوگ آباد کر لیں تو نئے آباد کار ہی اس کے زیادہ حق دار ہیں۔

ابو عبیدہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس زمین کی قیمت کا اندازہ کرایا۔ یعنی اُس کی آبادی سے پہلے کی قیمت لگوائی اور آباد ہونے کے بعد کی بھی قیمت لگوائی۔ اور زمین والوں سے کہا کہ اگر تم چاہو تو قیمت کا یہ اوسط دے دو اور اپنی زمین لے لو۔ (۲)

اور یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "جس نے تین سال زمین کو غیر آباد چھوڑے رکھا اور کسی دوسرے نے اُسے آباد کر لیا تو وہ زمین اُس کی ہو گئی۔ (۳)

المغنی میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

جس کے پاس زمین ہو اور وہ اُسے تین سال بیکار پڑا رہنے دے اور کچھ لوگ اس کو آباد کریں تو وہ آباد کرنے والے اس کے زیادہ حق دار ہیں (۴)

غرض حضرت عمرؓ کے کلام سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے مُردہ زمین کو آباد کیا یا امام نے کسی کو زمین عطا کی اور اُس نے اس کا احیاء کر لیا، پھر اُسے چھوڑ دیا اور وہ تین سال تک غیر آباد پڑی رہی تو پھر جو آباد کر لے وہی اُس کا زیادہ حق دار ہے اور یہی مالکی فقہا کی رائے ہے۔ (۵)

۳۔ احیاء موات کے طریقے:

جب کوئی شخص کسی زمین کا احیاء کرنا چاہے تو یا تو وہ امام (حاکم) سے اس کی اجازت حاصل کر لے اور حاکم وہ زمین آباد کرنے کے لیے اُسے عطا کر دے تو اُس کو اقطاع کہا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ خود ہی کسی زمین کو آباد کر لے اور بعد ازاں حکومت اُسے اس کی اجازت دے دے۔ دراصل یہی وہ صورت ہے جس پر احیاء الموات کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

غرض احیاء کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) امام کا جاگیر عطا کرنا۔ یعنی حاکم کسی آباد کار کو ایسی زمین کا کوئی حصہ دے دے جو کسی کی ملکیت نہ ہو اور بے آباد پڑی ہو۔ خواہ یہ دینا آباد کار کی طلب پر ہو یا حکومت از خود عطا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح زمین عطا کی اور حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس جاگیر کو

---

(۱) الخراج، ابی یوسف، ۲۱، المغنی: ۵/۵۲۰ (۲) الاموال ابی عبید: ۲۸۶ (۳) الخراج یحییٰ بن آدم: ۹۱

(۴) المغنی: ۵/۵۱۹ (۵) بلغۃ السالک: ۲/۲۷۱ حاشیہ الدسوقی: ۴/۶۶

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی اسی طرح باقی رہنے دیا۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب تمیم داری مسلمان ہوئے تو انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ، اللہ آپؐ کو روئے زمین پر غلبہ عطا کرے گا، آپ مجھے میرا وہ گاؤں عطا کر دیجیے جو بیت لحم میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ تمہارا ہے اور آپؐ نے انہیں تحریر بھی لکھ دی۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے اور شام فتح ہوا تو تمیم داری رسولؐ اللہ کی تحریر لے کر آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا تو میں خود گواہ ہوں اور حضرت عمرؓ نے انہیں وہ زمین عطا کر دی۔ (۱)

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا کہ، آپ کو فروخت کرنے کا حق نہیں ہے (۲)

حضرت عمرؓ نے پانچ صحابہ کرامؓ کو زمین عطا کی۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت خبابؓ، حضرت اسامہؓ اور حضرت زبیرؓ (۳)

عقیق کی زمین کو آپؓ نے سب مسلمانوں کی جاگیر قرار دیدیا اور فرمایا اہل استطاعت کہاں ہیں (۴)

اور حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے جاگیر مانگی تو انہیں آپ نے ینبع کی زمین دے دی۔ (۵)

نافع ابوعبداللہ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ بصرے میں ہمارے سامنے کچھ زمین پڑی ہے جو نہ خراجی ہے اور نہ اُس کے دینے سے کسی مسلمان کا کوئی نقصان ہے۔ اگر آپ وہ زمین مجھے دے دیں تو اس میں گھوڑوں کے لیے جو اگاوں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ کو تحریر لکھی کہ ابوعبداللہ نے مجھ سے دجلہ کے کنارے کی زمین مانگی ہے۔ وہ اس میں گھوڑے کے لیے چارہ تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ زمین جزیہ کی نہیں ہے اور جزیہ کی زمین کا پانی بھی اس میں سے نہیں گزرتا تو یہ زمین انہیں دے دو۔ (۱)

(ب) بے آباد زمین کا آباد کر لینا اور بعد ازاں حکومت سے اجازت حاصل کرنا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں اعلان فرمایا کہ:

"اے لوگو! جو کوئی مُردہ زمین زندہ کرے گا تو وہ اس کی ہے" (۲)

اور ایک اور مرتبہ آپ نے فرمایا کہ:

"جس نے ایسی زمین آباد کی جو نہ کسی مسلمان کے قبضے میں ہو اور نہ کسی معاہد کے، تو وہ زمین اُسی کی ہے، جس نے اُسے آباد کیا۔ (۳)

حضرت عمرؓ کے زمانے ہی میں لوگوں نے اس اجازت پر عمل شروع کر دیا تھا۔ لوگ زمین آباد کرتے اور آکر حضرت عمرؓ کو اطلاع دیتے اور آپ وہ زمین اُن کو دے دیتے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ آباد کاری کے بعد حکمران سے اجازت لینا ضروری ہے اور ہمارا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ بات پسند ہی نہیں تھی کہ کسی بھی معاملہ کو بغیر قواعد و ضوابط کے یونہی بے ترتیب رہنے دیں۔

سلمان بن عتبہ سے مروی ہے کہ امیرالمومنین عبداللہ بن محمد (غالباً منصور) نے ۱۵۳ھ یا ۱۵۴ھ میں شام سے

(۱) الاموال: ۲۷۴ (۲) الاموال ۲۷۵ (۳) الخراج یحییٰ، ۷۸
(۴) الخراج لابی یوسف ۶۳، وعبدالرزاق ۱۱/۹، والبیہقی: ۶/۱۴۴
(۵) الخراج یحییٰ ۷۸، والبیہقی: ۶/۱۴۴

(۱) المغنی: ۵/۵۲۷، الخراج یحییٰ، ۷۸،۷۷، البیہقی ۶/۱۴۴
(۲) اموال ابی عبید ۲۹۰۔ الخراج لابی یوسف ۷۷، الموطا ۲/۷۴۴
البیہقی ۶/۱۴۸ (۳) خراج یحییٰ: ۸۹

آتے ہوئے ان زمینوں کے بارے میں مجھ سے استفسار کیا جو صحابہ کرامؓ کی اولاد کے پاس تھیں اور اُن کا کہنا تھا کہ یہ اُن کے آباء کو عطا کی گئی تھیں۔

مَیں نے کہا کہ اے امیرالمومنینؓ جب اللہ نے مسلمانوں کو بلادِ شام پر غلبہ عطا فرما دیا اور اہلِ شام و حمص نے صُلح کر لی تو مسلمانوں نے اس کو پسند نہیں کیا کہ شام میں داخل ہوں تاآنکہ اس پر ان کا غلبہ مکمل نہ ہو جائے اور دشمن بالکل پامال نہ ہو جائے تو اُنہوں نے مرج بردی میں چھاؤنی ڈال لی۔ یہ مقام "مزہ" اور مرج شعبان کے مابین واقع ہے۔ مرج بردی کے دونوں طرف کی زمینیں اہلِ دمشق اور گاؤں والوں کی مشترکہ شاملات وہ تھیں، کسی کی انفرادی ملکیت نہیں تھیں۔ مسلمان اس چھاؤنی میں قیام پذیر رہے یہاں تک کہ کفار مغلوب ہو کر پامال ہو گئے اور اہلِ لشکر میں سے ہر جماعت نے اپنے اردگرد کی کچھ زمین کو آباد کر لیا اور اس پر عمارتیں بنا لیں۔ حضرت عمرؓ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے اُنہیں اس کی اجازت دے دی۔ اور اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے بھی اس کو باقی رکھا۔ اس پر منصور نے کہا کہ پھر ہم بھی باقی رکھتے ہیں۔

احوص بن حکیم سے مروی ہے کہ:

مسلمانوں نے جب حمص فتح کر لیا تو اس میں داخل نہیں ہوئے بلکہ نہر اربد پر اپنی چھاؤنی قائم کر لی، جسے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے برقرار رکھا۔ ان میں سے کچھ لوگ اربد کے پُل کو پار کر کے رستن کے دروازے تک پہنچ گئے تھے اور اُس کے بُرج میں پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں کے یہ چوکی بنالی پھر جب اُنہیں یہ اطلاع ملی کہ حضرت عمرؓ نے اُن کے ساتھیوں کو نہر اربد کے کنارے کی زمین دے دی ہے تو اُنہوں نے کہا کہ اس زمین میں ہمیں بھی شریک کیا جائے اور اس بارے میں اُنہوں نے حضرت عمرؓ کو درخواست دی۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ انہیں بھی باب رستن کے ساتھ جہاں انہوں نے چھاؤنی بنائی تھی اسی طرح کی چراگاہ دیدی جاتی[1]۔

(۴) عطیہ زمین کی مقدار

حاکم جس کو زمین عطا کرے اس میں اس امر کو ملحوظ رکھے کہ اتنی زمین دی جائے جسے وہ آباد کر سکے، کیونکہ زمین دینے کا مقصد یہی ہے کہ اُسے آباد کیا جائے اور پیداوار کے قابل بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ اس سلسلہ میں سختی کیا کرتے تھے اور کسی شخص کے قبضہ میں اتنی ہی زمین چھوڑتے تھے جس کو وہ آباد کر سکے۔

جو روایات علماء کے درمیان معروف و متداول ہیں، اُن میں سے ایک یہ روایت ہے کہ بلال بن حارث فرنیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے زمین طلب کی۔ آپؐ نے اُنہیں کافی لمبی چوڑی زمین عطا کر دی۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو اُنہوں نے بلالؓ سے کہا کہ اے بلالؓ آپ نے نبی کریمؐ سے لمبی چوڑی زمین طلب کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ زمین آپ کو دے دی، کیونکہ آپؐ سے جو بھی سوال کیا جاتا تھا آپؐ کبھی انکار نہ فرماتے تھے۔ اب جو زمین آپ کے پاس ہے آپ وہ ساری آباد نہیں کر سکتے۔ اُنہوں نے کہا، ہاں ایسا ہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر آپ دیکھ لیں کہ جتنی آپ آباد کر سکیں وہ آپ رکھ لیں۔ اور جو آپ آباد نہ کر سکیں وہ آپ ہمیں دے دیں۔

(۱) المغنی : ۷۲۴/۲

ہم وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیں گے۔ بلال بولے میں تو اس کے لیے تیار نہیں ہوں، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو آپ کو کرنا ہو گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُن سے وہ زمین لے لی، جسے وہ آباد نہیں کر سکتے تھے اور اُسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ (۱)

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ یہی ارضِ عقیق تھی۔

اور یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج میں ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو زمین عطا کی تھی۔ جب حضرت عمرؓ کا عہد آیا تو آپ نے اُسی قدر زمین اُن کے پاس رہنے دی جس کو وہ آباد کر سکتے تھے اور باقی زمین دوسروں کو دے دی۔ (۲)

حضرت ابوبکرؓ نے طلحہؓ بن عبید اللہ کو زمین عطا کی اور تحریر لکھ دی اور اس پر کچھ لوگوں کی گواہی ڈلوائی جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ پھر طلحہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے کہ اس (تحریر) پر مہر لگا دیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مَیں مُہر نہیں لگاؤں گا۔ کیا یہ ساری زمین صرف تمہیں ملے اور دوسرے لوگ محروم رہیں۔ طلحہ غصّہ میں بھرے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے مجھے بتایئے کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ؟ حضرت ابوبکرؓ بولے نہیں بلکہ عمرؓ ہیں لیکن اُنہوں نے تو انکار کر دیا ہے۔(۳)

حضرت ابوبکرؓ نے عیینہ بن حصن کو زمین عطا کی اور اس کی تحریر بھی لکھ دی۔ طلحہ نے یا کسی اور نے کہا کہ مشکل ہی ہے جو یہ شخص (عمرؓ) ایسا ہونے دیں۔ تم ذرا تحریر اُنہیں پڑھواؤ۔

(۱) خراج یحییٰ ۹۲۱۔ خراج ابی یوسف ۶۳۔ الاموال ۲۹۰، مصنف عبدالرزاق ۵/۵۱۹، ۱۱/۹ المغنی وسُنن البیہقی ۶/۱۴۹

(۲) خراج یحییٰ ۷۸ (۳) الاموال ۲۷۹

عیینہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور اُنہیں تحریر پڑھوائی۔ حضرت عمرؓ بولے کہ کیا یہ سب زمین تمہیں ہی ملے اور دوسرے لوگ محروم رہیں اور وہ تحریر مٹا دی۔ عیینہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ وہ اُنہیں یہ تحریر دوبارہ لکھ دیں۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: قسم بخدا! مَیں کسی ایسی بات کی تجدید نہیں کر سکتا جس کو عمر رد کر چکے ہوں (۲)

(۵) بطور جاگیر ملنے والی زمین اور آباد کردہ زمین کی ملکیت کی نوعیت:

ہمارے سامنے جو نصوص موجود ہیں اُن کے بنظر مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی جس زمین کو کوئی شخص آباد کرتا ہے یا حکومت بطور جاگیر کسی شخص کو کوئی زمین دیتی ہے وہ شخص اُس زمین کا مالک نہیں بنتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ اس کا دوسروں سے زیادہ حقدار بن جاتا ہے۔

یہ بات اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت بلال بن حارث سے ارضِ عقیق واپس لے لی تھی جو اُنہیں رسول اللہ نے دی تھی۔ اسی طرح آپ نے وہ تحریر رد کر دی تھی جو عیینہ بن حصن کو جاگیر دینے کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ نے لکھ کر دی تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر پر عمل کرتے ہوئے فتح شام کے بعد (جیسا کہ ہم اس کا ذکر پہلے پیراگراف میں کر چکے ہیں) حضرت عمرؓ نے تمیم داری کو زمین دی تو اُنہیں پابند کیا کہ وہ اُسے فروخت نہیں کر سکتے۔(۳)

نیز صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے کوئی ایسی زمین جو کسی کی ملکیت نہ ہو آباد کر لی تو وہ اُس کا زیادہ حق دار ہے"

(۱) الاموال ۲۷۹۔ سُنن البیہقی ۶/۲۰، تفسیر الطبری ۱۴/۲۱۵

(۲) الاموال ۲۷۵

عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اسی حدیث کے مطابق فیصلے کیے۔

اس کی تائید حضرت عمرؓ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس کا ذکر ہم نے (احیاء الموات ۱/د) میں کیا ہے۔ کہ اپنی آباد کردہ زمین کو اگر آباد کرنے والے نے تین سال بیکار چھوڑ دیا اور کسی دوسرے نے اُسے آباد کر لیا تو یہ شخص جس نے اسے اب آباد کیا ہے اس کا زیادہ حق دار ہے۔

اور ہم نے جو یہ ذکر کیا تھا کہ حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ جو شخص مُردہ زمین آباد کرلے تو وہ اسی کی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی پیداوار اس کی ہے نہ یہ کہ رقبۂ زمین اُس کی ملکیت ہو جائے گا۔ اور حضرت عمرؓ کی یہ بات نبی کریمؐ کے اس ارشاد سے پوری مطابقت رکھتی ہے کہ آباد کار زیادہ حق دار ہے۔ اندریں صورت:

امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب الخراج میں جو یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ نے چند لوگوں کو کچھ زمین عطا فرمائی تھی اور وہ اُسے آباد نہ کر سکے تو اُنہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں آٹھ ہزار دینار یا آٹھ لاکھ (درہم) میں فروخت کر دی تو اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یا تو حضرت عمرؓ کو اس کا علم نہیں ہوا ہوگا یا اُن لوگوں نے اس زمین کا رقبہ فروخت نہیں کیا ہوگا بلکہ اس کا حق پیداوار فروخت کیا ہوگا۔

یہی بات ہم اس روایت کے بارے میں کہتے ہیں جو یحییٰ بن آدم نے اپنی کتاب الخراج میں نقل کی ہے کہ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ نے اپنی وہ زمین[۲] فروخت کر دی تھی جو حضرت عمرؓ نے اُن کو بطور جاگیر عطا کی تھی۔

(۱) البخاری، المزارعۃ، باب من احیاء ارضا مواتا (۲) خراج یحییٰ، ۷۸

اخ:

کسی کو نسباً اپنا بھائی تسلیم کر لینا (د: نسب/۳/أ/۲)

بھائی پر مال خرچ کرنا (د: نفقۃ/۲/آ)

میراث میں حقیقی بھائی کی صورتِ حال (د: ارث/۵ ط) و (۵ ب ۶) و (۶ أ)

میراث میں اس بھائی کی صورتِ حال جو باپ کی طرف سے سگا ہو۔ (د: ارث/۵ط) و (۵ب ۶) و (۶ أ)

میراث میں ماں جائے بھائی کی صورتِ حال (د: ارث/۵ج)

اخت:

دو بہنوں کا بیک وقت ایک ہی شخص کے نکاح میں ہونا ناجائز ہے۔ (د: نکاح/۴ أ ۲ ب)

دو لونڈیوں کا جو آپس میں سگی بہنیں ہوں ایک ہی مرد کے حق وطی میں جمع ہونا ناجائز ہے (د: تسری/۵)

میراث میں سگی بہن (ایک ہو یا زیادہ) کے کوائف۔ (د: ارث/۵ ح)

ماں جائی بہن (ایک ہو یا زیادہ) کے میراث میں کوائف (د: ارث/۵ ح)

باپ جائی بہن (ایک ہو یا زیادہ) کے کوائف میراث میں۔ (د: ارث/۵ ط)

اِختلاس (اچک لینا)

۱۔ کسی چیز کو علانیہ مالک کی موجودگی میں اس کی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر اچک لینا اور بھاگ جانا۔

(۲) اختلاس کی سزا:

اختلاس کے جرم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، البتہ ایسی سخت تعزیری سزا دی جائے گی جو دوبارہ ارتکابِ جرم میں مانع ہو سکے۔ شعبی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے کسی کا طوق (گلے کا زیور) اچک لیا۔ لوگ اُسے پکڑ کر کوفہ کے عامل عمار بن یاسرؓ کے پاس اس حال میں لے گئے کہ وہ طوق اس کی جیب میں موجود تھا۔ اُنہوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ اس دن دہاڑے کی لوٹ پر سخت ترین سزا دو مگر قطع ید کی سزا نہ دو۔ (۱)

حضرت عمرؓ نے یہ جواب اس لیے تحریر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث ہے کہ:

خیانت کرنے والے، لوٹنے والے اور اچک لینے والے پر قطع ید کی سزا نہیں ہے۔ (۲)

اختلاط: دیکھو (حجاب/۲)

اخرس، گونگے کی زبان کو زخمی کرنے کی دیت (دیکھیے جنایہ/۱۵ ب ۳ ج)

ادّخار (ذخیرہ کرنا)

۱۔ کسی شئے کو وقتِ ضرورت کے لیے اُٹھا رکھنا۔

۲۔ حکومت کا اموالِ فئے میں سے کچھ ذخیرہ کرنا۔

حضرت عمرؓ نے اس صورت کو قطعی طور پر سختی سے رد کر دیا تھا کہ اموالِ فئے میں سے نقود وغیرہ۔ وقتِ ضرورت کے لیے ذخیرہ کر لیے جائیں۔ اس لیے کہ اس طرح ذخیرہ کرنا اس کے فوائد کو مسلمانوں تک پہنچنے سے روکنا ہے، بالخصوص اِس صورت میں جب کہ حاکم کو یہ اختیار ہے کہ وقتِ ضرورت

(۱) السنن البیہقی ۸/۲۸۰، المحلی ۱۱/۳۲۲ (۲) الترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ (الحدود) النسائی (السارق)

وہ مسلمانوں کے مال میں سے بقدرِ ضرورت لے لے تو ذخیرہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن ارقم سے فرمایا کہ مسلمانوں کے بیت المال میں جو کچھ ہو اُسے ہر ماہ ایک مرتبہ تقسیم کر دیا کرو۔ مسلمانوں کے بیت المال میں جو کچھ ہو اُسے ہر جمعہ کو ایک بار تقسیم کر دیا کرو۔ پھر فرمایا کہ ہر روز تقسیم کر دیا کرو۔ کسی نے عرض کی کہ اے امیر المومنین اگر آپ مصیبت یا جنگ کی ضرورت کے لیے بیت المال میں کچھ رکھا کریں تو زیادہ بہتر ہو۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تو نے کہا یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ میرے طرزِ عمل پر اللہ نے مجھے حجت عطا کر دی ہے اور تیرے مشورے کے شر سے مجھے بچا لیا۔ میں مصیبت اور جنگ کے لیے وہی تیاری کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کیا کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت (۱)

اگرچہ حضرت عمرؓ جنگ اور وقتِ ضرورت۔ کے لیے احتیاطاً سونے چاندی کا ذخیرہ کرنے سے اتفاق نہیں کرتے تھے لیکن آپ جہاد کے لیے دوسری ضرورت کی چیزیں جیسے اُونٹ، گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ ذخیرہ کرنے اور تیار رکھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (دیکھیے جہاد: ۳ ب)

اذان

۱۔ نماز کی اذان:

(الف) اذان کی فضیلت: اذان کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ اذان شرفاء اور صاحبِ فضیلت لوگوں کو دینی چاہیے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے استفسار کیا: تمہارے مؤذن کون

(۱) السنن البیہقی ۶/۳۵۷۔ کنز العمال ۱۱۶۵۲

ہیں۔ لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارے غلام اور موالی (آزاد کردہ غلام) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ تم میں بہت سی (دینی) کمزوریاں آگئی ہیں۔ (۱)

اذان کی فضیلت کی بناء پر حضرت عمرؓ کی تمنا تھی کہ خود اذان دیا کریں۔ لیکن بارِ خلافت کی ذمہ داری جو آپؓ کے کندھوں پر تھی ایسا کرنے کی اجازت نہ دیتی تھی؛ چنانچہ فرماتے تھے کہ اگر خلافت کے کاموں کے ساتھ اذان دینے کا بھی موقع ملتا تو میں ضرور اذان دیا کرتا (۲) اور اگر حضرت عمرؓ خود پر زیادہ بوجھ ڈال کر اذان بھی دیتے تو آپ کے عمل کی پیروی کرتے ہوئے بعد کے خلفاء کو بھی یہ عمل کرنا پڑتا، جس کی وجہ سے امت کے کاموں میں حرج واقع ہوتا۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:

"اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے اذان دیتے رہنے سے یہ عمل سُنت بن جائے گا تو میں اذان کبھی ترک نہ کرتا۔ (۳)

ب) کیفیت اذان: جب مؤذن اذان دے رہا ہو تو کلماتِ اذان ٹھہر ٹھہر کر ادا کرے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کے مؤذن کو اذان کا طریقہ سکھاتے ہوئے فرمایا کہ:

"جب تم اذان دو تو کلمات ٹھہر ٹھہر کر ادا کرو اور جب اقامت کہو تو جلدی جلدی ادا کرو" (۴)

ج) اذان کے الفاظ: اذان کے الفاظ معروف ہیں۔ البتہ حضرت عمرؓ نے صُبح کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کے الفاظ کا اضافہ کیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ جب مؤذن حضرت عمرؓ کو نمازِ فجر کی اطلاع دینے آیا تو دیکھا کہ حضرت عمرؓ بیدار نہیں ہوئے تو اُس نے کہا "الصلوٰۃ خیر من النوم" تو حضرت عمرؓ نے مؤذن کو حُکم دیا کہ وہ یہ الفاظ اذانِ فجر میں شامل کر دے (۱)

د) بروقت اذان: مؤذن نماز کا وقت ہونے پر اذان دے۔ اگر وقت سے پہلے دے دی تو اعادہ کرے۔ حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ ایک مؤذن "مروح" نے صبح کی اذان وقت سے پہلے دے دی تو حضرت عمرؓ نے اس کو دہرانے کا حکم دیا (۲)۔

حضرت عمرؓ سے صُبح کی اذان وقت سے پہلے دیئے جانے کا جواز بھی منقول ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ نے اپنی کتاب قدیم میں حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ:

"صُبح کی اذان میں جلدی کرو، کیونکہ یہ اندھیرے میں نکلنے والے کو جلدی جانے پر اور بدکار کو نکل بھاگنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ (۳)

ہ) جمع بین الصلوٰتین کی صورت میں اذان کی تکرار: دو نمازیں جمع کر کے پڑھنے کی صورت میں دو مرتبہ اذان دینے کے بارے میں حضرت عمرؓ سے دو روایتیں منقول ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ہی اذان سے پڑھیں۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ دو اذانیں دی گئیں۔ اور ایک تیسری روایت یہ ہے کہ یہ دونوں نمازیں بغیر اذان کے پڑھیں۔ اور ابن حزم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے صحیح روایت یہی ہے کہ آپؓ نے مغرب اور عشا کی دونوں (۴)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۳۵ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۳۵ المغنی: ۱/ ۴۰۳ (۳) مصنف عبدالرزاق ۱/ ۴۸۶ - ابن ابی شیبہ ۱/ ۶۲ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۴، المغنی ۱/ ۴۰۷

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۳ - الموطا ۱/ ۷۲ حضرت عمرؓ سے اس روایت کی سند منقطع ہے جبکہ ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ نے ان الفاظ کی تعلیم دی۔ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۵، المحلی ۳/ ۱۱۸ (۳) طرح التثریب ۲/ ۲۰۵ (۴) المحلی ۷/ ۱۲۶ - بعد

نمازیں دو اذانوں اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھیں۔

(د) اذانِ جمعہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ طریقہ رہا کہ جمعہ کے دن جب خطیب منبر پر بیٹھ جاتا تب مؤذن اُس کے سامنے کھڑے ہوکر اذان دیتا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں لوگوں کی کثرت ہوگئی تو حضرت عثمانؓ نے پہلی اذان کا اضافہ کیا۔ پہلی اذان زوراء میں ان کے گھر پر دی جاتی تھی۔ یہ اذان حضرت عثمانؓ کے نمازِ جمعہ کے لیے نکلنے سے پہلے دی جاتی تھی تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ جمعہ کا وقت ہوگیا ہے۔ دوسری اذان بدستور اسی طرح رہی کہ جب خطیب منبر پر بیٹھ جاتا تو اُس کے سامنے کھڑے ہوکر دی جاتی۔(۱)

۴۔ بچّہ کے کان میں اذان:

حضرت عمرؓ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو آپ نے اُس کے سیدھے کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت کہی(۲) تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہوجائے کہ ترمذی نے ابو رافعؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ:

"مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے حسن بن علیؓ کی پیدائش پر اُن کے کان میں اذان دی۔"

ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے(۳)، اور بیہقی نے "شعب" میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ:

"جس کے ہاں بچہ ہو اور وہ اُس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے تو بچہ مرض ام الصبیان سے محفوظ رہتا ہے۔"(۴)

(۱) البخاری بفتح الباری، ۳/۴۴، بعد (۲) المجموع: ۸/۳۵۹ (۳) الترمذی باب الاذان فی اذن المولود، ابوداؤد، الادب، فی الصبی یولد فیوذن فی اذنہ (۴) تحفۃ المودود باحکام المولود، باب الرابع

ارتفاق:

۱۔ **تعریف:** حقوقِ ارتفاق وہ حقوق ہیں جو ایک متعین جائیداد پر دوسرے شخص کی زیرِ ملکیت دوسری جائیداد کی منفعت کے نقطۂ نگاہ سے ازخود قرار پا جاتے ہیں اور قطعِ نظر اس سے کہ دونوں جائیدادوں کے مالک کون ہیں، ایک کے دوسرے ازخود قائم ہوجاتے ہیں۔

۲۔ حقوقِ ارتفاق کے اقسام:

(الف) گزرنے کا حق: ہر گھر کے لیے دروازے سے گزرگاہِ عام تک راستے کا ہونا اسکا حقِ ارتفاق ہے اور اس سے مراد وہ گزرنے کا حق ہے جو اس راستے پر چل کر گھر تک پہنچنے کے لیے اُسے حاصل ہے اور یہ حق اجماع سے ثابت ہے اور عہدِ نبوت سے اب تک اس پر عمل جاری ہے۔

(ب) سیرابی کا حق: جو زرعی زمین یا مکان نہر سے متصل ہو، اس کے مالک کو اس نہر کے پانی سے سیراب ہونے کا حق حاصل ہے جو بالاجماع ثابت ہے اور عہدِ نبوت سے آج تک اس پر عمل جاری ہے۔

(ج) پانی کی گزرگاہ کا حق: یہ وہ حق ہے جو کسی شخص کو اپنی زمین سیراب کرنے کے لیے دوسرے کی زمین میں سے پانی گزارنے کے سلسلہ میں حاصل ہے۔ روایت ہے کہ ضحاک بن خلیفہ نے پانی کی نالی جو اُس نے وادی عریض[1] میں سے نکالی تھی محمد بن مسلمہ کی زمین پر سے گزارنا چاہی۔ محمد نے منع کیا، ضحاک نے کہا کہ مجھے کیوں روکتے ہو، تمہارا بھی تو فائدہ ہے کہ تم پانی پی سکتے ہو، شروع میں بھی اور آخر میں بھی۔ اور تمہارا نقصان

(۱) الموطا، ۲/۷۴۶، المغنی، ۴/۴۹۶، خراج یحیی، ۱۱۰، سنن البیہقی، ۶/۱۵۷

[1] عریض۔ مدینہ کے باہر ایک نالہ تھا جس میں سے ضحاک اپنی زمین سیراب کرنے کیلئے نالی نکالنا چاہتا تھا

کوئی نہیں ہے۔ لیکن محمد نہیں مانے، چنانچہ ضحاک حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے۔ اُنہوں نے محمد کو بلا کر حکم دیا کہ اس کا راستہ نہ روکو۔ محمد نے پھر بھی انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کو کیوں روکتے ہو، حالانکہ اُس کا بھی فائدہ ہے اور تمہارا بھی فائدہ ہے، پھر تمہارا کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ تم شروع اور آخر میں پانی پی سکتے ہو، لیکن محمد نہیں مانے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ قسم بخدا وہ اپنا پانی لے کر گزرے گا خواہ تمہارے پیٹ پر سے گزرے اور ضحاک کو نالی گزارنے کا حکم دے دیا اور اُنہوں نے پانی گزرنے کی نالی بنا لی۔

(د) آب نکاسی کا حق: حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کے گھر کے پاس سے گزرے۔ حضرت عباسؓ نے اپنے گھر پر راستے کی جانب پرنالہ لگا رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے وہ اُکھاڑ دیا۔ اس پر حضرت عباسؓ نے کہا کہ تم اسے اُکھاڑ رہے ہو حالانکہ یہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے نصب کیا تھا۔ حضرت عمرؓ بولے۔ قسم بخدا! اب آپ اسے میری کمر پر چڑھ کر لگائیں گے؛ چنانچہ حضرت عمرؓ جھک گئے اور حضرت عباسؓ نے اُن کی پشت پر چڑھ کر اُسے لگایا۔ (۱)

۲۔ وہ امور جن سے حقِ ارتفاق ثابت ہوتا ہے۔

حقِ ارتفاق درج ذیل طریقوں سے ثابت ہوتا ہے۔

(الف) اشتراکِ عام، مثلاً گزرنے کا حق ہر گھر کے لیے اس سے متصل راستوں پر ثابت ہے، اس لیے کہ ان راستوں کا کوئی ایک فرد مالک نہیں ہے بلکہ سب لوگ اس میں شریک ہیں۔ اور قریب سے گزرنے والی نہر میں سے زمین کی سیرابی کا حق۔

(ب) عقدِ معاوضہ میں ایسی شرط کا ہونا۔ مثلاً کسی شخص نے اپنی زمین فروخت کی اور یہ شرط رکھی کہ وہ اس زمین میں سے گزر کر اپنی دوسری زمین میں جا سکے گا جو اس سے متصل ہے۔

(ج) دونوں مالکوں میں سے کسی ایک کا حقِ ارتفاق طلب کرنا، بشرطیکہ اس ارتفاق میں دونوں جائیدادوں کی منفعت ہو، جیسا کہ ضحاک بن خلیفہ کے واقعہ میں گزرا کہ چونکہ اس میں دونوں زمینوں کی منفعت تھی اور ایک مالک نے یہ حق حاصل کرنا چاہا تھا تو حضرت عمرؓ نے دوسرے فریق کو حق دینے پر مجبور کیا۔

(د) جب حقِ ارتفاق کا سبب معلوم نہ ہو تو "قدیم ہونا" خود سبب ہے۔ جیسا کہ میزاب والے واقعہ میں بیان ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے سے حضرت عمرؓ کے عہد تک ایک وقت گزر چکا تھا اس لیے اس کو پہلی حالت پر برقرار رکھا۔ اور اس سلسلے میں یہ لاعلمی کہ یہ حق کسی عقد کی بنا پر وجود میں آیا ہے یا کسی اور وجہ سے، حق کے ثابت ہونے میں مانع نہیں۔

ارث (میراث)

میراث کے بیان میں ہم مندرجہ ذیل موضوعات پر بات کریں گے۔

۱۔ میراث کا علم سیکھنا واجب ہے۔
۲۔ میراث کے اسباب
۳۔ میراث کی شرائط
۴۔ موانع میراث
۵۔ اصحابِ فروض کی میراث
۶۔ عصبات کی میراث
۷۔ میراث بالولاء
۸۔ بیت المال

(۱) المغنی ۶/۵۰۱

۹ ۔ تعددِ قرابت کی صورت میں میراث

۱۰ ۔ رَدّ

۱۱ ۔ عَول

۱۲ ۔ حُجُب

۱۳ ۔ ذوالارحام

۱۴ ۔ خُنثیٰ

۱۵ ۔ ولدِ زنا اور ولدِ ملاعنہ

۱۶ ۔ بیک وقت مرنے والوں کی میراث

۱۷ ۔ مفقود کی میراث

۱۔ علمِ میراث سیکھنے کا وجوب :

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ فرائض (میراث) کا علم حاصل کرو کہ یہ بھی تمہارے دین کا حصّہ ہے ۔ اور آپ نے کہا کہ میراث، قرأت اور سُنّت نبوی کی تعلیم حاصل کرو، جس طرح تم قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہو۔ (۱) اور فرمایا کہ جب تم کوئی کھیل کھیلو تو تیراندازی کا کھیل کھیلو۔ اور جب باتیں کرو تو فرائض کے بارے میں کرو ۔ (۲)

۲۔ میراث کے اسباب :

حضرت عمرؓ کے نزدیک میراث کے پانچ اسباب ہیں ۔

(الف) رحم :

۱ ۔ رحم ہی کی بنا پر عصبات، ذوی الارحام اور بعض ذوی الفروض وارث بنتے ہیں ۔

۲ ۔ اگر کسی بچّہ کا نسب دو باپوں سے ثابت ہو جائے تو وہ اُن کے مرنے پر دونوں کا وارث ہو گا ۔ اور اگر وہ مر جائے تو وہ دونوں اس سے میراث پائیں گے ۔ عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ دو افراد ایک لڑکے کے مدعی ہوئے ۔ حضرت عمرؓ نے قیافہ شناس کو بلوایا ۔ اُس نے دونوں کی مشابہت اس میں پائی تو حضرت عمرؓ نے فیصلہ صادر فرمایا کہ یہ تم دونوں کے درمیان ہے تم دونوں اس کے وارث ہو گے اور یہ تم دونوں کا وارث ہو گا ۔ (۱)

وکیع نے روایت کیا ہے کہ دو اشخاص ایک باندی کے پاس ایک ہی طہر میں چلے گئے ۔ اس کے بچّہ پیدا ہوا اور دونوں نے بچّے کا دعویٰ کیا ۔ شریح نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی تو حضرت عمرؓ نے تحریر کیا کہ یہ بچّہ ان دونوں کا ہے دونوں اس کے وارث ہوں گے اور وہ دونوں کا وارث ہو گا ۔ اگر یہ دونوں صاف گوئی سے کام لیتے تو اُن پر حقیقت واضح ہو جاتی لیکن دونوں نے التباس سے کام لیا ۔ اس لیے فیصلہ بھی گول مول ہے اور وہ بچّہ اب ان دونوں کا ہے ۔ (۲)

اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ بچّہ پیدا ہو جائے یا ماں کے پیٹ میں جنین ہو، کیونکہ اس کی میراث کی تقسیم موقوف رکھی جائے گی ۔ اگر وہ زندہ پیدا ہو گا تو لے گا اور اگر مُردہ پیدا ہو گا ہو تو پھر اس سے دوسرے میراث پائیں گے ۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت زید بن ثابت کی اہلیہ ام سعد بنت سعد بن الربیع اپنے والد سعد بن الربیع کی شہادت کے وقت حاملہ تھیں ۔ زید بن ثابت نے کہا کہ تم چاہو تو میں تمہارے والد کی میراث کے بارے میں حضرت عمرؓ سے بات کر لوں، کیونکہ امیر المومنین نے حمل کی بھی میراث رکھی ہے ۔ اس پر وہ بولیں میں اپنے بھائیوں سے کچھ نہیں مانگتی ۔ (۳)

(۱) المغنی، ۱۶۵/۶ ۔ سنن سعید بن منصور ۳/۱/۱ (۲) سنن البیہقی ۲۰۹/۶

(۱) مصنف عبدالرزاق ۳۶۰/۷ (۲) اخبار القضاۃ ۱۹۲/۲ (۳) سنن البیہقی ۲۵۸/۶

۴۔ حمیل وہ بچہ ہے جو اسیر عورت اپنے ساتھ لائے اور کہے کہ یہ میرا بچہ ہے۔ حضرت عمرؓ سے اس کے بارے میں دو اقوال مروی ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت عمرؓ نے شریح کو لکھا کہ گواہوں کے بغیر حمیل کو وارث نہ بنایا جائے (۱)

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو نسب اسلام میں جڑا ہوا ہو وہ وارث بھی ہے اور موروث بھی (۲)

ان دونوں نصوص میں بظاہر تناقض نظر آتا ہے، کیونکہ نص کا اقتضا یہ ہے کہ حمیل اور اس عورت کے درمیان جو اس کو اپنا بیٹا کہہ رہی ہے، توارث (ایک دوسرے کے وارث ہونے کا تعلق) صرف اس صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب وہ یہ ثبوت مہیا کر دے کہ وہ (حمیل) فی الواقع اس کا بیٹا ہے۔ اور دوسری نص کا اقتضا یہ ہے کہ حمیل اور اس عورت کے درمیان جو اس کو اپنا بیٹا کہہ رہی ہے محض اس کے دعویٰ کی بنا پر ہی توارث قائم ہو جاتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان توافق کی صورت یہ ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ کہ اگر حمیل یا وہ عورت جو اسکو لائی ہے اور یہ دعویٰ کر رہی ہے کہ وہ (حمیل) میرا بیٹا ہے مرجائے اور یہ موت اس عورت کے قید میں آنے کے بعد اتنی قریبی مدت میں واقع ہوئی ہو، جو اس بات کے اطمینان کے لیے ناکافی ہو کہ وہ واقعی اس کا بیٹا تھا، تب تو ان کے درمیان تعلق توارث صرف اسی صورت میں قائم ہو گا، جب اس بات کا ثبوت مہیا ہو جائے گا کہ وہ واقعی اُسی کا بیٹا تھا۔ لیکن اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک اتنی مدت کے بعد مرا جو یہ اطمینان کرنے کے لیے کافی ہو کہ وہ واقعی اس کا بیٹا ہے اور کوئی ایسی بات بھی پیدا نہ ہوئی ہو جو اُس کے دعویٰ نسب کے خلاف جاتی ہو تو ان دونوں کے درمیان تعلق توارث قائم ہو جائے گا۔

(ب) **نکاح:** نکاح کے ذریعے سے میاں اور بیوی ایک دوسرے کے وارث بن جاتے ہیں اور یہ توارث طلاق رجعی کی صورت میں عدت ختم ہونے تک جاری رہتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ جس نے بیوی کو طلاق دی وہ طلاق سے رجوع کرنے کا حق اُس وقت تک رکھتا ہے جب تک عورت اپنے تیسرے حیض کا غسل نہ کر لے اور جب تک مطلقہ عورت عدت میں ہے۔ خاوند اس کی میراث کا حقدار ہے (۱)

بیوی کا خاوند سے میراث لینے کا حق، شوہر کے بیوی سے میراث لینے کے حق کے برعکس طلاق کے بعد تک جاری رہتا ہے اور "طلاق فرار" میں عدت کے ختم ہو جانے کے بعد بھی رہتا ہے۔ طلاقِ فرار سے مراد وہ طلاق ہے جو شوہر مرض الموت میں بیوی کو دیتا ہے خواہ وہ رجعی ہو یا بائنہ یا مغلظہ۔

طلاق رجعی کے بارے میں ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ اگر شوہر نے ایسی بیماری میں جس میں ہلاکت کا خطرہ ہو اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر دورانِ عدت اسی بیماری سے مر گیا تو بیوی اس کی وارث ہو گی اور اگر بیوی مر گئی تو شوہر اُس کا

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۹۹، ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۹/ب، اخبار القضاۃ ۲/۱۹۱ سنن البیہقی ۹/۱۳۰، المغنی ۹/۳۱۹ (۲) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۳۰۱۔ ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۹/ب۔ المحلی ۹/۳۰۳۔ ابن ابی شیبہ میں کل نسب تورث فی الاسلام کے الفاظ ہیں جو کتابت کی غلطی ہے۔

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۵۱، المغنی ۹/۳۲۹، ۳۳۰

وارث نہیں ہوگا۔ یہی رائے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے بھی مروی ہے (۱) حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیماری کی حالت میں بیوی کو طلاق دے دی تو بیوی دورانِ عدت اس کی وارث ہوگی لیکن شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا (۲)

طلاق مغلظہ کے بارے میں قاضی شریح بیان کرتے ہیں کہ عروۃ البارقی حضرت عمرؓ کے پاس سے میرے پاس آئے اور اُس شخص کے بارے میں بیان کیا جو بیوی کو حالت مرض میں تین طلاقیں دیدے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک بیوی دورانِ عدت اس کی وارث ہوگی لیکن شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا (۳)

اور حضرت عمرؓ کا وہ قول بھی جسکا پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ "اگر شوہر نے اپنی بیماری کی حالت میں بیوی کو طلاق دے دی تو وہ دورانِ عدت اس کی وارث ہوگی، لیکن شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا"۔ بینونت کبریٰ کو بھی شامل ہے۔

(ج) **ولاء**: خواہ ولاءِ عتق ہو یا ولاءِ موالات، (موجب ارث ہے)

(د) **یدء** (ہاتھ) یعنی جس کے ہاتھ پر کوئی شخص اسلام قبول کرے وہ اسلام قبول کرنے والے کا وارث ہوجاتا ہے، اس کا بیان آگے آئے گا۔

(ہ) **نصرت**: اس بناء پر بھی آدمی اس شخص کا وارث ہوگا، جس کی لڑائی میں یہ اس کا ساتھ دیا کرتا تھا، بشرطیکہ اس کا کوئی اور وارث موجود نہ ہو۔

(و) **جوار** (ہمسائیگی) یعنی اہل محلہ اس شخص کے وارث ہوتے ہیں جو اُن کے محلہ میں رہ رہا ہے اور اُس کا کوئی وارث نہ ہو۔

(۱) المغنی ۹/۳۲۹، ۳۳۰ - سنن البیہقی ۷/۳۶۳ (۲) مصنف عبدالرزاق ۷/۶۴ - ابن ابی شیبہ ۱/۲۵۴ - المحلی ۱۰/۲۱۹ (۳) المحلی ۱۰/۲۱۹ - ۲۲۷/۱۰ - البیہقی ۸/۹۷

۳۔ میراث کی شرائط:

توارث (ایک کا دوسرے سے میراث پانا) درج ذیل شرائط کے بغیر تکمیل پذیر نہیں ہوتا۔

(الف) مُورث کی موت: اس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ موت حقیقی: اگر مورث مرا نہیں ہے تو اس کی میراث جاری نہیں ہوسکتی۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں غیلان بن سلمہ ثقفی نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی اور اپنا مال بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "شیطان جہاں چھپکے سے غیب کی خبریں سُن لیتا ہے وہاں اُس نے تیری موت کی خبر بھی سُن لی ہے اور تیرے دل میں یہ بات ڈال دی ہے۔ ہوسکتا ہے اب تو چند دن ہی زندہ رہے اور قسم بخدا اگر تو نے اپنی بیویوں کی طلاق سے رجوع نہیں کیا اور اپنے بیٹوں سے مال واپس نہ لیا تو تیری بیویوں کو تیرے مرنے پر میراث دلاؤں گا اور اُنہیں حکم دوں گا کہ تیری قبر پر سنگ باری کریں جس طرح ابورغال کی قبر پر ہوئی تھی۔ اس پر اس نے اپنی بیویوں کی طلاق سے رجوع کر لیا اور اپنا مال بھی واپس لے لیا۔ اور نافع نے بیان کیا ہے کہ وہ بعد میں صرف سات دن زندہ رہا۔ (۱) اور المحلی کی روایت میں ہے کہ تیسرے روز مر گیا۔ (۲)

۲۔ حکمی موت: مثلاً وہ مفقود الخبر جس کی موت کا فیصلہ قاضی صادر کر دے۔ زہری سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے مفقود الخبر کی میراث کے بارے میں فیصلہ کیا کہ لاپتہ ہونے کے دن سے چار سال گزرنے پر اس کی میراث تقسیم

(۱) مصنف عبدالرزاق ۷/۹۷ (۲) المحلی ۹/۳۵۱

کر دی جائے اور اُس کی بیوی چار ماہ دس دن کی عدت گزارے۔ (۱)

۲۔ تقدیری موت : مثلاً وہ جنین جس کا اسقاط ہو جائے ، اس صورت میں یہ متصور ہو گا کہ وہ زندہ تھا اور بعد ازاں مرا ہے اور بصورت "اجہاض" اس کے ورثاء کو غرّہ دلوانا واجب ہو گا۔ (د : اجہاض / ۳ الف)

(ب) مورث کی موت کے وقت وارث کا زندہ ہونا۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ حیاتِ حقیقی : جیسے کوئی شخص مر جائے اور اس کے بیٹے زندہ ہوں جو اُس کے غسل اور کفن دفن کا انتظام کریں۔

۲۔ حیاتِ تقدیری : جیسے وہ حمل جو ماں کے پیٹ میں ہو کہ وہ بالاجماع وارث ہے۔ حمل کی کم و بیش مدت کے لیے (دیکھو : حمل ۱، ۲)

(ج) درجہ کی قربت : یعنی وارث اپنے سے زیادہ حق دار میراث کی موجودگی کی وجہ سے محجوب یعنی محروم نہ ہو۔ (د : ارث / ۲)

(د) کوئی ایسا سبب موجود نہ ہو جو مانع ارث ہو۔ اس کا بیان آگے آ رہا ہے۔

۴۔ موانع میراث درج ذیل تین باتوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے آدمی میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔

(الف) وارث کے دین کا مورث کے دین سے مختلف ہونا۔

۱۔ چنانچہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم اہلِ شرک کے وارث نہیں ہیں اور وہ ہمارے وارث نہیں۔ (۲) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم دوسری ملتوں کے متبعین سے میراث نہیں لیتے اور نہ وہ ہمارے

(۱) المحلی : ۱۰ / ۱۳۶ (۲) مصنف عبدالرزاق : ۶ / ۱۹، سنن البیہقی : ۶ / ۲۱۸، المغنی : ۶ / ۲۹۵

وارث ہوتے ہیں۔ اور ایک تیسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ تمام کافر ایک ہی ملت ہیں۔ نہ ہم اُن کے وارث ہیں اور نہ وہ ہمارے وارث ہیں۔

زہری سے مروی ہے کہ :

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں اور حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے عہد میں مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا تھا (۱)

حضرت عمرؓ سے ایسے کئی فیصلے مروی ہیں جو اس اصول کو ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ اشعث بن قیس کی پھوپھی جو یہودیہ تھیں، مر گئیں۔ اشعث حضرت عمرؓ کے پاس اُن کی میراث مانگنے آئے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو وارث نہیں قرار دیا بلکہ یہود کو اُن کا وارث قرار دیا اور کہا کہ اُن کے وارث اُن کے اہلِ دین ہی ہوں گے۔ (۲)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ :

"اُن کے اہلِ ملت ان کے وارث ہوں گے کہ ہر ایک اپنی ملت کا تابع ہے" (۳)

بعد ازاں محمد بن اشعث بن قیس حضرت عمرؓ کے پاس گئے تاکہ آپ سے تصدیق کریں کہ آپ نے اس سلسلہ میں کیا جواب دیا تھا تو حضرت عمرؓ نے اُن کو بھی یہی جواب دیا کہ "اُن کے اہلِ دین ہی اُن کے وارث ہوں گے۔ (۴)

اور یزید بن قتادہ عنزی سے مروی ہے کہ اُن کی والدہ کا جو نصرانی تھیں، انتقال ہو گیا اور وہ خود مسلمان تھے۔ اُن کی

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ : ۲ / ۱۸۷ ب، عبدالرزاق : ۱۰ / ۳۴۲، آثار ابی یوسف ۸۱
(۲) مصنف عبدالرزاق : ۱۰ / ۳۴۲، ۶ / ۱۹، (۳) ابن ابی شیبہ ۲ / ۱۸۷ ب
(۴) الموطاء : ۲ / ۵۱۹، سنن البیہقی : ۶ / ۲۱۸

والدہ نے ترکہ میں تیس غلام، ایک باندی اور دو سو کھجور کے درخت چھوڑے تھے۔ ہم اُس کی میراث کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ اس کی میراث اس کے شوہر اور اس کے بھتیجے کو ملے گی جو دونوں نصرانی ہیں، اور حضرت عمرؓ نے مجھے میراث میں کوئی حصہ نہیں دیا۔"(۱)

۲۔ اگر کوئی مسلمان مرجائے اور اُس کے بعض وارث کافر ہوں جو اس کی موت کے بعد اور تقسیم میراث سے پہلے اسلام لے آئیں تو اُنہیں میراث میں حصہ ملے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص میراث کے موقعہ پر تقسیم سے پہلے مسلمان ہو جائے وہ وارث ہوگا۔ (۲)

اس میں نکتہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد مرنے والے کا مال اللہ کی ملکیت میں واپس منتقل ہو جاتا ہے اور یہ صورت اس وقت تک رہتی ہے جب تک یہ مال اللہ کے احکام کے مطابق ورثاء میں تقسیم نہ کر دیا جائے اور اس مدت کے دوران کہ مال اللہ کی ملک ہے۔ اگر مرنے والے کا کوئی رشتہ دار اسلام قبول کرلے تو وہ اس مال میں سے اپنے حصہ کا مستحق بن جاتا ہے، کیونکہ ابھی تک یہ مال انسانوں کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوا تھا۔

۳۔ اگر بچہ چھوٹا ہو اور اُس کے والدین میں سے ایک مسلمان اور ایک کافر ہو تو بچہ کو مسلمان تصور کیا جائے گا، کیونکہ دین کے معاملہ میں بچہ والدین میں سے اُس کے تابع ہوگا جس کا دین زیادہ معتزز ہو۔ نیز یہ بچہ مسلمان سے میراث لے گا اور مسلمان ہی اس کا وارث ہوگا۔

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶: ۲۷/۹ - ۱۰/۳۴۵- ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۹۰- المغنی ۶/ ۲۹۹
(۲) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۱۹۹، ۱۰/ ۳۵۰، المغنی ۶/ ۲۹۹

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ اولاد والدین میں سے اُس کے ساتھ رہے گی جو مسلمان ہو (۱) اسی مفہوم پر اس روایت کو محمول کیا جائے گا جو مؤطا امام مالک میں حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ:

حضرت عمرؓ نے اس سے منع کر دیا تھا کہ کوئی عجمی میراث لے سوائے اس عجمی کے جو سرزمین عرب میں پیدا ہوا ہو۔ یعنی حضرت عمرؓ کسی عجمی کو اس کے مسلمان بھائی کا وارث قرار نہیں دیتے تھے الا یہ کہ وہ عرب میں پیدا ہوا ہو(۲)، کیونکہ حضرت عمرؓ نے نصاریٰ تغلب سے جو عقد ذمہ طے کیا تھا اس میں یہ شرط بھی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو نصرانی نہیں بنائیں گے(۳) نیز حضرت عمرؓ کے اقوال میں سے یہ قول بھی ہے کہ ہم کسی یہودی یا نصرانی کو سرزمین عرب میں اس امر کی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ اپنی اولاد کو یہودی یا نصرانی بنائے۔(۴)

(د: ذمہ ۲ الف ۲ الف) نیز (د: اسلام ۲ ج)

۴۔ مرتد کی میراث: مرتد کی حیثیت کافر سے مختلف ہے، کیونکہ مرتد پہلے مُسلم تھا بعد میں کافر ہوا۔ اور وہ حالتِ کفر میں کچھ زیادہ مدت نہیں رہے گا بلکہ یا اسلام قبول کرے گا یا قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ اُس کے کافر رہنے کا قانونی جواز میسر نہیں آیا، اسی لیے اگر وہ (سزا میں) قتل کر دیا جائے یا طبعی موت مر جائے تو مسلمان اس کے وارث ہوں گے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اہلِ شرک کے ہم وارث ہوں گے لیکن وہ ہمارے وارث نہیں ہوں گے۔(۵) یہاں اہلِ شرک

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۷ ب (۲) الموطاء ۲/ ۵۲۰ (۳) مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۳۶۷ (۴) مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۳۱۹ (۵) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۱۰۶

سے مراد مرتدین ہیں۔ لیکن ابنِ قدامہ کو اس کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ اس میں مشرک سے عام کفار مراد ہیں۔ اس لیے اُنہوں نے اس روایت کے حضرت عمرؓ کا قول ہونے میں شک کیا ہے، حالانکہ اس کا اصل مفہوم وہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

(ب) غلامی :

حضرت عمرؓ کے نزدیک غلامی مانع میراث ہے۔ خواہ یہ غلامی کامل ہو یا ناقص، ناقص کی مثال جیسے مکاتب، ام ولد اور مدبّر۔ کیونکہ غلام مطلقاً مال کا مالک ہی نہیں ہوتا، خواہ ملکیت کا سبب کچھ ہو، لہٰذا وہ میراث کے ذریعے سے بھی مالک نہیں ہو گا۔ نیز اس لیے بھی کہ جو مال اس کے پاس ہے وہ اس کے آقا کا ہے ؛ لہٰذا اگر اسے اپنے رشتہ داروں کا وارث قرار دیا جائے تو وہ مال بھی اُس کے آقا کے پاس پہنچ جائے گا اور یہ ایک اجنبی شخص کو بلا سبب کے وارث بنانا ہو گا جو کہ باطل ہے۔

معبدؒ جہنی، کا بیان ہے کہ مجھ سے عبدالملک بن مروان نے مکاتب کے بارے میں پوچھا کہ اگر مکاتب مرجائے اور اس کی آزاد اولاد موجود ہو اور اُس کے پاس اُس سے زائد مال موجود ہو جو اس کے ذمے زرِ کتابت کا بقایا واجب الادا ہے ؟ مَیں نے بتایا کہ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ اور حضرت معاویہؓ نے دو مختلف فیصلے دیئے ہیں جن میں سے مجھے حضرت معاویہؓ کا فیصلہ زیادہ پسند ہے۔ عبدالملک نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مَیں نے کہا کہ یہ اسی طرح ہو سکتا ہے جس طرح حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کے معاملہ میں ہوا کہ حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ سے بہتر تھے لیکن ایک خاص مسئلہ حضرت داؤد نہ سمجھ سکے جب کہ وہی مسئلہ حضرت سلیمانؑ سمجھ گئے۔

بہرحال حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ اس کا سارا مال اس کے مالک کو ملے گا اور حضرت معاویہؓ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ مالک کو وہ رقم ملے گی جو اُس کے زرِ کتابت میں سے باقی رہ گئی تھی اور بقیہ مال اس کی آزاد اولاد کا ہو گا۔ (۱)

(د : رق / ۳ د)

امہات الاولاد کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے امہاتِ اولاد کے بارے میں فیصلہ دیا کہ نہ اُنہیں فروخت کیا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ میراث میں دیا جائے۔ ان کا مالک اپنی زندگی تک اُن سے مستفید ہو، جب وہ مرجائے گا تو وہ آزاد ہو جائیں گی (۲)

(ج) قتل : قتل قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ قتل عمد ہو یا قتل خطاء۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ :

قاتل مقتول کا قطعاً وارث نہیں ہوتا خواہ اُس نے عمداً قتل کیا ہو یا خطاً۔ (۳)

اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے فیصلے بھی اِسی اصول کے مطابق ہیں۔ چنانچہ قتلِ عمد کے ایک واقعہ میں سراقہ بن جعشم بیان کرتے ہیں کہ مَیں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور مَیں نے اُنہیں اطلاع دی کہ ہمارے قبیلے "مدلج" کے ایک شخص نے جس کا نام قتادہ ہے اپنے بیٹے کی طرف تلوار پھینکی جو اُس کی پنڈلیوں میں لگی اور خون جاری ہو گیا، جو پھر نہ رکا اور اُس کی موت واقع ہو گئی۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے اُس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس پر سراقہ نے کہا کہ اگر

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱ ۸/۲۹۳، المحلی ۹ ۱ / ۲۳۸، المغنی ۹ / ۳۰۲، البیقہی ۱۰/ ۳۳۲

(۲) مصنف عبدالرزاق ، ۷ / ۲۹۲، المغنی ۹ / ۵۳۱ (۳) مصنف عبدالرزاق ۹/ ۴۰۴ مصنف ابن ابی شیبہ ۲ / ۱۸۶ ب ۔ البیہقی ۶ / ۲۲۰

آپ حاکم وقت ہیں تو آپ کو چاہیے کہ ہماری طرف توجہ دیں اور ہماری بات سنیں اور حاکم اگر آپ کے علاوہ کوئی دوسرا ہے تو ہمیں اُس کے پاس بھیج دیں۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ بات سُن کر حضرت عمرؓ اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اُس نے اپنا مسئلہ بیان کیا۔ ساری بات سُن کر حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مقامِ قدید میں ایک سو بیس اُونٹ گن کر رکھو پھر حضرت عمرؓ وہاں پہنچے۔ اور آپ نے ان میں سے تیس حقہ، تیس جذعہ اور چالیس خلفہ لیے اور پُوچھا کہ مقتول کا بھائی کہاں ہے اور اُسے کہا کہ یہ لو اور فرمایا کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ قاتل کیلئے میراث نہیں ہے(۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اس کی ماں اور باپ شریک بھائی کو وارث بنایا اور مسندِ احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے مقتول کے ماموں کو بلا کر اسے وہ اونٹ دے دیئے۔ (۲)

قتلِ خطاء: حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک شخص نے اپنے بھائی کو خطاً قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے اُسے میراث میں حصہ نہیں دیا۔ اُس نے کہا اے امیرالمؤمنینؓ مجھ سے یہ قتل خطأً ہوا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم عمداً قتل کرتے پھر تو ہم تم سے قصاص لیتے (۳)

وارثین:

۵۔ اصحابِ فروض کی میراث:

قرآن کریم میں فرائض اور اُس کے مستحقین کا تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام کے مابین ان امور میں کوئی اختلاف نہیں تھا جو قرآن مجید میں بیان کر دیئے گئے ہیں لہٰذا اب جو بھی اختلاف ہے وہ صرف ان امور میں ہے جن کو قرآن و سُنّت نے وضاحت سے بیان نہیں کیا۔

(الف) باپ کی میراث:

میراث میں باپ کی تین حالتیں ہیں۔

۱۔ فرضِ مُطلق: یہ چھٹا حصّہ ہے جو باپ کو اس صورت میں ملتا ہے جب میّت کا پوتا یا بیٹا یا نیچے تک اسی سلسلہ کا کوئی اور فرد موجود ہو۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ (النساء: ۱۱)

اگر میّت صاحبِ اولاد ہو تو والدین میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصّہ ملنا چاہیے۔

۲۔ اگر میّت کی بیٹی موجود ہو تو باپ صاحب فرض اور عصبہ ہوگا۔

۳۔ تعصیب محض، جب نہ لڑکا ہو نہ لڑکی اور نہ اولاد کی اولاد۔ خواہ یہ سلسلہ کتنا ہی نیچے چلا جائے، تو باپ محض عصبہ ہوگا۔ اس لیے کہ فرمانِ الٰہی ہے:

فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ (النساء ۱۱)

اور اگر وہ صاحبِ اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصّہ دیا جائے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ماں کو ثلث (تیسرا حصہ) دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ باپ کو ملے گا۔

(ب) دادا کی میراث: یہاں دادا سے مراد جدِّ صحیح یعنی وہ دادا ہے، جس کے ساتھ نسبی رابطے میں کوئی عورت درمیان میں نہ آتی ہو۔ دادا کے چھ احوال ہیں۔ تین تو وہی ہیں جو باپ کے

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۹/۴۰۲ ت ۴۰۴۔ ابن ابی شیبہ: ۲/۱۸۲ ب۔ البیہقی ۸/۷۲، ۱۳۴۔ المغنی ۶/۲۹۱ (۲) مسند الامام احمد: ۱/۴۹۔ (۳) مصنف عبدالرزاق: ۹/۴۰۲

ہیں، کیونکہ دادا بھی باپ ہی ہوتا ہے ۔ قرآن مجید میں ہے :

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ

"تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملّت" اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو باپ کہا ہے ، حالانکہ وہ حقیقی باپ نہیں ہیں ، بلکہ سلسلۂ نسب میں بہت دُور کے دادا ہیں ۔

باقی تین احوال یہ ہیں ۔

۱۔ دادا پوتے کی موجودگی میں چھٹا حصّہ لے گا، خواہ یہ پوتا کتنا ہی نیچے کا ہو ۔ کیونکہ فرمان الٰہی ہے کہ :

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ (النساء ۱۱)

"اگر میّت صاحب اولاد ہو تو اُس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصّہ ملنا چاہیے۔"

۲۔ پوتی کی موجودگی میں دادا سدس (چھٹا) حصّہ لے گا اور عصبہ ہوگا ۔

۳۔ بیٹا بیٹی اور پوتا پوتی (خواہ کتنے ہی نیچے کے ہوں) موجود نہ ہونے کی صورت میں دادا عصبہ ہوگا ، کیونکہ فرمان آلٰہی ہے :

فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ (النساء ۱۱)

"اور اگر وہ صاحبِ اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصّہ دیا جائے" اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کچھ باقی بچے گا وہ دادا کو ملے گا ۔

۴۔ باپ کی موجودگی میں دادا محروم ہو جائے گا، کیونکہ میراث کا ایک عمومی اصول یہ ہے کہ قریبی وارث دُور کے رشتہ دار کو محجوب (محروم) کر دیتا ہے اور باپ دادا کی بہ نسبت میّت سے زیادہ قریب ہے ۔

۵۔ بھائیوں کی موجودگی میں دادا کی میراث : بھائیوں کے ہوتے ہوئے دادا کی میراث وہ مشکل مسئلہ ہے ، جس میں حضرت عمرؓ متامل رہے ۔ اور اُن کی تمنا تھی کہ کاش نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کی وضاحت فرما جاتے ، چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ :

"میری تمنا تھی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم دُنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے ان اُمور کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ فرما جاتے یعنی جدّ، کلالہ اور بعض ابواب ربا۔" (۱)

اور چونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دادا کی میراث کے بارے میں وضاحت نہیں فرمائی تھی ، اس لیے اجتہاد ہی کا راستہ باقی رہ گیا تھا ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے پہلے ایک اجتہاد کیا ۔ پھر مسئلہ کی نوعیت واضح ہوئی تو اس اجتہاد کو چھوڑ کر دوسرا اجتہاد اختیار کیا ۔ پھر معاملہ اور واضح ہوا تو ایک اور اجتہاد اختیار کیا ۔ اور اس طرح آپ نے دادا کی میراث کے بارے میں مختلف فیصلے فرمائے اور ہر فیصلے میں آپ نے حق تک پہنچنے کی سعی فرمائی ۔ خود آپ نے فرمایا کہ مَیں نے دادا کے بارے میں مختلف فیصلے کیے جن میں مَیں نے حق تک پہنچنے کی پوری کوشش کی ۔ (۲)

چنانچہ آپ کے یہ تمام مختلف فیصلے محفوظ کر لیے گئے ۔ محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ مَیں نے عبیدۃ السلمانی سے اس میراث کے بارے میں استفسار کیا ، جس میں دادا ہو ، تو اُنہوں نے کہا کہ مجھے اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے سو سے زیادہ فیصلے یاد ہیں ۔ مَیں نے پُوچھا : حضرت عمرؓ کے ؟ اُنہوں نے کہا : جی ہاں حضرت عمرؓ کے ۔ (۳)

---

(۱) المحلی ۹/ ۲۸۲ (۲) مصنف عبدالرزاق ۱۰ / ۲۶۳ البیہقی ۶ / ۲۴۵ (۳) مصنف عبدالرزاق : ۱۰ / ۲۶۲ ، ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۵ ، المحلی : ۹ / ۲۹۵

حضرت عمرؓ بھائیوں کی موجودگی میں دادا کی میراث کے مسئلہ پر زیادہ متأمل تھے۔ اس صورت کے بارے میں انہوں نے ایک سے زائد مرتبہ صحابہ کرامؓ سے مشورہ بھی کیا، لیکن کسی قطعی فیصلے تک نہ پہنچ سکے۔ آپ چاہتے تھے کہ آپ کی وفات سے قبل یہ معاملہ طے ہو جائے تاکہ انتشار کی صورت باقی نہ رہے، اسی لیے آپ نے جد اور کلالہ کے بارے میں ایک تحریر لکھی اور اس کے بارے میں اللہ سے استخارہ کرتے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے اللہ اگر اس تحریر میں کوئی خیر ہے تو اسے نافذ فرما۔ مگر جب آپ زخمی ہوئے تو آپ نے یہ تحریر منگوا کر ضائع کر دی اور کسی کو علم نہیں کہ اس میں کیا لکھا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے جد اور کلالہ کے بارے میں ایک تحریر لکھی تھی اور اللہ سے استخارہ کیا تھا، پھر میری رائے یہی ہوئی کہ میں تمہیں اسی حال پر رہنے دوں، جس پر تم تھے۔ (۱)

اس کے باوجود کہ حضرت عمرؓ زخموں سے چُور بستر مرگ پر تھے، آپ کو دادا کی میراث کے مسئلہ کا مسلسل خیال رہا اور آپ نے اس حالت میں بھی اس معاملہ میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ: میں نے جد (دادا) کے بارے میں ایک فیصلہ کیا ہے، اگر تم چاہو تو اُسے اختیار کر لو اور اس پر عمل کرو۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر ہم آپ کی رائے پر عمل کریں تو بھی ٹھیک ہے کیونکہ آپ کی رائے صائب ہے اور اگر ہم آپ سے پہلے خلیفہ ابوبکرؓ کی رائے پر عمل کریں تو بھی بہتر ہے، کیونکہ وہ بھی صائب الرائے تھے۔ (۲)

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۳۰۱ (۲) مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۲۶۳ ۔ المحلی ۹/ ۲۸۳

اس پر آپ نے یہ مشہور الفاظ کہے تھے: "میری تین باتیں یاد رکھو۔ میں نے دادا کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا، میں نے کلالہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اور میں نے تمہارے اُوپر کسی کو خلیفہ نہیں مقرر کیا۔ (۱)

غرض بھائیوں کی موجودگی میں دادا کی میراث کے بارے میں حضرت عمرؓ کی تین آراء ہم تک پہنچی ہیں۔

پہلی رائے: دادا باپ کی مانند ہے اور بھائیوں کی موجودگی میں اُسے میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی رائے تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے دورِ خلافت کے آغاز میں اسی رائے کے قائل تھے، چنانچہ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو خط لکھا کہ میراث کے معاملہ میں دادا کو باپ کا مقام دو کہ حضرت ابوبکرؓ نے دادا کو باپ قرار دیا تھا۔ (۲)

دوسری رائے: دادا میراث میں بھائیوں کے ساتھ برابر کا شریک ہو گا گویا کہ وہ انہی میں سے ایک ہے، بشرطیکہ یہ تقسیم اُس کے لیے سُدس (⅙) سے بہتر ہو۔ اور اگر سُدس (⅙) اس کے لیے بہتر ہو تو وہ سُدس لے گا۔ شعبی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ دادا کی میراث کے بارے میں گفتگو پسند نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ آپ خود دادا بن گئے تو آپ نے فرمایا کہ میری اور ابوبکرؓ کی رائے یہ تھی کہ دادا بھائی سے زیادہ حق دار ہے، لیکن اب اس موضوع پر گفتگو ضروری ہے چنانچہ آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور اُن سے پُوچھا کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سُنا ہے۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور اُس نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۱) المحلی ۹/ ۲۸۲، مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۲۶۲ (۲) المحلی ۹/ ۲۸۸

جَد کو ثلث حصّہ (⅓) دیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ (میراث میں) دادا کے ساتھ اور کون کون حصّہ دار تھے؟ اُس نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم۔

بعدازاں آپ نے پھر خطبہ دیا تو ایک شخص نے بیان کیا کہ مَیں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہؐ نے دادا کو سدس (⅙) حصّہ دیا۔ آپ نے پُوچھا اُس کے ساتھ اور کون کون وارث تھے؟ اُس نے کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ ازاں بعد اُس کے بارے میں حضرت عمرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے استفسار کیا تو حضرت زید بن ثابتؓ نے درخت کی شاخوں کی مثال بیان کی کہ ایک شاخ ہو اور پھر اس شاخ میں سے دو شاخیں مزید نکل آئیں تو ان دونوں شاخوں میں سے ایک کو ترجیح دینے کی کیا وجہ ہو گی جب کہ دونوں ایک ہی شاخ سے نکلی ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے استفسار کیا تو حضرت علیؓ نے ایک وادی کی مثال دی کہ جس میں پانی بہہ کر آیا ہو۔ اس پر حضرت عمرؓ نے دادا کو چھ بھائیوں میں ایک بھائی کی حیثیت دے کر اُسے سدس (⅙) حصّہ دے دیا۔ اور حضرت عمرؓ نے جب حضرت علیؓ سے استفسار کیا تو حضرت علیؓ نے یہ مثال بیان کی کہ جیسے ایک وادی میں پانی بہتا ہوا آرہا ہے۔ پہلے اس میں سے ایک نالی پُھوٹی اور پھر اس نالی میں سے مزید دو نالیاں بن گئیں۔ اگر پہلی نالی کا پانی خشک ہو جائے تو کیا ان دو نالیوں تک پانی پہنچے گا؟

شعبی کہتے ہیں کہ حضرت زیدؓ کے نزدیک دادا بھائی کی مانند ہے۔ اگر کل تعداد تین تک ہو یعنی دو بھائی اور ایک دادا۔ لیکن اگر بھائی زیادہ ہوں تو پھر دادا کو ثلث (⅓) حصّہ دیا جائے گا اور حضرت علیؓ چھ کی تعداد تک دادا کو بھی بھائی قرار دے کر اُسے چھٹا حصّہ (⅙) دیئے جانے کے قائل تھے۔ اور اگر تعداد چھ سے زائد ہو تب بھی دادا کو چھٹا حصّہ اور باقی ترکہ سب بھائیوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔ (۱)

چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے اس بارے میں اپنی رائے قائم کر لی تو بروایت حسن بصری آپ نے اپنے ایک عامل کو لکھا کہ دادا کو بھائی کی موجودگی میں نصف، دو بھائیوں کی موجودگی میں ثلث (⅓ حصّہ) تین بھائیوں کی موجودگی میں ربع (¼ حصّہ) چار بھائیوں کی موجودگی میں خمس (⅕ حصّہ) اور پانچ بھائیوں کی موجودگی میں سُدس (⅙ حصّہ) دیا جائے۔ اور اگر بھائی پانچ سے زائد ہوں تو بھی دادا کا حصّہ سدس (⅙ حصّہ) سے کم نہ کیا جائے۔ (۲)

تیسری رائے: دادا تقسیم میراث میں بھائیوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا اس وقت تک جب تک یہ شرکت اس کے حق میں ثلث کے مقابلہ میں زیادہ فائدہ بخش ہو، لیکن اگر ثلث حصّہ اُس کے حق میں بہتر ہے تو اُسے ثلث ملے گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ دادا کی میراث کے سلسلہ میں اس رائے سے پُوری طرح مطمئن نہ تھے کہ دادا کو بھائیوں کی موجودگی میں سُدس (⅙ حصّہ) دیا جائے اور چاہتے تھے کہ اس پر نظر ثانی کی جائے۔ چنانچہ آپ نے علیؓ بن ابی طالب، زیدؓ بن ثابت اور عبداللہؓ بن عباس کو بلایا اور اُن سے میراث جَد کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت علیؓ نے کہا کہ جَد کو ہر حالت میں ثلث ملے گا۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے کہا کہ بھائیوں کی موجودگی میں جَد کو ثلث ملے گا اور پُوری

(۱) فقہ عبداللہ بن مسعود، ارث ۵۔۵۔ الحالۃ الاولی (۲) عبدالرزاق، ۱۰/ ۲۶۵ (۳) المحلی ۹/ ۲۸۳۔ عبدالرزاق ۱۰/ ۲۶۶

میراث میں سے سدس (۱/۶ حصہ) ملے گا۔ اور تقسیم میں بھائیوں کے ساتھ اس وقت تک شریک رہے گا جب تک یہ تقسیم اس کے لیے بہتر ہو۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جد باپ ہی ہے، لہٰذا دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو میراث نہیں ملے گی، کیونکہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کو ہمارا باپ کہا گیا، حالانکہ حضرت ابراہیمؑ اور ہمارے درمیان بہت سے آباء ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ نے زیدؓ بن ثابت کی رائے قبول کر لی اور اپنی پہلی رائے کو کہ دادا تقسیم میراث میں بھائیوں کے ساتھ سدس تک شریک ہو گا، تبدیل کر کے حضرت زیدؓ کی یہ رائے اختیار کر لی کہ جد بھائیوں کے ساتھ تقسیم میں ثلث تک شریک ہو گا۔ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ بھائیوں کی موجودگی میں دادا کو تقسیم میراث میں سدس (۱/۶ حصہ) تک شریک قرار دیتے تھے، بشرطیکہ سدس اس کے حق میں بہتر ہو۔ بعد ازاں آپؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو خط لکھا کہ ہم نے جد کے ساتھ زیادتی کی ہے، اب آپ اسے بھائیوں کے ساتھ تقسیم میراث میں ثلث تک شریک قرار دیں۔ بشرطیکہ ثلث اس کے حق میں بہتر ہو، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسی رائے کو اختیار کر لیا (۱)

میراثِ جد کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے موقف کے بارے میں نخعیؒ کو بھی التباس پیدا ہوا تھا چنانچہ اُنہوں نے کہا کہ مجھ سے علقمہ نے بیان کیا کہ ابنؓ مسعود جد کو بھائیوں کی موجودگی میں ثلث تک تقسیم میراث میں شریک قرار دیتے تھے اور مجھ سے عبیدۃ السلمانیؒ نے کہا کہ ابنِ مسعودؓ جد کو تقسیم میراث میں سدس تک بھائیوں کا شریک قرار دیتے تھے۔ لہٰذا مَیں نے اس بات کا عبیدؓ بن نضلہؒ سے ذکر کیا تو اُنہوں نے کہا کہ دونوں نے سچ کہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو وہ جد کو سدس تک بھائیوں کا شریک قرار دیتے تھے، پھر جب عبداللہ بن مسعودؓ واپس گئے تو حضرت عمرؓ اپنی رائے سے رجوع کر چکے تھے اور اُن کی یہ رائے ہو گئی تھی کہ تقسیم میراث میں دادا ثلث تک بھائیوں کا شریک ہو گا (۱)

بہرحال صورتِ حال کچھ بھی ہو، خواہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خط لکھا ہو یا عبداللہ بن مسعودؓ خود حضرت عمرؓ کے پاس گئے ہوں یہ امر ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی پہلی رائے یعنی سدس دیا جائے سے ثلث دینے کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو تحریر کیا کہ ہم جد کو بھائیوں کی موجودگی میں سدس دیتے رہے اور یہ خیال نہیں کیا کہ یہ جد کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اب آپ جد کو ایک بھائی کی موجودگی میں نصف اور دو کی موجودگی میں ثلث دیں اور اگر بھائی دو سے زائد ہوں تو بھی جد کے ثلث میں کمی نہ کریں (۲)

اور حضرت عمرؓ اپنے دورِ خلافت کے اختتام تک اسی رائے پر قائم رہے کہ جد کو بھائیوں کی موجودگی میں ثلث ملنا چاہیے اور ہمارے علم کی حد تک آپ نے اس کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ چنانچہ معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو خط لکھا اور اُن سے جد کے بارے میں استفسار کیا تو اُنہوں نے جواباً تحریر کیا کہ آپ نے جس مسئلہ کے بارے میں مجھ سے دریافت کیا ہے یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ اس میں فیصلہ خلفاء ہی کیا کرتے تھے۔ مَیں نے حضرت عمرؓ اور

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۳ (۲) المحلی ۹/۲۸۹

حضرت عثمانؓ کے دور میں دیکھا ہے کہ یہ دونوں جَد کو ایک بھائی کی موجودگی میں نصف اور دو کی موجودگی میں ثلث دلواتے رہے اور اگر بھائی دو سے زائد ہوں تو بھی جَد کا حصہ ثلث سے کم نہیں کیا کرتے تھے[1]

چوتھی رائے جس پر کاربند ہونے کا حضرت عمرؓ نے فیصلہ کر لیا تھا لیکن اس کا اعلان کرنے سے قبل آپ کا انتقال ہو گیا وہ دراصل پہلی رائے کی طرف رجوع کرنا تھا۔ یعنی یہ کہ بھائی دادا کی موجودگی میں وارث ہی نہیں ہوں گے — ہم سے حضرت زیدؓ بن ثابت نے بیان کیا کہ میں اس شب جس میں حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا اُن کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ میں جَد کے حصے میں کمی کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کا حصہ کسی کی وجہ سے کم کروں گا تو دادا کی وجہ سے بھائیوں کا کم کروں گا۔ اب دیکھیے عبداللہ کے بیٹے میرے وارث ہوں گے اور میرے بھائی نہیں ہوں گے تو کیوں نہ میں اُن کا وارث ہوں اور اُن کے بھائی نہ ہوں۔ اگر میں صبح تک زندہ رہا تو اس بارے میں ضرور کچھ کہوں گا۔ لیکن آپ کا اُسی رات انتقال ہو گیا۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ حضرت عمرؓ کا آخری قول ہے اور اس کی سند نہایت صحیح ہے[2]

بھائیوں کی موجودگی میں دادا کو میراث میں حصہ دار بنانے کے اصول پر بہرحال عمل ہو گا، خواہ بھائی سگے ہوں یا صرف باپ جائے۔ چنانچہ بیہقی نے روایت کیا ہے کہ دادا میراث میں بھائیوں کے ساتھ شریک ہو گا۔ خواہ یہ بھائی ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہوں یا صرف باپ کی طرف سے تا آنکہ یہ شرکت اس کے لیے ثلث مال سے مقابلہ

(۱) الموطا، ۲/۵۱۰ مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۶۷ (۲) المحلی ۹/۲۸۸

میں بہتر ہو۔ لیکن اگر بھائیوں کی تعداد زیادہ ہو جائے تو دادا کو ایک تہائی دیا جائے گا اور باقی ماندہ مال لڑکے کو لڑکی سے دوگنا کے اصول کے مطابق بھائی بہنوں میں تقسیم ہو گا۔[1]

لیکن اگر دادا کے ساتھ حقیقی بھائی اور باپ شریک بھائی دونوں جمع ہوں تو باپ شریک بھائی تقسیم میں داخل تو ہوں گے لیکن اُنہیں کچھ نہیں ملے گا، بلکہ اُن کا حصہ حقیقی بھائیوں کو دیا جائے گا؛ چنانچہ بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ ایک ہی ماں باپ کی اولاد محض باپ شریک اولاد سے میراث کی زیادہ حق دار ہے، خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ البتہ یہ ہو گا کہ باپ شریک اولاد تقسیم میں دادا کے ساتھ حصہ دار ہو گی اور پھر اُن کا حصہ حقیقی اولاد (باپ اور ماں شریک) کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور صرف باپ کی اولاد کو ماں اور باپ شریک اولاد کی موجودگی میں کچھ نہیں ملے گا الایہ کہ باپ جائے بیٹوں کے حصہ کو ماں اور باپ شریک بیٹیوں پر رد کیا جائے اور باپ اور ماں شریک بیٹیوں کے فرائض میں سے اگر کچھ بچ رہے تو وہ باپ جائے بہن بھائیوں میں مرد کا حصہ دوگنا کے اصول کے مطابق تقسیم ہو گا۔[2]

(ج) ماں جائے بھائیوں کی میراث :

ماں جائے بھائیوں کے چار حالات ہیں۔

۱۔ اگر ایک ہے تو سدس (⅙ حصہ) ملے گا، کیونکہ فرمان الٰہی ہے؛

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ (النساء ۱۲)

"اور اگر وہ مرد یا عورت (جس کی میراث تقسیم طلب ہے) بے اولاد بھی ہو اور اُس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں، مگر اُس

(۱) سنن البیہقی ۶/۲۴۸ (۲) سنن البیہقی ۶/۲۴۸

کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔"

۲۔ دو اور اس سے زیادہ کے لیے ثلث (⅓ حصہ) کیونکہ فرمان الٰہی ہے:

فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ (النساء ۱۲)

"اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے۔"

اس آیت میں شرکاء کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تقسیم میں مرد اور عورت دونوں شریک ہوں گے۔

۳۔ بیٹے کی موجودگی میں اور باپ اور پوتے کی موجودگی میں ماں باپ کے بھائی محروم ہوں گے، کیونکہ یہ کلالہ کے قبیل سے ہیں۔ (۱) کلالہ) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ (النساء ۱۷۶)

"اے نبیؐ۔ لوگ تم سے کلالہ کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں، کہو اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکہ میں سے نصف پائے گی۔" کیونکہ بیٹا درجہ کے لحاظ بہن کی بہ نسبت میت سے زیادہ قریب ہے۔

۴۔ اگر ماں جائے بھائیوں کے حصہ لینے کے بعد حقیقی بھائیوں کے لیے کچھ نہ بچتا ہو تو حقیقی بھائی اور ماں جائے بھائی سب باقی میراث میں شریک ہوں گے کیونکہ ماں میں سب شریک ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک عورت کی میراث کے بارے میں جو ورثاء میں شوہر، ماں، ماں جایا بھائی اور باپ اور ماں شریک یعنی سگے بھائی چھوڑ کر مری تھی یہ فیصلہ کیا کہ ماں جائے بھائیوں اور باپ شریک بھائیوں کو ثلث حصے میں شریک کر دیا (۱)، اور فرمایا کہ باپ نے ان کی رشتہ داری میں اضافہ ہی کیا ہے (۲)

جب کہ اس سے قبل حضرت عمرؓ ماں شریک بھائیوں کو ان کا حصہ دے دیتے تھے اور اس طرح عصبہ ہونے کے لحاظ سے حقیقی بھائیوں کے لیے کچھ نہ بچتا تھا۔ اب جب آپ نے حقیقی بھائیوں کو ماں شریک بھائیوں کے ساتھ ثلث میں شریک کیا تو ایک شخص نے کہا کہ آپ نے فلاں وقت تو انہیں شریک نہیں کیا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ وہ ہمارا اس وقت کا فیصلہ تھا اور یہ ہمارا آج کا فیصلہ ہے۔ (۳)

عجیب بات یہ ہے کہ امام طاؤس بن کیسان نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلے سے یہ سمجھا کہ حقیقی بھائی ماں شریک بھائیوں کے ساتھ بہرحال شریک ہوں گے، خواہ ماں شریک بھائیوں کے اپنا حصہ لینے کے بعد حقیقی بھائیوں کے لیے کچھ بچا ہو یا نہ بچا ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس عورت کے بارے میں جو شوہر، ماں، ماں جائے بھائی اور ایک ماں اور باپ شریک بہن چھوڑ کر مری تھی کہا کہ ماں کو سدس (⅙ حصہ) خاوند کو نصف ملے گا اور ثلث (⅓ حصہ) میں ماں جائے بھائی اور سگی بہنیں سب شریک ہوں گے۔ نیز طاؤس نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس مرنے والی کے باپ کو چھوڑ دو۔ لہٰذا سگی بہن کو جو حصہ ملے گا وہ اسے باپ کی بنا پر نہیں ملے گا، بلکہ وہ بھائیوں کے ساتھ وارث ہوگی، کیونکہ وہ ان کی ماں کی بیٹی ہے، پس اگر ماں شریک بھائیوں کے ساتھ کوئی باپ شریک بہن بھی ہو تو اسے کوئی حصہ نہیں ملے گا (۴)

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۴۹۔ ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۱، المغنی ۹/ ۵۷۔ ۶/ ۱۸۱، البیہقی ۶/ ۲۵۵ (۲) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۵۱ (۳) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۴۹۔ ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۱، المغنی ۹/ ۵۷ البیہقی ۶/ ۲۵۵
(۴) مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۲۵۰

(د) شوہر کی میراث :

اللہ تعالیٰ نے شوہر کی دو حالتیں بیان فرمائی ہیں ۔

۱۔ بیٹا یا پوتا (نیچے تک) نہ ہونے کی صورت میں نصف (½ حصہ)

۲۔ بیٹا یا پوتا یا پڑپوتا وغیرہ (خواہ کتنے ہی نیچے چلے جائیں) موجود ہوں تو ربع (¼ حصہ)

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ (النساء ۱۲)

" اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اُس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں ۔ ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کا ایک چوتھائی حصہ تمہارا ہے ۔"

(ہ) بیوی کی میراث :

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیوی کی دو حالتیں بیان کی ہیں ۔

۱۔ ایک اور ایک سے زائد بیویوں کے لیے ربع ۔ اگر شوہر کا بیٹا یا پوتا یا پڑپوتا (نیچے تک) موجود نہ ہو ۔

۲۔ ایک یا ایک سے زیادہ بیویوں کے لیے آٹھواں حصہ جب شوہر کا بیٹا یا پوتا یا پڑپوتا (نیچے تک) موجود ہو ۔

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم (النساء ۱۲)

" اور وہ تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی کی حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو ۔ ورنہ صاحبِ اولاد ہونے کی صورت میں اُن کا حصہ آٹھواں ہوگا ۔"

(و) بیٹیوں کی میراث :۔

قرآن کریم میں بیٹیوں کی تین حالتیں بیان ہوئی ہیں ۔

۱۔ ایک بیٹی ہو اور اس کا کوئی بھائی نہ ہو تو اس کو کل مال کا نصف ملے گا ۔

۲۔ دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں اور کوئی بھائی نہ ہو تو دو تہائی ۔

۳۔ اور اگر بیٹی خواہ ایک ہو یا زیادہ اور اس کے ساتھ بھائی ہو تو وہ اس کا عصبہ بن جائے گا ۔ اور بیٹوں کو باقی ماندہ مال ملے گا اور لڑکے کو لڑکی سے دوگنا حصہ ملے گا ۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (النساء ۱۱)

" تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے ۔ اگر میت کی وارث دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو اُنہیں ترکہ کا دو تہائی حصہ دیا جائے اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اُس کا ہے ۔"

(ز) پوتیوں کی میراث :۔

میراث میں پوتیاں بیٹیوں کی مانند ہیں اور اُن کی چھ حالتیں ہیں ۔

۱۔ صلبی بیٹیاں موجود نہ ہونے کی صورت میں اگر پوتی ایک ہے تو اس کو نصف ۔

۲۔ صلبی بیٹیاں نہ ہونے کی صورت میں اگر پوتیاں دو یا دو سے زائد ہوں تو دو ثلث ۔

۳۔ ایک صلبی بیٹی کی موجودگی میں پوتیوں کو اگر وہ ایک سے زائد ہوں تو اُن کو چھٹا حصہ ملے گا تاکہ وہ دو ثلث پورے ہو جائیں جو صلبی بیٹیوں کا حق ہے ۔

۴۔ دو یا دو سے زائد صلبی بیٹیوں کی موجودگی میں پوتیاں وارث ہی نہیں ہوں گی ، کیونکہ بیٹیاں اپنا حصہ جو دو ثلث تھا لے چکی ہیں ۔

۵۔ بیٹے کی موجودگی میں بھی پوتیاں وارث نہیں ہوں گی۔ کیونکہ بیٹا میت سے قریب ترین رشتہ دار ہے، اس لیے وہ انہیں محروم کر دے گا۔

۶۔ اگر پوتیوں کے ساتھ بھائی ہو تو پوتیاں اس باقی ماندہ مال کی وارث ہوں گی جو تقسیم میراث کے بعد بچے گا۔ اور تقسیم اسی اصول کے مطابق ہوگی کہ لڑکے کو لڑکی سے دوگنا حصہ ملے گا۔

(ح) حقیقی بہنوں کی میراث :۔

حقیقی بہنوں کی چھ حالتیں ہیں :۔

۱۔ ایک ہو تو نصف، جب کہ اس کے ساتھ کوئی بھائی نہ ہو جو عصبہ بن جائے۔

۲۔ دو اور دو سے زائد ہوں تو دو ثلث۔ اگر اُن کے ساتھ کوئی بھائی نہ ہو جو عصبہ بن جائے۔

۳۔ بہن ایک ہو یا ایک سے زیادہ ہوں۔ اگر اُن کے ساتھ حقیقی بھائی ہو تو وہ عصبہ بن جائے گا۔ اور جب ذوی الفروض اپنے حصے لے چکیں گے تو اُن کو باقی ماندہ ملے اور اصولِ تقسیم یہی ہوگا کہ مرد کو لڑکی سے دوگن حصہ دیا جائے گا، جیسا کہ سورہ نساء میں وارد ہے۔

يَسْتَفْتُونَكَ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوْٓا إِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ٥ (النساء ۱۷۶)

" اے نبیؐ لوگ تم سے کلالہ کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں، کہو اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص بے اولاد مرجائے اور اُس کی ایک بہن ہو تو وہ اُس کے ترکہ میں سے نصف پائے گی اور اگر بہن بے اولاد مرے تو بھائی اس کا وارث ہوگا۔ اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ ترکہ میں سے دو تہائی کی حق دار ہوں گی اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکہرا اور مردوں کا دوہرا حصہ ہوگا، اللہ تمہارے لیے احکام کی توضیح کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے "۔

۴۔ بیٹوں، پوتوں (نیچے تک) اور باپ کی موجودگی میں (بہنیں) میراث سے محروم ہو جائیں گی۔

۵۔ دادا کی ساتھ تقسیم میں شامل ہوں گی، جیسا کہ دادا کی میراث کے بیان میں آچکا ہے۔

۶۔ بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بن جائیں گی اور جب ذوی الفروض اپنے حصے لے چکیں گے تو باقی ماندہ مال اُن کا ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بیٹی اور بہن کے بارے میں فیصلہ کیا تھا کہ مال بیٹی اور بہن کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا۔[1]

لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یہ فیصلہ پسند نہ تھا، چنانچہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے استفسار کیا کہ ایک متوفی نے ایک بیٹی اور ایک حقیقی بہن چھوڑی تو اُس کی میراث کی تقسیم کیسے ہوگی؟ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو کچھ نہیں ملے گا اور بقیہ عصبہ کا ہوگا۔ اس شخص نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے تو مختلف فیصلہ کیا تھا اور نصف بہن کو اور نصف بیٹی کو دیا تھا۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۱ / ۱۸۰ ۔ المغنی ۶ / ۱۸۶، المحلی ۹ / ۲۵۹ سنن البیہقی ۶ / ۲۳۳

زیادہ جانتے ہو یا اللہ۔

حضرت ابنِ عباسؓ کے اس قول کے معنی کہ "تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ" مَیں اس وقت نہ سمجھ سکا، حتیٰ کہ مَیں ابنِ طاؤس سے ملا اور اُن سے اس بات کا ذکر کیا تو اُنہوں نے کہا کہ میرے والد نے بیان کیا کہ مَیں نے حضرت ابنِ عباسؓ سے سُنا ہے کہ ارشادِ الٰہی ہے کہ:

إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ (۱۷۶ النساء)

"اگر کوئی شخص بے اولاد مرجائے اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اُس کے ترکہ میں سے نصف حصّہ پائے گی"

اور تم کہتے ہو کہ بہن کو نصف حصّہ ملے گا، خواہ میّت کی اولاد موجود ہو۔ (۱)

اور حضرت عمرؓ نے جو بہنوں کو بیٹیوں کی موجودگی میں عصبہ قرار دینے کا فیصلہ کیا تھا تو وہ سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع میں کیا تھا۔ چنانچہ ہزیل بن شرجبیل سے مروی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے بیٹی، پوتی اور بہن (کی میراث کے) بارے میں پُوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ بیٹی کا نصف اور بہن کا بھی نصف۔ نیز اُنہوں نے کہا کہ ابنِ مسعودؓ سے دریافت کرلیں وہ بھی مجھ سے اتفاق کریں گے، لیکن جب حضرت ابنِ مسعودؓ سے پُوچھا گیا اور اُنہیں حضرت ابوموسیٰ کے فتویٰ سے آگاہ کیا گیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ اس رائے سے اتفاق کرکے تو میں غلط روی کا شکار ہو جاؤں گا۔ مَیں تو اس سلسلہ میں وہ فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کیا تھا کہ بیٹی کا نصف اور پوتی کا سدس تاکہ دوثلث مکمل ہوجائیں اور جو کچھ باقی بچے وہ

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۵۴ - المغنی ۶/۱۶۸

بہن کا۔ پھر حضرت ابوموسیٰؓ کو اس امر سے مطلع کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب تک یہ عالم تم میں موجود ہے، مجھ سے کچھ نہ دریافت کرو۔ (۱)

(ط) باپ جائی بہنوں کی میراث:-

باپ جائی بہنیں حقیقی بہنوں کی طرح ہیں اور اُن کی آٹھ حالتیں ہیں۔

۱۔ حقیقی بہنوں کی عدم موجودگی میں اگر باپ جائی بہن ایک ہو تو اُسے نصف ملے گا۔

۲۔ حقیقی بہنوں کی عدم موجودگی میں اگر دو یا دو سے زائد ہوں تو اُن کو دوثلث ملے گا۔

۳۔ حقیقی بہن کی موجودگی میں باپ جائی بہن ایک ہو تو اُسے سدس (۱/۶) ملے گا۔ تاکہ دوثلث مکمل ہوجائیں۔

۴۔۵۔ دو حقیقی بہنوں کی موجودگی میں باپ جائی بہنیں وارث نہیں ہوں گی، سوائے اس صورت کے کہ اُن کے ساتھ باپ جایا بھائی موجود ہو جو اُن کو عصبہ بنا دے گا اور باقی ماندہ مال اُن کے درمیان اس اصول پر تقسیم ہوگا کہ مرد کو عورت سے دوگنا حصّہ ملے گا۔

۶۔ باپ جائی بہنیں بیٹیوں یا پوتیوں کی موجودگی میں عصبہ بن جائیں گی جیسا کہ ہم حقیقی بہنوں کے بیان میں ذکر کرچکے ہیں۔

۷۔ باپ جائی بہنیں بیٹے پوتے (نیچے تک)، اور باپ کی موجودگی میں قطعاً وارث نہیں ہوں گی۔

۸۔ باپ جائی بہنیں دادا کی موجودگی میں تقسیم میں شریک ہوں گی جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں۔ (۱۱ ارث ۵ ب ۶)

(۱) البخاری (فرائض، باب میراث الاخوات مع البنات عصبۃ) ابن ابی شیبہ: ۱۸۰/۲ - عبدالرزاق ۱۰/۲۵۷ - المحلی ۲۵۹/۹ - المغنی ۱۶۳/۶

(ی) ماں کی میراث :-

میراث میں ماں کے درج ذیل احوال ہیں ۔

۱۔ بیٹے یا بیٹی کی موجودگی میں اور بیٹے کی اولاد کی موجودگی میں (نیچے تک)، چھٹا حصہ اسی طرح دو بھائیوں یا بہنوں کی موجودگی میں یا اس سے زائد کی موجودگی میں خواہ کسی بھی طرف سے ہوں ماں کا چھٹا حصہ ہوگا ۔

۲۔ اولاد نہ ہو یا بہن بھائی بھی دو یا دو سے زیادہ موجود نہ ہوں تو ماں کو ثلث (⅓ حصہ) ملے گا ۔ فرمانِ الٰہی ہے :

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ (النساء ۱۱)

" اگر میت صاحبِ اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے ۔ اور اگر وہ صاحبِ اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے ۔ اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حق دار ہوگی "

۳۔ اگر ماں اور اُس کے ساتھ باپ یا دادا موجود ہو تو ماں کو حصہ کے لحاظ سے باپ یا دادا پر ترجیح نہیں دی جائے گی، اس لیے کہ حضرت عمرؓ ماں کو دادا پر ترجیح نہیں دیتے تھے (۱)

اگر ماں کے ساتھ باپ بھی موجود ہو تو پھر خواہ بیوی اور والدین ہوں یا شوہر اور والدین ہر دو صورت میں شوہر اور بیوی کو اُن کے حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے گا ماں کو اُس کا ایک تہائی دیا جائے گا ۔ (۲) کہ حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ فرمایا تھا حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جو بھی طریقہ اختیار فرماتے ہم اس میں اُن کی پیروی کرتے تھے اور وہ ہمیں سہل اور قابلِ عمل معلوم ہوتا تھا ۔ حضرت عمرؓ نے ایک بیوی اور والدین کی میراث کا فیصلہ فرمایا تو چار حصے بنائے ۔ اور اُن میں سے بیوی کو ایک حصہ دیا ۔ ماں کو باقی کا ثلث دیا جو تمام مال کا چوتھا حصہ بنا، اور باقی باپ کو دیا ۔ (۱) اس طرح آپ نے ماں کو تمام مال کے ثلث کی بجائے باقی مال کا ثلث دیا

اور اگر ماں اور دادا موجود ہوں تو ایسی صورت میں حضرت عمرؓ نے شوہر ماں بہن اور دادا کی میراث کے بارے میں یہ فیصلہ دیا کہ شوہر کو نصف، ماں کو باقی کا [illegible] جو تمام مال کا سدس (⅙ حصہ) بنا ۔ بہن کو نصف اور دادا کو سدس (۲) [illegible] اس طرح یہ صورت جو ابتداً چھ حصوں پر مشتمل تھی آٹھ حصوں والی بن گئی [illegible] تین حصے ۔ ماں کو ایک حصہ ملا ۔ بہن کو تین حصے ملے اور دادا کو ایک حصہ ملا ۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے دادا، ماں اور بہن کے بارے میں فیصلہ کیا تو بہن کو نصف اور ماں کو ایک حصہ اور دادا کو دو حصے دیے اور ماں کو دادا پر ترجیح نہیں دی ۔ (۳)

امام شعبی اور حجاج بن یوسف کے درمیان اس موضوع پر جو گفتگو ہوئی وہ قابلِ ذکر ہے ۔ امام شعبی کہتے ہیں کہ حجاج نے مجھ سے دریافت کرایا کہ ماں، دادا اور بہن کی میراث کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ۔ میں نے دریافت کیا کہ امیر کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے ؟ اس نے بتایا تو

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۶۹، ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۵، المحلی ۹/ ۲۶۱ سنن البیہقی ۶/ ۲۵۴ (۲) المحلی ۹/ ۲۶۰ ۔ المغنی ۶/ ۱۸۰

(۱) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۵۲، ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۰، سنن البیہقی ۶/ ۲۲۸ (۲) المغنی ۶/ ۲۲۴

(۳) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۷۱، ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۴، المحلی ۹/ ۲۶۱، ۲۸۹ المغنی ۶/ ۲۲۹، البیہقی ۶/ ۲۵۲

مَیں نے کہا کہ یہ حضرت علیؓ کا فیصلہ ہے اور اس مسئلہ میں صحابۂ کرام میں سے سات صحابہؓ کے اقوال ہیں، جب کہ حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعود کا قول یہ ہے کہ بہن کا نصف اور ماں کا ثلث، یعنی باقی ماندہ میں سے ثلث جو کہ فی الحقیقت سدس بنتا ہے اور دادا کا ثلث۔ حجاج نے کہا کہ یہ تو کوئی معقول بات نہ ہوئی۔ اور زیدؓ کہتے ہیں کہ ماں کے تین حصّے، دادا کے چار حصّے اور بہن کے دو حصّے۔ اور ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ ماں کا ثلث اور باقی ماندہ دادا کا اور بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔(۱)

ج) دادی کی میراث :۔

قریب کی دادیاں دُور کی دادیوں کو محروم کر دیتی ہیں۔ دادی چھٹے حصّے کی حقدار ہے۔ یہ رشتہ ماں کی طرف سے ہو یعنی نانی ہو یا باپ کی طرف سے یعنی دادی ہو۔ ایک دادی ہو یا زیادہ۔ شرط یہ ہے کہ یہ سب دادیاں "ثابتہ" ہوں اور درجہ میں برابر ہوں۔ چنانچہ ابن ابی شیبہؒ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دادی کو سدس دیا اور فرمایا کہ اگر دو دادیاں ہوں تو یہ دونوں کے درمیان تقسیم ہو گا (۲)

زہری کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے دو دادیوں کو میراث میں حصّہ دیا وہ حضرت عمرؓ ہیں؛ چنانچہ آپ نے میراث کے حصّے کو اُن کے درمیان تقسیم کیا (۳) لیکن قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے پہلے دو دادیوں کو وارث قرار دیا تھا۔ قاسم بیان کرتے ہیں حضرت ابوبکرؓ کے پاس ایک مرتبہ دو دادیاں تقسیم میراث کے سلسلہ میں آئیں تو آپ نے ارادہ کیا کہ اسے سدس دلوا دیں جس کا رشتہ ماں کی طرف سے ہے یعنی نانی کو۔ اس پر ایک انصاری نے کہا کہ آپ اس دادی کو محروم کر رہے ہیں کہ اگر وہ وفات پاتی اور اس کا یہ پوتا (جس کی میراث تقسیم ہو رہی ہے) زندہ ہوتا تو یہی اس کا وارث ہوتا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں (دادی اور نانی) کے درمیان سدس تقسیم کر دیا۔(۱)

حضرت عمرؓ نے جو دو دادیوں یعنی دادی اور نانی کو سدس (۱/۶ حصہ) میں شریک کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک دادی حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئی اور میراث کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ کتاب اللہ میں تمہارا حصّہ بیان نہیں ہوا اور مجھے نہیں معلوم کہ سُنتِ رسولؐ میں بھی کچھ ہے، کہ نہیں، اس لیے آپ جائیں اور مَیں لوگوں سے دریافت کرتا ہوں۔ جب آپ نے صحابہ سے پوچھا تو حضرت مغیرہؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس موجود تھا۔ جب آپ نے سدس دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے، جس پر محمد بن مسلمہؓ نے بھی وہی کہا جو مغیرہؓ نے کہا تھا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اس دادی کو حصّہ دیدیا۔ پھر دوسری دادی حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اُس نے میراث طلب کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں تمہارا کوئی حصّہ نہیں ہے اور حضرت ابوبکرؓ کے فیصلے کے مطابق دوسری کو مل چکا ہے اور مَیں فرائض میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا، بس یہی سدس ہے جو تم دونوں بیک وقت آئیں تو تم دونوں کے درمیان تقسیم (۲)

(۱) المحلی ۹/ ۲۸۹ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۵، المحلی ۹/ ۲۷۲
(۳) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۷۸

(۱) الموطاء ۲/ ۵۱۳ (۲) الموطاء ۲/ ۵۱۳ سُنن الترمذی وابی داؤد فی الفرائض باب میراث الجدہ، عبدالرزاق ۱۰/ ۲۷۴، المغنی ۶/ ۲۰۶

ہو سکتا تھا۔ اور اب اگر تم میں سے کوئی اپنا حق چھوڑ دے تو یہی سدس دوسری کا ہو جائے گا۔

ابن حزم نے ابوالزناد سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جو جدہ آئی تھی وہ نانی تھی اور حضرت عمرؓ کے پاس جو آئی تھی وہ دادی تھی اور حضرت عمرؓ نے اُس سے کہا کہ کتاب اللہ میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ لیکن میں لوگوں سے دریافت کرتا ہوں، مگر کسی نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔ بنی حارثہ کے ایک غلام نے کہا کہ اے امیرالمومنین دادی کیوں وارث نہیں ہو گی کہ اگر وہ مرے گی تو پوتا وارث ہو گا۔ لیکن اگر نانی مرے گی تو نواسہ وارث نہیں ہو گا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُسے وارث بنا دیا اور فرمایا کہ اللہ نے جدات میں بہت خیر رکھی ہے۔ (۱)

بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک سدس تین جدات میں تقسیم کیا (۲) اور یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب دادا میّت سے دو درجے کی دُوری پر ہو کہ اس صورت میں دو دادیاں باپ کی طرف کی اور ایک ماں کی طرف کی یعنی نانی اس کے ساتھ وارث ہوں گی۔

حضرت عمرؓ دادی کو اس کے بیٹے کے ساتھ میراث دیتے تھے جب کہ اُس کا بیٹا زندہ ہوتا۔ (۳) اور یہی بات آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھی تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن حمید بن عبدالرحمٰن نے اپنے باپ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ حسکہ حبطی کا بیٹا مر گیا۔ اور اس نے وارثوں میں سے ایک تو اپنا باپ "حسکہ" چھوڑا اور ایک دادی یعنی حسکہ کی ماں چھوڑی تو اس سلسلہ میں حضرت ابوموسیٰؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھ کر دریافت کیا تو حضرت عمرؓ نے جواباً لکھ کہ دادی یعنی حسکہ کی ماں کو اُس کے بیٹے حسکہ کے ساتھ چھٹے حصے میں شریک کر دو۔ اور آپ نے ایک ثقفی شخص کی دادی کو اُس کے بیٹے کے ساتھ میراث دلوائی۔ (۱)

(۲) **عصبات کی میراث:۔**

عصبہ اس وارث کو کہتے ہیں جس کا کوئی مقرر حصہ نہ ہو اور جو کچھ اصحاب فروض سے بچ جائے وہ سب اُس کا ہے۔

عصبہ دو قسم کے ہیں۔ نسبی اور سببی۔

(الف) عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں۔

عصبہ بنفسہ، عصبہ بغیرہ اور عصبہ مع غیرہ

۱۔ عصبہ بنفسہ: ہر وہ مرد رشتہ دار ہے جس کے میّت کے ساتھ تعلق میں کوئی عورت درمیان میں نہ آئے اور یہ چار ہیں۔

۱۔ میّت کا جز۔ بیٹا اور پوتا۔ (بنوت)

۲۔ میّت کی اصل۔ باپ اور دادا (ابوت)

۳۔ باپ کی فرع۔ بھائی اور بھتیجا (اخوۃ)

۴۔ دادا کی فرع۔ چچا اور چچازاد بھائی (عمومت)

چنانچہ اگر مختلف قسم کے رشتہ دار موجود ہوں تو تقسیم میراث کے لیے تعصیب میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ پہلے بنوت کا درجہ ہو گا، پھر ابوت کا، پھر اخوت کا اور پھر عمومت کا۔ اور اگر جہت قرابت ایک ہی ہو تو قریب ترین کو مقدم رکھا جائے گا۔ مثلاً بیٹا، پوتے پر مقدم ہو گا۔ اور بھائی بھتیجے پر۔ اور اگر جہت قرابت اور درجہ قرابت دونوں

(۱) المحلی ۹/۲۷۴
(۲) سنن البیہقی ۶/۲۳۶ (۳) عبدالرزاق ۱۰/۲۷۷۔ ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۵ (۴) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۵ ب۔ المغنی ۶/۲۱۱۔ المحلی ۹/۲۷۹

(۱) سنن البیہقی ۶/۲۲۶

برابر ہوں تو میت سے جس کی قرابت قوی ہوگی اُسے مقدم رکھا جائے گا اور میت کے ساتھ ماں کی طرف سے تعلق کو ترجیح دی جائے گی مثلاً سگے بھائی کو باپ شریک بھائی پر مقدم رکھا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو تحریر فرمایا کہ اگر کوئی عصبہ ماں کی طرف سے قریب تر ہو تو اُسے مال دے دو۔ (۱)

اگر سب کی جہت قرابت ایک ہی ہو اور درجہ قرابت بھی مساوی ہو تو اس صورت میں تمام وارثوں میں میراث کی تقسیم اس اصول کے مطابق ہوگی کہ مرد کا حصہ دو گنا اور عورت کا ایک گنا۔ ان تمام امور پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

۲۔ عصبہ بغیرہ: چار عورتیں ہیں۔ بیٹی، پوتی، حقیقی بہن اور باپ شریک بہن۔ یہ سب اپنے مرد بھائیوں کی موجودگی میں عصبہ بن جاتی ہیں۔ لہٰذا باقی ماندہ مال ان کے درمیان اسی اصول پر تقسیم ہوگا کہ مرد کا حصہ دو گنا اور عورت کا ایک گنا۔ جیسا کہ ان کے حالات میں بیان ہو چکا ہے۔

۳۔ عصبہ مع غیرہ: بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ مع غیرہ ہے، لہٰذا اصحابِ فروض سے جو کچھ بچے گا وہ لے لے گی۔ جیسا کہ ہم بہنوں کی میراث میں بیان کر چکے ہیں۔

(ب) عصبہ سببیہ:۔

۱۔ آزاد کرنے والا مولیٰ خواہ مرد ہو یا عورت عصبہ سببیہ ہے حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ عورتیں ولاء سے صرف اس صورت میں وارث ہوں گی جب کہ مورث، اُن کا آزاد کردہ ہو (۲)، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کا کوئی ذی رحم رشتہ دار نہ ہو اور نہ اس کا کوئی ولی ہو تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر ذی رحم رشتہ دار موجود ہے تو وہ وارث ہے، ورنہ پھر ولاء کی بنیاد پر اُس کی میراث تقسیم ہوگی۔ اور اگر وہ بھی نہیں ہے تو بیت المال وارث ہے۔ یہی تینوں وارث بھی ہوں گے اور یہی اس کی طرف سے دیت ادا کریں گے (۱) یہاں پر ولاء سے حضرت عمرؓ کی مراد ولاءِ عتق ہے۔ اگرچہ کبھی ولاء سے ولاءِ عقد بھی مراد ہوتی ہے۔

آزاد کرنے والے کے مرد عصبات میں تقسیم میراث کے سلسلہ میں الاقرب فالاقرب (جو زیادہ قریب ہے پہلے اُس کو دیا جائے) کا اصول کارفرما ہوگا۔ چنانچہ روایت ہے کہ صفیہؓ بنت عبدالمطلب کے غلاموں کے بارے میں حضرت علیؓ نے دعویٰ کیا کہ میں ان کا زیادہ حق دار ہوں۔ میں ہی اُن کا وارث ہوں گا اور میں ہی ان کی دیت دوں گا۔ اور حضرت زبیرؓ نے کہا کہ یہ میری ماں کے موالی ہیں۔ میں ان کا وارث ہوں گا۔ حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ میراث زبیرؓ لیں گے اور دیت حضرت علیؓ کے ذمہ ہوگی (۲)، اور ام ہانی بنت ابی طالب کے موالی کی میراث کے بارے میں فیصلہ کیا کہ حضرت علیؓ کے بجائے ان کے والد جعدۃ بن ھبیرہ وارث ہوں گے۔ (۳)

اگر آزاد کرنے والا مولیٰ مرجائے اور اس کے اپنے عصبات نہ ہوں اور جو زندہ ہے وہ اس کا آزاد کردہ غلام ہو جس کے ساتھ آزاد کرنے والے کی ولاء ہو تو مرنے والے کی میراث یہ آزاد کردہ غلام لے گا اور اس کے بعد اس کے (۴)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۹۔ عبدالرزاق ۱۰/۲۸۸ (۲) ابن ابی شیبہ: ۱۸۸/۲

(۱) المحلی: ۵۸/۱۱ (۲) المغنی ۲/۳۷۲، ۳۷۹، المحلی ۹/۳۰۰- ۵۸/۱۱ (۳) المغنی ۲/۳۷۲ (۴) المغنی: ۳۷۲/۶

مرد عصبات کو ملے گی۔ اصول "الاقرب فالاقرب" کے مطابق۔

۲۔ آزادی خواہ کسی صورت میں ہوئی ہو، آزاد کرنے والا آزاد کرنے کی بناء پر میراث کا مستحق ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر ام ولد مرجائے تو اُس کی میراث اُس کے مالک کے لئے ہے۔ (۱)

ابن ابی علقمہ کے مولی طارق بن المرقع نے ایک گھرانے کے غلام خریدے اور انہیں شام لے گئے۔ وہاں اُنہیں بغیر کسی شرط کے راہ خدا میں آزاد کر دیا اور وہ یمن واپس آگئے اور وہاں مرے تو اُنہوں نے سولہ یا سترہ ہزار درہم چھوڑے۔ طارق نے اُن کی میراث لینے سے انکار کیا اور کہا کہ میں نے اُنہیں اللہ کی رضا جوئی کے لیے آزاد کیا تھا۔ لہٰذا یعلیٰ بن امیہ نے اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کو لکھ کر پوچھا تو حضرت عمرؓ نے یعلیٰ بن امیہ کو تحریر کیا کہ میراث طارق کو پیش کرو۔ اگر وہ نہ لیں تو اس رقم سے مزید غلام خرید کر آزاد کر دو (۲) اور فرمایا کہ جس نے فی سبیل اللہ آزاد کیا تو میراث آزاد کرنے والے کی ہے (۳) اور حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ سائبہ اور صدقہ دونوں اپنے اپنے دن کیلئے ہیں۔ یعنی سائبہ کے طور پر آزاد کرنے والا میراث کا مستحق ہے اور اس کا ثواب اللہ تعالیٰ اُسے روزِ قیامت عطا فرمائے گا۔ (۴)

اور وہ جو روایت ہے کہ ابوحذیفہ کے مولی سالم کو لبنیٰ بنت یعار نے بطور سائبہ آزاد کر دیا اور وہ قتل ہوگئے اور ایک بیٹی چھوڑی۔ حضرت عمرؓ نے بیٹی کو نصف مال دیا اور نصف بیت المال میں جمع کر دیا۔ (۵) اور لبنیٰ کو نہیں دیا

(۱) المغنی ۶/۳۵۷ (۲) مصنف عبدالرزاق ۹/۲۹، المغنی ۶/۳۵۴، البیہقی ۱۰/۳۰۰

(۳) ابن ابی شیبہ ۲/۸۷ (۴) عبدالرزاق ۹/۲۷، ابن ابی شیبہ ۲/۸۷، المغنی ۶/۳۵۳، المغنی ۶/۳۵۳

جس نے اُنہیں بطور سائبہ آزاد کیا تھا۔ اس کی یہ تاویل ہوگی کہ ہوسکتا ہے خود لبنیٰ نے اس مال کے لینے سے تبرعاً انکار کر دیا ہو جس طرح طارق بن المرقع نے کیا تھا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اور اس پر بیہقی کی ایک روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ سالم مولی ابوحذیفہ ایک عورت سلمیٰ بنت یعار کے غلام تھے۔ اس نے انہیں جاہلیت میں راہ خدا میں آزاد کیا تھا جب وہ یمامہ میں مر گئے تو حضرت عمرؓ نے ودیعہ بن خدام کو بلایا اور کہا کہ یہ تمہارے مولی کی میراث ہے، تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔ اُنہوں نے کہا کہ اے امیرالمومنین اللہ نے ہمیں اس مال سے بے نیاز کر دیا ہے اور اس کی مالکہ نے اُسے سائبہ آزاد کیا تھا۔ اب ہم یہ مال لے کر خفت اٹھانا نہیں چاہتے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے وہ مال مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دیا۔ (۱)

۳۔ اس مقام پر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ عصبہ سببی یعنی آزاد کرنے والا مولی اور اس کے مرد عصبہ ذوی الارحام کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے بلکہ میراث میں ان کی ترتیب ذوی الارحام کے بعد آتی ہے (۲) حضرت عمرؓ کا قول ہے: ذوی الارحام کی موجودگی میں موالی میراث کے حق دار نہیں ہیں۔

ولاء عقد کی صورت میں میراث:۔

(الف) مولی الموالاۃ کی میراث: موالاۃ ایک عقد ہے جو دو شخصوں کے درمیان اس طرح طے پاتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اگر میں مرگیا تو تُو میرا وارث ہوگا اور اگر میں کوئی قابلِ دیت جرم کر دوں تو تُو اس کی دیت ادا کرے گا۔ اب ان میں سے اگر کوئی مرجائے اور اس کا کوئی ایسا وارث

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۳۰۰ (۲) عبدالرزاق ۹/۲۰

موجود نہ ہو جن کا ذکر (ارث/۵، ۶، ۷) میں ہے تو اس عقد کی وجہ سے مولی الموالاۃ اس کا وارث ہوگا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو کسی سے موالات کا عقد کرے گا تو اُسے اس کی میراث ملے گی اور اس کے ذمے اس کی دیت ہو گی (۱)۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص کے بارے میں جس نے ایک قبیلے سے موالات کا معاہدہ کیا ہوا تھا، فیصلہ دیا کہ اس کی میراث اُن کو ملے گی۔ اور اُن کے ذمے اس کی دیت ہوگی[۲]

(ب) لقیط کی میراث :۔ اگر کوئی شخص کسی لاوارث بچے کو لے کر اس کی پرورش اور کفالت کرتا ہے تو ایسا کرنا موالات کے عقد کے حکم میں سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اگر یہ لقیط مرجائے اور اس کا کوئی ایسا وارث موجود نہ ہو جن کا ذکر شق ذیل (ارث/۵، ۶، ۷) میں ہو چکا ہے تو اس بچہ کو اٹھانے والا اُس کا وارث ہوگا۔ یہی حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بنو سلیم کے ایک شخص نے ایک بچہ کہیں پڑا ہوا پایا۔ اُسے حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے لانے والے سے پُوچھا کہ تُو نے اس ننھی جان کو کیوں اٹھایا، گویا اس پر شُبہ کر رہے ہوں۔ اُس نے کہا: مَیں نے اُسے لاوارث پڑا ہوا پایا تو اٹھالیا۔ اس موقع پر اس کو جاننے والے چوہدری نے کہا کہ اے امیر المومنین یہ اچھا آدمی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اِسے لے جاؤ۔ یہ آزاد ہوگا اور تمہارے لیے اس کی ولاء ہے اور ہمارے ذمے اس کے مصارف ہیں[۳]۔ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت مسورؓ کی میراث اس کی کفالت کرنے والے کو دی (۱) اور ابنِ قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک لقیط کی ولاء غیر مشروط طور پر اسکے اٹھانے والے کے لیے ہے (۲)۔

(ج) اس شخص کی میراث جو کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے۔

کسی شخص کا کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا بھی ولاء کے حکم میں ہے۔ اور اگر اسلام قبول کرنے والے کا کوئی وارث نہ ہو تو جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے وہ اس کا وارث ہوگا۔ چنانچہ ابو الاشعث اپنے مولی سے روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ ایک شخص نے میرے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور مجھ سے عقد موالات کیا اور بعد ازاں مرگیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو اس کی میراث کے تم حقدار ہو۔ اور اگر وارث بھی نہ ہو اور تم بھی لینا قبول نہ کرو تو یہ بیت المال موجود ہے (۳)۔ مجاہد سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ ایک شخص نے میرے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ بعد ازاں وہ مرگیا اور اس نے ایک ہزار درہم چھوڑے ہیں۔ مَیں نے اس مال سے احتیاط برتی اور آپ کے پاس لے کر آگیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ اگر وہ کوئی قابلِ دیت جُرم کرتا تو اُس کی دیت کس پر ہوتی۔ اُس نے کہا کہ مجھ پر۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر اُس کی میراث بھی تیری ہے (۴)۔

اگرچہ پہلی صورت میں اسلام قبول کرنے والے اور اس شخص کے درمیان جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا عہدِ موالات

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۹، المحلی ۱۱/۵۸ (۲) عبدالرزاق ۹/۱۱، ۱۴ (۳) الموطا ۲/۳۸، عبدالرزاق ۹/۱۴، ۷/۴۹، ۵۲، ۷، ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۹، المحلی ۸/۲۷۴، المغنی ۵/۶۷۹، البخاری، الشہادات، اذا زکی الرجل الرجل کفاہ، السنن البیہقی ۶/۲۰۱

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۹ (۲) المغنی ۶/۳۸۱
(۳) ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۹ ب، اختلاف ابی حنیفہ وابنِ ابی لیلی ۸۸
(۴) المغنی ۶/۳۸۰، ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۹، المحلی ۱۱/۵۸

بھی ہوا۔ لیکن دوسری صورت میں اسلام قبول کرنے والے اور اس شخص کے درمیان جس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا کوئی عقد نہیں ہوا۔ اسی لیے ابنِ قدامہ نے حضرت عمرؓ کی جو رائے نقل کی ہے وہ غیر مشروط ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے تو وہ مطلقاً اس کا وارث ہوگا، خواہ اُن کے درمیان عقدِ موالات نہ ہوا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ :

"جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے تو وہ شخص جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا، اس کا مولیٰ ہے اور وہی اُس کا وارث ہو گا اور وہی اس کی دیت بھی ادا کرے گا۔"[1]

(د) اس شخص کی میراث کا بیان جو اپنے معاون و مددگار لوگوں کے درمیان مرتا ہے۔

یہ چیز بھی ولاء کے حکم میں داخل ہے کہ ایک شخص کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے۔ دیکھنے والے اُسے انہی میں سے شمار کرتے ہیں۔ یہ اُن کی مدد کرتا ہے اور وہ لوگ اس کی مدد کرتے ہیں اور اس کی دیت ادا کرتے ہیں۔ یہ اگر کسی سے ناراض ہوتا ہے تو وہ بھی اُس سے ناراض ہو جاتے ہیں، خواہ ان لوگوں کے ساتھ اس کا کوئی معاہدہ ولاء نہ ہو۔ اگر ایسا شخص انہی لوگوں کے درمیان مر جائے تو حضرت عمرؓ کے نزدیک اس کی میراث ان لوگوں کو ملے گی۔ چنانچہ ابنِ جریج سے مروی ہے کہ اُنہوں نے عطاء سے کہا کہ ایک شخص اگر عربی ہو اور اس کی اصل معلوم نہ ہو لیکن جن افراد کے درمیان وہ رہتا ہے وہ لوگ اس کی دیت دیتے ہیں اور وہ شخص ان لوگوں کی دیت دیتا ہے اگر وہ مر جائے تو اُس کی

(۱) المغنی ۹/ ۳۸۰

میراث کیسے ملے گی؟ اُنہوں نے کہا کہ ہمیں حضرت عمرؓ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ جو شخص کسی کی مدد و نصرت کرتا ہے اس کی میراث اُسی کے لیے ہے۔ (۱)

حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ کو لکھ کر پوچھا کہ ایک شخص کا اندراج ایک قوم کے دفتر میں ہے اور وہ اُن کی طرف سے دیت دیتا ہے، مگر اُس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اگر وہ اُن کی طرف سے دیت دیتا ہے اور اُس کا اندراج بھی اُنہی کے دفتر میں ہے تو وہی اس کے وارث ہوں گے۔ (۲)

حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں بھی لکھ کر دریافت کیا جو اس حالت میں مر گیا کہ اس کا کوئی وارث نہیں ہے؛ حضرت عمرؓ نے جواباً لکھا کہ اس کی میراث ان لوگوں کو دے دو، جو اس کا جزیہ ادا کرتے تھے۔ (۳)

نیز حضرت عمرؓ نے اس شخص کے بارے میں فیصلہ دیا جو کسی قوم کا حلیف ہو یا اس کا شمار ان ہی میں ہوتا ہو اور وہ اس کی دیت دیتے ہوں اور اس کی مدد کرتے ہوں تو اگر اس کے کسی وارث کا پتہ نہ چلے تو اس کی میراث انہی کو ملے گی۔ (۴)

اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص لاوارث مر جائے اور وہ کسی قوم کے ساتھ اس طرح نہ رہتا ہو کہ ان کی دیت دیتا ہو اور ان کی مدد کرتا ہو تو اُس کی میراث مسلمانوں کا مال ہو گی اور ان میں تقسیم ہو گی۔ (۵)

(۱) مصنف عبدالرزاق ۹/ ۱۲ (۲) مصنف عبدالرزاق ۹/ ۱۲ (۳) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۹ ب (۴) عبدالرزاق ۱۰/ ۳۰۷ (۵) عبدالرزاق ۱۰/ ۳۰۷

جرہم کا ایک شخص سراۃ میں وفات پا گیا اور اُس نے مال چھوڑا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اس کے بارے میں حضرت عمرؓ سے دریافت کیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ جرہم کا کوئی فرد موجود ہے یا نہیں، شام خط لکھا، لیکن جرہم کا کوئی فرد نہ ملا تو اس کی میراث ان لوگوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا جن میں اس کا انتقال ہوا تھا۔ (۱)

حضرت عمرؓ کے یہ فیصلے سُنّت نبویؐ سے مستفاد تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ایک غلام مر گیا اور اُس نے کچھ ترکہ چھوڑا اور اس کا کوئی بیٹا یا دوست نہیں تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اس کی میراث اس کے گاؤں والوں میں سے کسی کو دے دو۔ (۲)

حضرت عمرؓ کے نزدیک کسی شخص کا غلام آزاد کرنا ولاء عقد کے حکم میں داخل ہے، کیونکہ مالک نے زندگی میں اس پر مہربانی کی، اُسے آزادی عطا کی، اس لیے اس کے انعام کی تکمیل یہ ہے کہ آزاد شدہ غلام کو مالک کے مرنے کے بعد اس کی میراث بھی ملے، بشرطیکہ مالک کا کوئی وارث نہ ہو۔ گویا مالک کا اپنے غلام کو آزاد کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ سب سے زیادہ اس سے قریب ہے اور گویا قرینہ اس کا موجود ہے کہ مالک نے اپنے غلام سے کہا ہو کہ اگر میں مر گیا تو تُو میرا وارث ہو گا، چنانچہ حضرت عمرؓ جب مکّہ مکرمہ میں اپنے عامل نافع بن عبدالحارث کے دروازے سے گزرے تو استفسار کیا کہ اس خیمہ میں جو غلام تھا وہ کہاں ہے، کسی نے بتایا کہ وہ مر گیا۔ آپ نے استفسار کیا اس کا وارث کون ہے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ۔ آپ نے کہا کہ میں کیوں؟ میرے اور اس کے درمیان نہ کوئی قرابت ہے اور نہ عقد ولاء کیا اس نے کوئی وارث نہیں چھوڑا؟ لوگوں نے بتایا، کوئی نہیں سوائے اس کے کہ اس نے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اس کی میراث اسی کو دے دو۔ (۱)

حضرت عمرؓ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص مر گیا اور اس کا کوئی وارث نہ تھا، ماسوائے ایک غلام کے جس کو اس نے آزاد کر دیا تھا، آپ نے اُس کی میراث اسی آزاد کردہ غلام کو دے دی (۲)

۸) میراث کا بیت المال میں داخل ہونا۔

اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کا شق (ارث ۵، ۶، ۷) میں مذکور وارثوں میں سے کوئی وارث موجود نہ ہو اور اُس نے مال چھوڑا ہو تو وہ مسلمانوں کے مصارف کے لیے بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسے شخص کے بارے میں جو مسلمان ہو مال چھوڑ کر مرے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو اور نہ وہ کسی قوم کے ساتھ اس طرح رہتا رہا ہو کہ اُن کی دیت دیتا ہو اور اُن کی مدد کرتا ہو، یہ فیصلہ کیا کہ اس کی میراث اللہ کے اس مال میں شامل ہو جائے گی جو مسلمانوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ (۳)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو تحریر کیا کہ اگر ایک شخص ہمارے علاقے میں مر جائے اور اس کا کوئی رشتہ دار

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۹ ب

(۲) ابوداؤد (الفرائض) ترمذی (الفرائض)

(۱) عبدالرزاق ۹/ ۱۷ (۲) ابوداؤد، ترمذی (الفرائض)، عبدالرزاق ۱۹۱۹۲ سعید بن منصور ۱۹۲، البیہقی ۶/ ۲۴۲ (۳) مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۳۰۷

یا ولی نہ ہو؛ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر اس کا کوئی رشتہ دار ہے تو میراث اس کو ملے گی ورنہ اگر کوئی ولی ہے تو اس کو ملے گی اور اگر ولی بھی نہیں ہے تو بیت المال کو ملے گی جس سے وہ میراث پاتے ہیں۔ اور اس میں سے اُن کی دیت ادا ہوتی ہے۔ (۱)

۹۔ متعدد رشتوں کی صورت میں میراث :۔

اگر کسی وارث کی (مورث سے) دو رشتہ داریاں ہوں تو وہ دونوں کی وجہ سے میراث پائے گا۔ (۲) چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان چچیرے بھائیوں کے سلسلہ میں فیصلہ کیا جن میں سے ایک ماں جایا بھائی تھا کہ ماں جائے بھائی کو پہلے سُدس ملے گا اور پھر وہ باقی میراث میں بھی شریک ہوگا(۳)

مجوس کے یہاں محارم سے نکاح جائز ہے، لہٰذا اگر کوئی مجوسی اور اس کا خاندان اسلام قبول کرلے اور پھر اس کے ان رشتہ داروں میں سے جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا کوئی مرجائے تو یہ شخص مرنے والے سے اس کے ساتھ اپنی تمام قرابتوں کی بنیاد پر میراث پائے گا۔ بشرطیکہ یہ ممکن ہو (۴)

۱۰۔ رَدّ :۔

(الف) حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق تمام اہل فرائض پر میراث میں اُن کے حصّوں کے مطابق "رَدّ" ہوگا، ماسوائے شوہر اور بیوی کے کہ ان پر "رَدّ" نہیں ہوگا۔ (۵)

(ب) نیز حضرت عمرؓ کے نزدیک آزاد کرنے والے مولیٰ کو میراث دینے پر رَدّ کو مقدم رکھا جائے گا۔ (۶)

(۱) المحلی ۱۱/۵۸ (۲) المغنی ۶/۲۵۲ (۳) ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۰ ب المغنی ۶/۱۸۶ (۴) المغنی ۶/۳۰۴ (۵) المغنی ۶/۲۰۱ ، (۶) المغنی ۶/۲۴۹ ۔

(۱۱) عَوْل :۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ایک قضیہ پیش ہوا کہ ایک بیوی مرگئی اور اس نے شوہر، ایک بہن اور ایک ماں وارث چھوڑے۔ حضرت عمرؓ نے تقسیم ترکہ کے بارے میں صحابہؓ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ ان کے حصّوں کے مطابق ان پر مال تقسیم کردیا جائے، گویا حضرت عباسؓ نے اُسے دین (قرض) پر قیاس کیا، کیونکہ اس امر پر اجماع ہے کہ اگر بلحاظِ ثبوت قرض خواہوں کا حق برابر ہو اور ترکہ ان سب کا قرض ادا کرنے کے لیے کافی نہ ہو تو مال قرض خواہوں میں حصّہ رسدی تقسیم ہوگا، یعنی ہر قرض خواہ کو اس کے حصّہ کی نسبت سے ادائیگی کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کی یہ رائے قبول کی اور اسی پر عمل کرایا اور ماسوا عبداللہ بن عباسؓ کے کسی نے مخالفت نہیں کی۔ اور انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی چاہے تو میں مباہلہ کے لیے بھی تیار ہوں کہ ترکہ کے مسائل میں عَول نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص عالج کی ریت کے ذرّے گن کر شمار کرے تو وہ زیادہ قرینِ انصاف ہوگا بہ نسبت اس شخص کے جو مال کو نصف اور نصف اور ثلث کرکے تقسیم کرتا ہے۔ کیونکہ جب دو نصف چلے گئے تو ثلث کہاں باقی رہا۔ (۱)

۱۲۔ حجب :۔

تعریف : کسی مانع ارث کی وجہ سے کسی شخص کا بالکلیہ میراث سے محروم ہوجانا۔ اور موانع میراث یہ ہیں۔ (۱) رق (غلامی) (۲) قتل اور (۳) کفر۔ موانع ارث کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ (دیکھو : ارث ۴)

(۱) المغنی ۶/۱۸۴ ۔ شرح السراجیہ ۹۸

حضرت عمرؓ کی رائے یہ ہے کہ جو شخص ان تین موانع میں کسی ایک مانع کی موجودگی کی بناء پر میراث سے محجوب (محروم) ہو جاتا ہے، وہ کسی دوسرے کے لیے کسی قسم کے حجب کا باعث نہیں بنتا، یعنی نہ وہ کسی دوسرے کو میراث سے محروم کرتا ہے اور نہ اس کے حصہ میں کمی کا سبب بنتا ہے۔ کیونکہ وہ اس طرح سمجھا جائے گا، جیسے وہ تھا ہی نہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جو میراث نہیں لیتا وہ محجوب نہیں کرتا۔ (۱)

۱۴۔ ذوی الارحام کی میراث :۔

حضرت عمرؓ ذوی الارحام کو میراث دینے کے قائل تھے (۲) اور انہیں مولی معتق پر مقدم کرتے تھے، چنانچہ ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ میراث میں ذوی الارحام کو حصہ دلواتے تھے اور (ان کی موجودگی میں) موالی کو میراث نہ دیتے (۳)۔ چنانچہ ایک لڑکا قتل ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے تحریر کیا کہ اس کی دیت اس کے ماموں کو ملے گی، کیونکہ ماموں بھی والد ہی کے درجے میں ہے۔ اور آپ نے اس کے ان موالی کو چھوڑ دیا، جنہوں نے اسے آزاد کیا تھا (۴)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو تحریر کیا کہ ایک شخص ہمارے علاقہ میں مر جاتا ہے اور اس کا کوئی ذی رحم اور ولی نہیں ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر کیا کہ اگر کوئی ذی رحم موجود ہے تو وہ وارث ہے، ورنہ پھر ولاء ہے۔ اور وہ بھی نہ ہو تو بیت المال ہے جس کے وہ وارث ہیں اور جس سے ان کی دیت ادا کی جاتی ہے۔ (۱)

(ب) ذوی الارحام اگر ایسے ہوں کہ اُن کے ماں اور باپ ایک ہوں تو وہ مرد کا دوگنا حصہ کے اصول کے مطابق میراث پائیں گے۔ ماموں کو دو ثلث ملیں گے اور خالہ کو ایک ثلث۔ ماسوا ماں کی اولاد کے کہ اس میں مرد اور عورت کا حصہ برابر ہے، کیونکہ ان کے ماں باپ کو بھی میراث میں برابر حصہ ملتا ہے۔ (۲)

(ج) ذوی الارحام میں سے ہر ایک کو اس درجہ پر شمار کیا جائے گا جو درجہ اس وارث کا ہو گا جس کے واسطے سے اس کا میت سے رشتہ ہے اور وہی حصہ اُسے دیا جائے گا۔ مثلاً ماموں کو ماں کے درجہ میں رکھا جائے گا۔ اور اگر یہ وارث رشتہ میں بہت دُور ہو جائیں تو ان کو درجہ بہ درجہ اتارا جائے گا تا آنکہ اس وارث تک پہنچ جائیں جس کے تعلق سے وہ وارث بنے ہیں۔ اور اس کی میراث پائیں گے۔

اگر ذوی الارحام میں سے صرف ایک ہی باقی ہو اور اس کے سوا کوئی اور وارث بھی نہ ہو تو وہ تمام مال لے لے گا۔ چنانچہ ایک واقعہ ہوا تھا کہ ایک شخص کا تیر لگ جانے سے ایک آدمی ہلاک ہو گیا اور اس مقتول کا ایک ماموں کے سوا کوئی اور وارث نہیں تھا۔ ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا اور ان کی رائے معلوم کی۔ حضرت عمرؓ نے تحریر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "اللہ اور رسولؐ اس کے مولیٰ ہیں جس کا کوئی مولیٰ نہ ہو۔ اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو (۳)

ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی دوسرے وارث

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۲ ۔ عبدالرزاق ۱۰/ ۲۸۰ (۲) شرح السراجیہ ۱۴ ۔ (۳) مصنف عبدالرزاق ۹/ ۱۹ (۴) مصنف عبدالرزاق ۹/ ۱۹

(۱) المحلی ۱۱/ ۸ ۔ (۲) المغنی ۶/ ۲۳۹ (۳) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۱ ب ۔ مسند احمد ۱/ ۲۸ ۔ سنن البیہقی ۶/ ۲۱۴ ۔

کی عدم موجودگی میں ماموں کو تمام مال کا وارث قرار دیا اور فرمایا کہ ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث موجود نہ ہو"[1] اور اگر ذوی الارحام متعدد ہوں تو ان کے درمیان میراث کی تقسیم ان وارثوں کے حصص کے مطابق ہو گی جن کے واسطے سے ان کا میت سے رشتہ ہے۔ گویا اس وارث کا حصہ اس ذی رحم کو دیا جائے گا۔ میراث دینے اور میراث سے محروم کرنے میں یہی چیز یعنی وارث سے رشتہ ہی بنیادی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے پھوپھی کو باپ کی جگہ رکھا اور نواسی کو بیٹی کا درجہ دیا اور بھتیجی کو بھائی کا اور بھانجی کو بہن کا درجہ دیا۔ (۲)

حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مسئلہ پیش ہوا جس میں (مرنے والے کے) وارث صرف خالہ اور پھوپھی تھے۔ تو حضرت عمرؓ نے پھوپھی کو باپ کا درجہ دے کر اور خالہ کو ماں کا درجہ دے کر پھوپھی کو دو ثلث اور خالہ کو ایک ثلث حصہ دیا (۳)

یہاں ہم بعض ایسے مسائل درج کرتے ہیں جو ابن قدامہ نے المغنی میں حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق بیان کیے ہیں۔

ایک شخص مر گیا اور اس نے مندرجہ ذیل رشتہ دار چھوڑے۔

۱۔ نواسی کی بیٹی اور بیٹے کی پوتی۔

اس صورت میں مال بیٹے کی پوتی کا ہو گا۔

۲۔ نواسی کی بیٹی، نواسی کی نواسی اور بھتیجی۔

پہلی اور تیسری کو میراث ملے گی اور دوسری محروم رہے گی۔

۳۔ بیٹی کی نواسی اور ماں شریک بھائی کا بیٹا۔

میراث پہلی کو ملے گی۔

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۱ ب (۲) المغنی ۶/۲۳۲ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۱ ب۔ عبدالرزاق ۱۰/۲۸۲

۴۔ بیٹی کا نواسہ اور بھائی کی بیٹی۔

میراث دونوں میں تقسیم ہو گی۔

۵۔ نواسی اور بیٹے کی نواسی۔

کل ترکہ ان کے درمیان چار مرحلوں میں تقسیم ہو گا

۶۔ بھتیجی، چچا کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی۔

میراث بھتیجی کو ملے گی۔ (۱)

۷۔ سگے بھائی کی بیٹی۔ باپ شریک بھائی کی بیٹی اور ماں شریک بھائی کی بیٹی۔

ماں شریک بھائی کی بیٹی کو چھٹا حصہ اور باقی ماندہ مال حقیقی بھائی کی بیٹی کو ملے گا۔ اور باپ شریک بھائی کی بیٹی کو کچھ نہیں ملے گا۔

۸۔ سگی خالہ۔ باپ شریک خالہ۔ ماں شریک خالہ۔ سگی پھوپھی، باپ شریک پھوپھی اور ماں شریک پھوپھی۔

خالائیں بمنزلہ ماں کے ہیں اور پھوپھیاں بمنزلہ باپ کے۔ اس لیے میراث تین حصوں میں تقسیم ہو گی۔ اور ایک حصہ خالاؤں کا اور دو حصے پھوپھیوں کے۔ ماں والا حصہ اس کی بہنوں یعنی خالاؤں میں اس طرح تقسیم ہو گا۔ سگی بہن کا نصف۔ باپ شریک بہن کا سدس اور ماں شریک بہن کا سدس اور باپ کا حصہ اس کی بہنوں یعنی پھوپھیوں میں اس طرح تقسیم ہو گا کہ سگی پھوپھی کا نصف باپ شریک پھوپھی کا سدس اور ماں شریک پھوپھی کا سدس۔ (۲)

(د) اسود سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی کہ میری ایک بہن تھی جو میرے باپ کی ناجائز اولاد تھی وہ مر چکی ہے اور اس نے ایک لڑکا چھوڑا ہے۔ لڑکا مرا تو اس نے کچھ اونٹ ترکہ میں چھوڑے حضرت عمرؓ

(۱) المغنی ۶/۲۳۵ (۲) المغنی ۶/۲۳۵

نے فرمایا کہ تیرا اور اُس کا تو رشتہ نہیں ہے۔ وہ اُونٹ لا کر صدقہ کے اُونٹوں میں جمع کرا دو۔ وہ شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کے پاس آیا اور اُن سے واقعہ بیان کیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے حضرت عمر رضؓ سے پُوچھا تو حضرت عمر رضؓ نے کہا کہ مرنے والے اور اس کے درمیان نسبی تعلق نہیں ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے کہا کہ کیا وہ اس کا ماموں اور اس کا مربی نہیں ہے؟ اس کا اس کے مال میں حق ہے۔ اس پر حضرت عمر رضؓ نے یہ مال اس شخص کو واپس کر دیا۔ (۱)

(۱۴) مخنث کی میراث

حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ مخنث کو میراث دیتے وقت اس بات کو مدنظر رکھا جائے گا کہ وہ پیشاب کیسے کرتا ہے۔(۲) اگر وہ اس طرح پیشاب کرتا ہے جس طرح عورت کرتی ہے تو وہ عورت متصوّر ہوگا اور اس کو عورت کا حصّہ ملے گا۔ اور اگر وہ اس عضو سے پیشاب کرتا ہے جس سے مرد کرتا ہے تو اُسے مرد کا حصّہ دیا جائے گا۔

(۱۵) ولد زنا اور ولد ملاعنہ[1] کی میراث

ولد زنا اور ولد ملاعنہ اگر کوئی ایسا وارث نہ چھوڑیں جس کا حصّہ شرعاً مقرر ہے تو اُن کا ترکہ عصبہ کو ملے گا۔ اور اُن کا عصبہ وہ ہوگا جو اُن کی ماں کا عصبہ ہے نہ کہ اُن کے باپ کا عصبہ (۳) اور ولد زنا کی میراث ولد ملاعنہ ہی کی طرح ہے۔ (۱)

(۱۶) ایسے اشخاص کی میراث کا بیان جو بیک وقت وفات پائیں اور یہ معلوم نہ ہو کہ کون پہلے مرا ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں جو ایک ساتھ ہلاک ہوئے ہوں اور یہ متعیّن نہ ہو سکے کہ کون پہلے مرا ہے حضرت عمر رضؓ کا قول ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔(۲) چنانچہ حضرت عمر رضؓ نے ان لوگوں کو جو پانی میں ڈوب کر مرے تھے ایک دوسرے کا وارث قرار دیا۔(۳)

شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب شام میں عمواس کے سال طاعون پھیلا اور پورے پورے خاندان مرنے لگے، اس سلسلہ میں جب حضرت عمر رضؓ کو تحریر کیا گیا تو حضرت عمر رضؓ نے جواب دیا کہ ان کو ایک دوسرے کا وارث قرار دے دو۔ (۴) اور یہ ایک دوسرے کے وارث اس مال میں ہوں گے جو اُن کے پاس پہلے سے موجود ہے نہ کہ اس مال میں جو اُن کو ایک دوسرے سے میراث سے ملا ہے، چنانچہ شعبی سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے اُنہیں ایک دوسرے کا وارث اس مال میں بنایا جو پہلے سے اُن کے پاس تھا نہ کہ اس مال میں جو اُنہیں ایک دوسرے سے میراث میں ملا تھا۔(۵)

ابو یعلیٰ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضؓ اور حضرت علی رضؓ دونوں کا قول ہے کہ جو لوگ ایک ساتھ غرق ہو کر مر جائیں اور یہ علم نہ ہو سکے کہ کون پہلے مرا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے تین بھائی ایک ساتھ مر جائیں اور ہر ایک کے

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۷۸ - ب (۲) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۶ - ب
(۳) المغنی ۶/ ۲۶۱، ۲۶۳

[1] ملاعنہ سے مراد وہ عورت ہے جس پر اُس کے شوہر نے زنا کی تہمت لگائی ہو اور گواہ نہ ہونے کی بنا پر لعان (مخصوص الفاظ میں ایک دوسرے کو لعنت بھیجنا) کے بعد میاں بیوی کو

(۱) المغنی ۶/ ۲۶۵ (۲) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۹۵
(۳) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۶ (۴) المغنی ۶/ ۳۰۸
(۵) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۹۵ - سنن البیہقی ۶/ ۲۲۲

پاس ایک ہزار درہم ہوں اور اُن کی ماں زندہ ہو تو اُس صورت میں ماں اور بھائی وارث ہوں گے۔ ماں کو ہر ایک کے ترکہ میں سے سدس ملے گا اور بھائیوں کو باقی ماندہ مال۔ اور سب کے ساتھ یہی طریقہ ہوگا۔ اس کے بعد ماں علاوہ اس سدس کے جو اُسے پہلی مرتبہ ملا تھا، اپنے ہر بیٹے سے جو اپنے بھائی کے باقی ماندہ مال کا وارث بنا مزید ثلث لے گی۔ (۱)

اخبار القضاۃ میں ضحاک بن قیس سے مروی ہے کہ طاعون عمواس کے زمانے میں جب کہ پورے پورے خاندان مر رہے تھے اور صورتِ حال یہ تھی کہ پورے خاندان میں سے کوئی ایک آدھ ہی نسبی وارث بچتا تھا، حضرت عمر رضؓ نے ہمیں لکھا کہ یہ وارث اگر باپ کی طرف سے ہو تو تمام رشتہ داروں کو برابر کر کے ایک باپ کے بیٹوں کو زیادہ حقدار قرار دو اور جو کسی بھی درجہ میں قریب تر ہو اُسے اس کے ساتھ ملحق کر دو۔ (۲)

لیکن بیہقی نے اپنی سنن میں زید بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے مجھے طاعون عمواس کے سال حکم دیا کہ زندوں کو مردوں کا وارث قرار دو اور مرنے والوں کو باہم ایک دوسرے کا وارث نہ بناؤ۔ (۳) جب کہ فقہاء کے یہاں حضرت عمر رضؓ کا پہلا قول مشہور ہے۔

۱۷۔ مفقود الخبر کی میراث:

(د مفقود / ۲ د)

ارش:

ارش اس معاوضہ کو کہتے ہیں جو زخموں کی دیت کے طور پر دیا جاتا ہے۔ (دا جنایۃ / ۵ ب ۴ ھ)

ارض (زمین)

۱۔ ملکیت زمین

اراضی کی تین قسمیں ہیں:۔

(الف) وہ زمین جس کے مالک اس زمین پر رہتے ہوئے مسلمان ہو گئے ہوں۔ جیسے مدینہ منورہ کی اراضی۔ اسطرح کی اراضی اسکے سابق مالکوں کی ملکیت ہو گی اور وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کر سکتے ہیں۔ یعنی وہ اس کے فوائد بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ فروخت بھی کر سکتے ہیں۔ ہبہ بھی کر سکتے ہیں اور اجارہ وغیرہ پر بھی دے سکتے ہیں، لیکن زمین کو بیکار چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے اپنی زمین بیکار چھوڑ دی اور کسی دوسرے نے مالک کی اجازت کے بغیر اس پر شجرکاری کر لی تو مالکوں کو یہ اختیار دیا جائیگا کہ وہ یا تو شجرکاری کی قیمت دے کر زمین واپس لے لیں یا زمین کی قیمت لے کر زمین ان آباد کرنے والوں کے پاس رہنے دیں۔

یحییٰ بن آدم نے اپنی کتاب الخراج میں روایت کیا ہے کہ بعض افراد نے دوسرے لوگوں کی غیر آباد زمین پر کھجور کے درخت لگالیے۔ یہ مقدمہ حضرت عمر رضؓ کے پاس گیا تو آپ نے مالکانِ زمین سے فرمایا کہ ان آباد کاروں کو ان کے لگائے ہوئے کھجوروں کے درختوں کی قیمت دے دو اور درخت (مع زمین) لے لو، ورنہ درخت لگانے والے تمہیں خالی زمین کی قیمت دے کر زمین خود لے لیں گے۔

---

(۱) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۹۵ (۲) اخبار القضاۃ ۲/ ۴۳

اس روایت میں اگرچہ اضطراب ہے لیکن اس کا عام مفہوم اس امر کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ مرنے والے ایک دوسرے کے وارث قرار پائینگے۔

(۳) سنن بیہقی ۶/ ۲۲۲

(ب) وہ زمین جس کے مالکوں سے صلح ہوگئی ہو کہ زمین انکے قبضہ میں رہے گی

اس زمین پر ان شرائط کا اطلاق ہو گا جو عقدِ صلح مرتب کرتے وقت اس کے بارے میں طے پائے ہوں گے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جن ضوابط پر عمل ہوتا رہا ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ کہ زمین کے حقوقِ ملکیت مالکوں کے پاس رہیں گے اور وہ یہ زمین میراث میں ایک دوسرے سے لیتے دیتے رہیں گے، الغرض اس پر انفرادی ملکیت کے جملہ احکام جاری ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ جس قوم سے اس شرط پر صلح کر لی گئی ہو کہ وہ جزیہ دیں گے۔ ان میں سے اگر کوئی اسلام قبول کرلے تو اس کی زمین اس قوم کے باقی لوگوں کے پاس رہے گی (۱) اور امام کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ یہ زمین اُن سے چھین کر دوسروں کو دے دے۔

۲۔ اس زمین کے مالک وہ خراج ادا کرتے رہیں گے جس کی ادائیگی کے بارے میں اُن کے اور حکومت کے درمیان معاہدہ طے پایا ہو گا اور اس خراج میں بعدازاں نہ اضافہ ہو گا اور نہ کمی۔ خواہ مالک مالدار ہو جائیں یا تنگدست۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ فلاں زمین کے مالک اس سے زیادہ خراج دینے کی قدرت رکھتے ہیں جو اُن پر مقرر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس میں اضافہ کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اُن سے معاہدہ صلح طے پایا ہے (۲)۔ اسی لیے ابوعبید نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ اہلِ ذمہ میں سے جن کے ساتھ صلح ہوتی تھی، اُن سے وہی رقم لیتے تھے جس پر صلح ہوتی تھی۔ نہ اس میں کمی کرتے تھے اور نہ اضافہ (۱)

اور اس خراج کا حکم جزیہ کا سا ہے؛ لہٰذا اگر زمین کا مالک اسلام قبول کرلے تو اس پر سے جزیہ بھی ساقط ہو جائے گا اور اس کی زمین سے خراج بھی۔

(ج) بزور و قوۃ فتح کی ہوئی زمین :

۱۔ عہدِ نبوی سے یہ طریقہ چلا آرہا تھا کہ ایسی اراضی کو غنیمت متصور کیا جاتا تھا اور اس میں سے حکومت کے لیے خُمس (⅕) لے کر باقی مجاہدین میں تقسیم کر دی جاتی تاکہ مُسلم عوام کی مِلک قرار پا جائے۔ (دیکھئے غنیمۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کے سلسلہ میں اسی طرح کیا تھا(۲) لیکن جب حضرت عمرؓ کا عہدِ خلافت آیا تو اُنہوں نے اس طرح زور اور قوت سے فتح ہونے والی زمینوں کو مسلمانوں میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اسے بربنائے مصلحت مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ ابوعبید اپنی کتاب الاموال میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جابیہ آئے اور اراضی مسلمانوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے کہا کہ اس طرح تقسیم اراضی کے نتائج بہتر نہ ہوں گے۔ یہ ساری صاحبِ ثروت لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی اور ضائع ہوگی اور بالآخر کسی مرد یا کسی عورت کے پاس پہنچ جائے گی اور بعد میں آنے والے لوگ جو اسلام کی خاطر جہاد کریں گے اُن کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔ کوئی ایسی تدبیر کریں کہ اس زمین سے اگلے پچھلے سب فائدہ اٹھائیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ کی رائے کو قبول کر لیا۔ (۳)

---

(۱) الاموال ۱۵۵ (۲) مصنف عبدالرزاق ۳۳۶/۱ - ۱۰۱/۶۔ الاموال ۱۴۴

(۱) الاموال ۱۴۴ - (۲) سیرت ابن ہشام ۳۴۹/۲

(۳) الاموال: ۵۹ - المغنی ۱۶/۲

ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کو عراق اور شام کی زمینیں تقسیم نہ کرنے کا مشورہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے دیا تھا۔ (۱)

لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں اصحاب نے یہ مشورہ دیا ہو۔

حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو تحریر کیا کہ افواجِ اسلامی کو جو قیمتی اور نفیس مال ملا ہے اُسے موجود مسلمانوں میں تقسیم کر دو۔ اور نہریں اور زمینیں اُن لوگوں کے پاس رہنے دو جو زمینوں پر کاشت کر رہے ہیں اور یہ زمینیں مسلمانوں کی جاگیر کے طور پر ہوں گی اور اگر تم نے اس وقت ان زمینوں کو موجودہ لوگوں میں تقسیم کر دیا تو اگلے لوگوں کیلئے کچھ باقی نہیں بچے گا۔ (۲)

حضرت بلالؓ نے اس معاملے میں حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا اور مطالبہ کیا کہ تمام بزور و قوۃ فتح کردہ اراضی خمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں تقسیم کر دی جائے۔ بہر حال ایک سال گزرنے سے پہلے ہی حضرت بلالؓ کا انتقال ہو گیا اور یہ اختلاف سرد پڑ گیا۔ (۳) اور حضرت عمرؓ نے شام، عراق اور مصر کے علاوہ بھی جو اراضی بزور و قوہ فتح ہوئی تھیں، سب کو وقف قرار دے دیا اور فرمایا کہ اگر اس اُمت میں بعد میں آنے والوں کا خیال نہ ہوتا تو میں یہ اراضی اُسی طرح تقسیم کر دیتا۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر تقسیم کر دیا تھا۔ (۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیبر کی اراضی تقسیم فرما دینا حضرت عمرؓ کے اقدام کو مردود قرار نہیں دیتا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی ایک آیت کو مدِنظر رکھا اور اس کے مطابق عمل کیا، اور حضرت عمرؓ نے دوسری آیت کو پیشِ نظر رکھا اور اس کے مطابق عمل کیا اور یہ دونوں آیتیں اپنے مطالب و مفاہیم کے لحاظ سے محکم ہیں۔ کیونکہ مشرکین کے مال میں سے مسلمان جو کچھ حاصل کرتے ہیں وہ یا غنیمت ہے یا فئے ہے۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الانفال ۴۱)

"اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اُس کا پانچواں حصہ اللہ اور اُس کے رسولؐ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔"

یہ آیت غنیمت کے بارے میں ہے اور غنیمت اُن لوگوں کے لیے ہے جو اس کے اہل ہیں، عام لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ اور اسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا۔ جب کہ قرآن کریم کی دوسری آیت، آیت فئے ہے جس پر حضرت عمرؓ نے عمل کیا۔ حضرت عمرؓ نے اموال اور مال کی قسموں کا جب بھی ذکر کیا ہے تو اسی آیت کی تفسیر کی ہے۔ چنانچہ آپ نے کہا کہ اس آیت میں سب لوگوں کا ذکر آ گیا ہے۔ آیت فئے یہ ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ

---

(۱) خراج ابی یوسف ۲۶ (۲) خراج یحییٰ ۴۸۔
(۳) البیہقی ۹/ ۱۳۴ (۳) المغنی ۲/ ۲۱۶ - الاموال ۵۸
(۴) المغنی ۲/ ۲۱۸ سنن البیہقی ۹/ ۱۳۸

دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الحشر: ۷-۹)

"اور جو مال اللہ نے اُن کے قبضے سے نکال کر اپنے رسولؐ کی طرف پلٹا دیے وہ ایسے مال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ بھی اللہ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے، وہ اللہ اور رسولؐ اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے اور جو کچھ رسولؐ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے تم کو روک دے اس سے رُک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (نیز وہ مال)، ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور اُس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی حمایت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ یہی راست باز لوگ ہیں۔ (اور وہ اُن لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لاکر دارالہجرت میں مقیم تھے۔ یہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے اُن کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی اُن کو دے دیا جائے اُس کی کوئی حاجت تک اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچالیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

بعض فقہاء کی جن میں ابنِ حزم بھی شامل ہیں، رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان زمینوں کو وقف قرار دینے سے پہلے مجاہدین کی خوشنودی حاصل کرلی تھی اور وہ راضی ہوگئے تھے۔ ان لوگوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ جریر بن عبداللہ بجلی اپنی قوم کی جانب سے شام کے جہاد میں شرکت کی غرض سے حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو حضرت عمرؓ نے ابوعبید کی شہادت کے بعد انہیں کوفہ کی طرف جانے کو کہا اور اُن سے فرمایا کہ اگر تم کوفہ جاؤ تو میں تمہیں ہر قسم کے مالِ غنیمت میں سے خواہ وہ زمین ہو یا کچھ اور خمس الگ کرنے کے بعد جو کچھ بچے گا اُس کا ثلث دوں گا۔ اُنہوں نے کہا ٹھیک ہے؛ چنانچہ اُنہیں حضرت عمرؓ نے کوفہ بھیج دیا۔ (۱)

بجیلہ خاندان کے افراد کی تعداد جنگِ قادسیہ میں ایک چوتھائی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُنہیں چوتھائی علاقہ دے دیا تھا جو اُن کے پاس دو تین سال رہا۔ بعد ازاں حضرت عمارؓ

(۱) الاموال، ۶۲؛ المحلی ۷/ ۳۴۱؛ المغنی ۱/ ۸۶۹

بن یاسرؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے، جریر بن عبد بجلی بھی اُن کے ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓ نے جریر سے فرمایا کہ اگر میں تقسیم کرنیوالا اور جو کچھ تقسیم کرتا ہوں اس کے سلسلہ میں جوابدہ نہ ہوتا تو جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ تمہارے پاس ہی رہنے دیتا۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، اس لیے اب یہ زمینیں تم مسلمانوں کو واپس کر دو۔ جریر آمادہ ہو گئے اور حضرت عمرؓ نے انہیں اَسّی دینار بطور معاوضہ دے دیے۔ (۱) ام کرز بجلی نے کہا کہ اے امیرالمؤمنین میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور سواد کی زمین میں اُن کا بھی حصہ تھا اور میں اپنے حصے کی زمین ہرگز حکومت کے سپرد نہیں کروں گی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے اُم کرز آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی قوم نے کیا کیا ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں مجھے معلوم ہے کہ وہ اپنی اراضی آپ کے سپرد کر چکے ہیں لیکن میں سپرد نہیں کروں گی یہاں تک کہ آپ مجھے ایک خوش اطوار اُونٹنی نہ دیں جس پر لال چادر پڑی ہو اور آپ میرے ہاتھ سونے سے نہ بھر دیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُن کا مطالبہ پُورا کیا اور انہیں جو سونا دیا وہ تقریباً اَسّی دینار تھا۔ (۲)

ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ سے جو کچھ مروی ہے یہ روایات اُن میں سب سے زیادہ صحیح ہیں اور یہی ہماری رائے ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان زمینوں کو وقف قرار نہیں دیا جب تک کہ مجاہدین کو اور جن مجاہدین کا انتقال ہو گیا تھا اُن کے ورثاء کو خوش اور مطمئن نہ کر لیا۔ (۳)

(۱) اموال ابی عبید ۶۱۔ خراج یحییٰ ۴۵ المحلی ۷/۳۴۴۔ سنن البیہقی ۱۳۵/۹ (۲) الاموال ۶۱ سنن البیہقی ۱۳۵/۹ (۳) المحلی ۷/۳۴۴

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حزم نے المحلی میں روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس تصرّف سے یعنی اراضی کو وقف قرار دینے سے رجوع کر لیا تھا اور کہا تھا کہ اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو جو بستی فتح ہو گی میں اس کی زمینیں مجاہدین میں اسی طرح تقسیم کر دوں گا جس طرح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تقسیم فرما دی تھیں۔ (۱)

تاہم صورتِ حال کچھ بھی ہو ایک بات طے شدہ ہے کہ زور و طاقت سے فتح ہونے والی زمینوں کے سلسلہ میں جو طریقۂ کار حضرت عمرؓ نے اختیار فرمایا تھا اسمیں کوئی ردّ و بدل نہیں کیا اور بعد میں بھی جو علاقہ بزور فتح ہوا اُس کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا۔

۲) امام کو یہ حق حاصل ہے کہ بزور و طاقت فتح ہونے والی زمینوں میں سے امت کی مصالح عامہ کے نقطۂ نگاہ سے کسی زمین کو منتخب کر کے بحق سرکار محفوظ کر لے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے کسریٰ اور کسریٰ کے خاندان کے تمام اموال کو اور ان زمینوں کو بحق سرکار محفوظ قرار دے دیا تھا جن کے مالک اُن کو چھوڑ کر چلے گئے تھے یا جنگ میں مارے گئے تھے اور اسی طرح تمام آبی ذخیرے اور جنگل حضرت عمرؓ نے بحق سرکار محفوظ قرار دے دیے تھے اور انہی زمینوں میں سے آپ جاگیر عطا کیا کرتے تھے۔ (۲)

یحییٰ بن آدم نے اپنی کتاب الخراج میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سوادِ عراق کی دس اقسام کی زمینیں بحق سرکار محفوظ قرار دی تھیں۔ بعد ازاں اُس نے چھ اقسام کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں۔

- جو جنگ میں مارا گیا اُس کی زمین۔

(۱) مسند احمد ۱/۳۱ المحلی ۷/۳۴۳ (۲) موسوعۃ الفقہ الاسلامی ۵/۱۲

- جو مسلمانوں کے ڈر سے بھاگ گیا ہو اُس کی زمین ۔
- کسریٰ کی تمام زمینیں ۔
- وہ تمام زمینیں جو کسریٰ کے خاندان میں سے کسی کے پاس تھیں ۔
- آبی ذخیروں والی زمینیں ۔
- ڈاک کی تمام چوکیاں (۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ زمینیں سرکار کے لیے محفوظ و منتخب قرار دے دی تھیں ۔

کسریٰ کی زمین، خاندانِ کسریٰ کی زمینیں، جو زمینیں خود کسریٰ نے بحق سرکار محفوظ قرار دے دی تھیں، جو مارا گیا اُس کی زمین، جو بھاگ گیا اُس کی زمین، جنگل اور آبی ذخیروں والی زمینیں ۔ (۲)

۲۔ ذرائع ملکیتِ زمین

(الف) وہ زمین جس کے مالکوں نے اسلام قبول کر لیا ہو اور وہ زمین جس کے مالکوں کو اس پر آباد رکھتے ہوئے اُن سے صلح کر لی گئی ہو۔ ایسی زمینیں بھی انفرادی ملکیت کی دیگر تمام صورتوں مثلاً خرید و فروخت، ہبہ اور شفعہ وغیرہ کی مانند حقِ ملکیت کا ذریعہ بنتی ہیں ۔

(ب) لیکن جو زمین زور و قوۃ سے فتح ہوئی ہو خواہ وہ محفوظ سرکار ہو یا اس کے علاوہ کسی اور طرح کی ۔ اس کا رقبہ کسی کی ملکیت نہیں بنے گا۔ اور اگر کوئی رقبہ جو محفوظ سرکار ہو اور امام اُسے کسی کو بطور جاگیر دے دے یا کوئی شخص آباد کاری کے لیے اُسے قبضہ میں لے لے تو ہر دو صورت میں یہ شخص اس زمین کا دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ حقدار بن جائے گا اور وہ اس سے فوائد حاصل کرنے کا حق کسی دوسرے کو فروخت

(۱) خراج یحییٰ ۶۴ ۔ سنن البیہقی ۹/ ۱۳۴ (۲) سنن البیہقی ۹/ ۱۳۴

بھی کر سکتا ہے لیکن رقبہ زمین فروخت نہیں کر سکتا ۔

(د ، احیأ موات / ۵)

اور اگر بزور و طاقت فتح کی گئی زمین ارضِ محفوظہ سرکار نہ ہو تو حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اسے نہ فروخت کیا جائے گا اور نہ اس کی میراث ہو گی بلکہ وہ اپنی اصلی حالت یعنی ملکیتِ عامہ پر برقرار رہے گی ۔ اور اس سے پیداوار حاصل کرنے کا حق بھی کسی مسلمان کو فروخت نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ خراجی زمین ہے، یعنی اس پر زمین کا جزیہ واجب الادا ہے اور اس میں ایک طرح کا ذلت اور چھوٹے پن کا پہلو پایا جاتا ہے جو مسلمان کو زیب نہیں دیتا ۔

حضرت عمرؓ کی طرف سے متعدد فرامین جاری ہوئے کہ اہلِ ذمہ کی زمینیں نہ خریدی جائیں، یعنی وہ زمینیں جو طاقت کے زور سے فتح ہوئیں اور اُن کے مالکوں کے پاس ہی رہنے دی گئیں اور اُن پر خراج عائد کیا گیا تھا وہ نہ خریدی جائیں۔ چنانچہ آپ نے فرمان جاری کیا کہ ذمیوں کی زمینیں اور اُن کے علاقے ہرگز نہ خریدو ۔ (۱)

نیز فرمایا کہ ان (اہلِ ذمہ) کی زمینیں نہ خریدو، اور کوئی اس رسوائی کو دوبارہ قبول نہ کرے جس سے اللہ نے اُسے نجات دلا دی ہے ۔

چنانچہ حضرت عمرؓ ہر اُس بیع کو مردود قرار دے دیتے تھے جو کسی ایسی زمین سے متعلق ہوتی تھی ۔ (۲)

شعبی بیان کرتے ہیں کہ عقبہ بن فرقد نے فرات کے کنارے

(۱) عبدالرزاق ۶/ ۵۴۔ ۱۰/ ۳۳۷ خراج یحییٰ ۵۵ ۔ الاموال ۷۷ المغنی ۲/ ۲۱ ۔ ۸/ ۵۱۰ (۲) سنن البیہقی ۹/ ۱۴۰

زمین خریدی تاکہ اس میں بانس اگائیں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے ذکر ہوا تو آپ نے پُوچھا کہ کس سے خریدی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کے مالکوں سے۔ پھر جب مہاجر و انصار جمع ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس زمین کے مالک تو یہ مہاجر و انصار ہیں۔ کیا تم نے ان سے خریدی ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر جس سے خریدی ہے، اُسے واپس کر دو اور اپنا مال لے لو۔ (۱) اور ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا تم نے اس کے سارے مالکوں کو راضی کر لیا۔ انہوں نے کہا: نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم بھی تو اس زمین پر حقِ ملکیت رکھتے ہو۔ (۲)

(د: بیع / ا ب ۳)

(ج) بزورِ طاقت فتح ہونے والی زمینوں پر گھر بنانے، باڑ لگا کر اُن پر قبضہ کرنے اور ان زمینوں کی خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں آپ ہی کے حکم سے کوفہ، بصرہ اور شام و مصر میں زمین کی حد بندی کر کے اس کی تقسیم عمل میں آئی تھی اور اس پر صحابہ کرامؓ نے سکونت اختیار کی تھی۔ (۳)

۳۔ زمین سے پیداوار حاصل کرنا۔

زمین کو بغیر پیداوار کے چھوڑے رکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ زمین کو غیر آباد چھوڑ دینے میں ہر خاص و عام کا نقصان ہے۔ اگر زمین کسی کی انفرادی ملکیت ہو تو مالک کو اجازت ہے کہ وہ اس سے خود پیداوار حاصل کرے یا کسی دوسرے سے کرائے یعنی کسی کو زراعت کے لیے دے دے اور اس سے طے کرے کہ کاشت کار کو پیداوار میں سے اتنا حصہ ملے گا۔ (دیکھو: مزارعت) یا اُسے کرائے پر دے دے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی صورت آباد کاری کی اختیار نہ کرے گا، تو یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ اس کا ارادہ زمین کو غیر آباد رکھنے ہی کا ہے، کسی بھی دوسرے شخص کے لیے جائز ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس زمین پر کاشت کرے۔ چنانچہ اگر اس نے درخت (یا پودے) لگا لیے تو مالک کو اختیار ہو گا کہ پودوں کی قیمت دے کر پودے خرید لے یا خالی زمین کی قیمت لے کر زمین اس آباد کار کو دے دے۔

یحییٰ بن آدم نے اپنی کتاب الخراج میں روایت کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے ایک غیر آباد زمین میں جس میں نہ کوئی پودا تھا نہ عمارت، کھجور کے پودے لگا لیے۔ یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا تو آپ نے مالکانِ زمین کو حکم دیا کہ تم کھجور کے درختوں کی قیمت انہیں دے دو اور درخت خود رکھ لو۔ اور اگر یہ صورت تمہیں منظور نہ ہو تو آباد کار تمہیں غیر آباد زمین کی قیمت دے کر زمین لے لیں گے۔ (۱)

اور اگر زمین ملکیت عامہ ہونے کی اصلی حالت پر ہو۔ یعنی زمین زور و طاقت سے فتح ہوئی ہو اور اس کے مالکوں کو اس کے اُوپر برقرار رکھا گیا ہو اور اس کے مالک اسے تین سال تک غیر آباد پڑا رہنے دیں تو اس سے آباد کاری کے طریقہ پر پیداوار حاصل کی جائے گی اور جو اسے آباد کرے گا، اس کا حق اُس پر سب سے زیادہ ہو گا۔

(دیکھو: احیاء الموات / ۵۲)

امام کے لیے روا ہے کہ اس زمین کو ایسے شخص کے سپرد

---

(۱) الرد علی سیر الاوزاعی ۹۲ (۲) الاموال ۷۷، المغنی ۲/۲۱، سنن البیہقی ۹/۱۴۱۔ (۳) المغنی ۲/۲۵، دیکھو: خطط الکوفۃ و شرح خریطتہا مصنفہ ماسینون۔

(۱) خراج یحییٰ ۹۵

کر دے جو بصورتِ مزارعت اس سے پیداوار حاصل کرے اور پیداوار سے مقررہ حصہ وصول کرے۔ چنانچہ یعلیٰ بن امیہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھے اہلِ نجران سے خراج وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ یعنی وہ نجران جو یمن کے قریب ہے۔ وہاں حضرت عمرؓ نے مجھے یہ حکم ارسال کیا کہ جائزہ لو۔ اگر کسی زمین کو اُس کے مالک چھوڑ کر چلے گئے ہوں اور وہ نہری پانی یا بارانی پانی سے سیراب ہوتی ہو اور اس میں درخت اور کھجوریں ہوں تو وہ زمین وہاں کے لوگوں کے سپرد کر دو تاکہ وہ اس کی دیکھ بھال کریں اور سیراب کریں اور جو کچھ اس کی پیداوار ہوگی اس میں عمرؓ (حکومت) اور مسلمانوں کے دو ثلث (⅔) ہوں گے۔ اور ایک ثلث اُن کا ہوگا۔ اور جو زمین رہٹ وغیرہ کے پانی سے سیراب ہوتی ہو اس کی پیداوار میں اُن کا دو ثلث اور عمرؓ (مسلمانوں) کا ایک ثلث ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی زمین ان کے زیرِ کاشت ہو وہ بھی انہی کو دے دو۔ ایسی زمینوں میں سے بھی جو بارانی ہوں یا سیلابی پانی سے سیراب ہوتی ہوں۔ اُن کا حصہ ایک تہائی اور حکومت اور مسلمانوں کا حصہ دو تہائی اور جو رہٹ سے سیراب ہوتی ہو اس میں کاشت کرنے والوں کا دو تہائی اور حکومت اور مسلمانوں کا ایک تہائی حصہ ہوگا۔ (۱)

اور اگر زمین محفوظہ سرکار ہو جس کی پیداوار آباد کاری کے ذریعے حاصل کی جا رہی ہو اور وہ شخص جس کے قبضے میں یہ زمین ہے اسے تین سال معطل رکھے تو دوسرے شخص کے لیے اُسے ازسرِنو آباد کرنا جائز ہے۔ اور اس آباد کاری سے یہ دوسرا شخص اس زمین کا زیادہ حق دار ہو جائے گا۔

(د ا احیاء الموات / ۲ د)

۴۔ معادن:

اگر اس زمین میں معدنی ذخائر دریافت ہوں تو حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ معدنی ذخائر فئے کے درجے میں ہیں۔ امام ان کو اپنی صوابدید کے مطابق جہاں مصلحت عامہ کا تقاضا ہو صرف کر سکتا ہے۔ (د: رکاز: ۲)

ہمیں حضرت عمرؓ کی کوئی ایسی نص نہیں ملی، جس سے ان معادن کا حکم معلوم ہو جو کوئی شخص زمین سے نکالتا ہے خواہ وہ ظاہری معادن ہوں یا باطنی۔

۵۔ اراضی پر عائد ہونے والے ٹیکس:

ایسی زمینیں جن کے مالکوں نے اُن پر رہتے ہوئے اسلام قبول کر لیا ہو اور وہ زمینیں اُن کے پاس ہی رہنے دی گئی ہوں اُن پر کوئی ٹیکس نہیں ہے؛ البتہ اُن کی پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (دیکھو: زکوٰۃ / ۴ ھ)

وہ اراضی جن پر اُن کے مالکوں سے صُلح کی گئی ہو، اُن پر شرائط کے مطابق خراج وغیرہ قسم کے ٹیکس عائد ہوں گے۔

(د: خراج / ۲ ب)

جو اراضی طاقت سے فتح ہوئی ہوں، اُن پر خراج واجب ہے۔ (دیکھو: خراج / ۲ ج)

۶۔ وقف زمین کی خرید و فروخت۔ (دیکھو: بیع / ۶ ھ)

۷۔ زمین کا مالِ غنیمت میں شامل ہونا۔ (دیکھو: غنیمۃ / ۲ اأ) و (ارض / ۱ ج) و (ارض / ۲ ب)

---

(۱) خراج ابی یوسف: ۸۹ ۔ یہ اس کے بعد کی بات ہے جب حضرت عمرؓ نے اس علاقے سے نصاریٰ کو نکال دیا تھا۔

استیذان (اجازت طلب کرنا)

۱۔ جب کوئی شخص کسی کے گھر میں داخل ہونا چاہے تو اُس کے لیے ضروری ہے کہ اجازت طلب کرے، خواہ داخل ہونے والا محرم ہو یا غیر محرم۔ کیونکہ حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا تھا کہ کیا مَیں اپنی ماں سے بھی اجازت لوں؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں اپنی ماں سے بھی اجازت طلب کرو (۱)

۲۔ اندر آنے کی اجازت تین مرتبہ طلب کرنی چاہیے۔ اگر اجازت مل جائے تو اندر چلا جائے ورنہ واپس ہو جائے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو تین مرتبہ سلام کیا لیکن اجازت نہیں ملی اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ واپس چل پڑے تو حضرت عمرؓ اُن کے پیچھے آئے اور پوچھا کہ آپ واپس کیوں لوٹ گئے۔ انہوں نے کہا کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جب کوئی شخص تین مرتبہ سلام کرے اور اُسے جواب نہ ملے تو اُسے چاہیے کہ واپس ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم اپنی بات پر گواہ پیش کرو، ورنہ مَیں تمہیں سزا دوں گا۔ گویا حضرت عمرؓ نے آپ کو دھمکی دی تھی، جسے سُننے کے بعد ابوموسیٰؓ ہمارے پاس اس حال میں آئے کہ اُن کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ مَیں اس وقت ایک حلقہ میں بیٹھا تھا۔ ہم نے پُوچھا کہ کیا ہوا؟ اُنہوں نے سارا واقعہ سنایا اور پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے یہ حدیث سُنی ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم سب نے سُنی ہے۔ پھر اُن کے ساتھ ایک شخص کو بھیجا اور اُس نے حضرت عمرؓ کو اس حدیث کے بارے میں بتایا۔ (۲)

۳۔ جہاد پر جانے کے لیے والدین سے اجازت لینا۔ (د: جہاد/۴)

(۱) مصنف ابی شیبہ: ۱/ ۲۳۱ (۲) مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۳۸۱

استبراء

۱۔ **تعریف:** عورت کا اتنی مدت نکاح سے رُکے رہنا جس میں معلوم ہو جائے کہ اس کے رحم میں بچہ نہیں ہے۔

۲۔ باندی کا استبراء:

(الف) استبراء کب واجب ہے: جب کوئی باندی خریداری یا ہبہ یا میراث یا وصیت وغیرہ کے ذریعے سے کسی کی ملکیت میں آئے تو اس کا استبراء واجب ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو ملکیت حاصل ہونے سے پہلے ہی اس باندی سے وطی کرنا جائز تھا تو اس صورت میں استبراء ضروری نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کو (جو لونڈی ہو) خریدے یا وہ اسے ہبہ کر دی جائے۔

اسی طرح اس صورت میں بھی استبراء واجب نہیں ہے جب کوئی شخص ایسی باندی خریدے جس سے اس کا وطی کرنا پہلے ہی حرام ہو۔ مثلاً کوئی شخص شادی شدہ باندی خریدے جبکہ باندی کی ملکیت زائل ہونے پر استبراء لازم ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی باندی کو فروخت یا ہبہ کرنا چاہے تو اس صورت میں استبراء لازم ہے۔

بہرحال استبراء بائع اور مُشتری دونوں پر واجب ہے۔ بائع پر اس لیے کہ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے استبراء سے پہلے ایک باندی فروخت کر دی جس سے آپ وطی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ خریدار کے پاس جانے کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ حاملہ ہے تو خریدار نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے خلاف حضرت عمرؓ کے پاس دعویٰ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ نے استفسار کیا کہ تم اس سے جماع کیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے کہا ہاں۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا اور تم نے

بغیر استبراء کے اُسے فروخت کر دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ جی ہاں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہارے لیے یہ مناسب نہیں تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے قیافہ شناسوں کو بلایا اور اُنہوں نے بتایا کہ یہ بچہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا ہے۔ (۱)

خریدار پر استبراء اس لیے لازم ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص ایسی باندی خریدے جو بالغ ہو چکی ہو، اُسے چاہیے کہ انتظار کرے (یعنی اس سے جماع نہ کرے) اس وقت تک کہ اس کو حیض آجائے۔ (۲)

(ب) استبراء کس طرح ہو گا:

اگر وہ باندی جس کا استبراء مطلوب ہے بالغ ہے یعنی اُسے حیض آتا ہے تو اس کا استبراء ایک حیض سے ہو گا۔ چنانچہ مکحول سے مروی ہے کہ مَیں نے زہری سے کہا کہ کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے آخری وقت تک اور حضرت ابن مسعودؓ بھی عراق میں اُس وقت تک جب اُن کا انتقال ہوا اور حضرت عثمانؓ اس بات کے قائل تھے کہ باندی کا استبراء ایک حیض سے ہو جاتا ہے۔ لیکن جب حضرت معاویہؓ کا دور آیا تو اُنہوں نے کہا کہ دو حیض سے ہوتا ہے۔ اس پر زہری بولے کہ مَیں ان لوگوں میں جو ایک حیض سے استبراء کے قائل تھے حضرت عبادہؓ بن الصامت کا اضافہ کرتا ہوں۔ (۳)

اگر باندی کو حیض نہ آتا ہو تو اس کا استبراء دنوں کے حساب سے ہو گا، جس کی مقدار حضرت عمرؓ نے پینتالیس دن مقرر کی ہے۔ چنانچہ عطاء سے مروی ہے کہ تین تاجروں نے ایک باندی یکے بعد دیگرے خریدی۔ بعدازاں اُس کے بچہ ہوا تو حضرت عمرؓ نے قیافہ شناس کو بلایا۔ اُس نے کہا کہ بچہ فلاں کا ہے۔ چنانچہ بچہ اس کا قرار دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص ایسی باندی خریدے جس کو حیض آتا ہو تو وہ اُس وقت تک انتظار کرے کہ اُسے حیض آجائے۔ اور اگر اُسے حیض نہ آتا ہو تو پینتالیس دن انتظار کرے۔ (۱)

مصنف ابن ابی شیبہ میں عطاء سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر باندی کو حیض نہ آتا ہو تو وہ استبراء کے لیے چالیس دن گزارے (۲) اور غالباً یہاں اس بات کا اضافہ مفید رہے گا کہ مالک کے لیے جائز نہیں ہے کہ مدتِ استبراء کے دوران باندی سے جماع کرے۔

۳۔ زانیہ کا استبراء:

ابن قدامہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک زانی عورت پر عدت نہیں ہے (۳) اور اسی طرح زانیہ پر استبراء بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ عدت اور استبراء دونوں نسب کی حفاظت کے لیے ہیں اور زنا کی صورت میں نسب کا الحاق کسی بھی مرد سے نہیں ہو گا۔

لیکن اگر زانیہ عورت نکاح کرنا چاہے تو اس پر استبراء لازم ہے تاکہ اُس کے شوہر کے ساتھ ایسے بچے کا سلسلۂ نسب نہ جوڑا جائے جو اُس کا نہیں ہے۔ (۴) ابنِ قدامہ نے لکھا ہے کہ جب دو شرطیں یعنی توبہ اور عدت پائی جائیں تو زانی یا کسی دوسرے مرد سے زانیہ کا نکاح اکثر فقہاء کے نزدیک جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں جائز ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ عدت سے ابنِ قدامہ کی مراد

---

(۱) المغنی ۷/ ۵۱۵ (۲) مصنف عبدالرزاق ۷/ ۲۲۴
(۳) ابن ابی شیبہ ۱/ ۶۱۷

(۱) عبدالرزاق ۷/ ۲۲۴ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۱۷
(۳) المغنی ۷/ ۴۵۰ (۴) المغنی ۷/ ۴۵۰

استبراء ہے۔

استجمار (ڈھیلوں کا استعمال)

استجمار کے معنی ہیں اس نجاست کو جو پیشاب یا پاخانہ کے مقام سے خارج ہو پتھر یا ڈھیلے یا اسی قسم کی کسی دوسری چیز سے صاف کرنا۔ (دیکھو: نجاستہ / ۳ ب ۳)

استحاضہ

۱۔ **تعریف**: استحاضہ سے مراد وہ خون ہے جو حیض اور نفاس کے دنوں کے علاوہ عورت کے مقام مخصوص سے خارج ہو۔

۲۔ **احکام**: ا۔ استحاضہ عورت کے نماز روزہ میں مانع نہیں ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ استحاضہ والی عورت ہر نماز کے لیے غسل کرے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مستحاضہ ہر نماز کے لیے غسل کرے۔ (۱)

(ب) استحاضہ والی عورت کی عدت۔ (دیکھو: عدۃ / ۲ ب ۳)

استحقاق

۱۔ جو چیز استحقاق کے طریقوں میں سے کسی بھی طریقہ سے کسی کا حق ہو۔ اگر یہی چیز حقدار کو کسی دوسرے کے پاس ملے، تو وہ اُسے بغیر کسی معاوضہ کے لے سکتا ہے۔ ماسوا اس صورت کے کہ جس کے پاس وہ چیز موجود ہے، اس نے اس کو حاصل کرنے کے لیے کوئی معاوضہ دیا ہو تو ایسی صورت میں اصل مالک اُسے قیمت دے کر لے سکتا ہے اور جو کچھ اُس نے دیا ہے اس کی واپسی کے لیے وہ مستحق علیہ سے

(۱) المغنی ۶/ ۶۰۳

رجوع کرے گا۔

مثلاً اگر کسی نے کسی کی کوئی چیز چرا کر فروخت کر دی اور اصل مالک نے وہ چیز خریدار کے پاس موجود پائی تو مالک اُسے قیمت دے کر اپنی چیز واپس لے گا اور یہ قیمت چرانے والے سے وصول کرے گا۔ یا اصل مالک چرانے والے سے کہے گا کہ وہ خریدار سے اس کی چیز واپس لے کر اُس کے سپرد کرے۔ (دیکھو: سرقہ / ۵ ب)

۲۔ زوائد مستحق[لے]:

جس چیز پر کسی کا حق ہو اُس کے اضافے بھی اُسی کے تابع ہوں گے، خواہ یہ اضافے اس سے پیوست ہوں یا اس سے علیحدہ ہوں، بشرطیکہ اسی میں سے پیدا ہوئے ہوں۔

بچے کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ وہ آزادی اور غلامی میں اپنی ماں کے تابع ہو گا، لہٰذا باندی کا بچہ غلام ہو گا اور باندی کے مالک کی ملکیت ہو گا۔ اور آزاد عورت کا بچہ آزاد ہو گا اگرچہ اس کا باپ غلام ہو۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس مغالطہ میں نکاح کر لیا کہ وہ آزاد ہے اور عورت کے ہاں اس مرد کی اولاد پیدا ہوئی۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ باندی ہے اور کسی دوسرے کی مملوکہ ہے تو اس کی یہ اولاد ماں کے مالک کی ملکیت ہو گی؛ چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ دیا اور کسی دوسرے کی مملوکہ کے بچہ کو ماں کے مالک کا غلام قرار دیا۔(۱)

لیکن چونکہ شوہر کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ اس کی اولاد غلام بن جائے اور یہ غلامی جو واقع ہوئی ہے، اس کے دھوکہ

(۱) المحلی ۹/ ۱۲۶ — لے: زوائد مستحق سے مراد وہ اضافہ ہے جو کسی چیز میں ایسے شخص کے قبضہ میں رہتے ہوئے ہوا ہو جس پر اُس کا جائز حق نہ تھا بلکہ وہ کسی دوسرے کی ملک تھی۔

کھا جانے کا نتیجہ ہے۔ اور اپنی اولاد کی غلامی سے اُسے کافی نقصان پہنچا ہے۔ لہٰذا اس نقصان کی تلافی اس طریقے سے کی جائے گی کہ اصل آقا کا حق بھی مجروح نہ ہو اور یہ اس طرح عمل میں آئے گا وہ اپنی اولاد کا فدیہ ادا کر دے اور فدیہ کی صورت یہ ہوگی کہ باپ اپنے لڑکے کے بدلے میں اسکی عمر کا غلام اور لڑکی کے بدلے میں اسی عمر کی باندی مالک کو بطور فدیہ دے اور اگر غلام یا باندی نہ مل سکے تو اس کی مناسب قیمت ادا کرے، چنانچہ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ عربوں میں سے ایک شخص کی باندی بھاگ گئی اور اُس نے خود کو کسی عرب قبیلے کی طرف منسوب کر لیا، چنانچہ اُس سے بنی عذرہ کے ایک شخص نے نکاح کر لیا۔ بعد میں اس کا مالک آیا اور باندی اور اس کے بچوں کو لے گیا۔ حضرت عمرؓ کے پاس یہ مقدمہ آیا تو آپ نے باپ کے حق میں یہ فیصلہ کیا کہ وہ غرّہ کے بدلے میں غرّہ بطور فدیہ دے۔ یعنی لڑکے کے بدلے میں غلام اور لڑکی کے بدلے میں باندی دے کر اپنے بچے لے جائے۔ حضرت عمرؓ غرّہ کی قیمت کا حساب اس آبادی کے لحاظ سے لگاتے تھے جہاں کا واقعہ ہو اور جس کے پاس غرّہ نہ ہو اُسے ساٹھ دینار ادا کرنے کا حکم دیتے تھے۔(۱) اور یہ شخص جس نے دھوکہ کھا کر باندی سے نکاح کر لیا تھا اور اس کو مہر اور بچوں کے فدیہ کی صورت میں نقصان پہنچا ہے وہ اسکی تلافی کے لیے اس شخص سے رجوع کرے گا جس نے اُسے دھوکہ دیا ہے (۲)

یہ بات کہ فدیہ میں دیے جانے والے غلام یا لونڈی اُن کے ہم عمر ہوں جن کے بدلے میں وہ دیے جا رہے ہیں، اس روایت سے معلوم ہوتی ہے جو ابن جریج سے مروی ہے

(۱) المغنی ۶/ ۵۱۸ - المحلی ۸/ ۱۴۱ (۲) المغنی ۶/ ۵۱۸

وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سلیمان بن موسیٰ سے سُنا کہ حضرت عمرؓ ایسی صورت میں جب کہ کوئی باندی کسی آزاد سے یہ کہہ کر نکاح کر لے کہ وہ آزاد ہے اور اُس کے ہاں اولاد ہو جائے، یہ فیصلہ کیا کرتے تھے کہ باپ بچّہ کا فدیہ ادا کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ بچے کی بالشت اور ہاتھ سے پیمائش کر کے اس کے برابر کا غلام یا لونڈی بطور فدیہ دے۔ اس پر ابن جریج نے سلیمان سے پُوچھا کہ اگر اولاد خوبصورت ہو تو انہوں نے کہا کہ صرف قد کو ملحوظ رکھا جائے گا اور بچوں کی خوبصورتی کا لحاظ نہیں ہو گا۔ (۱)

۳۔ جو حکم ہم نے ایسی لونڈی کے بارے میں بیان کیا ہے جس پر کسی شخص کا حق ہو اور اس سے کسی دوسرے شخص نے نکاح کر لیا ہو یعنی یہ کہ وہ لونڈی اور اُس کے بچے واپس ہوں گے، یہی حکم تسرّی کی صورت میں بھی ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی لونڈی فروخت کر دی۔ خریدار نے حقِ تسری کی بناء پر اُس سے جماع کیا اور اس لونڈی کے ہاں بچے پیدا ہوئے۔ اس کے بعد فروخت کنندہ کے باپ نے حضرت عمرؓ کے آگے دعویٰ پیش کیا تو حضرت عمرؓ نے لونڈی اور اس کا بچّہ دونوں مدعی کو دلوا دیے۔ اس پر خریدار نے کہا کہ "میرا بچّہ تو میرے لیے چھوڑ دو۔" تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اس کا بچّہ اس کے لیے چھوڑ دو۔" حضرت عمرؓ نے یہ جو کہا کہ "اس کا بچّہ اس کے لیے چھوڑ دو" اس سلسلہ میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی مراد یہ ہو کہ فدیہ لے کر بچّہ اسے دے دو۔ اور یہی قوی احتمال ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے

(۱) المحلی ۱۰/ ۳۸

صرف بطور سفارش ایسا کہا ہو۔ اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ آپ نے اپنا پہلا فیصلہ کہ "لونڈی اور بچہ مدعی کو دے دو" منسوخ کر دیا تھا۔ اور اسی رائے کو ابن حزم نے ترجیح دی ہے۔

استخلاف

اگر نماز پڑھاتے ہوئے امام کا وضو ٹوٹ جائے تو اس کا اپنی جگہ دوسرے کو امام بنانا اور خود پیچھے ہٹ جانا استخلاف کہلاتا ہے (د: صلوٰۃ / ۱۸ ب ھ)

استسقاء : (دیکھو: صلوٰۃ / ۲۰ ج ۷)

استعانۃ

جنگ میں منافق سے مدد لینا۔ (د: جہاد / ۷ ح)

استقبال

مسافر کو خوش آمدید کہنا۔ (د: سفر / ۷)

نماز میں قبلہ رو ہونا۔ (د: صلوٰۃ / ۲ ج)

استلقاء (لیٹنا)

۱۔ لیٹے ہوئے آدمی کا اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ جب لیٹتے تو اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ لیتے تھے (۱)

۲۔ مسجد میں لیٹنا۔ (د: مسجد / ۵)

استمتاع (جنسی تلذذ)

تعریف :۔ استمتاع کے معنی ہیں جنسی لذت حاصل کرنا۔ خواہ یہ عمل مرد اور عورت کے مابین ہو۔ خواہ دو عورتوں کے مابین ہو یا دو مردوں کے مابین۔

اقسام :۔ جنسی تلذذ، جماع کی صورت میں بھی ہوتا ہے اور جسم کے ساتھ جسم ملانے سے بھی۔ اور نظر سے بھی۔

۳۔ حصول لذت کا جائز طریقہ :۔

مرد اور عورت کے مابین جنسی تلذذ کی جائز صورتیں یہ ہیں۔

(۱) یا تو دونوں کے درمیان عقدِ نکاح موجود ہو۔ (د: نکاح)

(۲) یا مرد عورت کا مالک ہو۔ (د: تسری)

بشرطیکہ یہ تلذذ عورت کے ساتھ وطی فی الدبر نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے بیوی کے ساتھ دبر میں مجامعت کرنے والے کو کوڑے لگائے اور بشرطیکہ اس تلذذ میں کوئی شرعی مانع حائل نہ ہو۔ مثلاً حیض اور نفاس۔ اور مرد کا مرد سے (د: لواطت) اور عورت کا عورت سے جنسی تلذذ بالاجماع ناجائز ہے۔

۴۔ جنسی تلذذ کی ناجائز صورتیں :۔

حائضہ سے لذت اندوزی بصورت وطی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اس کے جسم کے ساتھ جسم کا ملانا بھی جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ زیر جامہ کے اوپر سے ہو (د: حیض / ۲ وز) نفاس والی عورت سے بھی لذت اندوزی جائز نہیں ہے۔ (د: نفاس / ۲) معتکف کے لیے وطی کے ذریعہ لذت اندوزی اور لذت کے ساتھ جسم سے جسم ملانا بھی بالاجماع ناجائز ہے۔ اسی طرح حج اور عمرہ کے احرام کی حالت میں کسی قسم کا جنسی تلذذ جائز نہیں۔ (د: حج / ۳۶ ۲) نیز مظاہر[1] کے لیے بھی اپنی بیوی سے جنسی تلذذ جائز نہیں ہے جب تک وہ کفارہ نہ دے لے (د: ظہار ۴)

---

[1] مظاہر سے مراد وہ شخص ہے جس نے اپنی بیوی کو نیتِ طلاق کے بغیر یہ کہہ دیا ہو کہ تو میرے لیے ماں کے برابر ہے۔ شبیر احمد

(۱) عبدالرزاق : ۱۱ / ۶۷

بعینہ رجعی طلاق دینے والے کے لیے بھی کسی قسم کا جنسی تلذذ جائز نہیں ہے اگر اس کا ارادہ رجوع کرنے کا نہ ہو۔ (د: طلاق / ۷ الف) روزہ دار کو بھی وطی یا بوس و کنار کی صورت میں لذت اندوزی جائز نہیں ہے۔ (د: صیام ۶، و ۷ ب)

۵۔ استمتاع کے اثرات

لذت اندوزی بصورت جماع کے بعد بہر حال اور جسم سے جسم ملانے کی صورت میں اگر منی خارج ہو جائے تو غسل لازم آئے گا۔ (د: غسل ۱/ب) اور چھو کر لذت اندوزی پر وضو لازم آئے گا۔ (د: وضو ۷ ج) قانونی اور جائز استمتاع بصورت جماع پر مہر واجب ہوگا (د: نکاح / ۵ د) اور نفقہ بھی۔ (د: نفقہ / ۴) اور حرمت مصاہرت لازم آئے گی۔ (د: نکاح / ۴ ج) اور ناجائز لذت اندوزی بصورت وطی پر حد واجب ہوگی۔ (د: زنا) اور بغیر وطی کے ناجائز استمتاع پر تعزیر ہوگی۔ (د: تعزیر)

استنجاء

پیشاب یا پاخانہ کے مقام سے خارج ہونے والی نجاست کو زائل کرنا استنجاء کہلاتا ہے۔ (د: نجاست / ۳ ب ۳)

استہلال

۱۔ وہ علامت جو نوزائیدہ بچہ کے زندہ ہونے پر دلالت کرے۔ (د: اجہاض / ۴)

استہلال کا ثبوت:۔ استہلال اثبات کے جملہ طریقوں سے ثابت ہو جاتا ہے۔ (د: اثبات) اور ایک عورت کی گواہی سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ (د: شہادت / ۱، ۳)

۳۔ استہلال کے احکام:

استہلال پر درج ذیل احکام مرتب ہوتے ہیں۔

(الف) جس بچے نے بوقت ولادت رونے کی آواز نکالی اور بعد ازاں مر گیا اُسے غسل دیا جائے گا۔ (د: موت)

(ب) جس بچے نے بوقت ولادت رونے کی آواز نکالی اور بعد ازاں مر گیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی (د: صلاۃ)

(ج) ایسے بچے پر میراث کے تمام احکام نافذ ہوں گے۔ یعنی وہ وارث بھی ہو گا اور مورث بھی بنے گا۔ (د: ارث / ۳ ب)

(د) قتل کی صورت میں ایسے بچہ کی پوری دیت ادا کی جائے گی۔

استیاک (مسواک کرنا)

روزے دار کو مسواک کرنے کی اجازت ہے (د: صیام / ۷ ج)

اُسر (قید)

۱۔ تعریف:۔ اُسر کے معنی ہیں بر سر جنگ کافروں کو قید کرنا خواہ یہ گرفتاری دوران جنگ ہو یا اُن کے علاقے کو بزور طاقت فتح کر لینے کے بعد ہو۔

۲۔ اقسام:۔ جنگی قیدی تین طرح کے ہیں اور اُن کے قید کی نوعیت بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے اور اُن کے ساتھ معاملہ بھی ایک دوسرے سے مختلف طریقہ پر کیا جائے گا۔

(الف) حربی کافر:۔

۱۔ ان کے بارے میں امام کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو مردوں کو اور جنگی صلاحیت کے حامل افراد کو قتل کر دے اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے۔

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الانفال ۱۲)

"پس تم ان کی گردنوں پر ضرب اور جوڑ جوڑ پر چوٹ لگاؤ"

حضرت عمرؓ نے سپہ سالاران لشکر کو لکھ کر بھیجا تھا کہ غیر مسلم جوانوں میں سے ہمارے پاس کسی کو نہ لے کر آؤ، اُن کو قتل کر دو اور صرف انہیں قتل کرو جو استرا استعمال کرنے لگے ہوں کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرو۔ (۱)

اس خط سے معلوم ہوا کہ جوان مرد قتل کیے جائیں گے اور اگر تقسیم سے قبل ان میں سے کوئی اسلام قبول کرے، تو اس کی جان محفوظ ہو جائیگی عورتوں اور بچوں کا قتل جائز نہیں ہے۔ رہ گیا اوزاعی کا یہ قول کہ مَیں نے زہریؒ سے استفسار کیا کہ حضرت عمرؓ اساری کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کرتے تھے، تو اُنہوں نے کہا کہ کبھی انہیں قتل کر دیتے اور کبھی فروخت کر دیتے تھے۔ (۲) تو یہ صرف جوان مردوں کے بارے میں ہے۔

۲۔ اور اگر چاہے تو اس فرمانِ الٰہی پر عمل کرتے ہوئے اُن کے فدیے میں مال لے لے۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا

(محمد : ۴)

"یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو، تب قیدیوں کو مضبوط باندھو۔ اس کے بعد تمہیں اختیار ہے کہ احسان کرو یا فدیہ کا معاملہ کرو تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے"

ہر قیدی کا فدیہ اس کی سماجی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ کسی کا فدیہ زیادہ ہوگا اور کسی کا کم۔ اسی لیے حضرت عمرؓ ان قیدیوں کو تقسیم نہیں کرتے تھے جن کا فدیہ بھاری ہوتا تھا، مثلاً شہزادے اور سپہ سالاران لشکر وغیرہ۔ چنانچہ بیہقی کی روایت ہے کہ جنگ قادسیہ میں قبیلہ نخع کے حصہ میں ایک شاہی خاندان کا قیدی آگیا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے چاہا کہ اس قیدی کو اُن سے لے لیں، تو اُنہوں نے اپنے کوڑوں سے اس پر زیادتی کی۔ حضرت سعدؓ نے پیغام بھیجا کہ مَیں نے حضرت عمرؓ کو تحریر کیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم راضی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے تحریر کیا کہ ہم فرزندان شاہی کو غنیمت میں تقسیم نہیں کرتے۔ لہٰذا حضرت سعدؓ نے وہ قیدی اُن سے لے لیا۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ اس لیے کہ اس کا فدیہ زیادہ تھا۔ (۱)

اور ضبۃ بن محصن بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابوموسیٰ اشعری رضؓ سے کچھ شکایت پیدا ہو گئی جیسے بالعموم لوگوں کو اپنے امراء سے ہو جایا کرتی ہے، لہٰذا میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچ گیا اور یہ ایسے موقع پر ہوا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا وفد بھی آیا ہوا تھا۔ چنانچہ مَیں نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ یا امیرالمومنینؓ ابوموسیٰؓ نے چالیس رئیس زادے اپنے لیے مخصوص کر لیے۔ راوی کہتا ہے کہ کچھ ہی دیر بعد ابوموسیٰؓ بھی پہنچ گئے تو حضرت عمرؓ نے اُن سے پوچھا "یہ چالیس رئیس زادوں کی بات کیا ہے جن کو آپ نے اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے؟ ابوموسیٰ نے جواب دیا کہ ہاں مَیں نے اُنہیں علیحدہ کر لیا تھا، اس خیال سے کہ کہیں سپاہی اُن کے سلسلہ میں دھوکہ نہ کھا جائیں۔ اور مَیں اُن کے فدیہ سے بخوبی واقف تھا، چنانچہ مَیں نے فدیہ حاصل کرنے کے سلسلہ میں کوشش کی اور زائد فدیہ حاصل کیا۔ اس میں سے خمس علیحدہ کیا اور باقی تقسیم کر دیا اور ظاہر ہے کہ ابوموسیٰؓ

(۱) المحلی ۷/ ۲۹۹ (۲) الاموال ابو عبید : ۱۳۵

نے اُن کا فدیہ مال کی صورت میں ایسا وصول کیا ہوگا، جو
اُن کی حیثیت کے مطابق ہوگا، لہٰذا حضرت عمرؓ نے ان
کے اس فعل پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ (۱)
۲۔ اور اگر چاہے تو ان پر احسان کرے اور بغیر فدیہ لیے چھوڑ دے
اور احسان کے طور پر چھوڑ دینے کا یہ طریقہ امام کبھی کبھی قیدیوں
کے کسی خاص طبقہ کے ساتھ اختیار کرتا ہے، چنانچہ حضرت
عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو کسی جنگ میں بھیجا اور اُن
کے ہاتھ قیدی آئے تو ان قیدیوں کے بارے میں حضرت عمرؓ
نے فیصلہ کیا کہ ان میں سے کسان اور کاشت کاروں کو چھوڑ
دو۔ (۲) اور کبھی کبھی تمام قیدیوں کے ساتھ احسان کا رویہ
اختیار کیا جاتا تھا، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اہلِ سواد کے ساتھ
کیا کہ سب پر احسان کرکے آزاد کر دیا۔

جن قیدیوں پر احسان کرکے اُنہیں آزاد کر دیا جائے،
اُنہیں یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ دارالحرب چلے جائیں اور
مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کی مدد کریں بلکہ یہ سب دارالاسلام
میں ہی رہیں گے اور اُن سے عقدِ ذمہ کیا جائے گا اور ان
پر جزیہ عائد کیا جائے گا تاکہ وہ مسلمانوں کی زیرِ نگرانی رہیں۔
جیسا کہ حضرت عمرؓ نے سوادِ عراق کے لوگوں کے ساتھ کیا۔

ابوعبید کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے سواد کو مسلمانوں میں
تقسیم کرنے کا ارادہ کیا اور اُن کے شمار کا حکم دیا تو معلوم ہوا
کہ ایک مسلمان سپاہی کے حصہ میں تین کاشت کار آئیں
گے۔ اس پر آپ نے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ
آپ انہیں اسی طرح رہنے دیں تاکہ یہ مسلمانوں کے لیے
پیداوار کا ذریعہ بنیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ
دیا اور اُن پر عثمان بن حنیف کو امیر بنا کر بھیجا، جنہوں نے
اُن پر اڑتالیس درہم، چوبیس درہم اور بارہ درہم جزیہ عائد کیا۔(۱)

۳۔ اور اگر والی چاہے تو اُن کو غلام بنا لے۔ اور حضرت عمرؓ
زیادہ تر قیدیوں کو غلام ہی قرار دے دیا کرتے تھے اور زہریؒ
کا یہ قول ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جو کہ اُنہوں نے
اوزاعی کے جواب میں کہا تھا کہ کبھی حضرت عمرؓ اُنہیں قتل کر
دیتے تھے اور کبھی فروخت کر دیتے تھے۔ (۲)

(ب) عرب مشرک قیدی: مشرک عرب اگر قیدی بنیں تو ان قیدیوں
کے مردوں اور عورتوں میں احکام کے لحاظ سے فرق کیا جائیگا۔

۱۔ مردوں پر احسان، یا فدیہ، یا قتل میں سے کسی ایک صورت کا
اطلاق ہوگا لیکن اُنہیں غلام نہیں بنایا جائے گا۔ ابوعبید نے
لکھا کہ عرب اسیرانِ جنگ کو یا تو احسان کرکے چھوڑ دیا جائے
گا یا اُن سے فدیہ لیا جائے گا یا اُنہیں قتل کر دیا جائے گا اور
ان کے مردوں کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔ ان کے سلسلہ میں
حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے
کہ عرب پر کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔ اور انہوں نے فرمایا کہ
عرب غلام نہیں بنایا جاتا۔ (۴)

حضرت عمرؓ کا یہ قول مندرجہ ذیل تمام صورتوں کو محیط ہے۔

(الف) وہ مشرک عرب قیدی جو اسلامی دورِ حکومت میں قیدی بنے۔
شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عرب قیدیوں میں سے ہر
مرد سے چار سو درہم فدیہ وصول کیا۔ (۵)

(ب) وہ عرب قیدی جو زمانۂ جاہلیت میں قید ہوئے تھے اور اُنہوں

(۱) الاموال ۱۲۲، الطبری حوادث ۲۳ھ۔ البدایۃ والنہایۃ حوادث ۲۳ھ (۲) الاموال ۵۹۔ سنن البیہقی ۹/۱۳۴

(۱) الاموال ۵۹۔ سنن البیہقی ۹/۱۳۴ (۲) الاموال ۱۳۵
(۳) الاموال ۱۳۳ (۴) سنن البیہقی ۹/۷۴ (۵) الاموال ۱۳۴

نے اُنہیں غلام بنا لیا تھا، پھر اسلام کا دور آگیا اور انکے مالک مسلمان ہوگئے، ایسے ہر اسیر پر جو بعد میں غلام بنا لیا گیا تھا لازم کیا گیا کہ وہ اپنے مالکوں کو فدیہ ادا کر کے آزاد ہوجائیں۔ اور یہ فدیہ وہ خود ادا کریں یا اُن کے قبیلے والے ادا کریں اور وہ آزاد ہو کر اپنے قبیلے میں مل جائیں چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کسی عرب پر ملکیت قائم نہیں ہوتی اور ہم کسی شخص سے ایسی کوئی چیز نہیں لیں گے جو اسلام قبول کرتے وقت اُس کے پاس موجود تھی، البتہ ہم اس شخص کے لیے جس نے کسی عرب کو قید کیا تھا (آزاد کرنے کے بدلے میں) پانچ اونٹ دیت مقرر کرتے ہیں۔ (۱)

(ج) اس حکم میں ان عورتوں کی اولاد بھی داخل ہے جو زمانہ جاہلیت میں قید ہوئیں، پھر اُن کی شادی ہوئی اور اُن کے ہاں اولاد ہوئی، اُن کی قیمت ان کے باپوں پر ڈالی جائے گی اور اُن کے باپ یہ قیمت بطور فدیہ ان لوگوں کو ادا کریں گے جو اُن کی ماؤں کے مالک تھے اور اس طرح یہ اولاد آزاد ہوجائے گی۔ ابو عبیدؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے زمانہ جاہلیت کے قیدیوں اور باندیوں کے بچوں کو فدیہ کی ادائیگی پر آزاد قرار دے کر اُن کو اُن کے اصل خاندانوں کی طرف واپس کر دیا تھا اور یہ فدیہ ان کو دلوایا تھا جنہوں نے جب اسلام قبول کیا تو یہ غلام یا باندیاں کے بچے اُن کے قبضہ میں تھے۔(۲)

غاضرۃ العنبری سے مروی ہے کہ ہم بعض عورتوں اور باندیوں کے ہمراہ جو زمانہ جاہلیت میں فروخت ہوگئی تھیں، حضرت عمرؓ کے پاس لائے گئے تو آپؓ نے بچوں کے بارے میں حکم دیا کہ وہ اپنے باپوں کے پاس ہی رہیں گے اور اُنہیں غلام نہیں بنایا جائے گا اور اُن میں سے ہر ایک کا فدیہ حضرت عمرؓ نے چھ قلاص (موٹی تازی اُونٹنیاں) مقرر کیا۔

حضرت سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ عرب کے جس شخص کا بھی فدیہ دیا جائے تو یہ فدیہ چھ پلے ہوئے اُونٹ ہوں، اور آپ اسی کے مطابق فیصلہ اس شخص کے بارے میں فرماتے تھے جس نے کسی باندی سے نکاح کر لیا ہوتا اور اُس کے بچے ہو جاتے کہ وہ اپنے ہر بچے کا فدیہ چھ پلے ہوئے اُونٹ ادا کرے۔ (۱)

۲۔ مشرکین عرب کی عورتیں اور بچے بطور احسان بھی آزاد کئے جا سکتے ہیں اور اُنہیں فدیہ لے کر چھوڑا بھی جا سکتا ہے اور غلام لونڈی بھی بنایا جا سکتا ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کی عورتوں کو لونڈیاں بنایا تھا۔

(ج) امام (اسلامی حکومت) کے خلاف بغاوت کرنے والے اگر قید ہوجائیں تو اُن کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ غلام نہیں بنائیں جائیں گے اور نہ اُنہیں جنگی قیدیوں میں شمار کیا جائے گا اور اسی لیے اُن پر اسیر جنگ کی تعریف کا اطلاق بھی نہ ہوگا۔ اور ہم جب لفظ اسیر کا استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد صرف وہ دو قسموں کے قیدی ہوتے ہیں، جن کا ذکر ہم گذشتہ دو پیراگرافوں یعنی (ا، ب) میں کر چکے ہیں۔

۳۔ جنگی قیدی کا مال:۔

قیدی کا مال یا تو قابل نقل و حمل ہوگا۔ یا غیر منقول۔ اگر یہ مال منقول ہوگا تو وہ یا تو غنیمت شمار ہوگا یا فئے ہوگا۔ (دیکھو غنیمت) و (دیکھو فئی)، اور اگر غیر منقول ہوگا جیسے زمین (تو اس کے لیے دیکھیے: ارض / ۱ ج)

---

(۱) الاموال ۱۳۴۔ سنن البیہقی ۹/۴۷ (۲) الاموال ۱۳۳

(۱) الاموال ۱۳۴۔ سنن البیہقی ۹/۴۷

جنگی قیدی کے اسلام قبول کر لینے سے ان احکام میں سے کسی حکم میں تبدیلی واقع نہیں ہو گی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو تحریر کیا تھا کہ میں تمہیں پہلے لکھ چکا ہوں کہ تین دن تک لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ جو جنگ سے پہلے اسلام قبول کر لے وہ مسلمانوں میں سے ہے۔ اس کو مسلمانوں کے حقوق حاصل ہوں گے اور اُسے غنیمت میں سے حصہ ملے گا اور جو شکست کے بعد اسلام قبول کرے گا اس کا مال فئی ہو گا۔ اس لیے کہ یہ مال اس کے اسلام قبول کرنے سے پہلے مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ (۱)

۴۔ اہلِ ذمہ کا مسلمانوں سے قیدیوں کو خریدنا۔

مسلمانوں کے قیدی بنائے ہوئے افراد کو ذمی نہیں خرید سکتے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے امراء امصار کے نام فرمان جاری کیا، جس میں اس کی ممانعت فرما دی تھی (۲)، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نابالغ بچہ کو اس کے مالک کے مسلمان ہونے کی بناء پر مسلمان شمار کرتے تھے؛ چنانچہ عمرو بن شعیب سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کسی یہودی یا نصرانی کو اس امر کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اپنے اس بچے کو یہودی یا نصرانی بنائے جو کسی عرب کی ملکیت میں ہو۔ (۳)

۵۔ مسلمان کا دشمنوں کے پاس قید ہو جانا۔

(الف) اگر کوئی مسلمان دشمن کے ہاتھوں قید ہو جائے تو مسلمانوں کے امیر (اسلامی ریاست) کا یہ فرض ہے کہ اس کے دین کی حفاظت اور مسلمانوں کی عزت کی خاطر اُسے دشمن کی گرفت سے آزاد کرائے۔ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ میرے لیے ایک مسلمان کو کافروں کے قبضے سے چھڑانا جزیرۂ عرب سے زیادہ محبوب ہے۔ (۱)

اگر دشمن اس مسلمان اسیر کا فدیہ طلب کرے تو فدیہ مسلمانوں کے بیت المال سے دیا جائے گا کیونکہ وہ مسلمانوں کا دفاع کرتے ہوئے گرفتار ہوا ہے؛ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ "جو مسلمان مشرکین کے قبضہ میں ہو اس کی رہائی کے لیے فدیہ مسلمانوں کے بیت المال سے دیا جائے گا۔" (۲)

(ب) اگر مسلمانوں کا کوئی غلام دشمنوں کے پاس قید ہو جائے تو:۔

۱۔ اگر اسے دشمنوں سے کسی مسلمان نے خرید لیا ہو بعد ازاں اس کے اصل مالک نے اس کو پہچان لیا تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ شریح کے پاس دو افراد فیصلہ کے لیے جس کی صورت یہ تھی کہ مسلمانوں کی ایک باندی دشمن کے پاس قید ہو گئی تھی جسے کسی مسلمان نے دشمن سے خرید لیا۔ شریح نے فیصلہ دیا کہ پہلا مالک زیادہ حق دار ہے، اس پر دوسرے نے کہا کہ یہ مجھ سے حاملہ ہو چکی ہے، تو شریح نے کہا کہ اسے حضرت عمرؓ کے فیصلے کے مطابق آزاد کر دو۔ (۳)

۲۔ اور اگر اللہ مسلمانوں کو اُن کے دشمنوں پر غلبہ عطا کر دے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان غلاموں کو ان سے آزاد کرا لیں۔ اور اگر تقسیم سے قبل غلام کا اصل مالک اس کو پا لے تو وہ بغیر کسی معاوضے کے اس کو دے دیا جائے گا۔ اور اگر تقسیم کے بعد اصل مالک کو ملا تو معاوضہ دیے بغیر لینے کی کوئی گنجائش نہیں۔ چنانچہ زہرۃ بن یزید مرادی سے مروی ہے کہ ایک مسلمان کی باندی بھاگ کر دشمنوں کے پاس چلی گئی تھی۔ اس

(۱) الاموال ۱۳۶۔ خراج ابی یوسف ۲۸ (۲) المغنی ۸/ ۳۷۷
(۳) مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۳۶۷، ۶/ ۴۹ المحلی ۷/ ۳۲۴

۱۔ خراج ابی یوسف ۲۳۳ (۲) خراج ابی یوسف ۲۳۳
۳۔ مصنف عبدالرزاق ۵/ ۱۹۵

علاقے کو مسلمانوں نے فتح کر لیا اور اس کو اصل مالکوں نے پہچان لیا تو اس سلسلے میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا، حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر کیا کہ اگر خمس نہیں نکالا گیا اور غنیمت تقسیم نہیں ہوئی تو وہ اصل مالک کی ہے اور اگر خمس اور تقسیم عمل میں آچکی ہے تو پھر وہ اسی طرح برقرار رہے گی۔ (۱)

شعبی سے مروی ہے کہ ماہ (جلولاء) کے لوگوں نے عرب (مسلمانوں) پر حملہ کیا اور مسلمانوں کے کچھ قیدی، غلام اور کچھ مال و متاع اُن کے ہاتھ لگ گیا۔ پھر حضرت عمرؓ کے عامل سائب بن اقرع نے حملہ کیا اور ماہ کو فتح کر لیا اور حضرت عمرؓ کو ان مسلمان قیدیوں، غلاموں اور ان کے اس سامان کے بارے میں تحریر کیا جو تاجروں نے اہلِ ماہ سے خرید لیا تھا تو حضرت عمرؓ نے جواباً تحریر کیا کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ اپنے بھائی کی خیانت کرتا ہے اور نہ اُسے رسوا کرتا ہے؛ لہٰذا جو مسلمان اپنا غلام یا کوئی ساز و سامان تقسیم سے پہلے اصلی حالت میں پالے تو وہ اُسی کا ہے اور اگر تقسیم کے بعد تاجروں کے پاس موجود پائے تو کوئی ذریعہ اس کے حصول کا نہیں اور اگر کوئی تاجر کسی آزاد کو خرید لے تو اس تاجر کو اس کا اصل سرمایہ واپس کیا جائے گا کیونکہ آزاد کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی۔ (۲)

۱۔ اگر کچھ آزاد مسلمان دشمنوں کے ہاتھوں میں قید ہو جائیں اور وہ اُنہیں غلام بنائیں اور اُن کی بار بار خرید و فروخت ہوتی رہے پھر کوئی مسلمان اپنے کسی رشتہ دار کو پہچان لے تو یہ شخص جس کا وہ رشتہ دار ہے اسی معاوضے کے بدلے میں اسے لینے کا زیادہ حق دار ہے؛ چنانچہ یہ اس کی قیمت اس شخص کو ادا کر دے، جس نے اُسے خریدا تھا اور یہ قیدی غلام آزاد ہو جائے گا

اسلام

تعریف: ۱۔ اسلام وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام پر نازل فرمایا۔ یہ دین مجموعہ ہے عقائد، قوانین و شرائع اور مکارمِ اخلاق کا۔

۲۔ دعوتِ اسلام بلا جبر و اکراہ:

دعوتِ اسلام ایک فریضہ ہے، لیکن کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی بڑھیا سے کہا کہ اے بڑھیا اسلام قبول کر لے، سلامتی پالے گی، بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ عورت بولی: میں تو بڑھیا کھوسٹ ہوں اور دمِ آخر قریب ہے؛ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے اللہ تو گواہ رہ کہ میں دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں کر رہا ہوں۔ (۱)

۳۔ ارکانِ اسلام:

ارکانِ اسلام یہ ہیں:

(۱) یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں (۲) صلاۃ قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) رمضان کے روزے رکھنا (۵) بیت اللہ کا حج کرنا، اور اولوالامر کی اطاعت کرنا بھی نہایت اہم ہے۔

ابنِ سیرین سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ

۱۔ المحلی ۷/ ۳۰۱ (۲) المغنی ۸/ ۴۳۲

(۱) المحلی ۱۱/ ۱۹۶

اسلام قبول کرنے والوں سے عہد لیتے وقت کہتے تھے کہ : اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور وہ تمام نمازیں ادا کرو جو اللہ نے تم پر فرض کی ہیں کہ اس میں کوتاہی ہلاکت ہے اور خوش دلی کے ساتھ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو، بیت اللہ کا حج کرو اور جن کو اللہ نے امر کا والی بنایا ہے ان کی اطاعت کرو (۱)

۴۔ وہ امور جن کی بنا پر انسان کو مسلمان سمجھا جائے گا :
کسی شخص کے مسلمان سمجھے جانے کے لیے درج ذیل امور درکار ہیں۔

(الف) عاقل بالغ شخص کا یہ اقرار کہ دین اسلام برحق ہے اور اسلام کے علاوہ تمام دیگر ادیان سے اظہار بیزاری۔

(ب) نابالغ بچہ کے والدین میں سے کسی ایک کا مسلمان ہونا۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک بچے کے نصرانی والدین میں سے ایک نے اسلام قبول کر لیا تو حضرت عمرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ اس بچے کا زیادہ حقدار وہ ہے جو مسلم ہے۔ (۲) (دیکھو: ارث/۴/ ۳ د)

(ج) نابالغ بچے کے مالک کا مسلم ہونا، یا اس کے والدین میں سے کسی ایک کے مالک کا مسلم ہونا، کیونکہ مسلم آقا بھی حکماً والدین میں سے ایک کا قائم مقام ہے۔ اس لیے کہ اسے ولایت حاصل ہے اور اسی لیے حضرت عمرؓ کسی یہودی یا نصرانی کو اس امر کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اپنے بچے کو جو کسی مسلمان کا غلام ہو یہودی یا نصرانی بنائے۔ (دیکھو: اسر/۴)

(د) عقدِ ذمہ میں یہ شرط موجود ہونا کہ بچے مسلمان ہوں گے۔ داؤد بن کردوس تغلبی روایت کرتے ہیں کہ جب بنی تغلب نے

(۱) عبدالرزاق ۱۱/ ۳۳۰ (۲) عبدالرزاق ۶/ ۳۰ (۳) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۴۹، ۱۰/ ۳۴۷، ۳۱۹۔ المحلی ۷/ ۳۲۴

نہرِ فرات پار کر کے روم کے علاقے میں آباد ہونے کا ارادہ کیا تو میں نے بنی تغلب کی طرف سے حضرت عمرؓ سے صلح کی جس کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں۔

۱۔ وہ اپنے بچوں کو نصرانی نہیں بنائیں گے۔

۲۔ اور انہیں انکے دین کے علاوہ کوئی اور دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ اور اُن کی پیداوار کا محصول عشر کہلائے گا لیکن دوگنی پیداوار پر یعنی ہر بیس درہم پر ایک درہم۔ یہی وجہ ہے کہ داؤد کہتے تھے کہ بنی تغلب ذمی نہیں رہے، کیونکہ اُنہوں نے اپنے بچوں کو اپنے دین کا بپتسمہ دیا ہے۔ (۱)

۵ ۔ اس شخص کی میراث کا بیان جو کسی دوسرے شخص کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے۔ (د: ارث/ ۷ ج)

- اسلام پر طعن کرنے سے عقد ذمہ ٹوٹ جاتا ہے۔
(د: ذمۃ/ ۵ ج ۶)

- جن کی زمینوں پر خراج واجب ہو اگر وہ مسلمان ہو جائیں۔
(د: خراج/ ۳)

- اپنے نسب کی نسبت اسلام کی طرف کرنا یعنی خود کو اسلام کا بیٹا کہنا۔ (د: نسب/ ۵)

اسم (نام)

باپ کو چاہیئے کہ اپنے بچہ کا کوئی پسندیدہ نام رکھے اور مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو پسندیدہ ترین نام سے پکارے کیونکہ اس سے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ : مسلمان کی اپنے بھائی سے محبت میں اس بات سے خلوص پیدا ہوتا ہے کہ وہ اُسے پسندیدہ ترین نام سے

(۱) الاموال ۵۴۰ عبدالرزاق ۶/ ۵۰، ۱۰/ ۳۶۷ خراج ابی یوسف ۱۴۳

پکارے۔ اس کے بیٹھنے کے لیے مجلس میں جگہ بنائے اور ملاقات کے وقت اسے سلام کرے۔ (۲)

حضرت عمرؓ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کافر کو کسی ایسے نام سے پکارا جائے، جس سے اسے مسلمانوں پر اپنی برتری کا احساس ہو۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک دہقان کا خط آیا۔ اس کا نام جوانان بہ تھا۔ جب حضرت عمرؓ اس کا جواب لکھنے لگے تو فرمایا مجھے اس کے نام کا مطلب بتاؤ۔ کسی نے بتایا کہ بہترین نوجوان۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بعض نام ایسے ہیں جن سے کسی کو موسوم نہیں کرنا چاہیے اور فرمایا کہ لکھو کہ عبداللہ امیرالمومنین کی طرف سے "بدترین نوجوان" کی طرف۔ (۲)

حضرت عمرؓ اس بات کو بھی ناپسند فرماتے تھے کہ کسی مسلمان کا بُرا نام رکھا جائے؛ چنانچہ آپ نے ایک شخص سے نام دریافت کیا تو اس نے جمرہ (انگارہ) بتایا۔ آپ نے اس کے باپ کا نام پوچھا تو اُس نے بتایا: شہاب (شعلہ) آپ نے پوچھا، کہاں سے آتے ہو؟ اُس نے بتایا: حُرقہ سے (جلی ہوئی جگہ) آپ نے پوچھا: تمہارا مسکن کہاں ہے؟ اُس نے کہا حرۃ النار (آگ کا جھلساؤ) آپ نے پوچھا: وہاں کہاں؟ اُس نے کہا کہ ذات لظیٰ (آگ کی لپیٹ والی) حضرت عمرؓ نے کہا کہ جاؤ اپنے گھر والوں کی خبر لو۔ وہ جل چکے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ہوا بھی وہی جو حضرت عمرؓ نے کہا تھا (۳)

آپ یہ ناپسند کرتے تھے کہ کسی شخص کا ایسا نام رکھا جائے جو اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اپنا نام حکم اور ابوالحکم نہ رکھو کہ حکم صرف اللہ ہے اور راستہ کو سکہ نہ کہو۔ (۱)

امام نوویؒ نے المجموع میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر انبیاء کے نام پر نام رکھنے کو بھی پسند نہیں کرتے تھے (۲) اور غالباً حضرت عمرؓ کا نقطہ نگاہ یہ تھا کہ جس شخص کا نام کسی نبی کے نام پر ہوگا ہو سکتا ہے اُسے بُرا بھلا کہا جائے اور اس طرح انبیاء کے نام کی بے ادبی ہو لہٰذا انبیاء کرام کے محترم اسماء کو سوء ادب سے بچانے کے لیے حضرت عمرؓ مکروہ خیال کرتے تھے کہ انبیاء کے ناموں پر کسی کا نام رکھا جائے۔

حضرت عمرؓ ان ناموں کو بھی پسند نہیں کرتے تھے جو عقیدے کے خلاف ہوں۔ مثلاً ابوعیسیٰ۔ اس لیے کہ حضرت عیسیٰ بغیر والد کے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی کنیت ابوعیسیٰ تھی۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے فرمایا کہ آپ اپنی کنیت ابو عبداللہ رکھ لیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ یہ میری کنیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے تھے اور اب ہم اپنے جیسے لوگوں میں ہیں۔ غرض اس کے بعد وفات تک حضرت مغیرہؓ کی کنیت ابوعبداللہ ہی رہی (۳) حضرت عمرؓ کے ایک صاحب زادے نے اپنی کنیت ابوعیسیٰ رکھی تو آپ نے منع فرمایا اور کہا کہ عیسیٰ بن باپ کے تھے (۴)

اشارہ:

اشارے سے امان دینا (د امان / ۳ ج)

---

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۴۴ (۲) عبدالرزاق ۶/۴۱ (۳) الموطا ۲/۹۷۳ ۔ عبدالرزاق ۱۱/۴۴

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۴۲ (۲) المجموع ۸/۳۵۲ (۳) المجموع ۸/۳۵۶، ابوداؤد (الادب) (۴) مصنف عبدالرزاق ۱۱/۴۲ المجموع ۸/۲۵۷

اشربہ :

اشربہ کے عنوان کے تحت مندرجہ ذیل امور سے بحث ہوگی۔

۱۔ خمر :۔

(و) تعریف (ب) حرمتِ شربِ خمر (ج) شرابی کی سزا (د) جرم کیسے ثابت ہوتا ہے (ھ) شراب کا استعمال بطور دوا (و) شراب کی تیاری (ز) شراب کی تجارت (ح) جزیہ اور خراج میں شراب کا وصول کرنا (ط) شراب کا سرکہ بنانا۔

۲۔ نبیذ :۔

(و) تعریف (ب) نبیذ کا پینا حلال ہے (ج) اگر نبیذ سے نشہ ہو تو اس کی سزا۔

۳۔ طلاء :۔

۱۔ خمر :۔

(الف) تعریف :۔ خمر کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوگا جو عقل پر پردہ ڈال دے۔ جب شراب کی حرمت کا حکم قرآن مجید میں نازل ہوا، اُس وقت لوگ مندرجہ ذیل اشیاء سے شراب بنایا کرتے تھے۔ (۱) انگور کا رس (۲) کھجور کا خیساندہ (۳) شہد میں پانی ملا کر (۴) گندم اور جو کو پانی میں بھگو کر۔

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر ارشاد فرمایا جس زمانے میں حرمتِ خمر کا حکم نازل ہوا اُس وقت خمر پانچ چیزوں سے بنتی تھی۔ انگور، کھجور، شہد، گندم اور جو۔ اور خمر کے معنی ہیں وہ چیز جو عقل پر پردہ ڈال دے (۱) اور ایک روایت میں ہے کہ خمر وہ ہے جسے تم خمیر دے کر سڑا لو اور پرانا کرلو۔

(۱) صحیح البخاری (الاشربہ) مصنف عبدالرزاق ۹/ ۲۳۳ المحلی ۷/ ۵۰۳ المغنی ۸/ ۳۰۵

(ب) شربِ خمر کی حرمت :۔

جس شخص نے شراب پی یہ جانتے ہوئے کہ شراب حرام ہے وہ اللہ کے نزدیک گنہ گار ہوگا، خواہ قلیل پیئے یا کثیر اور حد کا مستحق ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا کہ جس نے شراب پی کم یا زیادہ، اس پر حد نافذ کی جائے گی۔ (۱)

ابنِ حزم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے یہ قول بسندِ صحیح مروی ہے کہ جس شئے کی کثیر مقدار نشہ پیدا کرنے والی ہو، اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے (۲) لیکن اگر کسی شخص نے شراب پی مگر وہ اُس کی حرمت سے واقف نہیں تھا، اس پر نہ گناہ ہے اور نہ حد۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ حد صرف اسی پر ہے جو جُرم اور اس کی سزا سے واقف ہو اور پھر ارتکاب کرے۔ (۳)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ (المائدۃ ۹۰)

"یہ شراب اور جُوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو"

یہ ارشاد حرمتِ خمر پر قطعی الدلالت ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص اس آیت کی کسی قسم کی تاویل کر کے شراب پیئے گا تو اس پر بھی حد جاری ہو گی اور تاویل اس کے حق میں سود مند نہ ہوگی۔ اور اگر وہ اپنی تاویل پر اصرار کرے گا اور توبہ نہ کرے گا تو وہ کافر و مُرتد متصور ہوگا کیونکہ اس نے حرمتِ خمر کا انکار کیا ہے۔

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۷۰ سنن البیہقی ۸/ ۲۸۹ (۳) المحلی ۷/ ۴۸۸ المغنی ۸/ ۳۰۵ (۲) ، المغنی ۸/ ۳۰۸

اور حرمتِ خمر ضروریاتِ دین میں سے ہے جس کا انکار کفر ہے۔

ابن ابی شیبہ وغیرہ سے مروی ہے کہ جن دنوں شام کے والی یزید بن ابی سفیان تھے، وہاں کے کچھ لوگوں نے شراب پی اور یہ استدلال کیا کہ قرآن کی اس آیت کی رو سے خمر ہمارے لیے حلال ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا (المائدہ: ۹۳)

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرنے لگے، انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا، اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔"

ان کے والی یزید بن ابی سفیان نے ان کے بارے میں حضرت عمرؓ کو تحریر کیا۔ حضرت عمرؓ نے حکم بھیجا کہ اس سے پہلے کہ یہ لوگ وہاں فساد پیدا کریں انہیں میرے پاس بھیج دو۔ جب وہ آگئے تو حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے ان کے بارے میں مشورہ کیا۔ صحابہؓ نے فرمایا کہ آپ انہیں قتل کر دیں۔ کیونکہ اُنہوں نے اللہ کے بارے میں کذب بیانی کی ہے اور اپنے دین میں ایسی بات کی ابتداء کی ہے جو اللہ کے صریح حکم کے خلاف ہے۔ اس دوران حضرت علیؓ خاموش رہے تو حضرت عمرؓ نے اُن سے استفسار کیا کہ اے ابوالحسنؓ آپ کی کیا رائے ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ پہلے آپ ان سے توبہ کرائیں۔ اگر یہ توبہ کرلیں تو اُنہیں شربِ خمر پر اسّی کوڑے لگائیں اور اگر توبہ نہ کریں تو انہیں سزائے موت دے دی جائے، کیونکہ فی الحقیقت اُنہوں نے اللہ کے بارے میں جھوٹ بولا ہے اور اپنے دین میں ایک ایسے کام کو جائز کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے توبہ کا مطالبہ کیا تو اُنہوں نے توبہ کرلی اور اُنہیں اسّی کوڑے مارے گئے۔

(ج) شراب نوش اور نشہ باز کی سزا:۔

۱۔ آزاد کی سزا: حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے ابتدائی دَور میں شاربِ خمر (مے نوش)، اور ہر ایسے شخص کو جو نشہ کی حالت میں پایا جائے، اسے یہ نشہ خواہ کسی نشہ آور چیز سے ہوا ہو۔ اگر وہ شخص آزاد ہے تو اُسے چالیس کوڑوں کی سزا دیتے تھے۔ لیکن اپنی خلافت کے آخری ایام میں ایک مشہور واقعہ کے بعد اور صحابہؓ سے مشورہ کے بعد آپ نے اسّی کوڑے سزا جاری کی۔(۱)

اور وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے ابوابرہ کلبی کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا۔ جس وقت وہ آئے تو حضرت عمرؓ مسجد میں تھے اور آپؓ کے پاس حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے۔ ابوابرہ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ خالدؓ کہتے ہیں کہ لوگ بکثرت مے نوشی اختیار کرتے جارہے ہیں اور سزا کو کم سمجھ رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ سب موجود ہیں، آپ ان سے دریافت کریں۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ شراب نوشی کی سزا اسّی کوڑے مقرر کریں، کیونکہ جب کوئی آدمی شراب پیتا ہے تو اُسے نشہ ہوتا ہے اور نشہ میں ہذیان بکتا ہے اور ہذیان بکنے میں لوگوں پر تہمت لگاتا ہے اس لیے آپ مے نوشی کی سزا وہی مقرر کریں جو قذف کی ہے۔(۲) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ اسے حدود

---

(۱) المحلی ۱۱/۳۶۴، ۳۶۵۔ ابن ابی شیبہ ۱۲۸/۲ عبدالرزاق ۳۷۷/۷

(۲) عبدالرزاق ۳۷۸/۷۔ الموطأ ۱۴۱/۲۔ المغنی ۱۱۰/۷، ۴۷/۸

کی کمتر سزا کے مطابق اسّی کوڑے بنا دیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مے نوشی کی سزا اسّی کوڑے مقرر کر دی اور اس بارے میں خالد بن ولیدؓ اور ابو عبیدہؓ بن الجراح کو فرمان روانہ کر دیا۔ (۱)

حضرت عمرؓ کے نزدیک اسّی کوڑے کی سزا کو چالیس کوڑوں پر ترجیح دینے کی وجہ وہ روایت ہے جو حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مے نوشی پر جوتیوں کے چالیس جوڑے مارے اور حضرت عمرؓ نے ہر جوتی کی جگہ ایک کوڑا مقرر کیا (۲)

۲۔ غلام کی قانونی سزا:۔

غلام اگر شراب پیئے یا کسی اور مشروب کے پینے سے اُسے نشہ ہو جائے تو اس پر نصف حد جاری ہو گی۔ چنانچہ امام مالک نے روایت کیا ہے کہ زہری سے استفسار کیا گیا کہ غلام اگر شراب پیئے تو اس کی حد (سزا) کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ شرب خمر میں غلام پر آزاد کی حد (سزا) کا نصف ہے۔ اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے غلاموں پر شرب خمر کے جرم میں آزاد کی حد سے نصف حد نافذ کی۔ (۳)

اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں جو یہ روایت نقل کی ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ زہری کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ یہ سب مے نوشی پر غلاموں کو اسّی کوڑے مارتے تھے (۴)، تو اس کے بارے میں یا تو یہ امکان ہو سکتا ہے کہ ثمانین کا لفظ (کتابت) کی غلطی ہو یا یحییٰ کو امام مالک سے اس روایت کے نقل کرنے میں وہم ہوا ہے۔

۳۔ حد کے ساتھ تعزیر:۔

اگر شراب نوشی یا نشہ میں بدمستی کے ساتھ کوئی اور بات بھی موجود ہوتی تو حضرت عمرؓ حد کے ساتھ تعزیر کو بھی جمع کر دیا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ حد کے ساتھ تعزیر بھی نافذ کی کیونکہ شراب نوشی کے مجرم کا مرتکب خود حضرت عمرؓ کا ایک بیٹا تھا تاکہ امیرالمومنین کے اقرباء نفاذِ احکام شریعت کے سلسلہ میں لوگوں کے لیے مثال بنیں۔ اور آپ اپنے رشتہ داروں کو تنبیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی نے کوئی قابلِ سزا جرم کیا تو وہ اُن کو دوسرے لوگوں سے دگنی سزا دیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ جب لوگوں کو کسی بات سے منع کرتے تو اپنے گھر والوں کے پاس جا کر اُن کو بھی فہمائش کرتے کہ میں نے فلاں کام کی ممانعت کی ہے اور لوگ تمہاری جانب اس طرح دیکھ رہے ہیں، جیسے پرندہ گوشت کی طرف دیکھ رہا ہو۔ اگر تم اس کام کا ارتکاب کرو گے تو دوسرے بھی کر لیں گے اور اگر تم محتاط رہو گے تو وہ بھی محتاط رہیں گے اور بخدا اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے پکڑا گیا جس سے میں نے لوگوں کو منع کیا ہے تو میں اُس کو اس بنا پر کہ اس کا مجھ سے تعلق ہے دگنی سزا دوں گا۔ اب جس کا جی چاہے کہ گزرے اور جو چاہے محتاط ہو جائے۔ (۱)

(۱) المغنی ۸/۳۰۷ (۲) ابن ابی شیبہ: ۲/۱۲۸ (۳) الموطاء: ۲/۸۴۲ عبدالرزاق: ۷/۳۸۳ (۴) ابن ابی شیبہ: ۲/۱۲۷ ب

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۳۴۳

اپنے اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے جس کا حضرت عمرؓ پہلے ہی اعلان کر چکے تھے، آپ نے اپنے صاحب زادے حضرت عبدالرحمٰن پر حدِ شرب جاری کرنے کے بعد اس کو تعزیری سزا بھی دی۔

عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ میرے بھائی عبدالرحمٰن بن عمر نے مے نوشی کی اور اُن کے ساتھ ابو سروعہ عقبہ بن حارث نے بھی شراب پی۔ یہ دونوں مصر میں تھے۔ اگلے روز یہ دونوں امیر مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ ہم نے شراب پی اور ہمیں نشہ ہو گیا۔ اب آپ ہمیں پاک کر دیجیے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے بھائی نے مجھ سے بھی کہا کہ مجھے نشہ ہو گیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ گھر چلو میں تمہیں پاک کر دوں۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ دونوں عمرو بن العاص کے پاس جا چکے ہیں۔ اس پر میرے بھائی نے بتایا کہ وہ امیر کو بتا چکے ہیں تو عبداللہ نے کہا کہ اس قوم کے افراد کا سر لوگوں کے سامنے نہیں مونڈا جاتا۔ اندر آجاؤ کہ میں تمہارا سر مونڈ دوں۔ اور اس زمانے میں حدود کے نفاذ پر سر مونڈ دیا جاتا تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میرے بھائی عبدالرحمٰن گھر کے اندر آ گئے اور میں نے اُن کا سر مونڈ دیا۔ بعد ازاں حضرت عمرو بن العاصؓ نے ان پر حد نافذ کی اور کوڑے لگائے۔

پھر حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے عمرو بن العاصؓ کو تحریر کیا کہ عبدالرحمٰن کو فوراً میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ عمرو بن العاصؓ نے اُنہیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا۔ اور جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو اُنہوں نے کوڑے لگائے اور چونکہ اُن کا حضرت عمرؓ سے قریبی تعلق تھا، لہٰذا انہیں مزید سزا دی، پھر اُنہیں واپس بھیج دیا۔ وہ ایک ماہ ٹھیک رہے پھر اُن کی قضا آگئی اور اُن کا انتقال ہو گیا جس کی بنا پر عام لوگوں نے یہ سمجھا کہ اُن کا انتقال حضرت عمرؓ کے کوڑوں کی وجہ سے ہوا تھا، حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ (۱)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے مے نوش کو اس بات پر تعزیری سزا دی کہ اُس نے رمضان میں شراب پی اور حرمت رمضان کو پامال کیا۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک شخص لایا گیا جس نے رمضان المبارک میں شراب پی تھی، آپ نے اُسے اسی کوڑے حد میں لگائے اور بیس کوڑے تعزیراً لگائے۔ (۲)

اسی طرح ایک مرتبہ ایک اور شرابی کو آپ نے حد کے علاوہ تعزیری سزا اس لیے دی کہ وہ بوڑھا کھوسٹ تھا اور عمر کے اس آخری دور میں جب کہ اس کا دنیا کا حصّہ ختم ہونے اور آخرت کا مرحلہ شروع ہونے والا تھا، اس کے لیے یہ ہرگز مناسب نہیں تھا کہ وہ اللہ کی حرمتوں کو پامال کرے اور عزت و وقار کی اس عمر میں جب شراب سے اس کی عقل جاتی رہے تو وہ بچوں کے لیے وجہ تمسخر بنے۔ اُس نے بھی رمضان المبارک میں مے نوشی کی تھی اور رمضان المبارک کے احترام کو پامال کیا تھا۔

چنانچہ عبداللہ بن ابی الہذیل سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک بوڑھا شخص پیش کیا گیا جس نے رمضان میں شراب پی تھی۔ آپ نے فرمایا، خدا اسے ناک کے بل گرائے۔ (ذلیل و خوار کرے) یہ بوڑھا رمضان میں شراب پی رہا ہے اور ہمارے جوان روزے رکھ رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اُسے حد کے اسّی کوڑے لگائے اور اُسے شام بھیج دیا۔ (۳)

---

(۱) عبدالرزاق، ۹/ ۲۳۲ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۲ ۱۳۱ خراج ابی یوسف ۱۹۰
(۳) عبدالرزاق ؛ ۷/ ۳۸۲، ۹/ ۲۳۲ - المحلی ۷/ ۱۸۴

لیکن کچھ مدت بعد حضرت عمرؓ نے جلاوطنی کی تعزیری سزا دینا ترک کر دیا، کیونکہ آپ نے ربیعہ بن امیہ کو شراب پینے پر جلاوطنی کی سزا دی تھی اور اُسے خیبر بھیج دیا تھا تو وہ ہرقل کے پاس پہنچ گیا اور نصرانی ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب مَیں کسی مسلمان کو جلاوطنی کی سزا نہیں دوں گا۔ (۱)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے شرابی کو تشہیر کی تعزیری سزا دی۔ چنانچہ عتاب بن سلمہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا کہ تم نے اسے شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ مَیں نے کہا کہ مَیں نے اسے شراب پیتے نہیں دیکھا، البتہ شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُسے حد کے کوڑے لگائے اور اُس کو کھڑا کر دیا تاکہ لوگ اُسے دیکھیں۔ (۲)

ﻫ) حد کی سزا کا بار بار اجراء

اگر کوئی شخص شراب پیئے گا تو اُس پر حد کی سزا جاری ہو گی۔ اگر دوبارہ پیئے گا تو دوبارہ حد کی سزا جاری ہو گی۔ اگر سہ بارہ پیئے گا تو سہ بارہ حد جاری ہو گی۔ غرض جتنی مرتبہ بھی پیئے گا حد جاری ہو گی اور قتل نہیں کیا جائے گا (۳) چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابو محجن ثقفی کو آٹھ مرتبہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق سات مرتبہ حد کے کوڑے مارے۔ (۴)

م) یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ شرابی اگر نشہ میں بدمست ہو تو اس پر اس وقت حد جاری ہو گی، جب اس کا نشہ اُتر جائے گا۔ شربِ خمر کی حد میں جو کوڑے مارے جائیں گے وہ زیادہ شدید نہیں ہونے چاہئیں، بلکہ ہلکے لیکن درد پہنچانے والے ہوں۔

۱) یہ بات ہم نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے اخذ کی ہے کہ آپ کے پاس ایک مے نوش لایا گیا۔ آپ نے کہا کہ مَیں تجھے ایسے شخص کے پاس بھیجتا ہوں جو تیرے بارے میں کوئی نرمی اختیار نہیں کرے گا، چنانچہ اسے مطیع بن اسود عدوی کے پاس بھیج دیا اور اُن سے کہا کہ اگلے دن صبح اس پر شربِ خمر کی حد نافذ کر دینا، چنانچہ جس وقت وہ اُس کو کوڑے مار رہے تھے خود حضرت عمرؓ وہاں تشریف لائے اور دیکھا کہ وہ سخت کوڑے مار رہے ہیں تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم نے تو اس شخص کو مار ہی ڈالا، کتنے کوڑے مارے ہیں، اُنہوں نے بتایا کہ ساٹھ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ باقی بیس اِس شدتِ ضرب کے بدلے میں چھوڑ دو۔ (۱)

حضرت عمرؓ کا مطیع سے یہ کہنا کہ اگلی صبح کوڑے مارنا، اس بات کا اشارہ ہے کہ شرابی کو کوڑے اُس وقت تک نہ مارے جائیں جب تک نشہ نہ اُتر جائے اور آپ نے اس شخص کی سزا اگلی صبح تک مؤخر کرنے کے لیے اسی لیے کہا تھا کہ نشہ اُتر جائے۔

(و) شربِ خمر کے جرم کا اثبات :-

شراب نوشی کا جرم اقرار سے بھی ثابت ہوتا ہے اور ایسے دو گواہوں کی گواہی سے بھی ثابت ہوتا ہے جن میں شہادت کی تمام شرائط موجود ہوں اور اسی طرح قرائن سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

قرائن یہ ہیں :-

۱۔ کسی شخص کے منہ میں شراب کی بُو کا پایا جانا جب کہ کوئی اور ایسی علامت بھی موجود ہو جس سے اس بات کو ترجیح

---

(۱) عبدالرزاق ۷/۳۱۴، ۹/۲۳۰ (۲) ابن ابی شیبہ ۲۱/۱۳۶ ب
(۳) المحلی ۱۱/۳۶۶ (۴) مصنف عبدالرزاق ۷/۳۸۱، ۹/۲۴۲

(۱) سُنن البیہقی ۸/۳۱۷

حاصل ہو کہ یہ شراب کی بُو ہے۔ حضرت عمرؓ مسلمان کے مُنہ میں شراب کی بُو پائے جانے کی صورت میں اس پر شراب نوشی کی حد جاری کر دیا کرتے تھے۔ (۱)

سائب بن یزید سے روایت ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو حضرت عمرؓ ایک شخص کو کوڑے لگا رہے تھے، کیونکہ اُس کے مُنہ سے شراب کی بُو محسوس کی گئی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُسے حد کے پورے کوڑے لگائے۔ (۲)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ حد جاری کرنے کے لیے محض مُنہ سے شراب کی بُو آنے کو کافی نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اس کے لیے دیگر قرائن کا موجود ہونا بھی ضروری خیال کرتے تھے مثلاً یہ کہ جس شخص کے منہ میں شراب کی بُو پائی گئی ہے اس کے بارے میں لوگوں کو علم ہو کہ وہ شراب کا عادی ہے۔ چنانچہ اسماعیل بن امیہؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ اس شخص پر شربِ خمر کی حد جاری کرتے تھے جس کے منہ سے شراب کی بُو آئے اور وہ شراب پینے کا عادی بھی ہو اور اگر وہ شراب کا عادی نہ ہو تو اُسے چھوڑ دیتے تھے۔ (۳)

بسا اوقات حضرت عمرؓ بوئے شراب پائے جانے پر اس شراب کی قسم بھی دریافت کیا کرتے تھے جو اس شرابی نے پی تھی؛ چنانچہ سائب بن یزید سے مروی ہے کہ مَیں نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو دیکھا کہ آپ نے جنازہ کی نماز پڑھی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مَیں نے عبیداللہ بن عمر کے منہ سے شراب کی بو محسوس کی، تو مَیں نے اس سے پوچھا کہ اس نے کیا پیا ہے۔ اُس نے کہا کہ مَیں نے طلاء پی ہے اور

(۱) طرح التشریب: ۸/۲۷ (۲) مصنف عبدالرزاق ۹/۲۲۸۔ دارقطنی، الحدود (۳) مصنف عبدالرزاق ۹/۲۲۸

اب مَیں اس شراب کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا ہوں جو اُس نے پی ہے۔ اگر وہ مسکر ہے تو مَیں اُسے کوڑے لگاؤں گا۔

راوی کہتے ہیں کہ بعدازاں جب مَیں حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا تو آپ اُنہیں کوڑے لگا رہے تھے (۱) اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں مذکور عبیداللہ بن عمر وہی شخص ہیں جن کا ذکر سائب بن یزید کی پہلی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بوئے شراب محسوس کر کے اُسے کوڑے لگائے۔

۲۔ اور ان قرائن میں سے جن سے شراب نوشی کا جُرم ثابت ہوتا ہے ایک یہ بھی ہے کہ شرابی کی قے میں شراب کا اثر پایا جائے۔ چنانچہ عتاب بن سلمہ سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا کہ تم نے اسے شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے؟ مَیں نے کہا کہ مَیں نے اسے شراب پیتے تو نہیں دیکھا، البتہ میں نے اسے شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس پر شربِ خمر کی حد نافذ کی اور لوگوں کے دیکھنے کے لیے ایک جگہ کھڑا کر دیا۔ (۲)

بحرین سے عبدقیس کے سردار جارود حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ قدامہ بن مظعون نے شراب پی تھی اور اُنہیں نشہ ہو گیا تھا اور مَیں یہ سمجھ کر کہ یہ حدود اللہ میں سے ایک حد ہے آپ کے پاس یہ مقدمہ لے کر آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے استفسار کیا کہ آپ کے ساتھ اور کون گواہ ہے۔

(۱) مصنف عبدالرزاق ۹/۲۲۸۔ الموطاء ۲/۸۴۲۔ المحلی ۷/۵۰۲، المغنی ۸/۳۰۹۔ سُنن البیہقی ۸/۲۹۵

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۰/۱۲۶

اُنہوں نے کہا کہ ابوہریرہؓ ۔ آپ نے ابوہریرہؓ کو بلایا اور اُن سے پوچھا کہ آپ کیا گواہی دیتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ مَیں نے اُسے شراب پیتے نہیں دیکھا، بلکہ مَیں نے نشہ کی حالت میں قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم نے شہادت میں شُبہ پیدا کر دیا ہے۔ پھر آپ نے قدامہ کو لکھا کہ وہ بحرین سے آکر خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو۔ چنانچہ جب قدامہ آ گئے تو جارود کھڑے ہوئے اور کہا کہ ان پر اللہ کا حکم جاری کیجیے۔ حضرت عمرؓ نے استفسار کیا کہ تم مدعی ہو یا گواہ۔ جارود نے کہا کہ مَیں گواہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم گواہی دے چکے ہو، اس پر جارود خاموش ہو گئے۔ اگلے روز پھر جارود حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ اس پر اللہ کا حکم جاری کیجیے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مَیں سمجھتا ہوں کہ آپ تو مدعی ہیں اور آپ کے ساتھ گواہی صرف ایک شخص نے دی ہے۔ جارود نے کہا کہ مَیں آپ کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ اپنی زبان بند رکھیں ورنہ مَیں سختی سے پیش آؤں گا۔ اس پر حضرت ابوہریرہؓ بولے کہ اگر آپ کو ہماری گواہی میں شک ہے تو آپ ولید کی بیٹی یعنی قدامہ کی بیوی کو بلا لیجیے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے قدامہ کی بیوی ہند بنت ولید کو بلوا لیا اور اُنہوں نے اپنے شوہر کے خلاف گواہی دی۔ اب حضرت عمرؓ نے قدامہ سے کہا کہ مَیں تم پر حد جاری کروں گا، چنانچہ آپ نے ان کو کوڑے مارے، حالانکہ وہ بیمار تھے (۱)

اسی واقعہ کو ابن قدامہ مقدسی نے اپنی کتاب المغنی میں حضرت حسن بصری کی روایت سے ایک اور صورت میں بیان کیا ہے۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ جارود نے قدامہ بن مظعون کے خلاف گواہی دی کہ اُس نے شراب پی ہے۔ قدامہ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا امیر مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جارود سے استفسار کیا کہ تمہارے ساتھ اور کون گواہ ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ علقمہ خصّی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے علقمہ کو بلوایا اور پُوچھا تم کیا گواہی دیتے ہو۔ علقمہ نے پُوچھا کہ کیا خصّی کی گواہی قابلِ قبول ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر مسلمان ہے تو اس کی شہادت کے مقبول ہونے میں کوئی مانع موجود نہیں ہے۔ اس پر علقمہ نے بیان دیا کہ مَیں نے اُسے ایک تسلہ میں خمر کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قسم بخدا، اس نے شراب پی ہے جب ہی تو شراب کی قے کی ہے۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا اور اُسے حد کے کوڑے لگائے گئے (۱)

(ذ) شراب کو دوا کے طور پر استعمال کرنا :۔

مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ شراب کو اپنے لیے یا اپنے علاوہ کسی دوسرے انسان یا حیوان کے لیے بطور دوا استعمال کرے۔ چنانچہ وائل بن حجر سے مروی ہے کہ طارق بن سوید نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے ان کو منع کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ اسے مَیں بطور دوا استعمال کرتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا کہ شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے (۲)

عبدالرزاق نے یہ روایت درج کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے جانور کی پیٹھ کے زخم کا علاج شراب سے کرنا مکروہ خیال کرتے تھے۔ (۳)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۹/ ۲۴۰ ۔ سنن البیہقی ۸/ ۳۱۵

(۱) المغنی ۷/ ۱۴۸ ۔ المغنی ۸/ ۳۱۰ (۲) مسلم (الاشربہ) ابوداؤد و ترمذی (طب) (۳) مصنف عبدالرزاق ۹/ ۲۵۱

(ح) شراب کا ذخیرہ کرنا :

شراب کا گھر میں ذخیرہ کرنا جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اس سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الانفال: ۹۰)

"یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو۔ امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔"

بنی ثقیف میں سے ایک شخص کے گھر میں شراب پائی گئی جب کہ اس سے پہلے حضرت عمرؓ اُسے شراب پینے کے جرم میں کوڑے لگا چکے تھے تو آپ نے اس کا گھر جلوا دیا اور اس سے پُوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اُس نے کہا: رویشد (چھوٹا راشد) آپ نے فرمایا کہ نہیں تم فویسق (چھوٹے فاسق) ہو۔ (۱)

(ط) شراب کی تجارت منع ہے :

تجارت خمر کسی مسلمان یا ذمی کے لیے جائز نہیں ہے۔ مسلمان کے لیے تو اس بنا پر کہ مسلمان کے نزدیک شراب مال ہی نہیں ہے اور ذمیوں کے لیے شراب کی تجارت اس لیے جائز نہیں کہ انہوں نے اس معاہدے میں جو اُن کے اور حضرت عمرؓ کے درمیان طے پایا تھا اپنے اوپر یہ شرط عاید کرلی تھی کہ وہ خمر کی تجارت نہیں کریں گے۔ (دیکھو: ذمہ/۲ اُ ۲ ج)

اسی بناء پر جب حضرت عمرؓ کو یہ اطلاع پہنچی کہ سواد کا ایک شخص شراب کی تجارت سے دولت مند ہوگیا ہے تو آپ نے حکم بھیجا کہ اس کی ہر چیز جس پر تمہیں قدرت ہو توڑ ڈالو اور اس کے تمام جانور ہانک لاؤ اور کوئی شخص اُسے ذرا بھی پناہ نہ دے۔ (۱)

ابو عبید کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایسا اس لیے کیا کہ ذمیوں کو شراب پینے کی اجازت دی گئی تھی نہ کہ شراب کے کاروبار کی۔ (۲)

(ی) جزیہ، خراج اور عشر میں شراب کا قبول کرنا جائز نہیں :

باوجودیکہ شراب ذمیوں کے نزدیک مال ہے لیکن چونکہ وہ مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ سے مال نہیں ہے بنا بریں مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ جزیہ اور خراج شراب کی صورت میں وصول کریں۔ البتہ اگر ذمی اپنی شراب فروخت کرکے اس کی قیمت خراج اور جزیہ میں ادا کرنا چاہیں تو مسلمانوں کے لیے اس کا لینا جائز ہے۔

حضرت عمرؓ کو جب یہ اطلاع ملی کہ سمرہ نے جزیہ میں شراب وصول کی ہے اور اُسے فروخت کرکے اس کی قیمت مسلمانوں کے مال میں شامل کر دی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: بُرا ہو عراق میں ہمارے اس چھوٹے سے عامل سمرہ کا جس نے مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں خمر اور خنزیر کی قیمت ملا دی، حالانکہ یہ حرام ہے اور اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ (۳)

حضرت بلالؓ نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ آپ کے عمال خراج میں خمر اور خنزیر بھی لے لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عمال یہ چیزیں ذمیوں سے خود نہ لیں بلکہ اس کی فروخت اُن ہی کے سپرد کر دیں تاکہ وہ خود فروخت کریں۔ اور اس کی قیمت

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶/۷۷، ۶۱، ۹/۲۲۹، ۲۳۰، اموال ابی عبید ۹۶

(۱) اموال ابی عبید ۹۶ - المحلی ۹/۹ (۲) اموال ابی عبید: ۱۰۲ (۳) مصنف عبدالرزاق ۶/۷۵، ۸، ۱۹۶

دے دیں۔

۲۔ اگر شراب کا مالک مسلمان ہے تو اس کے تلف کرنے کا کوئی ضمان نہیں۔ کیونکہ مسلمان کے لیے شراب مال ہی نہیں ہے، اس لیے اس کے تلف کرنے کا ضمان بھی نہیں ہے۔

ک) شراب کا سرکہ بن جانا :۔

شراب کو اگر دیر تک پڑا رہنے دیا جائے تو وہ خود بھی طبعی طور پر سرکہ بن جاتی ہے اور انسانی عمل سے بھی سرکہ بن جاتی ہے۔ مثلاً اس میں بعض کیمیاوی مواد شامل کرنے سے یا سایہ سے دھوپ میں اور دھوپ سے سایہ میں منتقل کرتے رہنے سے۔ بہرحال اگر شراب خود بخود سرکہ بن جائے اور اس میں انسانی عمل کا دخل نہ ہو تو اس کا کھانا اور فروخت کرنا حلال ہے اور اگر انسانی عمل کے نتیجہ میں سرکہ بنے تو حلال نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ سرکہ حلال نہیں ہے جو شراب کو بگاڑ کر بنایا گیا ہو البتہ جو شراب از خود بگڑ کر سرکہ بن گئی ہو اس کا استعمال جائز ہے خواہ یہ سرکہ بننے کا عمل کسی مسلمان کے ہاں وقوع پذیر ہوا ہو (۱) یا ذمی کے پاس، چنانچہ ابو عبید نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کوئی مسلمان کسی اہل کتاب کے پاس سرکہ موجود پائے اور اسے خرید لے تا آنکہ اُسے یہ معلوم نہ ہو کہ انہوں نے عمداً شراب کو فاسد کرکے سرکہ بنایا ہے (۲)

ل) شراب کی نجاست کا بیان : (دیکھو: نجاستہ / اب ۲)

اس دستر خوان پر کھانا کھانے کا حکم جس پر شراب موجود ہو۔

(د : طعام / ۲)

(۱) اموال ابی عبید ۵۰ ۔ المحلی ۱۴۸/۸ ۔ مصنف عبدالرزاق ۱۹۵/۸ ، ۳۹۶/۱۰ ۔ (۲) عبدالرزاق ۲۵۳/۹ ۔ اموال ابی عبید ۱۰۴ ۔ المغنی ۳۱۹/۸

(الف) تعریف :۔ نبیذ کے معنی ہیں ڈالی ہوئی چیز، یعنی کھجور، کشمش گندم، جَو یا شہد وغیرہ کو پانی میں ڈال دیا جائے۔ لیکن یہ معنی لوگ بھول گئے اور اب اس لفظ کا اطلاق اس مشروب پر کیا جانے لگا جو مندرجہ بالا اشیا سے تیار کیا گیا ہو۔ (۱) بشرطیکہ سُکر کی حد کو نہ پہنچا ہو۔ اگر یہ مشروب سُکر کی حد کو پہنچ گیا جس کا علم اس میں تیزی پیدا ہونے، جوش آجانے اور جھاگ اُٹھنے سے ہوگا، تو یہ شراب بن جائے گا، چنانچہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ خَمر وہ ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔

(د : اشربہ / ۱۰۱)

۱۔ نبیذ کا پینا حلال ہے :۔

نبیذ کا پینا حلال ہے۔ حضرت عمرؓ نبیذ اکثر پیا کرتے تھے۔ نافع بن عبدالحارث جو مکّہ کے عامل تھے انہوں نے حضرت عمرؓ کے لیے توشہ دان میں نبیذ تیار کی۔ حضرت عمرؓ کو پہنچنے میں دیر ہوگئی حتیٰ کہ اس مشروب میں خمیر پیدا ہو گیا اور جب حضرت عمرؓ نے اس کو منگوایا تو اس میں قدرے تیزی آگئی تھی۔ آپؓ نے اسے ایک بڑے پیالے میں انڈیلا اور اس میں پانی ملایا۔ خود بھی پیا اور لوگوں کو بھی پلایا۔ (۲)

وہب بن الاسود سے مروی ہے کہ ہم نے مطاہر کی کشمش لی اور زیادہ مقدار میں لے کر اُسے پانی میں بھگو دیا اور پانی تھوڑا ڈالا اور حضرت عمرؓ سے ملاقات اس وقت ہوئی جب اس میں تیزی آگئی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ تشریف لائے اور انہوں نے پُوچھا کہ آپ کے پاس پینے کے لیے کچھ ہے تو ہم نے کہا جی ہاں یا امیرالمومنین اور آپؓ کو اس کے بارے میں

(۱) تاج العروس (مادہ نبذ) (۲) مصنف عبدالرزاق ۲۲۴/۹ ، ۲۰۳

ساری بات بتائی کہ اسے رکھے ہوئے وقت گذر گیا ہے اور اس میں حدت پیدا ہو گئی ہے آپؓ نے کہا مجھے دکھاؤ آپؓ نے اسے چکھا تو تیزی محسوس کی اور پانی ملا کر اس کی تیزی کو ختم کیا اور پھر پیا۔ (۱)

حضرت عمرؓ شام جا رہے تھے کہ آپ کو دو توشہ دان پیش کئے گئے جن میں نبیذ تھی۔ آپ نے ایک میں سے پی اور دوسرے میں سے نہیں پی اور اُسے اٹھا لینے کا حکم دیا، چنانچہ پھر اگلے دن لائی گئی تو اس میں قدرے تیزی پیدا ہو گئی تھی۔ آپ نے اُسے چکھا اور کہا واہ، واہ اور حکم دیا کہ پانی ملا کر اس کی تیزی کم کر دو۔ (۲)

بنو ثقیف کے کچھ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس مشروب لے کر آئے۔ آپ نے اُسے منہ کے قریب کیا تو ناگواری محسوس کی، پھر آپ نے پانی ملا کر اس کی شدت کم کی اور کہا کہ اس طرح پیا کرو (۳)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے غلام یرفا سے کہا کہ کسی بھائی کے پاس جاؤ اور ہمارے لیے کوئی پینے کی چیز تلاش کرو۔ وہ گیا تو اُنہوں نے کہا کہ ہمارے پاس بس یہی ایک برتن ہے، اس میں کچھ بگاڑ پیدا ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُسے منگوایا اور چکھا تو آپؓ کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہوئے۔ پھر اُس میں پانی ملا کر پیا۔ نافع کہتے ہیں کہ آپ کے چہرے پر ناگواری اس لیے پیدا ہوئی تھی کہ اس مشروب میں کھٹاس پیدا ہو گئی تھی۔ (۴)

عمرو بن میمون سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس نبیذ کو بطور مشروب اس لیے پیتے ہیں کہ یہ اُونٹ کا گوشت ہضم کر دیتا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ ہم یہ تیز مشروب اس لیے پیتے ہیں تاکہ اگر اُونٹ کا گوشت ہمارے پیٹ میں تکلیف پیدا کرے تو اس کے ذریعہ سے ہضم ہو سکے اس لیے جو شخص اپنے مشروب میں تیزی دیکھے وہ اس میں پانی ملا لے۔ (۱)

ہمام بن الحارث سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس طائف کے کشمش سے تیار کردہ ایک مشروب لایا گیا، جسے دیکھ کر آپ کے چہرے پر ناگواری پیدا ہو گئی اور فرمایا کہ طائف کی نبیذ میں ایک خاص قسم کی تیزی ہوتی ہے اور پھر آپ نے اس تیزی کے بارے میں کچھ بیان کیا جو مجھے یاد نہیں۔ اس کے بعد آپ نے اس میں پانی ملا کر پیا۔ (۲)

یہ تمام آثار جو ہم نے بیان کئے ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ مذکور نہیں کہ حضرت عمرؓ نے کبھی ایسی نبیذ پی ہو جو مسکر ہو اور ان میں جس تغیر اور تیزی کا ذکر ہے اس سے سکر مراد نہیں ہے بلکہ اس کی مٹھاس کا تغیر مراد ہے کہ اس کی مٹھاس قدرے کھٹاس میں بدل گئی تھی اور کھٹاس مسکر نہیں ہے۔ چنانچہ عقبہ بن فرقد کی روایت سے یہی پتہ چلتا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو آپ کی خدمت میں ایک نبیذ لائی گئی جو سرکہ بننے کے قریب تھی (۳) آپؓ نے مجھ سے کہا کہ پیو۔ میں اس کا ایک گھونٹ بھی حلق سے نہ اُتار سکا تو وہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے لے لی اور فرمایا ہم یہ تیز نبیذ اس لیے پیتے ہیں تاکہ اگر اُونٹ کا گوشت ہمارے پیٹ میں باعثِ تکلیف بنے تو یہ نبیذ اُسے ہضم کر دے۔

اسی لیے ابنِ حزم نے کہا ہے کہ جو مشروب سرکہ بننے کے قریب

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۹/۲۲۵ (۲) عبدالرزاق ۹/۲۲۹ - (۳) السنن البیہقی ۸/۳۰۲
(۴) المحلی ۷/۴۸۹، السنن البیہقی ۸/۲۹۹ آثار ابی یوسف ۲۹۳

(۱) المحلی ۷/۴۸۰ (۲) جامع الاصول ۵/۱۴۱ ۳۱۸۹
(۳) المحلی ۷/۴۸۰

ہو جائے وہ مسکر نہیں ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ مٹی کے مٹکے میں بنی ہوئی نبیذ نہیں پیتے تھے ۔ جَر مٹی کا بنا ہوا ایک برتن ہوا کرتا تھا، جس میں نبیذ تیزی سے شراب بننا شروع ہو جاتی تھی اور حضرت عمرؓ اس برتن کی نبیذ اس احتیاط کے پیشِ نظر نہیں پیتے تھے کہ کہیں اس میں خمر کی کیفیت پیدا ہو کر سُکر پیدا ہو گیا ہو اور مجھے پہلے سے اس کا علم نہ ہو۔

عکرمہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے لیے اس پانی کا پینا جو سماد دار میں پکایا گیا ہو اور اس کا کچھ حصّہ خشک ہو گیا اور کچھ باقی رہ گیا ہو اس سے کہیں زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں وہ نبیذ پیوں جو جَرّ میں تیار کی گئی ہو۔ (۱)

اور وہ جو ایک روایت میں ہے کہ مدینہ کے راستہ میں حضرت عمرؓ کے لیے نبیذ تیار کی گئی تھی، ایک شخص نے اس میں سے زیادہ پی لی اور اُسے نشہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس وقت کچھ نہ کہا۔ جب اُس کا نشہ اُتر گیا تو اُسے حد کے کوڑے لگائے۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس نبیذ میں پانی ملا کر پیا۔ (۲)

تو اس روایت میں سعید بن ذی لعوہ ایک شخص ہے جس کے بارے میں ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ یحییٰ بن معین، ابو حاتم اور محدثین کی ایک جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور یہ شخص قدرے مجہول الحال ہے۔ اور ابنِ حبان نے کہا ہے کہ یہ شخص دجال ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُس نے حضرت عمرؓ کو نشہ آور مشروب پیتے ہوئے دیکھا ہے اور امام بخاری نے فرمایا کہ یہ شخص اپنی روایت میں محدثین کی صحیح حدیث کے خلاف باتیں بیان کرتا ہے۔ (۱)

(ج) ان برتنوں کا بیان جن میں نبیذ بنانا جائز نہیں :۔

ابنِ حزم کہتے ہیں کہ جن برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت مروی ہے۔ حضرت عمرؓ سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ ان برتنوں میں نبیذ بنانا حرام خیال کرتے تھے۔ (۲)

صحیح احادیث میں جن برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت مروی ہے وہ یہ ہیں۔

دُبَّاء :۔ سوکھے ہوئے کھوکھلے کدو سے بنایا ہوا برتن جس میں نبیذ بنائی جاتی تھی۔

مُزَفَّتْ :۔ وہ برتن جس پر لاکھ یا تارکول کا لیپ کیا گیا ہو۔

نَقِيْرْ :۔ لکڑی سے بنا ہوا برتن۔

اور ہر وہ برتن جو خالص چکنی مٹی سے بنایا گیا ہو۔ مثلاً حَنْتَم۔ یہ ایک سبز رنگ کا گھڑا ہوتا تھا جس میں شراب مدینہ منورہ لائی جاتی تھی۔ (۳)

(د) نبیذ سے نشہ ہو جانے کی سزا :۔

اگر کسی مسلمان نے نبیذ پی اور اُسے نشہ ہو گیا تو اس پر وہی حد نافذ کی جائے گی جو شراب پینے پر نافذ کی جاتی ہے یعنی اَسّی کوڑے۔ کیونکہ معلوم ہو گیا کہ اُس نے نبیذ نہیں پی بلکہ ایسی نبیذ پی ہے جو شراب بن چکی تھی۔

---

(۱) عبدالرزاق ۹/ ۲۲۴، (۲) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۸ فتح الباری ۱۲/ ۱۳۸

(۱) میزان الاعتدال ۲/ ۱۴۴ (۲) المحلی ۷/ ۵۱۵ (۳) بخاری و مسلم (کتاب الاشربہ) صحیح یہ ہے کہ یہ احادیث ان احادیث سے منسوخ ہیں، جن میں ان برتنوں کے استعمال کی اجازت ہے۔ امام مسلم نے جو باب قائم کیا ہے وہ اس طرح ہے۔ باب النهي عن الانتباذ في المزفت والدباء والنقير وبيان انه منسوخ وانه حلال مالم يصير مسكرًا۔ امام بخاری نے بھی اسی انداز کا باب باندھا ہے۔

حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ نبیذ کے پینے پر حد نہیں ہے، سوائے اس صورت کے کہ عقل جاتی رہے۔ (۱) امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے نبیذ سے نشہ ہو جانے پر اسّی کوڑے مارے۔ (۲)

(ھ) سُکر کی تعریف :-

ہم بیان کر چکے ہیں کہ مسلمان کو اگر نشہ ہو جائے خواہ کسی چیز سے ہو اس پر حدِ خمر جاری ہو گی؛ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک کوئی شخص سکران کس وقت سمجھا جائے گا۔

یعلیٰ بن امیہ جو حضرت عمرؓ کی طرف سے نجران یمن کے امیر تھے، بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر دریافت کیا اور ایک روایت میں ہے کہ زبانی پوچھا کہ ہمارے پاس ایسے لوگ لائے جاتے ہیں جنہوں نے شراب پی ہوتی ہے تو ہم کس پر حد جاری کریں۔ آپؓ نے جواب دیا کہ اس سے قرآن پڑھواؤ اور اس کی چادر کئی چادروں میں ملا دو۔ اگر قرآن نہ پڑھ سکے اور اپنی چادر نہ پہچان سکے تو اس پر حد جاری کرو (۳) بنا بریں نشہ یہ ہے کہ کسی مخصوص مشروب کے اثر سے ذہن میں امور خلط ملط ہو جائیں اور عقل مختلف چیزوں میں فرق و امتیاز کرنے سے قاصر ہو جائے۔

(و) سکران کی مسئولیت

کسی حرام مشروب کے پینے سے اگر کسی شخص کو نشہ ہو جائے تو اس کے تمام تصرفات کا حکم خواہ وہ اس کے حق میں ہوں یا خلاف اس شخص کے تصرفات کا سا ہو گا جو ہوش مند ہو۔

لیکن اگر غیر حرام شراب مثلاً کسی دوا وغیرہ کے پینے سے نشہ ہو جائے تو اس کے تمام تصرفات کا حکم خواہ وہ اس کے لیے فائدہ مند ہوں یا ضرر رساں وہ ہو گا جو مجنون کے تصرفات کا ہوتا ہے۔ (دیکھو: سکر/۳)

۴۔ طلاء:

(الف) تعریف :- طلا ایک مطبوخ کا نام ہے جو انگور کے رس سے تیار کیا جاتا ہے۔ انگور کے رس کو پکایا جاتا ہے، جب وہ ثلث خشک ہو جائے اور صرف ایک ثلث باقی رہ جائے اور وہ مُسکر بھی نہ ہو تو طلاء کہلاتا ہے۔

(ب) اس کا کھانا اور پینا حلال ہے، جب تک وہ غیر مُسکر ہو، چنانچہ اس کا روٹی کے ساتھ بطور سالن استعمال کرنا اور پانی میں ملا کر پینا جائز ہے۔

امام مالکؒ نے موطا میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ جب شام آئے تو اہل شام نے ان سے سرزمین شام میں بیماری کی کثرت اور موسم کی سختی کی شکایت کی اور کہا کہ ہم کو یہاں صرف یہ مشروب یعنی خمر ہی ٹھیک رکھ سکتا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ شہد پیا کرو۔ اُنہوں نے کہا کہ شہد ہمارے لیے مفید نہیں ہے تو وہاں کے ایک شخص نے کہا کہ کیا آپ پسند کریں گے کہ ہم آپ کو ایک مشروب بنا دیں، جس سے نشہ نہیں ہو گا۔ آپؓ نے کہا ہاں۔ چنانچہ اُنہوں نے عصارۂ انگور کو اس حد تک پکایا کہ اس کا دو ثلث خشک ہو گیا اور ایک ثلث باقی رہ گیا۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس لائے تو حضرت عمرؓ نے اس میں اُنگلی ڈال کر اٹھایا تو وہ اُنگلی میں چپک گیا اور تار بندھ گیا۔ آپ نے کہا کہ یہ طلاء ہے گویا اس لیپ کی مانند ہے جو اُونٹ پر لگایا جاتا ہے اور اسے پینے کی اجازت دی۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۲۹ (۲) خراج ابی یوسف ص ۱۱۹ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۸؛ مصنف عبدالرزاق ۹/ ۲۲۹؛ المحلی ۷/ ۵۰۸؛ المغنی ۷/ ۱۱۶

کہا کہ آپ نے اُسے حلال کر دیا ہے ؛ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ قسم بخدا! اے اللہ! میں کوئی ایسی شے حلال نہیں کر سکتا جو تو نے حرام کی ہے اور نہ میں کوئی ایسی چیز حرام کر سکتا ہوں جو تو نے حلال کی ہے۔ (۱)

حضرت عمرؓ نے ایسے غیر مسکر طلاء کے حلال ہونے کے بارے میں حضرت عمار بن یاسرؓ کو بھی اطلاع دی۔ انہیں لکھا کہ ہمارے پاس شام سے ایسے مشروب آئے ہیں جیسے طلاء ابل ہو۔ وہ اس قدر پکایا گیا ہے کہ اس کا دو ثلث سوکھ گیا ہے اور وہ حصہ خارج ہو گیا ہے جس میں شیطان کی خباثت اور دیوانہ بنانے والی ریح ہوتی ہے اور ایک ثلث باقی رہ گیا ہے تو اس کو بطور سالن استعمال کرو اور لوگوں کو کہو کہ وہ بھی اسے بطور سالن استعمال کریں (۲)، اسی طرح کا خط آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بھی تحریر کیا۔ (۳)

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اپنے مشروب کو اس قدر پکاؤ کہ اس میں سے شیطان کا حصہ خارج ہو جائے کہ شیطان کا اس میں دو ثلث ہے اور تمہارا ایک ثلث (۴) یعنی اسے اس قدر پکاؤ کہ اس کا دو ثلث بھاپ بن کر خارج ہو جائے۔

حضرت عمرؓ لوگوں کو طلاء ان کے روزینہ میں دیا کرتے تھے (۵) اور عمال کو بھی تحریر فرمایا کہ لوگوں کو روزینہ میں طلاء دیں جس کا دو ثلث خشک ہو گیا ہو اور ایک ثلث باقی رہ گیا ہو (۶)

اسلم مولی عمر سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے ساتھ جابیہ آئے، ہمارے پاس طلاء لایا گیا جو جیسے ہوئے گاڑھے شیرہ کی

(۱) الموطاء ۲/۸۴۷ (۲) مصنف عبدالرزاق ۹/۲۵۵، المحلی ۷/۴۹۸ آثار بسند ۱۰۰۴ (۳) سنن النسائی (الاشربہ) باب بالمجوز شربہ من الطلاء
(۴) سنن البیہقی ۸/۳۱۰ (۵) عبدالرزاق ۹/۲۵۴ (۶) عبدالرزاق ۹/۲۵۴

طرح تھا اور وہ برتن میں سے بہ مشکل لیا جا سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس مشروب میں واقعتاً کوئی ایسی چیز تھی جس نے اُسے ایسا بنا دیا ہے (۱)

۴۔ پانی اور حلال مشروبات کے پینے کے آداب:۔

(الف) کھڑے ہو کر پینا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ کھڑے ہو کر بھی پانی پیتے تھے اور بیٹھ کر بھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہو کر بھی پانی پیتے دیکھا اور بیٹھ کر بھی (۲) اور حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر پانی پیا کرتے تھے۔ (۳)

(ب) برتن سے پانی پینا

حضرت عمرؓ جب دستے والے برتن سے پانی پیتے تو دستہ کو مُنہ سے نہ لگاتے تھے۔ (۴)

اشعار

۱۔ اشعار سے مراد یہ ہے کہ اُونٹ کے کوہان کو سیدھی جانب سے اس قدر چیر دیا جائے کہ اس سے خون بہہ نکلے۔

۲۔ حضرت عمرؓ جب احرام کا ارادہ فرماتے تو اپنے قربانی کے اُونٹ کے داہنے پہلو پر اِشعار کرتے تھے (۵)

اس نص سے معلوم ہوتا ہے کہ اِشعار کا مقام اُونٹ کے

(۱) مصنف عبدالرزاق ۹/۲۵۴، المحلی ۷/۴۹۸ (۲) ترمذی (الاشربہ) باب ماجاء فی الرخصۃ فی الشرب قائماً (۳) الموطاء ۲/۹۲۵
(۴) المغنی ۸/۳۲۲ - (۵) المحلی ۷/۱۱۱

کوہان کی دائیں جانب ہے اور اس کا وقت وہ ہے جب حج یا عمرہ کرنے والا احرام باندھے۔

۳۔ اِشعار کی حکمت :۔ اِشعار کی حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ ھَدی کا اُونٹ ہے اور اگر وہ گم ہو جائے تو جسے ملے وہ اُسے بیت اللہ پہنچا دے اور اگر وہ پانی پیے یا گھاس چرے تو کوئی شخص اُسے نہ روکے اور چورا سے چرانے کی کوشش نہ کرے۔ اور اگر وہ دوسرے جانوروں میں مل جائے تو اس کا پہچاننا ممکن ہو۔

اضحیہ (قربانی)

۱۔ قربانی کا حکم :۔

قربانی سُنت ہے واجب نہیں ہے۔(۱) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قربانی واجب نہیں ہے جو چاہے قربانی کرے اور جو چاہے نہ کرے (۲) اور خود حضرت عمرؓ قربانی نہیں کرتے تھے، اس اندیشہ کے تحت کہ لوگ ان کی اقتداء میں قربانی کرنا ضروری نہ خیال کرنے لگیں یا اسے واجب نہ سمجھ لیں۔ (۳)

ابو سریحہ حذیفہؓ بن اسید غفاری سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ قربانی نہیں کرتے تھے کہ کہیں ان کی اقتداء کرتے ہوئے لوگ قربانی کرنا ضروری نہ سمجھنے لگیں۔ (۴)

ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ جب حج کرتے تو قربانی نہیں کرتے تھے۔ (۵)

(۱) المغنی ۸/۶۱۷ نیل الاوطار ۵/۱۱۸ (۲) عبدالرزاق ۴/۳۸۱
(۳) المجموع ۸/۲۹۷، ۲۹۹ (۴) المحلی ۷/۱۹، ۳۵۸
(۵) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۱ عبدالرزاق ۴/۳۸۲، المحلی ۷/۳۷۵

۲۔ جن جانوروں کی قربانی جائز ہے :۔

قربانی صرف بہیمۃ الانعام (چوپائے مویشی) یعنی اونٹ، گائے اور بکری[۱] کی ہی کی جا سکتی ہے اور دو دانتوں والے ہی جائز ہیں۔ اگر دو دانت میسر نہ ہو تو بھیڑ اور دُنبہ کا چھ سات ماہ کا بچہ جائز ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے :

"دو دانت والا جانور ذبح کرو۔ لیکن اگر میسر نہ ہو تو بھیڑ اور دُنبہ کا چھ سات ماہ کا بچہ" (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ جذع (چھ سات ماہ کا بچہ صرف بھیڑ یا دُنبہ کا ہی جائز ہے اور اسی پر اجماع ہے۔

ایسے جانور کی قربانی صحیح نہیں ہے جسے کوئی ایسا عارضہ ہو جو اس کے گوشت کو ناقص یا کم کر دے۔ کیونکہ فرمان نبویؐ ہے۔

"ایسے جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے جن کا کانا پن یا کوئی مرض جو اُنہیں لاحق ہو مثلاً لنگڑا پن وغیرہ نمایاں ہو اور وہ بھی جسکی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہو اور ایک اور روایت میں ہے کہ ایسا لاغر جانور بھی جائز نہیں جسکی ہڈیوں میں گودا نہ (۳)

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ اُن کے نزدیک لنگڑے جانور کی قربانی مطلقاً درست نہیں ہے۔ (۴)

۳۔ قربانی میں شرکت :۔

قربانی کا جانور ایک فرد سے زائد کے لیے درست نہیں ہے، خواہ بھیڑ ہو یا گائے یا اُونٹ۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ ایک نفس سات کی طرف سے درست نہیں ہے (۵)

(۱) علمائے بھینس کو گائے کی جنس میں اور بھیڑ، مینڈھے اور دنبے کو بکری کی جنس میں شمار کیا ہے
(۲) مسلم (الاضاحی) ابوداؤد (الاضاحی) النسائی (الاضاحی) مسنۃ سے مراد وہ جانور ہے جس کے دانت ہوں اور دانتوں سے بڑے دانت مراد ہیں۔ اور جذع سے بھیڑ اور دنبہ کا وہ بچہ مراد ہے جس نے دوسرے سال میں قدم رکھ دیا ہو (۳) ترمذی، نسائی، ابوداؤد، موطأ (الضحایا) (۴) المحلی ۷/۳۶۰ (۵) المغنی ۸/۶۲۰

۴۔ قربانی کا وقت :۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ قربانی کے ایام کل تین ہیں۔ ایک عید کا دن اور اس کے بعد دو دن اور (۱)، اور اس طرح قربانی کا آخری وقت ایام تشریق کے دوسرے دن کا آخری وقت ہوا۔ (۲)

اضطرار :۔ دیکھو : ضرورت

اطعمة :۔ دیکھو : طعام

اعارة :۔ دیکھو : عاریہ

اعتکاف :

۱۔ اعتکاف نام ہے بہ نیت ثواب مسجد میں مخصوص طریقے پر ٹھہرنے کا۔

۲۔ ہمیں ایسی روایات نہیں مل سکیں جن سے اعتکاف کی اہم تفصیلات کے بارے میں حضرت عمرؓ کا نقطہ نگاہ معلوم ہو سکے، سوائے اس ایک روایت کے جسے ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس امر کو پسند نہیں فرمایا کہ کوئی شخص اعتکاف کی حالت میں اپنے گھر میں داخل ہو (۳)

اور اگر کسی غیر مسلم نے نذر مانی کہ وہ اسلام قبول کر کے اعتکاف میں بیٹھے گا تو مسلمان ہونے کے بعد اس پر اپنی نذر کو پورا کرنا لازم ہے۔ (د: نذر)

اعمیٰ :

نابینا افراد کے لیے حکومت کی طرف سے رہبر کا مقرر کیا جانا۔

(د: صلاۃ / ۱۸ أ)

اغماء :

ایسے شخص کی نماز کی قضا کے احکام جسے بے ہوشی کے دورے پڑتے ہوں۔ (د: صلاۃ / ۱ ج)

افتاء

اس شخص کی سزا جو فتویٰ کی حدود سے تجاوز کرے۔

(د: تعزیر / ۲)

افراد

حج کی قسم افراد۔ (د: حج / ۱۸ أ)

افلاس

دیکھو : فلس

اقامة صلاة (تکبیر اقامت)

۱۔ اقامت میں کلمات کا جلدی جلدی ادا کرنا :۔

مؤذن جب تکبیر اقامت کہے تو کلمات کی ادائیگی جلدی جلدی کرے۔ کیونکہ ابو عبید اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کے مؤذن کو کہا کہ تم جب اذان دو تو الفاظ ٹھہر ٹھہر کر ادا کرو اور جب اقامت کہو تو جلدی جلدی ادا کرو۔ (۱)

۲۔ تکبیر اقامت کی تکرار :۔

جمع بین الصلاتین کی صورت میں تکبیر اقامت دوبارہ کہنے کے بارے میں حضرت عمرؓ سے روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے مزدلفہ میں ایک ہی اقامت سے مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کر کے ادا کیا۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے مغرب اور عشاء کی دو نمازیں علیحدہ علیحدہ اذان اور اقامت کے ساتھ جمع کر کے پڑھیں۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے صحیح روایت یہی

---

(۱) المغنی ۸/ ۶۲۰ (۲) المجموع ۸/ ۳۰۴ (۳) المغنی ۸/ ۶۲۸

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۲۹

منقول ہے کہ آپ نے مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا۔[۱] اور ہر نماز کے لیے علیحدہ علیحدہ اذان اور اقامت کہی گئی۔

۳۔ تکبیرِ اقامت کے وقت کسی اور نماز کا پڑھنا مکروہ ہے۔
جس وقت مؤذن نماز کے لیے اقامت کہہ رہا ہو حضرت عمرؓ اس وقت کسی اور نماز کے شروع کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ ابنِ ابی شیبہ سے مروی ہے کہ مؤذن اقامت کہہ رہا تھا کہ ایک شخص نے دو رکعت نماز پڑھنا شروع کر دی تو حضرت عمرؓ نے اُسے ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ جس وقت مؤذن فرض نماز کی اقامت کہہ رہا ہو اس وقت فرض نماز کے سوا اور کوئی نماز نہیں (۲) اور عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ تکبیر اقامت کے بعد کسی (دوسری) نماز کے شروع کرنے پر کوڑا مارا کرتے تھے۔ (۳)

اقامۃ من السفر: (سفر کے بعد قیام)

- مسافر کا سفر کے بعد قیام کرنا۔ (د: سفر/ ۹ ب)
- دورانِ سفر اگر مسافر قیام کا فیصلہ کرے تو وہ شرعی رخصتیں جو مسافر کو حاصل ہیں ختم ہو جائیں گی۔ (د: سفر/ ۱۰)
- آفاقی کا مکہ میں تین دن سے زائد قیام (د: مکہ/ ۷)

اقرار

۱۔ تعریف:۔ اقرار کے معنی ہیں اعتراف کرنا۔

۲۔ مقر:۔ اقرار صرف اس شخص کا صحیح ہے جو عاقل اور مختار ہو اور اس پر حجر[1] نہ ہو۔ اور اس اصول کی بنیاد پر مجنون کا اقرار صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ صاحبِ عقل نہیں ہے۔ اور مکرَہ (مجبور) کا اقرار بھی درست نہیں ہے کہ اس کا اختیار سلب کر لیا گیا ہے۔ بعینہ اس باشعور بالغ بچے کا اقرار بھی صحیح نہیں ہے جسے تجارت کرنے سے روک دیا گیا ہو اور وہ قرض کا اقرار کرے۔ لیکن اگر اُسے تجارت اور ادھار لین دین کی اجازت ہو اور وہ قرض کا اقرار کرے تو ایسا اقرار صحیح ہے۔
باہوش قریب المرگ شخص کا نسب کے بارے میں اقرار بھی صحیح ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے شریح کو لکھا، کسی شخص سے اس کی اولاد کے بارے میں اُس کی موت کے وقت پوچھا جائے کیونکہ انسان سب سے زیادہ سچا اپنی موت کے وقت ہوتا ہے۔ (۱)

۳۔ مقرلہ: (جس کے حق میں اقرار کیا جائے)
اقرار صرف اس شخص کے حق میں صحیح ہے جس کا حق ثابت ہو سکتا ہو؛ لہذا جانور کے حق میں یا ایسے بچے کے حق میں جو شکم مادر میں ہے اور ابھی پیدا نہیں ہوا، اقرار درست نہیں ہے۔

۴۔ مقربہ:۔ (جس شئے کا اقرار کیا جائے)
جس شئے کا اقرار کیا جا رہا ہے وہ یا تو ایسی ہوگی کہ اس پر کسی دوسرے کا حق ہوگا اور یا ہر قسم کے حق اور طلب سے آزاد ہوگی۔

(الف) اگر مقربہ یعنی جس شئے کا اقرار کیا جا رہا ہے وہ کسی دوسرے کا حق ہے اور اقرار کرنے والا اس حق کا اقرار کر لے تو اس کے لیے اپنے اقرار سے رجوع کی گنجائش نہیں، جیسے کوئی کسی شخص کے قرض کا اقرار کرے یا کسی سے اجارہ کا معاملہ ہونے کا اقرار کرلے یا کسی بچہ کے نسب کا اقرار کرلے۔
حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ اقرار کرلے کہ یہ بچہ میرا ہے تو پھر وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا (۲)

---

(۱) المحلی ۷/ ۱۲۷، ۱۲۸ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۷۳، (۳) مصنف عبدالرزاق ۲/ ۴۳۶۔ [1] حجر سے مراد قانونی پابندی ہے

(۱) اخبار القضاۃ ۲/ ۱۹۳ ، سنن البیہقی ۸/ ۹۱ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۳۱

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اگر کسی نے ایک لحظہ کے لیے یہ اقرار کر لیا کہ یہ بچہ میرا ہے اور بعد ازاں انکار کیا تو وہ بچہ اسی کا قرار دیا جائے گا۔ (۱)

حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ شریح نے ایک شخص کے بارے میں جس نے یہ اقرار کر کے کہ بچہ میرا ہے پھر انکار کر دیا، یہ فیصلہ دیا ہے کہ وہ لعان کرے۔ حضرت عمرؓ نے شریح کو تحریر کیا کہ اگر اس نے پلک جھپکنے کے لمحہ کے لیے بھی اقرار کیا ہے تو بعد ازاں اسے انکار کا حق نہیں ہے۔ (۲)

(دیکھئے نسب / ۳ و) (لعان / ۳ ھ)

ب) اور اگر کسی ایسے جرم کا اقرار کیا گیا جس پر حد لازم آتی ہے تو حد کے اجراء سے پہلے پہلے رجوع صحیح ہے۔ بنابریں اس شخص کو جو کسی قابلِ حد جرم کا اقرار کر رہا ہو بھگا دینا بھی جائز ہے کہ شاید وہ جا کر واپس نہ آئے اور اسی بات کو اس کا اقرار جرم سے رجوع سمجھ لیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اعتراف جرم کرنے والوں کو بھگا دیا کرو۔ (۳)

نیز قاضی کے لیے جائز ہے کہ مقر کو رجوع کی تلقین کرے۔ اگر وہ اپنے اقرار سے رجوع کرے تو حد کا نفاذ رک جائے گا اور حد ساقط ہو جائے گی، کیونکہ حد حق اللہ ہے اور اللہ کے حقوق میں توبہ بھی اسی طرح فائدہ بخش ہے جیسا کہ حد کا اجراء مفید ہے۔

حضرت عمرؓ کے پاس ایک چور لایا گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے چوری کی ہے؟ کہدو کہ نہیں کی۔ اس نے کہہ دیا کہ نہیں کی۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ (۱)

اور حضرت عمرؓ کے پاس ایک اور چور لایا گیا جس نے اعتراف کر لیا تھا، حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ اس کے ہاتھ تو چور کے ہاتھ نہیں ہیں، اس پر اس نے کہا کہ قسم بخدا! میں چور نہیں ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اسے چھوڑ دیا اور قطع ید کی سزا نہیں دی۔ (۲)

۵۔ اقرار کے الفاظ:۔

(الف) اقرار ان تمام الفاظ سے ثابت ہو جاتا ہے جو اعتراف پر دلالت کریں۔

(ب) اگر کسی دوسرے کے حق کا اقرار ہو تو مقر کے ایک مرتبہ کے اقرار سے یہ حق ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ اگر کسی نے ایک بار اقرار کر لیا کہ یہ بچہ میرا ہے تو پھر اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ (۳)

اسی طرح اگر اقرار کسی ایسے جرم کا ہو جس پر حد لازم آتی ہے تو ایک مرتبہ کا اقرار کافی ہے ماسوا حد زنا کے کہ اس میں چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں اور ابو یوسف نے اپنی کتاب الخراج میں روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے حضرت عمرؓ کے سامنے زنا کا اقرار چار مرتبہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم رجوع کر لو تو حد جاری نہیں ہو گی۔ اس نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں بدکاری کا بھی ارتکاب کروں اور حد سے بھاگ جاؤں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۷/ ۱۰۰ (۲) عبدالرزاق: ۷/ ۱۰۰، اخبار القضاۃ ۱۹۱/۱ (۳) سنن البیہقی: ۸/ ۲۷۶

(۱) عبدالرزاق: ۱۰/ ۲۲۴، المغنی ۸/ ۲۸۱ (۲) عبدالرزاق ۱۰/ ۱۹۲ ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۰ - (۳) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۲۳۱

04521

اس پر حد جاری فرمائی (۱) (د ا زنا/۴)

(ج) اگر کسی شخص نے ایک سے زائد مرتبہ اقرار کیا لیکن اس کی مراد ایک ہی حق تھا تو یہ ایک ہی حق کا اقرار ہوگا۔ خواہ یہ کئی بار کا اقرار ایک ہی مجلس میں ہو یا متعدد مجالس میں، مثلاً ایک شخص نے ایک درہم کا اقرار کیا، پھر ایک درہم کا اقرار کیا۔ بعدازاں پھر ایک درہم کا اقرار کیا لیکن اس کی مراد وہی ایک درہم تھا جس کا پہلے اقرار کر چکا تھا تو یہ ایک ہی درہم کا اقرار ہوگا۔

حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ پھر اُسے ایک شخص ملا اور اُس نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ اُس نے کہا کہ ہاں۔ پھر ایک اور شخص ملا، اُس نے بھی یہی پوچھا تو اُس نے اُسے بھی یہی جواب دیا۔ پھر ایک اور شخص ملا، اُس نے بھی یہی سوال کیا اور اُس نے پھر بھی یہی جواب دیا۔ اس کے بعد یہ معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ معاملہ اسی پر موقوف ہے۔ یا آپ نے فرمایا، اس معاملے میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا۔(۲)

۶۔ اقرار کے اثرات :۔

اقرار کا اثر اور نتیجہ صرف مقر تک محدود رہتا ہے۔ اسی بات کو فقہاء نے اس طرح پیش کیا ہے کہ اقرار صرف مقر کی ذات کی حد تک حجت ہے، خواہ یہ اقرار حد کا ہو یا کسی کے حق کا۔ مثلاً اگر کسی نے یہ اقرار کیا کہ اُس نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے اور وہ عورت انکار کر دے کہ اُس نے میرے ساتھ

(۱) ابن ابی شیبہ ۱۲۴/۲/۱ - خراج ابی یوسف ۲۰۲

(۲) مصنف عبدالرزاق ۳۷۵/۶

زنا نہیں کیا تو حد محض اس اقرار کرنے والے پر جاری ہوگی اور عورت پر حد نافذ نہیں کی جائے گی۔

ایک شخص اور اُس کی بہن حضرت عمرؓ کے پاس آئے، اُن کے ساتھ ایک بچہ تھا اور اُنہوں نے کہا کہ یہ ہمارا بھائی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمہارے باپ کی طرف ایسے بچے کو منسوب نہیں کر سکتا جس کا اُس نے اقرار نہیں کیا (۱)

(ب) جو جرائم اقرار سے ثابت ہوں ان کی دیت اور تاوان کی ذمہ داری مرتکب جرم کے رشتہ داروں پر نہیں ڈالی جائے گی۔ (د ا جنایہ / ۵ ب ۷)

(ج) اقرار کی صورت میں صُلح۔ (د ا صُلح / ۲ ح ۲)

اقطاع

۱۔ تعریف :۔ اقطاع کا مفہوم یہ ہے کہ متعین پیمائش کا زمین کا کوئی ٹکڑا امیر کسی شخص خاص کے لیے مخصوص کر دے جو صرف اُسی کا ہو جائے اور اس سے کسی دوسرے کا کوئی واسطہ نہ رہے۔

۲۔ اقسام :

اقطاع کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) اقطاع ارفاق

اس سے مراد یہ ہے کہ امیر راہِ عامہ کے کسی مقام کے ایک حصہ کو رعیت میں سے کسی ایک فرد کے استفادے کے لیے مخصوص کر دے، بشرطیکہ اس کی وجہ سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچے۔ مثلاً امیر کسی تاجر کو منڈی کے رقبے میں ایک مخصوص

(۱) المغنی ۲۷۹/۶

ٹکڑا اس غرض سے دے دے کہ وہ وہاں اپنا مالِ تجارت رکھے۔

(ب) اقطاع موات :۔

امیر رعایا میں سے کسی فرد کو ایسی غیر آباد زمین دے دے جو عوام میں سے کسی کی ملکیت نہ ہو، اس خیال سے کہ وہ اس زمین کو آباد کرے گا۔ احیاء موات کے تفصیلی احکام دیکھنے کے لیے (دیکھئے احیاء الموات /۱، ۲) و (احیاء الموات /۴)

اکراہ (جبر)

۱۔ **تعریف** :۔ کسی انسان کو جبراً کسی فعل کے کرنے پر آمادہ کرنا یا زبردستی کسی کام سے روکنا۔

۲۔ **اکراہ کے ذرائع** :

(الف) اکراہ مندرجہ ذیل طریقوں سے وجود میں آتا ہے۔

مار پیٹ، بھوکا رکھنا، قید کرنا اور ڈرانا دھمکانا اور اسی طرح کے دیگر امور۔ جب یہ سب اس حد کو پہنچ جائیں کہ برداشت مشکل ہو جائے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے آپ کو دیانتدار نہیں رکھ سکتا۔ اگر اسے بھوکا رکھا جائے یا باندھ دیا جائے یا مارا جائے۔ (۱)

دھمکی اس صورت میں حقیقی سمجھی جائے گی جب حسب ذیل شرائط پائی جائیں۔

۱۔ دھمکی ایسے شخص کی طرف سے ہو جو اُسے پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔

۲۔ غالب گمان یہ ہو کہ جو دھمکی وہ دے رہا ہے، اُسے وہ کر گزرے گا۔

۳۔ دھمکی ایسے امر کی ہو جس سے اُسے شدید نقصان پہنچ سکتا ہو جیسے ضربِ شدید اور حبسِ طویل۔ چنانچہ اوپر جو اثر (قولِ عمرؓ) بیان ہو چکا ہے اس کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کوئی شخص اپنے اوپر قدرت نہیں رکھ سکتا جب کہ اُسے بھوکا مارا جائے یا خوف زدہ کیا جائے یا قید کر دیا جائے۔

(ب) وہ صورتیں جنہیں حضرت عمرؓ نے اکراہ شمار کیا :۔

اس مقام پر چند صورتیں بیان کی جاتی ہیں جنہیں حضرت عمرؓ نے اکراہ شمار کیا۔

۱۔ **شدید بھوک اور پیاس** :۔

حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جسے صحراء میں جبکہ وہ شدید پیاسی تھی، ایک چرواہا ملا۔ عورت نے اس سے پانی مانگا۔ اس نے اسے پانی دینے سے انکار کیا، سوائے اس صورت کے کہ وہ اسے اجازت دے کہ وہ اس کے ساتھ بدکاری کرے۔ عورت نے اُسے اللہ کا واسطہ دیا مگر وہ نہیں مانا۔ جب اس عورت کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تو اُس نے اس شخص کو اپنے آپ پر قدرت دے دی۔ حضرت عمرؓ نے اضطرار کی اس حالت کی بناء پر اُس عورت سے حد ساقط کر دی۔ (۱)

یہ تو پیاس کی وجہ سے جبر و اکراہ کی مثال ہے اور بھوک کی مثال حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں کا واقعہ ہے کہ اُنہوں نے مزینہ کے ایک شخص کی اونٹنی چرا لی تھی تو

---

(۱) عبدالرزاق ۹/۱۱، ۴۱۱/۱۰، ۱۹۲ خراج ابی یوسف ۲۰۹۔ المغنی ۱۱۹/۷، ۱۹۶/۸۔ المحلی ۲۰۲/۱۰۔ سنن البیہقی : ۳۵۹/۷

(۱) عبدالرزاق ۴۰۷/۷، سنن البیہقی ۲۳۶/۸، المغنی : ۱۸۷/۸

حضرت عمرؓ نے اُن کا ہاتھ نہیں کاٹا، کیونکہ انہوں نے شدید بھوک سے مجبور ہو کر یہ اُونٹنی چرائی تھی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے قحط سالی کے زمانے میں ہاتھ نہیں کاٹا اور فرمایا کہ ہم قحط سالی اور سختی کے دنوں میں قطع ید کی سزا نہیں دیں گے۔

(د۔ سرقہ / ۳)

۲۔ ایسی دھمکی کی مثال جس کی برداشت مکرَہ کی استطاعت میں نہ ہو الایہ کہ اُسے شدید مشقت برداشت کرنی پڑے، یہ واقعہ ہے جو عبدالملک بن قدامہ جمحی سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ ایک شخص رسی باندھ کر (کنوئیں میں) لٹکا، تاکہ شہد اتارے۔ اسی حالت میں اس کی بیوی آئی اور اس سے کہا کہ یا تو تو مجھے طلاق دے دے یا میں یہ رسّی کاٹ دیتی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے کہا کہ اپنی بیوی کے پاس لوٹ جاؤ کیونکہ یہ طلاق نہیں ہوئی۔ (۱)

نیز حضرت عمرؓ کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے اعتراف جُرم کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے خیال میں اس شخص کے ہاتھ چور کے ہاتھ نہیں ہیں۔ اس پر وہ شخص بولا۔ قسم بخدا! میں سارق نہیں ہوں، دراصل اُنہوں نے ڈرا دھمکا کر مجھ سے اعتراف کروا لیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُسے چھوڑ دیا اور قطع ید کی سزا نہیں دی۔ (۲)

۳۔ کسی ایسی بات کا ہونا جس کو برداشت کرنا بغیر مشقت کے ممکن نہ ہو اور غالباً اس کی مثال وہ واقعہ جو عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ یمن کے کچھ رنقاء حرہ میں اترے۔ اُن کے ساتھ ایک ثیبہ عورت بھی تھی جس نے بدکاری کا ارتکاب کیا تھا۔ وہ اُسے چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی۔ حضرت عمرؓ کو اُس نے بتایا کہ میں ایک مسکین عورت ہوں۔ کوئی شخص میرے ساتھ ذرا بھی اچھا سلوک نہیں کرتا اور میرے پاس اپنے وجود کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھیوں کو بلایا اور اُن سے پُوچھا تو اُنہوں نے اس کی تصدیق کی۔ حضرت عمرؓ نے اُسے سو کوڑے مارے اور اُسے کچھ مال اور کپڑے دیئے اور اُس کے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اسے اپنے ساتھ لے کر جائیں۔ (۱)

اور حضرت عمرؓ نے اُسے یہ سو کوڑے جو مارے تھے تعزیراً مارے تھے کہ اُسے اس سے زیادہ صبر اور برداشت کرنا چاہیے تھا۔

۴۔ نیند کے دوران جو کام سرزد ہو وہ بھی اکراہ کے حکم میں داخل ہے۔ ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس لائی گئی جس نے زنا کیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ میں سو رہی تھی اور اس وقت بیدار ہوئی جب ایک شخص مجھ پر پُوری طرح قابو پا چکا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے چھوڑ دیا اور اُسے کوڑے نہیں لگائے۔ (۲)

۵۔ جو کام انسان بیداری کی حالت میں اپنے اختیار کے بغیر انجام دے اور اس کے پاس اس سے بچنے کا کوئی حیلہ نہ ہو۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ ایک عبادت گزار عورت حاملہ ہو گئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ وہ نماز شب پڑھ رہی ہو گی۔ خشوع کی حالت میں سجدے میں گئی ہو گی اور کسی بدمعاش نے آ کر اُسے دبوچ لیا ہو گا، چنانچہ جب وہ عورت آئی تو اس نے بھی بعینہٖ اسی طرح بیان کیا۔ آپؓ نے اُسے چھوڑ دیا۔ (۳)

(۱) المحلی ۸ / ۳۳۱، ۱۰ / ۲۰۲ المغنی ۷ / ۱۱۹، سنن البیہقی ۷ / ۳۵۷ (۲) عبدالرزاق ۱۰ / ۱۹۳

(۱) عبدالرزاق ۷ / ۴۰۵ (۲) المغنی ۸ / ۱۸۷، ابن ابی شیبہ ۲ / ۱۲۹
(۳) عبدالرزاق ۷ / ۴۰۹، ابن ابی شیبہ ۲ / ۱۲۹

۳۔ ذمہ داری کے ساقط ہونے میں اکراہ کا اثر :۔

اکراہ سے عنداللہ گناہ بھی ساقط ہو جاتا ہے اور سزائے دنیا بھی ساقط ہو جاتی ہے، کیونکہ جبر کی صورت میں اختیار باقی نہیں رہتا اور گناہ کی سزا اختیار کے ساتھ ہی وابستہ ہے اس حکم کا اطلاق اکراہ کی دونوں صورتوں یعنی اکراہ عملی اور اکراہ قولی پر یکساں ہوگا۔ بنابریں اگر کوئی عورت زنا پر مجبور کر دی جائے تو اُسے کسی قسم کی سزا نہیں دی جائے گی۔ حضرت عمرؓ کے پاس کچھ سرکاری باندیاں لائی گئیں جن کے ساتھ بعض سرکاری غلاموں نے جبراً زنا کیا تھا۔ آپؓ نے غلاموں کو کوڑے لگائے لیکن باندیوں کو نہیں لگائے (۱) اور حضرت عمرؓ کے پاس ایک غلام لایا گیا جو خمس کے غلام لونڈیوں کا نگران تھا۔ اور اُس نے ان لونڈیوں میں سے ایک لونڈی پر جبر کیا تھا، یعنی اُس کے ساتھ زنا کا مرتکب ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے کوڑے لگائے اور جلاوطن کر دیا لیکن باندی کو کوڑے نہیں لگائے کیونکہ اُسے مجبور کیا گیا تھا (۲)

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ بات پُوری طرح واضح ہوگئی کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک اگر کسی کو چوری یا زنا پر مجبور کر دیا جائے تو اُس کی مسئولیت باقی نہیں رہتی۔ (د: سرقہ ۱/۳)

۱۔ قولی تصرفات کے ابطال میں اکراہ کا اثر۔

اکراہ سے قولی تصرفات باطل ہو جاتے ہیں مثلاً معاہدات (د: بیع/ ۳ ج ۲) اور معاہدات کی تنسیخ:

چنانچہ ثابت الاعرج سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ اور ابن زبیرؓ سے جبر کی

(۱) ابن ابی شیبہ: ۲/۱۷۸۔ عبدالرزاق: ۷/۳۹۵۔ المغنی: ۸/۱۸۶ (۲) الموطا: ۲/۲۳۷۔ عبدالرزاق: ۷/۳۵۸۔ سنن البیہقی: ۸/۲۴۳، ۲۸۶

گئی طلاق کے بارے میں پُوچھا تو ان دونوں نے کہا کہ واقع نہیں ہوئی (۱) اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ جبری طلاق کو کالعدم سمجھتے تھے (۲) (د: طلاق ۴/۲ د)

اوپر واقعات کی جو صورتیں ہم پیش کر چکے ہیں، اُن میں عملی اکراہ کے بعض نمونے اور اُن کے بارے میں فیصلے اور فتوے بیان ہو چکے ہیں۔

امارۃ (حکمرانی)

۱۔ امیر یعنی خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے :۔

حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ لوگوں کے معاملات اُس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک ایک ایسا امیر موجود نہ ہو، جس کے حکم کی سب اطاعت کریں اور سب اس کی رہنمائی پر عمل کریں۔ اسی لیے آپ بار بار فرماتے تھے کہ اگر تم تین ہو تب بھی امیر بنا لو (۳)

۲۔ وہ صفات جو امیر میں ہونی چاہئیں :۔

(الف) عقل اور بلوغ :۔ غالباً یہاں یہ ذکر مفید رہے گا کہ امیر کا عاقل اور بالغ ہونا اس لیے ضروری ہے کہ احکام الٰہی کی بجا آوری کے لیے مکلف ہونا ان دونوں امور یعنی عقل و بلوغ کے ساتھ وابستہ ہے۔

ب) اسلام :۔ اسلام کی شرط بھی ناگزیر ہے کیونکہ امارت سے مراد ہے عوام کی ولایت اور سرپرستی۔ اور کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہے۔ خود حضرت عمرؓ اس امر کو روا نہیں رکھتے تھے کہ کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے معاملات کا امیر بنایا

(۱) المحلی: ۱۰/۲۰۲ (۲) مصنف بن ابی شیبہ: ۱/۲۳۸ ب، المحلی: ۸/۳۳۱ (۳) عبدالرزاق: ۸/۵۸۔ نیل الاوطار: ۸/۲۶۵

جائے ۔

وسق رومی سے منقول ہے کہ میں حضرت عمرؓ کا غلام تھا ۔ آپ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ تم اسلام قبول کر لو یا اسلام قبول کرنے کے بعد میں تم سے مسلمانوں کی امانت میں مدد لوں گا ۔ کیونکہ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ مسلمانوں کی کسی امانت میں کسی ایسے شخص سے مدد لوں جو اُن میں سے نہیں ہے یعنی غیر مسلم ہے ۔ لیکن میں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے (۱)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو اُن کے ساتھ نصرانی کاتب تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی یادداشت کو پسند کیا اور فرمایا کہ اپنے کاتب سے کہو کہ ہمارا خط پڑھ دے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بتایا کہ یہ تو نصرانی ہے مسجد میں نہیں آسکتا تو حضرت عمرؓ نے اُنہیں سرزنش کی اور اُن کے اس کام کو بُرا سمجھا اور کہا کہ ان کو جب اللہ نے رسوا کر دیا تو تم اُن کی عزت نہ کرو اور جب اللہ نے انہیں دُور کر دیا تو تم انہیں قریب نہ کرو۔ اور جب اللہ نے اُن کو خائن قرار دے دیا ہے تو تم ان پر بھروسہ نہ کرو ۔ (۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کافر کے کاتب مقرر ہونے پر بھی خوش نہیں تھے تو اُن کے نزدیک کافر کا امیر بننا کیسے قابلِ قبول ہو سکتا تھا ۔

(ج) احکامِ شریعت کا علم :-

امام احمد نے اپنی مسند میں نافع بن الحارث سے روایت کیا ہے۔ نافع کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عمرؓ نے مکہ میں عامل مقرر

(۱) الاموال ۳۵ ۔ مصنف بن ابی شیبہ ۱ /۱۶۰ ب (۲) سنن البیہقی ۱۰ /۱۲۷ ، ۹ /۲۰۴ المغنی ۱ /۴۵۳ ، ۴۷۵/۲ ، ۸ /۵۳۲

کیا تھا ۔ پھر میری ملاقات حضرت عمرؓ سے عسفان میں ہوئی تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اہلِ وادی پر کس کو اپنا نائب بنا کر آئے ہو ۔ میں نے کہا ابنِ ابزی کو ۔ آپؓ نے پوچھا یہ کون ہے ۔ میں نے بتایا کہ ہمارے موالی میں سے ہے ۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا تم نے ان پر ایک مولیٰ کو اپنا نائب بنایا ہے ۔ اس پر میں نے کہا کہ وہ کتاب اللہ کا قاری ہے علم فرائض کا عالم اور قاضی ہے ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا یہی وہ بات نہیں جس کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ اس کتاب کی وجہ سے بعض لوگوں کو عزت دیتا ہے اور بعض لوگوں کو ذلیل کر دیتا ہے ۔ (۱)

(د) شجاعت :-

ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا میرے لیے یہ بہتر ہے کہ میں اللہ کے دین کی تبلیغ کے معاملے میں کسی قسم کی ملامت سے نہ ڈروں یا میرے لیے یہ بہتر ہے کہ میں اپنی اصلاح کروں اور عبادت میں لگا رہوں ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس کے پاس مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری ہو یعنی امیر ہو اُس کا فرض یہی ہے کہ وہ کسی ملامت کے خوف کے بغیر اللہ کے احکام جاری کرے لیکن جس پر ایسی ذمہ داری نہ ہو اُس کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ اپنی ذات کی اصلاح کرے اور اپنے حکمران کی خیر خواہی کرتا رہے ۔ (۲)

(ھ) تجربہ :-

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حکومت کرنے کا سزاوار نہیں مگر ایسا شخص جس میں یہ چار اوصاف پائے جاتے ہوں ۔ نرمی ہو لیکن کمزوری نہ ہو ، مضبوطی ہو لیکن سختی نہ ہو ، کم خرچی ہو

(۱) مسند احمد ۱ /۳۵ (۲) مصنف عبدالرزاق ۱۱ /۲۲۳

لیکن بُخل نہ ہو اور سخاوت ہو لیکن اسراف نہ ہو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک وصف بھی موجود نہ ہو گا تو باقی تین اوصاف بھی بیکار ہو جائیں گے۔ (۱)

(و) تقویٰ:۔

تقویٰ ہی وہ وصف ہے جو انسان کو ان کاموں کے کرنے پر آمادہ کرتا ہے جن کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان کاموں سے بچنے پر آمادہ کرتا ہے جن سے اللہ نے منع کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بالعموم امراء ایسے افراد میں سے منتخب کرتے تھے جن میں یہ وصف پوری طرح پایا جاتا تھا؛ چنانچہ آپ نے سعید بن عامر بن حذیم کو پروانہ بھیجا کہ تم کو شام کے ایک حصہ کا عامل مقرر کیا جاتا ہے۔ تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ سارا بوجھ تم میرے اوپر ڈال کر خود گھروں میں بیٹھ جاؤ۔ جب سعید نے حضرت عمرؓ کا یہ اصرار دیکھا اور انہیں اندازہ ہوا کہ حضرت عمرؓ انہیں نہیں چھوڑیں گے تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو بہت خوب نصیحت کی اور کہا کہ اے عمرؓ! اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنا رُخ اور اپنے فیصلوں کو ان سب لوگوں کے لیے درست رکھو جنہوں نے تم کو اپنا نگران بنایا ہے، خواہ وہ قریبی ہوں یا دُور کے رہنے والے۔ اور دوسرے لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو (۲)

اور حضرت عمرؓ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کسی بدکار کو یہ جانتے ہوئے کہ وہ بدکار ہے عامل بناتے وہ خود بھی اُسی جیسا ہے۔ (۱)

(ز) کام کرنے کی رغبت:۔

حضرت عمرؓ کی منصوبہ بندی یہ تھی کہ کسی ایسے شخص کو کوئی ایسا کام سُپرد نہ کیا جائے جس کے کرنے کی اُسے رغبت نہ ہو اور جس کے بارے میں وہ پُوری طرح مطمئن نہ ہو الا یہ کہ کوئی مجبوری ہو۔ تاکہ کارکردگی بہترین ہو۔ آپ نے ایک مرتبہ لوگوں کو جمع کیا اور ان کو عراق کی جنگ کے لیے ترغیب دلائی لیکن کوئی نہیں اٹھا۔ دوسرے روز آپ نے پھر بلایا اور ترغیب دلائی لیکن پھر کوئی نہیں اُٹھا۔ تیسرے دن پھر آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور ترغیب دلائی لیکن پھر کوئی نہیں اُٹھا۔ چوتھے روز سب سے پہلے ابو عبید بن مسعود ثقفی اُٹھے اور ان کے بعد لوگ پے درپے آنے لگے اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے ابو عبید کو امیر بنا دیا اور وہ اہل بھی تھے، اگرچہ صحابی نہیں تھے۔ حضرت عمرؓ سے کہا گیا کہ آپ نے کسی صحابی کو کیوں امیر نہیں بنایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کو امیر بنایا ہے جس نے دعوتِ جہاد پر لبیک کہا ہے۔ (۲)

۳۔ اگر متعدد افراد میں یہ صفات موجود ہوں تو اُن میں سے حکمرانی کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جس میں یہ صفات زیادہ مکمل صورت میں پائی جاتی ہوں خواہ وہ نوجوان ہو یا بوڑھا۔

بوڑھے کو چھوڑ کر جوان کو امیر بنانا بشرطیکہ جوان زیادہ اہل ہو اس روایت سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ کی سرِراہ ایک قافلہ سے ملاقات ہوئی جو حج کے لیے جارہا تھا۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو تو ان میں سے

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۸/ ۲۹۹

(۲) مصنف عبدالرزاق: ۱۱/ ۳۴۸

(۱) سیرۃ عمر بن الخطاب لابن الجوزی ۱۴۴ (۲) البدایۃ والنہایۃ ۷/ ۲۶

ایک نوجوان نے جواب دیا۔ عباد اللہ المسلمون (اللہ کے مسلمان بندے)، آپؓ نے پوچھا: کہاں سے آئے ہو۔ اُس نے جواب دیا۔ من الفج العمیق (تنگ گھاٹی سے) آپؓ نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے۔ اُس نے کہا کہ البیت العتیق (اللہ کے قدیم گھر کا)، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بخدا قرآنی کلمات کا کیا خوب استعمال کیا ہے۔ پھر آپ نے پُوچھا: تمہارا امیر کون ہے تو اُس نے ایک معمر شخص کی جانب اشارہ کیا لیکن حضرت عمرؓ نے اس نوجوان سے جس نے عمدہ جوابات دیے تھے فرمایا کہ نہیں! بلکہ تم ہی امیر ہو (۱)

اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ اگر عورت مرد کی نسبت زیادہ باصلاحیت ہو تو کیا مرد کی بجائے اسے امیر بنایا جا سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے شفاؑ بنت عبداللہ عدویہ کو بازار کا نگران مقرر کیا تھا۔ یہ شفاء بڑی سمجھ دار اور باصلاحیت خاتون تھیں۔ حضرت عمرؓ ان کی رائے کو مقدم رکھتے تھے اور پسند فرمایا کرتے تھے اور دوسروں پر فضیلت دیتے تھے۔ (۲)

اور ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں ذکر کیا ہے کہ سمراء بنت نہیک اسدیہ نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا زمانہ مبارک پایا تھا اور کافی عمر رسیدہ تھیں۔ وہ جب بازار میں سے گزرتیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی تھیں۔ ان کے پاس ایک کوڑا تھا جس سے اُن لوگوں کو مارتی تھیں جو کسی بُرے کام میں مشغول ہوتے۔ (۳)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ امامتِ عظمیٰ (مملکت کی سربراہی اور نماز کی امامت) کے سوا عورت کو کسی بھی چھوٹے درجے کی سربراہی کے لیے نااہل نہیں سمجھتے تھے، اس فرمانِ نبوی کی بناء پر کہ جب نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ اطلاع ملی کہ اہلِ فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا والی بنا لیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوگی جس نے اپنی حکومت کا سربراہ عورت کو بنایا ہے۔ (۱)

۴۔ امارتِ عامہ یعنی خلافت کی باگ ڈور کی اہلیت:۔

ا۔ مسلمانوں کے ایسے اصحاب حل وعقد جن میں وہ تمام شرائط موجود ہوں جن کا ذکر (امارت: ۳) میں ہو چکا ہے، کسی ایسے شخص کو منتخب کریں گے جس کے بارے میں ان کی رائے ہو کہ وہ خلافت کے منصب کا اہل ہے؛ چنانچہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد اصحاب حل وعقد نے حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کیا اور لوگوں نے آپ کی بیعت کی اور اس طرح خلافت کا منصب آپ کے لیے طے پا گیا، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کا نام تجویز کیا اور حضرت عمرؓ کی بیعت کی گئی اور آپ خلیفہ بن گئے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ بیمار ہوئے تو آپ نے وصیت کی کہ میرے بعد حضرت عمرؓ کو خلیفہ مقرر کیا جائے اور یہ وصیت حضرت عثمانؓ نے تحریر کی تھی جو مسلمانوں میں پڑھ کر سنائی گئی۔ چنانچہ سب مسلمانوں نے اس کو تسلیم کیا اور سمع وطاعت اختیار کی۔ (۲) لیکن جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو آپ نے ان چھ صحابہ کے نام تجویز کیے جن سے بوقتِ رحلت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خوش تھے اور اُن میں سے ہر ایک اس کا اہل تھا کہ خلافت کی باگ ڈور

---

(۱) عبدالرزاق ۲/ ۹۲۰ (۲) المحلی ۹/ ۴۲۹، التراتیب الادار یہ ۱/ ۲۸۵ الاستیعاب ۱۸۶۸ (۳) الاستیعاب ۱۸۶۳۔

(۱) البخاری، المغازی، الترمذی، الفتن، النسائی، القضاء مسند احمد: ۵/ ۴۳ (۲) البدایۃ والنہایۃ ۷/ ۱۸

اُس کے سپرد کی جائے۔ اور اس قابل تھا کہ مسلمانوں کو سیدھے راستہ پر چلا سکے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا گیا کہ حضرت عمرؓ کو جب برچھی ماری گئی تو آپؓ نے فرمایا کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے کلالہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے اور نہ میں نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کیا ہے اور میری وفات کے وقت جو مسلمان غلام موجود ہوں وہ سب اللہ کے مال کے بدلے میں آزاد ہیں۔ اس پر سعید بن زید نے کہا کہ اگر آپ مسلمانوں میں سے کسی کے بارے میں رائے ظاہر کر دیں تو لوگ آپؓ پر بھروسہ کریں گے، حضرت ابوبکرؓ نے بھی تو اسی طرح کیا تھا اور لوگوں نے آپ پر اعتماد کیا تھا۔ حضرت عمرؓ بولے۔ مجھے اپنے بعض ساتھیوں میں بُری حرص محسوس ہوتی ہے اس لیے میں خلافت کے معاملہ کو ان چھ افراد کے سپرد کر رہا ہوں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت تک راضی تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے اُن دو شخصوں میں سے کوئی مل جاتا اور میں معاملہ اُن کے سپرد کر دیتا تو میں اُن پر اعتماد کر سکتا تھا۔

(۱) سالم مولی ابو حذیفہؓ (۲) ابو عبیدۃ بن الجراحؓ (۱)

پھر حضرت عمرؓ نے وصیت کی کہ ان کے بعد ان چھ حضرات کی شوریٰ ہوگی۔ حضرت عثمان بن عفانؓ۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ۔ حضرت زبیر بن العوامؓ۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ آپ نے ان اصحاب میں حضرت سعید بن زید

(۱) مسند الامام احمد: ۱ / ۲۰

(۲) البدایۃ و النھایۃ ۷ / ۱۳۷

بن عمرو بن نفیل عدوی کو اس لیے شامل نہیں کیا کہ وہ آپ کے قبیلہ سے تھے، لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ خلیفہ کے انتخاب میں اس نسبت کا لحاظ کیا جائے۔ (۱)

(ب) اہلِ حل وعقد کے انتخاب کے بعد ان منتخبین کو عوامی شوریٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور جسے عوامی اکثریت کی تائید حاصل ہو جائے گی وہ امیر المومنین بن جائے گا اور اللہ کے احکام کے مطابق اُمت میں حکمرانی کرے گا۔ حضرت عمرؓ اسی شوریٰ پر اصرار فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا اور ایک مرتبہ اپنے صاحبزادے عبد اللہ بن عمرؓ سے فرمایا کہ میری تین باتیں یاد رکھو۔ امارت شوریٰ کے ذریعہ ہے۔ اور عرب کا فدیہ ہر غلام کے بدلے میں ایک غلام اور باندی کے بیٹے کا فدیہ دو غلام ہیں اور کلالہ کے بارے میں وہی ہے جو میں نے کہا ہے۔ (۲)

اس شوریٰ کے سلسلہ میں اظہار رائے اس بیعت کی صورت میں ہوگا جو لوگ امام کی کریں گے۔ یہ بیعت یعنی اطاعت قبول کرنا بہت ضروری ہے، اس لیے کہ جوں ہی کوئی شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے، اس سے یہی بیعت لی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے ولی امر کی اطاعت کرے گا اور خود حضرت عمرؓ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اسلام میں داخل ہونے والے سے بیعت لیا کرتے اور اس سے فرماتے تھے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو نماز اللہ نے تم پر فرض کی ہے وقت پر ادا کرو، کیونکہ اس میں کوتاہی کرنے کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ اور خوش دلی کے

(۱) مصنف عبد الرزاق: ۵/۳۳۶، ۱۰/۳۰۱، ۳۰۲

ساتھ زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ اور بیت اللہ کا حج کرو اور ولی امر کی اطاعت کرو۔ اور ایک مرتبہ آپ نے یہ اضافہ فرمایا کہ جو عمل کرو اللہ کے لیے کرو۔ لوگوں کے لیے نہ کرو۔ (۱)

(ج) جب امام کی بیعت ہو جائے تو کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کی اطاعت سے گریز کرے، جب تک امام اللہ کے احکام کے مطابق حکم دے اور نہ کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنی اطاعت کی یا کسی اور کی اطاعت کی دعوت دے، کیونکہ اس طرح مسلمانوں میں تفریق اور انتشار پیدا ہو گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر لوگوں کو اپنی یا کسی دوسرے کی امارت کی جانب دعوت دے تو تمہارے لیے اس کی اطاعت جائز نہیں اور اس کی سزا یہ ہے کہ اُسے قتل کر دو۔ (۲)

اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ اگر امام اسلام سے منحرف ہو جائے اور اصحاب حل و عقد مصلحت یہی خیال کریں کہ اس امام کو ہٹا دیا جائے اور کسی دوسرے کو امام مقرر کر دیا جائے تو اس نئے امام کی طرف دعوت دینے اور اس کی اطاعت کی بیعت کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے، اس لیے کہ یہ عمل مسلمانوں کے مشورے سے طے پایا ہے۔

(د) اور یہ بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے کہ امام مقرر ہو جانے کے بعد کسی دوسرے کی بیعت جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۱/۳۳۰ (۲) مصنف عبدالرزاق ۵/۴۴۵

ایک خلیفہ کی بیعت منعقد ہو جانے کے بعد دوسرے امیر کی بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کر دو۔ (۱) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں (۲)

(۵) امیر کے فرائض:۔

امیر کو اللہ تعالیٰ نے جہاں منصب عظیم عطا فرمایا ہے، وہاں اس پر نہایت عظیم ذمہ داریاں بھی ڈالی ہیں اور نہایت گراں بار فرائض اس کے ذمے کیے ہیں۔ ان ذمہ داریوں اور فرائض کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ سے حسب ذیل آثار منقول ہیں۔

(الف) اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور لوگوں کو دین کی تعلیم دینا۔ کیونکہ اسلامی حکومت کے قیام کی غرض و غایت ہی یہی ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ ان امراء سے جنہیں آپ مختلف علاقوں میں بھیجتے تھے یہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو میں تمہیں حاکم اور جابر بنا کر نہیں بھیج رہا ہوں، بلکہ میں تمہیں راہ ہدایت کے ایسے رہنما بنا کر بھیج رہا ہوں جن سے ہدایت حاصل کی جائے۔ حضرت عمرؓ نے ایک موقعہ پر یہی بات سب سربرآوردہ لوگوں کی موجودگی میں فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں مختلف علاقوں میں جو امراء بھیجتا ہوں وہ اس غرض سے بھیجتا ہوں کہ وہ وہاں کے لوگوں کو دین سکھائیں (۳)

(ب) اسلامی تعلیمات کی حفاظت:۔

امیر کے فرائض میں اسلامی تعلیمات کی حفاظت بھی

(۱) مسلم (الامارۃ) (۲) البیہقی ۸/۱۴۴
(۳) خراج ابی یوسف ۱۴۱

داخل ہے تاکہ منحرف افراد اور مسلمانوں کے درمیان سازشیں اور ریشہ دوانیاں کرنے والے لوگ اسلامی تعلیمات کی پاکیزگی اور نورانیت کو گدلا اور دھندلا نہ کریں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو تحریر کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے علاقہ میں کچھ لوگوں نے زمانہ جاہلیت کے انداز میں نعرہ بلند کیا ہے اور قبیلہ ضبہ کے لوگوں کو یاآلِ ضبہ کہہ کر جوش دلایا ہے۔ اُنہیں آپ خوب سرزنش کیجیے اور ایسی جسمانی اور مالی سزا دیجیے کہ اگر اُن میں دینِ اسلام کا فہم و شعور پیدا نہ ہو تو یہ منتشر ہی ہو جائیں۔ (۱)

ج) اسلامی سرزمین کی حفاظت

اسلامی اصول وضوابط انسانوں کے قائم کئے بغیر قائم نہیں ہو سکتے اور انسانوں کے رہنے کے لیے بہرحال کسی خطۂ زمین کی ضرورت ہے، لہٰذا خود اسلامی اصول و ضوابط کو بھی خطۂ زمین کا احتیاج ہوا۔ بنابریں زمین بھی اسلامی حکومت کا ایک ستون قرار پائی اور زمین کی مدافعت اور حفاظت خود اسلامی اصولوں کی حفاظت ہوئی چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہاری جانب سے میرے ذمہ ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ مَیں سرحدوں کے تحفظ کا انتظام کروں۔ (۲)

د) اسلامی مملکت کے شہریوں کا تحفظ

اسلامی مملکت کے شہری خواہ مسلمان ہوں یا ذمی، ان کی حفاظت بھی خلیفہ کے فرائض میں داخل ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت جو وصیت فرمائی

(۱) المحلی ۹/۳۷۱ (۲) خراج ابی یوسف ۱۴۱

اُس میں ہے کہ مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جن کا ذمہ اللہ اور رسولؐ نے اُٹھایا ہے یعنی غیر مسلم ذمی اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، اُن کی حفاظت کے لیے جہاد کیا جائے اور اُن کی طاقت سے زیادہ اُن پر بوجھ نہ ڈالا جائے (۱)

(ھ) رعیت میں عدل و انصاف عام کرنا

اس عدل کی متعدد صورتیں ہیں۔

۱۔ مظلوم کو ظالم سے اس کا حق دلانا۔ اس کے بارے میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں کسی کو یہ اجازت نہیں دوں گا کہ وہ کسی پر ظلم اور زیادتی کرے۔ مَیں ظالم کو اس قدر مجبور اور ذلیل کروں گا کہ اس کو گرا کر اس کے ایک گال کو خاک آلود کروں گا اور دوسرے گال پر پاؤں رکھوں گا یہاں تک کہ وہ حق کے سامنے جھک جائے (۲)

۲۔ لوگوں کو اُن کی اہلیت کے مطابق مقام و مرتبہ دینا: حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ سب لوگوں کو ایک ساتھ آنے کی اجازت دے دیتے ہیں؛ لہٰذا میرا یہ خط ملنے کے بعد آپ پہلے باعزت لوگوں اور اہلِ قرآن کو اور اہلِ تقویٰ اور اہلِ دین کو بلایئے، جب وہ اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں تب عام لوگوں کو اجازت دیجیے۔ (۳) نیز آپ نے تحریر فرمایا کہ ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ بعض معزز لوگ عام لوگوں کی ضروریات امیر تک پہنچاتے ہیں، اُن کا اکرام کرو کہ یہ لوگ ایک کمزور مسلمان کے لیے فیصلے

(۱) الاموال ۱۲۶ (۲) اخبار القضاۃ، وکیع ۱/۲۸۶
(۳) اخبار القضاۃ ۱/۲۸۵، سنن البیہقی ۸/۱۶۸

اور تقسیم میں انصاف حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔(۱)

۳۔ ٹیکس اور لگان عائد کرنے میں انصاف:۔ ہونا یہ چاہیے کہ کسی شخص پر اُس کی قدرت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت سے چار دن پہلے حضرت حذیفہ بن الیمان اور عثمان بن حنیف سے فرمایا کہ تم دونوں اپنے علاقہ کا جائزہ لو، کہیں تم نے زمین پر اتنا خراج تو عائد نہیں کر دیا جو وہاں کے لوگوں کی قوۃ برداشت سے زائد ہو۔ اس پر حضرت حذیفہ نے کہا کہ ہم نے اتنا ہی خراج عائد کیا ہے جو اس زمین کی پیداواری صلاحیت سے مطابقت رکھتا ہے اور وہاں کے لوگوں کے لیے اسی قدر چھوڑ دیا ہے جتنا حکومت کے لیے لیا ہے اور حضرت عثمان بن حنیف نے کہا کہ میں نے زمین پر اتنا ہی خراج عائد کیا ہے جتنی اس میں صلاحیت ہے اور وہاں کے لوگوں کے لیے قدرے زیادہ حصہ چھوڑ دیا ہے۔(۲)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس بکثرت مال آیا تو آپؓ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم نے لوگوں کو تباہ کر دیا ہے۔ اس پر عاملین نے کہا کہ نہیں! بخدا ہم نے وہ لیا ہے جو اُن کی ضروریات سے زائد تھا اور خالص انصاف کے مطابق لیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

۴۔ ٹیکس کی وصولیابی میں انصاف:۔ ٹیکسوں کی وصولیابی میں انصاف یہ ہے کہ قحط کے زمانے میں ٹیکس وصول نہ کیا جائے بلکہ فراوانی کے دنوں میں اور فصل کے آخری دنوں میں جب لوگوں کے پاس پیداوار آجائے اور وہ خوشحال ہو جائیں تب ٹیکس وصول کرنا چاہیے۔ سعید بن عامر بن حذیم حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو آپ نے کوڑا اٹھا لیا تو اُنہوں نے کہا کہ آپ تو بات سے پہلے ہی سزا دینے لگے۔ بہرحال اگر آپ سزا دیں گے تو ہم صبر کریں گے، اگر آپ معاف کر دیں گے تو ہم شکر گزار ہوں گے اور اگر آپ کو ہم سے کوئی شکایت ہو جائے تو ہم اس شکایت کے ازالہ کی کوشش کریں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بس یہی مسلمان کا فریضہ ہے۔ اب بتاؤ تم نے خراج کی رقم داخل کرنے میں اتنی دیر کیوں لگائی۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ آپ نے حکم دے رکھا ہے کہ ہم کاشت کاروں سے چار چار دینار سے زائد وصول نہ کریں۔ چنانچہ ہم اس سے زیادہ اُن سے وصول نہیں کرتے، بلکہ ہم نے اُنہیں فصلیں کٹنے تک مہلت دے دی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں اس عہدہ سے معزول نہیں کروں گا۔(۱)

۵۔ غربا کو زندگی کی کم ازکم ضروریات مہیا کرنے کی ضمانت فراہم کرنے میں عدل:۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے مجھے زندگی دی تو میں عراق کی بیواؤں کو اس حال میں چھوڑ کر جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی کا دست نگر نہ ہونا پڑے۔(۲) قحط سالی کے زمانے میں جب لوگ بھوک کا شکار تھے، حضرت عمرؓ نے جو مؤقف اختیار کیا وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ آپ نے اس مشکل کو حل کرنے میں

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶/۱۰۲، ۱۰/۳۷۱ (۲) الاموال ۴۳

(۱) الاموال ۴۳ ۔ المغنی ۸/۵۳۷ (۲) مصنف عبدالرزاق ۶/۱۰۳، ۱۰/۳۷۱

کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی بلکہ حکومت کے تمام وسائل
بھوکوں کی بھوک ختم کرنے میں لگا دیے۔ چنانچہ بیہقی نے
روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ قحط سالی کے دنوں میں
لوگوں پر خرچ کرتے رہے یہاں تک کہ بارش ہوگئی اور
یہ لوگ اپنے قافلوں میں روانہ ہوئے تو حضرت عمرؓ گھوڑے
پر سوار ہو کر اُن کو دیکھنے نکلے اور جب اُن کو اپنے بال
بچوں کے ساتھ رخصت ہوتے دیکھا تو حضرت عمرؓ آبدیدہ ہوگئے اس پر بنی محارب بن
خصفہ کا ایک شخص بولا کہ یہ جو آپ کی آنکھیں پُرنم ہو
گئیں یہ دلیل ہے اس بات کی کہ آپ فی الواقع مرد آزاد
ہیں۔ اُس کا مقصود حضرت عمرؓ کی تعریف کرنا تھا تو
حضرت عمرؓ نے کہا کہ مَیں نے جو کچھ خرچ کیا ہے وہ
اللہ کے مال میں سے کیا ہے نہ کہ اپنے مال میں سے۔(۱)

وہ امور جو عدل و انصاف قائم کرنے میں مددگار ہوتے
ہیں، درج ذیل ہیں۔

- امیر کا رعایا سے چھپ کر اور دُور دُور نہ رہنا۔ اور اپنے اور لوگوں کے درمیان کی ہر رکاوٹ کو دُور کر دینا تاکہ ہر مظلوم اپنی آواز حاکم تک پہنچا سکے۔ حضرت عمرؓ کو خبر پہنچی کہ حضرت سعدؓ نے دروازہ بنوالیا ہے اور اب لوگوں کی آوازیں اُن تک نہیں پہنچتیں، حضرت عمرؓ نے اُن کو پیغام بھیجا تو اُنہوں نے وہ دروازہ جلوا دیا اور محمد بن مسلمہ انصاری کو جو امراء کے پاس جانے کے لیے حضرت عمرؓ کے سفیر تھے، حضرت سعد کے پاس بھیجا۔ وہ سعد کا ہاتھ پکڑ کر باہر لائے اور اُنہیں کہا کہ یہاں لوگوں کے درمیان بیٹھیں۔ اس پر سعد نے اُن سے اپنے سابق رویہ کی معذرت کی (۱)

(۲) امیر کو چاہیے کہ براہ راست خود لوگوں کی تکالیف اور ناانصافیوں پر نظر رکھے اور اگر اُس کے پاس اس کام کے لیے فرصت نہ ہو تو قابل اعتماد افراد کا تعاون حاصل کرے۔ زہری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک قاضی مقرر نہیں کیا اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی قاضی مقرر نہیں کیا، البتہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے آخری ایام میں ایک شخص سے کہا تھا کہ لوگوں کے بعض امور کی انجام دہی میں تم میرا ہاتھ بٹایا کرو(۲) اور آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ صرف امیر ہی قضا کا کام انجام دے کہ ظالم اور جھوٹے گواہ کے دل میں اس کی ہیبت زیادہ ہوگی(۳)

(۳) دشوار امور میں امراء امیر المؤمنین کی جانب رجوع کریں۔ کیونکہ امام اپنے کام و مقام کی بناء پر دوسروں سے زیادہ دوررس نگاہ کا مالک اور زیادہ صحیح فکر رکھنے والا ہوتا ہے لہٰذا وہ اہم معاملات میں شوریٰ سے مشورہ لے کر زیادہ بہتر رائے اختیار کر سکے گا؛ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ اے لوگو! میں تمہیں امراء امصار پر گواہ بناتا ہوں کہ مَیں نے اُنہیں محض اس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔ اُن کی فئے اُن کے درمیان تقسیم کریں اور اُن کے جھگڑوں کے فیصلے کریں۔ اور اگر کوئی معاملہ اُن کے لیے دشوار ہو تو میرے

(۱) سنن البیہقی ۶/۳۵۷

(۱) المحلی ۹/۳۷۰ (۲) مصنف عبدالرزاق ۸/۳۰۲۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ یہ صاحب حضرت علی تھے اور وکیع نے اخبار القضاۃ میں کہا ہے کہ یہ یزید بن اخت النمر تھے (۳) عبدالرزاق ۱۱/۳۲۹

پاس بھیج دیں۔ (۱)

(ذ) عوام کے حالات کی خبر گیری:۔

امیر کو چاہیے کہ عوام کے مسائل و معاملات کا پتہ لگاتا رہے تاکہ اُن کے حقیقی حالات سے باخبر رہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ ہر ہفتہ کے دن عوالیٔ مدینہ کی جانب جاتے تھے اور اگر کسی غلام سے اس کی برداشت سے زیادہ کام لیا جارہا ہو تو اُس کے کام میں کمی کر دیتے تھے(۲)

حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام جبیر کے بیٹے سائب جو کہ خود بھی تابعی ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں سُنا کرتا تھا کہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کے لیے نکلا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کسی گھر کے پاس سے گزرے تو آپ نے سُنا کہ ایک عورت اپنے گھر میں یہ اشعار پڑھ رہی ہے۔

"یہ رات بہت لمبی ہے جس کے ستارے سرگرم سفر ہیں لیکن میرا رفیق موجود نہیں ہے جس سے میں دل بہلاؤں اور اُس کی معیت سے لطف اندوز ہوں تنہائی ایسی ہے کہ چاند بھی ایسا محسوس ہورہا ہے کہ میری نگرانی کر رہا ہو۔ خدا کے سوا کوئی نہیں ہے وہی نگران اور وکیل ہے اور ہماری زندگی کے ہر لمحے کو اس کا کاتب لکھ رہا ہے"

پھر اُس عورت نے لمبا سانس لیا اور بولی۔ عمرؓ کے لیے تو آسان ہے کہ اُس نے میرے شوہر کو بھیج دیا اور مجھے تنہائی کا شکار بنا دیا۔

حضرت عمرؓ یہ سب باتیں کھڑے سن رہے تھے۔ بولے۔ اللہ تجھ پر رحم کرے، پھر آپ نے اُس کے پاس

(۱) خراج ابی یوسف ۱۴۱ (۲) المؤطا ۹۸۰/۲

کپڑے اور کچھ رقم بھیجی اور اُس کے شوہر کو واپس آنے کے لیے لکھا۔

شعبی کی ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضرت عمرؓ اُم المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس گئے۔ حضرت حفصہؓ نے دریافت کیا کہ امیر المومنین اس وقت کیسے تشریف لائے ؟ حضرت عمرؓ نے کہا: بیٹی یہ بتاؤ کہ عورت اپنے شوہر کے بغیر کتنے دن گزار سکتی ہے ؟ اُنہوں نے فرمایا: چھ ماہ۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت عمرؓ کسی لشکر کو چھ ماہ سے زیادہ جنگ کی حالت میں نہیں رکھتے تھے۔

ابن الجوزی کی سیرت عمرؓ کا چونتیسواں باب حضرت عمرؓ کے گشت ہائے شبینہ کے واقعات پر مشتمل ہے۔

(ح) عوام کے فکری اور مادّی معیار کو بلند کرنا۔

۱۔ عوام کی فکری سطح بلند کرنے کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا یہ قول ذکر کر دینا ہی کافی ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ میں نے امراء کو محض اس لیے بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔ (۲)

۲۔ مادی لحاظ سے عوام کا معیار بلند کرنے کے بارے میں حضرت عمرؓ کا یہ قول کافی ہے کہ تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں تمہارے خراج میں سے اس فئے میں سے جو اللہ نے تمہیں دیا ہے کچھ نہ لوں مگر جائز طریقہ پر۔ مجھ پر تمہارا یہ حق عائد ہوتا ہے کہ جب فئے میرے ہاتھ میں آجائے تو وہ خرچ نہ ہو مگر حق کے مطابق۔ اور مجھ پر تمہارا یہ حق بھی ہے کہ میں تمہارے عطیات اور ماہانہ وظیفوں میں

(۱) سیرت ابن جوزی ص۔ ۱۰۷، المغنی میں یہ مدت چار ماہ ہے ۲۰۱/۷
(۲) خراج ابی یوسف: ۱۴۱

اضافہ کروں۔ انشاء اللہ (۱)

اور آپ نے ایک اور موقعہ پر فرمایا کہ اگر اللہ نے مجھے زندگی دی تو میں عراق کی بیواؤں کا ایسا انتظام کر جاؤں گا کہ انہیں میرے بعد کسی کا دستِ نگر نہ ہونا پڑے گا۔ (۲)

(ط) اُمّت کے مال اور اس کی دولت و ثروت کی حفاظت کرنا۔ اس سے پہلے حضرت عمرؓ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ جب فئے میرے ہاتھ میں آجائے تو وہ خرچ نہ ہو مگر حق کے مطابق۔

۱۔ حضرت عمرؓ اس امر کو قطعاً جائز نہیں سمجھتے تھے کہ اُمت کے مال میں سے ضرورت کے بغیر کچھ بھی صرف کیا جائے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ مال ایسا ہے کہ تین باتیں پائی جائیں تو یہ مال صحیح ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں کہ مال حق کے مطابق لیا جائے، حق کے مطابق دیا جائے۔ لینے اور دینے میں ناجائز طریقے اختیار نہ کئے جائیں تمہارے مال کے سلسلہ میں میری مثال مالِ یتیم کے ولی کی سی ہے یعنی اگر میرے پاس مال ہو اور مجھے اس مال میں سے لینے کی ضرورت نہ ہو تو میں اس مال سے احتراز کروں گا اور اگر میں فقیر ہوں گا تو میں جائز طریقے سے اپنے کھانے کے لیے لے لوں گا۔ (۳)

حضرت عمرؓ نے ایک ایسی مجلس میں جس میں احنف بن قیس بھی تھے خود اس امر کی تحدید کی انہیں اُمت کے مال سے کس قدر لینے کی اجازت ہے۔ چنانچہ احنف بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے دروازے پر بیٹھے تھے کہ ایک لونڈی آئی۔ ہم نے کہا کہ یہ امیر المومنین کی لونڈی ہے۔ اُس نے کہا کہ میں نہ امیر المومنین کی لونڈی ہوں اور نہ اُن کے لیے حلال ہوں، بلکہ میں اللہ کا مال ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ واپس چلی گئی اور حضرت عمرؓ باہر آئے اور آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے۔ میرے لیے اللہ کا مال کس حد تک حلال ہے۔ ہم نے کہا کہ امیر المومنین زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے پھر پوچھا۔ ہم نے پھر وہی جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتا دوں کہ میں اس میں سے کیا حلال سمجھتا ہوں۔ بس حج اور عمرہ کے لیے ایک سواری، سردی اور گرمی کا لباس اور پیٹ بھرنے کے بقدر اہلِ خانہ کی روزی۔ اور وہ حصہ جو مسلمانوں کو ملتا ہے کیونکہ میں بھی مسلمانوں میں سے ایک ہوں۔ معمر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جب حج اور عمرہ کے لیے جاتے تھے تو آپ کے پاس صرف ایک اُونٹ ہوتا تھا۔ (۱)

یہاں کچھ دیر رُک کر ہمارے لیے حضرت عمرؓ کے اس جُملے پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو آپ نے فرمایا کہ پیٹ بھرنے کے بقدر میرے اہلِ خانہ کی روزی، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کے مال میں سے صرف اُسی قدر لیتے تھے جس سے ان کے بچّوں کی بھوک مٹ جائے یعنی روٹی اور سالن۔ جہاں تک کسی پھل کا تعلق ہے تو بیت المال اس کی ادائیگی کا ذمہ دار نہیں تھا۔ بلکہ پھل وغیرہ آپ اپنے ذاتی مال میں سے خریدا کرتے تھے۔

(۱) خراج ابی یوسف ۱۴۱ (۲) مصنف عبدالرزاق ۱۰۳/۹

(۳) ۳۷۱/۱۰ خراج ابی یوسف ۱۴۱

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۰۴/۱۱

چنانچہ بیہقی روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو آپ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا کھانا بیت المال سے لیتے اور پھل آپ اپنے جیب خاص سے خریدا کرتے تھے (۱)

اور یہ سالن بھی جس کا بوجھ آپ بیت المال پر ڈالتے تھے حد درجہ معمولی ہوا کرتا تھا اور کسی طور پر بھی وہ اس سالن سے بہتر نہ ہوتا جو اس وقت کے تنگدست گھرانوں کو میسر آتا تھا۔ اور اس معاملہ میں حضرت عمرؓ تمام مسلمانوں کی خوشحالی اور تنگ حالی کو ملحوظ رکھا کرتے تھے ۔ اگر مسلمانوں پر خوشحالی ہوتی تو حضرت عمرؓ اپنے لیے بھی نسبتاً سہولت اختیار فرماتے اور اگر مسلمانوں پر تنگی کا دور ہوتا تو حضرت عمرؓ بھی اپنے اہل و عیال کے لیے تنگی برقرار رکھتے ۔ لوگوں نے تنگی اور قحط سالی کے زمانے میں حضرت عمرؓ کو اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال کے لیے تنگی برقرار رکھتے خود دیکھا۔ اور یہ بھی کہ آپؓ خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود اس معیار کی غذا استعمال نہ فرماتے جو آپ کو اپنے گراں بار فرائض منصبی کی ادائیگی کے لیے قوت بخش ہو۔ چنانچہ اُم المؤمنین حضرت حفصہؓ، ابن مطیع اور عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور ان سب نے آپؓ سے اس سلسلے میں گفتگو کی اور کہا کہ اگر آپؓ عمدہ غذا استعمال کرتے تو وہ آپ کو حق کی خدمت کے لیے زیادہ قوت مہیا کرتی ۔ آپؓ نے فرمایا کہ کیا تم سب کی یہی رائے ہے؟ سب نے کہا جی ہاں ! تو آپ نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم خیر خواہی سے بات کر رہے ہو، لیکن میں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو اسی راستے پر دیکھا ہے۔ اگر میں اُن کا راستہ چھوڑ دوں گا تو میں اُن کی منزل پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ایک مرتبہ لوگوں پر قحط کا سال آیا تو حضرت عمرؓ نے سارا سال گھی استعمال نہ کیا اور نہ کوئی روغنی چیز تا آنکہ قحط دُور ہو گیا اور لوگ خوشحال ہو گئے۔ (۱)

امام نووی نے المجموع میں ذکر کیا ہے کہ قحط کے سال حضرت عمرؓ تیل سے روٹی کھاتے رہے، یہاں تک کہ آپؓ کے پیٹ سے قرقر کی آواز آنے لگی مگر آپ نے فرمایا کہ خواہ تو کتنا ہی قرقر کر، جب تک گھی فراوانی سے بازار میں نہیں آجاتا تجھے اسی طرح تیل کھانا پڑے گا۔ (۲)

امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ گھی سے روٹی کھا رہے تھے کہ آپؓ نے ایک شخص کو بلایا جو دیہات سے آیا تھا۔ وہ بھی کھانے میں شریک ہو گیا اور لقمے پر لقمہ لینے لگا اور پیالہ پر لگا ہوا گھی چاٹنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے پوچھا کہ تم تنگدست ہو تو اُس نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے اتنی مدت سے گھی نہیں کھایا اور نہ کسی کو کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں گھی نہیں کھاؤں گا جب تک کہ لوگ اسی طرح کی غذا نہ کھانے لگیں جیسی پہلے کھایا کرتے تھے۔ (۳)

۲- حضرت عمرؓ اس سے زیادہ کوئی بوجھ بیت المال پر نہیں ڈالتے تھے اور اس کے علاوہ تمام دیگر اخراجات اپنے

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۱/۲۲۳ (۲) المجموع ۱۰/۲۲۸

(۳) الموطا ۲/۹۳۲

ذاتی مال میں سے کرتے تھے۔ اگر آپ کا مال یہ مصارف پورے کرنے کے لیے کافی ہوتا اور اگر آپ کے پاس گنجائش نہ ہوتی تو اپنے ایسے مالدار رفقاء سے قرض لے لیتے جن سے قرض لینے میں آپ کوئی حرج محسوس نہ کرتے۔

ابو عبید کتاب الاموال میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف سے چار سو درہم قرض منگا بھیجے۔ اس پر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا کہ آپ مجھ سے کیوں قرض لیتے ہیں کہ آپ کے پاس بیت المال موجود ہے آپ اس میں سے لے لیں اور پھر واپس لوٹا دیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ بیت المال سے لینے میں مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اگر میرا انتقال ہو گیا تو تم اور تمہارے ساتھی کہو گے کہ یہ مال امیر المومنین کے لیے چھوڑ دو اور اُن کے ترکے میں سے وصول نہ کرو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روزِ قیامت مجھے اس کا حساب دینا ہوگا۔ میں تم سے اسی لیے قرض لے رہا ہوں کہ مجھے معلوم ہے کہ تم بخیل ہو۔ اگر میں مر جاؤں گا تو تم آکر میری میراث میں سے لے جاؤ گے۔ (۱)

پھر اگر آپؓ کو ان رفقاء سے اتنا قرض نہ ملتا جس سے آپ اپنی ضرورت پوری کر سکیں تب آپ بیت المال سے قرض لیتے جو ذرا سہولت پیدا ہوتے ہی لوٹا دیتے۔ چنانچہ آپؓ کے غلام یرفاء نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے کہا کہ اللہ کا یہ مال میرے لیے یتیم کے مال کی مانند ہے میں ضرورت کے وقت اس میں سے لے لیتا ہوں اور آسانی پیدا ہوتے ہی لوٹا دیتا ہوں۔ (۱)

۳- حضرت عمرؓ بیت المال کے مال کے سلسلے میں یہ سختی صرف اپنے اوپر روا نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے تمام رشتہ داروں سے بھی اسی طرح معاملہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے ایک قریبی رشتہ دار نے آپ سے کچھ رقم طلب کی تو آپ نے اُسے سرزنش کی اور اسے دینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت تو وہ چلے گئے۔ بعد ازاں خود حضرت عمرؓ اُن سے ملے اور فرمایا کہ کیا آپ میرے پاس اس لیے آئے تھے کہ میں آپ کو اللہ کے مال میں سے دے دوں۔ میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا جب میں اس سے ایک خائن حکمران کی صورت میں ملوں گا۔ تم نے مجھ سے میرے مال میں سے کیوں نہ مانگا۔ بعد ازاں آپ نے اُسے بہت سا مال اپنے پاس سے دیدیا۔(۲)

اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ پر رحم کرے کہ وہ اُمّت کا مال بچانے کے لیے اپنا مال قربان کر دیتے تھے۔

۴- حضرت عمرؓ اُمّت کے مال کی حفاظت میں اس قدر باریک بین تھے کہ آپ کے بیٹے نے جنگ جلولاء کی غنیمتیں خرید لیں تو آپؓ نے واپس کرا دیں اور فرمایا کہ یہ گناہ ہے کیونکہ وہ امیر المومنین کا بیٹا ہے۔(۳)

(ی) کاروبارِ حکومت کو اعتدال کے ساتھ چلانا جس میں نہ سختی ہو نہ نرمی :-

حضرت عمرؓ نے جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا عامل بنا کر بھیجا تو اُنہیں رہنما اصول تلقین کرتے

---

(۱) اموال ابی عبید : ۲۶۸

(۱) المحلی ۳۲۲/۸ (۲) مصنف عبد الرزاق ۱۰۵/۱۱، کنز العمال، ۱۱۹۷۳ (۳) المغنی : ۳۴۴/۸

ہوئے اُن سے کہا تھا کہ عصا اور کوڑے کے استعمال میں محتاط رہنا اور ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا جسے نرمی سمجھا جائے لیکن کمزوری نہ ظاہر ہو اور جسے سختی سمجھا جائے لیکن ظلم نہ ہو۔ (۱)

(ک) فوج پر ناقابلِ برداشت بوجھ نہ ڈالنا: کیونکہ لشکر پر ناقابلِ برداشت بوجھ ڈالنے سے اُن کی روحانی قوت کم ہو جائے گی اور اُن کی جنگی صلاحیت متاثر ہو گی اور اس طرح لشکروں میں بددلی پیدا ہو گی اور حکمرانوں پر اُن کا اعتماد مجروح ہو گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں اور تمہیں سرحدوں پر محصور نہ رکھوں (۲)۔ ایک لشکر کے سربراہ سے آپؓ نے کہا کہ اپنے لشکروں سے کافروں کا مقابلہ اُن کی طاقت کے مطابق کرو۔ جب اپنے فوجیوں میں اکتاہٹ محسوس کرو تو جہاد بند کر دو، کیونکہ دشمن سے جہاد کے لیے یہی بہترین پالیسی ہے۔ (۳)

حضرت عمرؓ نے جب حضرت خالد بن ولیدؓ کو معزول کر کے حضرت ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار بنایا تو اُن کو لکھا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں جو باقی رہنے والا ہے اور جس کے سوا ہر چیز فنا ہو جائے گی اور جس نے ہمیں گمراہی سے بچا کر صراطِ مستقیم کی ہدایت کی اور کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کی روشنی عطا کی۔ میں خالد بن ولیدؓ کے لشکر پر تمہیں والی مقرر کر رہا ہوں۔ تم پر مسلمانوں کے جو حقوق ہیں اُنہیں

(۱) اخبار القضاۃ ۱/ ۲۸۵ (۲) خراج ابی یوسف ۱۴۱
(۳) خراج ابی یوسف ۱۴۱

پورا کرنا اور غنیمت کے لالچ میں کبھی اُن کو ہلاکت میں نہ ڈالنا اور اُن کو کبھی کسی نئی منزل کی طرف اس سے قبل نہ لے جانا کہ اُسے اُن کے لیے آسان نہ بنا لو۔ اور وہاں آنے اور جانے کے بارے میں پوری معلومات حاصل نہ کر لو۔ اور کوئی فوجی دستہ نہ بھیجو جب تک اُس کے ساتھ حفاظت کے لیے کچھ لوگ نہ ہوں۔ اور مسلمانوں کو ہلاکت میں ڈالنے سے بچو۔ اللہ نے تمہیں مجھ سے آزمانا ہے اور مجھے تم سے آزمانا ہے۔ اس لیے دُنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر لو اور اپنے قلب کو دنیا سے بے نیاز کر لو۔ اور لوگوں کو اس طرح ہلاکت میں ڈالنے سے بچو جیسے اُس نے ڈالا تھا جو تم سے پہلے تھا۔ اور تم نے دیکھ ہی لیا کہ وہ کس طرح ہلاک ہوئے۔ (۱)

(ل) عوام کے ساتھ کھلے دل سے پیش آنا۔ اور اُنہیں یہ احساس دلانا کہ حکمران کو اُن کا بہت زیادہ خیال ہے تاکہ حاکم پر اُن کا اعتماد بڑھے اور اُس کے ساتھ اُن کی محبت میں اضافہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو جب یہ اطلاع ملی کہ اُن کا عامل مریض کی بیمار پُرسی نہیں کرتا اور کمزور سے ملاقات نہیں کرتا تو آپ نے اُسے معزول کر دیا۔ (۲) ہم قبل ازیں (امارہ: ۵۔۱) کے عنوان میں بیان کر چکے ہیں کہ حاکمِ وقت اور عوام کے درمیان حجابات نہیں ہونے چاہئیں۔

(م) شہروں اور شہروں میں رہنے والے لوگوں کی طرف توجہ دینا: شہر اور باشندگان شہر ریاست کا ایسا چہرہ ہیں جس پر دشمن کے ان عمائدین اور عاملوں کی نظر ہوتی

(۱) البدایۃ والنہایۃ ۷/ ۱۹ (۲) خراج ابی یوسف ۱۳۰

ہے جو اسلامی ریاست میں شامل ہوتے ہیں، چنانچہ اگر وہ دیکھتے کہ شہری باشندے مضبوط اور متحد ہیں اور اپنے حاکم کے ساتھ مخلص ہیں تو دشمن کے دل میں اُن کا رعب اور ہیبت بیٹھ جاتی ہے۔ اور شہروں اور بستیوں میں رہنے والوں ہی میں سے فوجی اور لشکری ہوتے ہیں جو حق کی مدد اور کامرانی کے لیے اور اللہ کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے اپنی جانیں قربان کرتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا کام ہے جو بدوی سرانجام نہیں دے سکتے۔

اسی لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اہل شہر کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آئے کہ انہی کے ذریعہ اموال وصول ہوتے ہیں۔ وہی دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں اور مسلمانوں کی مدافعت کرتے ہیں۔ اور یہ کہ اُن کی فئے عدل و انصاف کے ساتھ اُن میں تقسیم کی جائے۔ اور اُن سے جو کچھ زائد لیا جائے وہ اُن کی رضامندی سے لیا جائے۔ (۱)

(ن) شعائرِ دین کو قائم کرنا، مسلمانوں کا امیرالمومنین ان کی نماز کا امام اور اُن کے جمعہ و عیدین کا خطیب ہوتا ہے۔ اگر کوئی امیرالمومنین کسی وجہ سے ان فرائض کو انجام نہ دے سکے تو ان فرائض کی انجام دہی کے لیے کسی کو اپنا نائب مقرر کر دے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ جب زخمی ہوئے تو آپؓ نے نماز کی امامت کے لیے حضرت صہیبؓ کو آگے کر دیا (۲)

اس مقام پر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اذان امیرالمومنین کے فرائض میں داخل نہیں ہے۔ (د اذان/۱/و)

(۱) خراج یحیٰی ۷۹ (۲) المحلی ۴/ ۲۰۸

۷۔ امیرالمومنین کیلئے ان گراں بار فرائض کی ذمّہ داری سے عہدہ برآء ہونا ممکن نہیں جب تک کہ وہ مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل نہ کرے۔

(الف) مخلص اور سچے معاونین حاصل کرے۔ کیونکہ امیرالمومنین کاروبارِ مملکت کی تمام ذمّہ داریوں سے تنہا عہدہ برآء نہیں ہو سکتا، اس لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں سے تعاون حاصل کرے اور جس قدر یہ معاونین مخلص ہوں گے اسی قدر عدل و انصاف بروئے کار آئے گا۔ اسی لیے امیر پر لازم ہے کہ وہ کسی رشتہ دار کی رشتہ داری اور ہمسائے کی ہمسائیگی کا لحاظ کیے بغیر ایسے افراد کا انتخاب کرے جو مفوضہ فرائض کی انجام دہی کے پوری طرح اہل ہوں۔

حضرت عمرؓ اس طرح کے متقی اور مخلص لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے اور ایسے ہی افراد کو فرائض سونپا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے سعید بن عامر بن حذیم جمحی کو شام کے کسی حصّے کا والی بنانا چاہا تو اُنہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ "نہیں بخدا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم لوگ ساری ذمہ داری میرے گلے میں ڈال کر خود اپنے اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے رہو" (۱)

قبل ازیں امارۃ کے عنوان کے تحت (امارہ/۲) ہم ان صفات کو بیان کر چکے ہیں جو حکومت کے معاونین اور کارکنوں میں ہونی چاہئیں۔ اور حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ جس نے کسی فاجر کو عامل مقرر کیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ وہ فاجر ہے تو وہ بھی اُسی جیسا ہے۔ (۲)

حضرت عمرؓ ان لوگوں کو سرزنش کیا کرتے تھے جو

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۱/ ۳۴۸ (۲) سیرت عمرؓ ابن الجوزی ۷۰

ضروری صلاحیتوں کو ملحوظ رکھے بغیر اپنے رشتہ داروں کو والی بنا دیتے تھے اور کہا کرتے تھے، کہ جس شخص نے رشتہ داری یا دوستی کی بنا پر کسی کو عامل بنایا اُس نے اللہ اور رسولؐ سے اور مومنین سے خیانت کی۔(۱)

امیر المومنین پر لازم ہے کہ جن لوگوں کو حکومت کے کاموں میں اپنی مدد کے لیے مقرر کرے، اُنہیں اس قدر مناسب تنخواہیں دے جس سے اُن کی معاش کی کفالت ہو اور اُن کی عزت و شرافت کا تحفظ ہو (د: فئے/۳ب۲)

(ب) حکومت کے ملازمین اور عمال کی نگرانی اور اُن کے حالات سے باخبر رہنا:۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں تم پر ایک ایسے شخص کو عامل بنا دوں جو ان سب سے بہتر ہو جنہیں میں جانتا ہوں اور اُسے عدل و انصاف کرنے کا حکم دے دوں تو کیا میں نے اپنا فرض پورا کر دیا؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں بلکہ میرا یہ فرض بھی ہے کہ میں دیکھوں کہ یہ عامل میرے احکام کی تعمیل بھی کر رہا ہے یا نہیں۔(۲)

اسی لیے آپ ایسے اشخاص روانہ کیا کرتے تھے جو امراء اور عمال حکومت کے بارے میں خفیہ طور پر معلومات جمع کرتے اور آپ کو اصل حقائق سے آگاہ کرتے۔ چنانچہ آپ نے اپنے عامل کعب بن مالکؓ کو لکھا کہ...... اما بعد اپنی ذمہ داریاں کسی شخص کے سپرد کر کے تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ارضِ سواد کے سفر پر روانہ ہو جاؤ اور ہر چھاؤنی پر وہاں کے عمال کے بارے میں معلومات جمع کرو اور دجلہ اور فرات کے مابین تمام عمال کے بارے میں اسی طرح اطلاعات اکٹھی کر کے بغداد کی چھاؤنی پہنچ جاؤ اور اسکے فرائض کی ذمہ داری سنبھال لو اور جس علاقے کا اللہ نے تمہیں والی بنایا ہے اس میں اللہ کے احکام کے مطابق عمل کرو (۱)

حضرت عمرؓ کے پاس جب وفود آتے تو آپ ان سے ان کے امراء کے بارے میں پوچھتے کہ کیا وہ مریضوں کی عیادت کرتے ہیں؛ غلاموں کی بات سنتے ہیں! ان کا طرزِ عمل کیسا ہے؟ کیا ان کے دروازے پر دربان ہوتا ہے؟ اگر ایک بات کا جواب بھی نفی میں ہوتا تو ایسے امیر کو آپ معزول کر دیتے تھے۔(۲)

(ج) عمال اور ملازمین کا احتساب اور مناسب تادیبی کارروائی:۔ یہ کارروائی کبھی مالی ہوتی تھی، کبھی جسمانی۔

۱۔ مال سے متعلق تادیبی کارروائی:

چنانچہ حضرت عمرؓ جب کسی کو عامل مقرر کرتے تو ایک جماعت کو گواہ بناتے جو انصار اور کچھ اور لوگوں پر مشتمل ہوتی اور اس پر چار شرطیں عاید کرتے اور وہ یہ کہ تُرکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا اور باریک کپڑا نہیں پہنے گا، چھنے ہوئے آٹے کی روٹی یعنی سفید روٹی نہیں کھائے گا اور لوگوں کے کاموں سے بچنے کے لیے اپنا دروازہ بند کر کے نہیں بیٹھے گا اور دربان مقرر نہیں کرے گا۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ مدینہ منورہ میں کسی مقام سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک شخص نے باآواز بلند کہا

---

(۱) سیرۃ عمرؓ ابن جوزی ۹۷ (۲) مصنف عبدالرزاق ۳۲۶/۱۱

(۱) خراج ابی یوسف: ۱۴۱ (۲) سُنن البیہقی: ۱۰۸/۱۰

کہ کیا آپ صرف شرطیں عاید کر کے اللہ کے یہاں سے بچ جائیں گے جب کہ مصر میں آپ کا مقرر کردہ عامل عیاض بن غنم باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس نے دربان مقرر کیا ہوا ہے؟ اس پر آپؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو بلایا، جنکو آپ عمال کی جانب سفیر بنا کر بھیجا کرتے تھے۔ اور اُن سے کہا کہ جاؤ اور عیاض بن غنم جس حال میں بھی ہو اُسے میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ دروازے پر دربان موجود ہے اور اندر گئے تو دیکھا کہ عیاض باریک قمیص پہنے بیٹھے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ امیرالمومنین نے آپ کو طلب کیا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے موقعہ دو کہ میں قبا پہن لوں۔ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ نہیں اسی طرح چلنا ہوگا۔ اور وہ اُنہیں اسی حال میں لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آ گئے۔ حضرت عمرؓ نے اُنہیں دیکھ کر فرمایا کہ یہ قمیص اتار دو! اور آپ نے اون کا جبہ اور بکریوں کا ریوڑ اور لاٹھی منگائی اور کہا کہ یہ اُونی جبہ پہنو، لاٹھی اٹھاؤ اور بکریاں چراؤ۔ اور دودھ بھی پیو اور جو تمہارے پاس سے گزرے اسے بھی پلاؤ اور جو افزائش ہو وہ ہمارے لیے محفوظ کر لو۔ کیا تم نے سُن لیا، اُس نے کہا جی ہاں لیکن اس زندگی سے موت بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ دہراتے رہے کہ کیا سُن لیا تم نے۔ اور وہ یہی کہتے رہے کہ ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم اس زندگی کو بُرا نہ سمجھو، تمہارا باپ بھی بکریاں چراتا تھا، اسی لیے اُس کا نام غنم تھا۔ پھر آپ نے پُوچھا کہ تمہارے پاس کچھ مال ہے، اُس نے کہا جی ہاں یاامیرالمومنین۔ آپ نے کہا وہ ہمیں لا دو۔ اور اُن کو پہلے کام پر واپس بھیج دیا اور اس کے بعد آپ کے کسی عامل نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔(۱)

عامر بن صعق نے دیکھا کہ عاملوں کے پاس مال کی کثرت ہو رہی ہے تو اس نے اُسے ناپسند کیا اور حضرت عمرؓ کو یہ اشعار لکھ کر بھیجے جن کا ابن عبدالحکم نے فتوح مصر میں ذکر کیا ہے۔

"میں امیرالمومنین کو خط لکھ رہا ہوں کیونکہ آپ مال اور حکومت میں اللہ کی طرف سے نگران ہیں، اس خط کے ذریعہ باخبر کر رہا ہوں کہ رساتیق اور جزا کے لوگ اللہ کا مال غصب کر رہے ہیں۔ آپ ذرا نعمان، جزء، اور بشر کا حساب و احتساب اور ان خرچیلے لوگوں کا پتہ لگائیں اور مزید یہ کہ بنی غزوان کے لوگوں کو بھی نہ بھولیں کیونکہ اُن لوگوں کے پاس بھی بہت مال ہے۔"

"آپ مجھے شہادت کے لیے طلب نہ کریں میں پس پردہ ہی رہنا چاہتا ہوں لیکن نیرنگئ زمانہ دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کے پاس خوبصورت گھوڑے، پردے اور جھالر اور سُرخ استار موجود ہیں۔ کوئی ہندی تاجر آجائے تو مشک کی خوشبو فوراً اُن کی ناک میں آجاتی ہے۔"

"حالانکہ ہم بھی انہی کے ساتھ تجارت کرتے اور انہی کے ساتھ جنگوں میں جاتے ہیں مگر نامعلوم ان کے پاس مال کہاں سے آگیا اور ہمارے پاس کیوں نہیں آیا۔"

"آپ ان سے ضرور آدھا مال واپس لے لیں (۲) کیونکہ اگر آپ اُن سے نصف پر فیصلہ کریں گے تو وہ ضرور اس تقسیم پر راضی ہو جائیں گے۔"

---

۱) خراج ابی یوسف ۱۲۹ ۲) کنز العمال: ۱۴۵۴۹

اس پر حضرت عمرؓ نے اپنے عمال کے پاس جن میں ابوہریرہؓ اور حضرت سعدؓ بھی تھے اپنا کارندہ بھیجا اور اُن سے مال کا ایک حصہ لے لیا۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ جب کسی کو عامل مقرر کرتے تو اُس کا مال لکھوا لیتے۔ (۲) یعنی سرکاری کام سُپرد کرتے وقت اُس کے اثاثوں کو شمار کر لیتے۔ بعد ازاں اگر اُس کے پاس زائد مال ہوتا تو حساب لیتے کہ یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟

۲۔ جسمانی سزا:۔

حضرت عمرؓ نے تقریر فرمائی اور کہا کہ مَیں تمہارے پاس عمال اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہیں ماریں پیٹیں اور تمہارا مال لے لیں۔ بلکہ میں اس لیے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمہارا دین سکھلائیں اور زندگی کے طور طریقوں سے آگاہ کریں۔ اگر کوئی عامل اس کے سوا کوئی رویّہ اختیار کرے تو اس کی اطلاع مجھے پہنچائی جائے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں ضرور اس سے بدلہ لوں گا۔ اس پر حضرت عمرو بن العاصؓ کھڑے ہو گئے اور گویا ہوئے کہ امیر المومنین اگر کوئی شخص مسلمانوں کا نگران ہو اور وہ اپنے ماتحتوں میں سے کسی کو برائے ادب سزا دے تو کیا آپ اس سے قصاص لیں گے۔

حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہاں قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں ضرور قصاص لوں گا اور میری کیا مجال ہے کہ میں قصاص نہ لوں جب کہ مَیں نے رسولؐ اللہ کو خود اپنی ذات سے قصاص دلاتے ہوئے دیکھا ہے۔(۱)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے عامل نے کسی شخص کو مارا تو حضرت عمرؓ نے اس سے قصاص دلوایا۔ اس پر حضرت عمروؓ بن العاص بولے کہ امیر المومنین آپ اپنے عاملوں سے بھی قصاص لیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں! عمروؓ بن العاص نے کہا کہ پھر ہم آپ کے عامل نہیں بنیں گے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ چاہے تم میرے عامل نہ بنو۔ (۲)

ابوزرعہ بن عمرو بن جریر بن عبداللہ البجلی سے مروی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ ایک شخص تھا جو بہت بلند آواز تھا اور دشمنوں پر اس کی گرفت سخت تھی۔ ایک جنگ میں جب غنیمت کا مال آیا تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اُسے اُس کے حصّے میں سے کچھ کم دیا، اُس نے کہا مَیں پُورا حصّہ لوں گا۔ اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اُسے بیس کوڑے مارے اور اس کا سر منڈوا دیا۔ اُس شخص نے اپنے بال جمع کیے اور حضرت عمرؓ کی طرف چل پڑا اور حضرت عمرؓ کے پاس پہنچ گیا۔

جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مَیں دوسروں کی نسبت حضرت عمرؓ کے زیادہ قریب بیٹھا ہوا تھا اُس شخص نے بال نکالے اور حضرت عمرؓ کے سامنے پھینکے اور کہا قسم بخدا اگر ...... ؛ حضرت عمرؓ درمیان میں بولے کہ اگر کیا ...... پھر فرمایا کہ واقعی سچ کہتا ہے اگر جہنم کا خوف نہ ہوتا پھر

(۱) الاموال، ۲۹۹ مصنف عبدالرزاق ؛ ۱۱/۳۲۳

(۲) کنزالعمال ۱۴۳۲۱

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۲) مصنف عبدالرزاق ۹/۴۶۴ ۲/۳۱۱ سنن احمد ۱/۴۱ المغنی ۷/۹۶۳

اُس شخص نے کہا۔ میں بلند آواز اور دشمن پر سخت قابو پانے والا شخص تھا۔ الغرض اُس نے پُورا واقعہ بیان کیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ فلاں شخص میرے پاس آیا ہے اور اس نے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ اگر تم نے ایسا کیا ہے تو میں نے بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر تم نے لوگوں کے سامنے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو میں بھی لوگوں کی موجودگی میں تم سے اس کا قصاص لوں گا اور اگر تم نے علیحدگی میں ایسا کیا ہے تو میں اسی طرح علیحدگی میں تم سے قصاص لوں گا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ انہیں معاف کر دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ پھر جب حضرت ابوموسیٰؓ قصاص دینے کے لیے بیٹھے تو اُس شخص نے اپنا منہ آسمان کی طرف کر کے کہا کہ اے اللہ میں نے معاف کر دیا۔ (۱)

حضرت عمرؓ اپنے امراء سے لوگوں کا بدلہ کس طرح نہ لیتے جب کہ وہ اپنی ذات سے بھی اُن کا قصاص لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے خود کو سعد کے سامنے قصاص کے لیے پیش کیا۔ (۲)

حبیب بن صہبان سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی پُشت اللہ کی حفاظت میں ہے، کسی کے لیے اس پر مارنا جائز نہیں ہے جب تک کہ حد کا معاملہ نہ ہو۔ اور حبیب بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود حضرت عمرؓ کو کھڑے ہو کر اپنی پشت پر کوڑے مارتے اور اپنے آپ سے کسی شخص کا قصاص لیتے دیکھا ہے (۳)

(۱) المحلی ۹/۸، (۲) مصنف عبدالرزاق ۹/۴۶۹ (۳) مصنف عبدالرزاق ۱۷۶۵۱

(د) دوسروں سے مشورہ لیتے رہنا:۔

حضرت عمرؓ بکثرت مشورے لیا کرتے تھے تاکہ فیصلہ میں غلطی نہ ہو۔ زہری کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں جوان اور بوڑھے علماء ہر وقت موجود رہتے اور کبھی کبھی حضرت عمرؓ اُن سے مشورہ کرتے وقت یہ وضاحت کر دیا کرتے کہ کوئی شخص ایسا نہ ہو کہ اپنی کم عمری کی بنا پر رائے نہ دے۔ کیونکہ علم کا تعلّق عمر کی کمی بیشی سے نہیں ہے بلکہ اللہ سبحانہٗ کے فضل سے ہے جس کو چاہے عطا کرے۔ (۱)

(ھ) خود کو رعایا کے لیے رہبر و رہنما بنانا:۔

حضرت عمرؓ نے کس قدر خوبصورت اور نورانی کلمات کہے ہیں اور ان الفاظ کے ذریعے آپ نے ہر حکمران کے لیے ایک ایسا رہنما اصول بیان کر دیا ہے کہ کسی حکمران کو اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے۔ اور وہ یہ کہ لوگ امام کو وہی کچھ پیش کریں گے جو خود امام اللہ کے حضور پیش کرے گا یعنی لوگ اس وقت تک امام کی اطاعت کریں گے جب تک امام اللہ کی اطاعت کرے گا اور جب حکمران آزادانہ چرنے لگے گا تو رعایا بھی اُس کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے چرنے لگے گی۔ (۲)

امام کا رعایا کے لیے مثالی نمونہ بننا حسبِ ذیل امور پر موقوف ہے۔

۱۔ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کے لوگوں کو ایسی باتوں سے بلند اور دُور رکھے جن میں تہمت کا اندیشہ ہو۔ اسی لیے حضرت عمرؓ کسی امیر کو تجارت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۴۴۰ الاعتصام ۲/۳۶۱، (۲) سنن البیہقی ۱۰/۱۳۵

لکھا کہ نہ خرید و فروخت کرو اور نہ کاروبار میں کسی دوسرے کے ساتھ شرکت کرو، نہ فیصلہ کے لیے رشوت لو اور نہ غصّہ کی حالت میں دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ (۱)

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ "امیر کی تجارت خسارہ ہے"۔(۲)

اپنے اہل و عیال کو دُور رکھنے کے لیے جو طرزِ عمل حضرت عمرؓ نے اختیار کیا: حضرت عمرؓ نے اپنے خاندان کے افراد کو لوگوں کے ساتھ تجارت کرنے کی اجازت تو دی لیکن حکومت کے ساتھ تجارت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ افرادِ خاندان میں سے کسی کو یہ اجازت نہیں تھی کہ وہ اموالِ عامہ میں سے کوئی شے خریدے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے لوگ تہمت عاید کریں (کہ حکمران خاندان نے اپنی سرکاری حیثیت سے فائدہ اٹھایا ہے) چنانچہ آپ کے ایک صاحبزادے نے جلولاء کی غنیمتیں خرید لیں تو آپ نے اُنہیں واپس کرا دیا اور فرمایا کہ اُس نے ایسا قدم اٹھایا ہے جس سے اُس پر تہمت لگ سکتی ہے۔ (۳)

حضرت عمرؓ اپنے خاندان کو حکومت کے مہیا کردہ رفاہِ عام کے اُمور سے بھی استفادہ کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ اس کی وجہ سے اُن کے اہلِ خاندان پر تہمت لگنے کا امکان ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اُونٹ خریدے جو دُبلے تھے۔ میں نے اُن کو چراگاہ میں چھوڑ دیا اور جب وہ موٹے ہو گئے تو میں اُنہیں بازار لے کر آیا۔ حضرت عمرؓ بازار میں آئے تو اُنہوں نے موٹے اُونٹ دیکھے تو پُوچھا کہ یہ کس کے ہیں۔ بتایا گیا کہ عبداللہ بن عمرؓ کے ہیں۔ آپ نے اُسی وقت عبداللہؓ کو بلوایا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں دوڑتا ہوا آیا اور پُوچھا کہ امیرالمؤمنین کیا بات ہے؟ آپ نے کہا کہ یہ کیسے اُونٹ ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ دُبلے اور کمزور اُونٹ تھے جو میں نے خرید کر چراگاہ میں بھیج دیے تھے اور میں اس فائدے کا متمنی تھا جو مسلمان حاصل کرتے ہیں۔ اس پر آپؓ نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے اُونٹوں کو دیکھ کر کہا ہوگا کہ امیرالمؤمنین کے صاحبزادے کے اُونٹ ہیں انہیں چراؤ اور امیرالمؤمنین کے صاحبزادے کے اُونٹوں کو پانی پلاؤ۔ اے عبداللہ اپنا اصل مال لے لو اور باقی مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دو۔ (۱)

۲۔ اپنی ذات پر اور اپنے خاندان پر قوانین و ضوابط کو نافذ کرنا:

حضرت عمرؓ خود کو اپنے فریقِ مخالف کے ساتھ عدالت میں رعایا کے ایک عام فرد کی حیثیت سے پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ اور ابی بن کعبؓ کے درمیان ایک باغ کے معاملہ میں نزاع ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ زید بن ثابتؓ میرے اور آپ کے درمیان ثالث ہیں۔ چنانچہ دونوں حضرت زیدؓ کے پاس آئے اور آپ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر آئے اور کہا کہ امیرالمؤمنین آپ مجھے بلوا لیتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا حَکَم کو فیصلہ کروانے کے لیے اپنے گھر بلایا جائے۔ زیدؓ نے تکیہ نکال کر حضرت عمرؓ کو پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ تمہاری پہلی ناانصافی ہے اور آپ تکیے سے ٹیک لگا کر نہیں بیٹھے۔ پھر دونوں نے بات شروع کی تو زیدؓ نے ابی بن کعبؓ سے کہا کہ گواہ تمہارے ذمے ہیں اور اگر تم گواہ نہ پیش کر سکو تو مدعی علیہ پر قسم ہے لیکن اگر تم امیرالمؤمنین کو قسم

(۱) عبدالرزاق ۸/۳۰۰ (۲) سُنن البیہقی ۱۰/۱۰۷ (۳) المغنی ۸/۴۷۲

(۱) سنن البیہقی ۶/۱۴۷

سے معاف رکھو تو بہتر ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرے اُوپر قسم ہے لیکن مَیں حلف نہیں اٹھاؤں گا۔(۱)

حضرت عمرؓ نے ایک عورت کو بلوایا جس کا خاوند غائب ہو گیا تھا اور اس کے ہاں لوگوں کا آنا جانا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس بات کو ناپسند کیا اور اُسے بلوایا۔ اُس سے کہا گیا کہ حضرت عمرؓ کے حکم کی تعمیل کرو۔ اُس نے کہا وائے میری بدبختی مجھے عمرؓ سے کیا۔ بہرحال وہ چلی لیکن ابھی راستہ ہی میں تھی کہ خوفزدہ ہو گئی اور اُسے دردِزہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ وہ ایک گھر میں داخل ہوئی اور اُس کے بچہ پیدا ہوا جس نے دو چیخیں ماریں اور مر گیا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ کے ذمے کچھ نہیں ہے، کیونکہ آپ والی ہیں، ادب و اصلاح آپ کے فرائض میں ہے۔ حضرت علیؓ خاموش تھے۔ آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ صرف اپنی رائے بتا رہے ہیں تو اُن کی رائے غلط ہے اور اگر یہ آپ کی خوشنودی کے لیے کہہ رہے ہیں تو یہ آپ کے خیرخواہ نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو اس کی دیت ادا کرنی ہو گی کیونکہ اس عورت کو آپ نے خوفزدہ کیا ہے جس کے نتیجے میں آپ کے پاس آتے ہوئے اُس کا اسقاط ہوا ہے۔ اس پر آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اس کی دیت قریش پر تقسیم کر کے اُن سے وصول کر لیں کیونکہ یہ قتل خطا ہے۔(۲)

حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ تمہاری کیا رائے ہے کہ اگر کوئی شخص زنا کرے یا چوری کرے اور مَیں اُسے دیکھ لوں۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا کہ آپ کی گواہی مسلمانوں میں سے کسی ایک شخص کی گواہی کی مانند ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، تم درست کہتے ہو۔(۱) (د اجنایت ۲ب/۲ج)

حضرت عمرؓ سرکاری احکام کی پابندی خود بھی کرتے تھے اور اپنے خاندان والوں سے بھی کراتے تھے، چنانچہ عبدالرزاق نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ جب لوگوں کو کسی بات کی ممانعت کرتے تو گھر میں تشریف لاتے اور کہتے کہ مَیں نے فلاں فلاں کام سے منع کیا ہے اور لوگ تمہاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے باز گوشت کی بوٹی کو دیکھتا ہے۔ اگر تم یہ کام کرو گے تو لوگ بھی کریں گے اور اگر تم محتاط رہے تو لوگ بھی احتیاط کریں گے۔ اور قسم بخدا اگر تم میں سے کوئی میرے پاس اس بنا پر لایا گیا کہ اُس نے اس کام کا ارتکاب کیا ہے جس سے مَیں نے لوگوں کو منع کیا تھا تو اُسے مَیں اپنے تعلق کی وجہ سے سخت ترین سزا دوں گا۔ اب جو چاہے کر گزرے اور جو چاہے محتاط رہے۔(۲)

اس اُصول کا اطلاق حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمٰن پر کیا، اُنہوں نے مصر میں شراب پی تو وہاں کے امیر نے اُنہیں حد کے کوڑے مارے۔ پھر حضرت

---

(۱) المحلی ۹/۳۸۱ (۲) عبدالرزاق ۹/۴۵۸، المحلی ۱۱/۲۴

(۱) عبدالرزاق ۸/۳۴۰ (۲) عبدالرزاق ۸/۳۴۰ خراج ابی یوسف ۲۱۲ المحلی ۹/۴۲۷

عمرؓ نے اُنہیں مدینہ منورہ بلوایا اور اپنے تعلق کی بنا پر دوبارہ کوڑے مارے (۱)

۲- حاکم کا خود کو افرادِ رعیت کے برابر سمجھنا اور اپنے اور اپنے خاندان کے کسی فرد کو کسی بات میں ذرا بھر بھی دوسروں سے ممتاز خیال نہ کرنا۔

اس معاملہ میں حضرت عمرؓ اس قدر منفرد سیرت و کردار کے حامل تھے کہ کوئی دوسرا امیر اس معاملہ میں آپؓ کی برابری نہیں کر سکتا۔

روایت ہے کہ عتبہ بن فرقد نے حضرت عمرؓ کو کھجور اور بلائی سے بنا ہوا ایک نہایت عمدہ حلوہ بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے لانے والے سے پوچھا کیا لشکر میں سارے مسلمان یہی کھا رہے ہیں۔ اس پر اُس نے کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر مجھے بھی مطلوب نہیں ہے اور آذربیجان میں عتبہ کو لکھا کہ یہ مال آپ کو آپ کی اپنی یا آپ کے باپ یا ماں کی کوششوں کے نتیجہ میں نہیں ملا ہے۔ مسلمانوں کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔(۲)

حضرت عمرؓ وہی کچھ کھاتے تھے جو لوگ کھاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب قحط سالی کا زمانہ آیا تو آپ نے صرف روٹی اور تیل پر اکتفاء کر لیا، کیونکہ عام لوگوں کو اس سے بہتر غذا میسر نہیں تھی۔ (د ا مارہ / ۵ ط ا)

حضرت عمرؓ اپنے افرادِ خاندان کے حق میں کسی امتیازی سلوک کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل وہ واقعہ ہے جو بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دو صاحبزادے عبداللہ اور عبیداللہ ایک لشکر کے ساتھ عراق روانہ ہوئے تھے۔ امیر بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اُنہیں خوش آمدید کہا اور کہا کہ اگر میں تمہارے فائدے کے لیے کچھ کر سکا تو ضرور کروں گا، پھر کہنے لگے ہاں! یہ اللہ کا مال ہے جو میں امیر المومنین کو بھیجنا چاہتا ہوں، یہ میں تمہیں قرض دیتا ہوں۔ تم اس سے عراق کا سامان خرید لو اور مدینہ منورہ پہنچ کر فروخت کر دینا، پھر اصل مال امیر المومنین کو دے دینا اور نفع تم رکھ لینا۔ یہ دونوں اس کیلئے تیار ہو گئے اور اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری نے امیر المومنین کو لکھ دیا کہ اُن سے مال لے لیں۔ جب یہ دونوں مدینہ منورہ پہنچے تو اُنہوں نے سامان فروخت کر دیا اور منافع کمایا۔ اور جب مال لے کر حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو اُنہوں نے پوچھا کہ کیا ابوموسیٰ نے سارے اہلِ لشکر کو اسی طرح قرض دیا ہے جس طرح تمہیں دیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ نہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہیں یہ مال اس لیے دیا ہے کہ تم امیر المومنین کے بیٹے ہو، اس لیے اصل مال اور اس کا منافع بیت المال میں جمع کرا دو۔ چنانچہ عبداللہ نے یہ بات مان لی۔ لیکن عبیداللہ نے کہا کہ امیر المومنین یہ مناسب نہیں ہے کیونکہ اگر مال ضائع ہو جاتا یا اس میں کمی آجاتی تو ہم اس کے ذمہ دار ہوتے اور تاوان ادا کرتے۔ مگر حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مال اور اس کا منافع بیت المال میں جمع کرا دو۔ عبداللہ تو خاموش رہے لیکن عبیداللہ نے پھر اپنی بات دہرائی۔ اس پر حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ

(۱) عبدالرزاق ۹/ ۲۳۲ (۲) سنن البیہقی ۱۰/ ۱۲۸، ۳/ ۳۴۹

اے امیرالمومنین آپ اس معاملہ کو مضاربہ قرار دیجیے ، اس پر حضرت عمرؓ تیار ہو گئے اور اصل مال اور نصف منافع لے لیا اور نصف منافع عبداللہ اور عبید اللہ کو دے دیا۔ (۱)

۴) آسائش و زیبائش کے اعلیٰ تکلّفوں سے احتراز کرنا :۔
اگر امیر اور حکمران زندگی کی آسائشوں کو اختیار کرے گا تو رعایا کو شک ہو گا کہ حکمران اُن کے محاصل کی آمدنی میں سے اپنے آرام و آسائش پر خرچ کر رہا ہے اسی لیے حضرت عمرؓ جب کسی کو امیر مقرر کرتے تو انصار اور کچھ دیگر لوگوں کو گواہ بنا کر اس پر چار شرائط عائد کرتے کہ گھوڑے پر سوار نہیں ہو گے ، باریک لباس نہیں پہنو گے ۔ چھنے ہوئے سفید آٹے کی روٹی نہیں کھاؤ گے اور لوگوں کے کاموں سے بچنے کے لیے اپنے دروازے بند نہیں کرو گے اور نہ دروازے پر دربان مقرر کرو گے ۔ (۲)

- آخر میں ہم حضرت عمرؓ کا وہ بے نظیر خطبہ نقل کرتے ہیں جس میں آپ نے امیر کے بہت سے فرائض بیان کر دیئے ہیں ۔ یہ خطبہ آپ نے ایک دن لوگوں کے سامنے دیا تھا ۔

" اے لوگو! کسی بھی صاحبِ اختیار کو یہ حق نہیں کہ اُس کی کسی ایسے کام میں اطاعت کی جائے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو ۔ یہ مال صرف اُسی وقت درست ہے جب یہ تین شرائط کے مطابق ہو ۔ حق کے مطابق لیا جائے ، حق کے مطابق خرچ کیا جائے اور ناجائز ذرائع سے بچا جائے ۔ مَیں تمہارے مال کا اس طرح نگران ہوں جس طرح یتیم کا ولی اس کے مال کا نگران ہوتا ہے ۔ اگر میں غنی ہوں گا تو اس سے احتراز کروں گا اور اگر تنگ دست ہوں گا تو معروف کے مطابق کھاؤں گا ۔ اگر کوئی کسی پر ظلم یا زیادتی کرے گا تو مَیں اُسے نہیں چھوڑوں گا ۔ یہاں تک کہ اُس کے ایک گال کو زمین پر رکھ کر اپنا پاؤں اسکے دوسرے گال پر نہ رکھ دوں تاکہ وہ حق کو تسلیم کرے ۔ اے لوگو! تمہارے مجھ پر کچھ حقوق ہیں ، یہ حقوق تم مجھ سے وصول کرو ، تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں تمہارے خراج اور تمہاری فئے میں سے جو کچھ وصول کروں حق کے مطابق وصول کروں ۔ تمہارا مجھ پر یہ حق بھی ہے کہ جو خراج میرے پاس آئے وہ میرے پاس سے خرچ نہ ہو مگر اس جگہ جہاں اس کے خرچ کا حق ہو ۔ تمہارا مجھ پر یہ بھی حق ہے کہ مَیں تمہارے عطیات اور تنخواہوں میں اضافہ کروں اور تمہاری سرحدوں کی حفاظت کروں ، تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں اور تمہیں سرحدوں پہ نہ روکے رکھوں ۔ اب یہ ایسا زمانہ آگیا ہے جس میں امانت دار کم ہیں قرآن پڑھنے والے زیادہ اور سمجھنے والے کم ہیں اور لوگوں کی آرزوئیں بڑھ گئی ہیں ۔ لوگ کام آخرت کا کرتے ہیں لیکن اس سے دنیا طلب کرتے ہیں ۔ یہ ایسا عارضہ جو دین کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے ۔ جو بھی اِس صورتِ حال سے دوچار ہو اُسے چاہیے کہ وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے ۔

اے لوگو! اللہ نے اپنے حق کو مخلوق کے حق پر فوقیت

(۱) المحلی : ۹/۲۳۰ (۲) مصنف عبدالرزاق ۱۱/۳۲۳

دی ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ، کا فرمان ہے ۔

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ

(آل عمران ۸۰)

"وہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بنالو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے جب کہ تم مسلم ہو"۔

یاد رکھو! میں نے تم کو لوگوں پر حکومت کرنے والا اور ظالم حکمران بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ میں تم کو ہدایت بہم پہنچانے والا مقتدا بنا کر بھیجتا ہوں۔ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو۔ ان کو مار کر ذلیل نہ کرو، نہ اُن کی تعریف کرکے اُن کو فتنہ میں مبتلا کرو اور اپنے دروازے اُن پر بند نہ کرو کہ اُن کے طاقتور اُن کے کمزوروں کو کھا جائیں۔ خود کو اُن پر ترجیح نہ دو کہ یہ اُن پر ظلم ہو گا اور اُن کے لیے ناواقف نہ بنو اور اُن کی قوت کو کام میں لا کر کافروں سے قتال کرو۔ اگر اہلِ لشکر اکتاہٹ محسوس کریں تو قتال سے رُک جاؤ کہ دشمن کے ساتھ جہاد کرتے وقت یہ امر بہت نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے۔

"اے لوگو! میں تمہیں امراء امصار پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اُنہیں محض اس لیے بھیجا ہے تاکہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔ فئے تقسیم کریں۔ جھگڑوں کے فیصلے کریں۔ اور کوئی دشواری ہو تو معاملہ میری طرف بھیجیں۔ (۱)

۸) رعایا پر امیر کے حقوق ؛

رعایا پر امیر کے جو حقوق ہیں وہ درج ذیل ہیں ۔

(الف) ایسے تمام اُمور میں امیر کی اطاعت لازم ہے جن سے اللہ کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔ سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ مجھ سے عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ امیر کی اطاعت کرو اگرچہ وہ نکٹا غلام ہو۔ (۱)

(ب) امیر کی خیر خواہی کرنا ؛

رعایا پر امیر کی خیر خواہی واجب ہے، چنانچہ روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں اللہ کے احکام کی تعمیل میں کسی ملامت گر کی ملامت سے خوف نہیں کھاتا۔ خواہ میں صاحب اختیار ہوں یا معاملہ میرا اپنا ہو، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی معاملہ کا والی بنایا گیا ہو، اُسے اللہ کے احکام کی تعمیل میں کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے، لیکن جس پر کوئی ذمہ داری نہ ہو، اُسے چاہیے کہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ دے اور ولی امر (امیر) کی خیر خواہی کرے[۲]۔

حضرت عمرؓ چونکہ امیر المومنین تھے، اس لیے اکثر افراد اُن کو نصیحت کرتے تھے اور حضرت عمرؓ اُن کی نصیحت شکریہ کے ساتھ اور دعا دے کر قبول کر لیا کرتے تھے ۔

حضرت عمرؓ نے سعید بن عامر بن حذیم جمحی کو لکھا کہ وہ اُنہیں شام کے ایک حصّہ کا عامل بنانا چاہتے ہیں تو اُنہوں نے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں قسم بخدا یہ نہیں ہو سکتا کہ ساری ذمہ داری میرے کندھوں پر ہو اور تم گھروں میں آرام سے بیٹھے رہو۔ جب سعید نے حضرت عمرؓ کا یہ اصرار دیکھا تو اُنہوں نے نصیحت کی کہ

(۱) خراج ابی یوسف ۱۴۱

(۱) المحلی ۲۳۰/۹ (۲) مصنف عبدالرزاق ۳۴۳/۱۱

اے عمرؓ اللہ سے ڈرو اور دُور و نزدیک کے جو مسلمان تمہاری رعایا ہیں اُن کے فیصلے اور کاموں میں راست رو رہو۔ لوگوں کے لیے وہی بات پسند کرو جو اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے پسند کرتے ہو اور جو بات اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے ناپسند کرتے ہو وہ ان کے لیے بھی ناپسند کرو۔ ایک ہی طرح کے معاملہ میں دو فیصلے نہ کرو جس سے رائے منتشر ہو جائے اور تم راہِ حق سے ہٹ جاؤ۔ حق کی خاطر ہر خطرے میں گھس جاؤ اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈرو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے سعید اس کی کون قدرت رکھتا ہے۔ سعید بولے، جس پر اللہ وہ ذمے داری ڈال دے جو تم پر ڈالی ہے۔ تمہارا کام محض اتنا ہے کہ تم حکم دو، اطاعت کی جائے یا نافرمانی ہو، تمہاری طرف سے حجت پوری ہو گئی۔ (۱)

امامة

۱۔ نماز کی امامت۔

(الف) نماز کا امام۔ (د: صلاة / ۱۸ ب)

(ب) نماز جنازہ میں امامت کرنے کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے۔ (د: صلاة / ۲۴ ب)

(۲) امامت عامہ (خلافت)

امام میں کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے اور امام کے فرائض و حقوق کیا ہیں۔

(د: امارة)

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۱/ ۳۴۸

امان

۱۔ تعریف:۔ امان کا مطلب یہ ہے کہ کسی محارب (برسرِ جنگ) شخص کو ان شرائط کے مطابق جو معاہدہ امن میں طے پائیں جان، مال، عزت اور دین کے تحفظ کا اطمینان دلایا جائے۔

۲۔ امان کی قسمیں:

امان کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ابدی امان: اسے عقدِ ذمہ بھی کہتے ہیں۔ (د: ذمہ)

وقتی امان: جو ہمیشہ کے لیے نہ ہو۔ اس امان کو اسلامی حکومت ختم کر سکتی ہے۔ جب وہ محسوس کرے کہ مفادِ عامہ کا تقاضا یہی ہے کہ اسے ختم کر دیا جائے اور امان کی یہی وہ قسم ہے جس پر ہم یہاں گفتگو کریں گے۔

۳۔ امان کے ارکان:

امان کے تین ارکان ہیں۔

(۱) امان دینے والا (۲) جسے امان دی جائے (۳) اور وہ الفاظ جن سے امان دی جائے۔

(الف) امان دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عاقل، بالغ صاحبِ اختیار مسلمان ہو اور اس سلسلہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ مرد ہے یا عورت اور آزاد ہے یا غلام۔ (۱)

اس اصول کی بنا پر کافر کا امان دینا صحیح نہیں ہے اگرچہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمن سے برسرِ پیکار ہو کیونکہ وہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے سلسلہ میں متہم بالکفر ہے، لہٰذا اس کی خیانت سے بے خوف نہیں

(۱) المغنی ۸/ ۳۹۶

ہوا جاسکتا۔

بچّے کی امان بھی صحیح نہیں ہے اس لیے کہ وہ اس عمل کے دُور رس اثرات کا پُوری طرح اندازہ نہیں کر سکتا۔ اور بے وقوف اور مجنون کی بھی امان صحیح نہیں ہے اور اس شخص کی بھی امان صحیح نہیں ہے، جسے کسی بھی طریقے سے امان دینے پر مجبور کیا گیا ہو۔ (دا اکراہ)

عورت کی امان صحیح ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر ابوالعاص بن الربیع کو امان دی جسے آپ نے برقرار رکھا[1] اسی طرح اُم ہانیؓ بنت ابی طالب نے اپنے دیوروں میں سے دو اشخاص کو امان دی اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی امان کو بھی برقرار رکھا اور فرمایا کہ اے ام ہانی جس کو تم نے امان دی اس کو ہم نے بھی امان دی[2]

عورت کی امان کا صحیح ہونا زمانہ رسولؐ اور صحابہ کرام میں ایک عام بات تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی عورت مسلمانوں کی مصلحت کے برخلاف بھی کسی کو امان دے دے تو جائز ہے۔ [3]

مسلمان غلام کا امان دینا بھی صحیح ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مسلمان غلام مسلمانوں ہی میں سے ہے اور اس کی امان مسلمانوں کی امان ہے۔ [4]

حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمانوں نے ایک قلعہ کا

(۱) سیرت ابن ہشام: ۱/۶۵۷، (۲) صحیح البخاری، الجہاد، باب امان المراۃ، ومسلم، الحیض، تستر المغتسل بثوب (۳) ابوداؤد، الجہاد، امان المراۃ، سنن الترمذی، السیر، امان العبد والمراۃ (۴) عبدالرزاق ۵/۲۲۵ المغنی ۸/۳۹۸

محاصرہ کر لیا، ایک غلام نے امان لکھی اور تیر پہ باندھ کر اُن کی جانب پھینک دی۔ مسلمانوں نے کہا کہ غلام کی امان ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو معلوم نہیں ہے کہ کون غلام ہے اور کون آزاد۔ غرض یہ معاملہ حضرت عمرؓ کو تحریر کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ مسلمانوں کا غلام مسلمانوں ہی میں سے ہے۔ اور اس کا ذمہ مسلمانوں کا ذمہ ہے[1] ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے تحریر کیا کہ مسلمان غلام مسلمانوں ہی میں کا ایک فرد ہے اور اس کا ذمہ مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ [2]

(ب) مستامن (امن طلب کرنے والا)

معاہدہ امن پر مرتب ہونے والے اثرات کو متعین کرنے میں طلب امان کی غرض وغایت بہت بڑا رول ادا کرتی ہے اور اسی غرض وغایت کے مختلف ہونے سے امن طلب کرنے والوں کے احوال مختلف ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ امن طلب کرنے والوں کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ وہ لوگ جو اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے امان طلب کریں۔ ایسے لوگ جب امان طلب کریں تو انکار کرنا جائز نہیں۔ ان کو امان دی جائے تاکہ وہ بلادِ اسلامیہ میں داخل ہوں۔ اسلامی تعلیمات سے آگاہی حاصل کریں اور اگر چاہیں تو

(۱) الاموال ۱۸۷، خراج ابی یوسف ۲۲۳، سنن البیہقی ۹/۹۴
(۲) المغنی ۸/۳۹۷

اسلام قبول کرلیں اور اسلامی ملک میں قیام کریں اور چاہیں تو اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے اسلامی حکومت کے باشندے بن کر ہمیشہ کے لیے وہیں رہ جائیں۔ جس صورت میں یہ لوگ اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے اسلامی ملک میں رہنا چاہیں تو امام کو اختیار ہے کہ اس بات سے اتفاق کرے اور ان سے عقدِ ذمہ کر کے ان پر جزیہ عاید کر دے اور اگر چاہے تو اتفاق نہ کرے اور وہ اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے اپنے ملک واپس چلے جائیں۔ اندریں صورت امام پر لازم ہے کہ انہیں واپسی کی سہولتیں بہم پہنچائے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ

(التوبہ : ۶)

"اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تاکہ اللہ کا کلام سنے) تو اُسے پناہ دے دو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اُسے اُس کے مامن تک پہنچا دو۔"

امان طلب کرنے والوں میں سے دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اسلامی ممالک میں تجارت کی غرض سے آنا چاہتے ہیں تاکہ اپنا مال اسلامی علاقے میں فروخت کریں اور یہاں سے مالِ تجارت خرید کر اپنے علاقے میں لے جائیں۔

اگر مسلمانوں کا امیر چاہے تو ان لوگوں کو برائے تجارت اسلامی حکومت میں آنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ اندریں صورت ان پر اسلامی حکومت کے بعض مالی واجبات یعنی عُشر وغیرہ (دہ عشر/ ۳۱۷) بھی واجب ہوں گے جو وہ اسلامی حکومت کو ادا کریں گے۔

اسلامی ملک میں اُن کے ٹھہرنے کی مدت کا تعین کیا جائے گا جس کے اختتام پر انہیں جانا ہوگا۔ ایک نصرانی بوڑھا حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ منورہ آیا اور اُس نے کہا کہ میں نصرانی ہوں اور تمہارے عامل نے مجھ سے دو مرتبہ عُشر لے لیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اپنے عامل کو لکھا کہ سال میں ایک ہی مرتبہ عُشر وصول کیا کرو اور انہیں حجاز میں تین دن سے زائد ٹھہرنے کی اجازت نہ دو۔ (۱) اور اگر امیر المومنین چاہے تو انہیں بلادِ اسلامیہ میں داخل ہونے سے بھی منع کر سکتا ہے۔

۲۔ سفارتی مقاصد کے لیے امان طلب کرنے والے جو اس غرض سے آنا چاہیں کہ اپنی حکومت کا پیغام امیر المومنین تک پہنچا سکیں، اُن کو سفیر کہا جائے گا۔

مسیلمہ کذاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو سفیر بھیجے جو مسیلمہ کا یہ خط لے کر آئے جس میں لکھا ہوا تھا :

"مسیلمہ اللہ کے رسول کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف، اما بعد میں نے خود کو اس معاملہ میں تمہارے ساتھ شریک کر لیا ہے اور ہمارے لیے نصف سرزمین اور قریش کے لیے نصف سرزمین ہے لیکن اہل قریش سرکش لوگ ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط پڑھ کر ان دونوں سے فرمایا کہ تم دونوں کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو اس خط میں ہے۔ اس پر رسول اللہ

(۱) المغنی ۸ / ۵۲۹

نے فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ (۱)

۴۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ پر ہتھیار اُٹھائے تھے۔ یہ اگر اپنی جان کی حفاظت کے لیے امان طلب کریں تو مسلمانوں کو اختیار ہے کہ چاہیں تو اُنہیں امان دے دیں اور چاہیں نہ دیں۔ ایسے شخص کو امان اس حالت میں بھی دی جاسکتی ہے کہ وہ مسلّح ہو اور اُس کے فرار ہوتے ہوئے بھی دی جاسکتی ہے اور اس کے قید ہونے کے بعد بھی دی جاسکتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو اس کے قید ہونے کے بعد امان دی، جس کا واقعہ آگے آرہا ہے۔

ج) امان کے الفاظ:۔

ان تمام لفظوں اور اشاروں سے امان منعقد ہو جاتی ہے جن سے محارب امان کا مفہوم سمجھے۔ چنانچہ اگر کوئی مسلمان محارب سے کہہ دے کہ تیرے اُوپر کوئی حرج نہیں ہے یا یہ کہہ دے کہ گھبراؤ نہیں یا ڈرومت، تو اُس نے اسے امان دے دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی نے دشمن سے کہہ دیا کہ خوفزدہ نہ ہو۔ یا یہ کہہ دیا کہ ڈرومت، تو اُس نے اُسے امان دے دی۔[۲]

جب مسلمانوں نے تستر کا محاصرہ کیا اور حضرت عمرؓ کا حکم مان کر ہرمزان نے ہتھیار ڈال دیے اور قلعہ سے نیچے اُتر آیا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اُسے ایک وفد میں جس میں انس بن مالکؓ اور احنف بن قیسؓ بھی تھے، حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے کہا کہ تم نے غداری کا انجام اور اللہ کی گرفت دیکھ لی۔ اُس نے کہا کہ اے عمرؓ جب ہم اور تم زمانہ جاہلیت میں تھے جب اللہ نے ہمیں اور تمہیں کھلا چھوڑا ہوا تھا۔ وہ نہ تمہارے ساتھ تھا نہ ہمارے ساتھ تو ہم تم پر غالب آگئے تھے۔ لیکن اب جب اللہ تمہارے ساتھ ہے تو تم غالب آگئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم زمانہ جاہلیت میں ہم پر اس لیے غالب آگئے تھے کہ تم متحد تھے اور ہم متفرق تھے۔ پھر آپ نے پُوچھا کہ تمہارے پاس اس بار بار کی عہد شکنی کا کیا جواز ہے۔ وہ بولا مجھے اندیشہ ہے کہ آپ میرے جواب دینے سے پہلے ہی مجھے مروا دیں گے۔ آپ نے کہا کہ ڈرو مت۔ اس کے بعد ہرمزان نے پانی مانگا تو اُسے ایک موٹے بھدے پیالے میں پانی دیا گیا۔ اُس نے کہا کہ میں مر بھی جاؤں تو اس پیالہ میں پانی نہ پیوں گا، پھر اُسے دوسرے پیالے میں پانی لا کر دیا گیا، جو اُس کی پسند کے مطابق تھا۔ پھر جب اُس نے پیالہ لیا تو اُس کا ہاتھ کانپنے لگا اور بولا مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں پانی پیتے ہوئے نہ مارا جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب تک تم پانی نہ پی لو تم پر کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ یہ سُن کر اُس نے پیالہ اوندھا دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اسے دوبارہ پانی پلاؤ اور قتل اور پیاس کو جمع نہ کرو۔ وہ بولا مجھے اب پانی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو اپنی پریشانی دُور کرنا چاہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اب میں تمہیں قتل کروانا ہوں۔ وہ بولا کہ آپ نے مجھے امان

---

(۱) سیرت ابن ہشام ۲/۶۰۰، سُنن ابی داؤد، الجہاد، سُنن الدارمی، السیر (۲) المغنی: ۸/۳۸۹

دے دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تو جھوٹ بولتا ہے اس پر حضرت انسؓ نے کہا کہ امیر المومنین یہ سچ کہتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا میں مجزاۃ اور براء کے قاتل کو امان دے سکتا ہوں۔ انسؓ نے کہا کہ آپ نے کہا تھا کہ تم پر اس وقت تک کوئی اندیشہ نہیں ہے جب تک تم مجھے ساری بات نہ بتا دو اور پانی نہ پی لو ۔ یہی بات دوسروں نے بھی کہی جو اس وقت موجود تھے اس پر حضرت عمرؓ اس کے قتل سے باز رہے اور ہرمزان مسلمان ہو گیا۔ (۱)

حضرت عمرؓ نے امیر لشکر کو لکھا۔ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم میں سے بعض لوگ عجمی کافر کو بلاتے ہیں اور جب وہ پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے اور لڑائی بند کر دیتا ہے تو ایک شخص اُس سے کہتا ہے کہ ڈرو مت اور جب موقع ملتا ہے تو اُسے قتل کر دیتا ہے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اگر کسی کو ایسا کرتے دیکھ لوں گا تو اُس کی گردن اڑا دوں گا۔ (۲)

امان جس طرح الفاظ سے منعقد ہوتی ہے اسی طرح اشارہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مشرکین میں سے کسی کو بلائے اور آسمان کی طرف اشارہ کرے تو اُس نے اُسے اللہ کی امان دے دی اور وہ اللہ کے عہد اور میثاق ہی پر اُترا ہے۔ (۳)

اگر الفاظ یا اشاروں میں کوئی اشتباہ ہو تو اس کی تعبیر محارب کے حق میں کی جائے گی، کیونکہ وہی کمزور فریق ہے اور یہی وجہ ہے کہ اشارے کے مفہوم کے سلسلے میں اُسی کے سمجھنے کا اعتبار ہوگا جسے امان دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مسلمان نے یہ اشارہ کیا کہ اگر تو اُترا تو میں تجھے قتل کر دوں گا اور دشمن یہ سمجھا کہ اُسے امان دی گئی ہے تو یہ امان ہے (۱)

۴ - امان کے نتائج :-

جب کسی کو امان دی جائے تو اُس کے درج ذیل حقوق ثابت ہو جائیں گے۔

(الف) وہ اللہ کا کلام سننے کے لیے اسلامی مملکت میں داخل ہو سکتا ہے تاکہ اسلام کے اصولوں سے واقفیت حاصل کرے نیز اپنے بادشاہ کا پیغام امیر کو پہنچا سکتا ہے اور تجارت کے لیے خرید و فروخت کر سکتا ہے۔

(ب) جان کا تحفظ :- جسے امان دے دی جائے اس کے جان و مال، مذہب اور جسم و عزت کو تحفظ حاصل ہوگا۔ اگر کوئی مسلمان اس کے ان امور میں کسی طرح کی دست درازی کرے گا تو اُسے ویسی ہی سزا دی جائے گی جیسی کسی ایسے ذمی شخص سے تعرض پر دی جاتی ہے جو اسلامی حکومت کا شہری ہو۔

اور امام مالکؒ نے مؤطا میں حضرت عمرؓ سے جو یہ روایت نقل کی ہے کہ اُنہوں نے ایک امیر لشکر کو لکھا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بعض لوگ تم میں سے کافر عجمی کو بلاتے ہیں۔ جب وہ پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے اور لڑائی سے باز آجاتا ہے تو ایک شخص اُس سے کہتا ہے کہ مت

---

(۱) الخراج ابی یوسف ۲۴۴، المغنی ۸/۴۸۹، سنن البیہقی ۹/۹۶
(۲) البدایۃ والنہایۃ ۷/۸۰، الاموال ۱۱۲، المغنی ۸/۴۸۹، ۴۹۸
سنن البیہقی ۹/۹۶ (۳) المؤطا ۲/۴۴۸

(۱) عبدالرزاق ۵/۲۲۲

ڈر، پھر قابو پاکر اُس کو مار ڈالتا ہے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر مجھے کسی کے بارے میں ایسا کرنے کی اطلاع ملے گی تو اسکی گردن مار دونگا (۱)

تو اس کا تعلق خاص حالات سے ہے، کیونکہ اُس نے اُسے قتل کرنے کے لیے دھوکہ دیا ہے اور اس طرح دھوکہ سے قتل کرنا اسلام میں قتل سے بھی بُرا ہے اندریں صورت قاتل کو سیاستاً قتل کیا جائے گا، مستامن پر دست درازی کی وجہ سے نہیں۔

اُم (ماں)

میراث میں ماں کے احوال (د : ارث / ۵ ی)

ماں کا اپنے بچّہ کی پرورش کا حق (د : حضانۃ / ۲ / ب)

اپنے بیٹے کو جہاد کی اجازت دینا۔ (د : جہاد / ۴)

اُم الولد:

اُم الولد کے احکام۔ (د : رق / ۴)، (د : بیع / اب ۲)

اناء (برتن)

۱۔ کافروں کے برتنوں کا استعمال اور اُن سے وضو کرنا جائز ہے اور جب تک ان کے نجس ہونے کا یقین نہ ہو جائے، یہ برتن پاک متصور ہوں گے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی عورت کے مٹکے سے وضو کیا۔ (۲)

زید بن اسلم سے مروی ہے کہ ہم شام میں تھے کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پانی لایا گیا۔ آپ نے اس سے وضو کیا پھر آپ نے پُوچھا کہ یہ پانی کہاں سے لائے ہو۔ ہم نے اس سے زیادہ شیریں اور خوش ذائقہ پانی نہیں دیکھا نیز آپ نے کہا کہ کوئی نہری یا بارش کا پانی اس سے اچھا نہیں ہے۔ میں نے بتایا کہ میں اس نصرانی بوڑھی عورت کے گھر سے لایا ہوں۔ جب آپ نے وضو کر لیا تو آپ اس بڑھیا کے پاس گئے اور کہا کہ تم اسلام قبول کر لو سلامتی پاؤ گی۔ اللہ سبحانہٗ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اُس نے اپنا سر کھولا جو برف کی مانند سفید تھا اور کہنے لگی میں تو اب مرنے والی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ " اے اللہ تو گواہ رہ " (۱)

۲۔ برتن پر چاندی کا ملمع چڑھانا اور چاندی چڑھے برتن کو پانی پینے کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے ملمع شدہ برتن سے پانی پیا اور اپنا منہ دونوں کناروں کے درمیان رکھا۔ (۲)

۳۔ وہ برتن جن میں نبیذ بنانا حرام ہے۔ (د : اشربہ / ۲ / ج)

ایلاء

۱۔ تعریف :۔ ایلاء کے معنی ہیں اپنی بیوی سے جماع نہ کرنے کی قسم کھالینا۔

۲۔ ایلاء کی مدّت :۔

(الف) ایلاء کی مدّت آزاد شخص کے لیے چار ماہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر (البقرة : ۲۲۶)

---

(۱) الموطا ۲ / ۸۴۴ (۲) المجموع ۱ / ۳۲۳ والمغنی ۱ / ۸۴

(۱) السنن البیہقی ۱ / ۳۲ (۲) المغنی ۸ / ۳۲۲

"جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں اُن کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔"

اگر ایلاء کی تاریخ سے چار ماہ گزر جائیں اور وہ اپنی بیوی سے رجوع نہ کرے اور بیوی حاکم (عدالت) کے پاس مرافعہ لے جائے تو حاکم شوہر کو رجوع کا حکم دیگا۔ اگر شوہر رجوع کر لے تو بہتر اور نہ کرے تو اسے طلاق کا حکم دے گا۔ غرض محض چار ماہ کی مدت گزر جانے سے بیوی کو طلاق نہیں ہو جائے گی، بلکہ ضروری ہے کہ طلاق شوہر خود دے۔ (۱)

سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ چار ماہ کی مدت گزر جانے کو حضرت عمرؓ کوئی شئے قرار نہ دیتے تھے۔ (۲) ایک اور روایت میں یہ وضاحت ہے کہ اگر چار ماہ گزر جائیں تب بھی وہ اس کی بیوی رہے گی (۳) اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس پر کچھ نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ طلاق دے یا بیوی کو اپنے پاس رکھے۔ (۴)

(ب) غلام کے لیے ایلاء کی مدت آزاد کی مدت کا نصف ہے، یعنی دو ماہ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ غلام کا ایلاء دو ماہ ہے۔ (۵)

۲۔ جس بیوی سے ایلاء کیا جائے اُس کی عدت:۔

حضرت عمرؓ کی ایسی کوئی صریح نص ہمیں نہیں ملی جس سے معلوم ہو کہ وہ بیوی جس سے ایلاء کیا گیا ہو چار ماہ گزرنے کے بعد عدت گزارے گی درآں حالیکہ فقہا نے عدت کے واجب ہونے کی وضاحت کی ہے۔

ایمان

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایمان کے کھونٹے چار ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، حج، امانت[۹]۔ اور ایمان اعمال صالحہ سے بڑھتا اور نشو و نما پاتا ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ اپنے ایک یا دو ساتھیوں کا ہاتھ پکڑتے اور اُن سے کہتے تھے کہ آؤ چلیں ہم اپنے ایمان میں اضافہ کریں۔ (۷)

---

(۱) المغنی ۷/ ۳۱۸ (۲) الطبری ۴/ ۴۸۹

(۳) المحلی ۱۰/ ۴۴ (۴) الطبری ۴/ ۴۸۸

(۱) عبدالرزاق ۷/ ۴۸۴ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۶۵ ب

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۶۶ ب

ب

بدعة : (بدعت)

۱۔ تعریف : ہر وہ نئی بات جو دین میں پیدا کر لی جائے بدعت ہے ۔

۲۔ حکم : بدعت کے حلال یا حرام ہونے کا حکم اس کی مختلف انواع کے لحاظ سے مختلف ہے اور اسی وجہ سے ہم اس کی قسمیں بیان کر رہے ہیں ۔

۳۔ اقسام : بدعت کی حضرت عمرؓ کے نزدیک دو قسمیں ہیں ۔ حسنہ اور سئیہ ۔

(الف) بدعت حسنہ : وہ ہے جس سے کسی نص شرعی کی مخالفت نہ ہو اور جس میں اللہ کی اطاعت اور اُمّت مسلمہ کا فائدہ ہو مثلاً نماز تراویح میں رضا کارانہ طور پر آٹھ سے زیادہ رکعات پڑھنا ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں حضرت ابی بن کعبؓ نے تراویح کی بیس رکعتیں پڑھیں اور حضرت عمرؓ نے اُنہیں منع نہیں کیا اور اسی طرح تراویح کی نماز باجماعت پڑھنا ۔ حضرت عمرؓ نے اس کو مستحسن خیال کیا اور کہا کہ یہ بدعت بہت اچھی ہے (۱) جب کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تراویح آٹھ رکعات پڑھیں اور آپ کے عہد میں صحابہ علیحدہ علیحدہ اور متفرق جماعتوں کی صورت میں پڑھا کرتے تھے ۔

(ب) بدعت سیئہ : وہ نیا کام ہے جو نص شرعی کے خلاف ہو اور یہی وہ بدعت ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے (۱) اور چونکہ بدعت گمراہی ہے اس لیے اللہ کے دین میں بدعت پیدا کرنا جائز نہیں ہے جو کوئی ایسا کرے گا اُسے سزا دی جائے گی جیسا کہ حضرت عمرؓ کیا کرتے تھے عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں اور دارمی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ صُبیغ حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو آپ نے پوچھا کہ تو کون ہے ؟ اُس نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ صُبیغ ہوں ۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس سے چند باتوں کے بارے میں استفسار کیا ، پھر اُسے سزا دی ۔ اور سزا یہ تھی کہ اس کے پیروں پر ضرب لگائی گئی یہاں تک کہ اس کی ایڑیوں پر خون بہہ گیا اور حضرت عمرؓ نے اس کی کتابیں جلوا دیں اور اہل بصرہ کو فرمان تحریر کیا کہ کوئی شخص اس کے ساتھ میل جول نہ رکھے ۔ (۲)

(۱) صحیح البخاری ، صلاۃ التراویح ، فضل من قام رمضان

(۱) صحیح مسلم ، الجمعہ ، النسائی ، العیدین ۔ (۲) عبدالرزاق ۱۱/۴۲۶ سنن الدارمی ۳۱

اور حضرت عمرؓ نے اس سے قطع تعلق کا حکم اس لیے دیا تاکہ اس کی فاسد آراء سے اس کے پاس بیٹھنے والوں میں فساد نہ پیدا ہو۔ لیکن جب اس کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری نے لکھا کہ اب اس کی روش درست ہے تو حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ وہ اب اس کے ساتھ میل جول کی اجازت دے دیں۔ (۱)

سلف کا یہی طریقہ رہا ہے کہ اہلِ بدعت کے ساتھ میل جول نہیں رکھتے تھے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع کرتے تھے۔ ایک شخص حضرت ابراہیم نخعیؒ کی مجلس میں آیا کرتا تھا۔ اس کا نام محمد تھا۔ جب ابراہیم کو اطلاع ملی کہ وہ مرجیئہ کی سی باتیں کرتا ہے تو ابراہیم نے اس سے کہہ دیا کہ ہماری مجلس میں نہ بیٹھا کرو (۲) اور آپ اپنے تلامذہ سے کہا کرتے تھے کہ بدعتی لوگوں یعنی مرجیئہ سے بچتے رہو۔ (۳)

اور حضرت عمرؓ طلاق دینے میں سُنت کی خلاف ورزی کرنے والے یعنی ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں دینے والے کو جو سزا دیا کرتے تھے وہ بھی بدعت کے ضمن میں آجاتی ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہٗ نے طلاق تین مرحلوں میں دینے کی ہدایت کی ہے اور فرمایا ہے:

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" (البقرہ: ۲۲۹)

"طلاقیں دو ہیں"

تاکہ اس اہم معاملہ میں سوچنے کی مہلت مل جائے۔ لہٰذا جس نے طلاق میں مسنون طریقے کی خلاف ورزی کی اور تین طلاقیں ایک ساتھ دے دیں۔ اس نے بدعت کا ارتکاب کیا اور عقوبت (سزا) کا مستحق ہوگیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوتا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں تو وہ اس کے سر پہ کوڑتے مارتے۔ (۱)

حضرت انس بن مالک سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے قبل الدخول باکرہ بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ ان دونوں میں تفریق کرا دیا کرتے تھے اور مرد کو سزا دیا کرتے تھے۔(۲)

بدل: زکاۃ میں بدل کا ادا کرنا (د: زکاۃ/۴ب۴)

بدو: اہلِ بادیہ اس عطاء کے مستحق نہیں جو سپاہیوں کا حق ہے۔ (د: فیئے/۳ب۳ج)

برّ (حُسنِ سلوک)

والدین سے جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کرنا۔ (د: جہاد/۳)

اور موت کے بعد، اگرچہ وہ کافر ہی ہوں، ان کے جنازہ میں شرکت کرنا ان کے ساتھ حُسنِ سلوک میں داخل ہے۔ (د: موت/۷/آ)

صلۃ الرحم: (د: رحم)

بسملۃ

۱۔ نماز میں بسم اللہ کا پڑھنا (د: صلاۃ/۱۲ج)

۲۔ ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا (د: ذبیحہ/۲)

---

(۱) سنن الدارمی ۳۱ (۲) طبقات ابن سعد ۶/۲۷۴

(۳) طبقات ابن سعد ۶/۲۷۲

(۱) عبدالرزاق ۶/۳۹۶ (۲) عبدالرزاق ۶/۳۳۲

بصل: کچا پیاز کھانا مکروہ ہے۔ (د: ثوم)

بغا (بدکاری)

تعریف:۔ زنا کے لیے عورت کو اُجرت پر حاصل کرنا۔ احکام کے لیے۔ (د: زنا)

بغاۃ (باغی)

۱۔ **تعریف**: باغی سے مراد وہ مسلمان ہیں جو کوئی بہانہ بنا کر امام کو معزول کرنے کے لیے بغاوت کریں۔ اور اُن کے پاس قوت و طاقت ہو

۲۔ **باغیوں کے ہاتھوں ہونے والے نقصان کا تاوان**:

باغیوں کے ہاتھوں دورانِ جنگ جان و مال کا جو نقصان ہوگا اُس کا تاوان نہیں ہے کیونکہ اُن پر اگر تاوان دینے کی پابندی لگائی جائے گی تو وہ اطاعت قبول کرنے سے گریز کریں گے، لہذا یہ جائز نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ ارادہ کیا کہ مرتدین سے ان مسلمانوں کی دیت وصول کریں جو اُن کے ہاتھوں جنگ میں قتل ہوئے تھے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان پر ہمارے مقتولوں کی دیت نہیں ہے کیونکہ ہمارے مقتول اللہ کے راستہ میں اللہ کے احکام کے مطابق شہید ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُن کی اس رائے سے اتفاق کیا (۱) چنانچہ جب حضرت عمرؓ مرتدین پر تاوان عائد کرنے پر رضامند نہیں ہوئے، حالانکہ وہ کافر تھے اور اُن کے لیے تاویل کی کوئی گنجائش نہیں تھی تو باغیوں پر تاوان بدرجہ اولیٰ نہیں ہے۔ اس لیے کہ باغی مسلمان ہوتے ہیں۔ اُن کے پاس امام کی اطاعت سے گریز کی مناسب تاویل بھی ہوتی ہے تو اُن پر تاوان عاید کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

(۱) المغنی ۸/ ۱۱۳

بقر

دیت میں گائیں دی جائیں تو اُن کی مقدار کیا ہوگی۔ (د: جنایۃ /۵ ب ۲)

گایوں کی زکاۃ (د: زکاۃ/۴ د آ، ۲، ۳، ۴) اور (زکاۃ/ ۵ أ ۲)

بکاء (رونا)

میت پر رونا۔ (د: موت/ ۱۳)

خشوع کی وجہ سے نماز میں رونا۔ (د: الصلاۃ/ ۱۱ ح)

بلوغ

۱۔ **تعریف**: انسان کا ایسے مرحلے میں داخل ہونا جس میں وہ تصرفات کرنے اور ذمے داریاں اٹھانے کا اہل متصور ہو۔

۲۔ **بلوغ کی علامات**:

بلوغ کی متعدد علامات ہیں ان میں سے کچھ ایسی ہیں جو مرد و عورت دونوں میں مشترک ہیں اور بعض ایسی ہیں جو عورت کے ساتھ خاص ہیں۔

(الف) وہ علامات جو مرد اور عورت دونوں میں مشترک ہیں۔

۱۔ مرد کے عضو مخصوص یا عورت کی اندام نہانی سے بیداری یا نیند کے عالم میں منی کا نکلنا۔

۲۔ عورت اور مرد کے پوشیدہ اعضاء کے اطراف پر سخت بالوں کا پیدا ہوجانا۔

حضرت عمرؓ نے تحریر کیا تھا کہ اُن سے جزیہ نہ لو جنہوں نے ابھی استرا استعمال نہیں کیا۔(۱) ابن ابی الصعبہ نے اپنے اشعار میں کسی عورت کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا۔ حضرت عمرؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے ازار بند کے مقام کو دیکھو تو اُس کے بال نہیں اُگے تھے، اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر تیرے بال اُگ چکے ہوتے تو میں تجھ پر حد نافذ کرتا۔ (۲)

(ب) وہ علامات جو صرف عورت سے مخصوص ہیں وہ حیض اور حمل ہیں اور اس پر اجماع ہے اور کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۳۔ بلوغ کے اثرات:۔

بلوغ فرائض کی ذمے داریاں عائد ہونے کا مدار، قانونی تصرفات کے صحیح ہونے اور جوابدہی کا اہل ہونے کی شرط ہے جیسا کہ نماز، حج، بیع، ہبہ، اجارہ، حدود اور جنایات کے ابواب میں یہ سب باتیں بوضاحت بیان کی گئی ہیں۔

بنت: دیکھو: ولد

میراث میں بیٹی کے احوال (د: ارث/۵ و)

بہیمہ: دیکھو: حیوان۔

بول (پیشاب)

۱۔ آدمی کا پیشاب ناپاک ہے اور اس سے پاک ہونا ضروری ہے اور اس کے نکلنے کی جگہ استنجاء اور استجمار سے پاک ہوجاتی ہے۔ (د: نجاستہ/اب ۱، و ۳ب ۳)

۲۔ پیشاب خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (د: وضو/۷ و)

۳۔ مرد کے لیے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مباح ہے حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ لیکن چھینٹوں سے حتی المقدور بچنا ضروری ہے۔ زید بن وہب سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا۔ آپ نے پیشاب کی چھینٹوں سے بچنے کے لیے ٹانگیں کھول لیں۔ (د: تعزیہ/۶)

بیت: گھروں کا احترام نہ کرنے پر تعزیہ (د: تعزیہ/۶)

بیت المال (سرکاری خزانہ)

۱۔ **تعریف:** وہ ادارہ جس کے زیر اہتمام تمام سرکاری اموال جمع ہوں اور جہاں سے خرچ ہوں۔

۲۔ بیت المال کی آمدنی کی مدیں متعدد ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔

(و) زکاۃ: (د: زکاۃ/۵ و ۲)

(ب) فئے (د: فئے/۱)

(ج) غنائم کا پانچواں حصہ (د: غنیمت/۲ب ۲)

(د) حسب ضرورت لوگوں پر عاید کیے جانے والے ٹیکس۔ (د: ضریبہ/۲)

۳۔ بیت المال کے اخراجات:۔

---

(۱) المغنی ۴/۴۶۰ (۲) عبدالرزاق ۷/۳۳۸، المغنی ۴/۴۶۰، سنن البیہقی ۶/۵۸

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۱ والمجموع ۲/۹۳
(۲) کنز العمال برقم ۲۷۲۳۷

مسلمانوں کے بیت المال کے مصارف ان نفقات میں محدود ہیں جن کا ذکر ہم نے مندرجہ ذیل عنوانوں کے ماتحت کیا ہے۔ (فیئے / ۳) (غنیمت / ۲ ب ۲) (زکاۃ / ۸) اور ایسے مقتول کی دیت ادا کرنے میں جس کا قتل کسی پر ثابت نہ ہو سکے۔ (د: جنایت / ۲ ب ۲ ب ۱) اور اس شخص کے نفقے میں جس کو نفقہ دینے والا کوئی نہ ہو۔ (د: نفقہ / ۳)

۴۔ بیت المال کی حفاظت کے ضمن میں امام کی ذمہ داری۔ (د: امارہ / ۵ ط)

بیت المال میں سے چوری۔ (د: سرقہ / ۱۱۵)

بیت المقدس: دیکھو: قدس

بیع (خرید و فروخت)

بیع کے بارے میں گفتگو ان موضوعات پر مشتمل ہو گی۔

۱۔ مبیع (وہ چیز جسے فروخت کیا جائے)
۲۔ ثمن (قیمت)
۳۔ متعاقدان (خرید و فروخت کرنے والے)
۴۔ عقد بیع (معاہدہ فروخت)
۵۔ انواع بیع (کاروبار کی قسمیں)

۱۔ مبیع

(الف) اگر مبیع بھی از قسم نقود ہو یعنی سونا اور چاندی اور قیمت بھی از قسم نقود ہو تو یہ صورت بیع صرف کہلائے گی۔

(د: بیع / ۵ و)

(ب) اگر مبیع از قسم نقود نہ ہو مثلاً کپڑا یا لوہا وغیرہ ہو تو بیع کے صحیح ہونے کے لیے درج ذیل شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ مبیع موجود ہو۔ چنانچہ ایسی شے کی بیع صحیح نہیں ہے جو موجود نہ ہو۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع حَبَل الحَبَلہ سے منع فرمایا اور حبل الحبلہ سے مراد یہ ہے کہ اہل جاہلیت اونٹوں کا گوشت فروخت کرتے اور یہ طے کرتے کہ جب اس اونٹنی کے بچہ پیدا ہو جائے گا پھر وہ بچہ حاملہ ہو گا اور بچہ جنے گا وہ بچہ فروخت کرتا ہوں۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ (۱)

اسی طرح اس شئے کی بیع بھی صحیح نہیں ہے جس کے معدوم ہو جانے کا اندیشہ ہو جیسے درختوں پر پھل، ایسی حالت میں کہ ابھی اس کا نشو و نما نہ ہوا ہو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے پھل کی فروخت سے منع کیا ہے جب تک وہ نشو و نما نہ حاصل کرے (۲) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ چوزوں کا پیشگی سودا نہ کرو تا آنکہ وہ بڑے نہ ہو جائیں (۳) اور آپ نے فرمایا کہ ایسے پھل کو فروخت کرنا جو ابھی خوشے میں ہو اور کچا ہو رہا ہے (۴) اور آپ نے فرمایا کہ کھجور کے پھل کو فروخت نہ کیا جائے جب تک کہ وہ سُرخ اور زرد نہ ہو جائے۔ (۵)

اور ایسی شے کی بیع بھی صحیح نہیں ہے جو خریدار کے قبضہ میں نہ آئی ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اپنی خریدی ہوئی شے کو اس وقت تک فروخت نہ کرو جب تک تم اس کو اپنے قبضہ میں نہ لے لو (۶) حضرت عمرؓ نے

---

(۱) صحیح البخاری، صحیح مسلم البیوع، باب بیع حبل الحبلہ (۲) المحلی ۹/۱۱۵ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۲۷۲، المحلی ۹/۱۱۵ (۴) المحلی ۹/۱۰۷ (۵) عبدالرزاق ۸/۶۵، المحلی ۸/۴۰۵ (۶) الموطا ۲/۶۶۱

حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ بقیع چلے جاؤ اور اپنی چاندی سے کپڑا یا کوئی سامان خرید لو اور جب وہ تمہارے قبضہ میں آجائے تب اُسے فروخت کرو۔[۲]

حکیم بن حزام عہد عمرؓ میں مقام جار میں (جو مدینہ کے قریب ساحل پر واقعہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے) غلہ وغیرہ خرید لیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُنہیں منع کیا کہ جب تک وہ غلہ تمہارے قبضہ میں نہ آجائے تم اُسے فروخت نہ کرو[۲]

اور یہ جو مروی ہے کہ حضرت عمرؓ ایک یتیم کے باغ کا پھل (جو اُن کی تولیت میں تھا) تین سال کے لیے فروخت کر دیتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس کے متعلق ہر بات بیان کر کے بیع سلم کے طور پر فروخت کرتے تھے یعنی حضرت عمرؓ کو اندازہ تھا کہ اس باغ میں ہر سال کیا اور کتنا پھل پیدا ہوتا ہے۔ وہی اوصاف اور مقدار بتا کر آپ بیع سلم کے طور پر تین سال کی پیداوار کا سودا کر لیا کرتے اور اگر سودے میں طے شدہ مقدار یتیم کے باغ سے پوری نہ ہوتی تو بازار سے لا کر پورا کر دیتے تھے اور خریدار کو دے دیتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۔ مبیع کے سلسلے میں ضروری ہے کہ وہ ایسی چیز ہو جو مسلمانوں کے یہاں مال متصور ہوتی ہو۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے مکّہ کے گھروں کو فروخت کرنے کی اجازت دی[۴] کیونکہ وہ مال متقوم ہے اور آپ نے جیل خانہ بنانے کے لیے صفوان بن اُمیہ کا گھر چار ہزار درہم میں خریدا[۵] اگر مبیع ایسی چیز ہو جو مسلمانوں کے نزدیک مال نہ ہو تو اُس کی بیع جائز نہیں ہے۔ اگرچہ غیر مسلموں کے نزدیک وہ مال ہو۔

اسی وجہ سے قرآن کریم کی فروخت جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس کا مقام اس سے بلند ہے کہ اُسے مال بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ قرآن فروخت کرنے والوں کو دیکھ کر کہتے تھے کہ یہ بُری تجارت ہے [۱]

آزاد شخص کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ آزاد شخص مال نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے آپ کو فروخت کر دے تو وہ غلام متصور ہوگا اور اس کی قیمت مسلمانوں کے بیت المال میں جمع ہوگی؛ چنانچہ یہ واقعہ بھی رونما ہوا کہ ایک شخص نے اپنے آپ کو فروخت کر دیا تو حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ وہ اپنے اقرار کی بنا پر جو اُس نے اپنی ذات کے متعلق کیا ہے غلام ہے اور اس کی قیمت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا۔ [۲]

ام ولد کی بیع جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنے مالک کا بچّہ جننے کی بنا پر آزاد ہو جاتی ہے؛ چنانچہ حکم بن عتیبہ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے اُم ولد کے بارے میں حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا یعنی اُن کے نزدیک ام ولد اپنے مالک کا بچّہ پیدا کرنے کی بنا پر آزاد نہیں ہوتی۔ [۳] یعنی حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ اُم ولد محض اپنے مالک کے بچّہ کی پیدائش ہی سے آزاد ہو جاتی ہے کیونکہ بچّہ پیدائش ہی کے وقت آزاد ہوتا ہے۔ اور ایک باندی کا

---

(۱) المحلی ۸/۵۲۰ (۲) عبدالرزاق ۸/۲۹ السنن البیہقی ۵/۳۱۲
(۳) مصنف عبدالرزاق ۸/۹۶ (۴) المجموع ۹/۲۷۹
(۵) المجموع ۹/۲۶۹

(۱) المحلی ۸/۱۷ السنن البیہقی ۶/۱۴ (۲) المحلی ۹/۱۷
(۳) عبدالرزاق ۷/۲۹۰

بیٹا آزاد کیسے ہو سکتا ہے ؟ اسحق ہمدانی سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر رض کے زمانے میں اور حضرت عمر رض کے نصف عہد خلافت میں امہات اولاد فروخت ہوتی تھیں۔ بعد ازاں حضرت عمر رض نے فرمایا کہ ام ولد کیسے فروخت ہو سکتی ہے جب کہ اس کا بچہ آزاد ہے چنانچہ آپ نے اس کی بیع کو حرام قرار دے دیا (۱) اور امہات اولاد کی فروخت سے منع کر دیا (۲) اور ایسی تمام ام ولد لونڈیوں کو واپس کروایا جنہیں اُن کے مالکوں نے فروخت کر دیا تھا۔ زید بن وہب سے مروی ہے کہ حضرت عمر رض نے کچھ امہات اولاد فروخت کی تھیں۔ بعد ازاں اُنہیں تستر سے حاملہ حالت میں واپس بلوا لیا تھا (۳) (د ا رق / ۴ ج)

بندر کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا کھانا جائز نہیں ہے اور اس سے کسی قسم کا فائدہ بھی حاصل نہیں کیا جاتا لہٰذا وہ مال نہیں ہے (۴)

شراب کی بیع جائز نہیں ہے اور نہ مال کے بدلہ میں اُسے قبضہ میں لینا جائز ہے کیونکہ شراب مسلمانوں کے نزدیک مال نہیں ہے۔ اگرچہ غیر مسلموں کے نزدیک مال ہے۔

جب حضرت عمر رض کو یہ اطلاع ملی کہ سمرہ نے ذمیوں سے جزیہ اور خراج میں خمر لے کر اُسے فروخت کیا اور اُس کی قیمت مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دی ہے تو آپ نے فرمایا کہ عراق میں ہمارے اس عامل سمرہ سے اللہ سمجھے اس نے مسلمانوں کے محاصل میں خمر اور خنزیر کی قیمت شامل کر دی ہے حالانکہ یہ چیزیں خود بھی حرام ہیں اور اُن کی قیمت بھی حرام ہے (۱) اس کا حل یہ ہے کہ ذمی خود ہی خمر اور خنزیر کو فروخت کریں اور دراہم کی صورت میں اپنا واجب الادا جزیہ اور خراج ادا کریں۔ چنانچہ سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رض کو یہ اطلاع ملی کہ اُن کے عمال جزیہ میں خمر بھی لے لیتے ہیں۔ حضرت عمر رض نے اطلاع دینے والوں کو تین بار قسم دلائی تو حضرت بلال رض نے فرمایا کہ یقیناً یہ لوگ اسی طرح کرتے ہیں تو حضرت عمر رض نے فرمایا کہ انہیں چاہیے کہ ایسا نہ کریں بلکہ ایسی چیزوں کی فروخت انہی (یہود) کے سپرد کر دیں۔ یہود پر بھی چربی حرام کی گئی تھی تو انہوں نے اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھانی شروع کر دی (۲) (د : اشربہ / امی)

شراب چونکہ بدترین فساد پیدا کرنے والی اشیا میں سے ہے اسلئے اگر اسکی فروخت عام ہوگی اور اس کا حصول آسان ہو جائے گا تو یہ اندیشہ ہے کہ مسلمان اسے پینے لگیں۔ اسی لیے حضرت عمر رض نے ذمیوں پر عقد ذمہ میں یہ شرط لگائی کہ وہ خمر کی تجارت نہیں کریں گے۔ اور آپ اس معاملہ میں سختی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابو عمرو الشیبانی سے مروی ہے کہ حضرت عمر رض کو اطلاع ملی کہ سواد کا ایک شخص شراب کی تجارت سے مالدار ہو گیا ہے تو حضرت عمر رض نے لکھا کہ اس کی جس چیز پر تمہیں قدرت ہو اُسے توڑ ڈالو۔ اُس کے تمام جانور ہنکا لاؤ اور کوئی اُسے کچھ ادا نہ کرے (۳)

---

(۱) عبدالرزاق ۷/ ۲۸۷ (۲) المجموع ۹/ ۲۴۴ وسنن البیہقی ۱۰/ ۳۴۲ المحلی ۹/ ۲۱۷ وانظر المغنی ۹/ ۵۳۱، ۵۴۲ (۳) المغنی ۸/ ۵۸۸

(۱) عبدالرزاق ۶/ ۷۵، ۱۰/ ۱۹۶ (۲) عبدالرزاق ۸/ ۱۹۶، ۱۰/ ۳۹۶ الاموال ۵۰، المحلی ۸/ ۱۴۸ (۳) الاموال ابی عبید ۹۶ - المحلی ۹/ ۹

ابو عبید قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ طرزِ عمل اس لیے اختیار فرمایا کہ غیر مسلموں کو شراب پینے کی تو اجازت ہے لیکن شراب کی تجارت کی اجازت نہیں (۱)

اسی طرح اس سرکہ کی بیع بھی جائز نہیں ہے جسے کسی مصنوعی طریقہ سے شراب سے سرکہ بنالیا گیا ہو البتہ وہ سرکہ اس حکم میں داخل نہیں ہے جو از خود شراب سے سرکہ بن گیا ہو کیونکہ پہلی قسم کے سرکہ کا پینا جائز نہیں ہے جبکہ دوسری قسم کے سرکہ کا استعمال کرنا جائز ہے۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ خمر سے بنے ہوئے سرکے کا پینا جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ وہ از خود سرکہ بن گیا ہو تو اس صورت میں جائز ہے۔ اور کسی شخص کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اہلِ کتاب سے سرکہ خریدے الا یہ کہ اُسے معلوم ہو کہ اُنہوں نے شراب کو بگاڑ کر اُسے خود سرکہ بنایا ہے۔ (دیکھو اشربہ/اک)

نجس چیزوں کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ایسی اشیاء کی تجارت جائز نہیں ہے جس کا کھانا پینا حلال نہ ہو (۲) اور دیکھو (خنزیر /۲) و (اشربہ/ ۱ ط)

قرض کی میعاد کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کوئی عین (شئی) قرض کے بدلے میں فروخت نہ کی جائے (۳) جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کہ کسی ایسے قرض کے بارے میں جس کے لیے میعاد مقرر ہو یہ سمجھوتہ کیا جائے کہ اگر مقررہ میعاد کی بجائے فوراً ادا کر دو تو کل رقم کی بجائے اس قدر رقم کم دے دو۔ اسلئے کہ اس صورت میں قرض خواہ نے مقروض کے ذمہ جو قرض ہے اس کا ایک حصہ اس کے بدلے میں ساقط کر دیا ہے کہ قرض جلد ادا کر دیا جائے۔ اور حلول و تاجیل کی بیع جائز نہیں ہے۔

۲۔ جس چیز کا سودا ہو رہا ہے وہ بوقت معاملہ بائع کی ملکیت ہو۔ اگر وہ چیز بائع (فروخت کنندہ) کی ملکیت میں نہیں ہے تو بیع جائز نہیں ہے، کیونکہ کسی غیر کے مال کی بیع جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دریا کے پانی کی فروخت اس طرح کہ پانی دریا میں ہی ہو۔ اور جنگل کے درختوں کو فروخت کرنا اس طرح کہ وہ اپنے اُگنے کی جگہ قائم ہوں جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ پانی جب تک دریا میں ہے اور درخت جب تک جنگل میں ہیں اللہ کی ملکیت ہیں اور ابھی کسی شخص کی ملکیت نہیں بنے۔

جو زمین غلبہ اور قوت سے فتح کی گئی ہو اور امام نے اُسے وقف کر دیا ہو اس کی بیع بھی جائز نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ذمیوں کی زرعی جائیداد اور رہائشی زمینوں میں سے کوئی شے نہ خریدو (۱) حضرت عمرؓ اس طرح کے ہر سودے کو منسوخ کرا دیا کرتے تھے۔ شعبیؒ کہتے ہیں کہ عتبہ بن فرقد نے فرات کے کنارے ایک زمین خریدی تاکہ وہ اس میں سے بانس حاصل کر سکیں۔ اُنہوں نے اس کا حضرت عمرؓ سے ذکر کیا۔ آپ نے پوچھا کہ کس سے خریدی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اس کے مالکوں سے۔ چنانچہ جب مہاجرین و انصار جمع ہوئے تو آپ نے ان کی جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے

(۱) الاموال ۱۰۲ (۲) سنن البیہقی ۶/۱۴ (۳) المغنی ۴/۹۰، سنن البیہقی ۶/۲۸

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶/۵۴، ۱۰/۳۳۷، خراج یحیٰی ۵۵ الاموال ۷۷، المغنی ۴/۲۱، ۸/۵۱۰

مالک تو یہ ہیں (یعنی تمام مسلمان) کیا تم نے ان سے خریدی ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ اس پر آپ نے کہا کہ جس سے وہ زمین خریدی ہے انہی کو واپس کر دو۔ اور اپنی رقم لے لو (۱)۔ (۱ ارض/ ۲ ب)

حضرت عمرؓ نے ان زمینوں کی فروخت سے اس لیے منع فرمایا کہ یہ زمین، دریاؤں کے پانی اور جنگلوں کے درختوں کی طرح عوام کی ملکیت ہیں۔ اور وقف زمین کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے کیونکہ وقف بھی عوام کی ملکیت ہوتا ہے۔ کسی شخص خاص کی ملکیت نہیں ہوتا۔ (۲)

لیکن چونکہ مکہ کی گھر افراد کی ملکیت ہیں، اس لیے ان کی خرید و فروخت جائز ہے اور اجارہ اور رہن بھی جائز ہے۔ (۳)

چنانچہ حضرت عمرؓ نے صفوان بن امیہ سے جیل خانہ بنانے کے لیے چار ہزار میں ایک گھر خریدا تھا۔ (۴)

۴۔ جو چیز خریدی جا رہی ہے وہ اس طرح متعین اور معلوم ہو کہ کسی قسم کا نزاع پیدا نہ ہو، اسی لیے جوہڑوں میں موجود مچھلیوں کی فروخت جائز نہیں ہے۔ (۵) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پانی میں موجود مچھلی کو فروخت نہ کرو کہ اس میں دھوکے کا امکان ہے (۶) کیونکہ مچھلی پانی میں روشنی کے انعکاس کی وجہ سے اپنے حقیقی حجم میں زائد نظر آتی ہے۔

۵۔ جو اشیاء از روئے عرف فروخت شدہ چیز کے توابع میں سے ہوں وہ سب سودے میں داخل ہوں گی الا یہ کہ متعاقدین ان میں سے کسی شے کے داخل نہ ہونے کی صراحت کر دیں۔ مثلاً تالے کی فروخت میں چابی داخل ہے اگرچہ اس کی وضاحت نہ کی گئی ہو۔ اور جیسے دروازے کہ وہ گھر کی دیواروں کے ساتھ فروخت میں داخل ہوں گے۔ اگرچہ اس کی وضاحت نہ کی گئی ہو۔

لیکن غلام کا مال اس کی فروخت کی صورت میں اس کا تابع نہیں ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے غلام فروخت کیا تو غلام کا مال فروخت کنندہ کا رہے گا الا یہ کہ خریدار یہ شرط عائد کرے کہ مال غلام کے ساتھ فروخت ہوگا۔ (۱)

۶۔ اگر فروخت کے بعد یہ علم ہو کہ فروخت شدہ چیز پر کسی دوسرے کا حق ہے تو یہ شے اپنے ذاتی اضافوں کے ساتھ اس مستحق کو لوٹائی جائے گی۔ (۱ استحقاق)

(ج) اور اگر جو چیز فروخت کی جا رہی ہے اس میں نقد اور غیر نقد دونوں شامل ہوں مثلاً ایک تلوار ہو جس پہ چاندی یا سونے کا پترا چڑھا ہو۔ حضرت عمرؓ ایسی تلوار کو اس جنس کے بدلے میں فروخت کرنا جائز نہیں قرار دیتے تھے جس جنس سے اس کی آرائش تیار کی گئی ہو خواہ اس کی قیمت تزئین سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم فارس میں تھے کہ ہمارے پاس حضرت عمرؓ کی تحریر آئی کہ ان تلواروں کو جن پر چاندی کے دستے لگے ہوئے ہوں چاندی کے دراہم کے بدلے فروخت نہ کرو (۲)، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت

(۱) الاموال ۷۷ المغنی ۲/ ۲۱، (۲) المغنی ۲/ ۲۰، (۳) المجموع ۹/ ۲۴۹ (۴) المغنی ۴/ ۲۶۲، المحلی ۸/ ۱۷۱، المجموع ۹/ ۲۴۹

(۵) خراج ابی یوسف ۱۰۴ (۶) اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلی ۲۳، خراج ابی یوسف ۱۰۴

(۱) البخاری، المساقاۃ، باب الرجل یکون لہ او شرب مسلم، البیوع، من باع نخلہ علیہا ثمر، الموطا ۲/ ۶۱۱، عبدالرزاق ۸/ ۱۳۶، المغنی ۴/ ۱۰۱، المحلی ۸/ ۲۲۲ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۷۱

عمرؓ نے اُنہیں شاہ ایران کا ایک برتن دیا جس پر سونا لپا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جاؤ اسے فروخت کر دو لیکن سودا ہماری مرضی پر موقوف ہوگا۔ حضرت انسؓ نے اُسے ایک یہودی کے ہاتھ اس سے دگنے وزن (سونے) کے بدلے فروخت کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا جاؤ اسے واپس لے آؤ یا اس کے وزن کے برابر سونے کے بدلے فروخت کرو۔ (۱) شعبی سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیت المال میں موجود بچے کھچے سکے اور کھوٹے سکے اُن کے وزن سے کم دراہم کے بدلے میں فروخت کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اُنہیں اس سودے سے منع فرمایا اور کہا کہ اُنہیں پگھلا کے تانبا اور لوہا خارج کرا دو اور پھر باقی ماندہ چاندی کو اس کے ہم وزن دراہم کے بدلے میں فروخت کرو۔ (۴) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس کے پاس کھوٹے درہم ہوں وہ بقیع جا کر ان سے پرانے کپڑے خرید لے۔ (۵) یعنی دراہم کے بدلے فروخت نہ کرے کہ اس میں ربا کا شبہ ہے۔

ن) فروخت شدہ اشیاء کی انواع کے بارے میں حضرت عمرؓ سے کئی ہدایات منقول ہیں جو آپ نے کسی خاص مصلحت کی بنا پر دی تھیں۔ مثلاً

۱۔ اگر دو یا دو سے زیادہ غلام ذی رحم رشتہ دار ہوں اور ایک ہی مالک کی ملکیت ہوں تو ان میں جدائی پیدا کرنا (کہ ایک کو فروخت کر دے اور دوسرے کو رہنے دو) درست نہیں ہے بلکہ مالک کو چاہیے یا دونوں کو ایک ساتھ ایک ہی شخص کے پاس فروخت کرے یا دونوں کو اپنے پاس رکھے۔

چنانچہ عبدالرحمٰن بن فروخ نے اپنے والد سے نقل کیا کہ حضرت عمرؓ نے ہماری طرف فرمان بھیجا کہ فروخت کرتے وقت دو بھائیوں کے درمیان تفریق نہ کرو اور نہ ماں اور اس کے بیٹے کو ایک دوسرے سے جدا کرو (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے ماں اور بیٹے کے درمیان جدائی پیدا کی، اللہ اُس کے اور اُس کے محبوبوں کے درمیان روزِ قیامت جدائی کر دے گا (۲)

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو بھائی غلام بطور ہدیہ دیے۔ میں نے ان میں سے ایک فروخت کر دیا۔ بعد ازاں آپؐ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے دونوں غلاموں کا کیا حال ہے۔ میں نے آپؐ کو بتایا کہ اُن میں سے ایک میں نے فروخت کر دیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے واپس لے لو، اسے واپس لے لو۔ (۳)

جدا کرنے کی یہ ممانعت خالص انسانی نقطہ نظر سے ہے کیونکہ بچہ اپنی ماں سے اور بھائی بھائی سے محبت کرتا ہے۔ اس ضمن میں ایک لطیفہ یہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے شرحبیل بن سمط کو مدائن کا اور اُن کے والد کو

---

(۱) المحلی ۸/۴۹۶ (۲) المحلی ۸/۴۹۹، المغنی ۴/۵۰
(۳) المغنی ۴/۵۰

(۱) المغنی ۸/۲۲۴، عبدالرزاق ۸/۳۰۸، المحلی ۱۰/۳۳۱، السنن البیہقی ۹/۱۲۶ (۲) ترمذی، البیوع۔ رقم ۱۲۸۳۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ (۳) ترمذی، البیوع، ابن ماجہ، التجارات، مسند احمد ۲۹۰۔ ہیثمی نے مجمع ال[illegible] /۷ میں کہا ہے کہ مسند احمد کی اس حدیث کے راوی حدیث صحیح کے معیار کے ہیں۔ بہرحال

(باقی اگلے صفحہ پر)

شام کا عامل مقرر کیا تو شرحبیل نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ آپ کا حکم ہے کہ قیدیوں اور اُن کی اولاد میں جدائی نہ کرو۔ اور آپ نے مجھے اور میرے والد کو جدا کر دیا ہے' اس پر حضرت عمرؓ نے اُنہیں اپنے والد کے پاس چلے جانے کا پروانہ تحریر کر دیا۔ (۱)

۲۔ جن قیدیوں کو مسلمانوں نے غلام لونڈی بنا لیا ہو ذمیوں کے لیے اُن کا خریدنا جائز نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس سلسلے میں اپنے امراء کے نام حکمنامہ بھیجا تھا (۲)، اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک مسلمان آقا کے نابالغ غلام کو مسلمان شمار کیا جائے گا۔ چنانچہ عمرو بن شعیب سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کسی یہودی یا نصرانی کو اس امر کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اپنے ایسے بچّہ کو جو کسی عرب کی ملکیت میں ہو یہودی یا نصرانی بنائے (۳)

۳۔ اسی طرح مسلمانوں نے دار الحرب سے جو مالِ غنیمت حاصل کیا ہو اُسے ذمیوں کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے (۴) کہ اُن کے پاس ایسی اشیاء نہ پہنچ جائیں جو اُنہیں اُن کی عظمتِ رفتہ کی یاد دلاتی رہیں اور وہ جوش میں

اگر اُسے دوبارہ حاصل کرنے کی سعی نہ شروع کر دیں۔ اور حضرت علیؓ نے بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا تھا جب آپ کے پاس ایرانیوں کا ایک سونے کا پترا چڑھا ہُوا برتن لایا گیا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اسے توڑ کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ اس پر ایرانی دہقانوں میں سے کسی نے کہا کہ اگر آپ اسے توڑ دیں گے تو اس کی قیمت کم ہو جائے گی۔ ہم آپ کو اس کی زیادہ قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جو بادشاہت اللہ نے تم سے چھین لی ہے، مَیں اس کی نشانی تمہیں واپس نہیں لوٹا سکتا، چنانچہ آپ نے اُسے توڑ دیا اور مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ (۱)

۴۔ اور مسلمانوں کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ ذمیوں کے غلاموں میں سے کوئی غلام خریدیں۔ کیونکہ یہ ذمی خراج کی ادائیگی میں باہم ایک دوسرے کی کفالت کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ذمیوں کے غلام نہ خریدو کیونکہ یہ اہلِ خراج ہیں اور اپنے مال مویشی اور غلام ایک دوسرے کی طرف سے خراج میں ادا کرتے ہیں۔ (۲)

۵۔ صدقہ کرنے والے کے لیے جائز نہیں ہے کہ جو شئے اُس نے صدقہ کی ہے اسے خریدے۔ اس حکم کی غرض و غایت حیلہ سازی کے ذرائع کا سدِباب کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس شخص نے کوئی چیز صدقہ کی ہے وہ اُسے نہ خریدے تا آنکہ وہ چیز اس شخص کے قبضہ سے (جسے بطور صدقہ دی گئی تھی)، نکل کر کسی دوسرے شخص کے

(پچھلے صفحہ سے آگے)

اس بارے میں فقہاء کے یہاں اختلاف نہیں ہے کہ بچے اور ماں کے درمیان تفریق نہ کی جائے۔ البتہ بچے کے بڑا ہو جانے کی صورت میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ بالغ ہو جائے تو تفریق جائز ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ سات آٹھ سال کی عمر ہو جائے تو تفریق جائز ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ بچّہ کے دانت نکل آئیں تو تفریق جائز ہے اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اگرچہ بڑا بھی ہو جائے تو بھی بچّہ اور اس کے والدین کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

(۱) المحلی ۹/ ۲۹ (۲) عبدالرزاق ۶/ ۴۷

المغنی ۲/ ۲۱، ۸/ ۵۱۰

پاس نہ پہنچ جائے ۔

(و) امیر یا اُس کے کسی رشتہ دار کے لیے غنیمت کے خمس میں سے کوئی شے خریدنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں تہمت کا امکان ہے۔ جنگ جلولہ کے اموال غنیمت میں سے حضرت عمرؓ کے صاحبزادے نے جو کچھ خریدا تھا، حضرت عمرؓ نے وہ سب واپس کرا دیا تھا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ ایسا کرنا باعث تہمت ہے۔(۱) (د: امارہ ۵/ط۴)

(ھ) خریدی ہوئی چیز کو ایسے عیب کی بنا پر واپس کرنا جو بعد میں نظر آئے اور خریدتے وقت خریدار کو اس کا پتہ نہ چلا ہو۔ (د: خیار/۳)

(۲) ثمن (قیمت)

(الف) قیمت کے سلسلہ میں شرط یہ ہے کہ معلوم اور متعین ہو۔ اور بیع مزایدہ کو نامعلوم قیمت کے بدلے میں فروخت کرنا متصور نہیں کیا جائے گا کیونکہ بیع مزایدہ قیمت مقرر کرنے کے بعد اس کے قبول کر لینے پر منعقد ہوتی ہے۔ خود حضرت عمرؓ نے صدقہ کے اُونٹ بصورت مزایدہ فروخت کیے یعنی اس طرح کہ کون زیادہ قیمت دیتا ہے۔(۲)

(ب) جب فروخت کا معاہدہ طے پا جائے تو پوری قیمت خریدار کے ذمے لازم ہو جائیگی اور خریدار کیلئے اس میں کمی کرنا جائز نہیں ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ فروخت کنندہ سے قیمت میں کمی کا مطالبہ کرے اگر وہ فروخت کنندہ کی رضا کے بغیر قیمت کم کرے گا تو یہ غصب ہوگا اور اگر فروخت کنندہ سے قیمت کم کرنے کا مطالبہ کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ فروخت کنندہ کو یہ خیال ہو کہ اگر اس نے قیمت کم نہ کی تو خریدار ادائیگی میں ٹال مٹول کرے گا یا قیمت ہی سے انکار کر دے گا وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ قیمت میں از خود کمی کرنے یا فروخت کنندہ سے کمی کا مطالبہ کرنے سے کاروباری معاملات میں بے اعتمادی اور بدمزگی پیدا ہو گی۔ اسی لیے حضرت عمرؓ بیع کا معاملہ طے ہو جانے کے بعد قیمت کم کرانے کو ناپسند کرتے تھے (۱)

(ج) کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ قیمت میں اضافہ کرنے کی غرض سے کوئی ایسی شے اپنے پاس ذخیرہ کر لے، جس کی ذخیرہ اندوزی مسلمانوں کے لیے نقصان رساں ہو۔ (د: احتکار)

(د) امیر (حاکم) کے لیے روا ہے کہ وہ ضرورت کے وقت اور صارفین کے مفاد کی حفاظت کے پیش نظر اشیائے ضروریہ کی مناسب قیمتیں مقرر کر دے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ بازار مصلیٰ میں حاطب بن ابی بلتعہ کے پاس سے گزرے۔ اُن کے پاس دو بوریاں کشمش تھی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: اے حاطب کس طرح فروخت کرتے ہو۔ اُنہوں نے کہا کہ ایک درہم میں دو مد۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: مجھے اطلاع ملی ہے کہ طائف سے اُونٹوں کا قافلہ کشمش لے کر آ رہا ہے، اب وہ بھی تمہاری قیمت پر فروخت کریں گے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم ہمارے ہی دروازوں، گھروں اور بازاروں میں کاروبار کرو اور ہماری ہی گردنیں کاٹو اور پھر جس طرح چاہو فروخت کرو۔ دیکھو! ایک درہم میں ایک صاع فروخت کرو۔ [illegible] وقت چار مد کا ہوا کرتا

(۱) المغنی ۹/ ۲۴۷ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۷۴ ب المحلی ۸/ ۴۴۸

(۱) عبدالرزاق ۸/ ۶۰

تھا۔ یعنی ایک درہم میں چار مد) ورنہ ہمارے بازار میں فروخت نہ کرو اور یا مدینہ سے باہر جا کر وہاں سے مال لاؤ اور پھر جیسے چاہو فروخت کرو (۱)

غرض حضرت عمرؓ نے بحیثیت حکمران قیمت کے تعیّن کے معاملے میں مداخلت کی اور مناسب قیمت متعین کی تاکہ نہ تاجر کو نقصان ہو اور نہ صارف خریدار کو خسارہ ہو۔

مگر امام شافعیؒ نے یہ روایت بیان کی ہے اور تسعیر (قیمتوں کی تعین) کے ناجائز ہونے پر اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے واپس جاکر اپنا محاسبہ کیا اور بعد ازاں حاطب کے پاس اُن کے گھر گئے اور فرمایا کہ میں نے جو تم سے کہا تھا وہ عزیمۃ یا قضاءً یعنی حکم یا فیصلہ نہیں تھا بلکہ درحقیقت میں نے یہ بات اہلِ شہر کے مفاد میں کہی تھی۔ اب تم جہاں چاہو فروخت کرو اور جیسے چاہو فروخت کرو۔(۲)

امام شافعی نے حضرت عمرؓ کے اس قول کو آپ کے پہلے اقدام کی تشریح قرار دیا اور کہا کہ حضرت عمرؓ کا پہلا قول نصیحت ورہنمائی کی حیثیت رکھتا ہے۔

اصل روایت میں اس اضافہ پر ہمیں کسی قدر تامل ہے اور اس کے بارے میں دل میں کچھ کھٹک پیدا ہوتی ہے اس لیے کہ یہ الفاظ حضرت عمرؓ کے الفاظ سے مشابہت نہیں رکھتے بلکہ یہ انداز ہی حضرت عمرؓ کا نہیں ہے۔ یہ الفاظ بعد کے دور کے ہیں۔ کیونکہ اظہار کا یہ انداز کہ: میں نے جو کچھ کہا وہ حکم تھا نہ میرا فیصلہ۔ حضرت عمرؓ کے دور میں مستعمل نہ تھا اور عزیمۃ وقضاء کی اصطلاحات بھی اپنے دقیق معانی میں حضرت عمرؓ کے دور میں مروج نہ تھیں۔ علاوہ ازیں یہ الفاظ کہ "اردت بہ الخیر لاھل البلد" بھی حضرت عمرؓ کے الفاظ معلوم نہیں تھے بلکہ اگر اس میں اھل المدینۃ یا المسلمین کے الفاظ ہوتے تو حضرت عمرؓ کے طرز تکلم کے زیادہ قریب ہوتے۔ غرض ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بعد میں اضافہ کیے گئے ہیں۔

بہرحال جو بھی صورت ہو یہ امر طے ہے کہ حضرت عمرؓ انفرادی تصرفات کو مصلحت عامہ کے تابع کرنے کے اصول پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی حضرت عمرؓ نے حاطب کی گراں فروشی کو مسلمانوں کے حق میں مضرت رساں قرار دیا اور بحیثیت حکمران اپنا یہ فرض سمجھا کہ مسلمانوں کے یتیموں، فقیروں اور اہلِ ضرورت کی مصلحت کا خیال رکھا جائے اور اُن کو نقصان سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ یہ درست ہے کہ مناسب قیمت مقرر کر دینے کی وجہ سے حاطب کا نفع کم ہو جائے گا اور اُن کا ذاتی مفاد متاثر ہوگا۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ حضرت عمرؓ اس اصول سے بخوبی واقف تھے کہ مفاسد کا سدِ باب مصالح کے حصول پر مقدم ہے اور مصلحت عامہ انفرادی مصلحت پر فوقیت رکھتی ہے۔

(ھ) فروخت شدہ شے کو غبن فاحش (کھلی خُرد بُرد) کی بنا پر واپس کرنا؛ اگر کاروباری معاملہ میں قیمت کے پہلو سے نمایاں گڑبڑ ہو، خواہ اس خُرد برد کا فائدہ فروخت کنندہ کے حق میں جاتا ہو یا خریدار کے حق میں۔ بہرحال جس کو

---

(۱) عبدالرزاق ۸/[illegible]۹/۸۰، المؤطا ۲/ ۶۵۱

المغنی ۴/۲۷۰ (۲) مختصر المزنی ۹۲ المغنی ۴/ ۲۱۰

نقصان پہنچ رہا ہو اس کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی ذات سے نقصان دور کرنے کے لیے سودا ختم کر دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچاؤ۔

سعید بن المسیب نے حضرت ابی بن کعبؓ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عباسؓ حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس فیصلہ کے لیے ایک مقدمہ لے کر گئے جو حضرت عباسؓ کے ایک گھر سے متعلق تھا جو مسجد کے قریب واقع تھا۔ حضرت عمرؓ اُسے لے کر مسجد میں اضافہ کرنا چاہتے تھے اور حضرت عباسؓ نے انکار کر دیا تھا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا کہ جب حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس کی تعمیر کا ارادہ کیا تو زمین ایک شخص کی ملکیت تھی، جو حضرت سلیمان نے اس سے خرید لی۔ جب حضرت سلیمان زمین خرید چکے تو اس شخص نے دریافت کیا کہ آپ نے جو کچھ مجھ سے لیا ہے وہ بہتر ہے یا جو مجھے دیا ہے۔ اس پر حضرت سلیمان نے کہا کہ جو میں نے تم سے لیا ہے وہ بہتر ہے اس پر اس شخص نے کہا کہ پھر میں یہ بیع منظور نہیں کرتا چنانچہ حضرت سلیمانؑ نے قیمت میں اضافہ کر دیا لیکن اُس نے پھر یہی سوال کیا تو حضرت نے اُسے پھر یہی جواب دیا تو اُس نے اس بیع کو منظور کرنے سے انکار کر دیا (۱)

حضرت ابی بن کعبؓ نے یہی فیصلہ حضرت عمرؓ کے سامنے کیا اور حضرت عمرؓ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا کیونکہ یہ بات واضح تھی کہ حضرت سلیمانؑ نے سودا منسوخ کر دیا۔ کیونکہ بائع کو معلوم ہو گیا تھا کہ اُسے نقصان ہو رہا ہے اور وہ اس سودے پر راضی نہیں تھا۔

۳ - متعاقدین : (خریدار اور فروخت کنندہ)

(الف) متعاقدین میں مندرجہ ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

۱- دونوں میں سے کسی پر جنون، نابالغی، کم عقلی یا افلاس وغیرہ کی وجہ سے حجر (پابندی) نہ ہو۔

۲- عقد (معاہدہ) میں دونوں کی رضامندی شامل ہو۔ لہذا مکرہٗ (مجبور) کا معاہدہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ (د؛ اکراہ/۴) ہم نے حضرت ابی بن کعبؓ کے مذکورہ بالا فیصلہ میں دیکھا کہ اُنہوں نے حضرت سلیمانؑ کے واقعہ سے استنباط کرتے ہوئے صحتِ عقد کے لیے باہمی رضامندی کی شرط لگائی تھی۔ نیز نافع بن عبدالحارث نے صفوان بن امیہ سے جیلخانہ بنانے کے لیے چار ہزار میں گھر خریدا اس شرط کے ساتھ کہ اگر حضرت عمرؓ راضی نہ ہوئے تو صفوان کو چار سو درہم مل جائیں گے (۱) اس سے بھی واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ متعاقدین کی رضامندی شرط ہے۔

(ب) یہ شرط نہیں ہے کہ بیع کا معاہدہ وہ دونوں خود کریں جو (مبیع اور ثمن) کے مالک ہوں بلکہ یہ معاہدہ ان کے علاوہ دوسرے بھی کر سکتے ہیں۔ اندریں صورت یہ معاہدہ یا تو اُن کی اجازت سے ہوا ہو گا یا بغیر اجازت کے۔

اگر یہ عقد اصل مالکان کی اجازت سے ہوا ہے تو بیع کا معاہدہ کرنے والا مالک کی طرف سے اس میں نائب اور وکیل متصور ہو گا۔ اور اگر بغیر اجازت کے ہوا ہے تو

(۱) المغنی ۸/۲۴۱، ۲۵۳، کنز العمال رقم ۲۳۰۹۵

(۱) المحلی ۸/۱۷۱، ۱۰/۹۹، [illegible] /۳۶۹، المغنی ۴/۲۶۲، سنن البیہقی ۶

یہ غیر شخص جو یہ معاملہ کر رہا ہے اگر قانونی اختیار سے کرے گا تو یہ معاملہ جائز ہوگا، جیسے قاضی (عدالت) قرضوں کی ادائیگی کے لیے مفلس کے مال کی فروخت کا حکم دیتا ہے۔ (دین/۹۶) یا اُسے قانونی اختیار نہیں ہوگا۔ اس صورت میں یہ معاملہ موقوف رہے گا اگر مالک نے اجازت دے دی تو درست ہو جائے گا اور اگر اجازت نہیں دی تو باطل ہو جائے گا، جیسا کہ فضولی کی بیع باطل ہو جاتی ہے۔

بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی غیر موجودگی میں باپ کی باندی فروخت کردی، جب باپ آیا تو اُس نے اس بیع کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ دراں حالیکہ خریدار کے یہاں اس باندی سے بچہ پیدا ہو چکا تھا۔ یہ معاملہ جب حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو حضرت عمرؓ نے باپ کے حق میں فیصلہ دیا کہ باندی اُسے واپس کردی جائے اور خریدار سے کہا کہ اپنی ادا کردہ قیمت واپس لے لو خریدار نے بائع یعنی مالک کے بیٹے کو پکڑ لیا تو بائع کے باپ نے کہا کہ اسے حکم دیں کہ میرے بیٹے کو چھوڑ دے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم بھی اس کا بیٹا چھوڑ دو۔ (۱)

عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص سفر پہ روانہ ہوا تو اس کی بیوی نے اپنی باندی خدمت کے لیے ساتھ کر دی۔ اس شخص نے خود ہی اس کی قیمت لگا کر اپنے ہاتھ فروخت کر دیا اور اس کے ساتھ جماع کر لیا۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے [illegible] ہاتھ دوسرے ہاتھ کو فروخت

(۱) سنن البیہقی [illegible]

کر دیا۔ یعنی تم نے خود ہی فروخت کیا اور خود ہی خرید لیا اور آپ نے تعزیراً اُسے سو کوڑے مارے اور رجم نہیں کیا۔ (۱)

حضرت عمرؓ نے اس شخص کی اس بیع کو باطل قرار دے دیا کہ اُس نے اپنی بیوی کی باندی کو بیوی کی پیشگی اجازت کے بغیر اپنے پاس فروخت کر دیا۔ کیونکہ بیوی نے بعدازاں بھی اس بیع کو درست قرار نہیں دیا۔ لہٰذا اس شخص کی اس کنیز سے وطی حرام ہوئی لیکن چونکہ عقد بیع کی ایک صورت موجود تھی اس لیے حضرت عمرؓ نے اسی شبہ کو حد ساقط کرنے کے لیے کافی خیال کیا اور آپ سے رجم نہیں کیا البتہ سو کوڑوں کی تعزیری سزا دی۔

بلکہ مسئلہ کی نوعیت تو ایسی ہے کہ اگر بیوی اپنے شوہر کو اس بیع کے لیے وکیل بھی بنا دیتی تب بھی اس کا باندی کو خود اپنے ہاتھ فروخت کرنا محل تہمت ہوتا۔ اسی بات کو حضرت عمرؓ نے ان الفاظ میں فرمایا کہ تم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو بیچ دیا۔ یعنی تم نے خود ہی وہ لونڈی فروخت کی اور خود ہی خرید لی۔

(ج) مقامی کا باہر سے مال لانے والے کے مال کو فروخت کرنا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ بعدازاں حضرت عمرؓ نے بھی اس کی ممانعت فرمائی کہ مقامی شخص باہر سے مال لے کر آنے والے کا مال فروخت کرے۔ یعنی کوئی شخص باہر سے مال لانے والے کا اس کے مال کی فروخت میں دلال بن جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ باہر سے سامان لانے والوں کو شہر کی

(۱) عبدالرزاق ۷/۳۴۵

قیمتیں بتلا دو اور منڈی کا راستہ دکھا دو۔ (۱)

اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اگر باہر سے مال (غلہ) لے کر آنے والے کا مال کوئی دلال فروخت کرے گا تو وہ ارزاں فروخت کر کے اپنی اجرت وصول کرے گا جس سے فروخت کنندہ کو نقصان ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ مستقبل میں سامان لے کر اس منڈی میں نہیں آئے گا جس سے رسد بند ہو جائے گی اور قیمتوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں دلال کا اس طرح قیمت کو گرانا اقتصادی استحکام میں خلل پیدا کرے گا اور منڈی میں کاروبار کو استقرار نہیں ہوگا۔

امیر (حاکم) اور اس کے قریبی رشتہ داروں کیلئے مالِ غنیمت کا خریدنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں اختیارات کے ناجائز استعمال کی تہمت پائی جاتی ہے۔ (د امارہ/۵ ط ۴)

عقد بیع (معاہدہ خرید و فروخت)

ایجاب و قبول۔ ایجاب اور قبول

ایجاب اور قبول دونوں عقد بیع کے رکن ہیں اور انہی سے باہمی رضامندی کا علم ہوتا ہے۔ یہ ایک واضح بات ہے کہ ایجاب و قبول کے سلسلہ میں یہ ضروری ہے کہ دونوں طرف سے مطابقت ہو۔ یعنی ایجاب و قبول ایکدوسرے کے مطابق ہوں۔ چنانچہ اگر بائع (فروخت کنندہ) یہ کہے کہ میں نے یہ کپڑا سو روپے میں فروخت کیا اور خریدار نے کہا کہ میں نے اس کا آدھا پچاس میں خریدا تو یہ بیع صحیح نہ ہوگی۔ اس لیے کہ ایجاب و قبول میں مطابقت نہیں ہے۔

(۱) مصنف عبدالرزاق ۸/ ۲۰۰ المحلی ۸/ ۳۵۴

ایجاب و قبول سلسلہ میں یہ بھی شرط ہے کہ دونوں میں ایسے صیغے استعمال کیے جائیں جن سے کام کی تکمیل کے معنی پائے جاتے ہوں ورنہ بیع صحیح نہیں ہوگی۔ مثلاً اگر بائع نے کہا کہ میں نے یہ شے سو روپے میں فروخت کی اور خریدار یہ کہے کہ میں اسے سو روپے میں خرید لوں گا، تو یہ بیع منعقد نہیں ہوگی، کیونکہ جس صیغے میں قبول کیا گیا ہے اس سے کام کا مکمل یا ختم ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔

(ب) عقد بیع کے ساتھ شرائط پیش کرنا۔

کبھی عقد بیع کرتے وقت بعض شرائط عاید کی جاتی ہیں۔ یہ شرائط تین قسم کے ہیں۔

۱۔ وہ شرائط جو از روئے شریعت جائز ہیں، جیسے یہ شرط کہ فروخت شدہ شے کی قیمت بعد میں ادا کروں گا' یا جیسے متعاقدین میں سے کسی ایک کے لیے پسند کرنے کی شرط۔ جسے اصطلاح میں خیار شرط کہتے ہیں۔ (د خیار/۲) یا خریدار کی جانب سے یہ شرط کہ جو غلام میں خرید رہا ہوں اس کا مال بھی بیع کے معاملہ میں داخل ہوگا۔ (۱) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس شخص نے غلام فروخت کیا۔ اس کا مال فروخت کرنے والے کا ہے۔ الا یہ کہ خریدار یہ شرط لگالے کہ غلام کا مال بھی غلام کے ساتھ ہوگا! (۲)

۲۔ ایسی شرائط جو عقد سے مناسبت رکھتی ہوں۔ مثلاً بائع یہ شرط عاید کرے کہ خریدار اپنا کوئی کفیل لائے۔ یا

(۱) بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، کتاب البیوع
(۲) الموطا ۲/ ۶۱۱، مصنف [illegible] ۸/ ۱۳۶
المحلی ۸/ ۴۲۲، المغنی ۴/ ۱۷۱

ثمن موجل (بعد میں ادا کی جانے والی قیمت) کے بدلے میں خریدار اس کے پاس کوئی چیز رہن رکھے۔ یا یہ شرط کہ اگر خریدار نے سودا چھوڑ دیا تو بیعانہ واپس نہ ہوگا کیونکہ عقد بیع کے بعد بیع کے مکمل نہ ہونے سے بائع کا نقصان ہوگا اور یہ بھی نقصان ہے کہ اب اس چیز کے فروخت ہونے کا موقع ہاتھ سے نکل گیا کیونکہ اس خریدار نے اس کا سودا کر رکھا تھا۔ اگر یہ سودا طے نہ ہوا ہوتا تو بائع اپنی چیز کسی اور کو فروخت کر دیتا۔

یہ تمام شرائط جائز ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ نافع بن عبد الحارث نے جیل خانہ بنانے کے لیے صفوان بن امیہ سے چار ہزار میں گھر خریدا اور یہ شرط لگائی کہ اگر حضرت عمرؓ نے منظور نہ کیا تو صفوان چار سو درہم کے حق دار ہوں گے (۱)

انہی شرائط میں سے ایک جانچنے پرکھنے کی شرط پر خریداری ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے ایک گھوڑے کی خریداری کی بات کی۔ اور آپ نے اس گھوڑے کو جانچنے کے لیے ایک شاہسوار کو سوار کیا، اس کی سواری میں گھوڑا لنگڑا ہو گیا حضرت عمرؓ نے گھوڑے کے مالک سے کہا کہ یہ ابھی تمہارا مال تھا۔ اس نے کہا کہ آپ کوئی ثالث مقرر کریں۔ آپ نے کہا کہ شریح کو ثالث مقرر کر لو۔ دونوں اُن کے پاس پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ شخص تمہیں ثالث ماننے پر راضی ہے۔ اس کے بعد اُن کو سارا واقعہ

(۱) المحلی ۸/[illegible]، المجموع ۹/ ۳۶۹
المغنی ۲/ ۲۹۲، سنن البیہقی ۶/ ۳۴

سنایا۔ شریح نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ یا آپ وہ گھوڑا لے لیں جو آپ نے خریدا ہے یا اس کو اس کا گھوڑا جیسا لیا تھا واپس کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ صحیح فیصلہ یہی ہے اور شریح کو قاضی بنا کر (کوفہ) بھیج دیا۔ اور شریح حضرت عمرؓ کی طرف سے بھیجے جانے والے پہلے قاضی تھے۔ (۱)

انہی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ مقررہ مدت کے اندر قیمت کی ادائیگی کی شرط عاید کر دی جاتے۔ (۲)

۳۔ بعض شرائط ایسی ہیں جو نہ عقد سے مناسبت رکھتی ہیں اور نہ وہ عقد کے لیے ضروری ہوتی ہیں، البتہ ان میں متعاقدین میں سے کسی ایک کا فائدہ ہوتا ہے ایسی شرائط جائز نہیں ہیں اور اُن سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔ مثلاً،

باندی کو اس شرط کے ساتھ فروخت کرنا کہ وہ بائع کی خدمت کرے گی۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے ایک باندی خریدی۔ بائع نے فروخت کرتے وقت اپنی خدمت کی شرط لگا دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس باندی کے قریب نہ جاؤ کہ اس میں سے کچھ مستثنیٰ کیا گیا ہے یعنی اس میں ایک فریق کے مفاد کی شرط لگائی گئی ہے۔ (۳)

غلام کو اس شرط پر فروخت کرنا کہ خریدار اس کو فلاں کے ہاتھ فروخت کرے گا یا فلاں شخص کو ہبہ کرے گا۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہی رائے تھی کہ اگر کسی نے غلام خریدا اور اس میں یہ

(۱) اخبار القضاۃ ۲/ ۱۸۹، مصنف عبد الرزاق ۸/ ۲۲۴
المحلی ۸/ ۳۷۳ (۲) المغنی ۳/ ۵۹۳ (۳) المجموع ۹/ ۴۰۹، سنن البیہقی ۵/ ۳۲۶

شرط لگائی کہ خریدار فلاں شخص کو فروخت کرے یا ہبہ کردے یا آزاد کردے تو بیع فاسد ہے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنی بیوی سے ایک باندی خریدنا چاہتے تھے۔ اُن کی بیوی نے کہا کہ میں اس شرط پر فروخت کروں گی کہ اگر تم اسے بیچنا چاہو تو میرے ہاتھ بیچنا۔ اور میں قیمت کے عوض اس کی زیادہ حق دار ہوں۔ عبداللہؓ نے کہا کہ میں حضرت عمرؓ سے پُوچھتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس باندی کے قریب نہ جاؤ اس میں ایک فریق کے فائدے کی شرط ہے (۲) ابن قدامہ نے اس روایت کو ذکر کر کے اس میں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ اُن کی بیوی کا نام زینب ثقفی تھا اور جس قیمت کے بدلے وہ اس باندی کو خریدنا چاہتی تھیں اس سے مراد وہی رقم تھی جو عبداللہ بن مسعودؓ ان سے خریدتے وقت ادا کرتے (۳) لیکن بیہقی نے ایک روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ اس قیمت سے مراد وہ قیمت ہے جس میں عبداللہ بن مسعودؓ کسی اور کو فروخت کرتے (۴)

اسی میں سے ایک قسم سفتجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو کچھ مال دے دے اور جس نے یہ مال لیا ہے اس کا مال، دینے والے کے شہر میں موجود ہو جو دینے والا وہاں سے وصول کرے اور اس طرح راستہ کے خطرے سے محفوظ ہو جائے اور حمل و نقل کا خرچ بچ جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس صورت کو ناپسند فرمایا ہے

(۱) اختلاف ابی حنیفہ بن وابی لیلی ۱۸ (۲) عبدالرزاق ۸/۵۶
(۳) المغنی ۴/۹۹ (۴) سنن البیہقی ۵/۳۵۲

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ (حضرت عبداللہ بن مسعود کی اہلیہ) کو کچھ کھجوریں یا جو عطا کیے جو خیبر میں تھے۔ عاصم بن عدی نے اُن سے کہا کہ میں اس کے بدلے میں تمہیں یہاں مدینہ میں دے دیتا ہوں اور وہ وہاں میں اپنے غلاموں کے لئے لے لیتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا کہ میں حضرت عمرؓ سے پُوچھ لوں۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا کہ ضمانت کیا ہو گی۔ گویا حضرت عمرؓ نے اس صورت کو ناپسند فرمایا۔ (۱) بیہقی کی روایت ہے کہ آپ نے اُن سے فرمایا کہ یہ معاملہ نہ کرو، کیونکہ اس کے سلسلہ میں تمہارے لیے ضمانت کیا ہو گی۔ (۲) اسی طرح ایک شخص نے دوسرے کو غلہ قرض دیا کہ وہ اسے یہی غلہ دوسرے شہر میں دے دے گا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ شہر لے جانے کی مزدوری کہاں گئی۔ (۳)

۵ - بیع کی قسمیں :

بیع کی کئی قسمیں ہیں، جن میں سے ہمیں حضرت عمرؓ کے یہاں یہ اقسام مل سکیں۔

(الف) بیع الصرف :-

تعریف : بیع صرف وہ بیع ہے جس میں ایک دوسرے کے معاوضہ میں دی جانے والی دونوں چیزیں از قسم زر نقد ہوں۔

۲ - احکام :-

(الف) اگر ایک دوسرے کے معاوضہ میں دی جانے والی دونوں چیزیں ایک ہی جنس سے ہوں تو تفاضل اور نسیئہ دونوں

(۱) مصنف عبدالرزاق ۸/۱۴۱ سنن البیہقی ۵/۳۵۲
(۲) الموطا ۲/۶۸۱

حرام ہیں۔یعنی ضروری ہے کہ دونوں برابر ہوں۔ اور دونوں طرف سے قبضہ فوراً ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سونے کو سونے کے بدلے میں فروخت نہ کرو مگر برابر سرابر۔ اور کسی کا وزن ایک دوسرے سے زائد نہ ہو۔ اور چاندی کو چاندی کے بدلے فروخت نہ کرو مگر برابر سرابر اور کسی کا وزن دوسرے سے زائد نہ ہو (۱) نیز آپ نے فرمایا، نہ فروخت کرو سونے کو سونے کے بدلے اور نہ چاندی کو چاندی کے بدلے مگر برابر برابر اور ایک ہی جنس کا باہم تبادلہ کرتے وقت کمی بیشی کا معاملہ نہ کرو۔ اور ان میں سے غائب کو حاضر کے بدلے فروخت نہ کرو، اگر اتنی مہلت بھی مانگے کہ گھر میں داخل ہو جائے تو اتنی مہلت بھی نہ دو کیونکہ مجھے اس میں بھی ربا کا اندیشہ ہے (۲)

حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا کہ لوگو! اگر درہم کے بدلے درہم اور دینار کے بدلے دینار فروخت کیا جائے تو نقدا نقد اور برابر سرابر ہو (۳)، جتنا لو اتنا ہی دو۔ نیز آپ نے فرمایا: درہم کو درہم کے بدلے میں فروخت کرتے وقت ان میں جو زیادتی ہوگی وہ ربا ہوگی (۴)

اور حضرت عمرؓ نے حاضر نقدی کو قرض کے بدلے فروخت کرنے سے منع فرمایا (۵)، یعنی یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص سو درہم کو سو درہم کے بدلے اس طرح فروخت کرے کہ خود سو درہم اسی وقت لے لے اور خریدار کو ایک ماہ بعد ادا کرے۔

اسی طرح کھرے درہموں کی بیع کھوٹے درہموں کے بدلے جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح ان میں موجود چاندی کی بنا پر ان کے درمیان تفاضل ہو جائے گا۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ چاندی کے بدلے چاندی اور سونے کے بدلے سونا فروخت کرو تو ہم وزن ہو۔ اور اگر کسی کے پاس چاندی کے کھوٹے سکے ہوں تو وہ ان کو فروخت کرنے کے لیے یہ قسمیں نہ کھاتا پھرے کہ یہ کھرے ہیں بلکہ یہ کہے کہ کون شخص ان کھوٹے سکوں کے بدلے میں میرے ہاتھ پرانے کپڑے فروخت کرتا ہے؟ (۱)

حضرت عمرؓ نے چاندی کی فروخت سے منع فرمایا مگر برابر سرابر۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف یا زبیرؓ نے ان سے کہا کہ چاندی کے سکے کھوٹے ہو جاتے ہیں تو ہم وہ دے کر ان کے بدلے کھرے سکے لے لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں: ایسا نہ کرو۔ (۲)

اور اگر چاندی کو چاندی یا سونے کو سونے کے بدلے میں فروخت کرتے وقت ایک طرف ڈھلا ہوا زیور ہو تو اس کی بنوائی لینا جائز نہیں ہے بلکہ دونوں بدلوں میں برابری ضروری ہے۔ حضرت ابورافع سے مروی ہے کہ اُنھوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں سونا ڈھالتا ہوں اور اس کو اسی کے برابر سونے میں فروخت کر دیتا ہوں لیکن اپنے عمل کی اُجرت لے لیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ سونے کو سونے کے بدلے اور چاندی کو چاندی کے بدلے ہم وزن فروخت کرو (۳)

---

(۱) الموطا ۲/۶۳۴، المجموع ۱۰/۷۰، سنن البیہقی ۵/۲۷۹
(۲) عبدالرزاق ۸/۱۲۱ (۳) المحلی ۸/۴۸۹، ۵۱۳
(۴) عبدالرزاق ۸/۱۲۵ (۵) سنن البیہقی ۶/۲۸ المغنی ۴/۴۹۰

(۱) مصنف عبدالرزاق ۸/۱۲۵ (۲) عبدالرزاق ۸/۱۲۳ المحلی ۸/۵۱۳ (۳) عبدالرزاق ۸/۱۲۵ سنن البیہقی ۵/۲۹۲، المغنی ۴/۸

اور زائد مت لو۔

حضرت معاویہؓ نے سونے کا یا چاندی کا پیالہ اُس کے وزن سے زائد چاندی یا سونے کے بدلے میں فروخت کیا تو حضرت ابو درداءؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ ایسے سودے سے منع فرمایا کرتے تھے الا یہ کہ برابر سرابر ہو۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ ایسے سودے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابوالدرداء بولے: معاویہؓ کے بارے میں مجھے کون معذور سمجھے گا؟ میں انہیں حدیث رسولؐ سنا رہا ہوں اور وہ مجھے اپنی رائے بتا رہے ہیں، لہٰذا میں اب اس سرزمین میں نہیں رہوں گا، جہاں تم رہتے ہو۔ بعد ازاں حضرت ابوالدرداءؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور اُنہیں واقعہ بتایا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ چاندی اور سونے کو برابر برابر اور ہم وزن فروخت کرو (۱)۔

ب) اگر زر نقد ہونے کے باوجود دونوں عوض جنس میں مختلف ہوں مثلاً ایک عوض سونا ہو اور دوسرا چاندی ہو تو تفاضل (زیادتی) جائز اور نسیہ (ادھار) حرام ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ خیال کرتے ہو کہ ہمیں ربا کے ابواب معلوم نہیں ہیں۔ میرے لیے تو اُن کا علم مصر اور اس کے پورے علاقے سے زیادہ بہتر ہے۔ بہر حال چند مسائل ایسے ہیں جو کسی پر مخفی نہ رہنے چاہئیں یہ کہ سونے کو چاندی کے بدلے ادھار فروخت نہ کیا جائے اور نہ سودا کیا جائے کچے پھل کا جو ابھی زرد ہوا اور پکا نہ

(۱) الموطأ ۲/۶۳۴

ہو اور جانوروں میں بیع سلم نہ کی جائے (۱)۔ نیز آپ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی بیع صرف کرے تو اس وقت تک جدا نہ ہو جب تک خریدی ہوئی شے کا قبضہ نہ لے لے۔ اگر بائع یا مشتری اتنی بھی مہلت مانگے کہ گھر ہو آئے تو اسے یہ مہلت بھی نہ دو کہ مجھے ربا کا اندیشہ ہے۔ (۲)

مالک بن اوس بن حدثان روایت کرتے ہیں کہ میں نے طلحہ بن عبداللہ سے سونے کے بدلے چاندی خریدی تو اُنہوں نے کہا کہ ہمیں اتنی مہلت دیں کہ ہمارا خازن غابہ سے آجائے۔ یہ بات حضرت عمرؓ نے سُنی تو فرمایا کہ نہیں اس وقت تک جدا نہ ہو جب تک اپنی اپنی صرف (خریدی ہوئی شے) قبضہ میں نہ لے لو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ سونے کے بدلے میں سونا خریدنا سود ہے الا یہ کہ دست بدست ہو۔ (۳)

(ب) بَیعُ سَلَم:

۱۔ تعریف: یہ ایسی بیع ہے جس میں ایک عوض کی ادائیگی فوراً ہوتی ہے اور دوسرے عوض کی ادائیگی مؤجل یعنی بعد میں لیکن تعیین وقت و مقدار کے ساتھ جو ادا کرنے والے کے ذمے رہتی ہے۔

۲۔ شرائط: بیع سلم کی حسب ذیل شرائط ہیں۔

بیع سَلم میں راس المال یعنی قیمت فوراً ادا کی جائے، جبکہ مسلم فیہ یعنی وہ چیز جس کا سودا طے پایا ہے بعد میں دی جائے۔

مُسلم فیہ (وہ جس شے کا سودا کیا جا رہا ہے) ایسی ہو کہ اُس

(۱) عبدالرزاق ۸/۲۶، المجموع ۱۰/۲۱ (۲) عبدالرزاق ۸/۱۱۶ (۳) مسند احمد ۱/۵۳، عبدالرزاق ۸/۱۱۶، المحلی ۸/۴۸۸، المغنی ۴/۱۰

کے اوصاف واضح طور پر بیان کیے جا سکتے ہوں۔ اگر اس کے اوصاف بیان نہ کیے جا سکتے ہوں تو بیع جائز نہیں ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ حیوان کی بیع سلم کو جائز نہیں قرار دیتے تھے کہ اس کے اوصاف پوری طرح بیان نہیں کیے جا سکتے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن القاسم سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ حیوان کی بیع سلم مکروہ سمجھتے تھے(۱) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم سمجھتے ہو کہ ہمیں ابواب ربا کا علم نہیں ہے۔ میرے لیے تو ان کا علم مصر اور اس کے پورے علاقے سے خوب تر ہے۔

بہرحال بعض امور ہیں جو کسی سے مخفی نہ رہنے چاہییں۔ وہ یہ کہ سونے کو چاندی کے بدلے ادھار فروخت نہ کیا جائے اور کچا پھل (کھجور) جو ابھی زرد ہو اور پکا نہ ہو اس کا پیشگی سودا نہ کیا جائے اور جانوروں میں بیع سلم نہ کی جائے۔ (۲)

جس چیز کی بیع سلم کی جا رہی ہے اس کے سلسلہ میں یہ شرط ہے کہ وہ ایسی ہو جس کی صفات واضح طور پر بیان کی جا سکیں ورنہ مذکورہ بالا شرط بے فائدہ ہو جائے گی۔

(ج) بیع الوفاء:

۱۔ تعریف: اس سے مراد وہ بیع ہے جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ جب بائع قیمت واپس کرے گا تو خریدار خریدی ہوئی شے واپس کر دے گا۔

۲۔ حکم:

حضرت عمرؓ اس طرح کی بیع کو بیع فاسد کی قسم قرار دیتے تھے، کیونکہ اس میں ایک ایسی شرط ہے جو نہ تو عقد کے لیے موزوں ہے اور نہ عقد کا اقتضا ہے اور اس میں ایک فریق کا مفاد ملحوظ ہے۔ (د: بیع/۴ ب ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ میں نے اپنی زوجہ زینب سے ایک باندی خریدی۔ انہوں نے یہ شرط لگائی کہ تم جب اسے بیچو تو اسی قیمت پر میرے ہاتھ فروخت کرنا۔ میں نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے قریب نہ جانا کہ اس میں ایک فریق کے حق میں شرط لگائی گئی ہے۔ (۱)

دراصل ان دونوں صورتوں میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے کہ اگر خریدار خود فروخت کرنا چاہے تو وہ پابند ہوگا کہ خرید کردہ چیز کو قیمت خرید پر بائع کے ہاتھ فروخت کرے اور اس میں کہ بائع خود ہی وہ قیمت دے دے جس پر اس نے فروخت کی تھی۔ اس لیے کہ دونوں صورتوں میں خریدار کو قیمت خرید پر فروخت کرنے کا پابند کیا گیا ہے۔ اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک بیع وفا فاسد ہے۔ اور ہمارا یہ استنباط اس واقعہ پر مبنی ہے جس میں حضرت عمرؓ نے فتویٰ دیا اور اس قاعدہ پر مبنی ہے جسے آپ نے معاہدوں میں شرائط کی بنیاد قرار دیا ہے۔

۶۔ بیع میں خیار[ل] کی قسمیں:

خیار کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) خیار عیب (۲) خیار مجلس۔ (۳) خیار شرط۔ (د: خیار)

---

(۱) عبدالرزاق ۸/۲۴ (۲) عبدالرزاق ۸/۵۹، المحلی ۹/۱۰۷، ۱۰۹، المغنی ۴/۲۰۸

(۱) المغنی ۴/۹۹

ل خیار: اصطلاحاً اس سے مراد وہ اختیار ہے جو خریدار کو خرید کردہ چیز واپس کرنے کے سلسلہ میں حاصل ہے۔

بیعۃ (بیعت)

۱- جو شخص اسلام قبول کرے اس سے بیعت لینا۔

(د: امارہ/۴ب)

۲- ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اس سے یہ بیعت لیتے کہ تم اقرار کرو کہ میں ایمان لایا اللہ پہ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں گا۔ جتنی نمازیں اللہ نے فرض کی ہیں بہ پابندی وقت ادا کروں گا، کیونکہ ان میں کوتاہی کرنا باعث ہلاکت ہے۔ خوش دلی کے ساتھ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کروں گا۔ رمضان کے روزے رکھوں گا، بیت اللہ کا حج کروں گا اور ولی امر کی اطاعت کروں گا۔ اور کبھی ان الفاظ کا اضافہ کرتے تھے کہ جو عمل کرو گے اللہ کے لیے کرو گے۔ انسانوں کے لیے نہیں۔ (۱)

بینۃ : دیکھو، اثبات

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۱/۳۳۰

تادیب

۱۔ **تعریف**: تادیب سے مراد وہ سزا ہے جو ولی ـــــ نہ کہ قاضی۔ اس شخص کو دے جس پر اُس کو ولایت حاصل ہو اور اس کا مقصد اس کے اطوار وعادات کو درست کرنا ہو۔

تادیب اور تعزیر میں فرق یہ ہے کہ تعزیر وہ سزا ہے جو قاضی کسی ایسے جرم پر دیتا ہے جس کی شریعت نے سزا مقرر نہ کی ہو۔ چنانچہ ان دونوں میں مندرجہ ذیل فرق ہے۔

(الف) تادیب وہ سزا ہے جو غیر قاضی دیتا ہے جب کہ تعزیری سزا قاضی دیتا ہے۔

(ب) تادیب کے لیے عدالتی کارروائی کی ضرورت نہیں ہے جب کہ تعزیری سزا کے لیے عدالتی کارروائی ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ:

حضرت عمرؓ بعض افراد کو کبھی کبھی تادیبی سزا بھی دیا کرتے تھے جب کہ آپ کا مقصد اس سزا سے اس شخص پر کسی عدالتی فیصلے کا نافذ کرنا نہیں ہوتا تھا۔

اس سے معلوم ہُوا کہ تعزیر کے لیے مقدمے کی کارروائی اور گواہی کا سُننا ضروری ہے جب کہ تادیب میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ نیز تعزیر میں ضروری ہے کہ عدالتی فیصلہ صادر ہو جس میں سزا کی مقدار بیان کی گئی ہو لیکن تادیب میں اس کی ضرورت نہیں۔

(ج) تادیب کسی ایسے انحراف اور کج روی پر ہوتی ہے جس کا انسان عادی ہو گیا ہو جب کہ تعزیر کسی جُرم پر ہوتی ہے جس کا انسان نے ارتکاب کیا ہو، اگرچہ پہلی مرتبہ کیا ہو۔

(د) تادیب میں باقی ماندہ سزا بصورتِ توبہ معاف کر دی جاتی ہے جب کہ تعزیری سزا میں جب ایک مرتبہ قاضی کوئی فیصلہ صادر کر دے تو اس کا نافذ کرنا ضروری ہے۔

۲۔ **مؤدِّب اور مؤدَّب** (تادیبی سزا دینے والا اور جسے تادیبی سزا دی جائے)

مودّب وہ ہے جسے تادیب کا اختیار حاصل ہو، جیسے باپ، سردار، امیر، معلّم، شوہر۔ یتیم کی تادیب کے سلسلے میں یتیم کا سرپرست باپ کا قائم مقام ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ اس شخص پر رحم کرے، جس نے یتیم کی اصلاح کے لیے اُس کے تھپڑ مارا۔

مؤدّب: اولاد، غلام، ماتحتوں میں سے کوئی فرد، شاگرد اور بیوی ہوسکتے ہیں ۔

۳۔ تادیب کے طریقے :

تادیبی سزا ایسی ضرب سے ہوتی ہے جو ضرب شدید سے کم ہو۔ نیز سرزنش کرنا اور قطع تعلق کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ اللہ جل شانہٗ، کا فرمان ہے کہ :

وَاللّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا

(النساء : ۳۴)

" اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو، اُنہیں خوب سمجھاؤ۔ خواب گاہوں میں اُن سے علیحدہ رہو اور مارو پھر اگر وہ مطیع ہوجائیں تو خواہ مخواہ اُن پر دست درازی کے لیے بہانے تلاش نہ کرو۔"

زہری سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ خادموں اور عورتوں کو تادیب کی غرض سے مارا کرتے تھے (۱) اور حضرت عمرؓ نصیحت کیا کرتے تھے کہ کوئی شخص کسی سے یہ نہ پوچھے کہ اُس نے اپنی بیوی کو کیوں مارا۔ کیونکہ اس کا جواب اُس شخص کے لیے پریشان کُن ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ اُس نے اپنی بیوی کو کسی ایسی بات پر مارا ہو جس کا کسی دوسرے کو بتانا مناسب نہ ہو ۔ اور مزید یہ کہ اس طرح گھر کے راز گھر ہی میں رہتے ہیں۔ چنانچہ اشعث بن قیس سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کی ضیافت کی ۔ آپ نے فرمایا کہ اے

(۱) مصنف عبدالرزاق ۹/۴۴۱

اشعث میری تین باتیں یاد رکھو، جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر یاد رکھی ہیں ۔ کسی سے یہ نہ پُوچھو کہ اُس نے اپنی بیوی کو کیوں مارا ؟ وتر پڑھ کر سویا کرو ۔ اور تیسری مَیں بھول گیا ۔ (۱)

نافع سے پوچھا گیا کہ حضرت عمرؓ اپنے غلام کو مارتے تھے ؟ اُنہوں نے کہا کہ ہاں مارتے تھے اور فوراً آزاد بھی کردیتے تھے (۲) حضرت نافع نے یہ جو کہا کہ مارتے بھی تھے اور فوراً آزاد بھی کردیتے تھے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کا مارنا محض ایذا رسانی کے لیے نہیں ہوتا تھا، بلکہ آپ کی غرض اصلاح اور حُسن سلوک ہوتی تھی ۔

حضرت عمرؓ کے ایک فرزند اُن کے پاس آئے ۔ اُنہوں نے کنگھی کی ہوئی تھی اور عمدہ لباس زیب تن تھا ۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو کوڑے سے اتنا مارا کہ وہ رو پڑے ۔ حضرت حفصہؓ نے فرمایا کہ اس نے کوئی بُرائی نہیں کی آپ اسے مار کیوں رہے ہیں ؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں نے محسوس کیا کہ اس میں خود پسندی آگئی ہے، لہٰذا میں نے مناسب خیال کیا کہ اس کے نفس کو اس کی نظروں میں حقیر کردوں (۳)

یہ بات مشہور ہے اور سب جانتے ہیں کہ آپؓ کے پاس ایک دُرّہ تھا، جو آپ ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے اور جس کو تادیب کا مستحق خیال کرتے تھے اُسے اُس سے مارا کرتے تھے ۔ (۴)

(۱) سنن البیہقی ۷/۳۰۵ (۲) مصنف عبدالرزاق ۹/۴۴۱
(۳) عبدالرزاق ۴/۳۱۶

تبذیر (فضول خرچی)

۱۔ تعریف: تبذیر سے مراد مال کا ایسی جگہ خرچ کرنا ہے جہاں خرچ نہ ہونا چاہیے۔

۲۔ حکم:

(الف) نیک کاموں میں اور احکام الٰہی کے مطابق خرچ کرنا تبذیر نہیں ہے۔

(ب) جائز خواہشات کی تکمیل پر ضرورت سے زائد خرچ کرنا اور اس کی خاطر مال لٹانا اسراف ہے۔ اور اصل مال کو محفوظ رکھ کر اس کے منافع کو جائز خواہشات پر صرف کرنا تبذیر نہیں ہے۔

(ج) حرام کام میں تھوڑا مال خرچ کرنا بھی تبذیر ہے۔ (۱)

اور تبذیر حرام ہے اس لیے کہ فرمان الٰہی ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا

(الاسراء: ۲۶، ۲۷)

"رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔ فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔"

زید بن اسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو صہیبؓ سے کہتے سنا کہ اے صہیبؓ تین باتیں تمہارے اندر عیب کی ہیں، اگر وہ نہ ہوتیں تو میں تم پر کسی کو فوقیت نہ دیتا۔ صہیبؓ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ وہ باتیں کون سی ہیں کیونکہ آپ نے مجھے مطعون کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کچھ گفتگو کرنے کے بعد کہا کہ (۱) تم مال میں تبذیر کرتے ہو (۲) تم نے نبی کے نام پر اپنی کنیت رکھی ہے (۳) اور تمہاری زبان عجمی ہے اس کے باوجود تم اپنا نسب عربی بتاتے ہو۔

صہیبؓ نے کہا جہاں تک مال خرچ کرنے کا تعلق ہے جسے آپ نے تبذیر کہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں بلا جواز خرچ نہیں کرتا۔ جہاں تک میری کنیت کا تعلق ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت ابو یحییٰ رکھی تھی، اگر آپ کہیں گے تو چھوڑ دوں گا اور جہاں تک میرے عرب خاندان سے انتساب کا تعلق ہے تو دراصل رومی مجھے بچپن میں قیدی بنا کر لے گئے تھے اور مجھے اپنے گھر والوں کے بارے میں کچھ یاد نہیں۔ اور اگر میں لید میں سے اگا ہوتا تو کیا مجھے اسی کی طرف منسوب کیا جاتا؟ (۱)

حضرت عمرؓ نے صہیبؓ کے کثرتِ انفاق پر اس خیال سے اعتراض کیا تھا کہ ممکن ہے وہ اس نفع کو جو انہیں اپنے سرمایہ پر ملتا ہے غلط کاموں میں خرچ کرتے ہوں۔ صہیبؓ نے جواب دیا کہ نہیں وہ طاعتوں میں خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ اپنی ضروریات پر صرف کرتے ہیں وہ بھی حد سے زائد نہیں ہوتا، اس لیے وہ "مُبَذِّر" نہیں ہیں۔ یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

(۳) مُبَذِّر پر حجر (پابندی)

---

(۱) القرطبی، النساء ۱۰/۲۴۷، المحلی ۸/۸۹۰

(۱) المحلی ۸/۲۹۷

اگر ہم قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر کی جانب رجوع کریں۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ (النسآء: ۴)

"اور اپنے مال نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو"

اور یہ جستجو کریں کہ صحابہ کرامؓ اور آئمہ تفسیر نے سفہاء کا کیا مفہوم لیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تشریحات کا اصل مدار ایسا شخص ہے جو مالی تصرفات بہتر طریقہ پر نہ کرسکے اور حسن تصرف کی یہ کمی بچہ میں بھی پائی جاتی ہے اور عورت میں بھی۔ بنا بریں بعض نے اس سے بچہ مراد لیا ہے اور بعض نے عورت۔ لیکن اصل علت وہی ہے یعنی حسن تصرف کا فقدان۔ چنانچہ اُنہوں نے کہا ہے کہ اُن پر پابندی لگائی جاسکتی ہے۔

ایسے افراد پر حجر عائد کرنا جو مالی تصرفات صحیح طور پر نہ کرسکتے ہوں، صحابہ کرامؓ کے درمیان عام تھا۔ اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے کہ کسی نے بھی اس کو ناپسند نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کیا کہ وہ عبداللہ بن جعفر پر حجر لگا دیں کیونکہ وہ اپنا مال درست طریقہ پر خرچ نہیں کرتے اور اُنہوں نے سبختین (دلدلی زمین کے دو قطعے) ساٹھ ہزار میں خریدے جو حضرت علیؓ کی نظر میں اُس کی جُوتی کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتے تھے۔

اسی طرح حضرت ابنِ زبیرؓ حضرت عائشہؓ پر حجر (پابندی) لگانا چاہتے تھے، کیونکہ حضرت عائشہؓ اپنا کوئی گھر فروخت کرنا چاہتی تھیں۔

عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عباس دونوں سے ایسے شخص پر جو احسن طریقہ پر مالی تصرف نہ کرسکے حجر عاید کرنے کے جواز کی تصریح منقول ہے۔ اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے حجر کے اُصول پر کوئی اعتراض منقول نہیں ہے۔ (۱)

غرض مُبَذر وہ انسان ہے جو اپنے مال میں بہتر طریقہ پر تصرف نہ کرسکے۔ اسی بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بھی مُبَذر پر حجر کے عاید کیے جانے کے قائل ہوں گے لیکن ہمیں اس کے بارے میں کوئی صریح نص نہیں ملی۔

تبرّع (رضا کارانہ عطیہ)

۱۔ تعریف: بغیر معاوضہ کے کسی کو کسی شے کا مالک بنا دینا۔

۲۔ عقودِ تبرّع کی قسمیں:

عقد تبرع کی اقسام حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) ہبہ (دیکھو: ہبۃ) (۲) صدقہ (د: صدقہ)
(۳) وصیت (د: وصیۃ) (۴) وقف (د: وقف)
(۵) اعارہ (د: عاریۃ) (۶) قرض (د: دین)
(۷) کفالت (د: کفالۃ) (۸) ابراء من الدین (د: ابراء) وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ مُتبرع (تبرع کرنے والا)

(الف) ایسے شخص کا تبرّع صحیح نہیں ہے جس پر پابندی عاید ہو۔ جن پر پابندی ہے وہ یہ ہیں۔ مجنون، بچہ، غلام، لونڈی، کم عقل (سفیہ) مفلس اور ایسی شادی شدہ عورت جس کے بچہ نہ ہُوا ہو یا اُسے شوہر کے گھر ابھی ایک سال نہ گزرا ہو۔ اور ایسا شخص جو لب گور کھڑا ہو۔ مثلاً وہ مریض

---

(۱) المحلی ۸/ ۲۸۴، ۲۸۵

جو مرض الموت میں مبتلا ہو۔ اور وہ شخص جو میدانِ جنگ میں دشمن کے بالمقابل ہو اور وہ عورت جو دردِ زہ میں مبتلا ہو۔ (د : حجر)

بہرحال جس شخص پر پابندی عاید ہو وہ تبرّع نہیں کرسکتا البتہ باشعور نابالغ، بے وقوف، ایسی شادی شدہ عورت جس کے اولاد نہ ہوئی ہو یا جس نے ابھی شوہر کے گھر ایک سال نہ گزارا ہو۔ اور وہ شخص جو مرنے کے قریب ہو وصیت اور ہر ایسا تبرّع کرسکتے ہیں جو اُن کی ملکیت میں موجود ثلث مال سے زائد نہ ہو اور اس میں سے تمام وہ حقوق مالیہ ادا ہوچکے ہوں جو اس پر عاید ہیں۔ یعنی یہ جو بھی تبرّع کریں گے اس کا معاملہ وصیت کی طرح ہوگا اور وہ ثلث مال سے زائد تبرّع نہیں کرسکیں گے۔ ماسوا نابالغ بچّے کے کہ وہ محض وصیت کرسکتا ہے اور کسی قسم کا تبرّع نہیں کرسکتا، خواہ وہ ثلث سے کم ہو یا زیادہ (د ا حجر/۴ ب)

(ب) ولی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے زیرِ ولایت شخص کے مال میں سے تبرّع کرے، اس لیے کہ تبرّع میں اس کا سراسر نقصان ہے۔

(د : ولایت/۲۰ ب ۲)

۴- لزوم تبرع :

تبرّع کے تمام وہ معاملات جن میں قبضہ ضروری ہے اور قبضے کے بغیر لازم نہیں ہوتے۔ (د ا ہبہ/۴ ب) الا یہ کہ تبرّع از قسم احسان و نیکی ہو۔ مثلاً صدقہ اور وقف۔ کہ یہ صرف ایجاب (پیشکش) سے بھی لازم ہوجاتے اور ان کے سلسلہ میں قبضے کی ضرورت نہیں ہے (د ا صدقہ/۵ ب)

تجسّس (جاسوسی)

تجسّس کی چار اقسام ہیں۔

۱- مسلمانوں کے راز معلوم کرنے کی غرض سے تجسّس کرنا یہ تجسّس ممنوع ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں ہے :

"وَلَا تَجَسَّسُوا (الحجرات: ۱۲)

" اور جاسوسی نہ کرو "

ابوداؤد نے اپنی سُنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :

" اگر امیر (حکمران) لوگوں کے رازوں کے درپے ہوجائے گا اور بدظنی سے کام لے گا تو وہ اُنہیں خراب کردے گا"

حضرت عمرؓ کو رعایا کی فلاح کا ہر وقت خیال رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ہمیشہ مسلمانوں کے مفادات کی حفاظت کے لیے بیدار رہتے تھے اور پُوری سنجیدگی اور جوش کے ساتھ ایسے حالات پیدا کرنے کے لیے مسلسل مصروف بہ عمل رہتے تھے، جس سے ان مفادات کی حفاظت کی ضمانت ملے اور جن سے نیک اور متقی لوگوں کا مقام و مرتبہ بلند ہو اور شر ان سے دُور رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو آپ کا دل اس اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے بعض مسلمانوں کے حالات کے تجسّس پر آمادہ کرتا رہتا تھا لیکن جونہی آپ کو یاد دلایا جاتا کہ تجسّس کی ممانعت کی گئی ہے تو حضرت عمرؓ فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کرلیتے اور نصیحت قبول کرلیتے تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ آپ کو اطلاع دی گئی کہ ابومحجن ثقفی اور اُن کے ساتھی اپنے گھر میں مے نوشی کررہے ہیں۔ آپ فوراً روانہ ہوئے

اور اُن کے گھر پہنچ گئے۔ دیکھا تو اُن کے پاس ایک ہی شخص تھا۔ ابومحجن نے کہا کہ امیرالمومنین یہ آپ کے لیے جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ نے تجسس سے منع کیا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ صاحب کیا کہہ رہے ہیں اس پہ زید بن ثابت اور عبداللہ بن ارقم نے کہا کہ اے امیرالمومنین یہ درست کہہ رہے ہیں کیونکہ یہ بھی تجسس ہی ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ باہر آگئے اور اُنہیں چھوڑ دیا۔"(۱)

عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شب میں گشت میں حضرت عمرؓ کے ساتھ تھا۔ چلتے چلتے ہم نے دیکھا کہ ایک گھر میں چراغ جل رہا ہے چنانچہ ہم اس سمت کو ہو لیے۔ قریب پہنچے تو دیکھا کہ گھر کا دروازہ بند ہے اور گھر میں سے شور و شغب کی آوازیں آ رہی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا ہاتھ پکڑا اور پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے یہ کس کا گھر ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے بتایا کہ یہ ربیعہ بنت امیہ بن خلف کا گھر ہے اور ان لوگوں نے شراب کی مجلس جما رکھی ہے، لہٰذا اب تمہارا کیا خیال ہے؟ اس پہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ ہم تجسس کر رہے ہیں اور اللہ نے تجسس سے منع کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُن کو اُن کے حال پہ چھوڑا اور وہاں سے چلے آئے۔ (۲)

۲۔ مسلمانوں کے حالات کا تجسس اس غرض سے کہ اُن کی ضروریات معلوم کی جائیں۔ اور پھر اُن کو اُن کی ضروریات فراہم کی جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک مستحسن کام ہے، بالخصوص اگر مسلمانوں کا امیر ایسا کرے تو اس کی افادیت بہت زیادہ ہے چنانچہ حضرت عمرؓ اکثر راتوں کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت کیا کرتے تھے اور مسلمانوں کے حالات معلوم کر کے اُن میں سے جسے ضرورت مند پاتے اس کی ضرورت پوری کیا کرتے تھے، چنانچہ اسی قسم کا ایک واقعہ ہے کہ ایک رات آپ مدینہ منورہ میں گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر سے ایک عرب عورت کے اشعار پڑھنے کی آواز آئی۔ وہ یہ اشعار گا رہی تھی۔

" یہ ستاروں بھری رات لمبی ہے اور میں اس لیے جاگ رہی ہوں کہ میرا رفیقِ حیات موجود نہیں ہے جس سے دل بہلاؤں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چاند شبِ تاریک میں چوکیدار بنا کھڑا ہے۔ اگر خوفِ خدا نہ ہوتو میں یوں تنہا نہ رہتی، لیکن اس کا ڈر ہے جو ہر وقت دیکھنے والا ہے اور باخبر ہے اور جس کا کاتب ہر وقت ہمارے اعمال درج کرتا رہتا ہے۔"

گانے سے فارغ ہو کر اُس نے ٹھنڈا اور لمبا سانس کھینچا اور کہا کہ عمرؓ کو اس کی کیا پرواہ کہ میں پریشان ہوں اور میرا شوہر میرے پاس نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ دروازے پر کھڑے اُس کی ساری گفتگو سُن رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے کہا کہ اللہ اس پہ رحم کرے۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ نے اُسے کچھ کپڑے اور اخراجات کے لیے رقم بھجوائی اور اُس کے شوہر کو واپس آنے کا حکم لکھوایا۔ (۱)

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۳۲۔ القرطبی ۱۶/۳۳۳

(۲) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۳۱۔ القرطبی ۱۶/۳۳۳ سنن البیہقی ۸/۳۳۳

(۱) سیرت عمرؓ ۱/۲۱۰، الجزء ۲، ۱، ۱

۳۔ دشمن کی خبریں معلوم کرنے کے لیے جاسوسی کرنا تاکہ مسلمان اپنے دشمن کے مقابلہ کی ایسی تیاری کر سکیں جو انہیں دہشت زدہ کر دے کیونکہ مسلمانوں کیلئے ایسی جنگی تیاری جس سے دشمن مرعوب ہو جائیں فرض ہے اور اس کے لیے دشمن کی جنگی تیاریوں کی جاسوسی بیحد ضروری ہے، کہ ان کی قوت، ان کے ہتھیار اور ان کی جنگی صلاحیت کے بارے میں مکمل معلومات حاصل ہو سکیں۔ اور اصول یہ ہے کہ جس کام پر کسی فرض کی تکمیل موقوف ہو وہ خود بھی فرض ہو جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

(الانفال: ۶۰)

"اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کر دو"

۴۔ مسلمانوں کے خلاف کافر دشمنوں کی جاسوسی: اس جاسوسی کا سدباب اور تدارک کرنے کے لیے مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہر طرح کے وسائل و ذرائع اختیار کریں۔ اور اگر دشمن کا کوئی جاسوس پکڑا جائے تو اس کو قتل کر دیں، اس پر پوری امت کا اجماع ہے (۱) چنانچہ مروی ہے کہ غزوہ ہوازن کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس جاسوس کو کس نے قتل کیا ہے۔ بتایا گیا کہ ابن الاکوع نے، آپ نے فرمایا کہ اس کا (جاسوس کا) سارا سامان انہیں ملے گا (۱) اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ نے حکم دیا تھا کہ جاسوس کو تلاش کر کے قتل کر دیا جائے۔

(۱) صحیح مسلم، بشرح النووی ۱۲/۶۷

(۱) صحیح مسلم، الجہاد، استحقاق القاتل سلب القتیل

تحکیم (ثالث مقرر کرنا)

تحکیم کے معنی یہ ہیں کہ جھگڑنے والے دونوں فریق اس بات پر متفق ہو جائیں کہ فلاں شخص ہمارے درمیان جھگڑے کا فیصلہ کرے۔

باہمی جھگڑوں کی ثالثی (د: قضاء/۱/ا)

بحالت احرام شکار کیے گئے جانور کے جرمانے کے لیے ثالثی (د: حج/۶/د ۵/۵)

زخموں کے جرمانے کے لیے ثالثی (د: جنایۃ/۵ ب ۴)

تحلی (د: حلی)

۱۔ تحیۃ: تحیۃ المسجد (د: الصلوۃ ۲۰ ح ۸)

۲۔ خطیب کا منبر پر بیٹھنے کے بعد لوگوں کو سلام کرنا (د: سلام)

تخنث (مخنث بننا)

۱۔ تعریف: تخنث کے معنی ہیں کہ کوئی شخص اپنی چال گفتگو اور جسم کے لچکانے اور مٹکانے میں عورتوں سے مشابہت پیدا کرے۔

۲۔ حکم:

تخنث حرام ہے اور ایسا کرنے والے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخنث

مردوں پر لعنت بھیجی ہے (۱) حضرت عمرؓ مخنثوں کو شہر بدر کر دیا کرتے تھے، چنانچہ ایک شخص کو نکالنے کی روایت صحیح بخاری میں ہے۔ (۲)

بیہقی نے اپنی سُنن میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مخنث کو شہر بدر کر دیا تھا۔ (۳) حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ابو الحسن المدائنی نے اپنی کتاب "المغربین" میں ولید بن سعید کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کچھ لوگوں کو یہ کہتے سُنا کہ ابو ذویب مدینہ والوں میں حسین ترین شخص ہے تو آپ نے اُسے بلوایا اور اُس سے کہا: "اچھا تم ہو پھر اُسے مدینہ سے چلے جانے کے لیے کہا۔ اُس نے کہا کہ اگر آپ مجھے شہر بدر کر رہے ہیں تو بصرہ بھیج دیں، جہاں آپ نے نصر بن حجاج کو بھیجا ہے۔ ازاں بعد نصر بن حجاج کا واقعہ نقل کیا ہے جو مشہور ہے اور جعدۃ السلمی کا قصہ بیان کیا کہ وہ عورتوں کے ساتھ بقیع چلا جاتا اور اُن سے باتیں کرتا۔ کسی غازی نے حضرت عمرؓ کو اس کی شکایت لکھی، جس پر حضرت عمرؓ نے اُسے شہر بدر کر دیا۔ (۴)

تداوی (علاج کرنا)

۱۔ شراب کو بطور دوا استعمال کرنے کی حُرمت (د: اشربہ/۱ ز)

۲۔ جو شخص کعبہ کی خوشبو سے شفا حاصل کرنا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ اپنی خوشبو لے جائے اور اُسے بیت اللہ پر مل کر اُس میں سے لے جائے اور بیت اللہ کی خوشبو نہ لے۔

۳۔ علاج کرنے والے طبیب کے ہاتھوں اگر نقصان پہنچ جائے تو اُس کا تاوان۔ (د: جنایہ/۲ ب ۲ د)

تدبیر (مدبر بنانا)

۱۔ تعریف: تدبیر کے معنی ہیں اپنے غلام کی آزادی کو اپنی موت پر معلق کر دینا۔

۲۔ احکام: (د: رق/۲)

تدلیس (عیب چھپانا)

۱۔ تعریف: تدلیس کے معنی ہیں عیب کا چھپانا۔

۲۔ اثرات:

تدلیس کے درج ذیل اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

(الف) جس شخص سے عیب چھپایا گیا ہے، اُسے عیب کی بنا پر خرید کردہ شے کی واپسی کا اختیار مل جاتا ہے، بشرطیکہ واپسی ممکن ہو۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک کپڑا خریدا۔ بعد میں دیکھا کہ اس میں سُرخ دھاگا ہے تو آپ نے اُسے واپس کر دیا۔ (۱) (د: خیار/۳) سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ ابن سندر نامی شخص نے ایک عورت سے نکاح کر لیا، حالانکہ وہ خصی تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے پُوچھا کہ تم نے اس عورت کو بتایا ہے۔ اُس نے کہا نہیں۔ آپ نے حُکم دیا کہ اُسے بتلا دو اور پھر اُسے اختیار دو کہ وہ چاہے تو تمہارے نکاح میں

---

(۱) صحیح البخاری - الحدود، نفی اہل المعاصی

(۲) صحیح البخاری، الحدود، نفی اہل المعاصی

(۳) سنن البیہقی ۸/۲۲۴ (۴) فتح الباری ۱۵/۱۶۳

(۱) المغنی ۳/۵۵۹ (۲) المغنی ۱/۵۸۹

رہے اور چاہے تو طلاق لے لے۔ (۱)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی شخص کو پانی پلانے پر مقرر کر کے بھیجا۔ یہ شخص عقیم (اولاد کے ناقابل) تھا۔ اُس نے ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے پوچھا کہ کیا تونے اس عورت کو بتا دیا ہے۔ اُس نے کہا کہ نہیں، آپ نے فرمایا جاؤ اور اس عورت کو بتلا دو اور اُس کو اختیار دے دو کہ چاہے تو تمہارے نکاح میں رہے اور چاہے تو طلاق لے لے۔ (۲)

ب) اگر واپس کرنا ممکن نہ ہو تو مدلس پر ضمان لازم آئے گا۔

۱۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جو مجنون تھی یا اُسے جذام یا برص کا مرض تھا اور شوہر نے اس سے جماع کر لیا اور بعدازاں اسے عیب کا پتہ چلا تو اس پر مہر واجب ہوگا کیونکہ اُس نے اس سے جماع کیا ہے (۳) اور تدلیس کی بناء پر ولی شوہر کو اس مہر کی ادائیگی کا ذمّہ دار ہوگا کہ اُس نے اُس کو دھوکہ دیا ہے۔ (۴) اور دوسری روایت میں ہے کہ مہر کی ادائیگی وہ کرے گا، جس نے دھوکہ دیا ہے۔

(د: نکاح /۵ د ۳ ب)

۲۔ عربوں میں سے ایک شخص کی لونڈی بھاگ گئی، اور اُس نے کسی عرب خاندان سے اپنا انتساب کر کے بنی عذرہ کے ایک شخص سے نکاح کر لیا۔ بعدازاں اُس کا مالک آگیا تو وہ اُسے اور اُس کے بچّوں کو واپس لے گیا۔

---

(۱) المغنی ۶/ ۶۵۲ (۲) المحلی ۱۰/ ۶۱ (۳) عبدالرزاق ۶/ ۲۴۴ - المحلی ۱۰/ ۱۰۹ (۴) المحلی ۱۰/ ۱۱۰، ۱۱۲ المغنی ۶/ ۶۵۶

چنانچہ یہ نزاع حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ عذری شخص کو اس کی اولاد کے فدیہ کے طور پر غرّہ دیا جائے۔ یعنی لڑکے کا فدیہ ایک غلام اور لڑکی کا فدیہ ایک باندی (۱)

۳۔ اپنے تجارتی سامان کو بنا سنوار کر پیش کرنا تدلیس نہیں ہے۔ کسی شخص کا اپنے سامانِ تجارت کو اچھی شکل وصورت میں دکھانا تدلیس نہیں ہے۔ اور خوبصورت دکھانے سے مراد بنا سنوار کر رکھنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص برائے فروخت اپنی باندی کا بناؤ سنگھار کرے پھر اُسے اللہ کا رزق حاصل کرنے کے لیے لے کر نکلے تو کوئی حرج نہیں ہے (۲)

تراویح

نماز تراویح وہ نفل نماز ہے جو مسلمان رمضان کے مہینہ میں وتر سے قبل اور نماز عشا کے بعد پڑھتے ہیں۔

(د: صلاۃ /۲۰ ح ۵)

ترکہ

۱۔ تعریف: ترکہ سے مراد منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کا وہ اثاثہ ہے جو کوئی شخص چھوڑ کر مرجائے۔ اس بنا پر ترکہ میں یہ اموال داخل ہیں۔

(الف) مال منقولہ اور غیر منقولہ اور وہ قرض جو مرنے والے کا کسی کے ذمہ واجب الادا ہو۔

---

(۱) المغنی ۶/ ۵۲۰ - المحلی ۸/ ۱۴۱

(۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۳۲ ب

۸) مقتول کی دیت :۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ مقتول کی دیت کے وارث محض وہ عصبات ہوں گے جو اُس کی طرف سے دیت ادا کرتے ہوں۔ پھر آپ کو جب یہ اطلاع ملی کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بیوی کو اس کے شوہر کی دیت میں سے میراث دلوائی ہے تو آپ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔

چنانچہ حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ دیت عصبہ کا حق ہے، اس لیے کہ وہی اس کی طرف سے دیت ادا کرتے ہیں۔ پھر آپ نے دریافت کیا، کیا کسی نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس بارے میں کوئی حدیث سُنی ہے؟ تو ضحاکؓ بن سفیان کلابی نے جنہیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اہل دیہ پر عامل مقرر کیا تھا بیان کیا کہ مجھے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تحریر کیا تھا کہ میں اشیم ضبی کی بیوی کو اس کے شوہر کی دیت میں سے میراث کا حصّہ دوں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو قبول کر لیا۔ (۱)

مؤطا میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو منیٰ میں قسم دلائی کہ جس کے پاس دیت کے سلسلہ میں کوئی حدیث ہو وہ مجھے بتلا دے، اس پر ضحاک کھڑے ہو گئے اور اُنھوں نے مذکورہ بالا حدیث سنائی (۲)

۹) مرنے والے کے تمام مالی حقوق اس کی وفات تک اسی کے لیے محفوظ ہوں گے اور حکومت کی طرف سے ملنے والے عطایا بھی اس میں شامل ہیں، چنانچہ ایک شخص ایسے وقت مرا تھا جب سال کا ایک تہائی حصّہ گزر چکا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے لیے ثلث عطا یعنی سالانہ وظیفہ کے ایک تہائی کا حکم دیا (۱)

(۲) ترکہ سے متعلق حقوق

ترکہ سے چار حقوق متعلق ہیں جو یہ ہیں۔

(الف) بغیر اسراف و تبذیر کے میت کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے مصارف :۔ کیونکہ مرنے کے بعد بھی مرنے والے کے اخراجات کی حیثیت وہی ہے جو اس کی زندگی میں تھی۔ مرد کو تین کپڑوں کا اور عورت کو پانچ کپڑوں کا کفن دیا جائے گا۔

(ب) تجہیز و تکفین کے بعد باقی ماندہ مال میں سے میت کے قرضہ جات ادا کیے جائیں گے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے چار سو درہم قرض منگوائے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا آپ مجھ سے کیوں قرض مانگ رہے ہیں جب کہ آپ کے پاس بیت المال ہے، اس میں سے لے لیں اور بعد ازاں واپس کر دیجیے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری موت آ جائے اور تم اور تمہارے ساتھی کہیں کہ امیر المومنین کا یہ قرض چھوڑ دو۔ اور پھر وہ قرض روزِ حساب میری میزان میں سے لیا جائے۔ میں تم سے قرض اس لیے لے رہا ہوں کہ مجھے معلوم ہے کہ تم بخیل آدمی ہو۔ جب میں مر جاؤں گا تو تم اگر میری میراث میں سے وصول کر لو گے (۲)

---

(۱) عبدالرزاق ۹/۳۹۷، المحلی ۱۰/۴۷۵، سنن البیہقی ۸/۵۷، المغنی ۷/۳۲۰، سنن ابی داؤد، والترمذی، الفرائض۔ باب ارث المرأۃ (۲) الموطا ۲/۸۶۶

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۲۱۱ (۲) المحلی ۸/۳۴۴ الاموال ۲۹۸

سنن البیہقی میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو برچھی ماری گئی تو آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن عمرؓ دیکھو میرے ذمّے کتنا قرض ہے ۔ حساب کیا گیا تو اسی ہزار یا اس کے لگ بھگ تھا ۔ چنانچہ آپ نے فرمایا : اگر آلِ عمرؓ کا مال اس قرض کی ادائیگی کے لیے کافی ہو جائے تو اس میں سے ادا کر دو ۔ ورنہ پھر بنی عدی بن کعب سے مانگو اور اس میں سے ادا کرو ۔ اگر پھر بھی پورا نہ ہو تو قریش سے کہو لیکن اُن کے علاوہ کسی اور سے طلب نہ کرو ، بہر حال یہ قرض ادا کر دو ۔ (۱)

اگر مرنے والے باپ کے ذمّہ بیٹے کا قرض ہے تو وہ ترکہ میں سے ادا نہیں کیا جائے گا ، اس لیے کہ باپ پر بیٹے کا قرض ، قرض شمار نہیں ہوتا ، کیونکہ فرمان نبویؐ ہے کہ تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے ۔ (۲)

چنانچہ ایک واقعہ پیش آیا تھا کہ ایک دیہاتی نے اپنی بیٹی کی شادی کی ۔ شوہر نے مہر بھجوایا وہ باپ نے رکھ لیا ۔ باپ مرا تو بیٹی نے مہر مانگا ۔ اُس کے بھائی حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور آپ کو بتایا کہ یہ مہر ہمارے باپ نے اپنی زندگی ہی میں لے لیا تھا ، اور بیٹی نے کہا کہ میرا مہر دلوایا جائے ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے مہر میں سے جو چیز بعینہٖ موجود ہو وہ تو تم لے لو ، لیکن جو تمہارے باپ نے خرچ کر دیا ہے تو صورتحال یہ ہے کہ تمہارے باپ پر تمہارا کوئی قرض نہیں ہے (۳)

(ح) اس کے بعد مشروع (قانونی) وصیتیں نافذ ہوں گی (د : وصیت)

(د) پھر جو ترکہ باقی بچے گا ، وہ قرآن و سُنت کے احکام کے مطابق ورثا میں تقسیم ہو گا ۔ (د : ارث)

تزویر (جعلسازی)

۱ ۔ تعریف : کسی شے کی نقل بنا کر یہ دعویٰ کرنا کہ یہی اصل ہے جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہو ۔

۲ ۔ حُکم :

تزویر جُرم ہے اور اس جُرم پر قاضی تعزیری سزا دے گا اور اس سزا کی مقدار قاضی کی صوابدید پر ہو گی ۔

ابن قدامہ نے روایت کیا ہے کہ معن بن زائدہ نے بیت المال کی مہر کے نقش کے مطابق مہر بنوالی اور ناظم بیت المال کے پاس آ کر مال لے لیا ۔ حضرت عمرؓ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے اُسے سو دُرّے مارے اور قید کر دیا ۔ اُس نے اس کے بارے میں کچھ باتیں کیں تو آپ نے سو دُرّے مارے ۔ پھر مزید باتیں کیں تو آپ نے سو دُرّے اور مارے اور جلاوطن کر دیا (۱)

(ب) جو شخص (قاضی) عدالت کے سامنے شہادت میں جعلسازی سے کام لے اور شہادت جیسی درحقیقت تھی اس سے مختلف پیش کرے تو حضرت عمرؓ ایسے جُرم پر سخت ترین تعزیری سزا دیا کرتے تھے ۔ حضرت عمرؓ نے اس جُرم میں جو سزائیں دیں ، اُن کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تمام جھوٹے گواہوں کو ایک ہی طرح کی سزا نہیں دیتے تھے بلکہ ہر مجرم کو ایسی سزا دیتے تھے جو آپ کے ظن غالب کے مطابق اسے اس جُرم سے باز رکھنے

---

(۱) سنن البیہقی ۶/۲۸۶ (۲) ابن ماجہ ، التجارت ، د المسند ۲/۲۰۳
(۳) مصنف عبدالرزاق ۶/۲۲۱

(۱) المغنی ۸/۸۲۵

کے لیے مناسب ہو۔

ایک مرتبہ ایک جھوٹا گواہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اُسے پُورا دن لوگوں کے سامنے کھڑا رکھا اور اعلان کرایا کہ یہ فلاں شخص ہے جو جھوٹی گواہی دیتا ہے اس کو پہچان لو اور بعد ازاں آپؓ نے اُسے قید کردیا۔[۱]

ایک اور مرتبہ آپؓ کے سامنے جھوٹا گواہ لایا گیا تو آپ نے حکم دیا کہ اس کا منہ کالا کیا جائے اور اس کی گردن میں اس کا عمامہ ڈالا جائے اور قبائل میں گشت کرایا جائے اور اعلان کرایا جائے کہ یہ جھوٹا گواہ ہے۔ کوئی اس کی گواہی قبول نہ کرے۔ (۲)

ایک مرتبہ آپ نے ایک جھوٹے گواہ کو گیارہ کوڑے مارے (۳) اور ایک مرتبہ ایک جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے مارے، مُنہ کالا کیا اور مدینہ منورہ میں گشت کرایا۔[۴]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں بالآخر جو رائے قائم کی وہ یہ ہے کہ وہ سزا جس سے جھوٹا گواہ باز آسکتا ہے، یہ ہے کہ اُسے بیک وقت کوڑے بھی مارے جائیں۔ مُنہ بھی کالا کیا جائے۔ اس کی تشہیر بھی کی جائے اور اُس کے ساتھ ہی اُسے مردود الشہادت قرار دیا جائے۔ کیونکہ جھوٹی گواہی دینا فسق ہے اور فسق سے گواہی ناقابلِ قبول ہوجاتی ہے۔ اسی لیے آپ نے شام کی چھاونیوں میں عمال کو حکم بھیجا کہ جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے مارے جائیں، منہ کالا کیا جائے کیا جائے۔ سر منڈوایا جائے۔ گشت کروایا جائے اور طویل قید میں رکھا جائے۔ (۱)

جھوٹے گواہ کی شہادت مردود ہونے کے سلسلہ میں دیکھیے۔ (شہادت ۱ ج / ۴ ج)

تزئین ؛ دیکھیے زینۃ

تسری

۱۔ تعریف : تسری کے معنی ہیں مرد کا ایسی لونڈی سے جماع کرنا جس پر کسی دوسرے کا حق نہ ہو۔

۲۔ متسری (حق تسری استعمال کرنے والا) کے لیے شرط ہے کہ وہ مرد ہو۔ یعنی عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے غلام سے جنسی تعلق قائم کرے۔ اگر عورت نے ایسا کیا تو وہ زنا ہوگا اور اس پر زنا کی حد نافذ کی جائے گی۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک عورت نے اپنے غلام سے تسری کی۔ جب اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو ہوئی تو آپ نے اُس سے دریافت کیا کہ تجھے ایسا کام کرنے کی جرأت کیونکر ہوئی۔ اُس نے کہا میں تو یہ سمجھی تھی کہ لونڈی سے تمتع جس طرح مردوں کو حلال ہے، اُسی طرح میرے لیے بھی غلام سے تمتع حلال ہے۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ صحابہ نے فرمایا کہ اس نے اللہ کے حکم کی ایسی تاویل کی ہے جو درحقیقت اس کے حقیقی معنی نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ؛ کچھ بھی ہو، اب میں تجھے کسی آزاد سے نکاح کی اجازت نہیں دوں گا۔ گویا

---

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۱۴۱، مصنف عبدالرزاق ۸/۳۲۵۔ (۲) عبدالرزاق ۸/۳۲۷ (۳) سنن البیہقی ۱۰/۱۴۱ (۴) سنن البیہقی ۱۰/۱۴۲۔ عبدالرزاق ۸/۳۲۷

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۲۔ عبدالرزاق ۸/۳۲۶ سُنن البیہقی ۱/۱۴۲

حضرت عمرؓ نے اس کو یہی سزا دی اور اس پر سے حد ساقط کر دی اور غلام کو حکم دیا کہ اس کے قریب نہ جائے[1]۔ حضرت عمرؓ نے عورت سے حد اس لیے ساقط کی کہ اُسے اس کام کے حرام ہونے کا علم نہیں تھا اور اپنے کام کی حُرمت سے ناواقف ہونا حضرت عمرؓ کے نقطہ نگاہ سے ایسا شبہ ہے جو حد ساقط کرنے کے لیے کافی ہے۔ (د ا حد/ ۶)

ایک عورت نے اپنے غلام سے نکاح کر لیا۔ اُس سے پُوچھا گیا تو کہنے لگی کہ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا: "وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ" "اور تمہارے لیے حلال ہیں وہ بھی جو تمہارے ملک میں ہُوں"۔ اس کی مراد یہ تھی کہ اس آیت میں اللہ نے غلام اور لونڈی دونوں سے تمتع کی اجازت دی ہے۔ اور ایک عورت نے بغیر گواہوں اور بغیر ولی کے نکاح کر لیا۔ اُس سے پُوچھا گیا تو اُس نے کہا کہ میں کنواری نہیں ہُوں اور اپنے معاملہ کی مالک ہُوں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ معاملہ پیش ہُوا تو آپ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور اُن سے اس کے بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ اُس نے کتاب اللہ کی غلط تاویل کو آپ کے مقابلہ میں دلیل بنایا ہے۔ اس پر آپ نے ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے اور مختلف شہروں میں حکم بھیجا کہ جو عورت بغیر ولی کے نکاح کر لے یا اپنے غلام سے نکاح کر لے وہ زانیہ کے حکم میں ہے۔ (۲)

اور یہ حُکم بھی بھیجا کہ اگر کوئی عورت اپنے غلام سے نکاح کر لے تو اُن کے درمیان تفریق کرا دی جائے اور عورت پر حد جاری کی جائے (۱)۔ حضرت عمرؓ نے اس عورت کو جو سو کوڑے مارے تھے وہ بطور حد نہیں تھے بلکہ بطور تعزیر تھے اور حرمت کے حُکم سے ناواقف ہونے کی بنا پر اُس پر سے حد ساقط کر دی تھی۔

ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اُس نے کہا کہ اے امیرالمومنین جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مَیں معمولی شکل وصُورت کی عورت ہوں۔ مَیں اپنے غلام کے دین اور امانت سے خوش ہُوں، لہٰذا میرا ارادہ ہے کہ مَیں اپنے اس غلام سے نکاح کر لوں۔ حضرت عمرؓ نے اس غلام کو بُلایا اور خُوب مارا پیٹا، چنانچہ اُسے کسی دُور دراز علاقے میں فروخت کر دیا گیا۔ (۲)

جابیہ میں حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت آئی جس نے اپنے غلام سے نکاح کر لیا تھا۔ آپ نے اُسے سرزنش کی اور ارادہ کیا کہ اُسے رجم کر دیں۔ اور فرمایا کہ کوئی مسلمان اب تیرے لیے حلال نہیں ہے (۱)

۳۔ مشتری بہا: (وہ باندی جس سے جنسی تعلق قائم کیا جائے) ایسی باندی کی درج ذیل شرائط ہیں۔

(الف) مشتری کی ملکیت تامہ ہو۔ اگر اس کی ملکیت تام نہ ہو تو وہ اُس سے ہمبستری نہیں کر سکتا۔ مثلاً باندی اُس کی بیوی کی ملک ہو، لہٰذا اُس کا اپنی بیوی کی باندی سے ہمبستری کرنا ایسا ہے جیسے اجنبی عورت سے وطی کرنا۔ خواہ بیوی نے اس باندی کو اس کے لیے حلال قرار دے

---

(۱) عبدالرزاق ۷/ ۲۰۹ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۲ سُنن البیہقی ۷/ ۱۲۷

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۳ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۳، المحلی ۱۱/ ۲۴۸ (۳) عبدالرزاق ۷/ ۲۰۹

دیا ہو یا نہ دیا ہو۔

چنانچہ روایت ہے کہ ایک صاحب سفر پہ روانہ ہونے لگے تو اُن کی بیوی نے خدمت کے لیے اپنی باندی اُن کے ساتھ کر دی، اُنہوں نے خود ہی اُس کی قیمت کا حساب لگایا اور اپنے ہاتھ فروخت کر دی اور اُس سے ہمبستری کر لی۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ مقدمہ پیش ہُوا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے خود ہی فروخت کر دیا اور خود ہی خرید لیا اور اُسے سو کوڑے مارے لیکن رجم نہیں کیا (۱) کیونکہ شبہ موجود تھا۔ اس لیے کہ ایک اور روایت میں ہے کہ اُس شخص کے رفقا نے کہا کہ کیا تم اسے فروخت کر رہے ہو، اُس نے کہا نہیں۔ مَیں اس کا مالک نہیں ہُوں۔ یہ میری بیوی کی ہے تو اُنہوں نے کہا کہ تم کو اس کی فروخت کا اختیار ہے، چنانچہ اُس نے اُسے کھڑا کیا اور جتنی قیمت اور لوگوں نے لگائی تھی، اُس سے کچھ زائد اُس نے اپنے ذمے کر لی اور اس بات پر لوگوں کو گواہ بنا لیا کہ مَیں اس لونڈی کی قیمت اپنے مال میں سے اپنی بیوی کو ادا کروں گا۔

جیبہ بنت خارجہ نے اپنے انصاری شوہر جن کا نام جلیب بن اساف تھا کے ساتھ اپنی باندی شام بھیجی اور کہا کہ شام میں اس کی قیمت زیادہ ملے گی تم اسے وہاں اپنی صوابدید کے مطابق فروخت کر دینا، اس وقت تک یہ تمہارے کپڑے دھوئے گی، سواری کو دیکھے گی اور تمہاری خدمت کرے گی۔ یہ صاحب اُسے لے کر چلے گئے اور خود اپنے لیے خرید لیا۔ پھر اُسے لے کر واپس مدینہ آئے تو وہ حاملہ تھی۔ بیوی حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور اس بات سے انکار کیا کہ مَیں نے اپنے شوہر کو لونڈی فروخت کرنے کے لیے کہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے شوہر کو رجم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر بیوی کی قوم نے اس سے بات کی۔ اس پر اُس نے کہا کہ مَیں اب گواہی دیتی ہُوں کہ مَیں نے اپنے شوہر کو باندی فروخت کرنے کا حکم دیا تھا اور پھر حضرت عمرؓ کے سامنے بھی اقرار کر لیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُسے (بیوی کو) حدِ قذف کے اسی کوڑے مارے[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ بنتِ خارجہ نے باندی اپنے شوہر کو ہبہ کر دی تھی۔ پھر بعد میں انکار کر دیا تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے پاس اگر کوئی شخص لایا گیا جس نے اپنی بیوی کی باندی سے ہمبستری کی ہو گی تو مَیں اُسے رجم کروں گا (۲)

۲۔ اسی طرح تسری کے لیے لونڈی سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، اگر اس پر اس کا حق ملکیت تام نہیں ہے، جیسے مشترک باندی سے وطی کرنا۔ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہُوا کہ ایک شخص نے ایسی باندی سے وطی کی جو اُس کی اور ایک اور شخص کی مشترک ملکیت تھی حضرت عمرؓ نے اُسے ننانوے کوڑے بطور تعزیر مارے[3] اور حد اس لیے ساقط کر دی کہ شرکت کی وجہ سے شبہ

(۱) عبدالرزاق ۷/۳۴۵، اخبار القضاۃ ۱/۳۲۴
سنن البیہقی ۸/۲۴۱

(۱) عبدالرزاق ۷/۳۴۷، سنن البیہقی ۸/۲۴۱ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۹-ب الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار ۲۰۵ (۳) عبدالرزاق ۷/۳۵۸

پیدا ہو گیا تھا۔

(ب) تسری کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ لونڈی کے فرج پر اس مالک کے سوا کسی کا حق نہ ہو، جیسے مالک کی شادی شدہ باندی کہ اس کے شوہر کا حق وطی مالک کو اس سے وطی کرنے سے مانع ہے۔ اگر مالک نے پھر بھی اس سے تسری کی تو اُسے سخت سزا دی جائے گی لیکن حد جاری نہیں کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے اپنی شادی شدہ باندی سے وطی کی تھی۔ آپ نے اُسے بطور تعزیر سو کوڑوں کی سخت سزا دی (۱) ایک اور شخص لایا گیا جس نے اپنی لونڈی سے جنسی فعل کا ارتکاب کیا تھا حالانکہ وہ اس کی شادی کر چکا تھا حضرت عمرؓ نے اُسے کوڑے مارے۔ لیکن حد نہیں جاری کی (۱)

(د؛ تعزیر/ ۹)

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مالک نے اپنی باندی کا نکاح اپنے ہی غلام سے کیا ہو یا کسی اور کے غلام سے۔ چنانچہ نافع سے مروی ہے کہ ثقیف کے ایک شخص نے اُنہیں بتلایا کہ اُن کے قبیلہ کے ایک فرد کے پاس ایک خوبصورت لونڈی تھی جسے حضرت عمرؓ بھی جانتے تھے۔ اس شخص نے اُس کا نکاح اپنے ایک غلام سے کر دیا اور خود بھی اُس کے ساتھ وطی کرتا رہا۔ غلام حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُنہیں اس بات کی اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے غلام کو پرے ہٹا دیا اور اُس کے مالک کو بلوا کر اُس سے پوچھا کہ فلاں باندی کا کیا حال ہے؟ اُس نے کہا کہ اے امیر المومنین وہ تو میرے پاس ہے اور میں نے اپنے غلام سے اُس کا نکاح کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے پوچھا کہ کیا تم بھی اُس سے وطی کرتے ہو؟ حضرت عمرؓ کے پاس موجود ایک شخص نے اُسے اشارہ کیا کہ کہہ دو نہیں۔ چنانچہ اُس نے کہا کہ نہیں! اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم اقرار کر لیتے تو میں تمہیں ایسی سزا دیتا کہ تم لوگوں کے لیے عبرت بن جاتے (۱)

حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو سو کوڑے مارے جو اپنی اس باندی سے جماع کا مرتکب ہوا تھا جو اُس کے ایک غلام کی بیوی تھی۔

جب مالک کے لیے اپنی اس باندی سے وطی کرنا جائز نہیں ہے جو اُس کے اپنے غلام کی بیوی ہو تو غلام کی ایسی بیوی سے بدرجۂ اولیٰ جائز نہیں ہے جو اُس کی باندی نہ ہو۔

(ج) کسی نے اس لونڈی کے سلسلہ میں کوئی شرط عاید نہ کر رکھی ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اپنی بیوی زینب ثقفی سے ایک باندی خریدی، لیکن اُنہوں نے یہ شرط لگائی کہ اگر تم اُسے فروخت کرنے لگو تو جو قیمت اُس کی لگے اُسی میں مجھے دے دینا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کے بارے میں حضرت عمرؓ سے پوچھا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس سے اُس وقت تک جماع نہ کرنا جب تک اس کے معاملہ میں کسی فریق کے حق میں شرط موجود ہے (۲)

(د) اور اگر اُس نے باندی فضولی[ل] سے خریدی جب کہ اُسے

(۱) عبدالرزاق ۷/ ۲۱۸ (۲) عبدالرزاق ۷/ ۲۱۷ و آثار ابی یوسف ۲۲۴ [ل] فضولی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کسی معاملہ میں بلا وجہ دخل اندازی کرے حالانکہ اس کا اس معاملہ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہو۔

یہ علم نہیں ہے کہ یہ شخص فضولی ہے تو اس سے وطی جائز ہے۔ (د: استحقاق / ۲) اور اگر خریدار کو معلوم ہے کہ فروخت کرنے والا مالک نہیں ہے اور اُسے بیع کی اجازت بھی نہیں ہے تو اس کے لیے اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں بیع مالک کی اجازت پر موقوف رہے گی اور ہوسکتا ہے وہ اجازت نہ دے۔

(ھ) دو ایسی باندیوں کو وطی (تسری) میں جمع نہ کرے جو آپس میں ذی رحم رشتہ دار ہوں اور جن کا ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہو۔ (د: تسری / ۱۵)

۴۔ جس لونڈی سے تسری کی گئی ہو اگر اس کے بارے میں مغالطہ ہوجائے۔

ابن ابی شیبہ نے ابی روح سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے کسی شخص کی باندی کا سا حلیہ بنا لیا۔ رات کا وقت تھا اس لیے وہ پہچان نہ سکا اور اس سے جماع کر لیا اور یہی سمجھا کہ وہ اس کی اپنی باندی ہے حضرت عمرؓ کے سامنے یہ معاملہ پیش ہُوا تو آپ نے یہ مسئلہ حضرت علیؓ کے پاس بھیج کر مشورہ طلب کیا۔ حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ مرد کو پوشیدہ طور پر اور عورت کو اعلانیہ طور پر سو سو کوڑے مارے جائیں (۱) حضرت علیؓ کے اس فیصلے پر حضرت عمرؓ کی طرف سے کسی طرح کا اعتراض یا اتفاق منقول نہیں ہے۔ مگر یہ سزا حضرت عمرؓ کے اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتی، کیونکہ اس میں محلِ وطی میں شبہ واقع ہوا تھا اور شبہ حضرت عمرؓ کے نزدیک حد کو ساقط کرنے کا باعث ہے۔ (د: حد ۸ ج ۲)

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۷

۵۔ تسری کے اثرات

تسری پر درج ذیل اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۱۔ حرمت مصاہرت: اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے وطی کر لی تو اُس کی ماں اور بیٹی اُس پر حرام ہو جائے گی۔ اور وہ باندی اپنے مالک کے بیٹے اور باپ پر حرام ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کسی شخص کی ملکیت میں کوئی باندی اور اس کی بیٹی دونوں ہوں اور وہ یکے بعد دیگرے دونوں سے وطی کرے؟ اس پر آپ نے کہا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ ان دونوں کو ایکدوسرے کے بارے میں پتہ چلے اور اس کی ممانعت فرما دی (۱) جس کا مطلب یہ ہو کہ تسری میں جمع بین الاختین بھی جائز نہیں ہے (۲) حضرت عمرؓ نے ایک لونڈی اپنے بیٹے کو ہبہ کی اور کہا کہ تم اُسے چھُونا کہ مَیں نے اس سے قربت کی ہے۔ (۳)

(ب) اگر باندی کے بطن سے آقا کا بچہ پیدا ہوجائے تو وہ ام ولد (آقا کے بچہ کی ماں) ہو جاتی ہے اور اس کا فروخت کرنا حرام ہو جاتا ہے اور اپنے مالک کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو جاتی ہے۔ (د: رق / ۴)

تسعیر

حکومت کی طرف سے اشیاء صرف کی قیمتوں کا مقرر کیا جانا۔

(د: بیع / ۲ د)

(۱) الموطا ۲/ ۵۲۸، المحلی ۹/ ۵۲۲، ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۱۲ اخبار القضاۃ ۲/ ۴۰۳، البیہقی ۷/ ۱۶۴، (۲) المغنی ۶/ ۵۴۴
(۳) الموطا ۲/ ۵۳۹، البیہقی ۷/ ۱۶۲

تشبہ : دیکھو: تقلید

تشریق (گوشت کو دھوپ میں سکھانا)

۱۔ تعریف : ایام تشریق سے مراد عید قربان کے بعد کے تین دن ہیں۔

۲۔ احکام :

(الف) ان ایام میں تکبیرات تشریق کہی جاتی ہیں۔

۱۔ تکبیر تشریق کے الفاظ یہ ہیں۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر و للّٰہ الحمد (۱)

مستحب یہ ہے کہ یہ الفاظ اسی ترتیب سے ادا کیے جائیں۔

۲۔ وقت : حضرت عمرؓ یوم عرفہ یعنی حج کے دن کی نماز فجر کے بعد سے ایام تشریق کے آخری دن کی نماز عصر تک تکبیر کہتے تھے (۲) اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ ایام تشریق کے آخری دن کی نماز ظہر تک کہتے تھے۔ (۳)

(ب) وہ مناسک جو حاجی ایام تشریق میں ادا کرتا ہے (د: حج/۴/ا/۱۵)

ایام تشریق کے روزے (د: صیام/۳ د ۲)

ایام تشریق میں قربانی (د: اضحیہ/۴)

تشہیر

لوگوں کے سامنے تشہیر بطور تعزیری سزا۔

(د: تعزیر/۲ د)

تعریض

۱۔ تعریف : تعریض سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے بارے میں ایسی بات کہے جس سے اس پر صراحتاً نہیں بلکہ اشارۃً کسی معیوب بات کا الزام عاید ہوتا ہو۔

۲۔ حکم :

حضرت عمرؓ کے نزدیک زنا کا الزام تعریضاً عاید کرنے کا حکم وہی ہے جو صراحتاً زنا کا الزام عاید کرنے کا۔ مثلاً اگر کسی شخص نے دوسرے شخص پر تعریضاً زنا کا الزام عاید کیا۔ یعنی لڑائی جھگڑے کے دوران اس سے کہا کہ "میں تو زانی نہیں ہوں" تو یہ مخالف پر زنا کی تعریض ہے اور یہ بالکل ایسا ہے جیسے اس سے کہا ہو کہ تو زانی ہے۔ اندریں صورت اسے یا تو گواہ پیش کرنے ہوں گے یا اس پر حد قذف نافذ کی جائے گی۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ کسی پر لفظ فاحشہ سے زنا کی تعریض کرنے پر حضرت عمرؓ حد قذف نافذ کیا کرتے تھے اور آپ نے عکرمہ بن عامر بن ہشام بن عبد مناف بن عبدالدار پر، وہب بن زمعہ بن الاسود بن عبد المطلب بن اسد کی ہجو کہنے اور اس میں اس پر زنا کی تعریض کرنے کی بنا پر حد قذف نافذ کی (۱)

(د: قذف/۴ د)

(ب) جھوٹ سے بچنے کے لیے کسی معاملہ کو تعریضاً بیان کرنا جائز ہے۔ (د: کذب/۲)

---

(۱) المغنی ۲/۳۹۴ (۲) المغنی ۲/۳۹۳، البیہقی ۳/۳۱۴، المؤطا ۱/۴۰۴، المجموع ۵/۴۴، ۴۵
(۳) ابن ابی شیبہ ۱/۸۴ ب

(۱) عبدالرزاق ۷/۴۲۱، البیہقی ۸/۲۵۲
(۲) عبدالرزاق ۷/۴۲۲

تعزیر

۱۔ تعریف: تعزیر وہ سزا ہے جو کسی ایسے مجرم پر عاید کی جائے جس کے لیے شارع نے کوئی حد بطور سزا مقرر نہ کی ہو۔
تعزیر اور تادیب میں فرق جاننے کے لیے دیکھو (تادیب)

۲۔ جرم اور مجرم سے تعزیری سزا کی مناسبت:
سزا کی غرض وغایت مجرم کو جرم سے باز رکھنا ہے، اس لیے قاضی (عدالت) کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ ایسی سزا دے جو جرم سے باز رکھنے والی ہو، بہرحال سزا میں درج ذیل اُمور ہونے چاہییں۔

(الف) سزا کا جرم کے مطابق ہونا۔
یعنی اگر جرم چھوٹا ہو تو اس کی سزا بھی ہلکی ہونی چاہیے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ تمہارے جس کاتب نے مجھے یہ خط لکھا ہے اُس نے غلطیاں کی ہیں، اُسے ایک کوڑا مارو۔(۱)
اور جب جرم بڑا ہو تو اُس کی سزا بھی سخت ہو گی۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک شخص رات گئے ایک شخص کے گھر میں چٹائی میں لپٹا ہوا پایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے سو کوڑوں کی سزا دی۔(۲) کیونکہ معلوم نہیں کہ چٹائی میں لپٹنے سے اُس کا مقصد کیا تھا۔ کیا کسی کی عزت پر دست درازی کرنا چاہتا تھا یا گھر والوں کے راز معلوم کرنا یا چوری کرنا، یا کسی کو قتل کرنا اس کا مقصد تھا۔ یہ سب اپنی جگہ بڑے بڑے جرم ہیں، اس لیے سو کوڑوں کی سزا مناسب ہے۔

(۱) اخبار القضاۃ ۲۸۹/۱ (۲) المحلی ۴۰۳/۱۱

اگر مجرم کا مقصد لوگوں کے عقائد کو خراب کرنا اور اُن کے دلوں میں شکوک وشبہات کی آبیاری کرنا ہو تو اس کی مناسب سزا کوڑے مارنا، جلاوطن کرنا، معاشی مقاطعہ کرنا اور اُن کتابوں کو جلا دینا ہے جن میں ایسا گندہ فساد مواد موجود ہو۔
عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں روایت کیا ہے کہ صبیغ حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اُس نے کہا کہ عبداللہ بن صبیغ۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے چند اُمور کے بارے میں پوچھا اور اُسے سزا دی۔ اور عبدالرزاق نے کہا کہ میرے علم میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کی کتابیں جلانے کا حکم دیا اور اہل بصرہ کو یہ حکم بھیجا کہ اس کے ساتھ میل جول نہ رکھیں۔(۱)
اگر مجرم بخیل، لالچی اور غلاموں کو بھوکا رکھتا ہو جس سے وہ چوری پر مجبور ہو جائیں تو اس کے لیے مالی سزا مناسب ہے، جیسا کہ عبدالرحمن بن حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے غلاموں کے سلسلہ میں پیش آیا۔ یہ غلام اُنہیں اپنے باپ سے ملے تھے۔ ان غلاموں نے ایک اُونٹ چرایا اور ذبح کر کے کھا لیا۔ حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن بن حاطب سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ تم اُنہیں بھوکا رکھتے ہو۔ میں تم پر ایسا تاوان ڈالوں گا جو تمہیں خوب بوجھل معلوم ہو گا۔ چنانچہ آپ نے اُس پر اُونٹ کی قیمت سے دوگنا تاوان عاید کیا۔(۲)
اگر مجرم ایسا ہو جس سے اللہ تعالیٰ کے ایسے احکام توڑے گئے ہوں جو اُس نے حرام کاموں کے بارے میں دیے

(۱) عبدالرزاق ۴۲۶/۱۱، الموافقات للشاطبی ۵۰/۱
(۲) المغنی ۲۹۵/۷

ہیں یا جنسی شہوت کی خاطر ان حدود سے تجاوز کیا گیا ہو جو اللہ نے مقرر کی ہیں تو اُن کی مناسب سزا یہی ہے کہ اُسے اس چیز سے محروم کر دیا جائے جو جُرم کا باعث بنی، چنانچہ ایک عورت نے اپنے غلام سے حق تسری استعمال کرتے ہوئے وطی کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب میں تجھے کبھی یہ اجازت نہ دوں گا کہ تو کسی آزاد شخص سے نکاح کر سکے اور اس غلام کو حکم دیا کہ اس کے قریب نہ جائے۔ (۱)

(ب) سزا کا مجرم کی حالت کے مناسب ہونا

سزا کا مُجرم کی حالت کے مناسب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسی ہو جو اُسے اس جُرم کے ارتکاب سے روک دے۔ اسی وجہ سے ایک ہی جُرم پر مختلف مجرموں کو مختلف سزا دی جا سکتی ہے، یعنی اگر مجرم سرکش ہو جو بغیر سخت سزا کے باز نہ آئے گا تو اُسے سخت سزا دی جائے گی اور اگر مجرم شریف ہو اور اس سے جُرم ایک لغزش کے طور پر سرزد ہو گیا ہو تو اُس کی سزا ہلکی ہو گی۔ حضرت سعید بن المسیب اور حضرت ابنِ شہاب زہری سے مروی ہے کہ ایک شخص رات کے وقت ایک عورت کے پاس پایا گیا تو حضرت عمرؓ نے اُسے سو سے کم کوڑے مارے۔ (۲)

قاسم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابنِ مسعودؓ کے پاس ایک شخص لایا گیا جو ایک عورت کے ساتھ ایک ہی لحاف میں پایا گیا اُنھوں نے دونوں کو چالیس چالیس کوڑے مارنے کی سزا دی۔ اس شخص کے گھر والے حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور اُن سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ ابن مسعودؓ نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ واقعہ یہ ہے اور میں نے اس طرح کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ کیا تمہاری صوابدید یہی ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ جی ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہاری رائے اچھی ہے۔ اس پر اُن لوگوں نے کہا کہ ہم تو حضرت عمرؓ کے پاس اس لیے آئے تھے کہ آپ ہمیں بدلہ دلوائیں گے اور آپ اُنہی سے پوچھ رہے ہیں۔ (۱)

باوجودیکہ یہ دوسرا جُرم پہلے جُرم سے سخت تھا لیکن چونکہ مُجرم اور اُس کے حالات پہلے جُرم سے مختلف تھے، اس لیے اُسے پہلے مُجرم کے مقابلہ میں ہلکی سزا دی گئی۔

۲- تعزیر کے ذرائع

تعزیر کے ذرائع اور وسائل لامحدود ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ان میں اضافہ ہو جائے۔ بہرحال حضرت عمرؓ نے جو وسائل اختیار کیے وہ یہ تھے۔

(الف) تہدید (ڈرانا دھمکانا)

عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کچھ لوگوں کی ہجو کی۔ اُن میں سے ایک شخص آیا اور اُس نے حضرت عمرؓ سے بدلہ دلانے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کی زبان تمہاری ہے (یعنی زبان کاٹ دو) بعدازاں آپ نے اُس شخص کو بلایا اور فرمایا کہ میں نے جو کل کہا تھا وہ نہ کر گزرنا۔ وہ میں نے لوگوں کے سامنے

(۱) عبدالرزاق ۷/۲۰۹ (۲) المحلی ۱۱/۴۰۲

(۱) عبدالرزاق ۷/۴۰۱، ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۷، المحلی ۱۱/۴۰۳

اس لیے کہا تھا تاکہ وہ دوبارہ ایسا نہ کرے (۱)

(ب) جَلد (کوڑے مارنا)

کوڑے جُرم کی مناسبت سے مارے جاتے ہیں اور اُن کی تعداد مقرر نہیں ہے بلکہ ایک کوڑا بھی سزا ہوسکتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ تمہارے کاتب نے مجھے جو خط لکھا ہے اس میں اُس نے غلطی کی ہے، لہٰذا اسے ایک کوڑا مارو (۲) اور کبھی کوڑوں کی تعداد حد کے برابر پہنچ جاتی ہے، چنانچہ محمد بن راشد بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے مکحول سے سُنا کہ ایک شخص رات کے وقت چٹائی میں لپٹا ہُوا ایک شخص کے گھر میں پایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے سو کوڑوں کی سزا دی (۳) دراں حالیکہ آپ جانتے تھے کہ سو کوڑے زانی غیر محصن کی حد ہے۔

یہ تعزیری سزا حضرت عمرؓ نے دی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سو کوڑوں کی تعزیری سزا کا اختیار حضرت عمرؓ نے اپنے لیے مخصوص رکھا تھا اور اپنے امراء کو اس کی اجازت نہیں دی تھی، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے قتل کی سزا دینے کا اختیار اپنے پاس رکھا تھا اور اپنے امراء میں سے کسی کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ کسی مجرم کو تعزیراً قتل کی سزا دے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ تادیباً بیس کوڑوں سے زائد سزا نہ دی جائے (۴) اور آپ نے اُنہیں یہ حُکم بھی بھیجا کہ کسی کو تعزیر میں تیس سے زائد کوڑے نہ مارو۔ (۵)

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۱۷۱ (۲) اخبار القضاۃ ۱/۲۸۹ (۳) المحلی ۱۱/۴۰۳
(۴) عبدالرزاق ۷/۴۱۳، المحلی ۱۱/۴۰۳ (۵) ابن ابی شیبہ ۲/۱۳۵

(ج) تشویہ (شکل بگاڑنا)

یعنی سر مُنڈا دینا اور منہ کالا کرا دینا وغیرہ۔ حضرت عمرؓ نے جھوٹے گواہ کو یہی سزا دی (۱) اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے مے نوش کو یہی سزا دی اور حضرت عمرؓ نے اس کو ناپسند نہیں کیا۔ (دیکھئے شہادت / ۳ھ ر)

(د) تشہیر:

حضرت عمرؓ نے جھوٹے گواہ کو تشہیر کی سزا بھی دی۔ چنانچہ آپ نے حُکم دیا کہ اس کا منہ کالا کیا جائے اور اس کی گردن میں اسی کا عمامہ ڈال کر اسے قبائل میں پھرایا جائے اور یہ اعلان کیا جائے کہ یہ جھوٹا گواہ ہے اس کی شہادت قبول نہ کرو (۲)

(ھ) جلاوطن کرنا:

حضرت عمرؓ جلاوطنی کی سزا اکثر دیا کرتے تھے۔ یہ بھی دراصل اصلاح ہی کی ایک صُورت ہے کیونکہ اس طرح مُجرم کے اس ماحول میں تبدیلی آجاتی ہے جس میں وہ زندگی گزار رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس غلام کو جلاوطن کر دیا تھا جس سے اُس کی مالکہ نے تعلق خاطر پیدا کر لیا تھا اور چاہتی تھی کہ اُس سے نکاح کرے (۳) حضرت عمرؓ نے معن بن زائد کو جلاوطن کیا کیونکہ اُس نے مسلمانوں کے بیت المال سے مال حاصل کرنے کے لیے نقلی مہر بنوا کر جعل سازی کی تھی (۴) اور آپ نے ابوذویب شخش کو جلاوطن کیا اور آپ نے جعدۃ السلمی کو جلاوطن کیا جو عورتوں کے ساتھ بقیع تک چلا جاتا اور اُن سے

(۱) البیہقی ۱۰/۱۴۲، مصنف عبدالرزاق ۸/۳۲۷ (۳) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۳، المحلی ۱۱/۲۴۸ (۴) المغنی ۸/۳۲۵

باتیں کرتا تھا۔ (د: تخنث)

لیکن کچھ مدت کے بعد حضرت عمرؓ نے جلاوطنی کی سزا دینے سے رجوع کر لیا تھا، کیونکہ آپ نے ربیعۃ بن امیۃ بن خلف کو مے نوشی کے جرم میں خیبر کی جانب جلاوطن کر دیا اور وہ ہرقل کے پاس چلا گیا اور نصرانی ہوگیا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب میں کسی مسلمان کو جلاوطنی کی سزا نہیں دوں گا۔ (۱)

(و) حبس:

حضرت عمرؓ نے معن بن زائدہ کو بیت المال کی مہر میں جعلسازی کرنے پر قید کی سزا دی اور اس طرح آپ نے اس سے بیت المال سے لیا ہوا مال واپس لیا (۲) اور ایک جھوٹے گواہ کے بارے میں یہ حکم لکھا کہ اسے چالیس کوڑے مارے جائیں، منہ کالا کیا جائے، سر منڈا دیا جائے، گشت کرایا جائے اور طویل قید کی سزا دی جائے۔ (۳)

(ز) نکاح سے روک دینا:

حضرت عمرؓ نے یہ سزا اُس عورت کو دی تھی جس نے حق تسرّی کی بنیاد پر اپنے غلام سے جماع کرنا چاہا تھا۔

(د: تسرّی)

(ح) سماجی مقاطعہ:

حضرت عمرؓ نے یہ سزا عبداللہ بن صبیغ کو دی اور اس بنیاد پر دی کہ اُس سے بدعت کا اظہار ہوا تھا (۴)

(۱) عبدالرزاق ۹/۲۳۰ (۲) المغنی ۸/۲۲۵ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۲، عبدالرزاق ۸/۳۲۶، البیہقی ۱۰/۱۲۲

(۴) عبدالرزاق ۱۱/۴۲۶

(ط) شوہر اور بیوی کے درمیان طلاق کو نافذ قرار دینا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکرؓ کے پورے دورِ خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا۔ لیکن جب لوگوں نے تین طلاقیں کثرت سے دینا شروع کر دیں تو حضرت عمرؓ نے ان کو اس حرکت کو روکنا چاہا اور فرمایا کہ لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جلد بازی شروع کر دی ہے جس میں اُنہیں بہت تامل سے کام لینا چاہیے، لہذا کیوں نہ ہم ان طلاقوں کو نافذ قرار دے دیں؛ چنانچہ پھر آپؓ نے حکم دے دیا کہ اگر کوئی بیک وقت تین طلاقیں دے گا تو وہ واقع ہو جائیں گی (۱)

(ی) مالی جرمانہ:

حضرت عمرؓ مالی سزا بھی دیا کرتے تھے، چنانچہ گزشتہ صفحات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن بن حاطب بن ابی بلتعہ کو اس اونٹ کی قیمت سے دُگنا مالی تاوان ادا کرنے کی سزا دی جس کو اس کے غلاموں نے ذبح کر کے کھا لیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے حکم دیا کہ وہ اس اونٹ کی دُگنی قیمت ادا کرے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سزا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اخذ کی ہے، آپؐ نے اس شخص پر جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا مالی جرمانہ عاید فرمایا؛ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو اپنے مال کی زکوٰۃ اجر و ثواب کی خاطر خود دے دے تو اُسے اس کا اجر ملے گا اور اگر کوئی شخص نہیں دے گا تو میں اُس سے وصول کر لوں گا اور

(۱) المحلی ۱۰/۱۶۸، عبدالرزاق ۶/۳۹۲، ابن ابی شیبہ ۱/۲۲۶

اُس کا آدھا مال بھی لے لوں گا، یہ ہمارے رب کی طرف سے جرمانہ ہو گا اور آلِ محمدؐ کے لیے اس میں سے کچھ نہیں ہو گا۔ (۱)

(ک) مال اور سامان کو تلف کر دینا :

اگرچہ اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک مال و متاع کے اتلاف کی تعزیری سزا دینا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ :

"قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے ارادہ کیا کہ میں لکڑیاں لانے کا حکم دُوں اور لکڑیاں اکٹھی کر لی جائیں، پھر میں نماز کا حکم دُوں اور اذان دی جائے، پھر کسی شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر میں اُن لوگوں کے پاس جاؤں (جو شریک جماعت نہیں ہوتے) اور اُن کے گھر جلا دوں۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ اُسے ایک گوشت بھری ہڈی یا دو اچھے بکری کے پائے مل جائیں گے تو وہ ضرور عشا میں حاضر ہو جائے" (۲)

اور بعض فقہا کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث اس حدیث سے منسوخ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیل وقال، کثرتِ سوال اور اضاعتِ مال سے منع فرمایا کرتے تھے (۳)

(۱) ابوداؤد، زکوۃ السائمہ، نسائی، عقوبۃ مانع الزکوۃ، مسندِ احمد ۵/۲، ۴ (۲) البخاری وجوب صلاۃ الجماعۃ، مسلم المساجد، فضل صلاۃ الجماعۃ (۳) البخاری، الرقاق، بکرہ من قیل وقال، مسلم، الاقضیہ، مسند ۴/۲۵۰

بہر حال حضرت عمرؓ نے اتلاف مال کی سزا دی۔ چنانچہ ابنِ حزم نے المحلی میں اور ابو عبید نے الاموال میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ اطلاع ملی کہ سواد کا ایک شخص شراب کی تجارت سے خوب امیر ہو گیا ہے تو آپ نے حکم دیا کہ اُس کی جس شے پر تمہیں قدرت ہو اُسے توڑ ڈالو، اس کے تمام جانور ہنکالاؤ اور کوئی شخص اس کی کوئی چیز اپنے پاس محفوظ نہ کرے۔

ثقیف کے ایک شخص کے یہاں شراب پائی گئی۔ پہلے حضرت عمرؓ نے اُسے شراب نوشی کے جُرم میں کوڑے مارے تھے۔ اب آپ نے حکم دیا کہ اس کا گھر جلا دو اور اُس سے پُوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے۔ اُس نے کہا کہ "رویشد"[1] آپ نے کہا کہ نہیں تم "فُویسق"[2] (۱)

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ یہ اتلاف نہیں ہے، کیونکہ اتلاف جب ہوتا ہے جب کوئی فائدہ نہ ہو اور یہاں عظیم فائدہ موجود ہے۔ اور یہ فائدہ ہے مہلک کاموں سے بچانا۔ اور یہ ایسا فائدہ ہے جو اشیا کی مادی قیمتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔

(ل) سزائے موت :

حضرت عمرؓ کے نزدیک کبھی کبھی تعزیراً سزائے موت بھی دی جا سکتی ہے، کیونکہ سزا حد ہو یا تعزیر، جرائم سے باز رکھنے کے لیے ہوتی ہے اور اگر مجرم ایسا شخص ہو جو باز ہی نہ آتا ہو تو معاشرے کو اُس کے شر سے محفوظ

(۱) المحلی ۹/۹، الاموال ۹۶ (۲) عبدالرزاق ۶/۷۷، ۹۱، ۹/۲۲۹ الاموال ۹۶

[1] ہدایت یافتہ [2] فاسق

رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اُسے موت کی سزا دیجائے۔ بالخصوص اس صورت میں جب کہ وہ کسی ایسے جرم کا عادی ہو جس کے نتیجہ میں کوئی جان ضائع ہوسکتی ہو اور یہی وجہ ہے کہ باآنکہ حضرت عمرؓ کی یہی رائے تھی کہ کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے، لیکن جب آپ کو یہ اطلاع ہوئی کہ ایک مسلمان نے ایک نصرانی کو مار دیا ہے تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اگر وہ بار بار قتل کرنے کا عادی ہے تو اُسے قتل کر دو۔ اگر وہ قتال نہ ہو تو اُس سے مالی تاوان وصول کرو اور قتل نہ کرو (۱)

اسی طرح ایک مسلمان نے ایک ذمی کو شام میں قتل کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس مقدمہ آیا تو آپ نے حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عمرؓ نے جواباً لکھا کہ اگر یہ اس کی عادت ہے تو اس کو قتل کر دو اور اگر اس سے اتفاقاً یہ قتل سرزد ہو گیا ہے تو چار ہزار درہم تاوان وصول کرو (۲)

حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو ایک شخص کے بارے میں جس نے کسی نصرانی کو قتل کر دیا تھا لکھا کہ اگر وہ چور یا ڈاکو ہے تو اُس کی گردن اڑا دو اور اگر اس نے سخت غصّہ کی حالت میں مشتعل ہو کر قتل کیا ہے تو چار ہزار درہم تاوان وصول کر لو (۳)

(۴) درج ذیل سزائیں تعزیراً دینا جائز نہیں ہے۔

۱۔ جسم کو آگ میں جلانا۔

حضرت خالد بن ولید نے مرتدین میں سے کچھ لوگوں کو

(۱) سنن البیہقی ۳۲/۸ (۲) سنن البیہقی ۳۳/۸
(۳) عبدالرزاق ۹۲/۱۰، سنن البیہقی ۳۳/۸

یہ سزا دی تو حضرت عمرؓ نے اس پر شدید ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ کیا آپ اس شخص کو چھوڑ دیں گے جو لوگوں کو اللہ کا سا عذاب دیتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ اللہ نے مشرکین پر جو تلوار سونتی ہے اُس سے سخت کوئی شے نہیں ہے (۱)

حضرت عمرؓ نے جب مشرکین کا آگ میں جلایا جانا ناپسند کیا تو وہ مسلمانوں کے آگ میں جلائے جانے کو کیوں کر پسند کر سکتے ہیں ؟

ایک باندی حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اُس نے بیان کیا کہ میرے مالک نے مجھ پر تہمت لگائی اور مجھے آگ پر بٹھا دیا یہاں تک کہ میری شرم گاہ جل گئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا اُس نے تجھے بدکاری کرتے دیکھا تھا۔ اُس نے کہا کہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا تم نے اُس کے سامنے بدکاری کا اعتراف کیا تھا۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مالک کو بلوایا جائے۔ جب وہ آیا تو حضرت عمرؓ نے اُس سے کہا کہ کیا تم ایسا عذاب دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ دیتا ہے؟ اس پر اُس نے کہا کہ امیرالمومنین اس پر مَیں نے اُس کی اپنی ذات کے بارے میں تہمت لگائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تم نے اسے بدکاری کرتے دیکھا ہے، اُس نے کہا کہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے پھر پوچھا کہ کیا اُس نے تمہارے سامنے بدکاری کا اعتراف کیا ہے اُس نے کہا کہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

(۱) مصنف عبدالرزاق ۲۱۲/۵

فرمان نہ سنا ہوتا کہ مالک سے غلام کا قصاص نہ لیا جائے اور نہ باپ سے بیٹے کا قصاص لیا جائے تو میں ضرور تجھ سے قصاص لیتا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اُسے سب کے سامنے سو کوڑے مارے اور اُس باندی سے کہا کہ جا تو اللہ کے نام پر آزاد ہے اور اب تو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی ہے۔ (۱)

سفیان بن عبدالاسود نے اپنی باندی سے جماع کیا۔ پھر اُسے توے پر بٹھا دیا جس سے اُس کے کولہے جل گئے۔ حضرت عمرؓ نے باندی کو آزاد قرار دے دیا اور سفیان کو سخت جسمانی سزا دی (۲)

الغرض حضرت عمرؓ یہ بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی اپنی باندی کو بھی آگ سے سزا دے۔ البتہ حضرت عمرؓ کے نزدیک قصاص میں آگ سے سزا دیا جائز تھا، اس لیے کہ لفظ قصاص کے معنی ہی مماثلت کے ہیں اور اس موقع پر حضرت عمرؓ نے قصاص کو اس لیے ترک کر دیا کہ ان صورتوں میں جس پر جرم وارد ہوا وہ باندی تھی اور حضرت عمرؓ کے نزدیک مملوک کا قصاص مالک سے نہیں لیا جاتا۔

(د، جنایہ/ ۳ ب ۱)

۔ تعزیر میں ایسی سزا دینا جائز نہیں جس کے نتیجہ میں جسم کا کوئی عضو ضائع ہو جائے کیونکہ یہ مثلہ ہے اور مثلہ ممنوع ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت عمرؓ نے تعزیراً قتل کی سزا دینا بھی جائز قرار دیا ہے جو کہ جان کا اتلاف ہے اور جب جان کا تلف کرنا جائز ہے تو اعضا کا تلف کرنا جو کہ اس سے کم تر ہے کیوں جائز نہیں ہے۔

(۱) سنن البیہقی ۸/ ۳۶ (۲) مصنف عبدالرزاق ۹/ ۴۳۸

اس کا جواب یہ ہے کہ قتل کی سزا اس لیے درست ہے کہ اس کے ذریعہ سے شر اور صاحبِ شر سے نجات مل جاتی ہے لیکن اعضاء کے تلف کرنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں مجرم زندہ رہے گا اور ممکن ہے کہ وہ بار دگر جرم کا ارتکاب کرے۔

۳۔ تعزیر میں بیک وقت ایک سے زائد سزائیں دینا:۔

قاضی اس امر کا مجاز ہے کہ مذکورہ بالا سزاؤں میں سے کوئی ایک سزا دے یا اگر مصلحت سمجھے تو ایک سے زائد سزائیں بیک وقت دے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے متعدد صورتوں میں ایک سے زائد سزاؤں کو جمع کیا۔ چنانچہ آپ نے معن بن زائدہ کو سو کوڑے مارے، سزائے قید دی اور جلاوطن کیا۔ (د، تعزیر/ ۱) جھوٹے گواہ کے بارے میں حکم دیا کہ چالیس کوڑے مارے جائیں، سر منڈایا جائے، منہ کالا کیا جائے، گشت کرایا جائے اور طویل سزائے قید دی جائے۔ (د، تعزیر/ ۲)

۴۔ تاوان اور تعزیر کا جمع کرنا

تاوان سزا نہیں ہے بلکہ یہ نقصان کی تلافی کی مناسب ترین صورت ہے۔ لہٰذا اگر نقصان پہنچانے والا ایسا مجرم ہو جس کے نفس میں شر جڑ پکڑے ہوئے ہو تو محض اتنا کافی نہیں ہے کہ اس سے تاوان وصول کر لیا جائے بلکہ ضروری ہے کہ اُسے ایسی سخت سزا دی جائے جو اُسے دوبارہ جرم کرنے سے باز رکھے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے ایسے مجرم کو جس نے قصداً کسی کو نقصان پہنچایا ہو اُس کے اس جرم پر تعزیری سزا دی ہے، چنانچہ آپ نے اس آزاد شخص کے بارے میں فرمایا جو کسی غلام کو

عمداً قتل کر دے کہ وہ غلام کی قیمت ادا کرے گا، جو کہ تاوان ہے اور اُسے سو کوڑے مارے جائیں گے اور یہ تعزیر ہے۔ ایک اور واقعہ میں آپ نے آزاد شخص کو غلام کے قتل کر دینے پر سو کوڑے مارے، ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا (۱) اور غلام کی قیمت کا تاوان عاید کیا۔

۵۔ حد اور تعزیر کا اجتماع :۔

اگر مجرم قابلِ حد جرم کے ساتھ کسی اور جرم کا بھی ارتکاب کرے تو اُسے حد کے ساتھ ساتھ تعزیری سزا بھی دی جائے گی، چنانچہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے رمضان میں مے نوشی کی تھی تو آپ نے اُسے حدِ خمر کے اسّی کوڑے مارے اور رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی تعزیر میں بیس کوڑوں کی سزا دی (۲)

ایک بوڑھا آپ کے پاس لایا گیا جس نے رمضان میں شراب پی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ اُسے ذلیل کرے یہ بوڑھا ہونے کے باوجود رمضان میں شراب پی رہا ہے، جب کہ ہمارے نوجوان روزے رکھ رہے ہیں۔ آپ نے اُسے اسّی کوڑے مارے اور شام کی طرف جلا وطن کر دیا (۳)

ایک چور حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ تو نے چوری کیوں کی ہے۔ وہ بولا امیر المومنین! اللہ کا فیصلہ یہی تھا، تقدیر سے بچنا ممکن نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ جب اُس کا زخم داغا جا چکا تو آپ نے اُسے اسّی کوڑے مارے اور فرمایا کہ میں نے چوری کے جرم میں تیرا ہاتھ کاٹا ہے اور تیرے جھوٹ پر جو تو نے اللہ کے بارے میں بولا ہے تجھے کوڑے مارے ہیں، یعنی تیرے قضا و قدر کے سلسلہ میں استدلال پر۔ تقدیر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ نے انسانوں سے بُرے عمل سے بچنے کا اختیار ہی سلب کر لیا ہے۔ (۱)

۶۔ بعض وہ مقدمات جن میں حضرت عمرؓ نے تعزیری سزا دینے کا فیصلہ کیا۔

ایک عورت نے دورانِ عدت نکاح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے حد سے کم تعزیری سزا دی (۲)

ایک ایسی لونڈی جو دو شخصوں کی مشترکہ ملکیت تھی اور اس سے ایک شریک نے وطی کی تھی، حضرت عمرؓ نے وطی کرنے والے شریک کے سلسلہ میں فیصلہ دیا کہ اُسے حد سے ایک کوڑا کم تعزیری سزا دی جائے۔ (۳)

ایک شخص رات کی تاریکی میں کسی اجنبی عورت کے پاس پایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اسے سو کوڑے مارے (۴)

ایک شخص ایک عورت کے ساتھ اس حال میں پایا گیا کہ اُنہوں نے دروازے بند کر رکھے تھے اور پردے ڈال دیے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو سو سو کوڑے مارے۔ (۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس ایک شخص لایا گیا جو

(۱) عبدالرزاق ۹/ ۴۰۷ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۲ خراج ابی یوسف (۳) عبدالرزاق ۷/ ۳۸۲، ۹/ ۲۳۲ المحلی ۹/ ۱۸۴

(۱) العقیدۃ الاسلامیہ ۲/ ۶۷ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۰ (۳) المغنی ۸/ ۳۲۵ (۴) المحلی ۸/ ۴۰۳ (۵) عبدالرزاق ۷/ ۴۰۱

کسی عورت کے ساتھ ایک لحاف میں پایا گیا تھا۔ اُنہوں نے اُن میں سے ہر ایک کو چالیس چالیس کوڑے مارے۔ مرد اور عورت دونوں کے اہلِ خاندان حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور اُن سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے پُوچھا کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ ابنِ مسعود نے فرمایا کہ ہاں مَیں نے ایسا ہی کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ کیا تمہارے خیال میں یہ صحیح ہے۔ اُنہوں نے کہا جی ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے جو فیصلہ کیا وہ بہت اچھا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو حضرت عمرؓ کے پاس اس لیے آئے تھے کہ وہ بدلہ دلوائیں گے اور یہ تو خود اُن سے پُوچھنے لگے (۱)

ایک شخص نے اپنی باندی کے ساتھ جماع کیا، حالانکہ اُس کا شوہر بھی تھا، حضرت عمرؓ نے اُسے سخت تعزیر کے سو کوڑے مارے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حد سے کم کوڑے مارے۔

قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص کو رات کی تاریکی میں اپنے گھر میں چٹائی میں لپٹا ہُوا پایا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے سو کوڑوں کی سزا دی اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا۔ (۳)

جب حضرت عمرؓ کے ہاتھ کوئی ایسا شخص آجاتا جس نے اپنی بیوی کو طلاق بدعت دی ہو، یعنی بیک وقت تین طلاقیں دے دی ہوں تو آپ اُس کے سر میں کوڑا مارا کرتے تھے (۱) اور اس کے بعد تعزیراً اُس کی ان تینوں طلاقوں کو نافذ قرار دے دیتے تھے (۲)

عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے ایک اُونٹ چرا کر ذبح کر لیا اور اُن کے پاس اس کی کھال اور سر موجود پایا گیا۔ یہ معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہُوا۔ حضرت عمرؓ نے اُن کے بارے میں فیصلہ دیا کہ اُن کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔ کچھ دیر بعد جب ہم تو یہ سمجھ رہے تھے کہ اُن کے ہاتھ کاٹے جا چکے ہُوں گے، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اُنہیں میرے پاس واپس لایا جایا۔ پھر آپ نے عبدالرحمٰن سے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم ان سے کام لیتے ہو اور اُنہیں بھوکا رکھتے ہو اور اُن کے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہو، تم اُنہیں اس حد تک بھوکا رکھتے ہو کہ اگر اُنہیں حرام ملے تو وہ بھی اُن کے لیے حلال ہو۔ پھر آپ نے اُونٹ والے سے پُوچھا کہ تمہارے اُونٹ کی کیا قیمت ہے۔ اُس نے کہا کہ چار سو درہم۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن سے کہا کہ اُٹھو اور اسے آٹھ سو درہم بطور تاوان دے دو۔ اور ایک اور روایت میں ہے۔ مَیں تیرے اُوپر ایسا تاوان ڈالوں گا جو تجھے گراں گزرے گا، اور آپ نے اُسے اُونٹ کی دُگنی قیمت ادا کرنے کے لیے کہا۔ (۳)

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ تمہارے کاتب نے جو تحریر مجھے لکھی ہے، اس میں غلطی کی ہے

(۱) عبدالرزاق ۷/۴۰۱، ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۷
المحلی ۱۱/۴۰۳ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/۱۳۰
(۳) عبدالرزاق ۹/۴۲۶، المحلی ۱۱/۴۳۰

(۱) عبدالرزاق ۹/۳۹۶، ۳۳۳ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۶
عبدالرزاق ۶/۳۹۲، المحلی ۱۰/۱۹۸ (۳) عبدالرزاق ۱۰/۲۳۹
المحلی ۸/۱۵۷، المغنی ۷/۷۹۵، ۸/۲۵۸

اس پر اُسے ایک کوڑا مارو (۱)

اُم المومنین حضرت اُم سلمہ پر ایک شخص کا کچھ حق واجب الادا تھا۔ اس نے حضرت اُم سلمہؓ کو تقاضا لکھا اور اُن کی شان میں گستاخی کی، اس پر حضرت عمرؓ نے اُسے اَسّی کوڑے مارنے کا حکم دیا (۲)

قبیصہ بن جابر اسدی سے مروی ہے کہ میں حالت احرام میں تھا۔ میں نے ایک ہرن دیکھا اور اس پر تیر چلا دیا جو اُس کی سینگ کی جڑ پر لگا جس سے وہ مر گیا۔ میرے دل میں اس کی بنا پر کچھ خدشہ پیدا ہوا اور میں اس کے بارے میں پُوچھنے کے لیے حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ اُن کے پہلو میں ایک صاحب بیٹھے تھے۔ سفید رنگ اور ستواں چہرے والے۔ معلوم ہوا کہ آپ عبد الرحمٰنؓ بن عوف ہیں۔ میں نے حضرت عمرؓ سے پُوچھا تو آپ عبد الرحمٰنؓ بن عوف کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ کیا تمھاری رائے میں ایک بکری (فدیہ) کافی ہے۔ اُنھوں نے کہا جی ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ایک بکری ذبح کر دو۔ جب ہم اُن کے پاس سے اُٹھ کر چلے تو میرے ایک ساتھی نے کہا کہ امیر المومنین کو خود جواب نہیں آیا کہ اُنھوں نے اُن صاحب سے پُوچھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ بات سُنی تو اپنا کوڑا اٹھایا اور اُسے مارا۔ پھر مجھے مارنے کا ارادہ کیا۔ میں نے عرض کیا: امیر المومنین میں نے کچھ نہیں کہا اس پر آپ نے مجھے چھوڑ دیا۔ اور فرمایا کہ تم احرام کی حالت میں شکار کرتے ہو اور فتویٰ پر سرکشی کرنا چاہتے ہو۔ پھر کہا کہ انسان میں دس خصلتیں ہوتی ہیں جن میں سے نو خوبیاں

(۱) اخبار القضاۃ ۱/۲۸۹ (۲) المحلی ۸/۴۰۳

ہیں اور ایک بُری خصلت ہے لیکن وہ ایک ہی بُری خصلت تمام خوبیوں کو ختم کر دیتی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ نوجوانی کی لغزشوں سے احتراز کرو۔ (۱)

ایک شخص نے رمضان میں شراب پی۔ آپ نے اُسے اَسّی کوڑے حد کے مارے اور بیس کوڑے تعزیر کے۔ (۲)

آپ کو اطلاع ملی کہ سواد کا ایک شخص شراب کی تجارت سے مالدار ہو گیا ہے آپ نے حکم بھیجا کہ اس کی ہر چیز جس پر تمہیں قدرت ہو توڑ ڈالو اور اُس کے جانور ہنکا لو اور کوئی شخص اپنے پاس اُس کی کوئی چیز محفوظ نہ رکھے۔ (۳)

ایک ثقفی شخص کے گھر میں شراب پائی گئی، حضرت عمرؓ اُسے پہلے مے نوشی پر سزا دے چکے تھے۔ اس مرتبہ آپ نے اُس کا گھر جلانے کا حکم دیا۔ اور اُس سے پُوچھا کہ تیرا کیا نام ہے۔ اُس نے کہا کہ رویشد، آپ نے کہا کہ تیرا نام فویسق ہے۔ (۴)

حضرت عمرؓ نے جعدۃ السلمی کو جلا وطن کر دیا کیونکہ وہ عورتوں کے ساتھ بقیع چلا جاتا اور وہاں اُن پر فقرے کسا کرتا تھا۔ (۵)

آپ نے ایک مخنث کو بھی جلا وطن کر دیا تھا (۶)

معن بن زائدہ کو سو کوڑے مارے اور قید میں رکھا اور جلا وطن کر دیا۔ کیونکہ اُس نے بیت المال کی جعلی مُہر بنوا کر

(۱) البیہقی ۵/۱۸۱ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۲، خراج ابی یوسف ۱۹۷ (۳) الاموال ۱۰۲، المحلی ۹/۹ (۴) عبد الرزاق ۹/۹۱، ۷۷، ۹/۲۲۹، ۲۳۰، الاموال ۹۹ (۵) فتح الباری ۱۵/۱۶۳ (۶) البیہقی ۸/۲۲۴، البخاری الحدود، نفی اہل معاصی

کچھ رقم حاصل کر لی تھی۔ (۱)

آپ نے یہ حکم بھیجا کہ جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے مارے جائیں، منہ کالا کیا جائے، سر منڈا دیا جائے، گشت کرایا جائے اور طویل قید کی سزا دی جائے۔ (۲)

مالِ غنیمت میں خیانت اور چوری پر سخت ترین سزا دیا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ اٹھائی گیری کرنے پر بھی سزا دیا کرتے تھے۔

(۳) (اختلاس/۲)

آپ نے محمد بن زیاد کے دادا سے کہا کہ میں نے تمہیں اس محفوظ رقبہ پر نگران مقرر کیا ہے۔ اگر تم کسی کو درخت کاٹتا اور لکڑیاں چنتا پاؤ تو اُس کی کلہاڑی اور رسی چھین لو۔ (۴)

ایک بدعتی شخص صبیغ حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ آپ نے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ اُس نے کہا کہ میں بندہ خدا صبیغ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے بعض اُمور کے بارے میں اُس سے سوالات کیے اور اُسے سزا دی۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میرے علم میں ہے کہ راوی نے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت عمرؓ نے اس کی کتابیں جلانے کا بھی حکم دیا تھا اور اہلِ بصرہ کو یہ حکم بھیجا کہ اس سے میل جول بند کر دو۔ (۵)

ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں کسی قبیلہ کی ہجو کی۔ اس قبیلہ کا ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور مطالبہ کیا کہ اس شخص کو سزا دی جائے۔ آپ نے بطور تنبیہ کہا کہ اس کی زبان کاٹ دو۔ پھر اُس شخص

(۱) المغنی ۸/۳۲۵ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۲، عبدالرزاق ۸/۳۲۶ البیہقی ۱۰/۱۴۲ (۳) خراج ابی یوسف ۲۰۵، (۴) البیہقی ۵/۲۰۰ المجموع ۷/۴۵۳ (۵) مصنف عبدالرزاق ۱۱/۴۲۶

کو بلا کر کہا کہ تم اُس کی زبان نہ کاٹ دینا میں نے یہ بات لوگوں کے سامنے اس لیے کہی تھی تاکہ وہ دوبارہ ایسا کام نہ کرے۔ (۱)

اور آپ نے فرمایا کہ جو شخص ثواب کی نیت سے زکوٰۃ ادا کرے گا تو اُسے ثواب ملے گا اور جو نہیں دے گا اُس سے ہم زکوٰۃ بھی لیں گے اور اُس کا نصف مال بھی لے لیں گے۔ یہ ہمارے رب کا فیصلہ ہے اور آلِ محمدؐ کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ (۲)

اس قاتل کے بارے میں جس نے عمداً قتل کیا ہو اور اُس سے قصاص نہ لیا جا سکتا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اسے سو کوڑے مارے جائیں (۳)

ایک شخص کو جس نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تھا سو کوڑے مارے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا۔ (۴)

ایک شخص نے اپنی باندی پر گواہوں کے بغیر زنا کی تہمت لگائی اور اُسے آگ پر بٹھا دیا یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ جل گئی، آپ نے اُسے سو کوڑے مارے اور باندی کو فی سبیل اللہ آزاد قرار دے دیا اور اُسے کہا کہ تو اب اللہ اور اُس کے رسول کی باندی ہے۔ (۵)

حضرت عمرؓ اپنے عمّال اور ملازمین میں سے کوتاہی کرنے والوں کو بھی تعزیری سزا دیتے تھے۔ (۱) امارۃ /۶ ج)

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۱۷۷ (۲) سنن ابوداؤد، الزکوٰۃ زکوٰۃ السوائم، النسائی، عقوبۃ مانعی الزکوٰۃ، مسند احمد ۵/۲ (۳) عبدالرزاق ۹/۴۰۷ (۴) عبدالرزاق ۹/۴۰۷ (۵) البیہقی ۸/۳۶، عبدالرزاق ۹/۴۲۸ المؤطا ۷/۷۷۶

تعزیہ

اہلِ میت کو تسلّی دینا۔ (د: موت/۱۲)

تعویض: دیکھو: ضمان

تغریب: دیکھو: نفی

تغریر: دیکھو: غش وتدلیس

عورت کا اپنے شوہر کو طلاق کے سلسلہ میں دھوکہ دینا۔

(د: طلاق/۳)

تغلیظ:

خاص جگہ قسم کھانے کی بنا پر قسم میں شدّت کا پیدا ہونا۔

(د: قضا/۲د)

قسامہ میں کھائی جانے والی قسموں کی شدّت۔

(د: قسامتہ/۵ح)

دیۃ میں اضافہ (د: جنایۃ/۵ب ۳ اُ) د

(جنایۃ/۵ب ۵)

تفلیس:

۱۔ تعریف: مفلس وہ شخص ہے جس کا قرض اُس کے مال سے زائد ہو جائے اور اُس کے مصارف اُس کی آمدنی سے بڑھ جائیں۔

۲۔ احکام: دیکھو (دین/۴د)

تفویض (سُپرد کرنا)

طلاق کا بیوی کو یا کسی دوسرے کو سُپرد کرنا۔

(د: طلاق/۴اُ ۲، ۳)

مہر بیوی کے سُپرد کر دینا۔ (د: نکاح/۵د، ۳ب)

امام کا اپنے بعض والیوں کو قاضی مقرر کرنے کا اختیار سُپرد کر دینا۔ (د: قضاء/اب)

تقادم (پرانا ہو جانا)

حضرت عمرؓ حد کے سلسلہ میں ایسی گواہی نہیں سُنتے تھے جس پر وقت گزر گیا ہو، چنانچہ آپؓ نے یہ حکم ارسال فرمایا کہ اگر کوئی شخص اُسی وقت گواہی نہ دے، جب اُس نے کوئی واقعہ دیکھا یا اُس کے علم میں آیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ کینہ کی بنا پر شہادت دے رہا ہے۔(۱) ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے کسی ایسے جُرم کی گواہی دی جس پر حد لازم آتی ہو اور یہ گواہی اُس نے وقوعہ کے وقت نہ دی تو یہ کینہ پر مبنی گواہی سمجھی جائے گی (۲) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی (۳) (د: اتفاق ۳د)

تقلید (نقل کرنا)

حضرت عمرؓ اس امر کو ناپسند فرماتے تھے کہ کوئی مسلمان لباس، گفتگو یا کسی بھی شئے میں کافروں کی تقلید کرے۔

---

(۱) البیہقی ۱۰/۱۵۹ (۲) عبدالرزاق ۷/۴۳۲، المحلی ۱۱/۱۴۴
(۳) اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلی ۶۸

کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک لحاظ سے اُن کو پسند کیا جارہا ہے اور اس طرح مسلمانوں کی کمتری کا اظہار ہوگا اور اس سے ضمناً یہ محسوس ہوگا کہ مسلمانوں نے اُن کی سیادت قبول کرنے کا اعتراف کر لیا ہے۔ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنی گدی پر سے بال منڈوائے ہوئے ہیں اور ریشمی کپڑے پہن رکھے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت پیدا کی وہ اُنہی میں سے ہے۔ (۱)

آپ نے ایک مرتبہ کہا کہ عجمیوں کی زبان نہ سیکھو اور مشرکوں کی عید کے دن اُن کی عبادت گاہوں میں نہ جاؤ۔ (۲) اور آپ نے عتبہ بن فرقد سے کہا کہ اے عتبہ عیش و عشرت کی زندگی اختیار کرنے سے بچو اور مشرکین کا سا حلیہ بنانے اور ریشمی کپڑے پہننے سے احتراز کرو (۳)

نماز میں کوئی ایسی بات کرنا مکروہ ہے جس سے کافروں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہو۔ (د: صلاۃ ۱۰/ب)

روزوں میں مسلمانوں کا کافروں کی تقلید کرنا منع ہے۔ (د: صیام/۳ و۳)

تکبیر

نماز کی پہلی تکبیر، تکبیر تحریمہ (د: صلاۃ /۱۲ أ)

نماز میں ایک رُکن سے دوسرے رُکن میں جاتے وقت تکبیر (اللہ اکبر) کہنا۔ (د: صلاۃ/ ۱۲ ز)

نماز جنازہ کی تکبیریں (د: صلاۃ/ ۱۴ د)

نمازِ عید کی زائد تکبیریں (د: صلاۃ /۲۰ ج ۵)

ایامِ تشریق کی تکبیر (د: تشریق /۲ أ)

تلاوۃ

قرآن مجید کی تلاوت (د: قرآن / ۱، ۲، ۳، ۵)

سجود تلاوت (سجود/۴)

تلبیہ

حج اور عمرے میں لبیک کہنا (د: حج /۶ ج ۴)

بیت المقدس میں داخل ہوتے وقت لبیک کہنا (د: قدس/۲)

لبیک کہتے وقت عورت آواز بلند نہ کرے۔ (د: حج /۱۹/ ح)

تمتع

۱۔ تعریف: تمتع یہ ہے کہ ایامِ حج میں ہی پہلے عمرہ کرے پھر اس کے بعد حج کرے۔

۲۔ تمتع کے احکام: (دیکھو: حج / ۱۸ ح)

تمثال

حضرت عمرؓ کسی ایسی جگہ نہیں بیٹھتے تھے جہاں کسی جاندار کی تصویر یا شبیہ موجود ہو اور نہ ایسی جگہ جانے کی دعوت قبول کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے غلام اسلم سے مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ شام آئے تو ایک نصرانی سربراہ نے آپ کو دعوتِ طعام دی تو آپ نے فرمایا کہ ہم تمہاری عبادت گاہوں میں نہیں جاتے کیوں کہ وہاں تصویریں ہوتی

---

(۱) عبدالرزاق ۱۱/ ۴۵۴ (۲) البیہقی ۹/ ۲۳۴ (۳) مسند الامام احمد ۱۶/۱، المسند ۱/ ۴۳، صحیح مسلم، اللباس، تحریم الحریر

ہیں۔ (۱)

تمثیل (مثلہ کرنا)

مقتول کا مثلہ کرنا (د؛ جہاد/ ۷، ز)

تنعّم (پُرآسائش زندگی)

حضرت عمرؓ مسلمانوں کے حق میں جفاکشی کی زندگی پسند کرتے تھے اور آپ کو لباس، طعام اور زندگی کے عام رہن سہن میں تعیش کا انداز مسلمانوں کے لیے پسند نہیں تھا، کیونکہ جس قدر عیش وعشرت زیادہ ہوگی دنیا سے محبت بڑھے گی اور موت سے کراہت پیدا ہوگی اور جس قوم میں یہ بات پیدا ہو جاتی ہے اُس کی بربادی کا عمل تیز تر ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اور سہل نگاری وتن آسانی کو سختی وجفاکشی کی زندگی پر ترجیح دینے لگتی ہے۔

چنانچہ آپ نے عتبہ بن فرقد کے نام آذربائیجان میں یہ حکم بھیجا کہ پُرآسائش زندگی، اہلِ شرک کی سی ہیئت بنانے اور ریشمی کپڑوں سے احتراز کرو (۲)

حضرت عمرؓ نے یزید بن ابی سفیان کا کھلا ہوا پیٹ دیکھا تو کھال چکنی نظر آئی۔ حضرت عمرؓ نے کوڑا اُٹھا کر کہا کہ یہ کھال تو کافروں جیسی ہے۔ آپ سے کہا گیا کہ شام کی آب وہوا بہت اچھی ہے، اس پر آپ خاموش ہو گئے (۳)

ہشام بن عروہ سے مروی ہے کہ مجھے اذرعات کے عامل نے بتایا کہ ہمارے پاس حضرت عمرؓ آئے۔ اُنہوں نے کھُردرے موٹے کپڑے کی قمیص پہنی ہوئی تھی۔ وہ آپ نے مجھے دی اور فرمایا کہ اسے دھو دو اور پیوند لگا دو۔ میں نے آپ کے لیے ایک نرم کپڑے کی قمیص بھی تیار کرائی اور دونوں لے کر آپ کے پاس آیا اور عرض کیا: یہ تو آپ کی قمیص ہے اور یہ قمیص میں نے بنوائی ہے۔ آپ اسے پہن لیں، آپ نے اُسے چھو کر دیکھا تو اُسے نرم محسوس کیا اور فرمایا کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری پہلی قمیص پسینہ کو زیادہ جذب کرتی ہے (۱)

آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ ازار پہنو اور موزے اور شلواریں دُور پھینک دو اور رکابیں پھینک دو۔ اور کُود کر سوار ہو اور بنی معد کی زندگی اختیار کرو اور تیر نشانے پر مارو اور پُرتعیش زندگی اور عجمی ہیئت ترک کر دو اور ریشمی لباس سے احتراز کرو۔

تنفیل:

۱۔ تعریف: تنفیل کے معنی ہیں امیر کا غازی کو مالِ غنیمت میں سے اُس کے اصل حصّے سے زائد دینا۔ اور نفل اس کو کہتے ہیں جو غازی کو اُس کے اصل حصہ سے زائد دیا جائے۔

۲۔ اقسام:۔

تنفیل کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) تنفیل رسول اللہ: یہ تنفیل کی وہ قسم ہے جس میں ضروری

(۱) عبدالرزاق ۱/۴۱۱، ۳۹۸/۱۰، البیہقی ۲۹۶/۷، المغنی ۸/۷ (۲) مصنف عبدالرزاق ۸۶/۱۱

(۳) عبدالرزاق ۳۱۰/۱۱

(۱) مسند الامام احمد ۴۳/۱، عبدالرزاق ۸۵/۱۱

نہیں کہ امیر یہ تصریح کرے کہ مجاہد کو یہ حصّہ زائد دیا جائے کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے پہلے ہی اُسے دیا جاچکا ہے اور وہ اس طرح کہ آپ کا ارشاد ہے کہ جس نے بحالتِ جنگ دشمن کا کوئی آدمی قتل کیا تو مقتول کا سامان اُسی کا ہے۔ اس اُصول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اور آپ ہی کے حکم سے عمل ہوتا رہا اور بعد ازاں اسی پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں عمل جاری رہا یعنی مسلمان مجاہد مقتول کافر کے سارے مال و متاع کا جو بوقت جنگ اُس کے پاس ہوتا مالک بن جاتا خواہ وہ کتنا ہی زیادہ ہوتا۔ تاآنکہ براء بن مالک (یعنی ابوطلحہ) نے بحرین میں الزارہ کے حاکم کو قتل کیا تو اُس کے مال و سامان کی قیمت تیس ہزار کے لگ بھگ تھی لہٰذا حضرت عمرؓ نے اس میں سے خمس وصول کیا کیونکہ یہ بہت زیادہ تھا۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ پہلے مقتول کے ساز و سامان پر خمس نہیں لیا جاتا تھا۔ پہلا خمس جو مقتول کے سامان پر وصول کیا گیا وہ براء بن مالک سے وصول کیا گیا جنہوں نے الزارہ کے والی کو قتل کیا تھا اور اُس کا پٹکا اور کنگن بھی اتار لیے تھے، پھر جب ہم مدینہ پہنچے تو حضرت عمرؓ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد ہمارے پاس تشریف لائے، سلام کیا اور پوچھا کہ کیا ابوطلحہ یہاں ہیں؟ کہا گیا کہ موجود ہیں۔ پھر ابوطلحہ اُن کے پاس آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پہلے تو ہم مقتول کے سامان پر خمس نہیں لیتے تھے لیکن براء کو جو سامان ملا ہے وہ بہت بیش قیمت ہے، لہٰذا میں اُس پر خمس وصول کروں گا۔ بعد ازاں آپ نے قیمت لگانے والوں کو بلایا تو تیس ہزار قیمت لگائی گئی۔ آپ نے اس میں سے چھ ہزار لے لیے۔ (۱)

ابنِ حزمؒ نے کہا کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ گمان مناسب نہیں ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی ہوگی چنانچہ اُن کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت براء کو راضی کرکے خمس وصول کیا ہوگا۔

(ب) تنفیل کی دوسری قسم تنفیل امام ہے۔ یعنی اگر امام کسی کو کچھ دے تو اُس کے لیے لینا جائز ہے۔ لیکن اگر امام نہ دے تو از خود لینا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ اس طرح کی تنفیل غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد ہی دی جاسکتی ہے (۲) چنانچہ حضرت عمرؓ نے بجیلہ اور اُن کی قوم کو عراق کی جنگ میں روانہ کرنے سے قبل اُن سے یہ طے کیا کہ اس جنگ میں جو زمین اور جو شئے مسلمانوں کو غنیمت میں حاصل ہوگی اس میں سے خمس نکال لینے کے بعد اس کا تہائی اُن کو بطور نفل دیا جائے گا۔ ابنِ حزمؒ نے روایت کیا ہے کہ جریر بن عبداللہ البجلی اپنی قوم کے ساتھ شام جانے کے ارادے سے حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو حضرت عمرؓ نے اُن سے فرمایا کہ کیا تم کوفہ جانے کے لیے تیار ہو اور وہاں جو زمین اور جو شئے غنیمت میں حاصل ہو، اُس میں سے خمس نکالنے کے بعد میں تم کو اس کا ثلث بطور نفل دے دوں گا (۳)

---

(۱) المحلی ۷/۳۳۶، عبدالرزاق ۵/۲۳۳ الاموال ۳۱۰ المغنی ۸/۳۹۱، ۳۹۴، احکام القرآن ۳/ ۵۵ (۲) المحلی ۷/ ۳۳۱ (۳) المحلی ۷/ ۳۳۱، الاموال ۹۲، المغنی ۸/ ۳۷۹

تہجد

تہجد کی نماز (د: صلاۃ / ۲۰/ ج ۴)

تہدید

ڈرا دھمکا کر کوئی کام کروانا (د: اکراہ / ۲ ب ۲)

دھمکانے کی تعزیری سزا دینا (د: تعزیر / ۲ أ)

تہلکہ (ہلاکت میں پڑنا)

۱۔ مال کی خاطر خطرے میں پڑنا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو تجارت کی خاطر اپنے گھر کو چھوڑتا اور سمندر کا سفر اختیار کرتا ہے (۱) آپ نے اس پر تعجب کا اظہار اس لیے فرمایا کہ آپ کے عہد میں سمندری سفر کرنے والے کے لیے ہلاکت کا خطرہ صحیح وسالم لوٹ آنے کے مقابلہ میں زیادہ تھا۔

۲۔ سالار کا فوج کو معرض ہلاکت میں ڈال دینا۔

توحید

۱۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ لوگ اس درخت کے پاس (ارادت وعقیدت) سے جاتے ہیں جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت رضوان کی گئی تھی تو آپ نے اس کو کٹوا دیا (۲) کیونکہ تعظیم صرف اللہ ہی کے لیے ہے اور آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں زمانہ جاہلیت میں رائج بت پرستی کی لعنت پھر سے واپس نہ آجائے کیونکہ لوگ ابھی زمانہ جاہلیت سے بہت قریب ہیں۔

۲۔ نیک لوگوں سے توسل یعنی اُن کی دُعا کو اللہ کے حضور وسیلہ بنانا توحید کے خلاف نہیں ہے۔ (د: توسل)

توسل (وسیلہ بنانا)

صالحین (نیک لوگوں) سے توسل میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ بارش کے لیے دعا فرمائی تو عم رسولؐ حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا اور اس طرح دعا کی کہ اے اللہ ہم پہلے تیری جناب میں اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اور بارش ہوجاتی تھی۔ اب ہم تیری جناب میں اپنے نبیؐ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں لہذا تو ہمیں سیراب کر دے (۱)

حضرت عمرؓ لے عیدگاہ میں نماز استسقاء پڑھی اور حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ کھڑے ہوجیے اور بارش کی دعا کیجیے: حضرت عباس نے ان الفاظ میں دعا کی۔ اے اللہ تیرے قبضے میں بادل بھی ہیں اور پانی بھی، اے اللہ بادلوں کو پھیلا دے، پھر ان میں پانی بھر دے اور یہ پانی ہم پر برسا دے اور اس پانی سے جڑوں کو مضبوط کر دے، فصلوں کو سیراب کر اور جانوروں کا دودھ جاری فرما! اے اللہ ہمارے نفس اور ہمارے اہل وعیال کے سلسلہ میں ہماری شفاعت قبول فرمالے اللہ ہم تیرے پاس اپنے بے زبان جانوروں کی شفاعت لے کر آئے ہیں۔ اے اللہ ہمیں سیرابی عطا فرما، بھرپور سیرابی جو ہر جگہ پہنچے۔ عام اور حیات بخش ہو۔ اے اللہ ہم صرف تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ اے اللہ ہم تیری جناب میں شکوہ کرتے ہیں ہر

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۱۴۹ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۶

(۱) سنن عبدالرزاق ۲/۳۵۲

بھوکے کی بھوک کا، ہر مظلوم کے ظلم کا اور برہنہ کی برہنگی کا اور ہر خوف زدہ کے خوف کا (۱)

تیمم

۱۔ تیمم کا جواز:۔

اگر مسلمان کو وضو کی ضرورت ہو اور پانی موجود نہ ہو تو بالاجماع تیمم جائز ہے لیکن اگر کوئی شخص جنبی ہو یعنی اُسے غسل کی ضرورت ہو اور پانی نہ ملے تو کیا اُسے بھی تیمم کر لینا جائز ہے؟

صحابہ کرامؓ کے نزدیک ایسے شخص کے لیے بھی تیمم جائز تھا تاآنکہ پانی دستیاب ہو جائے۔ پھر جب پانی مل جائے تو وہ غسل کر لے۔ اس لیے کہ عمران بن حصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص علیحدہ کھڑا ہے اور لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہوا۔ آپؐ نے اُس سے پوچھا کہ اے فلاں تم نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ اُس نے کہا کہ میں جنبی ہوں اور پانی نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا، مٹی سے تیمم کر لو یہ تمہارے لیے کافی ہے۔ (۲)

لیکن آپؐ کا یہ ارشاد حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نہ پہنچا لہٰذا ان دونوں کے نزدیک جنبی کے لیے تیمم کافی نہیں تھا۔ (۳)

ان کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔

اور یہ آیت:۔

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا

(النسا: ۴۳)

"اور جنابت کی حالت میں بھی نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ غسل نہ کر لو، الا یہ کہ راستے سے گزرتے ہو۔"

اور حضرت عمرؓ کے نزدیک آیۂ کریمہ:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا

(النساء: ۴۳)

"اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے لمس کیا ہو اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو۔"

کے حکم میں جنبی داخل نہیں تھا (۱) کیونکہ اس آیت میں لمس کی تفسیر میں حضرت عمرؓ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد ہاتھ سے چھونا ہے اور جماع مراد نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے نزدیک عورت کے چھونے پر وضو واجب ہے (۲) ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ آیت کی یہ تاویل اس وقت جائز ہوتی جب عمران بن حصین، عمار بن یاسر اور ابوذر غفاری کی حدیثوں میں جنبی کے تیمم کا حکم نہ ہوتا۔

حضرت عمرؓ کی یہی رائے رہی تاآنکہ حضرت عمار بن یاسر

---

(۱) عبدالرزاق ۲/۹۲ (۲) البخاری، التیمم، مسلم، المساجد، قضاء صلاۃ الفائتۃ (۳) المحلی ۲/۱۴۹، ۲/۱۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۵ نیل الاوطار ۱/۲۷۹، المجموع ۲/۲۲۹، المغنی ۱/۲۵۷

(۱) طرح التثریب ۲/۱۰۳
(۲) احکام القرآن، للجصاص ۲/۳۶۹

نے حضرت عمرؓ کو وہ واقعہ یاد دلایا جو ان دونوں کو پیش آیا تھا اور حضرت عمرؓ کو یاد نہیں رہا تھا۔ لیکن آپ نے اس کی تکذیب نہیں کی۔ عبدالرحمٰن بن ابزی سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ اگر میں جُنبی ہوں اور پانی موجود نہ ہو تو؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو۔ اس پر حضرت عمارؓ نے کہا کہ اے امیرالمومنین آپ کو یاد نہیں، جب آپ اور میں ایک غزوہ میں تھے اور ہم جُنبی ہو گئے تھے اور پانی نہیں تھا، آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی لیکن میں نے مٹی مل لی تھی اور نماز پڑھ لی تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں یہی کافی تھا کہ تم اپنے ہاتھ مٹی پر مار کر جھاڑ لیتے اور پھر انہیں اپنے منہ اور کلائیوں پر پھیر لیتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے عمارؓ اللہ سے ڈرو! حضرت عمار نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں یہ بات بیان نہ کروں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس کی ذمہ داری تم اپنے سر لیتے ہو وہ ہم تمہارے لیے چھوڑتے ہیں۔ (۱)

نووی نے لکھا ہے کہ ابن الصباغ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس رائے سے رجوع کر لیا تھا اور قرطبی نے قطعیت کے ساتھ کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس رائے سے رجوع کر لیا تھا اور میرا خیال بھی یہی ہے (واللہ اعلم) کہ حضرت عمرؓ نے اس رائے سے رجوع کر لیا تھا اور جمہور صحابہؓ کی رائے سے متفق ہو گئے تھے۔

اور حضرت عمرؓ نے رجوع مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر کیا تھا۔

اول: حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس رائے سے باوجودیکہ فقہ میں ان دونوں کی امامت مسلم ہے صحابہ کرام میں سے کسی نے اتفاق نہیں کیا اور نہ ہی تابعین اور فقہائے امصار میں نے ـــــ ماسوا ابراہیم نخعی کے کسی نے یہ رائے اختیار کی اور ان سے بھی دو روایتیں ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے۔

دوم: حضرت عمرؓ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ حضرت عمارؓ وہ حدیث جس سے جُنبی کے لیے تیمم کا جواز ثابت ہوتا ہے لوگوں سے بیان نہ کریں۔ اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت عمارؓ کے قول سے مطمئن ہو گئے۔

سوم: حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اُنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم پہنچے اور وہ قرآن پاک کی آیت کو سمجھنے کے سلسلہ میں اپنے اجتہاد کی بناء پر اُسے ترک کر دیں۔

۲۔ مٹی سے تیمم:

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ تیمم مٹی سے ہی ہو سکتا ہے اس لیے اُن کے نزدیک برف سے تیمم جائز نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے سردی کی وجہ سے تیمم کر کے نماز پڑھی۔ لوگوں نے بھی تیمم کر کے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا۔ مٹی نہیں ملی تو آپ نے فرمایا کہ آدمی اپنے کپڑے یا زین (سرج) کا کنارہ جھاڑ کر تیمم کر لے، برف سے تیمم نہ کرے (۱) اور فرمایا کہ برف سے تیمم نہ کرے اور سرج کے کنارے اور جانور کی پُشت پر ہاتھ مار کر کر لے (۲)

(۱) البخاری، التیمم۔ مسلم، الحیض، التیمم۔ ابوداؤد، الطہارہ، التیمم الجنب

(۱) احکام القرآن، الجصاص ۲/ ۳۹۱، المغنی ۱/ ۲۴۹
(۲) المحلی ۲/ ۱۴۸

۲۔ تیمم کی کیفیت :

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ تیمم میں دو مرتبہ ہاتھ مارا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ چہرے کے لیے اور دوسری مرتبہ ہاتھوں اور کہنیوں کے لیے۔ (۱)

---

(۱) المحلی ۲ / ۱۴۸

ثوم (لہسن)

حضرت عمرؓ یہ بات ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص کچا پیاز یا لہسن کھا کر لوگوں کے درمیان بیٹھے۔ ایک مرتبہ آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم یہ دو پودے کھاتے ہو جو میری رائے میں بہت بُرے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ کسی شخص سے ان دونوں میں سے کسی کی بُو محسوس کرتے تو اس کے بارے میں حکم دیتے اور وہ بقیع کی طرف بھیج دیا جاتا (۱) لہذا اگر کسی شخص کو یہ پودے ضرور ہی کھانے ہوں تو پکا کر ان کی بُو مار دے۔

(۱) سنن البیہقی ۳/۷۸، المحلی ۴/۴۸

ج

جائزہ (انعام)

۱۔ تعریف: جائزہ وہ عطیہ ہے جو سلطان کسی شخص کو اُس کے کسی نفع بخش عمل پر یا کسی ایسے کام پر دیتا ہے جس سے وہ دوسرے رفقاء پر فوقیت حاصل کر لیتا ہے۔

۲۔ سلطان کے لیے انعام دینا اور لوگوں کے لیے شاہی انعامات لینا جائز ہے۔ چنانچہ عامر بن جذیم سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک ہزار دینار کا انعام دیا۔(۱)

جائفہ

جائفہ سے مراد یہاں بدن کا جائفہ ہے دماغ کا نہیں۔ اور یہ وہ زخم ہے جو پیٹ تک پہنچ جائے۔

(د: جنایت/ ۴ ب ۲ ج)

اور ایسے زخم پر ثلثِ دیت لازم آتی ہے۔

(د: جنایت/ ۵ ب ۴ ھ)

جاسوس

جاسوس کی سزا (د: تجسس/ ۴)

جبن (پنیر)

پنیر کھانے کا جواز (د: طعام/ ۷)

جد (دادا)

میراث میں دادا کی حیثیت۔ (د: ارث/ ۵ ب)

جدۃ

میراث میں دادی کی حیثیت (د: ارث/ ۵ ک)

نابالغ بچے کی نگہداشت اور پرورش کے سلسلہ میں نانی (جدہ لِاُمّ) دادی (جدہ لِاَب) سے زیادہ حقدار ہے۔

(د: حضانۃ/ ۲ أ)

جراد (ٹڈی دل)

ٹڈی دل کا کھانا حلال ہے۔ (د: طعام/ ۷)

جرح

زخموں کی قسمیں (د: جنایۃ/ ۴ ب ۲ ج)

جنایۃ کے احکام (د: جنایۃ/ ۵ ب ۴ ھ)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۷۶

جرس (گھنٹی)

حضرت عمرؓ اس امر کو ناپسند کرتے تھے کہ لڑکیاں خواہ وہ کم عمر ہی ہوں اپنے پیروں میں گھنگھروؤں والا زیور پہنیں۔ کیونکہ گھنٹیوں کا استعمال مکروہ ہے۔ روایت ہے کہ حضرت زبیر بن العوام نے اپنی ایک بیٹی اپنی لونڈی کے ہمراہ حضرت عمرؓ کے پاس بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے اُسے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور فرمایا کہ ابو عبیداللہ کی بیٹی ہو؟ اس نے حرکت کی تو اُس کے پیروں کی گھنگھرو بج اُٹھے۔ حضرت عمرؓ نے وہ زیور کاٹ دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر گھنٹی کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔ (۱)

جزیرۃ العرب (جزیرہ نمائے عرب)

جزیرۃ العرب سے مراد سرزمینِ عرب کا وہ حصہ ہے، جہاں کافر سکونت اختیار نہیں کر سکتے یعنی حجاز چنانچہ حضرت عمرؓ نے اہل نجران کو جلا وطن کیا اور اہل تیما کو نہیں کیا۔ کیونکہ تیما بلادِ عرب میں شامل نہیں تھا اسی طرح خیبر اور فدک سے یہودیوں کو نکالا۔ لیکن تیما اور وادی القریٰ سے نہیں نکالا۔ کیونکہ یہ دونوں مقامات شام کا حصہ تھے (۲)

۲- کافروں کو جزیرۃ العرب میں تین دن سے زیادہ قیام کرنا منع ہے

(دیکھئے ذمۃ / ۳ ی)

جزیہ:

(۱) المغنی ۶/۵۹۱، ابوداؤد (الخاتم) (۲) سنن البیہقی ۹/۲۰۹

۱- تعریف: جزیہ وہ سالانہ ٹیکس ہے جو اسلامی ریاست میں بسنے والے ہر آزاد اور غلام غیر مسلم پر عاید کیا جاتا ہے۔

۲- جزیہ کون عاید کرتا ہے۔

جزیہ خود امام عاید کرتا ہے لیکن ان سفارشات کے مطالعہ کے بعد جو فنی ماہرین حکومتِ اسلامیہ کے زیرِ سایہ بسنے والے قابلِ جزیہ افراد کے حالات کا جائزہ لے کر حکومت کو ارسال کرتے ہیں۔ ان کی روشنی میں امام جزیہ میں کمی بیشی کر دیتا ہے اور اس سلسلہ میں اس کا عمل مصلحتِ عامہ کے مطابق ہوتا ہے اور امام کے سوا کسی کو جزیہ عاید کرنے کا حق نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے عثمان بن حنیف کو عراق اسی مطالعہ کے لیے بھیجا تھا اور اُنھوں نے واپس آکر اپنی تجاویز حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے سوادِ عراق کے مالدار مردوں پر اڑتالیس درہم فی کس سالانہ، متوسط درجے کے لوگوں پر چوبیس درہم سالانہ اور ناداروں پر بارہ درہم سالانہ جزیہ عاید کیا (۱) پھر ایک عرصہ کے بعد عثمان بن حنیف دوبارہ آئے اور اُنھوں نے حضرت عمرؓ سے اہلِ فسطاط کے بارے میں بات کی اور کہا کہ بخدا اگر فی شخص دو دو درہم بڑھا دیں تو اُنہیں قطعاً دشوار نہ معلوم ہوگا اور نہ اُنہیں تکلیف ہوگی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اڑتالیس درہم سے بڑھا کر پچاس درہم سالانہ کر دیے۔ (۲)

۳- جزیہ کس سے لیا جائے۔

(الف) درج ذیل فرقوں کے لوگ اگر اسلامی حکومت کی رعیت ہوں تو اُن سے جزیہ لیا جائے گا۔

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۰ ب (۲) سنن البیہقی ۹/۱۹۶

(۱) اہلِ کتاب : اہلِ کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور اس پر اجماع ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۲) جو اہلِ کتاب کے مشابہ ہوں اور وہ مجوس ہیں حضرت عمرؓ مجوس سے جزیہ لینے نہ لینے کے بارے میں متامل تھے، تا آنکہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ھجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔ اس کے بعد آپ کا تامل ختم ہو گیا۔

ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ مسجد نبویؐ میں قبر اور منبر کے درمیان تھے کہ آپ نے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں مجوس کے ساتھ کیا سلوک کروں، جب کہ یہ اہلِ کتاب بھی نہیں ہیں۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ اُن کے ساتھ اہلِ کتاب کا سا معاملہ کرو (۱)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجوس سے جزیہ لینے کا ارادہ نہیں کیا تا آنکہ آپ کو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے یہ خبر نہ دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس ھجر سے جزیہ وصول کیا تھا۔ (۲) اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اہلِ سواد سے بھی جزیہ لیا (۳) اور فارس کے مجوس سے بھی جزیہ وصول کیا (۴)، نیز حضرت عمرؓ نے جزء بن معاویہ کو حکم بھیجا کہ تمہارے علاقے میں مجوس آباد ہیں، اُن سے جزیہ وصول کرو (۱)، کیونکہ مجھے عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اطلاع دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس ھجر سے جزیہ لیا تھا۔

(۳) مرتد : ابنِ حزم نے المحلی میں بطور ایک کمزور روایت کے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مرتد پر جزیہ عائد کر کے اُسے چھوڑ دیا جائے۔ (۲)

لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ بات حضرت عمرؓ کے بارے میں درست نہیں ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ مرتد سے توبہ کرائی جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو اُسے قتل کر دیا جائے۔ اس لیے کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ جزیہ عاید کیے جانے کے قائل ہوں۔ (د : ردہ)

(۴) نصاریٰ بنی تغلب

جزیہ کے سلسلہ میں بنی تغلب کے نصاریٰ کی مخصوص حیثیت ہے کیونکہ بنی تغلب زمانۂ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اُنہیں دعوتِ اسلام دی جسے اُنہوں نے قبول نہیں کیا۔ پھر اُنہیں جزیہ ادا کرنے کے لیے کہا تو اس سے بھی انکار کر دیا اور اس کو اُنہوں نے اپنی ذلت خیال کیا اور کہا کہ ہم عرب ہیں ہم سے وہی لو، جو زکوٰۃ کے نام سے تم آپس میں ایک دوسرے سے لیتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں کسی مشرک سے زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن میں سے بعض افراد رومیوں سے جا ملے۔ اس پر نعمان بن زرعہ نے کہا کہ اے امیر المومنین یہ طاقتور اور بہادر لوگ

---

(۱) ابنِ ابی شیبہ ۱/۱۴۱، المنتقیٰ ۱/۳۶۳، عبدالرزاق ۶/۹۶
(۲) مصنف عبدالرزاق ۶/۶۸، ۱۰/۳۲۷، سنن البیہقی ۹/۱۸۹
المغنی ۸/۴۹۸، مصنف عبدالرزاق ۶/۶۹، ۱۰/۳۲۶
(۴) الاموال ۳۲۔

(۱) سنن الترمذی (السیر) خراج ابی یوسف ۱۵۴
(۲) المحلی ۱۱/۱۳۸

ہیں اور عرب ہیں اس لیے جزیہ میں اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں، لہذا اُن سے ایسا سلوک نہ کیجیے جس سے یہ دشمنوں کے مددگار بن جائیں۔ آپ ان سے زکوۃ کے نام سے جزیہ لے لیجیے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُن کی تلاش میں آدمی بھیج کر انہیں واپس بلوایا اور اُن پر زکوٰۃ دُگنی کر کے عائد کر دی۔ یعنی پانچ اونٹوں پر دو بکریاں، تیس گایوں پر دو بچھڑے جو دوسرے سال میں قدم رکھ چکے ہوں اور ہر بیس دینار پر ایک دینار اور ہر سو درہم پر دس درہم اور بارش سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار پر خُمس (۱/۵) نہر اور ڈول اور رہٹ وغیرہ سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار پر عُشر (۱/۱۰)

اور حضرت عمر کا یہ فیصلہ اسی طرح جاری رہا اور صحابہ میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ (۱)

(ب) جزیہ وصول کرنے کے لیے ضروری شرائط:

جن لوگوں سے جزیہ لیا جائے اُن میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ مرد ہوں، خواہ آزاد ہوں یا غلام، فرق صرف یہ ہے کہ آزاد اپنا جزیہ خود ادا کرے گا جب کہ غلام کا جزیہ اس کا مالک ادا کرے گا خواہ مالک مسلمان ہو یا کافر، اس لیے حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو اہل ذمہ کے غلام خریدنے سے منع فرما دیا تھا کیونکہ اس نتیجے میں اُنہیں لازمی طور پر اپنے کافر غلام کا جزیہ ادا کرنا پڑے گا اور صورتِ حال یہ پیدا ہو جائے گی کہ گویا جزیہ اُنہی پر واجب ہے، اور چونکہ جزیہ ذلت و حقارت کا باعث ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ذمیوں کے غلام نہ خریدو ایا بینہ وہ زمین خریدو جو اُن کے قبضہ میں ہو، اس لیے کہ ذمّی اہل خراج ہیں چنانچہ یہ باہم ایک دوسرے کا جزیہ ادا کریں۔ اور اے مسلمانو! تم کو چاہیے کہ جس ذلت سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں نجات دلادی ہے اُس کے قریب بھی نہ جاؤ (۱)

امام احمدؒ نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ ارشاد اس لیے فرمایا کہ آپ جزیہ کی آمدنی میں اضافہ کرنا چاہتے تھے اور ابنِ قدامہ کہتے ہیں کہ چونکہ غلام بھی مردِ مکلف ہے اور قوی اور کمانے والا ہونے کی بنا پر اس پر بھی آزاد کی طرح جزیہ واجب ہے۔ (۲)

لیکن پہلی توجیہہ بہتر ہے لیکن کیا حضرت عمرؓ ذمیوں سے خرید کردہ غلاموں کا جزیہ انکے مسلمان مالکوں سے وصول کیا کرتے تھے

حضرت عمرؓ کے پہلے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں کی دو قسمیں ہیں۔ مسلمان غلام اور کافر غلام۔ اگر غلام مسلمان ہو تو اُس کا مالک صرف مسلمان ہی ہو سکتا ہے اور اگر کوئی مسلمان غلام کسی کافر کی ملکیت میں چلا جائے تو اس کافر کو اس غلام کی فروخت پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ کافر مسلمان کا آقا نہیں ہو سکتا۔

کافر غلاموں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ غلام ہیں کہ جب مسلمانوں

---

(۱) المغنی ۸/ ۵۱۳ ، ۶ / ۳۴ مصنف ابن ابی شیبہ ۱ / ۱۳۸ ب سنن البیہقی ۹/ ۲۱۸ ، ۲۱۶ ، ۲۱۱ الاموال ۵۴۰
(۲) مصنف عبدالرزاق ۷/ ۴۷ المغنی ۲/ ۷۲۱ ، ۸/ ۵۱۰
(۳) المغنی ۸/ ۵۱۰

نے کافروں پر بافتح حاصل کی۔ وہ اپنے مالکوں کی ملکیت میں تھے۔
اور جب ان کے مالکوں کو چھوڑا گیا، اُن کو بھی چھوڑ دیا گیا۔
ایسے غلاموں اور اُن کے مالکوں پر جزیہ عاید ہوگا اور یہ جزیہ اُن پر عاید رہے گا، خواہ یہ غلام اپنے پرانے مالکوں کے پاس رہیں یا بعد میں اُن کی ملکیت کسی مسلمان کی طرف منتقل ہو جائے۔ غلام کی یہی قسم ہے جس کی خریداری سے حضرت عمرؓ نے منع فرمایا ہے تاکہ مسلمانوں کو ان کی طرف سے جزیہ نہ ادا کرنا پڑے۔ اور کافر غلاموں کی دوسری قسم وہ ہے جنہیں مسلمانوں نے جنگ میں قیدی بنایا ہو، بعد ازاں اُن کو غلام بنا لیا گیا ہو۔ ان غلاموں پر جزیہ نہیں ہے۔
اور چونکہ جزیہ کی ادائیگی کے لیے مذکر ہونا شرط ہے، اس لیے عورتوں پر جزیہ نہیں ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے امیرانِ لشکر کو لکھا کہ عورتوں اور بچوں پر جزیہ عاید نہ کریں اور صرف ان مردوں پر جزیہ عاید کریں، جن کے بال اُگ آئے ہوں (بالغ ہوگئے ہوں) (۱)

۲۔ بلوغ:۔ چونکہ بلوغ مکلف ہونے کی شرط ہے، لہٰذا جیسا کہ گزشتہ فقرہ میں گزر چکا ہے، حضرت عمرؓ نے بچوں پر جزیہ عاید کرنے سے امیرانِ لشکر کو منع فرما دیا تھا۔

۳۔ عقل: جب وجوب جزیہ کے لیے بلوغ شرط ہے اور بچہ پر جزیہ عاید نہیں ہوتا تو مجنون پر بدرجۂ اولیٰ عائد نہ ہونا چاہیے، کیونکہ بچہ کی اہلیت عقل تو ناقص ہے جبکہ مجنون میں تو اہلیت مفقود ہے۔

۴۔ مالدار ہونا: جزیہ چونکہ ایک مالی فریضہ ہے لہٰذا ان پر عاید نہیں ہوتا جو مالدار نہ ہوں۔
اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے جزیہ تین طبقوں پر عاید کیا تھا اور سب سے کم ایسے نادار شخص پر عاید کیا تھا جو کام کرتا ہو اس سے معلوم ہوا کہ اگر کمانے والا نہ ہو تو اس پر جزیہ نہیں ہے(۱) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ ۲۸۶)
"اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا"
چنانچہ حضرت عمرؓ کا ایک مقام سے گزر ہوا تو آپ نے ایک یہودی کو جو نابینا اور بوڑھا تھا بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے اُس سے پوچھا کہ تمہیں اس پر کس بات نے مجبور کیا؟ اُس نے کہا کہ بوڑھا ضرورت مند ہوں اور جزیہ بھی دینا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور گھر لائے اور اُسے اپنے گھر سے کچھ دیا، پھر اُسے بیت المال کے خازن کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اس کا اور اس جیسے اور لوگوں کا خیال رکھو اور اُن سے جزیہ لینا موقوف کر دو۔ کیونکہ یہ کوئی انصاف کی بات نہیں ہے کہ ہم نے ان کی جوانی میں ان سے جزیہ وصول کیا اور اب بڑھاپے میں ان کو اس طرح رسوا کریں (۲)

(ج) جزیہ کا ساقط ہونا:

درج ذیل صورتوں میں جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔

(۱) موت: جس شخص پر جزیہ عاید ہو اگر وہ مرجائے تو اس کا جزیہ ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ جزیہ کی ادائیگی شخص پر واجب ہوتی ہے اور جب شخص ہی نہ رہا تو جزیہ بھی ساقط ہو گیا۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۳۳۱، ۳۲۹۰، ۶/۸۵، سنن البیہقی ۹/۱۹۵، المحلی ۷/۳۴۷، الاموال ۳۷ خراج یحییٰ ۷۳ المغنی ۸/۴۷۶، ۵۰۷، ۵۱۰

(۱) المغنی ۸/۵۰۹، خراج ابی یوسف ۱۵۰

(۲) اسلام : جس شخص پر جزیہ عاید ہے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اسلام قبول کر لینے کی بنا پر اس سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ اہلِ الیس میں سے دو شخص مسلمان ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے اُن سے جزیہ ساقط کر دیا (۲) اور شعوب میں سے ایک شخص۔ اور عبدالرزاق کی روایت یہ ہے کہ اہلِ نجران میں سے ایک شخص مسلمان ہو گیا، حکومت کے کارندوں نے اس سے جزیہ وصول کرنا چاہا، اُس نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے اس سے کہا معلوم ہوتا ہے تم پناہ ڈھونڈ رہے ہو! اس شخص نے کہا کہ اسلام میں پناہ ہی ہے۔ اگر آپ دینا چاہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا! بیشک اسلام ہی جائے پناہ ہے اور حکم تحریر کیا کہ اس سے جزیہ نہ لیا جائے۔ (۱) نیز ماوراء النہر کے ایک دہقان نے اسلام قبول کر لیا تو حضرت عمرؓ نے اُس کے لیے دو ہزار دینے کا حکم لکھا اور جزیہ معاف کر دیا۔ (۲)

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جس سال کسی ذمّی نے اسلام قبول کیا، اُس سال کا جزیہ ساقط ہو جائے گا، خواہ اُس نے اسلام سال کے شروع میں قبول کیا ہو یا درمیان میں یا آخر میں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر جزیہ وصول کرنے والا جزیہ کی رقم اپنے ہاتھ میں لے چکا ہو اور ذمّی اسلام قبول کر لے تو اُس کا دیا ہوا جزیہ واپس کر دیا جائے (۳) دستور یہی تھا کہ جزیہ سال کے آخر میں وصول کیا جاتا تھا۔

(۳) ناداری : اگر ذمی پہلے مالدار ہو، بعد ازاں نادار ہو جائے اور جزیہ ادا کرنے پر قادر نہ رہے تو اس سے جزیہ ساقط کر دیا جائے گا۔ بشرطیکہ جزیہ کی ادائیگی شرائط صلح میں واجب قرار دی گئی ہو، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے نابینا شخص سے جو لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا جزیہ ساقط کر دیا تھا۔

۴۔ جنون : جزیہ واجب ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط عقل بھی ہے، لہذا دیوانہ ہو جانے کی صورت میں جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

۴۔ جُزیہ کی مقدار :

(الف) قرآن کریم یا سنّت نبوی میں کوئی ایسی نص موجود نہیں ہے جس کی بنا پر امیر جزیہ کی کوئی خاص مقدار متعین کرنے کا پابند ہو۔ یہ معاملہ امیر کے اجتہاد پر موقوف ہے، چنانچہ وہ ان لوگوں کی مالی حالت کے پیشِ نظر جن پر جزیہ عاید کیا جاتا ہے جزیہ کی مقدار کا تعین کرے گا۔

تاہم جزیہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جن پر جزیہ عائد ہوا ہے اُن سے مسلمانوں کی صُلح ہوئی ہو۔ اور جزیہ دونوں کے درمیان اتفاق رائے سے طے ہوا ہو اور جزیہ کی مقدار علی الحساب نہ مقرر کی گئی ہو اسے جزیہ اہلِ صُلح کہا جاتا ہے۔ یہ جزیہ اسی طرح ادا کیا جائے گا جس طرح اُس کی مقدار اور کیفیت کے بارے میں صُلح نامہ میں طے کیا گیا ہو۔ اُس میں کوئی کمی یا بیشی نہیں ہو گی۔

ابو عبید کتاب الاموال میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جن سے معاہدہ صُلح کرتے تھے۔ اُن سے جزیہ کی وہی مقدار وصول کیا کرتے تھے جو شرائط صُلح میں طے پائی ہوتی اور اس میں کوئی

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۳۳۶، سنن البیہقی ۹/۱۹۹، الاموال ؛ ۴۸ (۲) المحلی ۷/۳۴۵ (۳) المغنی ۸/۵۱۱

کمی بیشی کیا کرتے۔ (۱)

حضرت عمرؓ نے بنی تغلب کے لوگوں سے اس بات پر صُلح کی کہ وہ اس مقدار کا دگنا ادا کریں گے جو مسلمان زکوٰۃ کے طور پر ادا کرتے ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے (۲)

(د: ذمہ ۲/۱ - ۲/۱)

۲ - وہ جزیہ جو مسلمانوں نے بزور و قوّت فتح کیے ہوئے علاقہ کے لوگوں پر اپنی طرف سے عاید کیا ہو جبکہ اُنہوں نے ادائیگی جزیہ کی شرط پر مسلمانوں سے صُلح نہ کی ہو۔

جزیہ کی اس قسم میں مقدار متعیّن کرتے وقت ادا کنندگان کی اقتصادی حالت کو ملحوظ رکھا جائے گا اگر مالدار ہوں گے تو امام مقدار میں اضافہ کر دے گا اور اگر نادار ہوں گے تو جزیہ کی مقدار میں کمی کر دے گا۔ ابوعبید لکھتے ہیں اگر محاربین جزیہ کی ادائیگی پر جنگ بندی کا اعلان کر دیتے اور جزیہ کی شرح متعیّن نہ کی گئی ہوتی تو حضرت عمرؓ اُن کے حالات کا جائزہ لیتے اور اگر وہ غریب ہوتے تو جزیہ کی مقدار کم کر دیتے اور اگر مالدار ہوتے تو اُن سے اُن کی استطاعت کے بقدر زائد وصول کرتے (۳) اور بیہقی نے اپنی سُنن میں روایت کیا ہے کہ اہلِ سواد جب مالدار ہو جاتے تو حضرت عمرؓ اُن کے جزیہ کی مقدار بڑھا دیتے اور جب نادار ہوتے تو جزیہ کی مقدار میں کمی کر دیتے۔ (۴)

سوادِ عراق کے لوگوں کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے یہ مناسب خیال کیا تھا کہ مالداروں پر فی کس اڑتالیس درہم سالانہ جزیہ عاید کریں اور متوسط الحال لوگوں پر چوبیس درہم سالانہ اور کم حیثیت لوگوں پر بارہ درہم سالانہ (۱) لیکن جب اسلام کے زیرِ سایہ لوگ مالدار ہو گئے اور اُن کے پاس دولت کی فراوانی ہو گئی تو حضرت عثمان بن حنیفؓ نے حضرت عمرؓ کو یہ تجویز پیش کی کہ مالداروں کے جزیہ میں اضافہ کر کے فی کس پچاس درہم سالانہ کر دیے جائیں اور یہ اضافہ اُن پر قطعاً گراں نہیں ہوگا تو حضرت عمرؓ نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور جزیہ کی مقدار اڑتالیس درہم کے بجائے پچاس درہم سالانہ کر دی۔ (۲)

جزیہ کی رقم کے علاوہ اُن پر یہ بھی لازم تھا کہ اپنے علاقے سے گزرنے والے مسلمانوں کی ایک دن اور ایک رات کی ضیافت بھی کریں۔ چنانچہ سُنن البیہقی میں مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہلِ سواد پر ایک شب و روز کی مہمان نوازی لازم کی تھی، لیکن اگر کوئی بارش یا بیماری کی وجہ سے زیادہ دیر رُکے تو اپنے پاس سے خرچ کرے (۳) اور آپ نے اس سلسلے میں امرائے لشکر کو یہ حکم تحریر کیا کہ اگر مجاہدین کی کسی جماعت کو بحالتِ سفر رات کے وقت معاہدین کی کسی بستی میں قیام کرنا پڑ جائے اور وہ مہمان نوازی نہ کریں تو اُن سے عہد ذمہ ختم ہو جائے گا۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن پر تین دن کی ضیافت لازم کی تھی۔ (۴)

---

(۱) الاموال ۴۴ (۲) المغنی ۸/۵۰۲ (۳) الاموال ۴۴
(۴) سُنن البیہقی ۹/۱۹۶

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۰ ب، عبدالرزاق ۶/۱۰۰، سُنن البیہقی ۹/۱۹۶، خراج ابی یوسف ۱۴۵ المغنی ۸/۵۰۲، ۷/۸۰
(۲) سُنن البیہقی ۹/۱۹۶ (۳) سُنن البیہقی ۹/۱۹۶
(۴) عبدالرزاق ۱۰/۳۳۱ - ۶/۸۵، سُنن البیہقی ۹/۱۹۶ الاموال ۱۴۵، المغنی ۸/۵۰۵

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اسلم کی وہ روایت جس میں تین دن کی ضیافت کا ذکر ہے زیادہ قرینِ قیاس ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کی ضیافت ضروری قرار دی تھی۔ (۱)

اس کے ساتھ اُن پر یہ بھی ضروری تھا کہ وہ پُلوں کی مرمت کریں اور اُن کے علاقے میں کوئی مسلمان قتل ہو جائے تو اس کی دیت ادا کریں۔ چنانچہ سنن البیہقی میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہلِ ذمہ پر یہ شرط عاید کی تھی کہ وہ ایک شب و روز کی ضیافت کریں گے۔ پُلوں کی مرمت کریں گے۔ اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی اُن کے علاقے میں قتل ہو جائے تو اس کی دیت ادا کریں گے (۲) اور اس کے علاوہ وہ پندرہ قفیز[1] گندم اور کچھ کپڑا اور شہد دیں گے (۳)

حضرت عمرؓ نے اہلِ شام پر یہ جزیہ عاید کیا تھا کہ فی کس چار دینار سالانہ اور دو مد گیہوں اور تین قسط[2] زیتون کا تیل ماہانہ ادا کریں اور مسلمانوں کی تین دن کی ضیافت۔ عبدالرزاق نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان ذمیوں پر جو شام میں تھے فی کس چار دینار، دو مد گندم، دو یا تین قسط زیتون کا تیل بطور جزیہ دینا لازم کیا تھا۔ (۴) اور عبدالرزاق نے ہی دوسری جگہ یہ روایت درج کی ہے کہ حضرت عمرؓ اہلِ شام پر سونے کی صورت میں جزیہ عاید کیا تھا، کیونکہ شام سونے کی سرزمین ہے اور اسکے علاوہ انکے

(۱) سنن البیہقی ۹/۱۹۶ (۲) سنن البیہقی ۹/۱۹۶ (۳) عبدالرزاق ۶/۸۵، ۱۰/۳۳۱ (۴) عبدالرزاق ۶/۸۵، الاموال ۳۹ [1] قفیز: ایک پیمانہ ہے جس سے غلہ کی پیمائش کی جاتی ہے [2] قسط: ایک پیمانہ ہے، نصف صاع کے موازی ہے۔

اُوپر کپڑا اور غلہ دینا لازم کیا جو حضرت عمرؓ ہی تقسیم فرما دیا کرتے تھے اور تین دن تین رات کی مسلمانوں کی ضیافت بھی لازم کی (۱) اس طرح آپ نے مصر کے باشندوں پر چار دینار، دو اردب[3] غلہ اور کوئی اور چیز جو یاد نہیں لازم کی (۲) اور یمن کے لوگوں پر ہر بالغ شخص پر ایک دینار جزیہ دینا لازم کیا (۳)

گزشتہ بیان سے معلوم ہوا کہ جزیہ کی مقدار کا تعین امام کی رائے پر موقوف ہے۔ وہ مسلمانوں کی مصلحت اور ادا کنندگان کی اقتصادی حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جزیہ کی شرح مقرر کرے گا۔ روایت ہے کہ ابن ابی نجیحؒ نے مجاہدؒ سے پوچھا کہ حضرت عمرؓ نے شام کے لوگوں پر یمن کے لوگوں سے زیادہ جزیہ کیوں عاید کیا تھا۔ مجاہد نے جواب دیا کہ اس لیے کہ اہلِ شام دولت مند تھے۔ (۴)

(ب) جزیہ میں وہ اشیا وصول کی جائیں گی جن کا دینا ادا کنندگان کے لیے سہل ہو۔

حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ لوگوں کے لیے جزیہ کی ادائیگی میں سہولت پیدا کریں، چنانچہ آپ جزیہ میں ایسی اشیاء قبول کر لیا کرتے تھے جن کی قیمت عاید شدہ جزیہ کے مساوی ہو اور جن کا دینا ان لوگوں کے لیے آسان ہو۔ اسی طرح آپ اس علاقہ کے لوگوں سے جہاں چاندی کا رواج تھا جزیہ میں چاندی وصول کر لیتے اور سونے والوں سے سونا لے لیتے تھے۔

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶/۸۷ (۲) عبدالرزاق ۶/۸۵، ۱۰/۳۳۱ (۳) مصنف عبدالرزاق ۶/۸۹ (۴) الاموال ۴۱، [3] اردب: مصر کا ایک پیمانہ ہے جو ۲۴ صاع کے برابر ہے۔

عبدالرزاق نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عراق میں آباد ذمیوں سے جزیہ میں چاندی لینا طے کیا کیونکہ عراق میں چاندی کا چلن تھا۔ اور آپ نے شام اور مصر کے ذمیوں سے سونا جزیہ میں لینا طے کیا کیونکہ ان علاقوں میں سونے کا رواج تھا (۱) اور جس کے پاس اونٹ ہوتے اُس سے آپ اونٹ قبول کر لیتے۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جزیہ میں اونٹ بھی لے لیا کرتے تھے (۲)

امام مالکؒ نے الموطاء میں زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ اُن کے والد نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اونٹوں میں ایک اندھی اونٹنی بھی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ کسی گھر والوں کو دے دو کہ وہ اُس سے فائدہ اٹھالیں۔ میں نے کہا کہ وہ تو اندھی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ اُسے اونٹوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیں گے۔ میں نے کہا کہ وہ چرے گی کیسے؟ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ یہ زکوۃ کے اونٹوں میں سے ہے یا جزیہ کے۔ میں نے بتایا کہ جزیہ کے اونٹوں میں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کا گوشت کھانا چاہتے ہو۔ میں نے کہا کہ اس پر جزیہ کی مہر بھی لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا اور وہ ذبح کر دی گئی۔

البتہ غیرمسلم ذمیوں سے شراب اور خنزیر جزیہ میں لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں اشیا مسلمانوں کے نزدیک مال نہیں ہیں اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان

(۱) عبدالرزاق ۱۰/۳۳۹ ۔ ۸۷/۴ ۔ الموطا ۱/۲۸۹
(۲) اموال ۵۰۔ ۴۸ (۳) الموطا ۱/۲۸۹

اشیا کی تجارت کریں یا کسی اور طریقہ سے ان سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر مسلمان یہ دونوں چیزیں جزیہ میں وصول کر لیں گے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ گویا انہوں نے جزیہ لیا ہی نہیں۔ اور اگر وہ اُسے فروخت کریں گے تو اُس کی قیمت حرام ہوگی۔ حضرت عمرؓ کے بعض عمال نے شراب اور خنزیر کے بارے میں لکھا کہ کیا وہ یہ چیزیں جزیہ میں قبول کر لیں تو حضرت عمرؓ نے تحریر کیا کہ ان چیزوں کی فروخت اُن کے مالکوں کو سپرد کر دو یعنی وہ فروخت کر کے قیمت، بطور جزیہ دے دیں (۱)

ایک مرتبہ آپ کو یہ اطلاع ملی کہ کسی عامل نے جزیہ میں شراب قبول کر لی ہے تو آپ سخت ناراض ہوئے اور حکم دیا کہ تم ایسا ہرگز نہ کرو البتہ اُن سے کہو کہ وہ اُسے خود فروخت کر کے اس کی قیمت سے جزیہ ادا کر دیں۔ (۲)

(۱) بیع ا۔ ب۔ ۲) و (۲) اشربہ ا۔ ی)

جہاں تک ان مسلمانوں کی ضیافت کا تعلق ہے جو ذمیوں کے علاقہ میں پڑاؤ کریں اس ضیافت میں ذمی بغیر کسی تکلف کے مسلمانوں کو وہی کھانا دیں گے جو وہ خود کھاتے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ شام کے بعض اہل جزیہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور آپ سے شکایت کی کہ مسلمان جب ہمارے پاس آتے ہیں تو ہم سے مرغی اور بکری کھلانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ انہیں وہی کچھ کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور اس سے زیادہ انہیں کچھ نہ دو۔ (۳)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۱
(۲) عبدالرزاق ۶/۲۳، سنن البیہقی ۹/۲۰۹، الاموال ۵۰
(۳) عبدالرزاق ۱۰/۳۲۹

(ج) جزیہ کی وصولی میں نرمی :

حضرت عمرؓ جزیہ وصول کرنے والوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ جزیہ کی وصولی میں نرمی برتیں، چنانچہ حضرت عمرؓ شام سے واپس آرہے تھے کہ راستہ میں آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سروں پر زیتون کا تیل ڈالا جارہا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ بتایا گیا کہ ان کے ذمہ جزیہ ہے جو یہ ادا نہیں کررہے ؛ لہذا انہیں سزا دی جارہی ہے تاکہ یہ جزیہ ادا کریں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یہ کیا عذر کرتے ہیں۔ بتایا گیا کہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں چھوڑ دو اور انہیں وہ تکلیف نہ دو جس کی برداشت کی طاقت وہ نہیں رکھتے (۱)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس بہت سا مال لایا گیا حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ تم نے لوگوں کو ہلاکت میں ڈال دیا ہوگا، اس پر وہ بولے نہیں قسم بخدا ہم نے ان کی خوش دلی اور ان کی سہولت کے مطابق وصول کیا ہے حضرت عمرؓ نے پوچھا اور بغیر کوڑے مارے اور بغیر لٹکائے ؟ انہوں نے کہا جی ہاں ! اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ الحمد للہ کہ اس نے مجھے اور میرے دور حکومت کو اس ظلم سے محفوظ رکھا (۲)

جزیہ کی وصولی میں نرمی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ فصل کا موسم ختم ہوجانے کے بعد اور فراخی کے دنوں میں وصول کیا جائے۔ سعید بن عامر بن حذیم حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ان پر کوڑا اٹھایا۔ اس پر سعید نے کہا کہ آپ تو بات سے پہلے ہی سزا دینے لگے بہرحال اگر آپ سزا دیں گے تو ہم صبر کریں گے اور اگر معاف کردیں گے تو ہم شکر گزار ہوں گے اور اگر آپ کو ہم سے شکایت ہے تو ہم شکایت کے ازالہ کی کوشش کریں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بس یہی مسلمان کے ذمہ ہے۔ اب بتاؤ تم نے خراج کی رقم پہنچانے میں اتنی دیر کیوں کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے حکم دے رکھا ہے کہ ہم کاشت کاروں سے چار دینار سے زائد نہ وصول کریں چنانچہ ہم ان سے اس سے زیادہ وصول نہیں کرتے، البتہ ہم انہیں فصلیں کٹنے تک مہلت دے دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں اس عہدہ سے معزول نہیں کروں گا۔ (۱)

جُعل

۱۔ تعریف : جعالہ کے معنی ہیں کسی معین کام کے بدلے میں یا ایسے مجہول کام کے بدلے میں جس کا علم دشوار ہو کوئی مقررہ معاوضہ اپنے ذمہ لینا جیسے کوئی کہے کہ اگر کوئی شخص میرا گھوڑا ڈھونڈ لائے تو میں اسے ایک دینار دوں گا۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ جعالہ کا معاملہ جائز ہے اگرچہ لازم نہیں ہے اور اس میں صرف ایجاب کافی ہے قبول کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ کام کرنے والا کبھی شخص معلوم ہوتا ہے اور کبھی کوئی نامعلوم شخص۔

۲۔ کوئی شخص کسی عمل پر بغیر جُعل کے عوض کا مستحق نہیں ہوگا، ماسوا بھاگے ہوئے کو مالک تک پہنچانے کے کہ حضرت عمرؓ نے بھاگے ہوئے غلام (آبق) کو واپس پہنچانے کے عوض

(۱) خراج ابی یوسف ۱۵۰ (۲) الاموال ۴۴ المغنی ۸/۵۴۷

(۱) الاموال ۴۳ ، المغنی ۸/۵۴۷

بارہ درہم یا ایک دینار معاوضہ دیا (۱)

جلد (کوڑے مارنا)

اس عنوان کے تحت ہم ان موضوعات پر گفتگو کریں گے۔

۱۔ جالد (کوڑے مارنے والا)

۲۔ سوط (کوڑا)

۳۔ مجلود (جس کے کوڑے مارے جائیں)

۴۔ صفت جلد (کوڑے مارنے کی کیفیت)

۵۔ مقام (خطۂ زمین جہاں کوڑوں کی سزا دینا جائز یا ناجائز ہے)

۶۔ اقسام (سزائے جلد کی قسمیں)

۱۔ جالد: ضروری ہے کہ کوڑے مارنے والا معتدل صحت کا آدمی ہو۔ نہ بہت زیادہ طاقتور اور نہ دبلا پتلا کمزور۔ اسی لیے حضرت عمرؓ کوڑے مارنے کے لیے ایسے آدمی کا انتخاب کرتے تھے جو معتدل صحت کا مالک ہوتا اور اُسے کوڑے مارنے کی کیفیات و احکام کا علم ہوتا۔ چنانچہ عبداللہ بن عبیداللہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ حد کی سزا نافذ کرنے کے لیے ایک شخص کا انتخاب کیا کرتے تھے اور حدود کی یہ سزائیں عبیداللہ بن ابی ملیکہ دیا کرتے تھے (۱)

ب۔ امام خود اپنے ہاتھ سے کوڑے لگا سکتا ہے جس طرح مالک اپنے غلام کو لگا سکتا ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مقدمہ چلائے بغیر اپنے غلام کو زنا کی سزا میں کوڑے لگائے (۲)

۲۔ سوط (کوڑا)

جس کوڑے سے سزا دی جائے، اس کی شرط یہ ہے کہ وہ درمیانے درجے کا ہو، نہ پتلا اور چھوٹا اور نہ موٹا اور سخت، نرم ہو اور اس میں گرہیں نہ ہوں اور اگر کوئی گرہ ہو تو اس کو کوٹ کر نرم کرنا ضروری ہے۔ تاکہ مضروب کو ایذا نہ ہو؛ چنانچہ قدامہ بن مظعون کو کوڑے مارے جانے کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کوڑا لاؤ۔ حضرت عمرؓ کا غلام اسلم ایک چھوٹا باریک کوڑا لایا تو حضرت عمرؓ نے اُسے ہاتھ میں لے کر دیکھا اور اسلم سے فرمایا کہ مجھے یاد ہے کہ تم نے ذکر کیا تھا کہ وہ تمہاری بیوی کا رشتہ دار ہے، جاؤ اس سے سخت کوئی دوسرا کوڑا لاؤ۔ پھر اسلم ایک پورا کوڑا لایا اور حضرت عمرؓ نے حکم دیا اور قدامہ کو کوڑے مارے گئے (۱)

ایک مرتبہ حد نافذ کرنے کی غرض سے حضرت عمرؓ کے پاس ایک کوڑا لایا گیا۔ آپ نے اُسے سخت محسوس کیا اور فرمایا کہ اس سے نرم لاؤ۔ اس کے بعد کوڑا لایا گیا تو آپ نے کہا کہ اس سے سخت لاؤ۔ پھر ایک اور کوڑا لایا گیا جو پہلے دونوں کوڑوں کے مقابلے میں درمیانے درجے کا تھا۔ تب آپ نے فرمایا کہ اس طرح مارو کہ تمہاری بغل نہ نظر آئے اور جسم کے ہر حصے پر مارو (۲)

اور ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں کوڑے کے سرے کی گرہ کو دو پتھروں کے درمیان کچل کر نرم کر لیا جاتا تھا (۳)

حضرت عمرؓ نے عبیداللہ بن ابی ملیکہ سے فرمایا کہ جب تم

---

(۱) عبدالرزاق ۷/ ۳۷۲ (۲) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۳۹

(۱) خراج ابی یوسف ۱۹۴، المحلی ۱۱/ ۱۷۱

(۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۲

کوڑے مارو تو اُس وقت تک نہ مارو جب تک کوڑے کا سرا دو پتھروں کے درمیان کچل کر نرم نہ کر لو۔

۳۔ مجلود ، (جس کو کوڑے مارنے کی سزا دی جائے)

مجلود کو جو کوڑے مارے جاتے ہیں وہ حد کے ہوں گے یا تعزیر کے۔

اگر مجلود کو کوڑے حد میں مارے جا رہے ہیں اور وہ بیمار ہے تو بھی اُس کو حد کے کوڑے مارے جائیں گے حضرت عمرؓ نے قدامہ بن مظعون کو مے نوشی کی حد میں کوڑے مارنے کی سزا دی جب کہ وہ بیمار تھے اور فرمایا کہ یہ اگر اس حال میں خدا سے ملے کہ اس پر حد کے کوڑے پڑ رہے ہوں یہ اس سے بہتر ہے کہ یہ خدا سے ملے اور اس پر حد نافذ کرنے کی ذمہ داری میرے سر ہو۔ (۲)

اور محمد بن عمرو بن حزم سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک مے نوش کو لایا گیا جب کہ وہ بیمار تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس پر حد نافذ کر دو کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ مر نہ جائے۔ (۳)

اگر کوڑوں کی سزا تعزیر میں دی گئی ہے اور مجلود بیمار ہے تو جب تک وہ صحت یاب نہ ہو جائے اُسے کوڑے نہیں مارے جائیں گے۔

حد کے کوڑے مارنے کے لیے شرط یہ ہے کہ مجلود میں اقامتِ حد کی پوری شرائط پائی جاتی ہوں۔ (د۔ حد/۶)

۴۔ کوڑے مارنے کی کیفیت ،

کوڑے مارنے کی کیفیت کے شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) کوڑا اتنی شدت سے نہ مارا جائے کہ باعث ہلاکت بن جائے یا کھال پھاڑ دے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو بھیجا کہ وہ جا کر مطیع بن الاسود العدوی کو کوڑے مارے۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ وہ بہت شدت سے کوڑے مار رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے تو اس آدمی کو مار ہی ڈالا، کتنے کوڑے مارے ہیں۔ اُس نے کہا کہ ساٹھ۔ آپ نے فرمایا بس، ضرب کی اس شدت کو باقی ماندہ بیس کوڑوں کا بدل شمار کر لو۔ (۱) حضرت عمرؓ کے پاس ایک زانیہ عورت لائی گئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیسی بُری عورت ہے جس نے اپنا حسن بھی کھو دیا، جاؤ اسے کوڑے لگاؤ مگر دیکھو کھال نہ پھاڑ دینا۔ (۲)

(ب) اگر کوڑوں کی سزا حد میں دی جا رہی ہو تو ضروری ہے کہ کوڑے جسم کے ہر حصے پر پھیلا کر لگاتے جائیں۔ تعزیر میں یہ شرط نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے مارنے والے سے کہا کہ اس طرح مارو کہ تمہاری بغل نظر نہ آئے اور جسم کے ہر حصے پر مارو۔

(ج) یہ بھی ضروری ہے کہ کوڑا اس طرح مارا جائے کہ صرف کلائی حرکت میں آئے اور بازو اُونچا نہ اٹھایا جائے۔ اس طرح کوڑے مارنے کا عمل شدت و خفت کے لحاظ سے معتدل اور باقاعدہ ہو سکتا ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مارتے وقت صرف اس قدر ہاتھ اٹھاؤ کہ بغل نظر نہ آئے۔

۵۔ وہ مقام جہاں کوڑے مارنے کی سزا دی جا سکتی ہے۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۷/ ۳۷۲، (۲) عبدالرزاق ۹/ ۲۴۰ سنن البیہقی، المغنی ۸/ ۳۱۵، ۱۷۳ (۳) المحلی ۱۱/ ۱۷۳

(۱) المحلی ۱۱/ ۳۶۶ (۲) عبدالرزاق ۷/ ۳۷۵، سنن البیہقی ۸/ ۳۲۷

کوڑے مارنے کی سزا ہر جگہ دی جا سکتی ہے، سوائے ان مقامات کے جہاں حد کے کوڑے لگانا جائز نہیں ہے۔

(د: حد/۷)

۶۔ کوڑوں کی سزا کی قسمیں

(الف) کوڑوں کی سزا کبھی تعزیراً دی جاتی ہے۔ (د: تعزیر/۲ب)

(ب) اور کبھی کوڑوں کی سزا شراب نوشی کی حد میں دی جاتی ہے۔

(د: اشربہ/۱ ج)

(ج) اور کبھی کوڑوں کی سزا حدِ قذف میں دی جاتی ہے۔

(د: قذف/۵)

(د) اور کبھی کوڑوں کی سزا غیر شادی شدہ زانی کی حد میں دی جاتی ہے۔ (د: زنا/۵ب)

جلالہ: (غلاظت خور)

حضرت عمرؓ گندگی کھانے والے جانوروں پر سواری کو اس کے پسینہ کی وجہ سے مکروہ سمجھتے تھے۔

(د: نجاستہ/اَب۸)

جمع:

جمع بین الصلاتین (د: صلاۃ/۴)

جمع بین الصلاتین کے موقع پر اذان واقامۃ کا حکم (اقامۃ) و (د: اذان/۱ھ)

اسقاط زکوٰۃ کے لیے متفرق اموال جمع کرنا (د: زکوٰۃ/۹)

جماعۃ:

نماز باجماعت (د: صلاۃ/۱۸)

نماز تراویح کی جماعت (د: صلاۃ/۲۰/ح ۵ د)

جمعۃ:

جمعہ کے دن غسل کرنا (د: صلاۃ/۱۹ أ)

جمعہ کی اذان (د: اذان/۱ د)

جمعہ کی نماز اور خطبہ (د: صلاۃ/۱۹)

جمعہ کے دن سفر کا جواز (د: سفر/۲)

جنابت: (جسم کی ایسی نجاست جس پر غسل واجب ہے)

۱۔ وہ اُمور جن سے جنابت ہوتی ہے۔

حیض یا نفاس کا آنا۔ شہوت سے منی کا خارج ہونا اگرچہ فرج یا مقعد میں دخول نہ ہُوا ہو۔ اور فرج یا مقعد میں دخول اگرچہ منی خارج نہ ہُوئی ہو۔

حیض کے لیے دیکھو (حیض) نفاس کے لیے دیکھو (نفاس) دخول کے لیے دیکھو (غسل/۱)

۲۔ بحالتِ جنابت کیا حرام ہے اور کیا حرام نہیں ہے۔

جنابت کی حالت میں نماز حرام ہے۔ (د: صلاۃ ۲/۱)

مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے۔ (مسجد/۴ھ)

قرأت قرآن اور اُس کو چھونا حرام ہے۔ (قرآن/۲)

کعبہ کا طواف حرام ہے۔ (حج/۱۹ھ)

اور مزید برآں جس عورت کو حیض یا نفاس آرہا ہو، اس کیلئے اور اس سے جماع حرام ہے (د: حیض/۲ز) (نفاس/۲) اس لیے کہ فرمان الٰہی ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ (البقرہ: ۲۲۲)

"پُوچھتے ہیں کہ حیض کا کیا حُکم ہے کہو وہ ایک گندگی کی

حالت ہے۔ اس میں عورتوں سے الگ رہو اور اُن کے قریب نہ جاؤ"
البتہ حیض ونفاس کی حالت میں عورت سے مباشرت (جسم سے جسم ملانا) جائز ہے۔ حضرت عمرؓ اپنی زوجہ کے ساتھ لیٹ جایا کرتے تھے، اُن کے غسل کرنے سے پہلے بھی اور بعد بھی⁽¹⁾ اسی طرح مرد کا بحالتِ جنابت بیوی سے وطی کرنا بھی حلال ہے، البتہ وطی سے قبل وضو کر لینا مستحب ہے۔

(دیکھیے وضو / ۷ د)

۳۔ وہ اُمور جن کا بحالتِ جنابت کرنا مستحب ہے:
مُجنبی کے لیے مستحب ہے کہ جب سونے کا ارادہ کرے یا جب دوبارہ وطی کرنا چاہے یا جب زبان سے اللہ کا نام لینا چاہے تو وضو کرلے۔

۴۔ جنابت کا ازالہ:
جنابت غسل سے دُور ہو جاتی ہے (دیکھیے غسل) اور اگر غسل ممکن نہ ہو تو تیمم سے دُور ہو جاتی ہے۔ (دیکھیے تیمم / ۱)

جنازۃ: دیکھو (موت)، جنازہ اُٹھانے سے وضو کا لازم آنا (دیکھیے وضو / ۲ھ)

جنایت: (دست درازی)

اس عنوان کے تحت ہم درج ذیل اُمور سے بحث کرینگے۔
۱۔ تعریف
۲۔ جانی (جنایت کرنے والا)
۳۔ مجنی علیہ (جس پر جنایت واقع ہوئی ہے)
۴۔ جنایت کی نوعیت
۵۔ جنایت کی سزا۔

(۱) عبدالرزاق ۱ / ۲۷۷

(۱) تعریف: جنایت سے مراد وہ افعال ہیں جو جان لیوا ہوں یا اُن سے جسم کے کسی حصّے کو نقصان پہنچے۔
ارکانِ جنایت:
جانی، مجنی علیہ، اور وہ فعل جس سے نقصان پہنچے۔ ان میں سے ہر رُکن پر ہم ذیل میں گفتگو کریں گے اور جنایت پر مرتب ہونے والے اثرات و نتائج پر جو ضمان ہے خواہ وہ دیت کی صورت میں ہو خواہ یا قصاص کی صورت میں یا جرمانہ کی شکل میں ان پر بھی گفتگو کریں گے۔

(۲) جانی (نقصان پہنچانے والا)
جنایت کا مرتکب یا حیوان ہوگا یا انسان۔
اگر جنایت کا صدور جانور سے ہوا ہے تو اس میں یا تو جانور کے مالک کی ایسی لاپروائی کا دخل ہوگا کہ اگر وہ حفاظت کرتا تو اس سے یہ جنایت صادر نہ ہوتی یا اُس کی لاپروائی کا دخل نہ ہوگا۔
اور اگر نقصان پہنچانے والا انسان ہے تو اُس کی جنایت یا تو خود اپنی ذات پر ہوگی یا کسی دوسرے پر۔ اب اگر اپنی ذات پر ہے تو یا اس کے ساتھ کوئی غیر بھی شریک ہوگا یا نہ ہوگا۔ اور اگر جنایت کا ارتکاب کسی دوسرے پر کیا ہے تو جانی (مجرم) معلوم ہوگا یا نامعلوم۔ اگر معلوم ہے تو مجرم ایک ہوگا یا ایک سے زیادہ۔ اور اگر جانی (مجرم) نامعلوم ہے تو کیا جس جگہ مقتول ملا ہے اُس کے باشندوں اور مقتول کے درمیان کوئی دُشمنی تھی یا نہیں تھی۔ ان تمام صُورتوں کو اگلے صفحہ پر خاکہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

خاکہ درج ذیل ہے :

ب) ہم اس خاکے کی تمام صورتوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کا نقطۂ نگاہ تفصیل سے بیان کرتے ہیں ۔

۱) حیوان کی جنایت :

جس جانور نے جنایت کا ارتکاب کیا ہے اگر اُسے مالک نے باڑے میں باندھ کر یا بند کر کے رکھا تھا ، اور کوئی شخص اُس کے قریب آیا اور جانور نے حملہ آور ہو کر اُسے نقصان پہنچا دیا ۔ اس صورت میں اگر وہ شخص ہلاک بھی ہو جائے تو اُس کا خون رائیگاں جائے گا ؛ چنانچہ روایت ہے کہ ایک بچہ زید بن صوحان کے گھر آیا اور زید کی اُونٹنی نے اُسے مار ڈالا ۔ بچے کے ورثا آئے اور اُنھوں نے اُس اُونٹنی کو ہلاک کر دیا ۔ یہ نزاع حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو آپ نے بچے کا خون رائیگاں قرار دیا اور بچے کے باپ پر اُونٹ کی قیمت کے برابر تاوان عاید کیا ۔ (۱)

اور اگر جانور کسی باڑے میں بند ہو اور وہاں سے نکل بھاگے اور کسی انسان کو نقصان پہنچا دے تو حضرت عمرؓ کے نزدیک پہلی ، دوسری اور تیسری مرتبہ کی جنایت پر ضمان نہیں ہے جب کہ چوتھی مرتبہ اُس شخص کو جسے نقصان پہنچا ہے یہ حق حاصل ہے کہ اس جانور کو ہلاک کر دے اور اس کا مالک اس جنایت کا جو اس جانور کی طرف سے ہوئی ہے تاوان ادا کرے ، کیونکہ تین سے زائد بار جانور کا جنایت کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ جانور اب خطرناک اور موذی جانور بن چکا ہے لہذا اسے ہلاک کر دیا جائے ۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مالک اُسے باڑے میں روکنے یا باندھ کر رکھنے کی طرف پوری توجہ نہیں دیتا ، اس لیے وہ جانور کے کیے ہوئے نقصان کا تاوان ادا کرے ؛ چنانچہ

(۱) عبدالرزاق ۱۰/۹۷ ، المحلی ۸/۱۴۵

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اونٹ یا گائے یا گدھا یا کوئی بھی ضرر رساں جانور اگر باڑے میں بند تھا تو تین مرتبہ مالک کو لوٹایا جائے گا پھر اسے ہلاک کر دیا جائے گا (۱) اور اگر مالک نے جانور کو بغیر باڑے میں بند کیے (یا باندھے) چھوڑا ہوا تھا اور اس نے کسی انسان کو نقصان پہنچا دیا تو اس کی جنایت پر دیت لازم آئے گی۔

(ب) انسان کی جنایت

اس کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ یہ کہ انسان خود کو نقصان پہنچائے۔

۲۔ دوسرے کو نقصان پہنچائے۔

اگر کوئی شخص خود اپنی جان پر یا اپنے اعضا پر جنایت کا ارتکاب کرے اور کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہو اندریں صورت اگر اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا ہے تو اس کی دیت اس کے ورثاء کو اس کی عاقلہ (باپ کی طرف کے رشتہ دار) ادا کرے گی اور اگر اس نے اپنے آپ کو زخمی کیا ہے اور اس کے زخم کا تاوان تہائی دیت سے زائد ہے تو اس کا یہ تاوان اس کے عصبات ادا کریں گے۔ کیونکہ روایت ہے کہ ایک شخص اپنا جانور ہانک رہا تھا کہ اس نے جانور کو کوڑا مارا اور کوڑے کی گھنڈی پلٹ کر اس کی آنکھ میں آ لگی اور اس کی آنکھ ضائع ہو گئی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کو لکھ کر دریافت کیا تو حضرت نے جواب دیا کہ اگر اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اس شخص نے غلطی سے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے تو اس کی دیت ادا کی جائے (۱)

قتادہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے غلطی سے اپنی آنکھ پھوڑ لی۔ حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ اس کی دیت اس کے عصبات ادا کریں (۲)

اور اگر کوئی دوسرا شخص بھی اس کے ساتھ اس فعل میں شریک ہے جس سے اس نے خود کو نقصان پہنچایا ہے تو پورا تاوان اس شریک پر عائد ہو گا۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک بینا شخص ایک نابینا شخص کو لے کر جا رہا تھا کہ دونوں کنوئیں میں گر گئے۔ یعنی پہلے بینا گرا اور اس کے اوپر نابینا گر گیا اور اس طرح وہ بینا شخص مر گیا حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ اس بینا شخص کی دیت نابینا ادا کرے۔ یہی اندھا شخص موسم حج میں یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

"اے لوگو میرے ساتھ برا معاملہ پیش آیا ہے۔ کیا اندھا صحیح وسالم بینا شخص کو روک سکتا ہے جب کہ دونوں ایک ساتھ گرے اور دونوں ہی زخمی ہوئے۔" (۳)

(۲) انسان کا کسی دوسرے کو نقصان پہنچانا۔

(الف) اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کو نقصان پہنچایا ہے خواہ یہ نقصان جان کا ہو یا کسی ایک حصہ جسم کا تو اس جنایت میں قصاص لیا جائے گا لیکن جانی (نقصان پہنچانے والے) سے قصاص اس صورت میں لیا جائے گا جب وہ عاقل، بالغ، مختار اور معصوم الدم ہو۔

شرط بلوغ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جان کا قصاص یا زخم کا بدلہ یا حد میں سزا تے موت یا تعزیر میں

(۱) المحلی ۸/۱۴۷، ۱۱/۵، عبدالرزاق ۱۰/۸۴

(۱) عبدالرزاق ۹/۴۱۲، ۴۱۴، ۴۱۵، المغنی ۷/۸۰ (۲) عبدالرزاق ۹/۳۳۰، ۴۱۲، المحلی ۱۱/۵۶ (۳) المغنی ۷/۸۱۹

سزا نہیں دی جائے گی، جب تک وہ شخص جسے سزا دی جا رہی ہے بالغ نہ ہو اور اسے علم نہ ہو جائے کہ از روئے اسلام اس کے حقوق و فرائض کیا ہیں۔ (۱)

عقل کی شرط اس لیے ناگزیر ہے کیونکہ شارع کے خطاب کے مخاطب صرف عقلاء ہی ہیں۔

اختیار کی شرط کے سلسلہ میں دیکھیے (اکراہ)

معصوم الدم ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ایمان لانے کی بنا پر یا امان دیے جانے کی وجہ سے اسے جان کا تحفظ حاصل ہو۔ لیکن یہ امان ایسی ہو جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ چنانچہ اگر قاتل معصوم الدم نہ ہو تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ مثلاً کوئی حربی قاتل کسی مسلمان کو دورانِ حرب قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اگرچہ بعد ازاں مسلمان ہونے کی بنا پر یا امان سے اس کی جان محفوظ ہو جائے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو باوجودیکہ وہ مجزاۃ بن ثور اور براءؓ بن مالک کا قاتل تھا امان دے دی اور امان دینے کے بعد اس سے قصاص نہیں لیا، حالانکہ حضرت عمرؓ ہرمزان کے قتل کا مصمم ارادہ کیے ہوئے تھے، لیکن آپ کا یہ ارادہ بربنائے قصاص نہیں تھا، کیونکہ اگر قصاص میں قتل مقصود ہوتا تو اُسے امان دینا جائز نہ ہوتا، بلکہ حضرت عمرؓ اُسے اس لیے قتل کرنا چاہتے تھے کہ وہ ایک اہم قیدی تھا۔ (د: امان ۳ ج)

اب رہا یہ مسئلہ کہ اگر کوئی شخص مسلمان کو قتل کرنے کے بعد خود اسلام قبول کر لے تو اُس سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے تو اس کے بارے میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بھائی زید بن خطاب کے قاتل کو دیکھا تو فرمایا کہ بُرا ہو تیرا تو نے میرے بھائی کو مار ڈالا جو ہوا کے ہر جھونکے پر مجھے یاد آتا ہے (۱) اور آپ نے اُس سے قصاص نہیں لیا۔

مسلم بھی بعض حالات میں غیر معصوم الدم ہو جاتا ہے اور اس کی جان کو قانونی تحفظ حاصل نہیں رہتا۔ جیسے باغی۔ کہ اس سے جنگ کرنا اور اُسے بوقتِ بغاوت قتل کر دینا جائز ہے لیکن اگر باغی نے بغاوت کے دوران کسی کو قتل کر دیا ہو اور پھر اُس نے اس سے قبل کہ اس پر قابو پایا جاتے، توبہ کر لی تو اس کو جانی تحفظ حاصل ہو جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس پر کوئی قصاص نہیں تھا۔ (د: بغاوت / ۲)

(ب) ایک انسان کی دوسرے انسان پر جنایت:

اندریں صورت مجرم یا تو معلوم ہو گا یا نا معلوم۔

مجرم نامعلوم ہو تو مندرجہ ذیل صورتیں ہوں گی:

پہلی صورت:

مقتول ایسے علاقے میں پایا جائے جس کے باشندوں اور مقتول کے درمیان دشمنی ہو، اور قاتل معلوم نہ ہو اس صورت میں قسامت کا اہتمام کرنا پڑے گا اور اس علاقے کے باشندوں سے مقتول کے ورثاء کو دیت دلوائی جائے گی۔ (د: قسامت)

دوسری صورت:

کوئی انسان ہجوم میں مارا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چلے تو

---

(۱) عبد الرزاق ۹/۴۷۴، المحلی ۱۰/۳۴۷

(۱) سنن البیہقی ۹/۹۸۔

مقتول کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ [illegible] روایت ہے کہ ایک شخص یوم عرفہ اژدہام میں مارا گیا۔ مقتول کے رشتہ دار حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تمہارے پاس قاتل کے بارے میں کوئی ثبوت ہے؟ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین، کسی مسلمان کا خون رائیگاں نہ جائے۔ اگر قاتل معلوم ہو تو درست ورنہ بیت المال سے دیت دی جائے (۱)

تیسری حالت :

مقتول کسی ایسی جگہ پایا جائے جہاں سب لوگ آجا سکتے ہوں تو اس صورت میں اس کی دیت اسلامی بیت المال سے دی جائے گی۔ اسود بن یزید سے مروی ہے کہ ایک شخص خانہ کعبہ میں قتل ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے۔

اور اگر مجرم معلوم ہو تو یا تو وہ مجرم اکیلا ہوگا یا ایک سے زائد افراد شریک جرم ہوں گے ہر دو صورتوں میں اگر جنایت عمداً ہے تو سب سے قصاص لیا جائے گا۔ روایت ہے کہ صنعاء کی ایک عورت کا شوہر کہیں چلا گیا اور اپنا ایک لڑکا جو اس عورت سے نہیں تھا اُس کے پاس چھوڑ گیا۔ اُس عورت نے ایک شخص سے یارانہ کر لیا اور اپنے اس یار سے کہا کہ یہ لڑکا ہمارا راز فاش کر دے گا اور دونوں میں اس کے قتل پر اتفاق ہوگیا۔ بعد ازاں چھ مردوں اور اس عورت نے مل کر اس لڑکے کو قتل کر دیا۔ ایک روایت میں قاتلوں کی تعداد کچھ کم بیان کی گئی ہے۔ بغرض اُنہوں نے اس لڑکے کو قتل کر دیا اور کھال سے بنے ہوئے برتن میں ڈال کر بستی سے باہر ایک گڑھے میں پھینک آئے۔ لیکن اس قتل کا پتہ چل گیا اور عورت نے اور اُس کے یار نے قتل کا اعتراف کر لیا۔

صنعاء کے امیر یعلیٰ بن اُمیہ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ کیا۔ حضرت علی نے کہا کہ یا امیر المؤمنین اگر کئی افراد ایک اُونٹ کی چوری میں شریک ہوں اور اس کا ایک ایک عضو کاٹ کر لے جائیں تو کیا آپ اُن سب کے ہاتھ کاٹیں گے یا نہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں کاٹوں گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بس یہی صورت یہاں بھی ہے۔ حضرت عمرؓ نے یعلیٰ کو حکم لکھا کہ سب کو قتل کر دیا جائے اور اپنا یہ مشہور جملہ کہا کہ تمام اہل صنعاء اس کے قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔ (۱)

(ج) امیر کی جنایت

حاکم اگر کسی شخص پر جنایت کا ارتکاب کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ جنایت ایسی ہوگی جس پر قصاص لازم آتا ہے یا ایسی ہوگی جس پر مالی تاوان ادا کرنا پڑتا ہے۔

اگر جنایت ایسی ہے جس پر قصاص لازم آتا ہے تو پھر یا اس جنایت کی نوعیت ایسی ہوگی کہ اس کے عمد میں قصاص ہے اور اس کی خطا میں دیت ہے جیسے قتل یا کسی حصہ جسم کا کاٹ دینا وغیرہ۔ اس طرح کی جنایت میں

---

(۱) عبدالرزاق ۱۰/۵۱

(۱) سنن البیہقی ۸/۴۱، عبدالرزاق ۹/۴۷۵، الموطاء ۲/۸۷۱، المغنی ۷/۶۴۹، ۶۷۱، ۸۱۹، البخاری تعلیقاً فی الدیات۔

امیر کے سلسلہ میں عمد کو خطا قرار دیا جائے گا ؛ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے اپنے کسی امیر سے کہا کہ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہ طریقہ بن جائے گا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا (۱) اس سے معلوم ہوا کہ امیر اگر قتل کر دے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

یا جنایت ایسی ہوگی کہ اس کا ارتکاب اگر عمداً کیا جائے تو اس پر قصاص ہوگا اور اگر خطا سرزد ہوگئی تو معاف کر دیا جائے گا، جیسے تھپڑ مارنا وغیرہ۔ اس کے سلسلہ میں یہ ہے کہ امیر سے ایسی جنایت اگر عمداً سرزد ہو تو قصاص دلوایا جائے گا اور اگر خطا ہو تو معاف کر دیا جائے گا ؛ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمر رضؓ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ امیر المومنین رضؓ آپ کے ایک عامل نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور مجھے مارا پیٹا ہے۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ قسم بخدا میں اس سے تمہیں قصاص دلواؤں گا۔ (۲) (۱۱ امارہ ۲ ج ۲)

اور اگر امیر کی جنایت ایسی ہو جس پر مالی تاوان لازم آتا ہو تو اس پر مالی تاوان کی ادائیگی اسی طرح لازم ہوگی، جس طرح رعایا کے افراد میں سے کسی ایک فرد پر ہوتی ہے۔

چنانچہ روایت ہے کہ ایک عورت، جس کا شوہر کہیں چلا گیا تھا اور اس کے ہاں لوگوں کا آنا جانا رہتا تھا۔ حضرت عمر رضؓ نے اس بات کو ناپسند کیا اور اُسے بلوایا۔ وہ ڈر گئی کہ امیر المومنین نے کیوں بلوایا ہے۔ راستہ میں خوف کی شدت سے اُسے دردِ زہ شروع ہو گیا اور وہ ایک گھر میں چلی گئی اور اس کے بچہ پیدا ہوا لیکن وہ ایک دو چیخیں مار کر مر گیا۔ حضرت عمر رضؓ نے اس کے سلسلے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ کسی نے کہا کہ آپ پر کچھ لازم نہیں آتا کیونکہ آپ والی ہیں اور ادب سکھانا آپ کے فرائض میں داخل ہے۔ لیکن حضرت علی رضؓ خاموش رہے۔ حضرت عمر رضؓ نے اُن سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ اگر ان لوگوں نے یہ بات اپنی رائے سے کہی ہے تو اُن کی رائے غلط ہے اور اگر انہوں نے یہ بات آپ کو خوش کرنے کے لیے کہی ہے تو انہوں نے درحقیقت آپ کی خیر خواہی ملحوظ نہیں رکھی۔ میری رائے یہ ہے کہ اس بچہ کی دیت آپ کے ذمہ ہے۔ کیونکہ آپ نے اُسے خوفزدہ کیا تھا جس کی وجہ سے اسقاط ہوا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضؓ نے حضرت علی رضؓ کو حکم دیا کہ اس کی دیت قریش پر تقسیم کر دیں۔ (۱)

(د) طبیب کی جنایت

اگر طبیب کسی زیرِ علاج شخص کو نقصان پہنچا دے تو اُسے اس جنایت پر مالی تاوان ادا کرنا پڑے گا ؛ چنانچہ روایت ہے کہ ایک شخص جو بچوں کا ختنہ کیا کرتا تھا، اُس نے ختنہ کرتے وقت ایک بچے کے عضوِ تناسل کا کچھ حصّہ کاٹ دیا۔ حضرت عمر رضؓ نے اس سے تاوان دلوایا۔ اسی طرح ایک عورت جو عورتوں کا ختنہ کیا کرتی تھی، اُس نے کسی بچی کا ختنہ کرتے وقت شدت سے کام لیا تو حضرت عمر رضؓ نے اُس سے بھی تاوان دلوایا۔

(ھ) غلام کی جنایت

(۱) سنن البیہقی ۸/۸۲۲ (۲) سنن البیہقی ۸/۶۴

(۱) عبدالرزاق ۹/۴۵۸، سنن البیہقی ۶/۱۲۳، المحلی ۱۱/۲۴، المغنی ۷/۸۲۱، ۸۳۳ (۲) عبدالرزاق ۹/۴۷۰

اگر غلام جنایت کا ارتکاب کرے تو یہ جنایت یا عمداً ہو گی یا خطأً۔ اگر جنایت عمداً ہو تو قصاص لازم ہے خواہ مجنی علیہ آزاد ہو یا غلام۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایک مکتوب میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہر جنایت عمد میں جس کا ارتکاب کوئی غلام دوسرے غلام کے خلاف کرے قصاص لیا جائے گا خواہ یہ جرم جان کا اتلاف ہو یا اس سے کم درجہ کا۔ اور اگر دیت کی ادائیگی پر صلح کر لیں تو مقتول کی دیت قاتل کے اہل خاندان پر ہو گی (۱)

ابن حزم کہتے ہیں اس کی توضیح یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک غلام مالک ہو سکتا ہے، لہٰذا غلام کی جنایت اگر خطأً ہو تو اس کا ضمان اس کے مال میں سے ادا کیا جائے گا خواہ جنایت آزاد پر ہوئی ہو یا غلام پر۔

(و) عورت کی جنایت:

جنایت کا ارتکاب اگر عورت نے کیا ہو تو اس جنایت کی بھی دو صورتیں ہیں۔ یا عمداً ہو گی یا خطأً۔ اگر عمداً ہے تو قصاص لازم ہے خواہ مجنی علیہ مرد ہو یا عورت۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عورت سے مرد کا قصاص لیا جائے گا ہر اُس جنایت پر جو عمداً کی گئی ہو اور جس میں اُس کی جان گئی ہو یا زخمی ہوا ہو (۲) اور اگر جنایت خطأً ہو تو اس کا ضمان اُس کے مال سے ادا ہو گا۔

(ز) اگر مجنی علیہ کا ولی جانی پر جنایت کا مرتکب ہو۔

اگر جنایت کا ارتکاب کرنے والا مجنی علیہ کا ولی ہو، یعنی وہ کسی شخص کو قاتل سمجھ کر قتل کر دے اور بعد میں معلوم ہو کہ اصل قاتل کوئی دوسرا شخص ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ کو برچھی ماری گئی تو عبیداللہ بن عمرؓ نے ہرمزان کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع دی گئی کہ عبیداللہ ابن عمرؓ نے ہرمزان کو قتل کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عبیداللہ سے پوچھا کہ تو نے ہرمزان کو کیوں قتل کیا ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ میرے باپ کا قاتل ہے۔ پوچھا کہ وہ کس طرح؟ اُنہوں نے کہا کہ مَیں نے اُسے ابو لؤلؤة کے ساتھ خلوت میں (سازش کرتے) دیکھا ہے اور اُسی نے ابو لؤلؤة کو اس کام پر مامور کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ کیا صورت ہے۔ انتظار کرو۔ اگر میں مر گیا تو عبیداللہ بن عمر سے گواہ طلب کرنا۔ اگر اس نے ثبوت فراہم کر دیا تو ہرمزان کا خون میرے خون کے بدلے میں سمجھا جائے ورنہ اس سے ہرمزان کا قصاص لینا۔ پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو اُن سے کہا گیا کہ کیا آپ عبیداللہ کے بارے میں حضرت عمرؓ کی وصیت پر عمل نہیں کریں گے؟ حضرت عثمانؓ نے پُوچھا کہ ہرمزان کا ولی کون ہے؟ کہا گیا کہ امیرالمومنین آپؓ خود ہیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے عبیداللہ بن عمرؓ کو معاف کر دیا۔ (۱)

مَیں کہتا ہوں کہ مذکورہ بالا صورت میں از روئے قیاس محض دیت لازم آتی ہے کیونکہ یہ قتل خطاء ہے اس لیے کہ عبیداللہ بن عمرؓ کو ہرمزان کے قاتل ہونے کے بارے میں غلط فہمی ہوئی تھی۔ بعد ازاں ثابت ہو گیا کہ وہ قاتل نہیں تھا، لہٰذا اس صورت میں دیت لازم آتی۔ جیسے

---

(۱) عبدالرزاق ۱۰/۷، سنن البیہقی ۸/۳۸، ۳۹، المحلی ۸/۱۵۹ (۲) سنن البیہقی ۸/۱۵۹

(۱) سنن البیہقی ۸/۶۲

کوئی شخص کسی کو یہ سمجھ کر قتل کر دے کہ یہ کافر، محارب اور مباح الدم ہے لیکن بعد میں معلوم ہو کہ وہ مسلمان تھا۔ (د: جنایت ۴/۲) اور حضرت عمرؓ نے اس صورت میں قصاص کا حکم اس لیے دیا تھا کہ کہیں اولیاء مقتول انتقام کے جوش میں قاضی کے فیصلے سے پہلے ہی جانی کو قتل نہ کر دیا کریں۔

(ح) باپ کی بیٹے پر جنایت:

اگر جنایت کا مرتکب مجنی علیہ کا باپ ہو تو اس کے لیے دیکھیے (جنایت ۳۔ ب ۳)

(ط) اس شخص کی جنایت جس کی عاقلہ نہ ہوں۔

اگر جانی ایسا شخص ہو جس کے نہ عاقلہ ہوں اور نہ اُس کے پاس کوئی مال ہو، جیسے کوئی غلام جسے اللہ واسطے آزاد کر دیا گیا ہو اور وہ کسی ایسی جنایت کا مرتکب ہو جس پر مالی تاوان ادا کرنا لازم آتا ہو تو اُس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایک واقعہ پیش آیا تھا کہ کسی حاجی نے ایک غلام اللہ واسطے آزاد کر دیا۔ یہ غلام بنی عائذ میں سے ایک شخص کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اس غلام نے عائذی کو قتل کر دیا۔ اس مقتول کا باپ حضرت عمرؓ کے پاس دیت کے لیے آیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے پاس کوئی مال ہی نہیں ہے، اس لیے اس کی دیت نہیں ملے گی۔ عائذی نے پوچھا کہ اگر میں اسے قتل کر دوں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر تمہیں دیت دینی پڑے گی، اس پر وہ شخص بولا کہ یہ غلام تو ناگ کی طرح ہے کہ اگر اسے نہ مارو تو کاٹ لے گا اور اگر مار دو تو انتقام لے گا۔ (۱)

میں کہتا ہوں کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت ایسی جنایت عمد کی ہے جس میں ولی نے قصاص معاف کر کے دیت لینا قبول کر لیا ہو کیونکہ اس صورت میں دیت جانی کے مال میں سے ادا کی جاتی ہے اور کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہوتا اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو یہ دیت اُس کے ذمے رہے گی تاآنکہ اس کے پاس مال آجائے۔ اور اگر یہ جنایت خطاً سرزد ہوئی ہو اور جانی کے عاقلہ موجود نہ ہوں تو مقتول کی دیت بیت المال سے ادا ہوگی، چنانچہ ابوموسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ایک شخص یہاں ہمارے علاقے میں مرتا ہے، جس کا نہ کوئی رشتہ دار ہوتا ہے نہ کوئی مولی اور نہ کوئی عصبہ اس کی میراث کا کیا کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر کیا کہ اگر کوئی رشتہ یا عصبہ موجود ہو تو وہ وارث ہو گا ورنہ آزاد کردہ غلام اور اگر وہ بھی نہ ہو تو بیت المال اس کا وارث بھی ہوگا اور اس کی دیت بھی ادا کرے گا۔

(ی) اس شخص کی جنایت جس نے دوسرے شخص کے ایسے عضو پر جنایت کی ہو جس سے وہ خود محروم ہو۔

اگر جنایت کے مرتکب کسی شخص کے ایسے عضو سے قصاص لینا واجب ہو کہ اس کے پاس دیگر اعضا کی مانند اعضا تو ہوں لیکن اس عضو جیسا عضو موجود نہ ہو جو اس نے دوسرے کا تلف کر دیا ہے اور وہ عضو ایسا ہو کہ اس کے ضائع ہو جانے سے وہ منفعت کلیۃً مفقود ہو جاتی ہو جو اس سے مطلوب ہے لیکن جس پر جنایت کی گئی ہے۔ اس کے معاملہ میں ایسا نہ ہو تو اس سے قصاص نہ لیا جائے گا بلکہ اُسے پوری دیت دینی ہو گی

(۱) عبدالرزاق ۱۰/۸۰، الموطا ۲/۸۶۹، المحلی ۱۱/۹۲

مثلاً ایک کانا شخص صحیح آنکھوں والے کی ایک آنکھ نکال دے تو قصاص لازم نہیں آئے گا؛ البتہ کانے پر پوری دیت لازم آئے گی؛ چنانچہ محمد بن ابی عیاض سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کانا شخص کسی دوسرے شخص کی آنکھ نکال دے تو اس پر دونوں آنکھوں کی دیت یعنی دیت کاملہ لازم ہوگی (۱)

(د) شریک جنایت یعنی مجنی علیہ کو پکڑنے والا اور جنایت پر اکسانے والا بھی جانی شمار کیا جائے گا۔

جرم قتل کے استیصال کی غرض سے حضرت عمرؓ قاتل شریک قتل اور قتل پر اکسانے والوں کو بھی قاتل ہی شمار کرتے تھے اور ان سب کو وہی سزا دیتے تھے جو قاتل کو دی جاتی ہے، چنانچہ صنعاء والے واقعہ میں حضرت عمرؓ نے ان سات افراد کے سلسلہ میں جو ایک بچے کے قتل میں شریک تھے سب کے قتل کیے جانے کا حکم دیا تھا حالانکہ یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ ان سات کے سات افراد نے بیک وقت مل کر اس بچے کو قتل کیا ہو بلکہ کسی نے پکڑا ہوگا کسی نے ذبح کیا ہوگا اور کسی نے مشورہ دیا ہوگا اسی طرح یہ بات بھی عقل میں نہیں آتی کہ تمام اہل صنعاء مل کر ایک بچے کو قتل کریں۔ بلکہ اس صورت میں بھی یہی ہوتا ہے کہ کوئی اکساتا، کوئی مشورہ دیتا، کوئی حکم دیتا۔ کوئی پکڑتا اور کوئی ضرب لگاتا وغیرہ۔

غالباً عبیداللہ بن عمرؓ نے ہرمزان کو جو قتل کیا تھا، اس سے اس مسئلہ پر مناسب روشنی پڑتی ہے۔ عبیداللہ بن عمرؓ نے ہرمزان کو قتل کرنے کی وجہ یہی بتائی تھی کہ وہ ابولولوۃ کے ساتھ خلوت میں سازش کر رہا تھا اور اسی نے ابولولوۃ کو میرے باپ کے قتل پر مامور کیا تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اگر میں مرجاؤں تو عبیداللہ بن عمرؓ سے گواہ طلب کرنا اس بات کے کہ ہرمزان نے مجھے قتل کیا ہے یعنی ابولولوۃ کو میرے قتل پر مامور کیا یا اکسایا ہے۔ اگر وہ ثبوت فراہم کر دیں تو ہرمزان کا خون میرے خون کے بدلہ میں سمجھا جائے۔

غرض حضرت عمرؓ اس اصول کے قائل تھے کہ قتل کا حکم دینے والے اور قتل پر اکسانے والے کو بھی قاتل ہی کی سزا دی جائے گی۔

(۳) مجنی علیہ (جس پر جنایت کا ارتکاب ہو)

مجنی علیہ یا کوئی حیوان ہوگا یا انسان

(الف) حیوان پر جنایت

۱۔ غیر ضرر رساں جانور پر جنایت کی صورت میں اس کی قیمت بطور تاوان ادا کرنا ہوگی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جانور پر جنایت کا ضمان بھی اسی نسبت سے کم و بیش ہوتا ہے جس طرح انسان پر جنایت کی صورت میں ہوتا ہے یعنی ایک نوع کے جانوروں میں جانور کی قیمت اس کے اعضاء پر منقسم کی جائے اور ہر عضو کا ضمان اس کے بالمقابل آنے والی قیمت کے برابر ہو، چنانچہ گھوڑے کی ٹانگ کا ضمان پورے گھوڑے کی قیمت کا چوتھائی اور کان کا ضمان اس کی کل قیمت کا نصف ہو۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ یا پھر یہ صورت

---

(۱) عبدالرزاق ۹/۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، المحلی ۱۰/۴۲۱
المغنی ۷/۷۱۷ ۸/۵

اختیار کی جائے گی کہ جانور کے مختلف اعضاء کے تاوان میں اس نقصان کو ملحوظ رکھا جائے گا جو اس عضو کے تلف ہو جانے سے اس کی قیمت میں ہوا ہے۔ اور اس تعین کے بعد جنایت کا ارتکاب کرنے والے کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ یا تو اس کے نقصان کے مطابق تاوان ادا کر دے یا اس جیسا جانور دے دے۔

شعبی نے حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ابتدا میں حضرت عمرؓ نے پہلی رائے کے مطابق فیصلہ دیا اور بعد ازاں اس رائے کو ترک کر کے دوسری رائے اختیار کی۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک اونٹ کی آنکھ کے اتلاف پر پہلے آپ نے اس کی نصف قیمت ادا کرنے کا فیصلہ دیا لیکن بعد میں آپ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اس کی قوت اور راستے پر چلنے کی صلاحیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے لہذا آپ نے چوتھائی قیمت ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا (۱)

شعبی نے ہی حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ شریح نے حضرت عمرؓ سے جانور کی آنکھ کے اتلاف کا تاوان دریافت کیا تو حضرت عمرؓ نے تحریر فرمایا کہ پہلے ہم اس معاملہ میں جانور کو انسان پر قیاس کرتے تھے لیکن اب ہماری متفقہ رائے یہ ہے کہ ہم اس کی چوتھائی قیمت تاوان متعین کرتے ہیں (۲) اس پر ابن قدامہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے فرمانے کا مفہوم یہ ہے کہ آنکھ کے اتلاف سے جانور میں جو نقص پیدا ہوا ہے وہ اسکی چوتھائی قیمت کے برابر ہے۔[۳]

جہاں تک [illegible] ارتکاب کرنے والے کو اختیار دینے کا تعلق [illegible] جانور کا مثل جانور دے دے یا اس کی قیمت میں جو کمی واقع ہوئی ہے اتنی قیمت بطور تاوان ادا کر دے تو اس کے سلسلہ میں وہ روایت ہے جو عبدالملک بن عمیر سے مروی ہے کہ ایک دہقان نے عروۃ بن الجعد کے گھوڑے کی آنکھ نکال دی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اس کے بارے میں حضرت عمرؓ کو لکھا تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ دہقان کو اختیار دیں کہ اگر چاہے تو یہ گھوڑا خود رکھ لے اور اس جیسا گھوڑا مالک کو دے دے اور چاہے تو اس کی قیمت کا چوتھا حصہ بطور تاوان ادا کر دے؛ چنانچہ گھوڑے کی قیمت لگائی گئی تو اس کی قیمت کا اندازہ بیس ہزار ہوا اور جانی نے پانچ ہزار تاوان ادا کیا۔[۱]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حیوان پر جنایت کے سلسلہ میں اپنی اس رائے سے کہ جانی کو اختیار ہے چاہے تو اس جانور کا مثل دے دے اور چاہے تو نقصان کا تاوان ادا کر دے، بعد ازاں رجوع کر لیا تھا۔ کیونکہ حیوانات میں ایک دوسرے کا مثل پایا جانا دشوار ہے۔ چنانچہ کوئی گھوڑا رنگ، حجم، جسم، ذہانت وطبیعت، تیز رفتاری اور حسن تربیت و مہارت میں دوسرے گھوڑے کے بعینہ مماثل نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے قاضی شریح کو لکھا تھا کہ اگر جانور کی آنکھ نکال دی گئی ہو تو اس کی قیمت کا چوتھا حصہ تاوان ادا کرنے کا فیصلہ کریں (۲)

---

(۱) عبدالرزاق ۱۰/۷۷، المحلی ۸/۱۵۰ (۲) المغنی ۵/۲۲۹
(۳) المغنی ۵/۲۲۹

(۱) المحلی ۱۰/۴۲۸، عبدالرزاق ۱۰/۷۶ (۲) اخبار القضاۃ ۲/۱۹۲، سنن البیہقی ۸/۹۷، المحلی ۸/۱۴۹، ۴۲۸، عبدالرزاق ۱۰/۷۶، ۹/۲۹۱، سنن البیہقی ۹/۴۰۷

(۲) لیکن ضرر رساں جانور اگر تین مرتبہ مالک کو لوٹا دیا گیا ہو اور چوتھی مرتبہ وہ پھر جنایت کا ارتکاب کرے اور کوئی شخص اس جانور کو ہلاک کر دے تو اس کا تاوان نہیں ہے

(د: جنایت ۲/و)

۱۔ مجنی علیہ غلام ہو

اگر مجنی علیہ غلام ہو اور جنایت کا ارتکاب کرنے والا بھی غلام ہو تو دیکھیے (: جنایت ۲/ب ۲ھ)

اور اگر مجنی علیہ غلام ہو اور مرتکب جنایت آزاد شخص ہو تو پھر دو صورتیں ہیں یا تو یہ غلام جس پر جنایت ہوئی مرتکب جنایت ہی کا غلام ہوگا یا کسی دوسرے کا غلام ہوگا۔

اگر خود اسی کا غلام ہے جس نے جنایت کی ہے تو نہ قصاص ہے اور نہ ضمان ہے البتہ مالک کو تعزیری سزا دی جائے گی اور غلام آزاد کر دیا جائے گا، چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کسی شخص کو اپنے غلام کے قتل کرنے پر قصاص میں قتل نہیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ مالک کو سو کوڑے مارتے تھے اور ایک سال قید کی سزا دیتے اور ایک سال کے لیے اس کو مالِ غنیمت کے حصّے سے محروم کر دیتے تھے۔ یہ اس صورت میں جب کہ اُس نے عمداً قتل کیا ہو (۱)

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو جس نے اپنے غلام کو عمداً قتل کیا تھا سو کوڑے مارے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا۔(۲)

حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے کہ ایک باندی حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اُس نے شکایت کی کہ مالک نے مجھ

(۱) عبدالرزاق ۹/۴۰۷، (۲) سنن البیہقی ۸/۳۶، عبدالرزاق ۹/۴۳۸

پر تہمت لگائی اور مجھے آگ پر بٹھا دیا حتیٰ کہ میرا اندام نہانی جل گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا اُس نے تمہیں بدکاری کرتے دیکھا تھا۔ اُس نے جواب دیا نہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا تم نے اعترافِ جرم کر لیا تھا۔ اُس نے کہا، نہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس شخص کو بلوایا جائے۔ جب وہ آیا تو حضرت عمرؓ نے اُس سے کہا کہ تم نے اُسے ایسا عذاب دیا ہے جس طرح اللہ عذاب دیتا ہے؟ اُس نے کہا کہ اے امیرالمومنین، اُس کی ذات پر تہمت ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا تم نے دیکھا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے پوچھا اُس نے تمہارے سامنے کوئی اعتراف کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سُنا ہوتا کہ مالک سے غلام کا قصاص اور باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے گا تو میں تم سے ضرور قصاص لیتا۔ بعد ازاں آپ نے اس شخص کو لوگوں کے سامنے سو کوڑے مارے اور باندی سے کہا کہ جاؤ تم راہ خدا آزاد ہو اور تم اللہ اور رسولؐ کی باندی ہو۔ (۱)

ایک شخص نے اپنے ایک غلام کو آگ سے داغا حضرت عمرؓ نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔ (۲)

ایک شخص نے اپنے غلام کے پیٹ پر آگ جلائی۔ وہ دہشت زدہ ہو کر بھاگا اور اُس نے خود کو ایک گڑھے میں گرا لیا۔ دوسرے دن وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور

(۱) سنن البیہقی ۸/۳۶ عبدالرزاق ۹/۴۳۸

(۲) مصنف عبدالرزاق ۹/۴۳۸

اور آپ سے شکایت کی تو آپ نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور جب آپ کے پاس قیدی آئے تو آپ نے اُسے (آزاد کردہ غلام کو) ایک غلام بھی دیا۔ (۱)

اور اگر مجنی علیہ کسی دوسرے شخص کا غلام ہو تو بھی آزاد مرتکب جنایت پر قصاص نہیں ہے خواہ جنایت علی النفس ہو یعنی جان سے مارا ہو یا اس سے کم۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آزاد سے غلام کا قصاص نہیں لیا جائے گا (۲) چنانچہ حضرت عمرؓ عملاً تو آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا کرتے تھے، البتہ اس پر غلام کی قیمت کا تاوان عاید کیا کرتے تھے اور ایسی سخت تعزیری سزا دیا کرتے تھے جو اُسے دوبارہ ارتکابِ جُرم سے باز رکھے۔ (۳)

جہاں تک غلام کو ہلاک کرنے کی صورت میں اس کی قیمت کے تاوان کا تعلق ہے تو حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ اگر آزاد شخص غلام کو قتل کر دے تو اُسے اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی خواہ یہ قیمت کتنی ہی زیادہ ہو (۴)

اور اگر غلام کے کسی حصۂ جسم پر ارتکابِ جنایت کی دیت کا معاملہ ہو تو اس کے بارے میں مروی ہے کہ حضرت عبادہؓ بن صامت نے بیت المقدس میں ایک نبطی غلام کو بُلایا کہ اُن کی سواری کا جانور پکڑ لے۔ اُس نے انکار کیا تو عبادہؓ بن الصامت نے اُسے مارا اور اُس کا سر پھاڑ دیا۔ اُس نے حضرت عمرؓ سے اُن کے خلاف شکایت کی حضرت عمرؓ نے اُن سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، اُنھوں نے کہا کہ امیرالمومنین میں نے اسے اپنی سواری پکڑنے کے لیے کہا تھا تو اس نے انکار کر دیا اور میرے اندر غصّہ زیادہ ہے لہٰذا میں نے اسے مارا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قصاص کے لیے بیٹھ جاؤ۔ اس پر زیدؓ بن ثابت بولے کیا آپ ایک غلام کا اپنے بھائی سے قصاص لیں گے، اس پر حضرت عمرؓ نے قصاص نہیں لیا اور صرف دیت ادا کرنے کا فیصلہ دیا (۱)

غلام کی قیمت کو اعضاء پر اس طرح تقسیم کیا جائے گا جس طرح آزاد شخص کی دیت اُس کے اعضاء پر تقسیم کی جاتی ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ غلام کی دیت اس کی قیمت ہے اور اُس کی تقسیم اسی طرح ہوگی جس طرح آزاد کی دیت کو اُس کے اعضاء پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۲)

تعزیر کے بارے میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص عمداً غلام کو قتل کر دے اور اُس پر قصاص عائد نہ ہو تو اُسے سو کوڑے مارے جائیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو جس نے ایک غلام کو قتل کر دیا تھا سو کوڑے مارے اور ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا۔ (۳)

ان احکام کے سلسلہ میں مکاتب غلام کو ایک عام غلام ہی کی مانند شمار کیا جائے گا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مکاتب کے زخموں کی دیت وہی ہے جو ایک عام غلام کے زخموں کی ہے۔ (۴)

۲۔ کافر مجنی علیہ

اگر مجنی علیہ کافر ہو تو یا وہ ذمّی ہوگا یا مستامن یا ایسا ذمی ہوگا جس نے عقدِ ذمہ توڑ دیا ہو۔ اسی طرح جانی یا کافر ہوگا یا مسلمان ہوگا۔ اگر جانی بھی کافر ہے تو اس سے اس

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۹/ ۴۷۳ (۲) عبدالرزاق ۹/ ۴۷۲، المغنی ۷/ ۶۵۸ (۳) سنن البیہقی ۸/ ۳۴ (۴) سنن البیہقی ۸/ ۳۷

(۱) سنن البیہقی ۸/ ۳۲ (۲) عبدالرزاق ۹/ ۴۰۷ (۳) سنن البیہقی ۱۰/ ۳۴۰ (۴) عبدالرزاق ۱۰/ ۴، المحلی ۸/ ۱۵۱

مجنی علیہ کا قصاص لیا جائے گا اور اگر مسلم ہے تو اس کا حکم درج ذیل ہے۔

(الف) مسلمان کی جنایت ذمی پر

اگر جانی مسلمان ہو اور مجنی علیہ ذمی کافر ہو تو حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ قصاص لیا جائے گا خواہ جنایت کا نتیجہ ہلاکت ہو یا اس سے کم۔ چنانچہ مسلمان کو کافر ذمی کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔

بیہقی نے روایت کیا ہے کہ قبیلۂ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ[1] کے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے تحریر کیا کہ اس قاتل کو اولیائے مقتول کے سپرد کر دیا جائے۔ اگر وہ چاہیں تو قتل کر دیں اور چاہیں تو معاف کر دیں بہرحال وہ شخص ولی مقتول کے سپرد کر دیا گیا اور اس نے اُسے قتل کر دیا۔ (۱)

لیکن بعدازاں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمرؓ شام گئے تو آپ کو معلوم ہوا کہ ایک مسلمان نے ذمی کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے قصاص لینا چاہا تو حضرت زید بن ثابتؓ بولے کہ کیا آپ اپنے بھائی سے ایک غلام کا قصاص لیں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے دیت کا فیصلہ دے دیا (۲) اور ایک موقعہ پر جب حضرت عمرؓ نے مسلمان سے ذمی کا قصاص لینے کا ارادہ کیا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے آپ سے کہا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی اور پھر حضرت ابوعبیدہؓ کو بلا کر پوچھا کہ آپ کیوں کہہ رہے تھے کہ قصاص نہ لیا جائے۔ اس پر حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا: یہ بتایئے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے غلام کو قتل کر دے تو کیا آپ غلام کے بدلے میں اُس کے مسلمان مالک کو قتل کر دیں گے۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے اور قاتل پر ایک ہزار دینار یعنی دیت مغلظ عاید کرنے کا فیصلہ کیا۔ (۱)

اور اُسی وقت حضرت عمرؓ نے اُس شخص کے بارے میں جس نے حیرہ کے ذمی کو قتل کر دیا تھا یہ حکم تحریر کیا کہ اگر اس مسلمان کو قتل نہ کیا گیا ہو تو اُسے قتل نہ کیا جائے بلکہ اُس سے دیت وصول کی جائے (۲)، بعدازاں آپ کی رائے اسی فیصلہ پر قائم ہو گئی کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے (۳) کیونکہ اصلاً تو ذمی ایک جنگی قیدی ہے جس کے بارے میں امام کو اختیار ہے کہ اُسے قتل کر دے یا اُس سے عقد ذمہ کر لے۔ امام نے اس سے عقد ذمہ کر لیا۔ لیکن عقد ذمہ اُس کے مثل غلام ہونے میں مانع نہیں ہے، کیونکہ اس کے بھائی بند اور اس جیسے دوسرے کئی افراد غلام ہیں، لہٰذا مسلمان سے اس کے قتل کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔

اس کے بعد ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک مسلمان نے کسی ذمی یہودی یا نصرانی کو تیر مار کر قتل کر دیا۔ یہ معاملہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے قاتل پر بطور جرمانہ چار ہزار دیت عاید کی۔ (۴)

ذمی پر جو جنایت کی گئی ہے اگر جان لیوا نہ ہو بلکہ ہلاکت سے کم ہو تو اس کے بارے میں پہلے حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ قصاص لیا جائے گا لیکن بعدازاں آپ نے اس

---

(۱) سنن البیہقی ۸/۳۲، عبدالرزاق ۱۰/۱۰۱، المحلی ۱۰/۳۴۸
(۲) عبدالرزاق ۱۰/۱۰۰
[1] اہل حیرہ ذمی تھے۔

(۱) سنن البیہقی ۸/۳۲ (۲) سنن البیہقی ۸/۳۲، المحلی ۱۰/۳۴۸
(۳) الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار ۱۹۰، المغنی ۷/۶۵۲
(۴) تفسیر الطبری ۹/۵۴

سے رجوع کرلیا اور یہ رائے اختیار کی کہ اعضا کی مقررہ دیت بطور تاوان وصول کی جائے۔

بیہقی نے روایت کیا ہے کہ آپؓ کے پاس آپؓ کے اصحاب میں سے ایک شخص لایا گیا جس نے ایک ذمی کو زخمی کر دیا تھا، آپ نے اُس سے قصاص لینے کا ارادہ کیا تو مسلمانوں نے عرض کی کہ یہ تو مناسب نہیں ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی دیت دُگنی کر دی جائے، چنانچہ اُس کی دیت دُگنی کر دی گئی۔ (۱)

عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کا سر پھاڑ دیا۔ حضرت عمرؓ نے قصاص لینے کا ارادہ کیا تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ، ایسا نہیں کر سکتے اور حضرت معاذؓ نے اپنی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کی چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُسے سر کے زخم کے عوض ایک دینار تاوان دلوایا، جس پر وہ راضی ہو گیا۔ (۲)

(ب) مسلمان کی جنایت ایسے ذمی پر جس نے عقد ذمہ توڑ دیا ہو۔

اس صورت میں ذمی کا خون رائیگاں ہے اور اس جنایت کا مسلمان پر کوئی تاوان عاید نہیں ہوگا۔

چنانچہ عبداللہ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جہاد کے لیے روانہ ہوا اور ایک یہودی کو اپنی بیوی کی دیکھ بھال کے لیے کہہ گیا۔ ایک مسلمان صبح کی نماز کے لیے جا رہا تھا، اُس نے یہودی کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سُنا کہ:

"وہ پراگندہ حال شخص جسے اسلام نے میرے بارے میں دھوکہ میں رکھا (اور وہ اپنی بیوی میرے پاس چھوڑ گیا) میں ایک ایسی رات میں جب چاند پُوری طرح روشن تھا، اُس کی بیوی کے ساتھ خلوت میں رہا۔ میں اُس کی بیوی کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا ہوں اور وہ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر صبح سے شام کر رہا ہے۔ اُس کے کوہلوں کے مقام اتصال کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ گویا دو لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوں۔"

وہ شخص تلوار لے کر گیا اور اُس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہود اُس کے خون کا مطالبہ لے کر آئے۔ جب حضرت عمرؓ کو اصل واقعہ سے آگاہ کیا گیا تو آپ نے اُس کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔

(ج) مسلمان کی جنایت مستامن پر

مُستامن (جو کافر عارضی امن طلب کر کے دارالاسلام آیا ہو) بھی ایک لحاظ سے ذمی ہے۔ فرق یہ ہے کہ ذمی کا عقد ذمہ دائمی ہوتا ہے اور مُستامن کا عارضی ہوتا ہے۔ اگر کسی ذمی نے مُستامن پر عمداً جنایت کی تو اس سے اس کا قصاص لیا جائے گا اور اگر خطأً کی تو اس سے دیت وصول کی جائے گی کیونکہ کافروں کے مابین قصاص کے جاری کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہے۔

لیکن اگر مسلمان نے مستامن پر جنایت کی تو اس کا حکم وہی ہے جو ذمی پر مسلمان کی جنایت کرنے کا یعنی مسلمان سے قصاص نہیں لیا جائے گا، کیونکہ کسی مستامن کی حیثیت زیادہ سے زیادہ محض اتنی ہے کہ وہ ایک ذمی کی مانند ہے، لہٰذا مسلمان سے مستامن کا قصاص نہیں لیا جائے گا کیونکہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا اور لفظ کافر کا اطلاق ذمی اور مُستامن دونوں پر ہوتا ہے۔

(۱) سنن البیہقی ۸/۳۲ (۲) عبدالرزاق ۱۰/۱۰۰

اور وہ روایت جو امام مالک نے مؤطا میں بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک لشکر کے سربراہ کو لکھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ کچھ مسلمان ایک بھگوڑے کے تعاقب میں تھے۔ حتیٰ کہ وہ ایک [illegible] اور چھپ گیا تو مسلمانوں میں سے کسی نے اس سے کہا کہ ڈرو نہیں۔ لیکن پھر بعد میں جب وہ ہاتھ آگیا تو اُسے مار ڈالا، قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جس کے بارے میں بھی مجھے علم ہو گا کہ اُس نے ایسا کیا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ (۱)

حضرت عمرؓ کا یہ فرمان ایک سیاسی حکمت عملی کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ اس مسلمان نے نہ صرف یہ کہ اس کافر کو قتل کیا، بلکہ اسلامی احکام کو مذاق بنایا، اور اس کے اس طرز عمل سے غیر مسلموں کے دلوں میں یہ تاثر پیدا ہو سکتا ہے کہ مسلمان کی امان ناقابلِ اعتماد ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان سے مسلسل جنگ جاری رہے اور مسلمان اگر انہیں امان دیں تو وہ اس پر یقین نہ کریں ظاہر ہے کہ یہ نتائج مسلمانوں کے حق میں نقصان دہ ہیں۔ (د: امان / ۴ ب)

۳- مجنی علیہ جنایت کرنے والے کا بیٹا ہو۔

مجنی علیہ جانی کا بیٹا ہو یعنی باپ اگر بیٹے کے قتلِ عمد کا ارتکاب کرے تو اُس پر قصاص نہیں ہے لیکن اس جرم میں باپ پر بطور جرمانہ دیت مغلظہ عاید کی جائے گی۔

چنانچہ روایت ہے کہ قتادہ بن عبداللہ کے پاس ایک باندی تھی جو بکریاں چراتی تھی۔ ایک دن قتادہ نے اُسے بکریاں چرانے کے لیے بھیجا تو قتادہ کے بیٹے نے جو اس باندی کے بطن سے تھا کہا کہ کب تک میری ماں کو باندی بنائے رکھو گے، قسم بخدا جس قدر خدمت تم اس سے لے چکے ہو وہ بہت زیادہ ہے، اب مزید نہ لے سکو گے۔ یہ بات سُن کر اُس کے باپ قتادہ نے اُس کی طرف تلوار پھینکی جو اُس کی ایڑی میں لگی پھر اس کی کوکھ میں تلوار ماری اور وہ مر گیا۔ سراقہ بن مالک نے حضرت عمرؓ سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے باپ سے کہا کہ تم اگلے سال میرے پاس ایک سو چالیس یا ایک سو بیس اُونٹ لے کر آجاؤ، چنانچہ وہ لے کر آیا تو حضرت عمرؓ نے اس میں سے تیس حقےؒ، تیس جذعے اور چالیس خلفہ اُونٹ لے کر اُس مقتول کے بھائیوں کو دے دیئے اور باپ کو کچھ نہیں دیا۔ اور فرمایا کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سُنا ہوتا کہ باپ سے بیٹے کا قصاص نہ لیا جائے تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ (۱)

۴- مجنی علیہ عورت ہو

اگر مرد عورت پر جنایت کرے تو یہ جنایت عمداً ہوگی یا خطأً۔ اگر جنایت عمداً کی گئی ہے تو مرد سے عورت کا قصاص لیا جائے گا خواہ یہ جنایت جان کا اتلاف ہو یا اس سے کم۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہر جنایت عمد میں سے مرد سے عورت کا قصاص لیا جائے گا، خواہ جنایت جان کی ہلاکت ہو یا اس سے کم یعنی زخمی کیا ہو (۲) چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرد کو ایک عورت کے بدلے میں قتل کیا۔ (۳)

---

(۱) الموطا ۲/ ۸۴۸

(۱) سنن البیہقی ۸/ ۳۸-۷۲، الموطا ۲/ ۸۶۷، عبدالرزاق ۹/ ۴۰۱، ۴۰۲، المغنی ۷/ ۶۶۷، مسند الامام احمد ۱/ ۱۶، جامع الترمذی، الدیات

(۲) عبدالرزاق ۹/ ۴۰۱ (۳) عبدالرزاق ۹/ ۴۵۰

لے بوڑھا اُونٹ جس کے دانت گر چکے ہوں۔

اور اگر جنایتِ خطا ہے تو جان لینے اور جان لینے سے کم یعنی زخمی وغیرہ کرنے میں دیت لازم آئے گی اور عورت کے زخموں اور اعضاء کی دیت مرد کے زخموں اور اعضاء کی دیت کے مساوی ہوگی جب تک کہ اس کی مقدار کل دیت کے ثلث ⅓ تک ہو اور اگر کل دیت کے ثلث (⅓) سے تجاوز کر جائے تو عورت کے زخموں اور اعضاء کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہو جائے گی (۱)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ دانت اور زخمِ موضحہ (ایسا زخم جس سے ہڈی نظر آنے لگے) کی دیت میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں۔ اس کے علاوہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ اور فرمایا کہ مسلمان آزاد عورت کی دیت اگر وہ اہلِ قُری میں سے ہو تو پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم اور اگر اعراب میں سے ہو تو اس کی دیت پچاس اُونٹ ہوگی اور اگر اعرابی نے اعرابیہ کو قتل کر دیا تو اُس کی دیت پچاس اُونٹ ہوگی۔ (۳)

نیز حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر عورت کی دو انگلیاں ضائع ہو گئیں تو اس کی دیت دس اُونٹ ہوگی اور اگر تین انگلیاں ضائع ہوئیں تو بیس اُونٹ ہوگی اور اگر ساری انگلیاں کاٹ دی گئیں تو اس کی دیت عورت کی کل دیت کا نصف ہوگی (۴) اور فرمایا کہ اگر آنکھ ضائع ہو جائے تو اس کی دیت بھی عورت کی پوری دیت کا نصف ہے۔ (۵)

۵۔ اور اگر مجنیٰ علیہ کو حرم میں قتل کیا گیا ہو یا حُرمت والے مہینوں میں قتل کیا گیا ہو یا حالتِ احرام میں قتل کیا گیا ہو۔ اور کسی وجہ سے قصاص لازم نہ آتا ہو، تو اسے کامل دیت اور دیت کا ایک ثلث بطور تغلیظ ادا کرنا ہوگا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ جو شخص حرم میں قتل کر دیا جائے یا حرمت والے مہینوں میں یا حالتِ احرام میں قتل کیا جائے اس کی دیت ایک پوری دیت اور دیت کا تہائی حصہ ہوگی۔ (۱)

۶۔ اگر مجنیٰ علیہ نے جانی کی جان یا عزت پر زیادتی کرنے میں پہل کی ہو اور جانی نے اپنے دفاع میں اُسے قتل کر دیا ہو تو اُس کا خون رائیگاں قرار پائے گا۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے ہذیل کے کچھ لوگوں کی دعوت کی اور اپنی باندی کو لکڑیاں کاٹنے کے لیے بھیجا۔ مہمانوں میں سے ایک مہمان کو وہ پسند آگئی اور وہ اس کے پیچھے چل پڑا اور اُس کی عصمت لوٹنے کا طلب گار ہوا لیکن اس باندی نے انکار کر دیا۔ تھوڑی دیر ان دونوں میں کشمکش ہوتی رہی۔ پھر وہ اپنے آپ کو چھڑانے میں کامیاب ہوگئی اور ایک پتھر اُٹھا کر اس شخص کے پیٹ پر مار دیا جس سے اُس کا جگر پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔ پھر وہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچی اور اُنہیں واقعہ سنایا۔ اس کے گھر والے اُسے حضرت عمرؓ کے پاس لے کر گئے اور آپ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے معاملہ کی تحقیق کے لیے کچھ لوگوں کو بھیجا اور اُنہوں نے موقع پر ایسے آثار دیکھے، جس سے دونوں میں کشمکش کا ثبوت ملتا تھا۔ تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اللہ نے جسے مارا ہے اُس کی دیت کبھی نہیں دی جاسکتی" (۲)

(۱) المغنی ۷/ ۷۹۷ (۲) سنن البیہقی ۸/ ۹۷
(۳) سنن البیہقی ۸/ ۹۵ (۴) عبدالرزاق ۹/ ۳۹۵
(۵) عبدالرزاق ۹/ ۳۲۹

(۱) عبدالرزاق ۹/ ۳۰۱، سنن البیہقی ۸/ ۷۱
(۲) عبدالرزاق ۹/ ۴۳۵، المحلی ۸/ ۲۵، سنن البیہقی ۸/ ۳۳۷

ایک اور واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک دن حضرت عمرؓ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک شخص آیا۔ اُس کے ہاتھ میں خون آلود ننگی تلوار تھی وہ آ کر حضرت عمرؓ کے ساتھ بیٹھ گیا اور کھانے میں شریک ہو گیا۔ پیچھے پیچھے کچھ لوگ آئے اور اُنہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین اس شخص نے ہمارے آدمی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ کر قتل کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ ایک اور شخص بولا، اُس نے اپنی بیوی کی رانوں پر تلوار ماری، اگر درمیان میں کوئی تھا تو اُسے قتل کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے پھر پُوچھا کہ یہ کیا کہتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اس نے اپنی بیوی کی رانوں پر تلوار ماری۔ جو اس شخص کی کمر پر لگی اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُس شخص سے (جس نے اپنی بیوی کے ساتھ ملوث دیکھ کر اُس شخص کو قتل کر دیا تھا) کہا کہ اگر دوبارہ بھی کسی کو ایسی حالت میں دیکھو تو اُسے قتل کر دو۔ (۱)

ایک اور واقعہ پیش آیا کہ ایک نوجوان نے جس کا نام جُندب تھا اپنے خاندان کے ایک شخص کو جس کا نام سبرہ تھا اپنے گھر میں پایا اور پکڑ کر اُسے خوب مارا اور باندھ کر ڈال دیا۔ اور موسلی سے اس کے خصیتے کچل ڈالے۔ اُس کے اہلِ خاندان حضرت عمرؓ کے عامل سفیان بن عبداللہ کے پاس آئے، اُنہوں نے سبرہ کے ساتھ ہونے والی ساری کارروائی کو جائز قرار دیا۔ اور جندب کو کچھ نہ کہا۔ یہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس مکہ کے قریب واقع ضجنان نامی بستی میں آئے اور سبرہ نے کہا کہ امیر المومنین جندب نے مجھے میری پھوپھی کی بیٹی کے پاس دیکھ کر پکڑ لیا؛ حالانکہ میں اس سے رات کا کھانا مانگ رہا تھا اور اُس نے میرے ساتھ یہ اور یہ سلوک کیا اور سفیان نے اس پر کوئی کارروائی نہیں کی۔ حضرت عمرؓ نے سفیان سے کہا کہ دریافت کرو۔ اگر یہ شخص رات کی تاریکی میں وہاں موجود تھا تو اسے سو کوڑے مزید مارو۔ (۱)

ایک اور شخص نے ایک شخص کو اپنے گھر میں موجود پایا تو اُس نے اُس کی کمر کے منکے توڑ دیے اور حضرت عمرؓ نے اس کا خون بھی رائیگاں قرار دے دیا۔ (۲)

اور وہ روایت جو عبدالرزاق نے ہانی بن حرام کے حوالہ سے بیان کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک شخص کو پایا اور دونوں کو قتل کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کھُلے عام تو یہ حُکم دیا کہ اس سے قصاص لو اور خفیہ یہ حُکم لکھا کہ مقتول کے وارثوں کو دیت دلاؤ۔ (۳) تو اس سلسلہ میں اوّل تو ہانی بن حرام کا ذکر مجھے کسی کتاب میں نہیں ملا۔ اور اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو پھر جو کچھ حضرت عمرؓ نے کیا یہ بطور سرزنش تھا، کیونکہ حضرت عمرؓ بسا اوقات تنبیہ کے لیے ایسے احکام جاری کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ (تعزیر ۲/و) میں گزر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے جس کی ہجو کی گئی تھی سب کے سامنے کہا کہ ہجو کرنے والے کی زبان قطع کر لو۔ اور علیحدگی میں کہا تھا کہ جو میں نے کہا تھا کہیں اس پر عمل نہ کر لینا۔ وہ بات میں نے لوگوں کے سامنے اس لیے کہی تھی تاکہ وہ دوبارہ یہ حرکت نہ کرے۔

مذکورہ بالا صورت میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جانی

---

(۱) المغنی ۷/۶۴۹ ، ۸/۳۳۲

(۱) عبدالرزاق ۹/۴۳۶ (۲) عبدالرزاق ۹/۴۳۷
(۳) عبدالرزاق ۹/۴۳۵

کے خلاف دیت کا حکم دیا اور قصاص کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ قتل عزت کے دفاع کے لیے تھا۔

۷۔ اگر جنایت مجنی علیہ کے کسی ایسے عضو پر واقع ہو جس کی منفعت ختم ہو چکی ہے جیسے کانی آنکھ یا مفلوج ہاتھ تو ایسی صورت میں قصاص نہیں ہے بلکہ جانی کو اس دیت کا ثلث ادا کرنا ہوگا جو اس عضو کے صحیح و سالم ہونے کی صورت میں واجب الادا ہوتی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مفلوج ہاتھ اور ٹھہری ہوئی آنکھ جس کی بصارت زائل ہو چکی ہو اور سیاہ دانت تینوں میں ان اعضا کی اصل دیت کا ثلث ادا کرنے کا حکم دیا۔ (۱)

گونگے کی زبان اگر جڑ سے کاٹ دی جائے تو اس پر آپ نے پوری دیت کا ثلث ادا کرنے کا حکم دیا۔ (۲)

۸۔ اگر مجنی علیہ کے کسی عضو پر جنایت کی گئی اور اس کے نتیجہ میں وہ افادیت یکسر ختم ہو گئی جو اس عضو سے وابستہ تھی، کیونکہ اس شخص کا وہ عضو جس سے اُس کی یہ منفعت باقی رہ سکتی تھی پہلے ہی معطل تھا اور جنایت خطأً تھی تو کامل دیت لازم آئے گی چنانچہ حضرت عمرؓ نے کانے کی سالم آنکھ کے ضائع کرنے پر پوری دیت کے عاید کرنے کا فیصلہ دیا۔ (۳)

۹۔ اگر مجنی علیہ جنین ہو تو اس کے لیے دیکھو: (اجہاض)

۱۰۔ اگر مجنی علیہ نابالغ بچہ ہو تو اس پر کی گئی جنایت کا حکم وہی ہے جو کسی بالغ انسان پر جنایت کرنے کا، کیونکہ جب خود حضرت عمرؓ ایک ایسے بچے کی ہلاکت کا سبب بن گئے تھے جس نے صرف ایک دو چیخیں ماری تھیں اور مر گیا تھا تو حضرت علیؓ نے پوری دیت کے ادا کرنے کا فیصلہ دیا تھا اور حضرت عمرؓ نے اس کو برقرار رکھا تھا۔

(د: جنایت / ۲ب ۲ج)

(۴) جنایت کی نوعیت

جنایت یا تو جان لیوا یعنی مہلک ہوگی یا اس سے کم یعنی غیر مُہلک۔

(الف) جس جنایت کا نتیجہ ہلاکت ہو یعنی قتل اس کی چار اقسام ہیں۔ (۱) قتل عمد (۲) قتل شبہ عمد (۳) قتل خطا (۴) اور قتل جسے خطا قرار دے دیا جائے۔

۱۔ قتلِ عمد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی خاص انسان کو کوئی ایسی چیز قصداً مارے جس سے مضروب بالعموم ہلاک ہو جاتا ہے اور وہ ہلاک ہو جائے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے بھائی کو عمداً بَلم جیسی کوئی چیز مارے اور وہ مر جائے تو اُسے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ میں اس سے قصاص نہیں لوں گا۔ جو شخص بھی ایسی حرکت کرے گا اگر مضروب ہلاک ہو جائے گا تو میں اس سے ضرور قصاص لوں گا۔ (۱)

نیز ہر وہ حرکت بھی ضرب کے قائم مقام سمجھی جائے گی جو براہ راست کسی شخص کے ساتھ کی جائے اور جس سے بالعموم موت واقع ہو جاتی ہو مثلاً گلے میں پھندا ڈال کر لٹکانا وغیرہ۔ ابن حزم نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک ایسے شخص سے قصاص لیا جس نے ایک دوسرے شخص کے بال اس شدت سے کھینچے کہ اُس کی گردن پر ورم آگیا اور وہ اُسی

---

(۱) عبدالرزاق ۹/۳۳۵، ۳۵۰، ۳۸۱، ۳۸۷، المحلی ۱۰/۴۱۷، ۴۲۱، ۴۴۴، سنن البیہقی ۸/۹۱، المغنی ۸/۳۹ (۲) عبدالرزاق ۹/۳۶۳
(۳) عبدالرزاق ۹/۳۳۰، ۳۳۱، المغنی ۸/۵۔

(۱) المحلی ۱۰/۳۸۷، سنن البیہقی ۸/۴۴

وان مرگیا۔ (۱)

قتلِ عمد میں قصاص واجب ہے لیکن اگر اولیائے مقتول قصاص معاف کر دیں تو اُسے دیت مغلظ ادا کرنا ہو گی جو یکمشت ادا کرنا ہو گی اور قاتل اپنے مال میں سے ادا کرے گا۔ اور دیت مغلظ یہ ہے۔ تیس حقہ، تیس جذعہ، چالیس ثنیہ جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔ (۲)

۲۔ قتلِ شبہ عمد سے مراد یہ ہے کہ کسی انسان کو بالارادہ کوئی ایسی چیز ماری جائے جس سے بالعموم موت واقع نہیں ہوتی اور وہ شخص مر جائے، جیسے تھپڑ یا کوڑا اور ہاتھ یا کندھے پر کاٹ کھانا وغیرہ۔ (۳)

شبہ عمد میں عاقلہ پر دیتِ مغلظہ عاید ہوتی ہے جو تین سال میں اور قسطوں میں ادا کی جاتی ہے۔ (۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

" وہ قتلِ خطا جو شبہ عمد ہو اور جس میں مضروب کوڑا یا عصا مارنے سے مر جائے اُس کی دیت سو اُونٹ ہیں، جن میں سے چالیس ایسے ہوں جن کے پیٹ میں بچے ہوں (۵)"

۳۔ قتلِ خطاء

قتلِ خطا یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو بلاارادہ مارے اور وہ شخص مر جائے۔ بلاارادہ کی ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ فعل جو موت کا سبب بنا بلاارادہ سرزد ہوا ہو جیسا کہ امام مالک نے الموطا میں نقل کیا ہے کہ بنی سعد بن لیث کا ایک شخص گھوڑا دوڑا رہا تھا اور جہینہ کے ایک شخص کی

(۱) المحلی ۱۰/۲۷۸ (۲) المغنی ۷/۷۵، (۳) تفسیر القرطبی ۵/۳۲۹
(۴) سنن ابوداؤد، الدیات۔ المغنی ۷/۷۶، (۵) ابوداؤد، الدیات۔ النسائی، القسامۃ۔

انگلی کچل گئی جس سے اُس کا خون زیادہ بہہ گیا اور وہ مر گیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا تھا پوچھا کہ کیا تمہاری طرف سے پچاس شخص قسمیں کھا سکتے ہیں کہ یہ شخص گھوڑے سے نہیں مرا۔ انہوں نے انکار کیا اور قسم کھانے سے احتراز کیا پھر حضرت عمرؓ نے دعویٰ داروں سے حلف کے لیے کہا تو انہوں نے بھی انکار کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ بنو سعد نصف دیت ادا کریں گے (۱)۔ حضرت عمرؓ نے اس فعل کو خطا قرار دیا کیونکہ اس سوار نے قصداً اس کی انگلی کو نہیں کچلا تھا اور حضرت عمرؓ نے نصف دیت کا فیصلہ اس لئے کیا کہ اس کی ہلاکت میں گھوڑے کے فعل کو بھی دخل ہے اور گھوڑے کا کیا ہوا خون رائیگاں ہے اور سوار کے فعل کو بھی دخل ہے جو قابلِ تاوان ہے، لہٰذا اس پر نصف تاوان ڈالا۔

اور یہ بلاارادہ کا تعلق کبھی شخص سے بھی ہو سکتا ہے، مثلاً کوئی شخص چڑیا مارنے کا قصد کرے اور انسان کو مار ڈالے قتلِ خطا میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ کسی شخص کو کسی کے بارے میں یہ مغالطہ ہو جائے کہ اس کا خون رائیگاں ہے حالانکہ ایسا نہ ہو۔ چنانچہ سلمہ بن نعیم سے مروی ہے کہ اُنہوں نے جنگ یمامہ میں ایک شخص کو یہ سمجھ کر قتل کر دیا کہ وہ کافر ہے۔ لیکن اُس نے مرتے وقت کہا کہ میں مسلمان ہوں اور مسیلمہ اور اس کی دعوت سے بیزار ہوں۔ یہ معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم پر اور تمہاری قوم پر دیت لازم ہے۔ (۲)

۴۔ قتل جو قتلِ خطا کا قائم مقام ہو مثلاً قتل کا سبب بننا

(۱) الموطا ۲/۸۵۱ (۲) المحلی ۱۱/۵۵

ایسا قتل بھی باعتبار نتیجہ خطاء ہی شمار ہوگا۔

وہ تمام افعال جن سے جان نکل سکتی ہے، اُن کے نتیجہ میں یا تو جان براہ راست نکلتی ہے جیسا کہ قتل عمد، شبہ عمد، اور خطا میں ہوتا ہے یا وہ افعال جان نکلنے کا سبب بنتے ہیں۔ قتل سببی کی ذمہ داری اسی وقت مرتب ہوتی ہے، جب مندرجہ ذیل تین شرائط پائے جائیں۔

۱۔ جانی نے کوئی فعل کیا ہو یا کسی فعل سے باز رہا ہو۔

۲۔ اس فعل کے کرنے یا فعل سے باز رہنے میں جانی سے خطا سرزد ہوئی ہو۔

۳۔ سرزد ہونے والے فعل یا جس فعل سے باز رہا اس میں اور موت میں سببیت کا تعلق موجود ہو۔ اگر یہ علاقہ موجود نہ ہو تو فوجداری مسئولیت باقی نہیں رہے گی۔

زید بن وہب سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ باہر نکلے اس حال میں کہ آپ کے ہاتھ کانوں پر تھے اور با آواز بلند کہہ رہے تھے۔ حاضر ہوں، حاضر ہوں!

لوگوں نے پوچھا کہ انہیں کیا ہوا۔ کسی نے بتایا کہ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی ہے کہ کسی علاقے سے کوئی امیر اور فوجی گزر رہے تھے کہ درمیان میں نہر آگئی۔ کشتیاں موجود نہیں تھیں۔ امیر نے کہا کہ کوئی شخص بلاؤ جو پانی کی گہرائی کا پتہ لگا سکے۔ چنانچہ ایک بوڑھے شخص کو لایا گیا۔ مگر اس نے کہا کہ مجھے سردی لگ جانے کا خوف ہے لیکن امیر نے اُسے مجبور کرکے پانی میں اتار دیا۔ وہ پانی میں اُترا تو اسے سردی نے آلیا۔ وہ پکارنے لگا عمر کہاں ہیں! عمر کہاں ہیں! جو مجھے بچائیں اور غرق ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس امیر کو آنے کا حکم بھیجا۔ اور وہ آگیا تو حضرت عمرؓ اس سے کئی روز تک اعراض برتتے رہے۔ حضرت عمرؓ جب کسی سے ناراض ہوتے تھے تو یہی رویہ اختیار کیا کرتے تھے۔ بعد ازاں اس امیر سے آپ نے پوچھا کہ اس شخص کا کیا قصور تھا، جسے تم نے مار ڈالا۔ اُس نے کہا کہ امیر المومنین میں نے اسے عمداً نہیں مارا۔ دراصل ہمارے پاس دریا عبور کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور ہم پانی کی گہرائی معلوم کرنا چاہتے تھے اور پھر ہم نے اس قدر فتوحات حاصل کی ہیں اور اتنا مالِ غنیمت ملا ہے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایک مسلمان میرے لیے ان تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرا ایسا کرنا سنت بن جائے گا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ جاؤ اس کے اہل خانہ کو دیت ادا کرو اور مجھے کبھی نظر نہ آنا۔ (۱)

صورت مذکورہ بالا میں اس امیر سے محض ایک فعل سرزد ہوا تھا اور وہ یہ کہ اُس نے سخت سردی کے موسم میں ایک شخص کو پانی میں اُترنے پر مجبور کر دیا جب کہ وہ ایسا کرنے میں غلطی پر تھا اور وہ غلطی یہ تھی کہ اُس نے ایک ایسے شخص کو سردی کے موسم میں پانی میں اُترنے پر مجبور کیا تھا جو سردی برداشت نہ کر سکتا تھا اور وہ شخص مر گیا۔ اس شخص کی موت پر حضرت عمرؓ نے اس امیر پر جو موت کا سبب بنا تھا تاوان کے طور پر دیت لازم کی۔

اسی طرح اگر کسی نے کسی شخص سے جنگل میں یا ایسی جگہ جہاں کھانا اور پانی دستیاب نہ ہو کھانا اور پانی چھین لیا جس کی وجہ سے وہ مر گیا تو اس (چھیننے والے) پر اس کی دیت لازم ہو گی کیونکہ وہی اس کی ہلاکت کا سبب بنا ہے۔ اور اگر کوئی شخص بھوک کی شدت کی وجہ سے حالت اضطرار میں ہو اور

(۱) سنن البیہقی ۸/۳۲۳

کسی ایسے شخص سے کھانا اور پانی مانگے جو اس وقت اُس سے مستغنی ہو اور اس کے باوجود وہ نہ دے جس کے نتیجہ میں وہ مرجائے تو جس سے کھانا یا پانی طلب کیا تھا اس پر اُس کی دیت لازم ہوگی (۱)

چنانچہ حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے کچھ لوگوں سے جن کے پاس پانی موجود تھا۔ پیاس کی شدت میں پانی مانگا لیکن انہوں نے نہیں دیا اور وہ شخص پیاس کی شدت سے مرگیا تو حضرت عمرؓ نے ان پر اس کی دیت عاید کی (۲)

(ب) جنایت مادون النفس (یعنی ایسی جنایت جو جان لیوا نہ ہو)

۱۔ اس جنایت کی چار اقسام ہیں ۔

عمد (بالارادہ) اس میں قصاص لازم آتا ہے الا یہ کہ مجنی علیہ معاف کر دے

شبہ عمد (عمد سے مشابہ) اس میں دیتِ مغلظہ لازم آتی ہے اور ہر وہ عمد جس میں قصاص نہ لیا جاسکے اس قسم میں داخل ہے ۔

خطاء ۔ اس میں دیت لازم آتی ہے ۔

قائم مقام خطا : یعنی جنایت سبب، اس میں دیت لازم آتی ہے، ان شرائط کی موجودگی میں جو ہم نے "جان لیوا جنایت کے عنوان" (د، جنایت ۳/۴) میں بیان کی ہیں۔

۲۔ وہ جنایت جو جان لیوا نہ ہو اثرات ونتائج کے لحاظ سے اس کے حسب ذیل اقسام ہیں ۔

(الف) ابانۃ اطراف (اعضا کاٹ دینا) جیسے ہاتھ یا کان کاٹ دینا یا آنکھ نکال دینا وغیرہ ۔

(ب) اعضا باقی رہیں لیکن اُن کی افادیت ختم ہو جائے مثلاً ایسی ضرب لگائی کہ کان تو باقی رہا لیکن قوت سماعت ختم ہوگئی اور آنکھ باقی رہی لیکن بینائی جاتی رہی اور پاؤں چلنے کے قابل نہیں رہا اگرچہ باقی رہا۔

(ج) جسم یا سر پر لگنے والے زخموں کی اقسام درج ذیل ہیں ۔

خَارِصَہ :

وہ زخم جس میں تھوڑی سی کھال پھٹے۔ ایسے زخم میں بصورت عمد قصاص ہے اور باقی صورتوں میں حکومۃ (ثالثی) ہے۔ یعنی دو حکم فیصلہ کریں گے کہ کس قدر تاوان ادا کیا جائے گا۔

دَامِعَہ :

ایسا زخم جس میں خون نظر آنے لگے لیکن بہے نہیں ۔ ایسا زخم اگر عمداً لگایا جائے تو اس میں قصاص ہے اور باقی صورتوں میں حکومۃ یعنی ثالثی ہے ۔

دَامِیَہ :

وہ زخم جس کے لگنے سے خون بہہ جائے اس میں بھی عمد کی صورت میں قصاص اور باقی صورتوں میں ثالثی ہے ۔

بَاضِعَہ :

وہ زخم جس کے لگنے سے گوشت کٹ جائے اس میں عمد کی صورت میں قصاص ہے اور باقی صورتوں میں ثالثی ہے ۔

متلاحمہ :

وہ زخم جس کے لگنے سے گوشت اتر جائے لیکن ہڈی تک نہ پہنچے۔ اس میں عمد کی صورت میں قصاص ہے اور اس کے علاوہ تمام صورتوں میں ثالثی ہے ۔

سمحاق :

وہ زخم جو اس کھال تک پہنچ جائے جو گوشت اور ہڈی کے

---

(۱) المغنی ۷/۸۳۴ (۲) سنن البیہقی ۹/۱۵۳ المحلی ۱۰/۵۲۲ ، خراج یحیٰی ۱۱۱ - مصنف عبدالرزاق ۱۰/۵۱

درمیان ہے، اس میں عمد کی صورت میں قصاص ہے اور باقی صورتوں میں ثالثی ہے۔

موضحہ :

وہ زخم جس کے لگنے ہڈی نظر آنے لگے اس میں عمد کی صورت میں قصاص ہے اور اس کے علاوہ صورتوں میں ثالثی ہے۔

ھاشمہ

وہ چوٹ جس کے لگنے سے ہڈی ٹوٹ جائے مگر اپنی جگہ سے نہ ٹلے اس میں قصاص نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم ہڈیوں کا قصاص نہیں لیتے۔ (۱)

مُنقلہ :

وہ چوٹ جس سے ہڈی ٹوٹ کر اپنی جگہ سے سرک جائے اس میں بھی قصاص نہیں ہے۔

آمّہ :

وہ زخم جو "اُم الدماغ" یعنی اس کھال تک پہنچ جائے جو دماغ اور ہڈی کے درمیان ہے اس میں قصاص نہیں ہے۔

دامغہ :

وہ زخم جو دماغ کی کھال پھاڑ کر دماغ تک پہنچ جائے اس میں قصاص نہیں ہے۔

جائفہ :

وہ زخم جو پیٹ کی آنتوں تک پہنچ جائے اس میں بھی قصاص نہیں ہے جن صورتوں کے بارے میں ہم نے کہا ہے کہ ان میں قصاص نہیں ہے تو ان میں قصاص نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ دوسرا زخم جو قصاص میں لگایا جائے وہ بعینہٖ پہلے زخم کے مماثل ہو لہٰذا قصاص نہیں لیا جا سکتا۔

(۱) خراج ابی یوسف ۱۸۸، سنن البیہقی ۸/ ۶۵

(۴) ہر زیادتی یا ایذا رسانی جو کوئی شخص کسی دوسرے کے ساتھ کرتا ہے اور جس سے اُس کے جسم یا عقل یا نفس کو نقصان پہنچتا ہے جیسے تھپڑ یا کوڑے کی ضرب وغیرہ تو اگر اس کا قصاص لینا ممکن ہو تو عمد کی صورت میں قصاص لیا جائے گا اور اگر قصاص لینا ممکن نہ ہو تو ثالثی ہو گی۔ المحلی میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک تھپڑ مارنے، کوڑے سے ضرب لگانے اور لات مارنے پر قصاص ہے۔ (۱)

ہر وہ صورت جس میں قصاص ممکن نہ ہو اس میں دیت ہو گی؛ چنانچہ اسمٰعیل بن امیہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی مونچھیں تراشا کرتا تھا ایک موقعہ پر حضرت عمرؓ نے اُسے ڈانٹا تو اُس کی ہوا خارج ہو گئی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو کچھ ہوا اس میں میرے ارادے کا دخل نہیں ہے لیکن بہرحال ہم تمہیں دیت دیں گے، چنانچہ اُنہوں نے اُسے چالیس درہم دیے۔ راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُسے بکری یا اُونٹ بھی دیا تھا۔ (۲)

(۵) سزا :

جنایات (فوجداری جرائم) کی مقررہ سزائیں درج ذیل ہیں۔

(الف) قصاص :

۱۔ قصاص کس کا حق ہے ؟

قصاص مجنی علیہ کا حق ہے بشرطیکہ جنایت (جرم) جان لیوا نہ ہو۔ بصورتِ دیگر قصاص ان سب وارثوں کا (جنہیں نسب اور سبب کی بنیاد پر حقِ وراثت حاصل ہے مرد ہوں یا عورت ہوں، بڑے ہوں یا چھوٹے سب کا) حق ہے، لہٰذا اگر

(۱) المحلی ۸/ ۳۰۸، ۹/ ۱۲۶، ۱۱/ ۳۵۶

(۲) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۴، المحلی ۱۰/ ۴۵۹

صاحب حق قصاص معاف کر دے تو اس کا معاف کر دینا صحیح ہے اور جانی سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ (۱)

قاضی یا کسی اور شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ صاحب حق کو قصاص لینے یا معاف کر دینے یا دیت پر مصالحت کر لینے سے روکے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حکومت کسی صاحبِ حق کو معاف کر دینے یا صلح کر کے دیت لینے سے منع نہ کرے اور اگر وہ قتل کے سوا کوئی اور صورت قبول نہ کرے تو قتلِ عمد کی صورت میں اگر اُسے قتل کرنے کا حق پہنچتا ہے اور وہ قصاصاً قتل کرنا چاہے تو اُسے قتل سے منع نہ کیا جائے۔ (۲)

اور اگر مقتول کے اولیاء میں سے کسی نے قاتل کو معاف کر دیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مقدمہ پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے کسی کو قتل کر دیا تھا۔ اولیائے مقتول نے قاتل کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو قاتل کی بیوی نے جو مقتول کی بہن تھی، کہا کہ میں نے اپنے شوہر کے جُرم میں سے اپنا حصّہ معاف کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ شخص قتل سے آزاد ہو گیا۔ (۳)

اور اسی طرح حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک شخص کا مقدمہ پیش کیا گیا جس نے کسی کو قتل کر دیا تھا اولیائے مقتول آئے جب کہ اُن میں سے بعض نے قاتل کو معاف کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابنِ مسعودؓ سے پُوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ حضرت ابنِ مسعودؓ نے کہا کہ یہ شخص قتل سے محفوظ ہو گیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابنِ مسعودؓ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ آپ کا سینہ علم سے پُر ہے۔ (۴)

(۱) المغنی ۷/۶۴۳ (۲) عبدالرزاق ۱۰/۱۴ (۳) عبدالرزاق ۱۰/۱۳، المغنی ۷/۷۴۳، المحلی ۱۰/۴۸۰ (۴) عبدالرزاق ۱۰/۱۳، المغنی ۷/۷۴۶

اسی طرح ایک شخص آپ کی خدمت میں لایا گیا جس نے عمداً کسی کو قتل کیا تھا اور اولیائے مقتول میں سے بعض نے قاتل کو معاف کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پُوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین فیصلہ کرنے کے آپ زیادہ حقدار ہیں۔ بعد ازاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ اگر اولیاء میں سے کوئی بھی معاف کر دے تو قصاص نہیں ہے۔ معاف کرنے والے کے حصّہ کی دیت ساقط ہو جائے گی اور بقیہ اولیاء کو اُن کے حصّہ کی دیت ملے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہی صحیح رائے ہے۔ تم نے وہی کہا جو میرے دل میں تھا۔ (۱)

ایک شخص نے اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو دیکھا اور اپنی بیوی کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تو اُس عورت کے کسی بھائی نے ترس کھا کر اپنا حصّہ معاف کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے باقی سب کو بھی دیت دیے جانے کا حکم دیا۔ (۲) ایک اور روایت میں ہے کہ اُن میں سے ایک نے معاف کر دیا تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے باقی اولیاء سے کہا کہ دو تہائی دیت قبول کر لو کہ اب قاتل سے قصاص کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (۳)

(۲) قصاص نافذ کرنے کے شرائط۔

نفاذ قصاص کے شرائط درج ذیل ہیں :

(الف) مجرم (جانی) بالغ، عاقل، مختار اور معصوم الدم ہو (دیکھئے جنایت ۲ ب ۲ ر) اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مجرم ایک شخص ہو یا متعدد اشخاص ہوں، اس لیے ایک شخص کا

(۱) المحلی ۱۰/۴۸۰، سنن البیہقی ۸/۶۰ (۲) سنن البیہقی ۸/۵۹ (۳) سنن البیہقی ۸/۶۰

قصاص متعدد قاتلوں سے لیا جائے گا۔

(د ا جنایت / ۲ب ۲ ب)

(ب) مجنی علیہ معصوم الدم یعنی ایسا شخص ہو جس کی جان کو قانونی تحفظ حاصل ہو، لہٰذا اس شخص پر قصاص جاری نہیں ہو گا جس نے کسی ایسے باغی پر جنایت کی ہو جو اس کے ساتھ برسر جنگ ہو۔ (د ا بغاۃ) اور اس شخص سے بھی قصاص نہیں لیا جائے گا جس نے ایسے ذمی کو قتل کیا ہو جس نے اپنا ذمہ توڑ دیا ہو۔ (د ا جنایت / ۲ب ۲ب)

ج) جانی اور مجنی علیہ دین اور آزادی کے اعتبار سے برابر، برابر ہوں، اگر برابر نہ ہوں تو ادنیٰ سے اعلیٰ کا قصاص لیا جائے گا لیکن اعلیٰ سے ادنیٰ کا قصاص نہیں لیا جائے گا اور اسی بنا پر مسلمان سے ذمی کا قصاص نہیں لیا جائے گا (د ا جنایت ۳ب ۲) اور نہ آزاد سے غلام کا قصاص لیا جائے گا۔ (د ا جنایت ۳ب ۱)

د) جنایت عمداً ہو، چنانچہ شبہ عمد اور خطا میں قصاص نہیں ہے اور اس صورت میں بھی قصاص نہیں ہے جو خطاء کے قائم مقام ہو مثلاً سبب بنا ہو۔ (د ا جنایت ۴ و)

ہ) جنایت جان لیوا نہ ہونے کی صورت میں مجنی علیہ نے اور جنایت کے جان لیوا ہونے کی صورت میں اولیاء مقتول میں سے کسی نے معاف نہ کیا ہو۔ (د ا جنایت ۵ و ۱)

و) جانی مجنی علیہ کا باپ نہ ہو۔ (د ا جنایت ۳ب ۳)

ز) اپنی ذات پر جنایت کی صورت میں مجنی علیہ کے ساتھ اگر دوسرا شخص جنایت میں شریک ہے تو شریک پر قصاص عاید نہیں ہو گا۔ (د ا جنایت ۲ب ۱)

ح) جانی کے جسم میں سے وہ مقام جس پر قصاص کا عمل وارد ہوتا حقیقتاً مفقود ہو یا معنیً فوت ہو گیا ہو، تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور دیت لازم آئے گی۔ حقیقتاً مفقود ہونے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے کسی کا عضو تناسل کاٹ دیا لیکن کٹنے والے کا عضو پہلے ہی کٹا ہوا ہو۔ یا قاتل قصاص لیے جانے سے پہلے ہی مر جائے۔ معنًا ضائع ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مثلاً فالج زدہ ہاتھ کاٹنے کے قصاص میں جانی کا صحیح سالم ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (د ا جنایت ۳ب ۷)

(ط) مجنی علیہ خود حملہ آور نہ ہوا ہو کہ اس سے بچاؤ بغیر اس کو قتل کیے ممکن نہ ہو۔ (د ا جنایت ۳ب ۶)

(ک) قصاص اور جنایت میں مماثلت دشوار نہ ہو چنانچہ اگر مماثلت دشوار ہو تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور دیت مغلظ لازم آئے گی۔ (د ا جنایت ۴ب ۲ج - ۴ب ۲ب ۴)

(ل) جنایت ایسے بچے پر ہوئی ہو جو بطنِ مادر میں ہو۔ (د ا اجہاض)

(م) جنایت عورت کی شہادت سے ثابت نہ ہوئی ہو۔ (د ا شہادت / ا د ا)

(ن) انسان اور حیوان کے درمیان قصاص نہیں۔ (د ا جنایۃ / ۲ أ)، د (جنایۃ / ۲ أ)

۳۔ قتل پر امیر المومنین کا اتفاق:

حضرت عمر بن الخطاب کسی امیر کو یہ اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ آن کی طرف رجوع کرنے سے پہلے کسی کو قصاص یا حد میں قتل کرے۔ چنانچہ آپ نے امراء کو تحریری حکم بھیجا تھا کہ میری اجازت کے بغیر کسی کو قتل نہ کیا جائے۔

۴۔ حرم مکہ کی حدود میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران، ۹۷)

"جو اس میں داخل ہوا مامون ہو گیا۔"

عکرمہ بن خالد سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر حرم مکہ میں مجھے اپنے باپ خطاب کا قاتل بھی مل جاتا تو میں اُسے کچھ نہ کہتا یہاں تک کہ وہ حرم سے باہر نہ آجاتا۔ (۱)

۵ ۔ جو شخص کسی ایسی جنایت کا مرتکب ہوا ہو کہ اس پر قصاص واجب ہو لیکن اس سے قصاص نہ لیا گیا ہو خواہ اس وجہ سے کہ اولیائے مقتول نے اُسے معاف کر دیا ہو یا اس وجہ سے کہ مجنی علیہ جانی کا بیٹا یا غلام یا ذمی ہو تو قصاص کے اس طرح ساقط ہونے کی صورت میں جانی کو تعزیری سزا دی جائے گی تاکہ وہ دوبارہ جرم کا ارتکاب نہ کرے۔

چنانچہ ابن جریج سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس شخص نے عمداً کسی کو قتل کیا ہو پھر اس پر قصاص عاید نہ ہوا ہو تو اُسے (تعزیراً) سو کوڑے مارے جائیں گے۔ راوی نے پوچھا کس طرح تو فرمایا جیسے کوئی آزاد شخص کسی غلام وغیرہ کو قتل کر دے۔ (۲)

ابن رُشد کی کتاب "بدایۃ المجتہد" میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قتل عمد کے مرتکب کو معاف کر دیا گیا ہو تو بھی حکومت اُسے سو کوڑے مارے گی اور اُسے ایک سال کی سزائے قید دے گی۔ (۳)

۶ ۔ قصاص جاری کرنے کا حق کسے حاصل ہے ؟

قصاص امیر جاری کرے گا لیکن اگر ولی مقتول اپنے ہاتھ سے قتل کر کے قصاص لینے کا مطالبہ کرے تو امیر کے لیے جائز ہے کہ قتل کے مجرم کو مقتول کے ایسے ولی کے سپرد کر دے جو قصاص لینے کا اہل ہو تاکہ اس کی تشفی ہو سکے۔

مروی ہے کہ ایک شخص یعلیٰ بن امیہ کے پاس آیا اور مطالبہ کیا کہ میرے بھائی کا قاتل مجھے دیا جائے۔ یعلیٰ نے قاتل اس کے سپرد کر دیا۔ اُس شخص نے اس کے تلوار ماری اور یہ سمجھ لیا کہ اسے قتل کر دیا، حالانکہ اُس میں زندگی کی رمق باقی تھی، اُس کے وارث آئے اور اُسے لے گئے۔ اُس کا علاج کیا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔ وہ شخص پھر یعلیٰ کے پاس آیا اور قاتل کا مطالبہ کیا۔ یعلیٰ نے کہا، قاتل تو میں نے تمہارے سپرد کر دیا تھا اس نے یعلیٰ کو سارا واقعہ سنایا، چنانچہ یعلیٰ نے اُس قاتل کو طلب کیا۔ دیکھا تو وہ چلا آرہا ہے اور اُس کے زخم بھر چکے ہیں۔ اس پر یعلیٰ نے فیصلہ دیا کہ اگر اُسے پھر قتل کرنا چاہتے ہو تو اس کی دیت ادا کرو اور قتل کر دو، ورنہ اُسے چھوڑ دو۔ اس پر وہ شخص حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور یعلیٰ کے فیصلے کے خلاف اپیل کی۔ حضرت عمرؓ نے یعلیٰ کو بلوایا۔ یعلیٰ نے آکر تفصیل بتائی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے یعلیٰ کے فیصلے کے مطابق مشورہ دیا اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں یعلیٰ کے فیصلے سے متفق ہو گئے کہ مقتول کا بھائی اگر اسے پھر قتل کرنا چاہتا ہے تو دیت ادا کرے ورنہ اُسے چھوڑ دے اور قتل نہ کرے۔ حضرت عمرؓ یعلیٰ کے فیصلے سے خوش ہوئے اور فرمایا کہ بلا شبہ تم قاضی ہو۔ اور انہیں واپس اُن کی ذمہ داریوں پر بھیج دیا۔ (۱)

لیکن اگر جنایت جان لیوا نہ ہو تو کیا اس صورت میں بھی امیر

---

(۱) المحلی ۱۰/ ۴۹۲ (۲) عبدالرزاق ۹/ ۴۰۷

(۳) بدایۃ المجتہد ۲/ ۳۹۶

(۱) عبدالرزاق ۹/ ۴۲۱

جانی کو اُس شخص کے سپرد کر سکتا ہے جسے قصاص لینے کا حق ہے تاکہ وہ خود قصاص لے لے؟ اس کے بارے میں ہمیں ایسی کوئی چیز نہیں ملی، جس سے حضرت عمرؓ کی رائے معلوم ہو سکے۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایسی جنایت کا قصاص لینے کے لیے جو جان لیوا نہ ہو کسی شخص کو مدعی کے سپرد نہیں کیا۔

۷۔ قصاص کا اپنی حد سے آگے متجاوز ہو جانا۔

اگر کسی نے کسی شخص سے جنایت کا قصاص لیا جو جان لیوا نہ ہو مثلاً کسی زخم وغیرہ کا اور وہ متجاوز ہو گیا یعنی اُس کے نتیجے میں وہ مر گیا تو اُس کا خون رائیگاں ہو گا اور اُس کی کوئی دیت نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص قصاص میں مر گیا اس کی موت اس حق کی وجہ سے ہوئی جو اس پر عاید تھا اور اس کی دیت نہیں ہو گی۔ (۱)

ب) دیت:

۱۔ دیت کب واجب ہوتی ہے۔

اگر ایسے شخص کو عمداً قتل کیا جائے جس کی جان شرعاً محفوظ ہے اور قصاص کی شرائط پوری نہ ہوں تو دیت واجب ہو گی اسی طرح قتل شبہ عمد میں اور قتل خطا میں بھی دیت واجب ہوتی ہے ایسے قتل میں بھی جو خطا کا قائمقام ہو یعنی سبب قتل بننے پر بھی دیت واجب ہوتی ہے۔ (۱ جنایت ۵ و ۲) اور اس صورت میں بھی دیت واجب ہوتی ہے جب جانی (مجرم) سے اس کے کسی نقص کی بنا پر قصاص نہ لیا جا سکے۔ مثلاً یہ کہ وہ بچہ ہو یا دیوانہ ہو۔

۲۔ دیت میں کیا چیز دینا لازم آتا ہے؟

دیت میں اصل تو اونٹ ہیں لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اُونٹوں کی قیمت سونے اور چاندی میں لگا کر دیت ادا کی گئی اور عہد نبوی میں ایک اُونٹ ایک اوقیہ چاندی قیمت پاتا تھا اور ایک اوقیہ چاندی چالیس درہم کے برابر تھی۔ اس طرح پوری دیت چار ہزار درہم یا چار سو دینار ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اُونٹوں کی قیمتیں بڑھ گئیں تو حضرت عمرؓ نے اسی حساب سے دیت کی شرح میں اضافہ کر دیا اور معادلہ اور موازنہ دیگر اشیاء سے کر کے اُن کا بھی دیت دینا جائز قرار دے دیا۔ مثلاً گائے، بکری اور سلے ہوئے لباس (حلے)۔

چنانچہ زہری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیت سو اُونٹ تھی اور ایک اونٹ کی قیمت ایک اوقیہ (چاندی) تھی۔ اس طرح کل دیت چار ہزار درہم ہوتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو اُونٹ مہنگے ہو گئے اور چاندی کی قیمت کم ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے ایک اُونٹ کی قیمت ڈیڑھ اوقیہ چاندی قرار دی، پھر اُونٹ مزید مہنگے ہوئے تو حضرت عمرؓ نے دو اوقیہ چاندی کو ایک اونٹ کے مساوی قرار دے دیا اور اس طرح دیت آٹھ ہزار درہم ہو گئی۔ پھر اُونٹوں کی قیمتوں میں مزید اضافہ ہوا تو حضرت عمرؓ نے دیت کی شرح بارہ ہزار درہم یا ایک ہزار دینار یا دو سو گائے یا ایک ہزار بکریاں مقرر کر دی۔ (۱) اور حُلّے والوں کے لیے بھی ایک تعداد مقرر کی جس کا ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور شعیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۹/۴۵۶، المغنی ۷/۷۲۷، المحلی ۱۱/۲۲

(۱) عبدالرزاق ۹/ ۲۹۱ ، سنن البیہقی ۸/ ۷۷، المغنی ۷/ ۷۵۹ ، الطبری ۹/ ۵۰

کے زمانے میں دیت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی ۔ (۱)

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب ایسا وقت آگیا ہے کہ دیت بدلتی رہے گی کیونکہ اُونٹ کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہے گی ۔ اور لوگوں کے پاس مال کی کثرت ہو گئی ہے اور مجھے بعد میں آنے والے حکمرانوں سے بھی اندیشہ ہے کہ کہیں کسی مسلمان کی دیت ہی بلاوجہ ضائع ہو جائے یا بغیر کسی حق کے اس میں اضافہ ہو جائے اور ایسی گراں دیت عاید ہو جائے جو مسلمانوں کو کچل کر رکھ دے۔ اب یہ ہے کہ نہ تو شہر والوں کی دیت مغلظ میں، نہ حرم اور حرمت والے مہینوں میں قتل کرنے کی صورت میں دیت میں اضافہ ہوگا۔ ہم شہر والوں سے بارہ ہزار (درہم) سے زائد دیت نہ لیں گے اور اہل دشت سے وہی سو اُونٹ اُنہی عمروں کے لیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا اور حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا کہ گائے والوں پر دو سو گائیں اور بکری والوں پر ایک ہزار بکریاں ۔ اور میں شہر والوں پر انہی کی دیت کی قیمت سونے اور چاندی میں لگاؤں گا ۔ کیونکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فیصلہ فرما دیتے کہ شہر والوں سے سونے اور چاندی کی مقررہ دیت لی جائے گی اور اس میں اضافہ نہیں ہوگا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلے کی پابندی کرتے مگر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُونٹوں کی قیمت لگا کر اُسے دیت قرار دیا ۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک دیت میں اصل اُونٹ ہیں اور اس کے علاوہ گائے، بکری، سونا، چاندی اور جوڑے (حلے) وغیرہ کی مقدار کا تعین اُونٹوں کی قیمتوں کے حساب سے ہوگا۔

---

(۱) سنن البیہقی ۸/۱۰۱ (۲) عبدالرزاق ۹/۲۹۵

۳- دیت کی مقدار

(الف) دیت کی دو قسمیں ہیں ۔

(۱) مغلظہ (بھاری) (۲) مخففہ (ہلکی)

پہلی قسم :-

دیت مغلظہ اس وقت لازم آتی ہے جب قتلِ عمد میں قصاص لینا ممکن نہ ہو یا کسی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے ۔ (دا جنایت ۵ و ۲) اور شبہ عمد میں بھی دیتِ مغلظہ لازم آتی ہے۔

دیت مغلظہ کی مقدار سو اُونٹ ہیں اور عمر کے لحاظ سے اُن کی تقسیم درج ذیل ہے۔

تیس جذعہ (پانچ سالہ اونٹ)، تیس حقہ (چار سالہ اُونٹ)، چالیس ثنیہ (دو سالہ اُونٹنی) جن کے پیٹ میں بچہ بھی ہو۔ حضرت عمرؓ نے شبہ عمد کے قتل کی دیت کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا کہ تیس جذعہ، تیس حقہ اور چالیس ثنیہ (دو سالہ اُونٹنیاں جن کے پیٹ میں بچے ہوں) (۱) دیت میں دیے جائیں اور یہی دیت قتلِ عمد کی صورت میں ہے جب قصاص نہ لیا جا سکے (۲)

تغلیظ (دیت میں اضافہ) کا اثر صرف اُونٹوں، اُن کی عمروں اور ان کے اوصاف پر پڑتا ہے ۔ اُونٹوں کی تعداد میں اضافہ نہیں ہوتا ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ تغلیظ دیت کی صورت میں اہلِ شہر کے لیے اُونٹوں کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہے ۔ (۳) نیز آپ نے فرمایا کہ اہلِ شہر پر اضافہ نہیں ہے اس لیے کہ وہ سونے کی صورت میں دیت ادا کرتے ہیں اور سونے میں ادا کرنا بذاتِ خود اضافہ ہے (۴)

---

(۱) سنن ابو داؤد، الدیات ۔ عبدالرزاق ۹/۲۸۳، سنن البیہقی ۸/۶۹ خراج ابی یوسف ۱۸۶ (۲) المغنی ۷/۲۹۵، بدائع الصنائع ۷/۲۵۴ (۳) سنن البیہقی ۹/۲۹۵ ، ، (۴) عبدالرزاق ۹/۲۹۷، ۳۰۱

دیت میں اس صورت میں بھی اضافہ (تغلیظ) کیا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو حرم میں قتل کر دے یا حرمت والے مہینوں میں قتل کر دے یا مقتول حالتِ احرام میں ہو اور کسی وجہ سے قصاص لازم نہ آسکتا ہو تو ایسی صورت میں جو دیت واجب الادا ہو گی وہ پوری دیت اور اس پر دیت کا ایک ثلث زائد ہو گی۔ (۱) جنایت ۳ ب ۵)

دوسری قسم:

دیت مخففہ ہے جو قتل خطاء اور ان تمام صورتوں میں واجب الادا ہے جب مقتول معصوم الدم ہو اور جانی نے خطأً جنایت کا ارتکاب کیا ہو یا وہ سبب جنایت بنا ہو۔

اس دیت کی مقدار حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق سو اُونٹ ہیں جو پانچ انواع پر منقسم ہیں۔

بیس حقہ (چار سالہ اونٹ) بیس جذعہ (پانچ سالہ اونٹ) بیس بنت لبون (تین سالہ اُونٹنیاں) بیس ابن لبون (تین سالہ اُونٹ) اور بیس بنت مخاض (دو سالہ اُونٹنیاں) (۱) گایوں کی صورت میں دو سو گائیں اس کے مساوی ہیں۔(۲) شعبی نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ گایوں کی عمریں اس طرح ہیں کہ سو بچھڑے ہوں اور سو یک سالہ ہوں (۳) اور بکریوں کی صورت میں ایک ہزار بکریاں جنہیں دو دانت والی اور پنچے ملے جلے ہوں جس طرح زکوٰۃ میں وصول کیے جاتے ہیں (۴) اور اگر حُلے ہوں تو دو سو حُلے (۵) حُلے سے مراد یہاں تین کپڑے ہیں، قمیص ازار اور چادر یا اس کے مساوی کپڑے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایک خط میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ یمن کے جو لوگ کپڑا بُنتے ہیں۔ اُن کی دیت پانچ سو حُلّے ہے یا اُنکی قیمت کے مساوی کوئی اور چیز۔ (۱)

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ان پانچ سو حلّوں کی قیمت ان دو سو حلّوں سے کم تھی جو حضرت عمرؓ نے دیت کے لیے مقرر کیے تھے۔

مذکورہ بالا اشیا کے علاوہ اگر دوسری قسم کی چیزوں میں دیت ادا کی جائے تو اس کی مقدار اتنی ہو جو ان اشیا کی قیمت کے برابر ہو جائے۔ جیسا کہ ہم حضرت عمرؓ کے ایک خط کا حوالہ اوپر دے چکے ہیں۔ یا اس کی قیمت (حلّوں کے علاوہ) سونے میں ایک ہزار دینار اور چاندی میں بارہ ہزار درہم ہو۔ (۲)

حضرت عمرؓ کے عہد تک دیت اُونٹوں کی صورت میں ادا ہوتی تھی (۳) حضرت عمرؓ نے ان رشتہ داروں کی سہولت کے پیشِ نظر جن کو دیت ادا کرنا پڑتی ہے، سو اونٹوں کی قیمت کے برابر گائے، بکری، حُلّے اور دیگر اشیاء دیت میں قبول کیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ اقدام صحابہؓ کرام سے مشورہ کے بعد کیا۔ چنانچہ عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ عبدالعزیز بن عمرؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایک خط میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب باقاعدہ فوج تیار کی تو صحابہ کرام سے مشورہ کرکے تحریر کیا کہ اُونٹ والوں پر سو اُونٹ دیت ہو گی اور گایوں والوں پر دو سو گائیں اور بکری والوں

(۱) خراج ابی یوسف ۱۸۵، بدائع الصنائع ۷/۲۵۴ (۲) سنن البیہقی ۹/۴۹۵ (۳) عبدالرزاق ۹/۲۹۷، ۳۰۱، ۳۲۰، القرطبی ۵/۲۱۶، سنن البیہقی ۸/۷۷، المغنی ۷/۵۹، خراج ابی یوسف ۱۸۵، المحلی ۱۰/۷۱ (۴) عبدالرزاق ۹/۲۸۸، ۲۸۹ (۵) عبدالرزاق ۹/۲۹۰، ۲۲۰، سنن البیہقی ۸/۷۷، المغنی ۷/۵۹، خراج ابی یوسف ۱۸۵، المحلی ۱۰/۷۱، القرطبی ۵/۲۱۶

(۱) عبدالرزاق ۹/۲۹۲، ۲۲۰، خراج ابی یوسف ۱۸۵، المحلی ۱۰/۷۱
(۲) عبدالرزاق ۹/۲۹۶۔ عبدالرزاق ۹/۲۹۱، البیہقی ۸/۷۷، ۷۹، المغنی ۷/۵۹، الموطأ ۲/۸۵۰، المحلی ۱۰/۷۱ (۳) المحلی ۱۰/۲۱۸۔

پر ایک ہزار بکریاں۔ یمن کے کپڑا بننے والوں پر پانچ سو حلے یا حلوں کی بجائے ان کی قیمت۔ اور اگر قاتل اعرابی ہے تو سو اُونٹ دیت ادا کرے اور اُسے چاندی یا سونے میں ادائیگی کا پابند نہیں بنایا جائے گا اور اگر مقتول اعرابی ہو تو سو اُونٹ دیت میں دیئے جائیں یا اس کی قیمت کے مساوی دو ہزار بکریاں (۱)

(ب) جنس کے اختلاف سے دیت میں فرق۔

مجنی علیہ کی جنس کے اختلاف سے دیت میں فرق واقع ہوجاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مرد کی دیت عورت کی دیت سے مختلف ہے۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ مرد کی دیت کا بیان تھا، جب کہ عورت کی دیت ایسے مرد کی دیت کا نصف ہے جو دین اور آزادی میں اس کے برابر ہو خواہ یہ دیت قتل کی ہو یا قتل سے کم کسی زخم وغیرہ کی بشرطیکہ اس دیت کی مقدار مرد کی دیت کے ثلث سے بڑھ جائے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عورت کی دیت قتل اور زخمی وغیرہ کرنے میں مرد کی دیت کا نصف ہے (۲) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آزاد مسلمان عورت کی دیت اگر اُس کا تعلق شہر سے ہو تو پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم ہے اور اگر مقتولہ اعرابی ہو تو پچاس اُونٹ ہے (۳)۔ حضرت عمرؓ نے عورت کی آنکھ ضائع کرنے پر عورت کی کُل دیت کا نصف یا اس کے مساوی سونا یا چاندی ادا کرنے کا فیصلہ دیا۔ (۴)

اور اگر جنایت جان لیوا نہ ہو اور اُس کی دیت مرد کی کُل دیت کے ایک تہائی سے متجاوز نہ ہو تو عورت کے زخم وغیرہ کی دیت مرد کے زخم کی دیت کے برابر ہوگی، جب تک دیت کی مقدار مرد کی دیت کا ثلث ہو (۱) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دانت اور زخم موضحہ میں عورتوں اور مردوں کی دیت برابر ہے اور اس کے علاوہ باقی صورتوں میں عورت کی دیت نصف ہے۔

(ج) آزادی اور غلامی کے اختلاف سے دیت میں فرق:

دیت کی مقدار کے سلسلے میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ آزاد شخص کی دیت کا بیان تھا۔ رہ گیا غلام تو اس کی دیت اس کی قیمت ہے اور اس کے زخموں کی دیت کا حساب بھی اُسی کی قیمت ہی سے ہوگا، اسی طرح جس طرح آزاد کے زخموں کی دیت کا حساب اس کی کل دیت کے تناسب سے ہوتا ہے، مثلاً غلام کا ہاتھ ضائع ہوجانے کی صورت میں ہاتھ کی دیت غلام کی قیمت کا نصف ہوگی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ غلام کی دیت کا حساب اس کی قیمت سے لگایا جائے گا جس طرح آزاد کی کل دیت کے لحاظ سے اس کے اعضا کی دیت کا حساب لگایا جاتا ہے۔ (۲)

(د) دین کے اختلاف سے دیت میں فرق:

کافر ذمی کی دیت کے بارے میں حضرت عمرؓ سے دو روایات منقول ہیں۔

پہلی: کافر ذمی کی دیت خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی یا مجوسی، مسلمان کی دیت کی مانند ہے اور اس میں ذرا بھی کمی نہیں کی جائے گی۔

---

(۱) عبدالرزاق ۹/۲۹۶، (۲) سنن البیہقی ۸/۹۶ (۳) سنن البیہقی ۸/۹۵
(۴) عبدالرزاق ۹/۳۲۹، المحلی ۱۰/۴۱۸

(۱) عبدالرزاق ۹/۳۹۴، اخبار القضاۃ ۲/۱۹۳، سنن البیہقی ۸/۹۶
(۲) سنن البیہقی ۸/۹۷، عبدالرزاق ۱۰/۴، المحلی ۸/۱۵۱

زہری سے روایت ہے کہ یہودی، نصرانی اور مجوسی کی دیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں مسلمان کی دیت کے برابر تھی۔ (۱)

محمد بن الحسن نے الآثار میں بیان کیا ہے کہ ابوحنیفہؒ نے ہیثم بن ہیثم کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نیز حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا قول ہے کہ معاہد کی دیت وہی ہے جو آزاد مسلمان کی ہے۔ (۲)

عبدالرزاقؒ نے رباحؒ بن عبداللہؒ۔ غالباً درست رباح بن عبید اللہ ہے۔ سے روایت کیا ہے کہ حمید الطویل نے حضرت انسؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ ایک یہودی شخص دھوکہ سے قتل ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے بارہ ہزار درہم دیت کا فیصلہ دیا۔ (۳)

ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں بسند صحیح اسے روایت کیا ہے کہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے مساوی تھی پھر جب حضرت معاویہؓ کا ابتدائی زمانہ آیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر مقتول کے اہل بیت پر یہ آزمائش آئی ہے تو مسلمانوں کے بیت المال کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ لہٰذا نصف دیت بیت المال کو دے دو اور نصف اس کے اہل خاندان کو دے دو یعنی پانچ سو دینار۔ بعد ازاں پھر کوئی ذمی قتل ہوگیا تو حضرت معاویہؓ نے کہا کہ اگر ہم اس طرح دیکھیں کہ یہ مال جو بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے مسلمانوں کا ہی مال ہے، لہٰذا ہم دیت کا یہ حصہ مسلمانوں سے ساقط کر دیتے ہیں اور اس طرح اُن کی مدد کرتے ہیں۔ اس طرح اُن کی دیت میں سے پانچ سو دینار کم ہوگئے۔ (۱)

میں کہتا ہوں کہ چند وجوہ کی بنا پر ان تمام آثار کو حجت نہیں بنایا جا سکتا۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ ان روایتوں میں سے پہلی حدیث زہری کی مرسل روایتوں میں سے ہے۔ زہری کی مرسل روایتیں قابلِ احتجاج نہیں ہیں۔ دوسری حدیث ہیثم بن ابی الہیثم سے مروی ہے اور یہ بھی مرسل ہے، اور یہ ہیثم ابن حبیب الصیرفی ہیں جو تبع تابعی ہیں۔ ابوداؤد نے ان سے اپنی مراسیل میں روایت کیا ہے لیکن کتب ستہ میں ان سے کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ امام احمد ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کی حدیثیں بہت اچھی ہیں اور اُن کے اندر استقامت ہے اور یہ حدیثیں اس طرح کی نہیں ہیں جیسی حدیثیں اُن سے اصحاب الرائے نے نقل کی ہیں۔ تیسری حدیث جو عبدالرزاق نے بیان کی ہے اس میں رباح بن عبید اللہ ہیں۔ ان کو امام احمد اور دارقطنی نے منکر الحدیث کہا ہے اور چوتھی حدیث وہ بھی مرسل ہے۔

دوسری وجہ: اس قول کی کوئی سند نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ سُنت رسولؐ میں۔ سوائے ایک ضعیف حدیث کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامریوں کی دیت مسلمانوں کی دیت کے برابر قرار دی۔ جب کہ ان عامریوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ تھا (۲) یہی وجہ ہے کہ ابن قدامہ نے اس روایت کو حضرت عمرؓ سے روایت کرتے وقت ایسے الفاظ سے روایت کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روایت کمزور ہے

(۱) عبدالرزاق ۱۰/۹۵، الدارقطنی، الحدود، سنن البیہقی ۸/۱۰۳ - آثار ابی یوسف ۹۷۲ (۲) نصب الرایہ ۴/۳۶۷
(۳) عبدالرزاق ۱۰/۹۷

(۱) نصب الرایہ ۴/۳۶۷ (۲) الترمذی، الدیات -

لکھا ہے کہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے ۔ (۱)

دوسری روایت میں ہے کہ مسلمان کی دیت اور کافر کی دیت میں فرق ہے ۔ یعنی مسلمان کی دیت تو وہی ہے جو بیان ہو چکی ہے ۔ اور کافر ذمی کی دیت کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کتابی ذمی کو اور اس ذمی کو جو کتابی سے مشابہ ہو (مثلاً مجوسی) فرق کیا کرتے تھے ۔ چنانچہ اگر ذمی کتابی یعنی یہودی یا نصرانی ہو تو اس کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے ۔ چنانچہ عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیت کی مقدار آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی اور اہل کتاب کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف ہوا کرتی تھی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ خلیفہ ہو گئے ۔ حضرت عمرؓ نے اونٹ مہنگے ہو جانے پر مسلمانوں کی دیت میں اضافہ کر دیا اور ذمیوں کی دیت اسی طرح رہنے دی ۔ اس میں اضافہ نہیں کیا (۲)

غرض حضرت عمرؓ اپنے اجتہاد سے اس رائے پر قائم ہو گئے کہ یہودی یا نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہو (۳) اسی لیے جب حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ایک مسلمان نے اہل کتاب میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے تو حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر کیا کہ اگر مسلمان چور یا محارب تھا تو اس کی گردن اڑا دو اور اگر اس سے یہ حرکت طیش کی حالت میں اضطراری طور پر سرزد ہوئی ہے تو اس کی دیت چار ہزار درہم ہے (۴)

(۱) المغنی ۷/ ۹۳، (۲) سنن البیہقی ۸/ ۱۰۱، المغنی ۷/ ۹۳، (۳) عبدالرزاق ۱۰/ ۱۲۷، ۹۳، الترمذی ۵/ ۱۸، المغنی ۷/ ۹۳، ۹۲، سنن البیہقی ۸/ ۱۰۱، القرطبی ۹/ ۵۴ ، (۴) عبدالرزاق ۱۰/ ۹۳

اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ اہل ذمہ کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف ہے ۔ اور اہل ذمہ یہود و نصاریٰ ہیں ۔ (۱)

یہاں یہ ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کی دیت ان کے مردوں کی دیت کا نصف ہے ۔

اور اگر ذمی مجوسی ہو تو اس کی دیت آٹھ سو درہم ہے (۲) چنانچہ حضرت عمرؓ نے مجوسی کی دیت کے بارے میں فیصلہ دیا کہ آٹھ سو درہم ہے ۔ (۳) اور مجوسیہ کی چار سو درہم ہے ۔ اور فرمایا کہ یہ اہل کتاب نہیں ہیں بلکہ غلام ہیں ۔ (۴)

چونکہ مجوسی حضرت عمرؓ کے نزدیک غلام تھے ، اس لیے حضرت عمرؓ نے ان کی دیت غلام کی قیمت مقرر کی جو اس زمانے میں چار سو درہم تھی ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ بعض مرتبہ مسلمان مجوسیوں کو قتل کر دیتے ہیں تو آپ کی کیا رائے ہے ؟ حضرت عمرؓ نے جواباً لکھا کہ یہ غلام ہیں ، اس لیے تم اپنے علاقے کے غلاموں کی قیمت کو ان کی دیت قرار دے دو ، چنانچہ انہوں نے وہاں کی قیمت آٹھ سو درہم تحریر کی تو حضرت عمرؓ نے مجوسی کی دیت یہی مقرر کر دی ۔ (۵)

۴ ۔ قتل سے کم جنایت میں دیت کی مقدار :

وہ جنایت جو جان لیوا نہ ہو اس کی کئی اقسام ہیں کیونکہ یا تو کوئی عضو جزوی طور پر یا کلی طور پر کاٹ دیا گیا ہوگا اور اس کا کٹے ہوئے عضو سے وہ منفعت جو اس سے مطلوب ہے کسی درجے

(۱) النسائی ، القسامۃ ۔ الترمذی ، الدیات ۔ (۲) الترمذی ۵/ ۱۸ سنن البیہقی ۸/ ۱۰۰ ، ۱۰۱ ، المغنی ۷/ ۹۳ ، الطبری ۹/ ۵۴
(۳) سنن البیہقی ۸/ ۱۰۱ ، المغنی ۷/ ۹۶ ، (۴) عبدالرزاق ۶/ ۱۲۶
(۵) عبدالرزاق ۶/ ۱۲۶ ، ۱۰/ ۹۵

میں حاصل ہوتی ہوگی یا نہیں ہوتی ہوگی اور یا کاٹے بغیر کسی عضو کی منفعت کلی طور پر یا جزوی طور پر ختم ہوگئی ہوگی اور یا پھر محض زخم ہوگا۔

(الف) اگر کسی عضو کو بالکلیہ کاٹ دیا:

کسی صحیح وسالم کام کرتے ہوئے عضو کو بالکلیہ قطع کر دینے کی دیت کے بارے میں حضرت عمرؓ کا اصول یہ تھا کہ انسان کی پوری دیت کو اس کٹے ہوئے عضو اور اس جیسے دیگر اعضاء پر تقسیم کیا جائے گا اور ہر عضو کی دیت وہ ہوگی جو پوری دیت میں سے اس کے حصے میں آئے گی۔ لیکن اگر عضو ایک ہی ہے اور جسم میں اس کا کوئی اور مثیل موجود نہیں ہے تو اس کے کاٹنے پر پوری دیت لازم ہوگی اور اگر وہ عضو جسم میں دو ہیں تو ہر عضو پر نصف دیت ہوگی اور اگر وہ عضو جسم میں تین ہیں تو ہر ایک کے کاٹنے پر ثلث دیت لازم ہوگی۔ وعلیٰ ہذا القیاس، اسی اصول کے مطابق حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ صحیح سالم بولتی زبان کاٹ دینے پر پوری دیت ہے۔(۱)

پوری ناک کے کاٹ دینے پر پوری دیت ہے۔(۲)

عورت کی شرمگاہ قطع کر دینے پر پوری دیت ہے، کیونکہ وہ لذت اور جماع سے محروم ہو جاتی ہے۔

دونوں پاؤں قطع کرنے پر پوری دیت ہے اور ایک پاؤں کاٹنے پر نصف دیت ہے۔(۳)

دونوں ہاتھ قطع کر دینے پر پوری دیت ہے اور ایک ہاتھ کاٹنے پر نصف دیت ہے(۴)

(۱) عبدالرزاق ۹/ ۳۵۸، سنن البیہقی ۸/ ۸۹ (۲) نصب الرایہ ۹/ ۱۲۲ (۳) المحلی ۱۰/ ۴۴۲، المغنی ۸/ ۳۵، عبدالرزاق ۹/ ۳۸۱ (۴) عبدالرزاق ۹/ ۳۸۱۔

دونوں کان قطع کر دینے پر پوری دیت ہے اور ایک کان قطع کر دینے پر نصف دیت ہے۔(۱)

دونوں آنکھیں ضائع کر دینے پر پوری دیت ہے اور ایک آنکھ پر نصف دیت ہے۔(۲) البتہ کانے کی ایک آنکھ دو آنکھوں کی قائم مقام ہے لہٰذا اگر اس کی یہ آنکھ بھی جو باقی ہے نکال دی جائے تو اس کی بصارت بالکل ختم ہو جائے گی اور وہ بالکل دیکھنے کے قابل نہیں رہے گا؛ لہٰذا اس کی ایک آنکھ ضائع کر دینا ایسا ہے جیسے کسی شخص کی دونوں آنکھیں ضائع کر دی جائیں، اسی لیے پوری دیت لازم آئے گی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ اگر کسی شخص کی ایک ہی آنکھ ہو تو اس کو ضائع کر دینے پر پوری دیت ہے(۳) اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے اس کی مخالفت ثابت نہیں۔

اور اگر کانا شخص کسی ایسے شخص کی ایک آنکھ نکال دے جس کی دونوں آنکھیں ہوں تو اصولاً قصاص لازم آئے گا لیکن قصاص سے چونکہ جانی کی بصارت بالکل ختم ہو جائے گی، اس لیے کہ اس کے پاس صرف ایک آنکھ ہے، لہٰذا کانے شخص سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس پر دونوں آنکھوں کی دیت لازم آئے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی کانا شخص کسی ایسے شخص کی ایک آنکھ نکال دے جس کی دونوں آنکھیں ہوں تو اس پر دونوں کی آنکھوں کی دیت لازم آئے گی (۴)

اور حضرت عمرؓ نے انگلیوں کی دیت کے سلسلہ میں فیصلہ کیا

(۱) عبدالرزاق ۹/ ۳۲۴، سنن البیہقی ۸/ ۸۵، المحلی ۱۰/ ۴۴۸، المغنی ۸/ ۸ (۲) عبدالرزاق ۹/ ۳۲۹، المحلی ۱۰/ ۴۱۸ ، (۳) عبدالرزاق ۹/ ۳۲۰، سنن البیہقی ۸/ ۹۴، المحلی ۱۰/ ۴۱۸ (۴) عبدالرزاق ۹/ ۳۳۳، المحلی ۱۰/ ۴۲۱، المغنی ۷/ ۷۱۷، ۸/ ۵

کہ انگوٹھا کاٹنے پر پندرہ اُونٹ۔ انگشت شہادت کاٹنے پر دس اُونٹ۔ درمیانی اُنگلی کاٹنے پر دس اُونٹ۔ اُس کے برابر والی اُنگلی کاٹنے پر نو اونٹ اور چھنگلی کاٹنے پر چھ اونٹ لیکن کچھ مدّت بعد جب حضرت عمرؓ کو آلِ حزم کے پاس موجود حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ایک خط میں یہ بات لکھی ہوئی ملی کہ سب اُنگلیوں کی دیت برابر ہے تو آپ نے اسے اختیار فرمایا[1] اور بعد ازاں حضرت عمرؓ ہاتھوں اور پیروں کی کوئی سی انگلی کاٹنے پر دس اُونٹ دیت کا فیصلہ دیا کرتے تھے[2] اور آپ نے فرمایا کہ تمام اُنگلیاں برابر ہیں خواہ چھنگلیا ہو یا انگوٹھا (۳) اور پورو کاٹنے پر خواہ وہ کسی اُنگلی کا ہو انگلی کی دیت کا تہائی ہے[4] ماسوا انگوٹھے کے کہ اس میں دو پورے ہوتے ہیں اور اس میں ایک پورے کی دیت پانچ اُونٹ ہوگی۔ (۵)

دانتوں کی دیت: ہر دانت پر پانچ اونٹ ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایک خط میں درج ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: دانت کی دیت پانچ اونٹ یا اسکے مساوی سونا یا چاندی ہے۔ (۶) اور دانتوں میں باہم کوئی فرق نہیں ہے، چنانچہ آپ نے شریح کو لکھا کہ دانت سب برابر ہیں۔ (۷)

بچہ جس کے دُودھ کے دانت نہ گرے ہوں، کے ہر دانت پر ایک اُونٹ ہے۔ (۸)

---

(۱) عبدالرزاق ۹/۳۸۴، المغنی ۸/۳۵، المحلی ۱۰/۴۲۷، سنن البیہقی ۸/۹۳

(۲) عبدالرزاق ۹/۳۵۸، المغنی ۸/۳۵ (۳) سنن البیہقی ۸/۹۳، ۹۷، ۹/۳۹۴ عبدالرزاق ۹/۳۸۴، ۳۹۴۔ (۴) عبدالرزاق ۹/۳۸۵، ۳۸۴، المحلی ۱۰/۴۲۷ (۵) المغنی ۸/۳۵ (۶) عبدالرزاق ۹/۳۴۷، ۳۴۸، المحلی ۱۰/۴۱۳ المغنی ۸/۲۱ (۷) عبدالرزاق ۹/۳۴۵، سنن البیہقی ۸/۹۰، ۹۰، ۹/۳۹۳ اخبار القضاۃ ۲/۱۹۳ (۸) عبدالرزاق ۹/۳۲۵، المحلی ۱۰/۴۱۸

اور بچے کی ڈاڑھ پر بھی ایک اونٹ ہے (۱) حضرت عمرؓ کے مولی اسلم سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے منبر پر فرمایا کہ ایک ڈاڑھ پر ایک اُونٹ ہے۔ (۲)

(ب) کسی عضو کا ایک حصّہ قطع کر دینا۔

حضرت عمرؓ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی عضو کے ایک حصّہ پر جنایت کی گئی ہو اور اس میں نقص پیدا ہو جائے یا اس کے بعض فوائد ختم ہو جائیں تو اس نقص کی مقدار مقرر کر کے اس کی دیت کا تعیّن کیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایک خط میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر دانت کا کچھ حصّہ ٹوٹ جائے اور باقی حصّہ سیاہ نہ ہو تو اسی حساب سے دیت ہوگی (۳)

اور اگر زبان کو اتنا نقصان پہنچا کہ بات کرنے سے قاصر ہوگئی تو پوری دیت ہوگی اور اگر نقصان اس سے کم ہے تو دیت اسی حساب ہوگی (۴)

اور اگر ہاتھ اور پاؤں کو نقصان پہنچایا تو اس کا حساب بھی اسی طرح ہوگا (۵)

اور حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ اگر خصیہ کے اُوپر کے حصّہ کو نقصان پہنچے تو دیت کا چھٹا حصّہ ادا کرنا واجب ہوگا۔ (۶)

(ج) ایسے عضو کا قطع کرنا جو اپنا وظیفہ ادا کرنے کے قابل نہ رہا ہو۔

اگر کسی ایسے عضو کو کاٹ دیا جو اپنی افادیت کھو چکا ہو تو اس عضو کی دیت کا ثلث واجب الادا ہوگا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے گونگے کی زبان جڑ سے کاٹ دینے پر ثلث دیت کا

---

(۱) المحلی ۱۰/۴۱۳، عبدالرزاق ۹/۳۴۷، سنن البیہقی ۸/۹۰، المؤطا ۲/۸۶۱

(۲) المحلی ۱۰/۲۵۲ (۳) عبدالرزاق ۹/۳۴۸ (۴) سنن البیہقی ۸/۸۹ (۵) عبدالرزاق ۹/۳۸۳، المحلی ۱۰/۴۴۲ (۶) عبدالرزاق ۹/۳۷۴

فیصلہ کیا (۱)، اسی طرح پتھرائی ہوئی آنکھ جس کی بصارت جاتی رہی ہو اور دانت جو سیاہ پڑ گیا ہو اور ہاتھ جو مفلوج ہو چکا ہو کے سلسلے میں ثلث دیت کا فیصلہ کیا (۲) اور خصّی کے ذکر کو جڑ سے کاٹ دینے پر ثلث دیت کا فیصلہ کیا (۳)

(د) کسی عضو کو توڑ دینا یا اس طرح بیکار کر دینا کہ عضو موجود رہے لیکن اپنا وظیفہ ادا کرنے کے قابل نہ رہے۔

اگر کسی شخص نے کسی کے عضو پر جنایت کی اور اُسے توڑ دیا یا بیکار کر دیا مثلاً دانت پر اس طرح چوٹ لگائی کہ وہ سیاہ ہو گیا یا وہ اپنا وظیفہ ادا کرنے کے قابل نہ رہا تو پُوری دیت لازم آئے گی بالکل اسی طرح جیسے اس عضو کو بالکل قطع کر دیا ہو۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایک خط میں حضرت عمرؓ کے حوالے سے درج ہے کہ دانت توڑنے پر پانچ اُونٹ یا اس کے مساوی سونا یا چاندی دیت ہے اور اگر دانت سیاہ پڑ جائے تو بھی پُوری دیت ہے۔ (۴)

حضرت عمرؓ نے ناخن کے مُڑ تُڑ کر خراب ہو جانے پر ایک جوان اُونٹنی دیت میں دینے کا فیصلہ دیا۔ (۵)

حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ اگر (ضرب وغیرہ) کے نتیجے میں ٹانگ اس طرح سُوکھ جائے کہ پھیلائی نہ جا سکے یا سوکھ کر سیدھی اکڑ گئی ہو اور اُسے موڑا نہ جا سکے یا زمین تک نہ پہنچ سکے تو اس پر نصف دیت ہے۔ اور اگر ہاتھ کو ایسا نقصان پہنچ جائے کہ اس سے نہ کھا پی سکے، نہ ازاربند باندھ سکے اور نہ اس سے کوئی اور کام کر سکے تو نصف دیت لازم آئے گی (۱)

قوتِ سماعت معطل ہو جانے پر پوری دیت ہے۔ (۲)

عقل کے جاتے رہنے پر پُوری دیت ہے۔ (۳)، حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ اُن سے ایک شخص کے بارے میں پُوچھا گیا جس نے کسی کو خوفزدہ کر دیا تھا جس سے اُس کی عقل جاتی رہی تو اُنہوں نے کہا کہ اگر حضرت عمرؓ ہوتے تو پُوری دیت عاید کرتے۔

اگر پشت اس طرح توڑ دی کہ توالد و تناسل کی قوت ختم ہو گئی تو پُوری دیت ہے (۴) اور اگر قوتِ توالد باقی رہی تو نصف دیت ہے۔ (۵)

اگر کسی شخص نے کسی پر ایک ضرب لگائی اور اس ضرب سے وہ متعدد اعضاء کی منفعتوں سے محروم ہو گیا یا ان میں نقص پیدا ہو گیا تو اُسے ہر عضو کی جسے نقصان پہنچا ہے پُوری دیت ادا کرنا ہو گی۔ ابو قلابہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے کسی کے سر میں پتھر مارا جس سے اُس کی سماعت سلب ہو گئی، گویائی ختم ہو گئی، عقل جاتی رہی اور عضو تناسل سوکھ گیا لیکن وہ زندہ رہا۔ حضرت عمرؓ نے اس مقدمہ میں چار دیتیں ادا کرنے کا حکم دیا۔ (۶)

اگر متاثرہ عضو کے بعض منافع معطّل ہو گئے ہوں تو دیت اسی حساب سے لازم ہو گی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ اگر جنایت کے نتیجہ میں کسی شخص کا پاؤں سوکھ جائے لیکن پھر بھی زمین سے لگتا ہو تو جس قدر اس میں نقص واقع ہوا ہے اسی قدر دیت لازم ہو گی (۷)

---

(۱) عبدالرزاق ۹/۳۹۵، ۳۷۳ (۲) سنن البیہقی ۸/۹۱، عبدالرزاق ۹/۳۳۵، ۳۵۰، ۳۸۷، المغنی ۸/۲۹، المحلی ۱۰/۴۱۷، ۴۲۱، ۴۴۱ - (۳) عبدالرزاق ۹/۳۷۳ (۴) عبدالرزاق ۹/۳۴۸ (۵) عبدالرزاق ۹/۳۹۲، المحلی ۱۰/۴۴۵

(۱) المحلی ۱۰/۴۳۸ (۲) المغنی ۸/۹ (۳) المغنی ۸/۳۷ (۴) سنن البیہقی ۸/۸۶ (۵) عبدالرزاق ۹/۳۶۵، المحلی ۱۰/۴۵۱ (۶) عبدالرزاق ۱۰/۱۲، البیہقی ۸/۹۸، المحلی ۱۰/۴۴۲، المغنی ۸/۹ (۷) المحلی ۱۰/۴۳۸

(ھ) زخم:

موضحہ زخم کی دیت خواہ زخم سر میں ہو یا چہرے پر مساوی ہے، یعنی پانچ اونٹ دیت ہے (۱) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اہلِ لشکر کو تحریر کیا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موضحہ سے کم زخم کے بارے میں کسی دیت کا فیصلہ کیا ہے یا نہیں۔ البتہ حضرت عمرؓ نے مُوضحہ زخم میں پانچ اُونٹ یا اس کے مساوی سونا یا چاندی دیت ادا کرنے کا فیصلہ کیا ہے (۲)

لیکن اگر مُوضحہ زخم سر اور چہرے کے علاوہ جسم کے کسی اور حصے میں ہو، یعنی کسی ایسے عضو میں ہو جس کے قطع کر دینے کی دیت متعین ہے جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ تو اس عضو کے مُوضحہ زخم میں اس عضو کی مقررہ دیت کا نصف عُشر ادا کرنا لازم آئیگا۔

عکرمہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جسم انسانی کے زخم موضحہ کے بارے میں جو سر کے علاوہ ہو فیصلہ فرمایا کہ ہر وہ ہڈی جس کی دیت مقرر ہے اس کے مُوضحہ زخم میں اُس کی مقررہ دیت کا نصف عشر ادا کرنا لازم ہو گا، چنانچہ اگر موضحہ ہاتھ میں ہو تو ہاتھ کی دیت کا نصف عشر ادا کرنا ہو گا۔ بشرطیکہ یہ زخم انگلیوں میں نہ ہو اور اگر موضحہ زخم انگلی میں ہو تو اس کی دیت انگلی کی دیت کا نصف عشر ہو گی۔ اور جو زخم انگلیوں سے اُوپر ہتھیلی میں ہو تو اُس کی دیت بازو اور اُس عضو کی دیت کے حساب سے ہو گی اور پاؤں کی دیت کا حساب ہاتھ کے زخم کی دیت کی مانند ہے۔ (۳)

(۱) البیہقی ۸/۸۲، المغنی ۸/۸۲۔

(۲) عبدالرزاق ۹/۳۰۹، نصب الرایہ ۴/۳۷۳

(۳) عبدالرزاق ۱۰/۲۴۵، ۳۰۹

ؔ موضحہ وہ زخم ہے جس میں ہڈی نظر آنے لگے

حضرت عمرؓ نے سمحاقؔ زخم میں مُوضحہ کی نصف دیت کا فیصلہ کیا۔ (۱)

اور اس سے کم تر قسم کے زخموں میں طبیب کی اُجرت ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذؓ اور حضرت عمرؓ نے مُوضحہ سے کم زخم کی دیت طبیب کی اُجرت قرار دی۔ (۲)

حضرت عمرؓ نے سر کے منقلہؔ زخم کے بارے میں خواہ زخم مرد کے سر میں ہو یا عورت کے، فیصلہ دیا کہ پندرہ اُونٹ یا اس کے مساوی سونا یا چاندی دیت ادا کی جائے (۳) لیکن اگر منقلہ زخم جسم کے کسی اور حصے میں ہو مثلاً بازو یا کلائی، یا پنڈلی یا ران میں تو سر کے منقلہ زخم کی نصف دیت یعنی ساڑھے سات اُونٹیاں دیت ہو گی۔ (۴)

حضرت عمرؓ نے آمہؔ زخم میں ایک تہائی دیت کا فیصلہ دیا یعنی ۳۳ اُونٹ یا اس کے مساوی سونا یا چاندی۔ (۵)

آپ نے جائفہؔ زخم میں ثلث دیت کا فیصلہ دیا۔ (۶) اگر مرد کو یہ زخم آئے تو مرد کی دیت کا ثلث اور اگر عورت کو زخم آئے تو عورت کی دیت کا ثلث۔ (۶) اور اگر جائفہ زخم دوسری طرف نکل جائے تو یہ دو جائفہ زخم شمار ہوں گے اور اُن میں دو ثلث دیت ہو گی (۷)۔

عورت سے وطی کر کے اُس کا پردۂ بکارت زائل کر دینا جائفہ زخم

(۱) سنن البیہقی ۸/۸۳، المغنی ۸/۵۵ (۲) سنن البیہقی ۸/۸۳ (۳) عبدالرزاق ۹/۳۱۸۔ نصب الرایہ ۴/۳۷۳ (۴) عبدالرزاق ۹/۳۱۹، ۱۰/۳۴۵۔ (۵) عبدالرزاق ۹/۳۱۷ (۶) المغنی ۸/۴۹، نصب الرایہ ۴/۳۷۳ (۷) عبدالرزاق ۹/۳۷۱۔ ؔ وہ زخم جس میں جلد اور گوشت کے درمیان جو پتلی جھلی ہے وہ کٹ جائے ؔ منقلہ وہ زخم ہے جس کی وجہ سے ہڈی ٹوٹ جائے۔ ؔ آمہ وہ زخم ہے جو دماغ کی جھلی تک سرایت کر جائے۔ ؔ جائفہ وہ زخم ہے جو اندرونی جھلی تک سرایت کر جائے۔

ہے اور اس میں ثلث دیت ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ کسی شخص نے ایک عورت سے جبراً وطی کر لی۔ حضرت عمرؓ نے اُسے حد کے کوڑے لگائے اور ثلث دیت لازم کی۔ (۱)

ہڈی توڑنے کے بارے میں خواہ عمداً ہو یا خطاً حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ ثالثی ہوگی (یعنی دو عادل افراد اس کے مالی معاوضہ کا فیصلہ کریں گے) کیونکہ ہڈیوں میں قصاص نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم ہڈیوں پر قصاص نہیں لیتے (۲) ایک شخص نے کسی کی ران کی ہڈی توڑ دی۔ حضرت عمرؓ کے پاس یہ مقدمہ آیا اور اُس شخص نے قصاص کا مطالبہ کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے لیے قصاص نہیں ہے بلکہ دیت ہے۔ (۳)

حضرت عمرؓ نے پسلی کی ہڈی پر اور ہنسلی کی ہڈی پر ایک ایک اُونٹ دیت کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اسلم مولی عمر بن الخطاب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو بر سر منبر بیان کرتے ہوئے سنا کہ پسلی کی ہڈی پر ایک اُونٹ ہے اور ہنسلی کی ہڈی پر بھی ایک اُونٹ ہے۔ (۴)

اس کے علاوہ کوئی دوسری ہڈی اگر ٹوٹ کر پہلے کی طرح جُڑ جائے تو اس میں حضرت عمرؓ نے دو اُونٹ دیت کا فیصلہ دیا ہے اور چونکہ اس زمانے میں اُونٹ (حقہ) کی قیمت دس دینار تھی تو اس میں کل بیس دینار یا دو سو درہم لازم آتے تھے اور یہ سب فیصلے خود حضرت عمرؓ نے کیے تھے۔ چنانچہ عبدالرزاق اور دوسرے مصنفین نے روایت کیا ہے کہ ایک غلام نے کسی شخص کی ناک کا بانسہ توڑ دیا۔ یہ مقدمہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے ایک فرمان میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جو ہڈی ٹوٹ کر اُسی طرح جُڑ جائے اُس کی دیت دو حقہ اُونٹ ہیں۔ (۱) حضرت عمرؓ نے اُس شخص کے بارے میں جس کا ہاتھ یا پاؤں یا ران کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور پھر جُڑ گئی تھی، دو حقہ اُونٹ دیت ادا کرنے کا فیصلہ دیا تھا۔ (۲)

حضرت عمرؓ نے طائف پر اپنے عامل سفیان بن عبداللہ کو لکھا کہ ہاتھ کا ایک گٹا اگر ٹوٹ کر بے عیب جُڑ جائے تو اُس کی دیت دو سو درہم ہے (۳) اور ایک روایت میں ہے کہ پانچ اوقیہ چاندی ہے۔ (۴) اور فرمایا کہ اگر کلائی یا بازو کی ہڈی ٹوٹ جائے تو اس کی دیت بیس دینار یا دو حقہ ہیں۔ (۵) بہرحال اس سلسلہ میں ہڈی کا لحاظ رکھا جائے گا، اعضاء کا نہیں، چنانچہ اگر ایک ایسا عضو ٹوٹ گیا جس میں دو ہڈیاں ہوں تو اس کی دیت چار حقہ اُونٹ ہوں گے۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر آپ سے ہاتھ کا ایک گٹا ٹوٹ جانے کے بارے میں استفسار کیا تو حضرت عمرؓ نے جواباً تحریر کیا کہ اس میں دو اُونٹ ہیں اور اگر دونوں گٹے ٹوٹ جائیں تو چار اُونٹ لازم آئیں گے۔ (۶)

اور بیہقی نے جو اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کی پنڈلی توڑ دی تو حضرت عمرؓ نے اس میں آٹھ اُونٹ دیت ادا کرنے کا حکم دیا۔ (۷) تو اس روایت

---

(۱) عبدالرزاق ۹/۳۷۸، المحلی ۱۰/۴۵۵، ۵۱۷، المغنی ۸/۵۱ (۲) خراج ابی یوسف ۱۸۸ (۳) سنن البیہقی ۸/۹۵ (۴) الموطا ۲/۸۶۱، المحلی ۱۰/۴۵۲، عبدالرزاق ۹/۳۶۷، المغنی ۸/۵۳

(۱) عبدالرزاق ۹/۳۴۰، المحلی ۱۰/۴۳۱ (۲) المحلی ۱۰/۴۵۷، ۴۰۴، عبدالرزاق ۹/۳۸۹ (۳) عبدالرزاق ۹/۳۹۰ (۴) المحلی ۱۰/۴۳۹ (۵) البیہقی ۸/۹۹ (۶) المغنی ۸/۵۲ (۷) البیہقی ۸/۹۹

کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس شخص کی ہڈی پوری طرح نہیں جُڑی ہوگی بلکہ اس کی پنڈلی میں عیب پیدا ہو گیا ہوگا۔ اس لیے آپ نے مناسب خیال کیا کہ اس میں تاوان زیادہ ڈالا جائے ۔

۵۔ دیت میں اضافہ ؛

(الف) جنایت خطا میں دیت میں اضافہ درج ذیل حالات میں ہوتا ہے۔

جنایت حرم میں یا حرمت والے مہینوں میں کی گئی ہو یا مجنی علیہ حالت احرام میں ہو۔ چنانچہ مجاہد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ جو شخص حرمت والے مہینے میں یا حرم میں یا احرام کی حالت میں قتل کیا گیا ہو، اُس کی دیت پُوری دیت پہ ایک ثلث زائد ادا کی جائے ۔ (۱)

یعنی اگر کوئی شخص کسی کو حرم میں اور حرمت والے مہینہ میں قتل کر دے تو اس پر دیت میں اضافہ کر دیا جائے گا اور ایک تہائی دیت حرمت والے مہینے کی حرمت پامال کرنے پر اور ایک تہائی دیت حرم میں قتل کرنے کی بنا پر ادا کرنا لازم آئے گی اور اس طرح کل دیت بیس ہزار درہم ہوگی(۲) کیونکہ حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ اندازے کے مطابق اصل دیت بارہ ہزار درہم تھی ۔

کسی محرم رشتہ دار کو قتل کر دینے پر دیت کے بارے میں حضرت عمرؓ سے کوئی نص منقول نہیں ہے ۔ الا یہ کہ ہم بھی فقہا کی مانند یہ قیاس کریں(۳) کہ قتادۃ المدلجی نے جو اپنے بیٹے کو خطأً قتل کر دیا تھا جب اس نے تلوار پھینک کر ماری تھی جو بیٹے کو جا لگی تو حضرت عمرؓ نے اس کی دیت میں اضافہ کر دیا تھا، یعنی خطا کی دیت کو شبہ عمد کی دیت میں تبدیل کر دیا۔

لیکن میری رائے یہ ہے کہ مدلجی نے جو تلوار پھینک کر اپنے بیٹے کو قتل کیا تھا وہ قتل عمد تھا۔ کیونکہ اس واردات میں ارادۂ قتل اور اسی مقتول کو قتل کرنے کا ارادہ اور آلۂ قتل تینوں موجود ہیں لیکن حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے قصاص ساقط کر دیا کہ باپ کو بیٹے کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اور اسی لیے اس پر دیت عمد جو کہ دیت مغلظ ہے عاید کی۔

(ب) دیت میں اضافے کی خاطر مرتکب جنایت کے لیے شرط ۔

حرم میں اور حرمت والے مہینے میں قتل کرنے کی صورت میں یہ شرط ہے کہ قاتل اہلِ مدن (شہر) میں سے نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ شہر والوں پر دیت میں تغلیظ (اضافہ) نہیں کیا جائے گا۔ نہ حرمت والے مہینے میں اور نہ حرم میں ۔ (۱) اس کا مطلب یہ ہوا کہ دیت کی تغلیظ صرف دیہاتیوں پر ہے اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ شہر والوں کو دیت سونے چاندی کی صورت میں ادا کرنا لازم ہے اور یہ چیز حضرت عمرؓ کے خیال میں خود ایک قسم کی تغلیظ ہے ۔

(ج) اضافہ کی مقدار

تغلیظ کا سبب اسباب مذکورہ بالا میں سے خواہ کوئی ہو، تغلیظ کی مقدار ثلث دیت ہے ۔

۶۔ کس دیت کو قسطوں میں ادا کیا جا سکتا ہے ۔

دیت جنایت عمد مجرم کے مال پر فی الفور واجب الادا ہے اور اس میں قسط نہیں ہے جب کہ شبہ عمد خطأ اور ایسی جنایت میں جو خطا کے قائم مقام ہو، دیت تین سال میں بالاقساط

(۱) عبدالرزاق ۹/ ۳۰۱ ، البیہقی ۸/ ۷۱
(۲) البیہقی ۸/ ۷۷ (۳) المغنی ۷/ [illegible]

(۱) عبدالرزاق ۹/۲۹۵، ۳۰۱، ۱۰/۲۴۵ (۲) عبدالرزاق ۱۰/۲۴۵

واجب الادا ہوگی (۱) بشرطیکہ پوری دیت ادا کرنا لازم ہو۔ لیکن اگر دیت دو ثلث یا نصف لازم ہو تو اس کی ادائیگی دو سال میں ہوگی۔ اور اگر دیت ایک تہائی یا اس سے کم لازم ہو تو اس کی ادائیگی فوراً یعنی ایک ہی سال میں لازم ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے پوری دیت تین سال میں، نصف دو سال میں اور نصف سے کم دیت ایک سال میں وصول کی اور دو ثلث دیت دو سال میں وصول کی۔ (۲)

۷۔ دیت کی ادائیگی کس کے ذمہ ہے؟

دیت کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: وہ دیت ہے جو مجرم اپنے ذاتی مال میں سے خود ادا کرتا ہے اور عاقلہ بقدر سہولت اس کے ساتھ تعاون کرتی ہے، لیکن یہ تعاون بھی اس پر واجب نہیں ہے، اور یہ دیت مندرجہ ذیل صورتوں میں ہے۔ جنایت عمد میں اور غلام پر جنایت کرنے کی صورت میں، اور قصاص کی صورت میں مال دے کر صلح کرنے میں اور ایسی جنایت میں جو جانی کے اقرار سے ثابت ہو اور قتل سے کم تر درجہ کی جنایت میں جس کی دیت ثلث دیت تک نہ پہنچی ہو۔

جنایت عمد میں دیت کی ادائیگی جانی کے مال سے بطور تادیب و سرزنش ضروری قرار دی گئی ہے۔

اور غلام پر جنایت کا ارتکاب دراصل مال کے اتلاف کے قائم مقام ہے اور رشتہ داروں پر اشیا کے اتلاف کا ضمان نہیں ڈالا جاتا۔

باقی رہ گئی قتل سے کم تر درجہ کی جنایت جس کی دیت ثلث دیت تک نہ پہنچے۔ اس کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ ہے کہ جب تک دیت کی مقدار ماموٗمہ[1] تک نہ پہنچے اس کی عاقلہ برداشت نہیں کرے گی۔ (۱)

اگرچہ مندرجہ بالا دیتوں میں عاقلہ پر یہ ضروری نہیں کہ وہ دیت کا کوئی حصہ برداشت کریں لیکن اُن کے لیے مناسب یہی ہے کہ تبرعاً دیت کی ادائیگی میں مجرم کی مالی مدد کریں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عاقلہ کے لیے زیبا نہیں ہے کہ اس مصیبت کے موقعہ پر مجرم کو شرمندگی سے دوچار ہونے دیں۔ (۲)

دوسری قسم:

وہ دیتیں ہیں جن کا برداشت کرنا عاقلہ پر فرض ہیں۔ اور وہ یہ ہیں شبہ عمد کی دیت، خطاء کی دیت، قائم مقام خطاء کی دیت اور قتل سے کم تر درجہ کی ایسی جنایتیں جنکی دیت ثلث دیت تک پہنچ جائے۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ سے ایسے شخص کے بارے میں خط لکھ کر دریافت کیا جو مر جائے اور اُس کا نہ کوئی ذی رحم رشتہ دار زندہ ہو، نہ کوئی مولیٰ ہو اور نہ عصبہ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے جواباً تحریر کیا کہ اگر ذی رحم رشتہ دار موجود ہوں تو وہ وارث ہوں گے ورنہ پھر مولیٰ اور پھر بیت المال۔ یہی اس کے وارث بنیں گے اور یہی اس کی دیت ادا کریں گے۔(۳)

۸۔ کفارہ۔

(الف) جنایت علی النفس یعنی قتل کا کفارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے اور اگر غلام میسر نہ ہو تو دو مہینوں کے متواتر روزے رکھے۔

---

(۱) المغنی ۷/۷۶۷۔ بدائع الصنائع ۴/۲۵۷

(۲) عبدالرزاق ۹/۴۲۰، البیہقی ۸/۱۰۹

(۱) المغنی ۷/۷۷۷۔ (۲) عبدالرزاق ۹/۴۰۹، ۴۰۸، ۹/۴۱۹م المحلی ۹/۴۹۰ (۳) المحلی ۱۱/۶۳

[1] ماموٗمہ سے مراد ثلث دیت ہے۔

کیونکہ فرمان الٰہی ہے ۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (النساء ۹۲)

"کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسرے مومن کو قتل کرے۔ الا یہ کہ اس سے چوک ہو جائے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کر دے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے الا یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں لیکن اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہو تو اس کا کفارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔ اور اگر وہ کسی ایسی غیر مسلم قوم کا فرد تھا، جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اُس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہو گا ۔ پھر جو غلام نہ پائے وہ پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے ۔ یہ اس گناہ پر اللہ سے توبہ کرنے کا طریقہ ہے اور اللہ علیم و دانا ہے۔"

(ب) اس آیت قرآنی سے معلوم ہوا کہ قتل خطا میں کفارہ لازم ہے اور قتل عمد کے بارے میں ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت عمرؓ روایت کیا ہے کہ دو اشخاص نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان دونوں پر ایک ہی کفارہ ہے[1]۔

(ج) ایسی جنایت پر بھی کفارہ لازم ہے جس کے نتیجہ میں جنین ساقط ہو گیا ہو۔ (د ۱ اجہاض ۳ ب)

جنون

۱۔ **تعریف:**

کسی بیماری کی وجہ سے عقل کا بالکل جاتے رہنا جنون کہلاتا ہے۔

۲۔ **نتائج:**

جنون کی وجہ سے مجنون پر سے شرعی ذمہ داریاں جن کا تعلق بدن سے ہے ساقط ہو جاتی ہیں ۔ جیسے نماز، حج اور روزہ ہے۔ تمام جسمانی سزائیں بھی ساقط ہو جاتی ہیں ۔

(د ۱ جنایت/۲ ب ۲ و) و (د ۱ صلاۃ/۱ ج)

عقود (معاہدات) بالکل باطل قرار پاتے ہیں ، خواہ وہ عقود معاوضہ ہوں (د ۱ بیع/۳/۲ و ۱ ۔ اجارہ ۲ و ۱) یا عقود تبرع جیسے ہبہ اور صدقہ ۔

چونکہ جنون سے عقود باطل قرار پاتے ہیں، اس لیے عقود کا فسخ (کالعدم کرنا) بھی باطل قرار پائے گا ۔ طلاق، اقالہ وغیرہ۔ (د ۱ طلاق ۴ ب ۔ ۴ و ۲ ۱)

شوہر کے جنون سے بیوی کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق مل جائے گا ۔ (د ۱ طلاق ۱۱ د)

البتہ مالی ذمہ داریوں پر جنون کا کوئی اثر نہیں پڑے گا خواہ وہ اللہ سبحانہ کی طرف سے عاید کردہ ذمہ داریاں ہوں، مثلاً زکوۃ۔ (د ۱ ۳/ ج)

جزیہ (د ۱ جزیہ ۳ ب ۳) اور بیوی و رشتہ داروں کا نفقہ وغیرہ یا یہ مالی ذمہ داری اس نقصان کا ازالہ کرنے کے لیے عاید ہوتی ہو جو مجنون نے کیا ہو مثلاً جنایات کی دیت ۔

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۶۰

(۱: جنایت/ ۵ ب ۱) اور تلف کردہ اشیا کا تاوان ۔ (۱: ضمان)

جنین :

ماں کے پیٹ کے بچہ پر کی گئی جنایت (۱: اجہاض)

جنین کی میراث ۔ (۱: ارث/ ۲ و ۲)

ماں کو ذبح کرنے سے پیٹ کا بچہ بھی ذبح ہو جاتا ہے ۔ (۱: ذبح/ ۵)

جہاد :

جہاد کے بارے میں گفتگو مندرجہ ذیل موضوعات پر ہوگی ۔

(۱) جہاد کا حکم (۲) جہاد کا مقصد

(۳) جہاد کی تیاری (۴) جہاد کے لیے والدین کی اجازت

(۵) اسلام کی دعوت دینا (۶) انذار حربی (جنگ کی دھمکی دینا)

(۷) جنگ اور اس سے متعلق بعض احکام (۸) غنیمتیں اور قیدی

(۱) جہاد کا حکم :

مسلمانوں پر جہاد فرض ہے اور جہاد سے پیچھے رہنا اور گریز کرنا مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے ۔

إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۔ (التوبہ: ۳۹)

"اگر تم نہ نکلو گے تو خدا تمہیں دردناک عذاب دے گا۔"

اسی طرح فرضیت جہاد کے بارے میں احادیث بھی مروی ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا:

"فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے البتہ جہاد اور نیت ہے۔ اس لیے جب تمہیں جہاد کے لیے روانگی کا حکم ملے تو روانہ ہو جاؤ۔ (۱)

اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم پر تین سفر فرض ہیں۔ حج و عمرہ کا سفر۔ جہاد فی سبیل اللہ کا سفر اور اپنے مال کو بڑھانے کے لیے سفر۔ (۱)

اور حضرت عمرؓ نے جہاد کی فضیلت بیان کرتے ہوتے فرمایا: اگر میں راہ خدا میں جہاد نہ کر سکوں یا اپنی پیشانی اللہ کے حضور زمین پر نہ رکھ سکوں یا ایسے لوگوں کی صحبت اختیار نہ کر سکوں جو اچھی اچھی باتیں اس طرح چن رہے ہوں جیسے عمدہ پھل چنا جاتا ہے تو میں پسند کروں گا کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملوں یعنی مر جاؤں ۔ (۲)

حضرت عمرؓ نے فتوحات کا دائرہ وسیع کیا اور جہاد کی طرف بہت توجہ دی، چنانچہ ایک سال میں چالیس ہزار اونٹ مجاہدین کی سواری کے لیے مہیا کیا کرتے تھے اور صورتِ حال یہ تھی کہ کسی اونٹ پر ایک مجاہد کو شام بھیج رہے ہیں تو کسی اونٹ پر دو مجاہدوں کو عراق روانہ کر رہے ہیں ۔ (۳)

(۲) مقصدِ جہاد :

جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ اور بلاد مفتوحہ کے لوگوں میں حق و عدل پھیلانا ہے اور زیادہ جامع الفاظ میں مقصدِ جہاد یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو ظلم و ستم کے اندھیروں اور فکر و عمل کی گمراہیوں سے نجات دلائی جائے ۔ اگر جہاد کا یہ مقصد باقی نہ رہے بلکہ اس کی جگہ ایسی جنگ لے لے جس کا مقصد لوٹ مار، خونریزی اور لوگوں کے جان و مال پر دست درازی کرنا اور قوموں کو محکوم بنانا ہو تو مسلمان کے لیے ایسی جنگ میں شرکت نہ کرنا جائز ہے ۔ نیز مسلمان کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں

(۱) البخاری، الجہاد ۔ مسلم، الامارۃ ۔ الترمذی، السیر ۔ ابوداؤد، الجہاد ، النسائی ، الجہاد ۔

(۱) مصنف عبدالرزاق ۵/ ۱۷۲ ۔ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۶۲ (۳) المؤطا ۲/ ۲۶۴ ۔

سے خطرہ دُور کرنے اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے تیار اور چوکس رہے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اُوپر جہاد فرض ہے جب تک کہ جہاد شیریں اور تروتازہ رہے۔ جب وہ خشک گھاس پھوس بن جائے یعنی ایسی صورت ہوجائے کہ لوگ حقیقی جہاد سے کترانے لگیں، غنیمتیں کھائی جانے لگیں اور حرمتیں پامال ہونے لگیں تو تمہارے اُوپر لازم ہے کہ تم سرحدوں پر چوکس اور تیار رہو، یہی تمہارا بہترین جہاد ہے۔ (۱)

(۳) جہاد کی تیاری :

جہاد کی تیاری کی تین اقسام ہیں۔ معنوی یعنی ذہنی تیاری، مادی تیاری اور افرادی تیاری۔ اور یہ تمام اقسام قرآن کریم کی اس آیت میں مذکور ہیں۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (الانفال : ٦٠)

"اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کر دو۔"

(الف) معنوی تیاری :

معنوی تیاری سے مراد یہ ہے کہ ان اُصولوں پر ایمان لایا جائے جن کی خاطر مسلمان جہاد کرتا ہے۔ اور یہ وہ اصول ہیں جو اسلام نے پُوری طرح پیش کر دیے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ ان پر پُوری طرح کاربند رہے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے امیرانِ لشکر کی اصلی ذمہ داری یہ قرار دی کہ وہ لوگوں کو اُن کے دین کے امور کی تعلیم دیں۔ (دا امارہ : ۵)

اور معنوی تیاری میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اسلامی حکومت کے زیرِ سایہ مسلمان کو کامل شرف و احترام کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی سہولت میسّر ہو۔ دراصل یہی وہ چیز ہے جو مسلمان کو حکومت اسلامی کے ارکان کو مضبوط بنانے اور اس کی خیر و برکت کو پُوری دنیا میں پھیلانے کے لیے سرگرم عمل بنائے گی اور وہ آمادۂ قتال ہوگا۔ (دا امارہ/۵ دھ)

اسی طرح معنوی تیاری میں یہ امر بھی شامل ہے کہ مسلمان معاصی سے اجتناب کرے۔ جیسا کہ جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد : ۷)

"اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔"

گویا اللہ کی مدد کرنا یہی ہے کہ اللہ کے احکام پر عمل کیا جائے اور معصیت سے بچا جائے۔

(ب) مادی تیاری :

اس تیاری میں ہر طرح کا جنگی ساز و سامان یعنی ہتھیار وغیرہ مہیا کرنا آجاتا ہے۔ حضرت عمرؓ اس تیاری کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ہر سال چالیس ہزار اُونٹ سپاہیوں کی سواری کے لیے مہیا کیا کرتے تھے اور یہ اُونٹ گھوڑوں اور خچروں کے علاوہ ہوتے تھے۔

حضرت عمرؓ جنگی ساز و سامان احتیاطاً بھی جمع کرتے تھے، چنانچہ کسی وقت اچانک ضرورت پیش آجانے کے خیال سے مسلمانوں کے زائد مال سے ہر شہر میں گھوڑے تیار رکھتے تھے۔ چنانچہ کوفہ میں چار ہزار گھوڑے تھے جو سردیاں قصر کوفہ میں گزارتے

(۱) عبدالرزاق ۵/ ۲۸۲

اور بہار میں کوفہ اور فرات کے درمیان عاقول کے قریب رہتے۔ اُن کی نگرانی سلیمان بن ربیعۃ الباہلی کے سپرد تھی اور اُن کے ساتھ کوفہ کے لوگوں کی ایک جماعت تھی جو اُن گھوڑوں کو روزانہ دوڑایا بھی کرتی تھی۔ بصرہ میں بھی اسی تعداد میں گھوڑے تھے اور اُن کے نگران جزء بن معاویہ تھے۔ الغرض ہر شہر میں حسبِ ضرورت گھوڑے رکھتے تھے۔ (۱)

اور یہ چیز بھی مادی تیاری میں داخل ہے کہ اقتصادی نظام اس قدر مضبوط ہو جس سے جہاد کے مالی اخراجات پورے ہو سکیں۔ حضرت عمرؓ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ بات کہ میں اپنی سواری پر سوار اللہ کے فضل کی تلاش میں زمین کے مختلف حصوں میں پھرتا ہوا مر جاؤں، مجھے اس سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ میں جہاد فی سبیل اللہ میں مارا جاؤں"(۲)

ج۔ افرادی قوت مہیا کرنا:

حضرت عمرؓ اتنی تعداد میں مجاہدین تیار کرتے جو جہاد کے لیے کافی ہوں اور اس امر میں کوشاں رہتے کہ مجاہدین کی تعداد کم نہ ہونے پائے۔ اسی لیے آپ نے سوادِ عراق کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم کرنے سے انکار کیا تھا کہ کہیں مجاہدین زرخیز زمینوں اور عمدہ پیداوار میں مشغول ہو جائیں اور جہاد ترک کر دیں۔

اور اگر مسلمانوں کی قوت کم ہو تو منافقین سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم منافق کی قوت سے مدد لیں گے اور اس کا گناہ اسی پر ہوگا (۳)

حضرت عمرؓ نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ لشکر کے لیے سپاہیوں کی ضروری تعداد کا اہتمام کیا بلکہ سپاہیوں کی صلاحیتوں کے لحاظ سے اُن کی درجہ بندی کا بھی پورا پورا خیال رکھا، کیونکہ یہ امر لازمی ہے کہ مسلم سپاہی اپنی تربیت کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ درجہ پر ہو، اسی لیے حضرت عمرؓ نے انہیں حکم دیا کہ سورج اور دھوپ میں رہیں، جفاکشی کی عادت ڈالیں اور سختیاں برداشت کرنے کے خوگر بنیں۔ چنانچہ ابو عثمان نہدی سے مروی ہے کہ ہم آذربائیجان میں عتبہ بن فرقد کی زیرِ قیادت تھے کہ حضرت عمرؓ کا فرمان آیا کہ ازار باندھو، جوتے پہنو اور چادریں اوڑھو اور موزے اور شلواریں ترک کر دو۔ اپنے باپ اسماعیل کا لباس اختیار کرو اور عیش و ترف سے احتراز کرو اور عجمی لباس نہ پہنو اور دھوپ میں کھڑے رہا کرو۔ یہ عربوں کا حمام ہے۔ معدے کو سخت بناؤ۔ جفاکش اور مضبوط بنو، گھوڑے دوڑاؤ اور نیزہ بازی کرو اور ہدف سے تیر اُٹھانے کے لیے چل کر جاؤ۔ (۱)

اور یہ بھی فرمایا کہ دشمن کی سرزمین میں ناخن بڑھا لو کہ یہ بھی ایک ہتھیار ہے۔ (۲)

حضرت عمرؓ لشکر میں غیر شادی مجاہدین کو شادی شدہ پر افسر مقرر کرتے تھے، چنانچہ ابن سعد نے ابو عثمان نہدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ جہاد پر جانے والوں میں غیر شادی شدہ افراد کو شادی شدہ افراد پر ترجیح دیتے تھے۔ اسی طرح گھوڑ سواروں کو پیادہ فوجیوں پر ترجیح دیتے تھے (۳)

شادی شدہ افراد جہاد کے لیے تنہا جاتے تھے۔ بیوی اور بچوں کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ حضرت عبداللہ بن کعب سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ مجاہدین کے درمیان

---

(۱) الترتیب الاداریہ ۱/۳۲۲ (۲) المبسوط ۲۴۵/۳۰
(۲) کنز العمال ۱۱۷۷۵۔

(۱) البیہقی ۱۰/۱۴، مسند الامام احمد ۱/۱۶، صحیح مسلم، کتاب اللباس
(۲) المغنی ۸/۳۵۳ (۳) کنز العمال ۱۱۴۱۸

ترتیب ملحوظ رکھتے تھے کہ جو مجاہد ایک غزوہ میں شریک ہوتا، اُسے دوسرے غزوہ میں شریک نہ کرتے اور بال بچوں کو سرحد پر لے جانے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ (۱)

غازیوں کو آگے کرنے اور پیچھے بھیجنے کا یہ عمل اس لیے جاری رکھتے تھے تاکہ وہ قدرے آرام کرلیں۔ یہ اسی طرح کا طریقِ کار ہے جس طرح آج کل جنگ میں شریک کمپنیاں تبدیل کی جاتی ہیں اور مجاہدین کو بیوی بچے ساتھ لے جانے سے اس لئے منع کیا کرتے تھے کہ وہ جنگ میں بچوں اور اُن کی دیکھ بھال اور اُن کی ضروریاتِ زندگی میں ہی نہ لگے رہیں اور اُن کا تمام وقت دُشمن کے مقابلہ پر صرف ہو۔ نیز یہ کہ بیوی بچے ساتھ ہونے کی صورت میں اُن کے قید ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے۔

۴۔ چونکہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ اس لیے جس صورت میں دُشمن نے مسلمانوں کے ملک پر حملہ نہ کیا ہو اور مسلمان مدافعانہ جنگ نہ لڑ رہے ہوں۔ مجاہد کے لیے اپنے مسلمان والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے جانا جائز نہیں ہے۔ (۲)

حضرت عمرؓ نے راستہ ہی میں سے اس شخص کو واپس کر دیا جو والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے روانہ ہو رہا تھا اور اُس کے باپ نے کچھ اشعار کہے تھے جو حضرت عمرؓ تک پہنچ گئے۔ وہ اشعار یہ تھے:

"تم اپنے ماں باپ کو اس حال میں چھوڑے جا رہے ہو کہ باپ کے ہاتھ کپکپاتے ہیں اور ماں کے حلق سے پانی نہیں اُترتا۔ کیا ہم تمہیں گھر بار چھوڑ کر گود میں اُٹھا کر اس لیے لائے تھے کہ تم ہمیں یُوں تنہا چھوڑ جاؤ"۔

(۱) کنز العمال ۱۱۴۱۹ (۲) المغنی ۳۵۸/۸
(۳) عبدالرزاق ۱۳۴/۱

۵۔ آغازِ جنگ سے پہلے دُشمن کو اسلام کی دعوت:

لشکر اسلامی کے قائد کا یہ فرض ہے جس دُشمن سے جنگ کا ارادہ ہو اُسے تین دن تک دعوتِ اسلام دے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی اسلام قبول کر لے اور اس طرح اُس کی جان محفوظ ہو جائے اور وہ مسلمانوں کا مددگار بن جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ میں تمہیں لکھ چکا ہوں کہ دشمنوں کو تین دن تک دعوتِ اسلام دو، اگر وہ آغازِ جنگ سے پہلے اسلام قبول کرلیں تو وہ مسلمانوں ہی میں سے ہیں۔ اُن کے لیے وہی کچھ ہے جو مسلمانوں کے لیے ہے اور اُنہیں غنیمت کا وہ حصہ ملے گا جو اسلام میں مقرر ہے۔ اور جو شخص جنگ کے بعد اور شکست کے بعد اسلام قبول کرے گا تو اس کا مال مسلمانوں کے لیے فئے ہوگا، کیونکہ اُنہوں نے یہ مال اسلام قبول کرنے سے پہلے حاصل کیا تھا۔ (۱)

۶۔ جنگ کا چیلنج:

اسلامی لشکر کے قائد کا یہ فرض ہے کہ جن کافروں سے جنگ کا ارادہ ہو اُن کی طرف جنگ کا چیلنج ارسال کر دے جو تین شقوں پر مشتمل ہو۔

۱۔ یہ کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔
۲۔ اگر اسلام قبول نہ کریں تو اسلامی جھنڈے کے زیرِ سایہ زندگی گزاریں اور اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے جزیہ ادا کریں۔
۳۔ اور اگر یہ بھی قابلِ قبول نہ ہو تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔

حضرت عمرؓ نے سلمہ بن قیس سے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ اور اللہ کا انکار کرنے والوں سے اللہ کے راستے میں

(۱) الاموال ۱۳۶ ۔ خراج ابی یوسف ۲۸

جہاد کرو اور جب تمہارا اپنے دشمنوں سے مقابلہ ہو تو اُنہیں تین باتوں کی دعوت دو، اُنہیں اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کرلیں لیکن اپنے ہی علاقہ میں رہنا پسند کریں تو اُن کے مال پر زکوٰۃ ہے اور اُنہیں مسلمانوں کے فئے میں سے حصّہ نہیں ملے گا۔ اور اگر وہ مجاہدین کے ساتھ مل جائیں تو اُن کو مسلمانوں کی طرح حصّہ ملے گا اور مسلمانوں کی طرح ان پر تمام ذمّہ داریاں عاید ہوں گی اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کردیں تو اُنہیں جزیہ قبول کرنے کی دعوت دو۔ اگر وہ جزیہ دینا قبول کرلیں تو اُن کے دشمن سے تم لڑو۔ اُن کی حفاظت کرو اور اُنہیں خراج ادا کرنے کے لیے فارغ کردو اور اُن پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ اگر جزیہ دینے سے بھی انکار کریں تو اُن سے جنگ کرو۔ اللہ تمہیں اُن پر نصرت عطا کرنے والا ہے۔ اگر وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہیں۔ اور تم سے کہیں کہ اللہ کے اور رسولؐ کے حکم پر جنگ بند کرتے ہیں تو تم اللہ اور رسول کے حکم پر اُن سے جنگ بند نہ کرو کہ تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ اور رسولؐ کا حکم کیا ہے۔ اور اگر وہ تم سے کہیں کہ اللہ اور رسولؐ کے ذمّہ پر اُن سے جنگ بندی کرلو یعنی امان دے دو تو تم اُنہیں اللہ اور رسولؐ کا ذمّہ نہ دو بلکہ اپنی ذمّہ داری پر امان دو اور اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم نہ بد عہدی کرو نہ خیانت کرو، نہ مُثلہ کرو اور نہ کسی بچہ کو قتل کرو۔ (۱)

اس تحریر سے معلوم ہوا کہ جنگ کا چیلنج ارسال کرنے کے بعد دشمن کو تین باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہوگا۔

اگر اسلام قبول کرلیں اور مسلمانوں کے ساتھ آکر مل جائیں تو حقوق و فرائض میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جائیں گے اور اگر اسلام قبول کرلیں لیکن اپنے گھر چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ آکر نہ ملیں تو زکوٰۃ ادا کریں گے اور مسلمانوں کے فئے میں سے اُنہیں حصّہ نہیں ملے گا کیونکہ یہ وظائف اسلامی ریاست کے شہریوں کے لیے مخصوص ہیں۔

اگر اسلام قبول نہ کریں اور جزیہ دینا قبول کرلیں تو اُنہیں اہل صُلح کہا جائے گا کیونکہ اُنہوں نے ہم سے جنگ کے بجائے صُلح کرلی ہے۔

(د: ذمہ ۲ و)

اور اگر جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو پھر اُن سے جنگ کی جائے گی۔

۷۔ جنگ اور جنگ سے متعلق بعض احکام:

(الف) مبارزت:

بالعموم جنگ کا آغاز مبارزت سے ہوتا ہے۔ پھر وسیع پیمانے پر جنگ شروع ہوتی ہے اور دونوں فوجیں ٹکرا جاتی ہیں۔ جنگ میں مدِمقابل کو چیلنج کرنا جائز ہے۔ چنانچہ براء بن مالک نے مرزبان سے مقابلہ کیا اور اُسے قتل کرکے اُس کا سَلب لے لیا۔ حضرت عمرؓ نے اس مبارزت کی توثیق کی لیکن حضرت عمرؓ کے خیال میں وہ مال و متاع جو حضرت براء کو مقتول سے ملا تھا زیادہ تھا، لہٰذا آپ نے اس میں سے خمس لے کر بیت المال میں جمع کردیا۔

(ب) صبر و برداشت اور دوسروں کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کرنا:

اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے پر لازم ہے کہ صبر و برداشت سے کام لیتے ہوئے دشمن پر غالب آنے کا عزمِ صمیم کرے، کیونکہ نصرت الٰہی صابرین ہی کے لیے ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بھی ہمیشہ صبر کی تلقین فرماتے رہتے تھے۔ ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ روم کا لشکر بہت زیادہ ہے اور مجاہدین کے دلوں میں اس کا ڈر موجود ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے تحریر کیا کہ مسلمان پر جب کسی طرف سے سختی آتی ہے تو اللہ اُس کے

(۱) خراج ابی یوسف ۲۳۰۔

(۱) عبدالرزاق ۲۳۳/۵، الاموال ۳۱۰، المغنی ۳۹۱/۸

بعد ضرور آسانی کی صورت پیدا فرماتا ہے اور ایک عُسر دو یُسروں پر غالب نہیں آسکتا[۱]۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۲)

(آل عمران: ۲۰۰)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ، حق کی سربلندی کے لیے کمربستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ امید ہے کہ فلاح پاؤ گے" (۲)

(ج) جہاد سے فرار:

جب میدانِ جنگ میں صبر کرنے اور سختی برداشت کرنے کو فرض قرار دیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ دشمن کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کرنا خود حرام ہو جاتا، چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (الانفال: ۱۵-۱۶)

"ایمان لانے والو! جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دوچار ہو تو اُن کے مقابلہ میں پیٹھ نہ پھیرو۔ جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری الا یہ کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لیے۔ تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا، اُس کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا اور وہ بہت بُری جائے بازگشت ہے۔"

اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب دشمن سے آمنا سامنا ہو تو فرار نہ اختیار کرو (۱) اور اپنے عامل کو لکھا کہ تین باتیں کبیرہ گناہ ہیں۔ بلاعذر رجوع بین الصلوتین، جنگ سے فرار اور لوٹ مار(۲)

(د) مجاہدین کی جماعت کے ساتھ جا ملنے کے لیے میدان سے ہٹنا:

میدانِ جنگ سے بھاگنے اور کسی بڑی جماعت میں جا ملنے کیلئے اپنے موجودہ مقام سے پسپا ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے، کیونکہ میدان سے بھاگنے کے معنی ہیں دشمن سے ڈر کر لڑائی سے گریز کرنا جب کہ مورچہ بدلنے کے لیے پیچھے ہٹنے کے معنی ہیں دشمن سے لڑنے کے لیے میدان میں ڈٹ جانا۔ لہٰذا جب مجاہد میدان جنگ میں لڑتے ہوئے یہ محسوس کرے کہ اس کی موجودہ پوزیشن جنگی نقطۂ نظر سے موزوں نہیں ہے تو وہ دشمن کے مقابلہ سے ہٹ کر مجاہدین کی جماعت کی طرف لوٹ آئے تاکہ تیاری کر کے مضبوطی اور قوت کے ساتھ دوبارہ دشمن پر حملہ آور ہو سکے اور یہ جگہ بدلنا جائز ہے بلکہ اگر قائد لشکر اپنے مجاہدوں کی پوری جماعت کے ساتھ پلٹ آئے تاکہ اسے اتنی مہلت مل جائے کہ اُس کے پاس مدد آ جائے یا دوبارہ از سر نو تیاری کر لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے؛ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ابو عبید ثقفی کو امیر لشکر بنایا۔ جب وہ میدانِ جنگ میں اُتر گئے تو انہیں احساس ہوا کہ دشمن کی قوت زیادہ ہے اور انہوں نے سوچا کہ اگر وہ میدان سے پیچھے ہٹے تو یہ جہاد سے

---

(۱) الموطا ۲/۴۴۹ لے سورۂ انشراح میں ہے إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۔ یہ العسر دونوں جگہ معرفہ ہے جس سے دونوں جگہ ایک ہی عُسر مراد ہے۔ لیکن یسر نکرہ ہے اور ہر جگہ غیر متعین یُسر مراد ہے۔ لہٰذا عُسر ایک ہوا اور یُسر دو۔ یعنی قانون یہ ہے کہ ایک عُسر کے بدلے میں دو یُسر حاصل ہوتے ہیں لہٰذا عُسر کتنا ہی شدید ہو دو یُسروں پر غالب نہیں آسکتا۔ شبیر احمد

(۱) المحلی ۲۹۴/۷ (۲) البیہقی ۱۶۹/۳

فرار ہوگا۔ اس پر اُنہوں نے جنگ جاری رکھی اور پیچھے نہیں ہٹے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی شہید ہوئے اور لشکر بھی کام آیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ ابو عبیدہ پر رحم کرے اگر وہ میری طرف پلٹ آتے تو میں اُن کے لیے امدادی جماعت فراہم کر دیتا۔ (۱)

حضرت خالدؓ بن ولید جنگ مؤتہ میں پیچھے ہٹے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جہاد سے فرار نہیں قرار دیا تھا۔

(ھ) امیر کے لیے جائز نہیں ہے کہ مسلمان کو معرضِ خطر میں ڈالے۔

مسلمان لشکر کے امیر کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو ہلاکت یا خطرے میں ڈالے اگرچہ اس کے نتیجے میں فتح و غنیمت کی توقع بھی ہو۔ کیونکہ مسلمان کی جنگ اس لیے ہوتی ہے کہ لوگوں کو انسانوں کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر اسلامی عدل کے زیرِ سایہ لائیں اور اُن کے دلوں اور دماغوں کو جاہلیت کی خرافات و توہمات اور آلودگیوں سے پاک کریں اور یہ مقصد بلند امیر کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ اپنے لشکر کو کسی ایسے مقام پر لے جائے جہاں ہلاکت کا امکان غالب ہو۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن سے دریافت کیا کہ اگر تم کسی شہر کا محاصرہ کرو تو کیا کرو گے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم ایک شخص کو کھال کے خیمہ میں لپیٹ کر روانہ کر دیں گے (تاکہ وہ شہر پناہ کا دروازہ کھول دے اور اُس کے کھال پہنے ہوئے ہونے کی بنا پر تیر اس پر اثر نہ کریں) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر وہ پتھر پھینک ماریں؟ اس پر اُنہوں نے کہا کہ پھر تو وہ شخص مر جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر ایسا نہ کرو، کیونکہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ تم ایسا شہر فتح کر لو جس میں چار ہزار جنگجو بیٹھے ہوں لیکن اس سلسلہ میں ایک مسلمان کی جان ضائع ہو جائے۔ (۲)

اسی سے ملتی جلتی وہ روایت ہے جو زید بن وہب سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ کانوں تک اُٹھائے باہر آئے اور آپ لبیک لبیک کہہ رہے تھے۔ لوگوں نے استفسار کیا کہ کیا بات ہے؟ تو آپ نے بیان کیا کہ مجھے بذریعہ خط اطلاع ملی ہے کہ ایک امیر اپنے لشکر کو لے کر جا رہا تھا کہ راستہ میں نہر حائل ہو گئی۔ کشتیاں موجود نہیں تھیں۔ امیر لشکر نے کہا کہ کسی شخص کو بلاؤ جو پانی کی گہرائی معلوم کر کے ہمیں بتائے، چنانچہ ایک بوڑھے آدمی کو لایا گیا جس نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہیں سردی مجھے ہلاک نہ کر دے، کیونکہ سردیوں کا موسم ہے۔ لیکن امیر نے اُسے مجبور کر کے پانی میں اُتار دیا لیکن ٹھنڈے پانی میں وہ ٹھہر نہ سکا اور یا عمرؓ یا عمرؓ پکارتا پکارتا غرق ہو گیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس امیر کو طلب کیا اور کچھ دن اُس سے اعراض کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ جب کسی سے ناراض ہوتے تھے تو اُس سے اسی طرح اعراض کرتے تھے۔ بعد ازاں آپ نے اُس سے پوچھا کہ اس شخص کا کیا جرم تھا جسے تم نے مار ڈالا۔ اُس نے کہا کہ امیر المومنین میں نے اُسے ارادۃً نہیں مارا ہے۔ ہمارے پاس پانی کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور ہم پانی کی گہرائی معلوم کرنا چاہتے تھے۔ پھر آپ یہ بھی تو دیکھیے کہ ہم نے یہ فتح کیا اور یہ مال غنیمت حاصل کیا اور یہ فائدہ حاصل ہوا وغیرہ۔

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایک مسلمان شخص میرے لیے ان تمام اشیاء سے محبوب تر ہے جو تم نے حاصل کیں۔ (۱)

حضرت عمرؓ بحری جنگ کو بھی لشکر کو ہلاکت میں ڈالنے کے برابر سمجھتے تھے اور اسی لیے بحری جنگ کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجاہدین کے بحری

(۱) مصنف عبدالرزاق ۵/۲۵۱، المغنی ۸/۴۵۸ (۲) البیہقی ۹/۴۲

(۱) البیہقی ۸/۳۲۳

جنگ پر جانے کو ناپسند فرماتے تھے۔ (۲) حضرت عمرؓ کے دل میں اس خوف نے اس وقت جنم لیا جب آپ نے علقمہ بن مجزز اور کچھ اصحاب کو بحری راستہ سے حبشہ بھیجا اور وہ سب سمندر میں ہلاک ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے قسم کھائی کہ آیندہ بحری سفر پر کسی کو نہیں بھیجیں گے۔ (۲)

اسی طرح کسی مجاہد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو معرکہ کارزار کے دوران ہلاکت میں ڈالے، مثلاً لشکر سے جدا ہو کر تنہا دشمنوں کی صفوں کے اندر چلا جائے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ اپنے لشکر سے نکل کر دشمنوں میں جا گھسا اور مارا گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس طرح صف سے نکل کر مارے جانے سے بستر پر مر جانا بہتر ہے۔(۳)

(و) وہ لوگ جن کو جنگ میں قتل کرنا جائز نہیں ہے:

مسلمانوں کے لشکر میں سے کسی مجاہد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دشمن کے کسی ایسے آدمی کو قتل کرے جو جنگ میں شریک نہ ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر تحریری حکم ارسال فرمایا کہ مجاہدین اللہ کے راستہ میں جہاد کریں اور صرف اُن سے جنگ کریں جو اُن سے برسرِ جنگ ہوں۔ (۴)

اسی طرح جو افراد بالعموم جنگ میں شریک نہیں ہوا کرتے مثلاً عورتیں، بچے اور بوڑھے وغیرہ۔ ان کو بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے سلمہ بن قیس کو نصیحت فرمائی کہ کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کیا جائے۔(۵) اسی طرح ان کاشتکاروں کو بھی نہ مارا جائے جو اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں لگے ہوں اور جنگ

(۱) عبدالرزاق ۵/ ۲۸۳، المغنی ۸/ ۳۵۷، التراتیب الاداریہ ۱/ ۳۶۹ (۲) عبدالرزاق ۵/ ۲۸۴ (۳) عبدالرزاق ۵/ ۱۷۷
(۴) الاموال ۳۷ - (۵) المغنی ۸/ ۴۷۷، الاموال ۳۷ -

میں حصہ نہ لے رہے ہوں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کسانوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور جب تک وہ تمہارے مقابلے پر جنگ کرنے نہ آئیں انہیں قتل نہ کرو۔ (۱)

(ز) مُردوں کا حلیہ بگاڑنا:

مقتول دشمنوں کا مثلہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مُردے وہ ہیں کہ اللہ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے بچا لیا ہے۔ اب یہ کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ حضرت عمرؓ نے قیس بن سلمہ کو اپنی نصیحت میں جو پہلے گزر چکی ہے۔ فرمایا اور مثلہ نہ کرو۔

(ح) جنگ میں منافق کی مدد قبول کرنا:

امام جنگ میں منافق کی مدد قبول کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس کے بارے میں یہ شہرت نہ ہو کہ وہ مسلمانوں کو ذلیل یا خوفزدہ کرنا چاہتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم منافقوں کی قوت سے مدد لیں گے اور اُن کے نفاق کا گناہ خود اُن کے ذمہ ہوگا۔ (۲)

(ط) امیر کو چاہیے کہ کسی مجاہد کو چار ماہ سے زائد جنگ میں مصروف نہ رکھے بلکہ اس عرصہ کے بعد اُسے گھر جانے کی اجازت دے دے تاکہ وہ اپنے اہلِ خانہ کی ضروریات پوری کر کے واپس آ جائے۔ حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ اس وقت کیا جب آپ نے مدینہ منورہ میں کسی عورت کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سُنا۔

"شبِ فراق طویل ہو کر ڈھلنی شروع ہو گئی ہے۔ لیکن میرا رفیق جس سے میں اپنا دل بہلاؤں، میرے پہلو میں نہیں ہے۔ قسم بخدا! اگر خوفِ خدا نہ ہوتا تو کسی کے وجود سے میرا پلنگ چرچرایا ہوتا۔ میں اپنے رب کے ڈر اور حیا کے خیال اور شوہر کے احترام سے رُکی ہوئی ہوں"

اس پر حضرت عمرؓ نے عورتوں سے دریافت کیا کہ عورت کتنا

(۱) البیہقی ۹/ ۹۱، خراج یحییٰ ۵۰، المغنی ۸/ ۴۷۹ (۲) البیہقی ۹/ ۳۶

صبر کر سکتی ہے۔ اُنھوں نے بتایا کہ دو ماہ، تیسرے مہینے صبر میں کمی آجاتی ہے اور چوتھے مہینے صبر بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے امراءِ لشکر کو حکم تحریر کیا کہ کسی مجاہد کو چار مہینے سے زائد اپنے بیوی بچوں سے دور نہ رکھیں۔(۱)

ی) جہاد میں روزہ کا حکم۔ (د: صیام ۲ ج - ۳ د ۲)

ک) دورانِ جہاد حد قائم نہیں کی جائے گی۔ (د: حد/ ۷ ب)

ل) اگر جنگ کے دوران دشمن کا کوئی فرد امان طلب کرے یا اُن کی کوئی جماعت امان طلب کرے تو امیر اُن کو امان دے سکتا ہے۔

(د: امان)

م) اور اگر دشمن کی افواج وقتی طور پر جنگ بندی کرنے کا مطالبہ کریں تو یہ مطالبہ بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر وہ صلح کرنا چاہیں اور مسلمانوں کے زیرِ اقتدار آنا چاہیں تو مسلمان کے امیر پر یہ بات قبول کرنا لازم ہے۔ (د: ذمہ ۲/ ق)

۸۔ قیدی اور غنیمتیں:

جب اللہ کے حکم سے کافروں پر مسلمانوں کو مکمل غلبہ حاصل ہو جائے تو کافر مسلمانوں کے قیدی بن جائیں گے (د: سبی) و (د: اسر) اور اُنکے تمام منقولہ اور غیر منقولہ اموال غنیمت بن جائیں گے۔

(د: غنیمت) و (ارض ۱/ ج)

جہل:

ان اُمور سے ناواقف ہونا جن کی بناء پر حد نافذ کی جاتی ہے۔

(د: حد/ ۶ د) و (اشربہ/ ۱ ب)

جس چیز پر عقد منعقد ہو رہا ہو اگر وہ مجہول ہے تو عقد فاسد ہو جاتا ہے۔ (د: بیع/ ۱ ب ۴) و (بیع/ ۲ ا)

جو چیز تبرعاً ہبہ کی جائے اگر وہ مجہول ہو تو اس صورت میں عقد تبرع کے احکام۔ (د: ہبہ/ ۴ ا)

مہر اگر نامعلوم ہے تو یہ امر قابل معافی ہے۔ (د: نکاح/ ۵ د ۳ ب)

اجیر خاص کے معاملہ میں تھوڑی سی جہالت قابلِ تسامح ہے۔

(د: اجارہ/ ۲ ج)

جنایت کا ارتکاب کرنے والے اگر جنایات سے ناواقف ہوں۔

(د: جنایت/ ۲ ب ۲ ب)

جورب:

وضو میں موزوں پر مسح کا جواز۔ (د: وضوء/ ۶ د)

ح

حاجة (حاجت)

حاجت سے مراد کسی چیز کی ایسی ضرورت ہے کہ اگر وہ چیز میسر نہ ہو تو بھی انسان زندہ رہ سکتا ہو۔

۱۔ حضرت عمرؓ حاجت کو استحقاق کے قانونی اسباب میں شمار کرتے تھے، بشرطیکہ اس کی تکمیل میں کسی دوسرے کا کوئی نقصان نہ ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ضحاک بن خلیفہ نے عریض[1] سے نالی نکال کر محمد بن مسلمہ کی زمین سے گزارنی چاہی۔ محمد بن مسلمہ نے منع کیا تو اس پر ضحاک نے کہا کہ آپ مجھے کیوں روک رہے ہیں؟ حالانکہ اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہی ہے کہ آپ بھی اس کے پانی سے اوّل و آخر اپنی زمین کو سیراب کر سکتے ہیں لیکن محمد پھر بھی نہ مانے۔ اس پر ضحاک نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بلوایا اور اُن کو حکم دیا کہ ضحاک کو پانی کی نال لے جانے سے نہ روکو۔ محمد نے کہا کہ نہیں میں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ بولے کہ تم کیوں اپنے بھائی کو روک رہے ہو، حالانکہ اس میں اُن کا بھی فائدہ ہے اور تمہارا بھی۔ تم بھی اس سے سیراب ہو سکو گے۔ شروع میں بھی اور آخر میں بھی اور تمہارا کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔ محمد پھر کہنے لگے، قسم بخدا نہیں: اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قسم بخدا یہ ضرور گزاریں گے اگرچہ تمہارے پیٹ ہی پر سے گزارنا پڑے۔ اور حضرت عمرؓ نے اُنہیں حکم دیا کہ پانی کی نالی نکال لیں اور ضحاک نے نالی نکال لی۔ (۱)

نیز حضرت عمرؓ نے اُن لوگوں سے کہا تھا جو دیہاتیوں کی ایک بستی کے پاس سے گزرے تھے اور اُن دیہاتیوں نے اُنہیں نہ تو ڈول اور رسی دی تھی اور نہ پانی کا پتہ بتلایا تھا کہ تم نے اُن پر ہتھیار کیوں نہیں اُٹھائے۔ (۲)

۲۔ جو شخص کسی چیز کا زیادہ ضرورت مند ہو وہ اس چیز کا اس شخص سے زیادہ مستحق ہے جسے اس کی حاجت کم ہو؛ چنانچہ روایت ہے کہ انصار میں سے کچھ لوگ سفر میں تھے، اُن کا زادِ راہ ختم ہو گیا اور وہ محتاج ہو گئے اور عرب کے ایک قبیلے کے پاس آئے اور اُن سے مہمان نوازی کے لیے کہا۔ اُنھوں نے انکار کیا اُنھوں نے اُن کو پکڑ لیا اور بقدرِ ضرورت لے لیا۔ قبیلے والوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو انصار کو خوف ہوا کہ حضرت عمرؓ

(۱) عریض مدینہ منورہ سے باہر ایک نالہ تھا۔ ضحاک اس میں سے ایک گول نکال کر اپنی زمین میں پانی لے جانا چاہتے تھے مگر راستے میں محمد بن مسلمہ کی زمین پڑتی تھی۔ (س صدیقی)

(۱) الموطاء ۲/۷۴۶، المغنی ۴/۴۹۹، خراجِ یحییٰ ۱۱۰، سنن البیہقی ۶/۱۵۷ (۲) خراج یحییٰ ۱۱۲۔

ناراض ہوں گے ۔ لیکن حضرت عمرؓ نے قبیلہ والوں کو سرزنش کی اور فرمایا کہ تم مسافروں کو اس چیز سے منع کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ شب و روز اُونٹوں اور بکریوں کے تھنوں میں پیدا کرتا ہے مسافر پانی کا اس شخص سے زیادہ حقدار ہے جو پانی کے پاس مقیم ہو اور ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں. مسافر پانی اور سایہ کا زیادہ حقدار ہے(۱) اسی قبیل سے حضرت عمرؓ کا یہ فرمان بھی ہے کہ اگر جو حالات گزر چکے ہیں وہ پھر پیش آئے تو میں مالداروں سے زائد مال لے کر ناداروں کو دے دوں گا۔ (۲)

حامل : دیکھیے ، حمل

حبس : دیکھیے ، سجن

حبل : دیکھیے ، حمل

حج :

حج کے بارے میں حضرت عمرؓ کی آراء کو ہم مندرجہ ذیل نکات میں بیان کریں گے

۱. حج کی ترغیب (۲) حج کا علی الفور فرض ہونا
(۳) حج کی ہیبت (۴) حج کے دوران تجارت
(۵) سواری (۶) حج کا احرام
(۷) زیارت کعبہ (۸) طواف قدوم
(۹) صفا و مروہ کے درمیان سعی (۱۰) منٰی میں رات گزارنا
(۱۱) عرفات میں قیام (۱۲) وقوف مزدلفہ
(۱۳) وادی محسر سے تیزی سے گزرنا (۱۴) دوبارہ منٰی کی طرف جانا
(۱۵) سبارہ منٰی کی طرف جانا (۱۶) طواف وداع
(۱۷) طواف وداع کے بعد کوچ (۱۸) حج کے اقسام
(۱۹) عورت کا حج (۲۰) حج کا فاسد ہونا
(۲۱) ھدی ۔

(۱) الاموال ۲۹۷ ، خراج یحییٰ ۱۰۲ ، سنن البیہقی ۱۰/۳ ، المحلی ۱۶۵/۹ (۲) ۱۵۸/۹

(۱) حج کی ترغیب :

حضرت عمرؓ لوگوں کو حج کی ترغیب دلاتے تھے اور مجاہدین کو حکم دیا کرتے تھے کہ جب اُن کا غزوہ ختم ہو تو وہ حج کے لیے روانہ ہو جائیں ۔ اور آپ اُن سے فرماتے تھے کہ جب تم جہاد سے فارغ ہو کر گھوڑوں سے زینیں اُتار دو تو حج اور عمرہ کے لیے کجاوے کس لو کہ یہ بھی ایک جہاد ہے ۔ (۱) آپ یہ بھی حکم دیا کرتے تھے کہ لوگ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی حج کے لیے لے کر جائیں اور آپ کہتے کہ اپنے بال بچوں کو بھی حج کراؤ اور یہ نہ ہو کہ تم اُن کے رزق تو کھاؤ اور اُن کے بوجھ اُن کی گردنوں پر رہنے دو ۔ (۲) جب آپ نے دیکھا کہ مکّہ کے لوگ جو کہ اہل حرم ہیں حج میں سُستی کرنے لگے ہیں تو آپ نے اُنہیں حج کرنے کا حکم دیا اور اُنہیں حج کی ترغیب دلائی اور فرمایا کہ اے اہل مکّہ! یہ کیا بات ہے کہ لوگ دُور دراز سے پراگندہ بال آئیں اور تم بنے سنورے رہو لہٰذا تم جب چاند دیکھو تو احرام باندھ لو ۔ (۲) اور ایک اور روایت میں ہے کہ جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھو تو احرام باندھ لو (۳) اور آپؓ نے اہل مدینہ سے فرمایا کہ حج کرو اور ہدی ساتھ لے کر چلو (۴) حضرت عمرؓ حجاج کو اللہ کے عمال (کارکن) سمجھا کرتے تھے ۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ اس کا مال راہِ خدا میں دے دیا جائے ۔ حضرت عمرؓ نے وصی سے

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۷۴/۵ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱۷۱/۱
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱۹۴/۱ (۴) مصنف عبدالرزاق ۳۸۷/۴

فرمایا کہ یہ مال اللہ کے قتال کو دے دو۔ وصی نے استفسار کیا کہ یہ کون ہیں تو آپ نے فرمایا کہ بیت اللہ کا حج کرنے والے۔

(۲) حج کا علی الفور فرض ہونا :

حضرت عمرؓ کے نزدیک حج فی الفور فرض ہے اور یہ بات ہم آپ کے اس قول سے اخذ کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص مالدار ہو اور بغیر حج کیے مرجائے اس کے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہودی مرے یا نصرانی، مسلمان بہرحال نہیں ہے۔ (۲) حج صرف اُسی شخص پر فرض ہوتا ہے جو استطاعت رکھتا ہو اور حضرت عمرؓ کے نزدیک استطاعت یہ ہے کہ سواری اور زادراہ میسر ہو اور عورت کے لیے استطاعت میں یہ بھی داخل ہے کہ اسے محرم یا ایسے رفقا میسر ہوں جن کی معیت میں بحفاظت جا سکے۔

(د : حج / ۱۹)

(۳) نیت :

جب کسی شخص نے حج کی نیت کرلی اور احرام باندھ لیا۔ پھر اگر اس کو فسخ کرنا چاہے تو فسخ نہیں ہوگا بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ آخر تک حج پورا کرے۔ اور اگر وہ چاہے کہ اس حج کو عمرہ بنا دے تو اُسے اس کی بھی اجازت نہیں ہے؛ چنانچہ بیہقی نے اپنی سُنن میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کبھی کسی مجبوری کی بنا پر نہ اپنے حج کو توڑا اور نہ کسی دوسرے کو اسکی اجازت دی۔ بیہقی فرماتے ہیں کہ غنی شخص حج کا احرام باندھنے کے بعد اگر اس کو توڑنا چاہے تو نہیں ٹوٹے گا اور نہ کسی دوسرے کی جانب پھیر سکے گا۔ اِلا یہ کہ اس طرح کی شرط پہلے سے لگالے۔ اگر اُس نے شرط لگالی تو پھر جو شرط لگائی ہے اسکے مطابق کرسکے گا؛[۳] چنانچہ سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم حج کرو تو شرط لگالو کہ اگر میں بیمار ہوا یا کوئی ہڈی ٹوٹ گئی یا کسی وجہ سے رُکنا پڑ گیا تو میں احرام سے حلال ہو جاؤں گا اور آپ نے اُن سے فرمایا کہ حج کرو اور شرط لگالو اور تم جو شرط لگاؤ گے، اس کا فائدہ اٹھا سکو گے اور جو شرط تم لگاؤ گے وہ تمہیں اللہ کے لیے پوری کرنی ہوگی۔

۴۔ حج میں تجارت :

حضرت عمرؓ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ حاجی زمانۂ حج میں تجارت کرے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ کا فرمان ہے کہ :

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ : ۱۹۸)

"اور اگر حج کے ساتھ ساتھ تم اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرتے جاؤ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "قرآن کریم کا یہ ارشاد موسم حج ہی کے بارے میں ہے۔

اور ابوصالحؒ مولیٰ عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا : اے امیرالمؤمنین آپ حج کے دنوں میں تجارت بھی کیا کرتے تھے؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ان (اہل عرب) کی روزی تو حج ہی سے وابستہ تھی۔ (۲)

۵۔ سواری :

حضرت عمرؓ اس بات سے منع فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص جلّالہ (گندگی کھانے والے) اُونٹ پر حج کرے؛ چنانچہ آپ نے ایک شخص کو جس کے پاس جلّالہ اُونٹ تھا فرمایا کہ تم اس پر نہ حج کرو اور نہ عمرہ۔ (۲)

---

(۱) سنن الدارمی ۲/۲۸؁ (۲) مصنف بن ابی شیبہ ۱/۱۴۸ ب، المغنی ۳/۲۴۲
(۳) مصنف عبدالرزاق ۵/۱۲

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۹ (۲) تفسیر الطبری ۲/۱۶۵
ادارہ المعارف بیروت

۶۔ حج کا احرام :

الف) احرام کا وقت :۔

حج کے مہینے یہ ہیں۔ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ (۱) حج کا احرام انہی مہینوں میں باندھا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان مہینوں کے علاوہ کسی اور مہینے میں احرام باندھے گا تو وہ عمرہ کا ہوگا۔ (۲)

اہلِ مکّہ حج کا احرام اس وقت باندھیں جب مکہ مکرمہ میں لوگوں کی آمد شروع ہو جائے جو کہ بالعموم ذی الحجہ کے شروع میں ہوتی ہے، اسی لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے اہلِ مکہ! یہ کیا بات ہے کہ لوگ دور دراز کا سفر کرکے پراگندہ حال اور غبار آلود لباس کے ساتھ آتے ہیں اور تم بنے سنورے رہتے ہو۔ تم کو چاہیئے کہ جب ذی الحجہ کا چاند دیکھو تو احرام باندھ لو۔ (۳)

ب) احرام کا مقام :

۱۔ حاجی کو میقات سے احرام باندھنا چاہیے اور یہ میقات مختلف سمتوں سے آنے والے حاجیوں کے لیے مختلف ہیں، چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ کو میقات مقرر فرمایا اور اہلِ شام کے لیے جحفہ کو اور اہلِ نجد کے لیے قرن المنازل کو اور اہلِ یمن کے لیے یلملم کو۔ یہ میقات مذکورہ بالا لوگوں کے لیے بھی ہیں اور اُن سے باہر والوں کے لیے بھی جو حج اور عمرہ کے ارادے سے ان مقامات سے گزریں اور جو لوگ ان میقاتوں کی حدود کے اندر مکہ کی جانب آباد ہیں۔ وہ جہاں سے روانہ ہوں (وہیں سے احرام باندھیں) حتّٰی کہ اہلِ مکہ مکہ ہی سے باندھیں۔

عراق اور اس کی سمت میں واقع علاقوں کے بارے میں مسلم نے ابوالزبیر سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ ابوالزبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے سُنا اور میرا خیال ہے کہ اُنھوں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً بیان کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ عراق کے لیے احرام باندھنے کا مقام یعنی میقات ذاتِ عرق ہے۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ حضرت عمرؓ تھے، جنہوں نے اہلِ عراق کے لیے ذاتِ عرق میقات مقرر کیا تھا اور یہ آپ نے اُس وقت کیا تھا جب اہلِ عراق نے حج کے موقعہ پر آپ سے شکایت کی کہ قرن المنازل اُن کے لیے دور پڑتا ہے اور اُن کے راستہ میں نہیں آتا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم اپنے راستے میں اس کے بالمقابل مقام مقرر کر لو اور آپ نے اُن کے لیے ذاتِ عرق متعین فرما دیا۔ (۱)

(۲) حضرت عمرؓ اس حقیقت سے آشنا تھے کہ جن مقامات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میقات مقرر فرمایا ہے۔ یہ مقامات بذاتِ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ دراصل یہ حرم کی حدود ہیں، لہٰذا جب حرم کی حدود متعین ہوگئیں تو حاجی کے لیے روا ہے کہ ان حدود کے قریب پہنچ کر کسی بھی مقام سے احرام باندھ لے۔ اس کا نقشہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو۔

(۳) لیکن کیا حج یا عمرہ کرنے والے کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ اُن میقات پر آکر ہی احرام باندھے یا اس کے لیے افضل یہ ہے کہ ان مقامات سے پہلے ہی احرام باندھ لے اس بارے میں حضرت عمرؓ سے دو روایتیں مروی ہیں۔ پہلی یہ کہ حاجی کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ اس شہر سے احرام باندھے جہاں سے وہ روانہ

(۱) المغنی ۳/ ۲۹۵ (۲) المجموع ۷/ ۱۳۰ (۳) المحلّٰی ۱/ ۲۳۹، المغنی ۳/ ۲۰۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۹۴

المحلی ۷/ ۷۲، سنن البیہقی ۵/ ۲۷، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۷۹ ب، تفسیر القرطبی ۲/ ۳۶۶، المغنی ۲/ ۲۸۵۔ صحیح بخاری کی کتاب الحج میں ہے کہ ذاتِ عرق، عراق والوں کے لیے احرام باندھنے کی جگہ ہے۔

نقشہ حدود حرم

ہو رہا ہے اور یہ بات حج اور عمرہ کی تکمیل میں داخل ہے۔ یعنی درج ذیل فرمانِ الٰہی (۱)

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرہ ۱۹۶)

"اللہ کی خوشنودی کیلئے جب حج اور عمرے کی نیت کرو تو اُسے پورا کرو" کا مفہوم یہی ہے۔

قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب وہ بیت المقدس میں تھے مقام ایلیاء سے احرام باندھا تھا۔ (۲)

مگر میں کہتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کے بیت المقدس سے احرام باندھنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میقات سے قبل احرام باندھنا افضل ہے۔ کیونکہ بیت المقدس کے کچھ اپنے مخصوص احکام ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو حضرت اُم سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مسجد اقصیٰ سے حج یا عمرہ کا احرام باندھا اس کی مغفرت ہو گئی۔ (۱)

دوسری روایت یہ ہے کہ افضل یہی ہے کہ میقات سے احرام باندھا جائے۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور اُس نے عرض کیا: اے امیر المومنین میں آپ تک اونٹوں، گھوڑوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر پہنچا ہوں، میں کس جگہ سے احرام باندھوں۔ آپ نے فرمایا کہ علیؓ کے پاس جاؤ اور اُن سے پوچھو، چنانچہ وہ حضرت علیؓ کے پاس آیا اور اُن سے پوچھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا

(۱) المغنی ۳/ ۲۶۴، ۲۶۵ ، المجموع ۷/ ۲۰۱، تفسیر القرطبی ۲/ ۳۶۵
(۲) تفسیر القرطبی ۲/ ۳۶۶

(۱) ابوداؤد، المواقیت، ابن ماجہ، الحج ۳۰۰۱

جہاں کا ارادہ کر کے تم اپنے گھر سے روانہ ہوئے، یعنی میقات سے۔ اُس شخص نے آکر حضرت عمرؓ کو بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ اسی طرح کرو جس طرح علیؓ نے تم کو بتایا ہے۔ (۱)

عمران بن حصینؓ نے بصرہ سے احرام باندھا اور حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ لوگ سُنیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک صحابی نے اپنے شہر سے احرام باندھا۔ (۲) اسی لیے بیہقی نے حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ مطلقاً اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ کوئی شخص اپنے گھر سے احرام باندھ کر روانہ ہو۔ (۳) اور ابنِ قدامہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ صرف میقات ہی سے احرام باندھتے تھے (۴) اس اساس پر "واتموا الحج والعمرۃ للہ" کا مفہوم یہ ہوگا کہ حج اور عمرہ کی تکمیل کے معنی یہ ہیں کہ دونوں علیحدہ علیحدہ مہینوں میں مستقلاً اور منفرداً ادا کیے جائیں یعنی عمرہ حج کے مہینوں کے علاوہ کسی دوسرے مہینے میں ادا کیا جائے۔ (۵)

ز) احرام کی سُنتیں :

۱۔ احرام سے قبل غسل کرنا، اس لیے کہ رسول اللہ نے جب احرام کا ارادہ فرمایا تو غسل کیا اور حضرت اسماء بنت عمیسؓ کو اس کا حکم دیا (۶) لیکن اس بارے میں ہمیں حضرت عمرؓ کا کوئی قول نہیں مل سکا، تاہم ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کے خلاف کر سکتے ہیں۔

(۱) المحلی ۷/ ۷۵، ۷۹، ابنِ ابی شیبہ ۱/ ۱۶۴
(۲) المغنی ۳/ ۲۶۵، ابنِ ابی شیبہ ۱/ ۱۶۲ ب
(۳) سنن البیہقی ۵/ ۳۱ (۴) المغنی ۳/ ۲۶۶
(۵) تفسیر ابن کثیر ۱/ ۲۳۰ (۶) المغنی ۳/ ۲۷۳

۲۔ احرام سے قبل خوشبو لگانا : حضرت عمرؓ اسے مطلقاً ناپسند فرماتے تھے (۱) چنانچہ ایک سفرِ حج میں حضرت عمرؓ نے ذی الحلیفہ کے مقام پر حضرت معاویہؓ کے جسم سے عطر کی خوشبو محسوس کی تو آپ نے فرمایا کہ خوشبو کس سے آرہی ہے؟ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ مجھے اُم حبیبہؓ نے کچھ خوشبو لگا دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، قسم بخدا تم جاؤ اور اس خوشبو کو دھو کر آؤ، قسم بخدا اگر مُحرم سے قطران کی بُو آئے تو وہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ کوئی خوشبو آئے (۲) اسی طرح آپ نے براءؓ بن عازب سے عطر کی خوشبو محسوس کی تو آپ نے فرمایا کہ خوشبو کس سے آرہی ہے۔ براء نے عرض کی کہ اے امیر المومنین مجھ سے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ کی اہلیہ کو خوشبو سے لگاؤ ہے لیکن حاجی میں تو پسینہ کی بُو ہوتی ہے اور وہ غبار آلود ہوتا ہے۔ (۳)

۳۔ احرام سے قبل دو رکعت نماز ادا کرنا : ابنِ قدامہ نے حضرت عمرؓ کا مسلک اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا : مجھے نماز کے بعد احرام باندھنا پسند ہے۔ یعنی اگر فرض نماز کا وقت ہو تو اس کے بعد احرام باندھا جائے ورنہ دو رکعت نفل پڑھ کر اس کے بعد احرام باندھا جائے۔ (۴)

۴۔ تلبیہ : (لبیک اللھم لبیک کہنا)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تلبیہ کے کلماتِ ماثورہ یہ ہیں۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

(۱) المحلی ۷/ ۸۲، ۸۵ (۲) صحیح مسلم، حج، باب حجۃ النبی
(۳) سنن البیہقی ۵/ ۳۵، الموطا ۱/ ۳۲۹، ابنِ ابی شیبہ ۱/ ۱۷۱، المحلی
(۴) المغنی ۳/ ۲۷۵

ابنِ قدامہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تلبیہ پر ان الفاظ کا اضافہ فرماتے تھے۔

لَبَّيْكَ ذَا النَّعْمَاءِ وَالْفَضْلِ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ مَرْهَبًا وَمَرْغَبًا إِلَيْكَ لَبَّيْكَ۔

اور سنن البیہقی میں ہے کہ حضرت عمرؓ ان الفاظ میں تلبیہ کہتے تھے (۱)

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ

الغرض حضرت عمرؓ کے تلبیہ میں الفاظ جو بھی تھے آپ کے ایسا کرنے سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک تلبیہ کے ان الفاظ پر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے، بعض الفاظ بڑھا دینا جائز ہے۔

تلبیہ کہتے وقت آواز بلند کرنی چاہیے؛ اس لیے کہ حضرت عمرؓ تلبیہ میں اپنی آواز بلند کیا کرتے تھے (۲) اور اپنے تلبیہ میں اس کا ذکر کرے جس کے لیے احرام باندھا ہے یعنی حج کا یا عمرہ کا یا دونوں کا۔ چنانچہ ضبی بن معبد سے مروی ہے کہ جب انہوں نے پہلا حج کیا تو تلبیہ کہتے وقت حج اور عمرہ دونوں کا نام لیا اور پھر یہ عمل حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے اپنے نبیؐ کی سنت کی جانب رہنمائی پائی۔ (۴)

احرام کی دو رکعت پڑھنے کے بعد تلبیہ شروع کرے اور جمرۂ عقبہ کی رمی تک مسلسل تلبیہ جاری رکھے، چنانچہ ابنِ ابی شیبہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ جمرۂ عقبہ کی رمی تک مسلسل تلبیہ کہتے رہتے تھے۔ (۱)

اسود بن یزید نے حضرت عمرؓ کو عرفہ میں تلبیہ کہتے سنا اور ابنِ عباسؓ نے آپ کو مزدلفہ میں تلبیہ کہتے سنا تو دریافت کیا کہ اے امیر المومنین یہ اہلال (تلبیہ) کیسا؟ آپ نے استفسار فرمایا کہ کیا ہم نے حج کے مناسک پورے کر لیے ہیں؟ (۳) اور حضرت عمرؓ جب منیٰ سے روانہ ہو کر عرفات میں پہنچے تو آپ نے تکبیر کی آواز بلند ہوتے سنی۔ آپ نے محافظوں کو روانہ کیا کہ وہ منادی کریں کہ لوگو یہ تلبیہ کا وقت ہے۔ (۴)

(د) بحالت احرام جن امور کی ممانعت ہے۔

۱۔ جو لباس حالتِ احرام میں ممنوع ہے۔ مُحرم کو چاہیے کہ وہ ایک تہبند اور ایک چادر پہنے۔ یہ دونوں کپڑے سفید ہونے چاہئیں۔ رنگ دار نہ ہوں اور چپل پہنے، سلا ہوا کپڑا پہننا مُحرم کے لیے حرام ہے۔ اور اسی طرح عمامہ اور موزے پہننا جائز نہیں ہے۔ اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ محرم کیا کپڑے پہنے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قمیص نہ پہنو، عمامہ نہ باندھو، شلوار ٹوپی اور موزے نہ پہنو، سوائے اس کے کہ کسی کے پاس چپل نہ ہوں تو وہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر پہن لے اور ایسا کوئی کپڑا نہ پہنو جس میں ورس یا زعفران

(۱) سنن البیہقی ۵/۴۴ ؎ حج کے دوران لبیک اللھم لبیک (الخ) (میں حاضر ہوں) کے الفاظ کہنا (س صدیقی) (۲) ابنِ ابی شیبہ ۱/۱۹۴ب
(۴) المغنی ۳/ ۲۹۱۔

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۸، المحلی ۷/۱۳۶
(۲) المحلی ۱۰/ ۱۳۶ سنن البیہقی ۵/ ۱۱۳، شرح معانی الآثار ۲/ ۲۲۷
(۳) سنن البیہقی ۵/ ۱۱۳، المحلی ۷/ ۱۳۶
(۴) الموطا ۱/ ۳۳۹

کا رنگ لگا ہوا ہو۔ (۱)

حضرت عمرؓ مُحرم کے لیے معصفر کپڑا پہننا پسند فرماتے تھے(۲)۔ آپ نے دیکھا کہ طلحہ بن عبید اللہ ایک رنگ دار کپڑا پہنے ہوئے ہیں جب کہ وہ احرام میں ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ طلحہ یہ رنگا ہوا کپڑا کیسا ہے۔ اُنہوں نے کہا امیرالمومنین یہ تو مٹی ہے جو کپڑوں کے ساتھ چمٹ گئی ہے۔ (۳) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے جماعت (صحابہ) تم لوگوں کے راہنما ہو اور لوگ تمہاری ہی اقتداء کریں گے۔ اگر کوئی ناواقف شخص تمہیں یہ لباس پہنے ہوئے دیکھے تو یہی کہے گا کہ طلحہ بن عبید اللہ نے حالتِ احرام میں رنگا ہوا لباس پہن رکھا ہے۔ اے لوگو، تم یہ رنگین کپڑے بالکل پہنو (۴) عقیلؓ بن ابی طالب نے گلاب کی پتیوں سے رنگے ہوئے کپڑے کا احرام باندھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ کوئی بھی ہمیں سنت طریقہ سے باخبر نہیں کرتا۔

مُحرم کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنا سر کسی چیز سے ڈھانپے لیکن سایہ حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ عبداللہ بن فضل بن عیاش بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک حج میں حضرت عمرؓ کے ساتھ تھا لیکن میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے کبھی خیمہ نصب کیا ہو حتیٰ کہ آپ واپس لوٹ گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ سے پوچھا، پھر حضرت عمرؓ کس شے سے سایہ حاصل کرتے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ جانور کی کھال درخت پر لٹکا کر اس سے سایہ حاصل کرتے تھے۔ (۱)

مُحرم چپل پہنے اور اگر چپل مہیا نہ ہوں اور موزے ہوں تو اُن کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر پہنے، بغیر کاٹے ہوئے موزے پہننا جائز نہیں ہے (۲) چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو حالتِ احرام میں موزے پہنے دیکھا تو ناپسند کیا اور حضرت عمرؓ کا جو یہ قول ہے کہ اگر مُحرم کے پاس چپل نہ ہوں تو اُس کے موزے ہی چپل ہیں۔ (۳) تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ موزوں کو کاٹ لینے کے بعد پہنے اگر مُحرم کے لباس میں سے کوئی کپڑا میلا ہو جائے تو اس کا دھونا جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کو تمہارے میل کچیل سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ (۴)

۲۔ جسم سے تعلق رکھنے والے اُمور جو محرم کے لیے ممنوع ہیں۔

مُحرم کے لیے سر منڈانا حرام ہے۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے۔

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ

(البقرہ: ۱۹۶)

"اور اپنے سر نہ مونڈو جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے"۔

سر منڈانے کی ممانعت پر ہی جسم کے دیگر حصّوں کے بال منڈانے کو قیاس کیا جائے گا اور اسی طرح ناخن کاٹنا بھی حرام ہے، خوشبو لگانا بھی حرام ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ حضرت عمرؓ نے عرفات میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے سر سے خوشبو دار پانی کی بوندیں ٹپک رہی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے پُوچھا کہ کیا تم مُحرم نہیں ہو؟ اُس نے کہا کیوں نہیں اے امیرالمومنین۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تمہارے سر سے خوشبو دار پانی کیوں ٹپک رہا، حالانکہ مُحرم تو

---

(۱) صحیح البخاری، حج، باب ملبس المُحرم، مُسلم، الحج، اصحاب السنن (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۳ ب۔ المحلی ۷/۸۸، المجموع ۷/۲۸۳ (۳) احادیث اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کپڑوں کو رنگنے کے لیے جڑی بوٹیوں کا استعمال کرتے تھے، مثلاً عُصفر اور ورس۔ (۴) المؤطا ۱/۳۲۶، المجموع ۷/۳۵۷، سُنن البیہقی ۵/۶۰ المحلی ۷/۲۶ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۲ ب۔

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۲، سُنن البیہقی ۵/۷۰، المجموع ۷/۲۶۹ (۲) المجموع ۷/۲۶۷ (۳) المغنی ۳/۳۰۲ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۵

پراگندہ سر اور غبار آلود ہوتا ہے۔ اُس نے کہا میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ میں مکہ آیا میرے ساتھ میرے گھر والے بھی تھے۔ میں اپنے عمرے سے فارغ ہوگیا۔ جب ترویہ کی شام آئی تو میں نے حج کا احرام باندھ لیا۔ حضرت عمرؓ نے سمجھ لیا کہ اس شخص نے سچ کہا ہے اور یہ خوشبو اور عورتوں کا معاملہ کل گزشتہ کا ہے اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے حج تمتع سے منع کر دیا اور فرمایا کہ ان حالات میں اگر میں تم لوگوں کو حج تمتع کی اجازت دے دوں تو تم عرفہ کی جھاڑیوں میں بھی اپنی بیوی سے مجامعت کر دگے اور پھر حاجی بن کر روانہ ہو جاؤ گے۔ (۱)

زینت کی غرض سے سُرمہ لگانا بھی جائز نہیں ہے لیکن دوا کے طور پر مصبر کا سُرمہ لگانا جائز ہے کہ حضرت عمرؓ نے احرام کی حالت میں صبر زرد کا سُرمہ لگایا۔ (۲)

بہرحال حج میں اصل یہی ہے کہ مُحرم پراگندہ حال اور غبار آلود ہو تاکہ اللہ کے حضور عجز و انکسار ظاہر ہو۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حاجی کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ پراگندہ حال اور میلا کچیلا (۳) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حاجی وہ ہے جس میں سے پسینہ کی بُو آتی ہو اور اُس کا لباس غبار آلود ہو۔ (۴)

البتہ مُحرم کے لیے سادہ پانی سے نہانا ناجائز نہیں ہے، بشرطیکہ وہ اشیاء استعمال نہ کرے جو نظافت کے لیے برتی جاتی ہیں مثلاً صابن وغیرہ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے احرام کی حالت میں اپنے سر اور جسم کو دھویا۔ یعلیٰ بن اُمیّہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک اُونٹ کی آڑ میں غسل کر رہے تھے اور میں نے چادر سے پردہ کیا ہوا تھا۔

(۱) آثار ابی یوسف ۴۷۳ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۶۷ ب
(۳) ترمذی، تفسیر سورۃ آل عمران، ابن ماجہ، الحج، باب مایوجب الحج (۴) المحلی ۷/۸۳، ۸۵۔

حضرت عمرؓ نے کہا اے یعلیٰ! میرے سر پر پانی ڈال دو۔ میں نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ کو معلوم ہونا چاہیے ...... اور ایک اور روایت میں ہے کہ یعلیٰ نے کہا کہ کیا آپ یہ بوجھ مجھ پر ڈال رہے ہیں؟ اگر آپ حکم دیتے ہیں تو میں ڈال دیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قسم بخدا (صرف) پانی سے تو سر کے بالوں کی پراگندگی میں اضافہ ہی ہوگا۔ یہ سُن کر یعلی نے بسم اللہ پڑھی اور حضرت عمرؓ کے سر پر پانی ڈال دیا۔ (۱) حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں اور حضرت عمرؓ بحالتِ احرام حوض میں نہاتے اور باہم سانس دیر تک روکنے کا مقابلہ کرتے (۲) حضرت عمرؓ اپنے بیٹوں کو جحفہ میں تیراکی کرتے دیکھتے اور اُنہیں منع نہ کرتے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم بحالت احرام سمندر کی خلیج میں تیراکی کا مقابلہ کرتے اور حضرت عمرؓ ہمیں دیکھتے لیکن اسے بُرا نہ سمجھتے اور منع نہ کرتے (۳)

۳۔ نکاح اور دواعی نکاح:

احرام کی حالت میں عقدِ نکاح حرام ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مُحرم نہ خود نکاح کرے نہ اس کا نکاح کرایا جائے۔ اگر اس نے نکاح کر لیا تو اس کا نکاح باطل ہوجائے گا۔ (۴) طریف المری نے حالتِ احرام میں ایک عورت سے نکاح کر لیا تو حضرت عمرؓ نے اس نکاح کو فسخ کر دیا۔ (۵)

اسی طرح حالت احرام میں مرد کا اپنی بیوی سے جماع کرنا بھی حرام

(۱) سنن البیہقی ۵/۶۳، المؤطا ۱/۳۲۳، المغنی ۳/۲۹۹۔
(۲) المحلی ۷/۲۴۷، المغنی ۳/۲۹۹ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۶۳ ب، المحلی ۳/۲۹۹ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۱۶۴ المجموع ۷/۲۹۰، المغنی ۳/۳۳۲، المحلی ۷/۱۹۸ (۵) المؤطا ۱/۳۴۹، المجموع ۷/۲۹۰، سنن البیہقی ۵/۶۶ - ۷/۲۱۳

ہے۔ اگر کسی نے جماع کر لیا تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا اور اس پر لازم ہوگا کہ حج کے باقی مناسک پورے کرے اور بطور کفّارہ ایک اُونٹ کی قربانی دے۔ اگر قربانی کی استطاعت نہ ہو تو تین روزے ایامِ حج میں رکھے اور سات روزے گھر واپس آکر رکھے۔ پھر اگلے سال اپنے اس حج فاسد کی قضا کرے۔ حضرت عمرؓ سے ایسے شخص کے بارے میں استفسار کیا گیا جس نے حج کا احرام باندھنے کے بعد اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو آپ نے فرمایا کہ دونوں اپنے اس حج کو باقی حاجیوں کی طرح پُورا کریں۔ پھر اگلے سال حج کی قضا کریں اور اُن پر دم بھی لازم ہے۔ (۱)

جس طرح حاجی پر جماع حرام ہے اسی طرح وہ تمام اُمور بھی حرام ہیں جو جماع کے محرک اور داعی ہیں۔ مثلاً شہوت سے چھُونا اور بوسہ لینا وغیرہ۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (البقرۃ ۱۹۷)

"حج کے دوران کوئی شہوانی فعل، کوئی بدعملی، کوئی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو"

رَفَثْ سے مراد وہ تمام امور ہیں جو عورت اور مرد کے درمیان ہوتے ہیں اور جو جماع کے دواعی ہیں مثلاً بوس وکنار اور راز ونیاز وغیرہ۔ اسی طرح نکاح کے بارے میں فحش گوئی بھی رفث میں داخل ہے چنانچہ حضرت عمرؓ جب کسی کو حدی خوانی کرتے سُنتے تو فرماتے کہ حُدی میں عورتوں کے بارے میں باتیں نہ ہوں۔ (۲)

۴۔ فسوق وجدال:

مُحرم کے لیے فسوق وجدال بھی حرام ہے اس لیے کہ فرمانِ الٰہی ہے۔

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (البقرۃ ۱۹۷)

رَفَثْ: کے معنی جماع اور اس کے قولی اور عملی دواعی کے ہیں۔

(۱) سنن البیہقی ۵/ ۶۷ (۲) سنن البیہقی ۵/ ۶۷

فسوق کے معنی ہیں زبان سے یا عمل سے اللہ کی اطاعت سے منحرف ہونا۔

جدال کے معنی ہیں باہم لڑنا اور ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنا وغیرہ۔

البتہ ایسے اشعار پڑھنا جن میں کوئی فحش بات نہ ہو فسوق میں داخل نہیں ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ بحالت احرام خوش الحانی سے شعر پڑھا کرتے تھے۔ (۱) ایک مرتبہ حضرت عمرؓ احرام کی حالت میں سواری پر سوار تھے کہ سواری کا جانور مست ہو کر ڈولنے لگا اور وہ کبھی اپنا ایک پاؤں آگے بڑھاتا اور پھر پیچھے ہٹا لیتا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے یہ شعر پڑھا۔

کان راکبها غصن بمروحة
اذا تدلت له او شارب ثمل (۲)

(سواری اس طرح لہراتی ہوئی جا رہی ہے جیسے اس کا سوار کسی پنکھے کی ڈنڈی بن گیا ہو یا شراب پی کر مست ہو گیا ہو)

اسی طرح جائز اشعار کو گا کر پڑھنا بھی فسق نہیں ہے؛ چنانچہ حضرت عمرؓ خود حُدی خوانی کا حکم دیتے تھے (۳) اور آپ نے ایک شخص کو صحرا میں گاتے ہوئے سُنا تو آپؓ نے فرمایا کہ گانا سوار کا زادِ راہ ہے۔ (۴) نیز ایک حُدی خواں کو آپ نے گا کر حُدی پڑھتے ہوئے سُنا تو آپ نے فہمائش کی کہ حدی میں عورتوں کا ذکر نہ کرو۔ (۵)

خوّات بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے ہمراہ کچھ سواروں کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئے جن میں حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح اور حضرت عبدالرحمن بن عوف بھی تھے۔ لوگوں نے کہا کہ اے خوّات ہمیں گانا سناؤ، چنانچہ میں نے کچھ اشعار سنائے

(۱) المجموع ۷/ ۳۶۳ (۲) سنن البیہقی ۵/ ۶۸، المغنی ۳/ ۲۹۷
(۳) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۷۷ (۴) سنن البیہقی ۵/ ۶۸
(۵) سنن البیہقی ۵/ ۶۸

پھر لوگوں نے کہا کہ ضرار کے شعر سناؤ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا نہیں! ابو عبداللہ کو اپنے اشعار سنانے دو، چنانچہ میں انہیں اشعار سناتا رہا یہاں تک کہ سحر ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا؛ اسے خوات بس کرو اب صبح ہو گئی ہے۔ (۱)

(۵) خشکی کا شکار:

(الف) اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۔ (المائدہ ۹۶)

(تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم احرام کی حالت میں ہو)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حیوانات کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) پالتو (۲) جنگلی

پالتو جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے بحالت احرام ان کا ذبح کرنا بالاجماع جائز ہے۔ مثلاً اونٹ، بکری وغیرہ کا ذبح کرنا۔

وحشی جانوروں کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

۲۔ وہ جانور جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔

وہ جنگلی جانور جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا وہ اگر ایذا رساں ہوں تو محرم کے لیے ان کا ہلاک کرنا جائز ہے مثلاً چیچڑی جو اونٹوں کو چمٹ جاتی ہے، چنانچہ ربیعہ بن ابی عبداللہ بن ہدیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ آپ حالتِ احرام میں تھے اور مقام سقیا پر اپنے اونٹ کے گارا مل مل کر چیچڑیاں ہٹا رہے تھے (۲) اور مثلاً سانپ، کوّے، زنبور، بچھو، چوہے اور بھیڑیے وغیرہ کو مارنا۔ سعید بن غفلہ سے مروی ہے کہ ہمیں حضرت عمرؓ نے سانپ، بچھو، چوہا اور زنبور مارنے کا حکم دیا جب کہ ہم حالتِ احرام میں تھے۔ (۱) اور طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ میں احرام کی حالت میں تھا کہ راستہ میں مجھے کچھ سانپ نظر آئے۔ میں نے انہیں لاٹھی سے مار دیا۔ جب میں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور آپ سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں انہیں مار دو، وہ تو دشمن ہیں۔(۲) اور آپ نے فرمایا کہ ہر قسم کے سانپ مار دیا کرو۔(۳) اور حضرت عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ محرم کے لیے بھیڑیا اور سانپ مارنا جائز ہے۔(۴) اور ہر قسم کے کیڑے مکوڑے مارنا بھی جائز ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیڑے مکوڑوں کو خوفزدہ کر دو، اس سے پہلے کہ یہ تمہیں خوفزدہ کریں۔(۵) نیز آپ نے فرمایا کہ اپنا گھر صاف رکھو اور کیڑے مکوڑوں کو مار ڈالو، اس سے پہلے کہ وہ تمہارا گلا گھونٹ دیں۔

ایسے جنگلی جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے محرم کے لیے ان کا شکار جائز نہیں ہے اگر اس نے ان کا شکار کیا تو اس پر کفارہ لازم آئے گا۔

(ب) وجوبِ کفارہ کے لیے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ محرم نے شکار عمداً کیا ہے یا بغیر ارادہ کے کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ شکار عمداً اور شکار خطاً دونوں میں کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔(۶) نیز آپ نے فرامین بھیجے جن میں لکھا کہ خطا اور عمد دونوں صورتوں میں کفارہ دینے کا فیصلہ کیا جائے۔ (۷)

---

(۱) سنن البیہقی ۵/ ۶۹ (۲) الموطا ۱/ ۳۵۷، المجموع ۷/ ۳۲۲، ۳۴۲، المحلی ۷/ ۲۴۴، المغنی ۳/ ۳۴۳، عبدالرزاق ۴/ ۴۴۹، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۹۸، سنن البیہقی ۵/ ۲۱۲

(۱) عبدالرزاق ۴/ ۴۴۳، المحلی ۴/ ۴۴۹، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۹۸، ۱/ ۱۹۱، ۲۰۲، المجموع ۷/ ۳۲۲، الموطا ۱/ ۳۵۷ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۹۱ (۳) المحلی ۷/ ۲۴۴، عبدالرزاق ۱/ ۴۳۵ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۰۱، المحلی ۷/ ۲۰۶ (۵) سنن البیہقی ۵/ ۱۸۰، المحلی ۷/ ۲۱۵ (۶) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۹۸

اور آپ نے حرم میں خطأً شکار کرنے پر کفّارہ ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا۔[1]

(ج) اگر مُحرم نے کوئی جانور شکار کر لیا تو اُسی جیسا جانور بطور کفّارہ قربان کرنے کا فیصلہ کیا جائے اور قیمت ادا کرنے کا فیصلہ نہ کیا جائے۔ (۱) اگر اس جانور کا مثل میسر نہ ہو تو اس کی قیمت غلّہ میں مقرر کر کے وہ غلّہ فقرا میں تقسیم کیا جائے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ٹڈی کا شکار کرنے والے شخص پر ایک مُٹھی غلّہ کفارہ عائد کیا۔ (۲) حضرت کعب احبار نے دو ٹڈیوں کا شکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے اپنے اُوپر کیا تاوان عاید کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ دو درہم۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، بالکل دُرست، دو درہم سو ٹڈیوں سے بھی زیادہ ہیں۔ (۳)

اگر غلّہ میسر نہ ہو اور قیمت کے بقدر مال بھی موجود نہ ہو تو ہر مُدّ طعام کے بدلے ایک روزہ رکھے، کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے رمضان المبارک میں روزے کی حالت میں) بیوی سے صحبت کرنے والے پر ایک روزہ کا کفّارہ ایک مُدّ طعام عاید فرمایا۔ نیز اللہ سبحانہٗ نے سورۃ المائدہ میں فرمایا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ

(المائدہ: ۹۵)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو احرام کی حالت میں شکار نہ مارو اور اگر تم سے کوئی جان بوجھ کر ایسا کر گزرے تو جو جانور اُس نے مارا ہو اُسی کے ہم پلّہ ایک جانور اسے مویشیوں میں سے نذر دینا ہو گا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے اور یہ نذرانہ کعبہ پہنچایا جائے گا۔ یا نہیں تو اس گناہ کے کفّارہ میں چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہو گا یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔"

(د) شکار کے فدیے کا فیصلہ دو عادل شخص کریں گے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں حکم ہے۔ عنقریب اس کی مزید وضاحت حضرت عمرؓ کے ان فیصلوں کے بیان میں آئے گی جو آپ نے مُحرم کے شکار کے بارے میں کیے۔ (۱ ج / ۲ د ۵ ح) یہ بھی جائز ہے کہ شکار کرنے والا خود بھی دو حکموں میں سے ایک ہو۔ (۱) چنانچہ مروی ہے کہ ایک واقعہ پیش آیا کہ اربدؓ نے ایک گوہ کو پاؤں تلے روند دیا اور اس کی کمر توڑ ڈالی۔ پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور اُن سے پُوچھا تو حضرت عمرؓ نے خود اُن سے پُوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے کہا کہ بکری کا بچہ جو پانی پینے اور پتے کھانے لگا ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بس ٹھیک ہے یہی اس کا کفّارہ ہے۔ (۲) اور اس سے قبل گزر چکا ہے کہ کعب احبار نے ٹڈی کا شکار کیا اور اُنہوں نے خود اپنے بارے میں جو فیصلہ کیا وہ حضرت عمرؓ نے قبول فرما لیا۔

(ھ) اگر مُحرم بار بار شکار کرے تو ہر شکار پر کفّارہ ہو گا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے تحریری حکم ارسال فرمایا کہ مُحرم پر فدیہ ادا کرنے کا فیصلہ کیا جائے جب بھی وہ شکار کرے۔ (۳)

(و) اگر ایک سے زیادہ مُحرم ایک شکار میں شریک ہوں تو سب پر ایک ہی فدیہ لازم آئے گا (۴) چنانچہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُس نے بیان کیا کہ میں اور میرا ایک ساتھی گھوڑے

---

(۱) عبدالرزاق ۴/۳۹۲ (۲) المحلی ۷/۲۲۴ (۳) الموطاء ۱/۴۱۶ (۴) المغنی ۳/۴۲۲

(۱) المجموع ۷/۴۲۲ (۲) سنن البیہقی ۵/۱۸۵، عبدالرزاق ۴/۴۵۲ (۳) عبدالرزاق ۴/۳۹۴ (۴) المغنی ۳/۵۲۳، المجموع ۷/۴۲۱

دوڑا رہے تھے۔ ہم ثنیہ کی گھاٹی تک مسابقت کر رہے تھے کہ اس دوڑ کے دوران ایک ہرن مارا گیا اور ہم حالتِ احرام میں تھے۔ اب آپ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے کہا کہ آؤ میں اور تم فیصلہ کریں، چنانچہ ان دونوں نے ایک بکری فدیے میں دینے کا فیصلہ کیا۔ (۱)

(ن) محرم کے لیے جائز ہے کہ وہ اس جانور کا گوشت کھالے جسے کسی ایسے شخص نے شکار کیا ہو جو محرم نہ ہو، بشرطیکہ محرم نے اُسے اس جانور کے شکار کا حکم نہ دیا ہو۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ آپ ایسے پرندے کا گوشت کھانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے جو غیر محرم کے لیے شکار کیا گیا ہو (۲) اور حضرت ابن عمرؓ سے ایسے شکار کے بارے میں استفسار کیا گیا جو غیر محرم شخص مارے یعنی اگر وہ شکار محرم کے لیے نہ کیا گیا ہو تو کیا محرم اسے کھا سکتا ہے؟ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ یہ شکار کھا لیا کرتے تھے (۳) اور مقام زبدہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے کچھ لوگوں نے استفسار کیا کہ غیر محرم لوگوں نے کچھ شکار کیا ہے۔ کیا ہم اس گوشت میں سے کچھ کھا سکتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے انہیں فتویٰ دیا تم اسے کھا سکتے ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ جب مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے ذکر کیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تم نے انہیں کیا فتویٰ دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے فتویٰ دیا کہ تم اسے کھا سکتے ہو۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم یہ فتویٰ نہ دیتے تو میں تمہیں سرزنش کرتا۔ (۴)

(۱) سنن البیہقی ۵/۱۸۰ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۵ (۳) المجموع ۷/۳۳۲ (۴) المؤطا ۱/۳۵۲، المحلی ۷/۲۵۱، المجموع ۷/۳۳۲، آثار ابی یوسف ۵۰۸۔

کعب احبار نے حضرت عمرؓ سے ایسے شکار کے بارے میں پوچھا جو کسی غیر محرم نے مارا تھا اور اُن کے پاس لایا گیا تھا حالانکہ وہ احرام کی حالت میں تھے اور انہوں نے اس سے کھا لیا تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم اس کو نہ کھاتے تو میں سمجھتا کہ تم فہم و خرد سے بالکل عاری ہو۔ (۱) بنی ضمرہ کے ایک شخص سے مروی ہے کہ میں نے الجار جو مدینہ منورہ کے قریب ایک شہر ہے کے سفر کا ارادہ کیا۔ اُس وقت حضرت عمرؓ حج یا عمرہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا آؤ ہمارے ساتھ چلو، ہم الجار سے گزریں گے اور وہاں سے کشتی پر سفر کریں گے اور اس خدا کی حمد کریں گے جو اُسے رواں رکھتا ہے۔ ضمری کہتے ہیں کہ میں سات افراد کے ہمراہ حضرت عمرؓ کے ساتھ ہو لیا۔ ہم رات کو ایک اعرابی کے خیمہ میں پہنچے۔ دیکھا تو ایک ہانڈی میں کچھ پک رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے۔ اُس نے کہا کہ صرف ہرن کا گوشت ہے، جسے ہم نے کل شکار کیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر وہی لاؤ۔ حضرت عمرؓ نے اُسے کھایا حالانکہ وہ محرم تھے۔ (۲)

حضرت عمرؓ ایسے شخص کو ملامت کرتے تھے جو غیر محرم شخص کے شکار کیے ہوئے گوشت کو حرام سمجھتا۔ حضرت عبداللہ بن ابی عمار سے مروی ہے کہ ہم معاذ بن جبلؓ کے ساتھ بیت المقدس سے عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہوتے اور معاذؓ بن جبل ہمارے امیر تھے۔ ایک گورخر لایا گیا جسے شکار کر کے ذبح کیا گیا تھا کعب بن مسلم نے اس کا گوشت خرید لیا۔ جب سب یہ گوشت پکا رہے تھے تو معاذ آگئے اور اُنہوں نے کہا کہ جو میری اطاعت کرے وہ اپنی ہانڈی اُلٹ دے۔ سب نے ہانڈیاں اُلٹ دیں۔ جب حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو حضرت کعبؓ نے حضرت عمرؓ کو یہ واقعہ سنایا

(۱) عبدالرزاق ۴/۴۳۲ (۲) عبدالرزاق ۴/۴۳۱

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ کیا اس سے منع کیا گیا تھا؟ معاذ کیا تم نے ممانعت کا فتویٰ دیا تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُنہیں ملامت کی۔ (۱)

(ح) جن شکاروں کے بارے میں حضرت عمرؓ نے فیصلے کیے۔

ضب (گوہ) حضرت عمرؓ نے گوہ کے مارنے پر ایک بکری کا بچہ فدیہ میں دینے کا فیصلہ فرمایا۔ (۲) جیسا کہ پہلے اربد کے واقعہ میں گزر چکا ہے۔

ہرن اور ہرن کا بچہ مارنے پر ایک بکری فدیہ دینے کا فیصلہ کیا۔ (۳)

چنانچہ قبیصہ بن جابر الاسدی سے مروی ہے کہ میں محرم تھا میں نے ایک ہرن دیکھا تو اس پر تیر چلا دیا جو اُس کے سینگ کی جڑ میں لگا اور وہ مر گیا۔ میں اس کے بارے میں متأمل ہوا اور حضرت عمرؓ سے پُوچھنے آیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے پاس ایک صاحب بیٹھے ہیں جن کا رنگ سفید اور چہرہ ستواں تھا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے۔ میں نے حضرت عمرؓ سے پُوچھا تو حضرت عمرؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی جانب متوجّہ ہوئے اور اُن سے کہا کہ آپ کی رائے میں ایک بکری کافی ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ جی ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک بکری ذبح کر دو۔ (۴)

جنگلی چوہا (یربوع) مارنے پر بکری کا چار ماہ کا ایسا بچہ بطور فدیہ دینے کا فیصلہ کیا جو ماں سے جدا ہو چکا ہو۔ (۵)

گورخر مارنے پر ایک گائے ذبح کرنے کا فیصلہ کیا (۱)

خرگوش مارنے پر بکری کا بچّہ ذبح کرنے کا فیصلہ کیا (۲)

بجو مارنے پر ایک مینڈھے کا فیصلہ کیا (۳)

شترمُرغ مارنے پر ایک اُونٹ بطور فدیہ ذبح کرنے کا فیصلہ کیا (۴)

حضرت عمرؓ نے حرم کا پرندہ ہلاک کرنے پر خود اپنے اُوپر ایک بکری عاید کی۔ (۵)

یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت عمرؓ ایک روز دارالندوہ میں داخل ہوئے وہاں اپنی چادر لٹکا دی۔ اس پر ایک پرندہ بیٹھ گیا۔ حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہوا کہ چادر گندی نہ کر دے تو آپ نے اُسے اُڑا دیا لیکن اُسے سانپ نے ڈس لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے پرندہ کو اڑایا تب سانپ نے اُسے ڈسا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں کو تحکیم کے لیے کہا۔ اُنہوں نے ایک بکری بطور فدیہ دینے کا فیصلہ کیا۔ (۶)

حضرت عمرؓ نے ٹڈی کے شکار پر ایک مٹھی غلہ بطور فدیہ دینے کا حکم دیا۔ (۷) اور ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ٹڈی مارنے کے بدلے میں ایک کھجور دینے کا حکم دیا (۸) اور آپ سے پوچھا گیا کہ اگر مُحرم ٹڈی ہلاک کر دے؟ تو آپ نے فرمایا ایک کھجور ایک ٹڈی سے بہتر ہے (۹) کعب احبار کا ٹڈی شکار کرنے کا واقعہ

---

(۱) المحلی ۷/۲۵۱ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۳، المحلی ۳/۲۲۱، ۲۲۸، المجموع ۷/۲۲۴، المغنی ۳/۵۱۱ (۳) عبدالرزاق ۴/۴۰۳، ۴۰۱، ۴۰۸، المؤطا ۱/۱۴۱۴، سنن البیہقی ۵/۱۸۲، المجموع ۷/۴۰۷، المغنی ۳/۵۰۹، ۵۱۱، المحلی ۷/۲۲۷ (۴) سنن البیہقی ۵/۱۸۱، المحلی ۷/۲۱۴، تفسیر الطبری ۱۱/۲۳ (۵) المؤطا ۱/۱۴۱۴، عبدالرزاق ۴/۴۰۱، ۴۰۳۔ المحلی ۷/۲۲۸، المجموع ۷/۴۰۷، المغنی ۳/۵۱۱

(۱) المجموع ۷/۴۰۳، المغنی ۳/۵۰۹، ۵۱۰ (۲) المؤطا ۱/۴۱۲، عبدالرزاق ۴/۴۰۳، ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۴، سنن البیہقی ۵/۱۸۳، المجموع ۷/۴۰۷، المحلی ۳/۲۲۱، ۷/۲۲۸ (۳) المؤطا ۱/۴۱۴، عبدالرزاق ۴/۴۰۳، ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۳، سنن البیہقی ۵/۱۸۳، المجموع ۷/۴۰۷، المحلی ۷/۲۲۷، المغنی ۳/۵۱۰ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۷، المحلی ۷/۲۲۹، المجموع ۷/۴۲۱، المغنی ۳/۵۰۹، ۵۱۷ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۲ ب، المحلی ۷/۲۲۷، عبدالرزاق ۴/۴۱۳، المجموع ۷/۴۰۴ (۶) المجموع ۷/۲۹۵، المغنی ۳/۵۱۴ (۷) المؤطا ۱/۴۱۶ (۸) المحلی ۷/۲۲۷، المغنی ۳/۵۱۶ (۹) عبدالرزاق ۴/۴۱۰

پہلے گزر چکا ہے۔ (۱) ج/۶۶ و ۵ ج)

انڈوں کے ضائع کرنے پر آپؓ نے اُن کی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا۔ (۱)

(۷) زیارتِ کعبہ

حضرت عمرؓ جب مکّہ مکرمہ پہنچتے اور بیت اللہ پر نظر پڑتی تو یہ دُعا پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ

"اے اللہ سلام تو ہی ہے۔ سلامتی تیری ہی جانب سے ہے، لہٰذا تو ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ"

(۸) طوافِ قدوم

حضرت عمرؓ مکّہ مکرمہ پہنچنے کے بعد پہلا کام جو کرتے تھے وہ طوافِ قدوم ہوا کرتا تھا۔ کیوں کہ یہ طواف بیت اللہ کا سلام ہے۔ چنانچہ آپ حجرِ اسود کی طرف متوجہ ہوتے، اس کو چھوتے اور چومتے اور بغیر کسی کو تکلیف پہنچائے اگر ممکن ہوتا تو اس پر سجدہ کرتے۔ اور حجرِ اسود کو چھوتے وقت یہ الفاظ پڑھتے۔

آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكَفَرْتُ بِالطَّاغُوْتِ

"میں اللہ پر ایمان لایا اور میں نے طاغوت کا انکار کیا"

اور ایک مرتبہ آپ نے حجرِ اسود کو مخاطب کر کے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع، اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو ہرگز تجھے بوسہ نہ دیتا (۹)

(۱) عبدالرزاق ۴/۴۲۱، ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۷، المحلی ۷/۲۳۴، المجموع ۷/۳۲۹، المغنی ۳/۵۱۹ (۲) سنن البیہقی ۵/۷۳ - (۳) المغنی ۳/۳۷۰ (۴) سنن البیہقی ۵/۴۰، المجموع ۸/۱۵، عبدالرزاق ۵/۳۷ (۵) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۵ ب (۶) ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۰، عبدالرزاق ۵/۷۲، سنن البیہقی ۵/۷۴، المجموع ۸/۴۲، المغنی ۳/۳۷۰

اگر مُحرم حجرِ اسود کو چھونے سے عاجز ہو اور اس کے چھونے سے لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا امکان ہو تو اُس کی طرف صرف اشارہ کر دینا اور تکبیر کہنا کافی ہے اور یہ استلام کا قائم مقام ہے۔ حضرت عمرؓ قوی آدمی تھے اور ابتداء میں آپ حجرِ اسود پر لوگوں سے مزاحمت کیا کرتے تھے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا کہ اے ابو حفص تم قوی آدمی ہو اور تم رُکن پر لوگوں سے مزاحمت کرتے ہو جس سے کمزور افراد کو تکلیف پہنچتی ہے۔ جب تم جگہ دیکھو تو استلام کر لو (حجرِ اسود کو چھو لو) ورنہ صرف تکبیر کہو اور گزر جاؤ"(۱)

بعد ازاں طواف کے سات چکر پورے کرتے اور ہر چکر کی ابتدا میں حجرِ اسود کا استلام کرتے۔ حضرت عمرؓ رکنوں میں سے کسی رُکن کا استلام نہ کرتے تھے سوائے حجرِ اسود کے (۲) طاؤس سے کہا گیا کہ ابن عمرؓ ہر طواف میں دونوں رُکن یمانی کا چھونا ترک نہیں کرتے تھے۔ اس پر طاؤس نے جواب دیا کہ ابنِ عمرؓ سے بہتر شخص ان دونوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔ پُوچھا گیا کون؟ اُنھوں نے کہا کہ ان کے والد حضرت عمرؓ۔ (۳)

مُحرم کو چاہیئے کہ بیت اللہ کے گرد پیدل طواف کرے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو سوار ہو کر طواف کرنے سے منع فرمایا (۴)

محرم اپنی چادر کے نصف حصّہ کو بغل کے نیچے سے گزارے اور اس کے دونوں کنارے بائیں شانے پر ڈالے اور حجرِ اسود سے حجرِ اسود تک پہلے تین چکروں میں رمل کرے (۵) چنانچہ حضرت عمرؓ نے طواف کیا اور حجرِ اسود سے حجرِ اسود تک رمل کیا (۶) اور فرمایا کہ یہ دونوں باتیں یعنی رمل (تیز چلنا اور کندھے اچکانا) اور شانہ کھولنا اگرچہ اب غیر ضروری

(۱) سنن الامام احمد ۱۹۰، شرح معانی الآثار ۲/۱۰۸ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۳ ب (۳) عبدالرزاق ۵/۴۵ (۴) المحلی ۷/۱۸۱ (۵) المغنی ۳/۳۷۳، ۳۷۴ (۶) ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۳

معلوم ہوتی ہیں، کیونکہ اب اللہ نے اسلام کو استقرار عطا کر دیا، کفر کو ختم کر دیا اور اہلِ کفر کو نکال دیا ہے لیکن ہم پھر بھی کسی ایسے کام کو ترک نہیں کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے(۱)! آپ نے سعی کی علت بیان فرمائی کہ بیت اللہ میں صفا اور مروہ کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے سعی کی کہ مشرکین کو اپنی قوت دکھلائیں۔ (۲)

مُحرم طواف کے دوران یہ دُعا پڑھے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

"اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔"

چنانچہ حضرت عمرؓ بھی طوافِ بیت اللہ میں یہی دعا پڑھا کرتے تھے اور اس طرح آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے تھے۔

طواف کے دوران باتیں کرنے سے طواف فاسد نہیں ہوتا۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ آپ نے اپنے پیچھے دو آدمیوں کو عجمی زبان میں بات کرتے سنا تو آپ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے کہا کہ عربی میں گفتگو کرو۔ (۵)

جب مُحرم طواف کے سات چکر پورے کر لے تو بطور سُنتِ طواف دو رکعتیں پڑھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص حج کے لیے آئے تو سب سے پہلے طواف کے سات چکر پورے کرے، پھر مقامِ ابراہیم کے قریب دو رکعت نماز پڑھے (۱)، یہ دو رکعتیں اگر حرم سے باہر بھی پڑھ لے تو بھی درست ہے۔ البتہ مُحرم یہ کوشش کرے کہ ان دونوں رکعتوں کی ادائیگی ایسے وقت میں نہ ہو جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر کسی نے ایسے وقت طواف کیا جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (دا صلاۃ / ۷) تو اُسے چاہیے کہ ان دو رکعتوں کو اس حد تک مؤخر کر دے کہ کراہت کا وقت گزر جائے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ نمازِ صبح کے بعد طواف کیا۔ طواف کے بعد دیکھا تو ابھی سورج نہیں نکلا تھا، لہٰذا آپ سوار ہو کر چل پڑے اور ذی طویٰ پہنچ کر سواری کو بٹھایا اور وہاں دو رکعتیں پڑھیں۔

(۹) صفا اور مروہ کے درمیان سعی:

پھر مُحرم صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے، کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے کہ:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ۔

(البقرہ: ۱۵۸)

"یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے، اس کے لیے گناہ کی بات نہیں کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرے اور جو برضا و رغبت بھلائی کا کام کرے گا، اللہ کو اس کا علم ہے اور وہ اُس کی قدر کرنے والا ہے۔"

مُحرم طواف کی ابتداء صفا سے کرے اور یہاں رُک کر اللہ سے دُعا

---

(۱) سنن البیہقی ۷۹/۵، المجموع ۲۲/۸، ۹۰، المغنی ۳۹۰/۳، ۳۵۳/۳ (۲) سنن البیہقی ۸۲/۵ (۳) عبدالرزاق ۵۲/۵، سنن البیہقی ۸۴/۵ المغنی ۳۷۸/۳ (۴) الحاکم: المستدرک، الحج، الدعا بین الرکنین (۵) عبدالرزاق ۴۹۶/۵

(۱) ابن ابی شیبہ ۱۹۴/۱ - ب، المغنی ۳۸۲/۳ (۲) الموطا ۳۶۸/۱ سنن البیہقی ۹۱/۵۔ شرح معانی الآثار ۱۸۷/۲، المجموع ۶۵/۸ المغنی ۳۸۲/۳۔

مانگے۔ پھر وہ مروہ پر پہنچ کر بھی اسی طرح کرے، یہاں تک کہ سات چکر پورے ہوجائیں۔ وہب بن الاجدع بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے سُنا کہ محرم صفا سے آغاز کرے۔ بیت اللہ کا استقبال کرے۔ پھر سات بار اللہ اکبر کہے اور ہر دو تکبیروں کے درمیان اللہ کی حمد کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور اپنے لیے دُعا مانگے اور اسی طرح مروہ پر کرے۔ (۱)

(۱۰) منٰی میں رات گزارنا:

یوم عرفہ سے ایک روز قبل یوم ترویہ میں محرم فجر کی نماز مکہ میں پڑھے، پھر طلوع شمس کے بعد منٰی کی طرف روانہ ہو اور وہاں اگلے دن یعنی عرفہ کے دن سورج کے روشن ہوجانے کے بعد تک ٹھہرے، اس طرح کے وہاں اس کی پانچ نمازیں پوری ہوجائیں۔ مستحب یہ ہے کہ مسجد منٰی کی کوئی نماز ترک نہ کرے اور نماز قصر کرے یعنی چار رکعتوں والی نماز دو رکعتیں پڑھے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حج کیا تو آپ نے مدینہ واپسی تک دو رکعتیں پڑھیں (۲) اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں منٰی میں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ بھی اپنی خلافت کے آغاز میں دو رکعتیں پڑھتے تھے، پھر آپ پوری نماز یعنی چار رکعتیں پڑھنے لگے۔ (۳)

(۱۱) عرفہ:

عرفہ کے روز سورج طلوع ہونے کے بعد محرم عرفہ کی طرف روانہ ہو جائے اور پورا دن سورج غروب ہونے تک وہاں ٹھہرے۔ اس دن محرم کے لیے غسل مستحب ہے کیونکہ وقوف عرفہ ایک اجتماع عام ہے جس کا مقصد عبادت ہے، لہٰذا اس کے لیے غسل کرنا مسنون طریقہ ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی ایسا کیا ہے۔ (۴)

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۵ ب (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۷۷ ب (۳) الموطا ۱/۴۰۲، المغنی ۳/۴۵۹ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۲۔

یہ بھی مستحب ہے کہ حاجی اس دن روزہ نہ رکھے تاکہ اس میں قیام اور دعا کی قوت رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حج کیا اور حج میں عرفہ کے دن روزہ نہیں رکھا۔ (۱)

(۱۲) مزدلفہ:

یوم عرفہ کا سورج غروب ہوجانے کے بعد محرم مزدلفہ جس کو "جمع" بھی کہا جاتا ہے کی طرف روانہ ہو۔ اسود سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ عرفہ کی شام 'لبیک' کے درج ذیل تین فقرے کہتے ہوئے روانہ ہوئے۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ
لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ

محرم مغرب کی نماز عرفات میں نہ پڑھے اور نہ مزدلفہ جاتے ہوئے راستہ میں پڑھے بلکہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشا جمع کرکے پڑھے اور یہ جمع تاخیر ہو یعنی مغرب کو مؤخر کرکے عشا کے ساتھ جمع کرے۔ حضرت عمرؓ نے بھی مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی نمازیں جمع کرکے پڑھیں۔ (۳)

لیکن کیا محرم ان دونوں نمازوں کو ایک ہی اذان سے پڑھے یا دو اذانوں کے ساتھ پڑھے یا بغیر اذان کے پڑھے۔ یہ سب صورتیں حضرت عمرؓ سے مروی ہیں۔ ایک روایت حضرت عمرؓ سے یہ ہے کہ آپ نے یہ دونوں نمازیں اذان کے بغیر دو اقامتوں کے ساتھ جمع کیں (۴) ایک اور روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ دونوں نمازوں کو جمع کیا (۵) ایک تیسری روایت یہ ہے کہ دو اقامتوں اور دوسری نماز کے لیے اذان دے کر دونوں نمازیں جمع کرے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے دوسری نماز (عشاء) کی اذان کا اس لیے حکم دیا تھا کہ لوگ رات کے کھانے کے لیے منتشر

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۹ (۲) المغنی ۳/۴۲۳ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۷۸ ب، ۱۷۹، ۱۹۷، المحلی ۷/۱۲۹، بعد المجموع ۸/۱۳۹، المغنی ۳/۴۱۹ (۴) المحلی ۷/۱۲۹ (۵) المحلی ۷/۱۲۷

ہو گئے تھے۔ اُن کو جمع کرنے کے لیے اذان دی گئی تھی اور پہلی (نماز کی) اذان اس لیے نہیں دی گئی کہ وہ اپنے وقت سے مؤخر ہو گئی تھی۔ (۱)

صحیح روایت حضرت عمرؓ سے یہ مروی ہے۔ واللہ اعلم، کہ آپ جمع یعنی مزدلفہ پہنچے اور وہاں اذان بھی دی اور اقامت بھی کہی گئی اور آپ نے مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں۔ پھر آپ نے رات کا کھانا کھایا، پھر اذان اور اقامت کے ساتھ عشا کی دو رکعتیں پڑھیں (۲) طحاوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے دوسری نماز (عشار) کے لیے اس لیے اذان دلوائی تاکہ لوگ جو کھانے کے لیے منتشر ہو گئے تھے، جمع ہو جائیں (۳) اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ متفرق نہ ہوئے ہوں تو دوسری نماز کے لیے اذان نہ دی جائے۔

مُحرم رات مزدلفہ میں گزارے اور کنکریاں اکٹھی کرے پھر دوسرے روز سورج نکلنے سے پہلے لیکن روشنی ہو جانے کے بعد وہاں سے روانہ ہو۔ عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ میں نے عمرؓ کو "جمع" مزدلفہ میں دیکھا۔ اُنھوں نے جب صبح کی نماز پڑھ لی تو ٹھہر گئے اور کہا کہ مشرکین سورج طلوع ہونے کے بعد روانہ ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ سورج روشن ہو گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت کی اور طلوع شمس سے پہلے روانہ ہوئے۔ (۴)

(۱۳) وادیٔ محسر سے گزرتے وقت تیز چلنا:

حضرت عمرؓ جب وادی محسر سے گزرتے تو تیز روی سے گزر جاتے۔ محسر مزدلفہ اور منٰی کے مابین ایک وادی ہے۔

حضرت عمرؓ اس وقت یہ شعر پڑھتے۔

الیك تعدو قلقا وضینہا
مخالف دین النصارٰی دینہا

(اضطراب کے ساتھ تیری جانب دوڑ رہا ہے وہ جس کا دین نصاریٰ کے دین کے برخلاف ہے۔)

(۱۴) دوبارہ منٰی کی طرف روانگی۔

قربانی کے دن جب روشنی ہو جائے تو محرم مزدلفہ سے منٰی کی طرف روانہ ہو جائے۔ اس روز حاجی متعدد اعمال انجام دے گا جن کی ترتیب یہ ہے۔ سب سے پہلے جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنا۔ پھر جانور ذبح کرنا۔ اس کے بعد طواف افاضہ۔

(الف) جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنا:

جب مُحرم منٰی پہنچے تو جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے میں جلدی کرے۔ کہ یہ تحیۂ منٰی (منٰی کا سلام) ہے۔ جمرہ کی جانب پیدل چل کر جائے حضرت عمرؓ کنکریاں مارنے کے لیے پیدل جاتے تھے۔ (۲) اور آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی بیوی کو سواری پر بٹھا کر لا رہا ہے اور وہ سواری پر سے کنکریاں مار رہی ہے تو آپ نے اُس کے سوار ہونے کو ناپسند کیا اور مارنے کے لیے اپنا کوڑا اٹھایا۔ (۳)

اگر ازدحام نہ ہو تو جمرہ کی طرف منہ کر کے اس طرح کھڑا ہو کہ منٰی اُس کے دائیں جانب ہو اور مکّہ کا راستہ بائیں جانب۔ لیکن اگر ہجوم کا خوف ہو تو ہجوم کے اوپر سے رمی کرے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ آئے۔ اُنھوں نے جمرہ کے پاس ہجوم دیکھا تو اُوپر سے رمی کی (۴) اور جس سال آپ کا انتقال ہوا آپ نے جمرہ عقبہ کی رمی بطن وادی سے کی (۵)

---

(۱) المغنی ۳/۴۱۹ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۰، المحلی ۷/۱۲۷، المجموع ۸/۱۳۶ - شرح معانی الآثار ۲/۲۱۱ (۳) صحیح البخاری، الحج، متی یدفع من جمع - الترمذی، الحج ۸۹۶ - ابوداؤد، المناسک ۲۲۳۱، النسائی الحج، وقت الافاضۃ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۳

(۱) سنن البیہقی ۵/۱۲۶ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۷۴ ب (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۷۴ ب (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۹ ب، المجموع ۸/۱۵۰ - المغنی ۳/۴۲۷ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/۱۶۹ ب

(ب) ذبح : حاجی جمرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہوکر قربانی کا جانور ذبح کرے۔ یہ قربانی حج تمتع اور حج قران کرنے والے کے لیے واجب ہے اور باقی حاجیوں کے لیے نفل ہے۔ (د: حج ۸ ب ۴) و (حج ۸ اج ۵)

(ج) پہلی مرتبہ حلال ہونا۔ جب قربانی کا جانور ذبح کرنے سے فارغ ہو تو سر منڈائے۔ یہ سر منڈانا واجب ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس نے بال گوندھے یا جمائے تو اس پر سر منڈانا واجب ہے (۱) اور آپ نے فرمایا کہ جو اپنے بالوں کو گوندھ کر مینڈھی بنائے وہ بھی حلق کرے اور گوند سے چپکا کر عورتوں سے مشابہت اختیار نہ کرو۔ (۲) اس حلق کے بعد حاجی پر جو امور حرام تھے حلال ہوجائیں گے، سوائے خوشبو اور عورت کے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم سات کنکریوں سے رمی جمار کر چکو اور ذبح کر لو اور سر منڈ والو تو تمہارے لیے ہر شے حلال ہے ماسوا خوشبو اور عورت کے۔ (۳)

(د) طواف افاضہ :

جب حاجی حلق سے فارغ ہوجائے تو مکہ کی جانب روانہ ہوجائے اور بیت اللہ کا طواف زیارت کرے۔ اس میں سات چکر لگائے جاتے ہیں اور رمل اور اضطباع (چادر کا بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں شانے پر ڈالنا) نہیں ہوتا۔ یہ طواف رکن ہے اس کے بغیر حج درست نہیں، اس لیے کہ فرمان الٰہی ہے :

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۔ (الحج : ۲۹)

اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

ہر چکر میں حجر اسود کا استلام کرے اور ازاں بعد طواف کی دو رکعت پڑھے جیسا کہ طواف قدوم میں بیان ہوچکا۔

(ھ) دوسری مرتبہ حلال ہونا : اس طواف سے فارغ ہوتے ہی حاجی پر وہ تمام امور حلال ہوجائیں گے جو احرام کی وجہ سے اس پر حرام تھے۔ اور اب خوشبو اور عورت بھی حلال ہوجائے گی۔ حضرت عمرؓ نے عرفہ میں خطبہ دیا اور لوگوں کو حج کا طریقہ سکھایا اور منجملہ دیگر امور کے فرمایا کہ جب تم منٰی پہنچ جاؤ اور رمی جمرہ کر چکو تو تمہارے لیے وہ اُمور جو حاجی پر حرام ہیں سب حلال ہوجائیں گے، سوائے عورت اور خوشبو کے، کوئی حاجی نہ عورت کو چھوئے اور نہ خوشبو کو، جب تک کہ وہ بیت اللہ کا طواف نہ کرلے۔ (۱)

(و) تیسری مرتبہ منٰی کی طرف روانگی :

طواف افاضہ سے فارغ ہوکر حاجی ایک مرتبہ پھر منٰی واپس لوٹے گا اور وہاں رات گزارے گا۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک منٰی میں رات گزارنا واجب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی حاجی منٰی کی راتیں عقبہ کے پیچھے نہ گزارے۔ (۲) حضرت عمرؓ آدمی بھیجا کرتے تھے جو لوگوں کو عقبہ کے پیچھے سے نکال کر منٰی میں داخل کرتے تھے (۳) البتہ حضرت عمرؓ نے چرواہوں کو اجازت دی تھی کہ وہ رات کو رمی کرلیں لیکن رات وہاں نہ گزاریں۔(۴)
جب سورج ڈھل جائے تو حاجی رمی جمار کے لیے نکلیں۔ حضرت عمرؓ جب سورج ڈھل جاتا تھا تو رمی جمار کے لیے نکلا کرتے تھے۔ (۵) عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ "جمرہ الدنیا"[ؐ] کو سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہتے، پھر آگے بڑھتے، پھر رو بقبلہ ہوکر تلبیہ پڑھتے، دیر تک کھڑے رہتے، دعا کرتے اور اپنے دونوں ہاتھ

---

(۱) الموطا ۱/۳۹۷ (۲) الموطا ۱/۳۹۷، سنن البیہقی ۵/۱۳۵، المغنی ۳/۴۳۵، المجموع ۸/۱۶۴ (۳) شرح معانی الآثار ۲/۲۳۱، المحلی ۷/۱۳۹، ۱۰۲، سنن البیہقی ۵/۱۳۵، المغنی ۳/۴۳۸، الموطا ۱/۴۱۰

(۱) الموطا ۱/۴۱۰ (۲) الموطا ۱/۴۰۴، المحلی ۷/۱۸۵، سنن البیہقی ۵/۱۵۳، المغنی ۳/۴۴۹، ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۴ (۳) الموطا ۱/۴۰۶

(۴) ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۰ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۶ ب

ؐ جمرۃ الدنیا : سب سے نچلا یا پہلا جمرہ۔ جمرۃ الوسطیٰ : درمیان والا جمرہ۔ جمرۃ عقبہ : آخری جمرہ۔

اٹھالیتے، پھر دیر تک کھڑے رہتے پھر بطن وادی سے جمرہ عقبہ کی رمی کرتے اور وہاں نہ ٹھہرتے اور پھر واپس ہوتے اور فرماتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ (۱)

اس کے بعد اگر حاجی مکہ جانا چاہے تو جا سکتا ہے اور اس صورت میں اس پر سے تیسرے دن کی رمی ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے۔ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (البقرۃ: ۲۰۳)

"پھر جو کوئی جلدی کر کے دو ہی دن میں واپس ہو گیا تو کوئی حرج نہیں۔"

اسے نفرِ اوّل (پہلا کوچ) کہتے ہیں اور اس صورت میں شرط یہ ہے کہ حاجی اپنا سفر غروبِ شمس سے پہلے پورا کر لے۔ اگر سورج غروب ہو گیا اور حاجی منیٰ ہی میں موجود رہا تو اس پر لازم ہے کہ اگلے روز کی رمی جمار کیلئے وہیں ٹھہرے اور رمی کے بعد تمام حجاج کے ساتھ مکہ کی جانب روانہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس کو دوسرے دن کی شام ہو جائے وہ اگلے روز تک وہیں ٹھہرے اور اگلے روز سب لوگوں کے ساتھ روانہ ہو۔ (۲)

حضرت عمرؓ نے اہلِ مکہ کو نفرِ اوّل میں روانہ ہونے سے منع کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ نفرِ اوّل میں جانا چاہیں وہ چلے جائیں۔ سوائے آلِ خزیمہ کے کہ وہ صرف نفرِ اخیر میں کوچ کریں۔ (۳)

لوگوں میں سے جو منیٰ میں باقی رہ جائے اور نفرِ اوّل میں کوچ نہ کرے تو وہ ایامِ تشریق کے تیسرے دن بھی رمی جمار کرے جیسا کہ وہ دوسرے دن رمی کر چکا ہے، پھر مکہ کی جانب روانہ ہو جائے، اسے نفرِ ثانی یعنی دوسرا کوچ کہا جاتا ہے۔

(۱) المحلی ۷/۱۴۱، الموطا ۱/۴۰۲، ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۹ ب
(۲) المغنی ۳/۴۵۵، المجموع ۸/۲۲۸
(۳) المجموع ۸/۲۲۸ - المغنی ۳/۴۵۴

کسی حاجی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنا سامان کوچ کی رات اپنے پہلے روانہ کرے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو حاجی کوچ کی رات اپنا سامان پہلے روانہ کر دے گا، اس کا حج نہیں ہوا۔ (۱)

جب حاجی کوچ کے بعد مکہ کے قریب وادی محصب میں پہنچے تو وہاں اتر جائے اور نماز پڑھے اور نماز کے بعد پھر اپنا مکہ کا سفر جاری رکھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے آلِ خزیمہ کوچ کی رات وادی محصب میں اترا کرو۔ (۲)

(۱۶) طوافِ وداع:

حضرت عمرؓ ابتدا میں طوافِ وداع کو واجب سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا آخری عمل طوافِ بیت اللہ ہونا چاہیے اور طواف میں آخری عمل حجرِ اسود استلام ہونا چاہیے (۳)۔ اور آپ فرماتے کہ کوئی حاجی روانہ نہ ہو جب تک وہ بیت اللہ کا طواف نہ کر لے کہ آخری عمل طوافِ بیت اللہ ہونا چاہیے (۴) جو شخص بغیر بیت اللہ کا طوافِ وداع کیے مکہ سے نکل جاتا۔ حضرت عمرؓ اسے واپس بلواتے (۴) آپ نے ظہران سے ایک شخص کو واپس بلوایا تاکہ وہ طوافِ وداع کرے (۵) اسی طرح حضرت عمرؓ حائضہ عورت کو حکم دیتے کہ وہ پاک ہونے کا انتظار کرے اور پھر طوافِ وداع کرے اور طوافِ وداع سے قبل آپ اسے رخصت ہونے کی اجازت نہ دیتے۔ (۶) حارث بن عبداللہ بن اوس ثقفی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے استفسار کیا کہ اگر کسی عورت کو طوافِ وداع سے قبل حیض آ جائے، آپ نے فرمایا کہ اس کا آخری عمل طواف ہونا چاہیے۔

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۸ ب (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۸ ب (۳) الموطا ۱/۳۶۹ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۱۷۲ ب، ۱/۱۹۲ ب، الموطا ۱/۳۷۰ (۵) المغنی ۳/۴۹۰ (۶) المجموع ۸/۲۲۹، المغنی ۳/۴۹۱ ابن ابی شیبہ ۱/۱۶۶ -

اور آپ سے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپ نے یہی ارشاد فرمایا تھا۔ (۱)

اگر کوئی عورت طواف وداع سے قبل مکہ سے روانہ ہو جاتی تو حضرت عمرؓ اسے واپس بلواتے۔ چنانچہ نافع سے مروی ہے کہ چند عورتوں کو یوم نحر میں طواف افاضہ کے بعد حیض آگیا اور وہ طواف وداع کیے بغیر مکہ سے روانہ ہو گئیں! جحفہ کے قریب ثنیۂ ہرشی پہنچ گئیں۔ حضرت عمرؓ نے انہیں واپس بلوایا کہ وہ پاک ہونے کا انتظار کریں اور طواف بیت اللہ کر کے جائیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کو وہ حدیث پہنچ گئی جو اُن کی اس رائے کے برخلاف تھی تو حضرت عمرؓ نے اپنا پہلا طریقہ ترک کر دیا۔ (۲) یہ حدیث غالباً وہ ہے جو بخاری اور مسلم وغیرہ میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی گئی ہے آپ بیان کرتی ہیں کہ طواف افاضہ کے بعد اُم المومنین حضرت صفیہؓ کو حیض آگیا۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ فرمانے لگے تو کیا یہ ہمیں روکے گی؟ میں نے کہا کہ وہ طواف افاضہ کر چکی ہے اور اس کے بعد حائضہ ہوئی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر وہ روانہ ہو جائے (۲) یا یہ حدیث وہ ہے جو ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ اُم سلیم بنت ملحان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ مجھے طواف افاضہ کے بعد حیض آگیا ہے یا ولادت ہو گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں روانہ ہونے کی اجازت دے دی، چنانچہ وہ روانہ ہو گئیں۔ (۳)

(۱) المحلی ۱۷۰/۷ (۲) البخاری، الحج، اذا حاضت المرأۃ بعد ما افاضت مسلم، الحج، ۱۲۱۱۔ باب طواف الوداع، ترمذی، الحج ۹۴۳ ابوداؤد، المناسک ۲۰۰۳، النسائی، الحیض، ابن ماجہ، المناسک ۳۰۷۲، الموطا، ۴۱۲/۱ (۳) الموطا ۴۱۳/۱

جب حضرت عمرؓ کا اپنے پہلے قول سے رجوع ثابت ہے تو حضرت عمرؓ کے قول کا خلاصہ یہ ہوا کہ طواف وداع واجب ہے اور اس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے ماسوا اس حائضہ کے جسے طواف افاضہ کے بعد حیض آجائے تو اُس کے لیے طواف افاضہ ہی طواف وداع کا قائم مقام ہے۔ لیکن اگر کسی عورت کو طواف افاضہ سے پہلے حیض آجائے تو وہ اس وقت تک (مکہ سے) سفر نہ کرے جب تک بیت اللہ کا طواف نہ کر لے۔

(۱۷) طواف وداع کے بعد روانگی

جب حاجی طواف وداع مکمل کر لے تو اپنے گھر چلا جائے حضرت عمرؓ جب مکہ آتے اور مناسک حج پورے کر لیتے تو کہتے کہ یہ ٹھہرنے اور قیام کرنے کی جگہ نہیں ہے۔ (۱)

(۱۸) حج کی اقسام:

حج کی تین اقسام ہیں۔
افراد۔ قران۔ تمتع

(الف) حج افراد:

۱۔ تعریف: افراد سے مراد یہ ہے کہ حج کرنے والا احرام باندھتے وقت صرف حج کی نیت کرے۔

۲۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ افراد حج کی سب سے افضل قسم ہے۔[۲] اور اللہ سبحانہ کے اس فرمان میں یہی مراد ہے۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرہ: ۱۹۶)

"اللہ کی خوشنودی کے لیے حج اور عمرے کی نیت کرو تو اُسے پورا کرو۔"

زہری سے مروی ہے کہ ہمیں حضرت عمرؓ سے یہ خبر پہنچی کہ انہوں نے فرمایا کہ فرمان الٰہی "وأتموا الحج والعمرۃ للّٰہ" کا مفہوم یہ ہے کہ حج اور

(۱) مصنف عبدالرزاق ۲۱/۵
(۲) المجموع ۱۴۰/۷، المغنی ۲۷۶/۳

عمرہ میں سے ہر ایک کا اتمام یہ ہے کہ دونوں کو علیحدہ علیحدہ ادا کیا جائے اور عمرہ حج کے مہینوں کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کیا جائے۔[۱]

اور آپ نے فرمایا کہ اپنے حج اور عمرہ کے درمیان فاصلہ رکھو کہ اس طرح تمہارا حج زیادہ بہتر طریقہ پر مکمل ہوگا اور عمرہ ادا کرنے کا زیادہ مکمل طریقہ یہ ہے کہ حج کے مہینوں کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ میں کیا جائے[۲] اسی لیے حضرت عمرؓ حج افراد کیا کرتے تھے[۳] چنانچہ اسود سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ حج کیا تو آپ نے حج افراد کیا۔[۴] اور اس طرح آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی کہ آپ نے بھی حج افراد ہی کیا تھا۔[۵]

ب) حج قران:

۱۔ تعریف: حج قران یہ ہے کہ حج اور عمرہ کو ایک نیت کے ساتھ جمع کیا جائے۔

۲۔ جواز: حج قران جائز ہے۔ صبی بن معبدؓ کہتے ہیں کہ میں ایک نصرانی اعرابی تھا۔ پھر میں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں اپنے خاندان کے ایک شخص ہدیم بن ثرملہ کے پاس آیا اور میں نے اس سے کہا اے بھائی! مجھے جہاد کا بڑا شوق ہے اور میرے اوپر حج اور عمرہ بھی فرض ہیں تو میں ان دونوں کو کیسے جمع کروں تو اس نے کہا کہ دونوں کو جمع کر لو اور جو ہدی میسر آئے ذبح کر دینا، چنانچہ میں نے حج اور عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھ لیا۔ پھر جب میں عُذیب پہنچا تو مجھے سلیمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان ملے اور میں حج اور عمرہ دونوں کی نیت کر کے لبیک کہہ رہا تھا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اسے تو اپنے اونٹ کے برابر بھی سمجھ نہیں ہے۔ مجھے یہ سن کر ایسا محسوس ہوا جیسا کہ مجھ پہ پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو۔ بہرحال میں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور میں نے کہا کہ اے امیر المومنین میں ایک نصرانی اعرابی تھا۔ پھر میں مسلمان ہو گیا اور مجھے جہاد کا بڑا شوق ہے۔ میرے اوپر حج اور عمرہ بھی فرض تھے، میں اپنی قوم کے ایک شخص کے پاس آیا تو اس نے مجھے بتایا کہ حج اور عمرہ دونوں کو جمع کر لو اور جو ہدی میسر ہو وہ ذبح کر دو۔ چنانچہ میں نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ لیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تو نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا۔[۱]

۳۔ حج قران کی کیفیت:

قارن (حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرنے والا) عمرہ سے آغاز کرے گا اور طواف اور سعی کرنے کے بعد بھی اپنے احرام کو برقرار رکھے گا اور حلال نہیں ہوگا کیونکہ حلال ہونے سے اس کا حج کا احرام ٹوٹ جائے گا۔ بعد ازاں حج کے لیے طواف اور سعی کرے اور حج کے مناسک پورے کرے۔ گویا حضرت عمرؓ کے نزدیک قارن کے لیے دو طواف اور دو سعی کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ طواف بیت اللہ کیا، جب ہم نے عمرہ پورا کر لیا تو ہم نے حج شروع کر دیا۔ پھر ہم نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ کیا ہمارا حج مکمل ہو گیا؟ تو انہوں نے کہا کہ مجھے کوئی شبہ نہیں ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قران کرتے دیکھا ہے، لہٰذا میں نے پسند کیا کہ میں بھی قران کروں۔[۲] نیز صبی بن معبد کی جو حدیث پہلے گزری ہے، اس میں ہے کہ صبی

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۱/۲۳۰ (۲) الموطا ۱/۳۴۷ (۳) المغنی ۳/۲۷۶
(۴) سنن البیہقی ۵/۵، ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۲ ب
(۵) مسلم، الحج ۱۲۱۱۔ ترمذی، الحج ۸۲۰، ابوداؤد، المناسک ۱۷۷۷۔ النسائی، الحج، افراد الحج۔ الموطا ۱/۳۳۵

---

(۱) ابوداؤد، المناسک ۱۷۹۹، النسائی، الحج، باب القران، ابن ماجہ، المناسک ۲۹۷۰، سنن البیہقی ۴/۳۵۲، ۵/۳۵۴، ۵/۱۶، مسند احمد ۱/۱۴، ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۲ ب۔ آثار ابی یوسف ۴۷۸

نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے امیرالمومنین میں نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا۔ پھر میں نے مکہ پہنچ کر عمرہ کے لیے بیت اللہ کا طواف اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ پھر میں احرام ہی کی حالت میں رہا اور میں نے کوئی شے اپنے اُوپر حلال نہیں کی۔ پھر میں نے حج کے لیے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ اس کے بعد بھی میں حالتِ احرام میں رہا، یہاں تک کہ یوم النحر آگیا تو میں نے اپنے تمتع کے لیے جانور ذبح کیا اور پھر میں حلال ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر اُن کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا کہ تم نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سُنت پر عمل کیا۔ (۱)

۴۔ قارن پر ہدی لازم ہے: قارن پر لازم ہے کہ وہ بکری کی قربانی کرے۔ جیسا کہ صبی کے واقعہ میں گزرا۔ لیکن اگر ہدی میسر نہ ہو تو پھر روزے رکھے تین روزے ایامِ حج میں اور سات گھر واپسی کے بعد۔ لیکن اگر اُس نے دورانِ حج یعنی ذی الحجہ کے دس دنوں میں یہ تین روزے نہ رکھے تو پھر اُسے روزے رکھنے کی اجازت نہیں ہو گی اور اس پر ہدی لازم ہوگی(۲) جس میں گائے اور اونٹ کی صورت میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ (۳) اور ہدی کا یہ جانور منٰی میں دار المنحر میں ذبح کیا جائے(۴)۔

(ج) حجِ تمتع:

۱۔ تعریف: تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ ادا کر کے احرام کھول دے یعنی حلال ہو جائے اور حج کا وقت آنے تک مکہ میں بطور حلال مقیم رہے، پھر جب حج کا وقت آ جائے تو حج کا احرام باندھ لے۔

(۱) مسند ابی حنیفہ ص ۲۵ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۶۵، الموطا ۱/۲۴۴، المجموع ۷/۱۳۹ (۳) الموطا ۱/۳۴۴ النسائی، الحج، التمتع، الترمذی، الحج، ۸۳۳، سنن البیہقی ۵/۱۷ (۴) مسلم، الحج، باب التمتع، سنن البیہقی ۵/۲۱

۲۔ جواز: تمتع کے جواز کے بارے میں حضرت عمرؓ سے مختلف روایات منقول ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمتع سے منع فرمایا۔ (۱) ضحاک نے سعد بن ابی وقاصؓ سے کہا کہ عمرہ اور حج کے درمیان تمتع اللہ کے حکم سے ناواقف شخص کرتا ہے۔ سعد نے کہا بھتیجے تم نے کوئی اچھی بات نہیں کہی۔ ضحاک نے کہا لیکن حضرت عمرؓ نے تمتع سے منع کیا ہے۔ حضرت سعدؓ نے کہا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا ہے اور اُن کے ساتھ ہم نے بھی کیا ہے(۲) ایک اور روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو بات چاہتا حلال فرما دیا کرتا تھا۔ اب قرآن مکمل نازل ہو چکا ہے۔ لہٰذا تم لوگ حج کو عمرہ سے جدا کیا کرو کہ اس طرح حج بھی زیادہ بہتر طریقہ پر تکمیل پاتا ہے اور عمرہ بھی بہتر طور پر ادا ہوتا ہے(۳) اور آپ نے فرمایا کہ عہدِ نبوت میں دو متعے جائز تھے۔ حج کا متعہ اور عورتوں کا متعہ میں دونوں سے منع کرتا ہوں اور دونوں کو ختم کرتا ہوں(۴)۔ ایک اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حجِ تمتع کو مباح قرار دیا۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے تمتع کیا اور سب سے پہلے جس نے تمتع سے منع کیا وہ حضرت معاویہؓ ہیں۔ (۵) یہی وجہ ہے کہ جب سالم بن عبداللہ سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت عمرؓ نے تمتع سے منع کیا تھا تو انہوں نے کہا کہ نہیں قسم بخدا اُنہوں نے منع نہیں کیا بلکہ حضرت عثمانؓ نے منع کیا تھا(۶) اور جب عبداللہ بن عمرؓ سے حجِ تمتع کے بارے میں استفسار کیا گیا تو اُنہوں نے اس کے کرنے کا حکم دیا۔

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۶۵۔ الموطا ۱/۳۴۴۔ المجموع ۷/۱۳۹ (۲) الموطا ۱/۳۴۴۔ نسائی الحج باب التمتع۔ ترمذی الحج۔ رقم الحدیث ۸۳۳۔ سنن البیہقی ۵/۱۷۔
(۳) مسلم الحج باب التمتع۔ البیہقی فی السنن ۵/۲۱ (۴) المحلی ۷/۱۰۷۔ الموطا ۱/۳۴۷
(۵) سنن ترمذی الحج رقم ۸۲۲۔ النسائی الحج باب التمتع و ابن ابی شیبہ ۱/۱۷۴
(۶) المغنی ۳/۲۸۰

کسی نے کہا کہ تم اپنے والد کی مخالفت کر رہے ہو تو اُنہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے کبھی وہ نہیں کہا جو تم کہہ رہے ہو، اُنہوں نے تو یہ کہا تھا کہ عمرہ، حج سے علیحدہ کرو، اور اُن کا مقصود یہ تھا کہ حج کے مہینوں کے علاوہ بھی بیت اللہ کی زیارت جاری رہے، تم نے خود اسے (تمتع کو) حرام قرار دے لیا ہے اور اس پر سزا دینے لگے، حالانکہ اللہ نے اُسے حلال قرار دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا تھا۔ (۱) اور حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ کیا آپ نے حج تمتع سے منع کیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ نہیں، لیکن میرا ارادہ یہ تھا کہ بیت اللہ کی کثرت سے زیارت کی جائے۔ (۲) حضرت ابو موسیٰؓ حج تمتع کرنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ کسی نے اُن سے کہا کہ آپ اپنے اس فتویٰ پر غور کر لیں، کیونکہ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ امیر المومنین نے بعد میں حج کے بارے میں کیا حکم جاری کیا ہے۔ یہ سُن کر حضرت ابو موسیٰؓ نے حضرت عمرؓ سے ملاقات کی اور اُن سے پُوچھا تو اُنہوں نے کہا مجھے معلوم ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحابؓ نے حج تمتع کیا ہے، لیکن مجھے

(۱) سنن البیہقی ۵/۲۱، المغنی ۳/۲۸۰ (۲) سنن البیہقی ۵/۲۱

یہ بات ناپسند ہے کہ لوگ حرم کے قریب اپنی بیویوں کے ساتھ شب باش ہوں اور جب پلٹیں تو اُن کے سروں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں۔ (۱) اسی لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں تمہیں تمتع سے منع نہیں کرتا، کیونکہ یہ تو کتاب اللہ میں موجود ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہے۔ (۲) اور فرمایا کہ اگر مَیں سال میں دو مرتبہ بھی عمرہ کر چکا ہوں بعد ازاں مَیں حج کو جاؤں تو حج کے ساتھ پھر عمرہ کروں گا۔ (۳)

چنانچہ بعض فقہا کی رائے یہ ہے کہ حضرت عمر اوّلاً حج تمتع کے جواز کے قائل نہیں تھے لیکن بعد ازاں اُنہوں نے اپنی اس رائے سے رجوع کر لیا اور جواز کے قائل ہو گئے، ان فقہا میں سے ابن حزم بھی ہیں (۴)، لیکن ہم نے جو روایات نقل کی ہیں، اُن سے ابن حزم کے اس دعویٰ کی تائید نہیں ہوتی۔ اور بعض دیگر فقہاء کی رائے یہ ہے اور مَیں بھی اسی رائے کا قائل ہوں کہ حضرت عمرؓ نے جو حج تمتع سے منع فرمایا تھا، اس سے مراد یہ نہیں تھا کہ حج تمتع حرام ہے بلکہ اس کا مقصد صرف یہ بیان کرنا تھا کہ افضل کیا ہے۔

(۱) سنن البیہقی ۵/۲۰

(۲) المغنی ۳/۲۷۸ (۳) المحلی ۷/۱۰۷ (۴) المحلی ۷/۱۰۷

غرض حضرت عمرؓ نے کم فضیلت والے امر سے اس لیے منع کیا تاکہ لوگ زیادہ فضیلت والے امر کی طرف رجوع کریں اور یہ نہ ہو کہ لوگ حج کے زمانہ ہی میں حج اور عمرہ کرلیں، اور سارا سال بیت اللہ زائرین سے خالی رہے۔ یہی وہ بات ہے جو خود حضرت عمرؓ نے کہی اور یہی بات اُن کے صاحبزادے سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جو اپنے باپ کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے بیان کی اور لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ حضرت عمرؓ نے حج تمتع کی جو ممانعت کی تھی وہ ممانعت تحریم تھی اور آپ کے بارے میں اسی رائے کو شہرت حاصل ہوگئی۔ حالانکہ آپ کا یہ منع کرنا درحقیقت تحریم کے لیے نہ تھا۔

۳۔ کیفیت: جو شخص حج تمتع کا ارادہ کرے وہ پہلے میقات سے عمرہ کا احرام باندھے، پھر جب حج کا وقت آ جائے تو مکہ ہی سے حج کا احرام باندھ لے (۲)

۴۔ شرائط:

حج تمتع کرنے والے کے لیے حسب ذیل شرائط ہیں۔

(الف) حج تمتع کرنے والا اہلِ مکہ میں سے نہ ہو۔ اس لیے کہ فرمان الٰہی ہے:

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرہ: ۱۹۶)

"یہ رعایت اُن لوگوں کے لیے ہے جن کے گھر مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔"

(ب) اُس نے عمرہ بھی اسی سال حج کے مہینوں میں کیا ہو جس سال وہ حج کر رہا ہے۔

(ج) حج اور عمرہ کی درمیانی مدت میں حرم کی حدود سے باہر نہ نکلے حضرت

(۱) المجموع ۷/ ۱۷۹ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۹۴ المحلی ۷/ ۱۵۹ ، المغنی ۳/ ۴۷۱

عمرؓ نے فرمایا کہ جس نے حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھا اور پھر وہ (عمرہ کرکے) واپس چلا گیا تو وہ متمتع نہیں ہے بلکہ جو مکہ ہی میں مقیم رہے وہ متمتع ہے۔ (۱)

۵۔ ھَدْی:

متمتع پر ھدی، یعنی ایک بکری کی قربانی بھی لازم ہے۔ اگر قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو روزے رکھے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (البقرہ: ۱۹۶)

"جو شخص تم میں سے حج کا زمانہ آنے تک عمرے کا فائدہ اُٹھائے، وہ حسب مقدور قربانی دے اور اگر قربانی میسر نہ ہو تو تین روزے حج کے زمانے میں اور سات گھر پہنچ کر، اس طرح پورے دس روزے رکھ لے۔"

اگر حج کے دنوں میں تین دن کے روزے نہ رکھے گا تو پھر اس پر قربانی لازم ہو جائے گی اور اس کے بعد اس کا روزے رکھنا صحیح نہیں ہوگا۔ (۲) چنانچہ روایت ہے کہ ایک متمتع شخص مکہ میں روزے نہیں رکھ سکا تو حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ بکری ذبح کرو۔ (۳)

اور گائے یا اُونٹ سات افراد کی جانب سے کافی ہے (۴)

(۱۹) عورت کا حج:

(الف) ہر صاحب استطاعت پر عورت ہو یا مرد حج فرض ہے۔ البتہ عورت پر فرضیت حج کی مزید شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ جانے کو محرم موجود ہو۔ اگر محرم میسر نہ ہو تو ایسے قابل اعتماد رفقاء میسر

(۱) المحلی ۷/ ۱۴۲، ۱۴۴ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۹۴ ب (۳) المحلی ۷/ ۱۵۱

ہوں جن کے ساتھ وہ حج کو جا سکے۔ حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات کو حج کی اجازت دی اور اُن کے ساتھ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے حجاج میں منادی کی کہ کوئی شخص ازواجِ مطہرات کے قریب نہ جائے اور نہ اُن کی جانب دیکھے الایہ کہ جب وہ اپنے اُونٹ پر اپنے ہودج میں سوار ہوں تو بلا ارادہ نظر اُٹھ جائے۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں قافلہ کے درمیان اتارا اور حضرت عبدالرحمٰنؓ اور حضرت عثمانؓ نے سب سے آخر میں اس طرح پڑاؤ کیا کہ ازواجِ مطہرات کی جانب کوئی نہ پہنچ سکے۔ (۱)

عدت والی عورت پر حج فرض نہیں جب تک کہ اُس کی عدت پوری نہ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان عورتوں کو واپس بھیج دیا تھا جو عدت میں تھیں اور حج اور عُمرہ کے لیے روانہ ہوئی تھیں۔ (۲) (د؛ عدت/۹ ب)

(ب) مرد کے برعکس عورت حالتِ احرام میں سلا ہوا کپڑا اور جوتا پہن سکتی ہے۔ اس پر اجماع ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(ج) مرد کے برعکس عورت تلبیہ میں آواز بلند نہ کرے۔ اس پر بھی اجماع ہے اور کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(د) احرام سے حلال ہوتے وقت عورت پر سر منڈانا بھی لازم نہیں ہے بلکہ تھوڑے سے بال کٹوانا کافی ہے اور اس پر بھی اجماع ہے۔

(ھ) اگر عورت کو حیض آ جائے تو اُس کا حیض مناسک حج کے پورا کرنے سے مانع نہیں ہے، ماسوا طواف بیت اللہ کے اور وہ طواف کی قضا بعد میں کرے گی، بشرطیکہ یہ طواف واجب ہو سوائے طواف وداع کے کہ اگر حائضہ نے طواف افاضہ کر لیا ہو تو طوافِ وداع اُس سے ساقط ہو جائے گا لیکن اگر اُس نے طواف افاضہ نہ کیا ہو تو طوافِ وداع ساقط نہیں ہوگا۔ (د؛ حج/۱۲)

(۱) سنن البیہقی ۵/۲۲۸ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۷ ب

(۲۰) حج کا فاسد ہونا:

جماع کے سوا کسی شے سے حج فاسد نہیں ہوتا (۱) چنانچہ اگر حاجی نے جمرہ عقبہ کی رمی سے پہلے بیوی سے وطی کی تو دونوں کا حج فاسد ہو گیا، لیکن دونوں بحالت احرام رہیں گے اور یہ حج پورا کریں گے اور ہر ایک پر ایک جانور قربان کرنا لازم ہوگا اور جس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو وہ روزے رکھے تین روزے ایام حج میں اور سات گھر پہنچ کر۔ اور اگلے سال دونوں اپنے اس حج کی قضا میں پھر حج کریں۔ اور جب اس مقام پر پہنچ جائیں جہاں اُنہوں نے مجامعت کی تھی تو دونوں علیحدہ ہو جائیں اور اس وقت تک جمع نہ ہوں جب تک دونوں احرام کھول کر حلال نہ ہو جائیں (۲)

(۲۱) ھدی (قربانی کا جانور)

(الف) ھدی کی قسمیں: ھدی کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ ھدی تطوع (نفلی قربانی) وہ قربانی کا جانور جو حاجی یا غیر حاجی کعبۃ اللہ کی طرف روانہ کرے۔ لیکن یہ قربانی اس پر واجب نہ ہو، چنانچہ اگر غیر حاجی نے ہدی روانہ کی ہو تو اُسے چاہیے کہ ھدی کے ذبح ہونے تک ان تمام اُمور سے احتراز کرے جن سے احتراز کرنا حاجی پر لازم ہے (۳)

۲۔ ھدی تمتع یا قران: یہ ھدی متمتع اور قارن پر واجب ہے۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

(۱) المغنی ۳/۳۶۵ (۲) یہ احکام مندرجہ ذیل مآخذ سے لیے گئے جہاں یہ جدا جدا مذکور ہیں۔
مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۵، المؤطا ۱/۳۸۱، سنن البیہقی ۷/۱۹۰، المجموع ۷/۲۸۰، ۳۹۹، المغنی ۳/۳۳۴ - ۳۶۶، ۳۸۶ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۶۲

فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَی الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَیۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡیِ ج (البقرہ: ۱۹۶)

"جو شخص تم میں سے حج کا زمانہ آنے تک عمرے کا فائدہ اٹھائے وہ حسبِ مقدور قربانی دے۔"

(دیکھئے حج ۱۸ ب ۴) و (حج ۱۸-ج ۵)

اگر حاجی ہدی اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوا ہے تو احرام باندھتے وقت ہدی کے کوہان کی دائیں جانب اپنے نیزے سے چیر کر اس پر نشان لگا لے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ جب احرام باندھتے تو نیزے سے ہدی کے دائیں طرف نشان لگا لیتے تھے۔ (۱)

اگر حاجی ہدی لے کر روانہ ہوا اور وہ گم ہو گئی اور دوسرا جانور اس کی جگہ خرید لیا پھر پہلا بھی مل گیا تو دونوں کو ذبح کرے۔ (۲)

اور اگر پہلا اس وقت ملا جب دوسرا ذبح کر چکا تب بھی دوسرے کو ذبح کرے۔ (۳)

۲۔ هدیٔ جزاء: وہ دم ہے جو حاجی پر دورانِ حج کسی حکم شرعی کی خلاف ورزی پر لازم آتا ہے۔

(ب) هدی کے ذبح کرنے کا مقام:

هدی کی یہ تینوں اقسام حرم میں ذبح کی جائیں گی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ اپنی هدی منیٰ کے دار المنحر میں ذبح کرتے تھے (۴)

حجاب (پردہ)

اس مقام پر حجاب سے ہماری مراد دو باتیں ہیں۔

اولاً یہ کہ عورت کا لباس یعنی دوپٹہ اور بڑی چادر ایسے ساتر ہوں جو سر سے پیر تک اس کے جسم کو چھپا لیں۔

دوم یہ کہ عورت مردوں کی محفلوں سے الگ تھلگ رہے اور اُن کے ساتھ خلط ملط نہ ہو اور یہی وہ چیز ہے جسے اختلاط مرد و زن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۱۔ عورت کا حجاب:

(الف) نابالغ بچی کا بے حجاب پھرنا۔

حضرت عمرؓ حکم دیا کرتے تھے کہ چھوٹی عمر کی بچیاں جو بالغ نہ ہوئی ہوں مرد رشتہ داروں کے سامنے لائی جائیں تاکہ اُن کو لوگ خوب دیکھ بھال لیں اور اس طرح مستقبل میں اُن کے رشتہ کی بات چل سکے۔ (۱)

"حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ نابالغ بچیوں کو کھلا پھرنے دو۔ ممکن ہے اس طرح اُن کے چچازاد اُن میں دلچسپی لینے لگیں۔"

(ب) اہل کتاب عورتوں کا پردہ:

حجاب چونکہ اخلاق عامہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اور اس کا دوسرے آسمانی مذاہب یعنی یہودیت اور نصرانیت کی تعلیمات سے کوئی تعارض بھی نہیں ہے بلکہ ان مذاہب میں خود حجاب کی تاکید موجود ہے، اس لیے حضرت عمرؓ یہودی اور نصرانی عورتوں کو بھی پردے کا حکم دیا کرتے تھے کہ وہ بھی حجاب میں رہ کر بناؤ سنگھار کریں۔ (۲)

(ج) لونڈیوں کا حجاب:

اللہ سبحانہ نے آزاد عورتوں پر حجاب لازم کیا ہے۔ اس سے اُن کے شرف کا اظہار مقصود ہے، لہذا لونڈیوں کو حجاب سے منع کیا جائے گا تاکہ آزاد عورت لونڈی سے نمایاں طور پر پہچانی جائے اور اس فرمانِ الٰہی پر عمل ہو جائے۔

ذٰلِكَ اَدۡنٰۤی اَنۡ یُّعۡرَفۡنَ فَلَا یُؤۡذَیۡنَ ؕ

(الاحزاب: ۵۹)

(۱) المحلی ۷/۱۱۱ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۴ ب
(۳) المغنی ۳/۵۵۳ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۱ ب

(۱) عبدالرزاق ۲/۱۵۶ (۲) عبدالرزاق ۲/۵۴

"یہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔"

اسی لیے حضرت عمرؓ باندیوں کو جلباب یعنی بڑی چادر پہننے سے منع فرمایا کرتے تھے (۱) حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی باندی عقیلہ کو جلباب پہننے پر مارا تھا۔(۲) مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی۔ اس کا نام تو ملکہ تھا مگر اُسے سرور، کہہ کر پکارا جاتا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے جلباب پہننے سے منع کر دیا تھا۔ (۳) اسی طرح حضرت عمرؓ باندیوں کو بُرقع اور نقاب پہننے سے بھی منع کیا کرتے تھے۔ اور اپنے زمانہ خلافت میں حضرت عمرؓ نے کسی باندی کو نقاب نہیں پہننے دیا۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ نقاب آزاد عورتوں کے لیے ہے۔(۴) آلِ انس کی ایک باندی کو نقاب اوڑھنے پر مارا۔ اور اس سے کہا کہ اپنا سر کھُلا رکھ اور آزاد عورتوں سے مشابہت پیدا نہ کر۔(۵)

بہرحال حضرت عمرؓ باندیوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ آزاد عورتوں سے مشابہت پیدا کریں تاکہ آزاد عورتوں کا احترام برقرار رہے اور تاکہ شرفا اور رذیل لوگ باہم گڈمڈ نہ ہو جائیں اور بدکردار لوگ آزاد عورتوں سے ناپسندیدہ طریقہ پر تعرض نہ کریں۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں اور اسلام کے آغاز میں اس طرح کے لوگ صرف باندیوں ہی سے تعرض کرتے تھے اور آزاد عورتوں میں کوئی بدکردار نہیں ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ایک باندی کو دیکھا کہ اُس نے آزاد عورتوں کا سا حُلیہ بنا رکھا ہے تو آپ حضرت حفصہؓ کے پاس آئے اور فرمایا کہ میں نے تمہارے بھائی کی باندی کو دیکھا ہے کہ وہ لوگوں میں آزاد عورتوں کے حُلیے میں پھر رہی ہے۔ گویا حضرت عمرؓ نے اس کے اس فعل کو ناپسند کیا۔ (۱)

حضرت عمرؓ جہاں باندیوں کو بڑی چادر اور بُرقع پہننے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ وہاں اُنہیں اس امر کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ سج بن کر باہر نکلیں، کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک باندی حضرت حفصہؓ کے گھر سے نکلی۔ اُس نے خوب بناؤ سنگھار کیا ہوا تھا اور جلباب اوڑھے ہوئے تھی۔ حضرت عمرؓ حضرت حفصہؓ کے گھر میں گئے اور پُوچھا کہ یہ باندی کون تھی۔ اہلِ خانہ نے بتایا کہ ہماری باندی ہے۔ یا اُنہوں نے کہا کہ فلاں خاندان کی باندی ہے۔ حضرت عمرؓ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگ اس طرح زیب و زینت کے ساتھ اپنی باندیوں کو باہر بھیجتے ہو تاکہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔ (۲)

(د) مسلمان عورتوں کا کافر عورتوں سے حجاب:

حضرت عمرؓ کے نزدیک مسلمان عورت کا کافر عورتوں سے حجاب ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ مسلمان عورتیں اہلِ کتاب عورتوں کے ساتھ حمام میں جاتی ہیں۔ مسلمان عورتوں کو ایسا کرنے سے منع کر دو اور اُنہیں اس سے باز رکھو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی مسلمان عورت کے لیے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو۔ یہ جائز نہیں ہے کہ اُس کے اپنے اہلِ ملت کے سوا کوئی دوسرا اُس کے جسم کے پوشیدہ حصّوں کو دیکھے۔ (۳)

(ھ) عورت کے حجاب کی شرائط:

جو کپڑا عورت حجاب کے لیے استعمال کرے۔ اس میں درج ذیل شرائط پُوری ہونی چاہییں۔

۱۔ یہ کپڑا ایسا کھُلا ڈُلا ہو جس میں عورت کا پُورا جسم چھُپ جائے۔

---

(۱) عبدالرزاق ۳/ ۱۳۵ (۲) عبدالرزاق ۳/ ۱۳۲ (۳) عبدالرزاق ۳/ ۱۳۲
(۴) المغنی ۱/ ۶۰۴، ۵۹۰ (۵) عبدالرزاق ۳/ ۱۳۵، ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۱ ب۔ المغنی ۱/ ۶۰۴، المحلی ۳/ ۲۲۱

(۱) الموطا ۲/ ۹۸۱ (۲) عبدالرزاق ۳/ ۱۳۵، (۳) سنن البیہقی ۷/ ۹۵

چنانچہ حضرت عمرؓ ایک حوض پر آئے اور دیکھا کہ مرد اور عورتیں اکٹھے وضو کر رہے ہیں تو حضرت عمرؓ نے اُن کو کوڑے سے مارا اور صاحبِ حوض سے کہا کہ عورتوں اور مردوں کے لیے علیحدہ علیحدہ حوض بناؤ۔ پھر حضرت عمرؓ حضرت علیؓ سے ملے اور اُن سے پُوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپ راعی ہیں۔ اگر آپ اُنہیں اس کے علاوہ کسی اور بات پر ماریں تو آپ خود بھی ہلاک ہوں اور دوسروں کو بھی ہلاک کریں۔(۱) حضرت عمرؓ نے اس پر اس لیے اعتراض کیا تھا اور سرزنش کی تھی کہ عورت وضو کرتے وقت اپنی کلائی ضرور کھولے گی اور اس وقت اگر مرد موجود ہوں تو بُری بات ہے۔

۲۔ یہ کپڑا بجائے خود ایسا آراستہ پیراستہ نہ ہو کہ عورت کے حُسن میں اضافہ کا باعث بن جائے اور نظریں بے ساختہ اس طرف اُٹھیں چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک عورت اپنے شوہر کی اجازت سے زیبائش کر کے نکلی۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے اُسے طلب کیا لیکن وہ نہ مل سکی۔ حضرت عمرؓ نے خُطبہ دیا اور فرمایا کہ جو عورت باہر نکلی تھی اور جس نے اُسے بھیجا تھا۔ اگر یہ دونوں مجھے مل جائیں تو میں اُن کے ٹکڑے کر دوں۔ جو عورت اپنے باپ یا بھائی سے ملنے جائے اُسے سنورنے کی کیا ضرورت ہے، اُسے چاہیئے کہ وہ پرانے کپڑے پہن کر جائے اور اپنے گھر واپس آ کر اپنے شوہر کے لیے زیب و زینت کرے۔ (۲)

۳۔ یہ کپڑا عورت کے جسم کے پوشیدہ حصّوں کو نمایاں کرنے والا نہ ہو۔ کپڑوں کے اُوپر بڑی چادر کا پہننا دو وجوہ سے مشروع قرار دیا گیا ہے۔

اولاً: لباس کی اس زینت کو چھپانے کے لیے جو بالعموم کپڑوں میں ہوتی ہے۔

دوم: لباس پہننے کے باوجود جسم جو نمایاں ہوتا ہے، اُسے چھپانے کے لیے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ (الاحزاب: ۵۹)

"اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کرو۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عورتیں کوکھ چھپانے میں کوتاہی نہ کریں۔ اور اگر کوکھ سے نیچے کا جسم بھی پوشیدہ ہو تو یہ اور بھی ساتر ہے اور اگر جسم کے اس حصّہ پر بھی کچھ پہن لیا جائے تو یہ زیادہ چھپانے والا ہے۔ (۱) اس سے حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ کوکھ سے سرین تک کا حصّہ زیادہ مستور ہو جائے کیونکہ یہ حصّہ زیادہ آسانی سے مجسم ہو جاتا ہے۔

۴۔ عورتوں کا مردوں کے ساتھ اختلاط:

(الف) حضرت عمرؓ اس امر کو ناپسند کرتے تھے کہ عورتیں مردوں کی نظروں کا ہدف بنیں اور اجنبی مردوں کے ساتھ ملیں جُلیں، کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ شدید ضرورت کے بغیر عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا ناپسند کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ عورتوں پر لباس کی کمی سے قابو حاصل کرو۔ کیونکہ اگر عورتوں کے پاس کپڑا اور سامان زینت زیادہ ہوگا تو وہ باہر نکلنا پسند کریں گی۔ (۲)

(ب) حضرت عمرؓ اس بات سے منع فرماتے تھے کہ کسی عورت کے پاس اُس کے ذی رحم محرم کے علاوہ کوئی دوسرا شخص جائے، آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص ماسوا محرم کے اس عورت کے پاس نہ جائے جس کا شوہر کہیں باہر گیا ہوا ہو۔ اگرچہ کوئی کہے کہ یہ تو اس کا دیور ہے، کیونکہ دیور ہی تو موت ہے۔(۳) ایک مرتبہ آپ

(۱) عبدالرزاق ۱/۷۶ (۲) عبدالرزاق ۴/۳۷۲

(۱) عبدالرزاق ۳/۱۳۰ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۲۲۴ ب (۳) عبدالرزاق ۷/۱۳۷ ب، ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۲

نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی ایسی عورت کے پاس نہ جائے جس کا شوہر باہر گیا ہوا ہو۔ اس پہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ میرا بھائی یا میرا چچا زاد بھائی غزوہ میں گیا ہے اور وہ مجھے اپنے گھر والوں کا خیال رکھنے کے لیے کہہ گیا ہے تو کیا میں اُن کے پاس جا سکتا ہوں؟ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے اُسے کوڑا مارا اور فرمایا کہ اب اس طرح؛ ہرگز اندر نہ جاؤ۔ دروازے پر کھڑے ہو کر پوچھو کہ کیا کوئی ضرورت ہے، یا کچھ چاہیے؟ (۱)

(ج) حضرت عمرؓ مردوں کو اجنبی عورتوں کے ساتھ بیٹھنے اور اُن سے بات کرنے سے منع کرتے تھے۔ اور اس پر سزا دیا کرتے تھے۔ ایک شخص کا گزر ایک شخص کے پاس سے ہوا، جس کے لیے کچھ عورتوں نے گدا بچھایا ہوا تھا اور وہ اُن عورتوں کے درمیان بیٹھا تھا جو اُس سے باتیں کر رہی تھیں اور وہ اُن کی باتیں بڑی دلچسپی سے سُن رہا تھا، اُس شخص نے اُسے لکڑی سے مارا یہاں تک کہ وہ زخمی ہو گیا۔ وہ اُسے لے کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور کہا کہ اے امیرالمومنین یہ شخص میرے پاس سے گزرا۔ میں کچھ خواتین کے ساتھ باتیں کر رہا تھا، اس نے مجھے لاٹھی سے مارا اور زخمی کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ تو نے کیوں مارا؟ اُس نے کہا کہ امیرالمومنین، میں گزرا تو یہ شخص ایسی عورتوں میں بیٹھا تھا، جنہیں میں نہیں پہچانتا وہ اس سے باتیں کر رہی تھیں اور یہ دلچسپی سے اُن کی باتیں سُن رہا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے اپنے اُوپر قابو نہیں رہا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے ضارب اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔ اور اے مضروب تو سمجھ لے کہ اللہ کے نگران نے تجھے دیکھ لیا۔ (۲)

(د) حضرت عمرؓ عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانے سے منع فرمایا کرتے تھے کیونکہ جنازہ میں مرد ہوتے ہیں، اس لیے حضرت عمرؓ نے اسے ناپسند فرمایا۔ اور ایک موقعہ پر آپ نے کہا کہ کوئی عورت میرے ساتھ جنازے میں نہ آئے۔ (۱)

(ھ) حضرت عمرؓ مردوں اور عورتوں کے میل جول کو بیحد ناپسند فرماتے تھے حتیٰ کہ عبادات کے مقامات پر بھی عورت اور مرد کے اختلاط کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی مانند گردش کرتا رہتا ہے۔

۱۔ چنانچہ آپ نے وضو کرنے کی جگہ میں بھی عورت اور مرد کو ایک دوسرے کو جدا رکھا اور حکم دیا کہ مردوں کی وضو کی جگہ عورتوں کی وضو کی جگہ سے علیحدہ ہو۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

۲۔ حضرت عمرؓ نے عورتوں کے لیے مسجد میں علیحدہ دروازہ مخصوص کر دیا کہ اسی سے آمد و رفت رکھیں اور مردوں کو عورتوں کے دروازے سے آنے جانے سے منع کر دیا۔ (۲)

۳۔ حضرت عمرؓ پسند فرماتے تھے کہ نماز میں بھی عورتیں مردوں سے دُور رہیں۔ اسی لیے آپ نے سلیمان بن ابی حثمہ کو حکم دیا کہ وہ رمضان المبارک میں مسجد کے ایک کونے میں عورتوں کو تراویح پڑھائیں۔ (۳) اور اگر ایک سے زائد اماموں کا ہونا مکروہ نہ ہوتا تو بعید نہیں تھا کہ حضرت عمرؓ فرض نمازوں کے لیے بھی عورتوں کے لیے علیٰحدہ امام مقرر فرما دیتے۔

۴۔ حضرت عمرؓ اس امر کو پسند نہیں کرتے تھے کہ آپ کے گھر کی عورتیں نماز کے لیے مسجد میں آئیں۔ ان کے لئے آپ گھر میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن آپ اُنہیں واضح طور پہ منع کرنے کی جرأت بھی نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منع نہ کرنے کے بارے میں سنا تھا۔ یہ

---

(۱) عبدالرزاق ۱۳۷/۷ (۲) عبدالرزاق ۲۱۰/۱۰

(۱) ابن ابی شیبہ ۱۴۶/۱ (۲) المحلی ۱۳۱/۲، ۱۱۹/۴ (۳) المحلی ۱۳۹/۳

روایت امام احمد نے اپنی مسند میں نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ بڑے غیرت مند شخص تھے۔ جب نماز کو جاتے تو عاتکہؓ بنت یزید بھی آپ کے پیچھے جاتیں، آپ اُن کا جانا پسند نہ کرتے لیکن اُن کو منع کرنا بھی پسند نہ کرتے اور یہ حدیث بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تمہاری عورتیں نماز کو جانے کی اجازت طلب کریں تو اُن کو منع نہ کرو۔ (۱) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایک زوجہ صبح اور عشا کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرتی تھیں۔ اُن سے کہا گیا کہ آپ نماز کو کیوں جاتی ہیں، حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ ناپسند کرتے ہیں۔ وہ کہنے لگیں۔ پھر وہ ہمیں منع کیوں نہیں کرتے۔ پوچھنے والوں نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے منع نہیں کرتے کہ اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو۔ (۲) ابن حزم نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی اس زوجہ سے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے تو اُنہوں نے کہا کہ قسم بخدا میں اس وقت تک نہیں رکوں گی جب تک آپ مجھے منع نہیں کریں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر میں تو منع نہیں کروں گا۔ چنانچہ جس روز حضرت عمرؓ کو برچھی ماری گئی وہ مسجد میں موجود تھیں۔ (۳)

۵۔ عورتوں کو مسجد میں مردوں کے ساتھ ٹھہرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ابن سعد نے خولہ بنت قیس سے روایت کیا ہے کہ ہم عورتیں مسجد میں مردوں کے درمیان کھڑی ہو جاتیں، کبھی علیحدہ بھی کھڑی ہو جاتیں، کبھی کھجور کے پتوں میں ہو جاتیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں حرائر (آزاد) لوٹاؤں گا۔ اور حضرت عمرؓ نے ہمیں مسجد سے نکال دیا۔ (۱)

(۱) مسند الامام احمد ۱/۴۰ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۷ ب (۳) المحلی ۲/۱۲۹

لے حضرت عمرؓ کی ایک زوجہ کا نام۔

حجاز

کافروں کے لیے حجاز میں سکونت اور تین دن سے زائد قیام کرنا منع ہے۔

(د ۱ حربی / ۲) و (مکہ / ۷ / الف) و (ذمہ / ۳ / ح)

حجب (میراث سے محرومی)

کسی مانع کی وجہ سے میراث سے محروم ہو جانا حجب کہلاتا ہے۔

(د ۱ ارث / ۱۲)

حجر

۱۔ تعریف:

کسی قانونی وجہ کی بنا پر کسی شخص کو اس کے اپنے مال میں تصرف سے روک دینا۔

۲۔ اسباب:

تلاش و تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک حجر کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) جنون (۲) صغر (نابالغ ہونا) رق (غلامی) (۳) سفہ (کم عقلی) (۴) فلس (افلاس) (۵) انوثہ (عورت ہونا بھی سبب حجر ہے، جب تک کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں ایک سال نہ گزار لے یا اس کے بچہ نہ ہو جائے) (۶) آخرت کی دہلیز پر کھڑا ہونا مثلاً مرض الموت میں مبتلا ہونا یا میدانِ جہاد میں دونوں صفوں کے درمیان کھڑا ہونا یا وہ عورت جسے دردِ زہ شروع ہو چکا ہو وغیرہ۔

۳۔ حجر کی اقسام

(۱) کنز العمال ۲۳۱۳۱

حجر کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) کسی انسان پر خود اُس کے ذاتی مفاد میں پابندی عاید ہونا۔ مثلاً بچے، مجنون اور سفیہ پر۔ اور اس عورت پر حجر لگنا جسے شوہر کے گھر میں ابھی ایک سال نہ گزرا ہو یا اس کے بچہ نہ ہوا ہو۔

(ب) کسی انسان پر دوسرے شخص کے مفاد میں پابندی عاید ہونا جیسے قرض خواہوں کے حق کے تحفظ کی خاطر مفلس پر حجر عاید ہونا اور مالک کے حق کی خاطر غلام پر حجر عاید ہونا اور ورثاء کے حق کی خاطر اُس شخص پر حجر عاید ہونا جو قریب المرگ ہو۔

۴۔ حجر کے اثرات ونتائج :

(الف) انسان جو تصرفات کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ تصرفات فعلیہ اور تصرفات قولیہ۔

۱۔ تصرفات فعلیہ : مثلاً غصب اور اتلاف وغیرہ۔ ان تصرفات پر حجر کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کا مال تلف کرے گا تو اس پر اس کا ضمان عاید ہوگا خواہ تلف کرنے والا عاقل ہو یا مجنون، بالغ ہو یا نابالغ، آزاد ہو یا غلام وغیرہ۔

۲۔ قولی تصرفات : ان تصرفات پر حجر اثر انداز ہوتا ہے۔

ان تصرفات کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ تصرفات جو خالصتاً نفع بخش ہیں، جیسے ہدیہ اور صدقہ کا قبول کرنا۔ (۲) وہ تصرفات جو خالصتاً نقصان دہ ہیں جیسے کسی دوسرے کے ذمہ قرض کا اقرار اور ہبہ اور صدقہ کی قسم کے تبرعات کرنا (۳) تیسری قسم وہ تصرفات ہیں جن میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہو۔ مثلاً ایسے معاہدے جن میں معاوضہ ادا کرنا لازم آتا ہے جیسے بیع اور اجارہ وغیرہ۔

(ب) مجنون اور بے سمجھ نابالغ بچے کے کسی قسم کے قولی تصرفات صحیح نہیں ہیں۔ خواہ وہ خالصتاً نقصان دہ ہوں یا خالصتاً نفع بخش ہوں۔ یا ان میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہو۔ (د: جنون/ صغیر/۳)

غلام اور وہ عورت جس کا اپنے شوہر کے ہاں ایک سال نہ گزرا ہو اور اس نے ابھی بچہ نہ جنا ہو اور سفیہ، مفلس اور قریب المرگ شخص ان سب کے ایسے قولی تصرفات صحیح ہیں جو خالصتاً نفع بخش ہوں اور اُن کے ایسے تصرفات صحیح نہیں ہیں جو خالصتاً نقصان دہ ہوں، ماسوا طلاق دینے اور غلام آزاد کرنے کے اور غلام کے وہ اقرار بھی دُرست نہیں جو اس کے جسم سے متعلق ہوں جیسے حد یا قصاص کا اقرار (د: طلاق/۲و۱) و (د: وصیت/۱) و (اقرار/۲)

وہ تصرفات جن میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہو مثلاً عقودِ معاوضات (ایسے معاہدات جن میں ایک چیز دی جاتی ہے اور اس کے بدلہ میں دوسری لی جاتی ہے) عورت اور قریب المرگ شخص کے یہ تصرفات صحیح ہیں اور باشعور نابالغ بچے، غلام، مفلس اور سفیہ کے ایسے تصرفات ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے۔ (د: تبذیر) و (سفہ/۲) اور (مرض)

حجرِ صحی

(صحت کے تحفظ کے لیے پابندی)

دیکھیے (مرض/۱)

حجرِ اسود

حجرِ اسود کو بوسہ دینا۔ (د: حج/۸)

حلم

حلم کے موضوع پر گفتگو کے لیے ہم نے درج ذیل عنوانات قائم کیے ہیں۔

۱۔ تعریف (۲) جانی (مجرم) کو اللہ کا مہلت دینا۔

(۳) ستر (۴) حَدّ حق اللہ ہے
(۵) حد قائم کرنے کا اختیار کسے ہے (۶) جس پر حد نافذ کی جائے
(۷) اقامتہ حَد کی جگہ (۸) حَدّ کا ساقط ہونا
(۹) غلام کے حق میں حد کا نصف ہونا (۱۰) حد کے ساتھ تعزیر کا نفاذ
(۱۱) مریض پر حد نافذ کرنا (۱۲) سرایت حَد (حَد کے نتیجہ میں موت واقع ہوجانا) (۱۳) حدود کی اقسام (۱۴) حد کا ثبوت

۱۔ تعریف :

کسی مجرم کی شریعت کی طرف سے مقرر کردہ سزا کو حد کہتے ہیں نیز حد کا اطلاق اس جرم پر بھی ہوتا ہے جس کی سزا شریعت کی طرف سے مقرر ہے۔

۲۔ مجرم کو اللہ کی مہلت :

حضرت عمرؓ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو پہلی مرتبہ ارتکاب معصیت پر رسوا نہیں کرتا بلکہ اُسے مہلت دیتا ہے، حتیٰ کہ جب وہ معصیت پر اصرار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے رسوا کر دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک چور کو لایا گیا۔ اُس نے کہا قسم بخدا میں نے اس سے پہلے چوری نہیں کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عمرؓ کے رب کی قسم تو جھوٹا ہے۔ اللہ پہلے گناہ پر اپنے بندے کی گرفت نہیں کرتا۔ (۱)

۳۔ حَدّ میں ستر :

جس شخص نے مجرم حد کا ارتکاب کیا ہو، اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ خدا سے توبہ کرے اور اپنے جرم پر پردہ ڈالے۔ اور جو شخص کسی دوسرے کو مجرم حَد کا ارتکاب کرتے دیکھے۔ اُسے چاہیے کہ مجرم کو نصیحت کرے اور توبہ کی تلقین کرے۔ شرحبیل بن سمط میر لشکر تھے۔ اُنہوں نے اپنے لشکر میں اعلان کیا کہ تم ایسی سرزمین میں اُترے ہو جہاں عورتوں اور شراب کی کثرت ہے۔ اگر کوئی شخص تم میں سے مجرم حد کا ارتکاب کرے تو اُسے ہمارے پاس لایا جائے۔ ہم اُسے پاک کریں گے؛ چنانچہ ان کے پاس کچھ لوگ شکایات لے کر آئے۔ جب حضرت عمرؓ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے اُنہیں ملامت کی اور لکھا کہ کیا تم لوگوں کو یہ حکم دے رہے ہو کہ اللہ نے اپنے بندوں کے گناہوں پر جو پردہ ڈالا ہے وہ اُس کو فاش کر دیں۔ (۱)

۴۔ حد حق اللہ ہے :

حد حق اللہ ہے، اسی لیے امام کے پاس پہنچ جانے کے بعد اس میں معافی مؤثر نہیں ہوتی، خواہ معاف کرنے والا خود مجنی علیہ ہو یا ا۔ مملکت۔ اگر وہ عورت جس سے جبراً زنا کیا گیا ہے زنا کرنے والے کو معاف کر دے تو یہ معافی قابلِ قبول نہیں ہے، اسی طرح جس کی چوری کی گئی ہے اگر وہ چور کو معاف کر دے تو اُس سے حد یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا ساقط نہیں ہوگی۔ امام کو بھی اس شخص کی سزا معاف کرنے کا حق نہیں ہے جو حد کا مستحق ہو۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قابلِ حد مجرم جب امام تک پہنچ جائے تو اس میں معافی کی گنجائش نہیں رہتی، بلکہ حد کا قائم کرنا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت ہے۔ (۲) حضرت عمرؓ کے اس قول میں اس واقعہ کی جانب اشارہ تھا جس میں ایک شخص نے صفوان بن امیہ کی چادر چرالی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا تو صفوان نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اُسے معاف کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اے ابو وہب! تم نے ہمارے پاس لانے سے پہلے ہی کیوں نہ درگزر کی اور آپؐ نے

---

(۱) المحلی ۱۱/۱۵۸

(۱) عبدالرزاق ۷/۲۰۴

(۲) عبدالرزاق ۷/۲۲۲، المحلی ۱۱/۲۸۸، المغنی ۸/۲۹۰

اُس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ (۱)

۵۔ حد قائم کرنے کا اختیار کسے ہے؟

حد چونکہ اللہ کا حق ہے، اس لیے اُصول یہ ہے کہ امام حد جاری کرے۔ لیکن امام اجرأ حد کے لیے مختلف علاقوں میں امرا اور قضاۃ مقرر کر سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے امرا امصار کو اقامت حدود کا اختیار سُپرد کر دیا تھا اور اس کے سلسلے میں اُنہیں حضرت عمرؓ سے رجوع کی ضرورت نہیں تھی، سوائے اس صورت کے کہ حد ایسی ہو جس کا نتیجہ موت ہو۔ ایسی صورت میں اُنہیں حضرت عمرؓ سے رجوع کیے بغیر حد نافذ کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ ایک واقعہ کے بعد کیا تھا۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ ایک عورت کے چاروں طرف لوگ اکٹھے ہو گئے اور سب اس پر زنا کا الزام لگا رہے تھے۔ وہ عورت حضرت عمرؓ کے پاس منٰی میں پہنچی تو رو رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تو کیوں روتی ہے؟ بیشک عورت مجبور ہو جاتی ہے۔ اُس نے کہا: مَیں ایک گہری نیند سونے والی عورت ہوں۔ اللہ نے مجھے رات کی نماز کی بھی توفیق عطا کی ہے۔ ایک شب مَیں نماز پڑھ کر سو گئی اور سجدائیں اسی وقت بیدار ہوئی۔ جب ایک شخص مجھ پہ سوار ہو گیا اور مَیں نے اُسے صرف پلٹتے ہوئے دیکھا اور مَیں نہیں جانتی کہ وہ کون ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر مَیں بھی تم پر زنا کی تہمت لگاؤں تو مجھے ڈر ہے کہ میں دو پہاڑوں میں کچلا جاؤں۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ نے امراء امصار کی طرف فرمان لکھا: اُن کی اجازت کے بغیر کسی کو قتل نہ کیا جائے۔

مالک غلام پر حد جاری کر سکتا ہے، خواہ کوڑوں کی سزا ہو یا قطع ید کی۔ چنانچہ عبدالرزاق نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ اُنہوں نے اپنے ایک غلام پر زنا کی حد جاری کی اور اُسے حکومتِ وقت کے سامنے پیش نہیں کیا۔ (۱) اور آپ نے ایک غلام کا ہاتھ کاٹا جس نے چوری کی تھی۔ اور اس معاملہ کو بھی حکومتِ وقت کے سامنے پیش نہیں کیا۔ (۱)

۶۔ حد کا مجرم:

حد صرف اس شخص پر قائم کی جائے گی جس میں درج ذیل تین شرائط موجود ہوں۔

(الف) بلوغ:

نابالغ بچہ پر اس وقت تک حد نہیں ہے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمان لکھ کر بھیجا کہ جو شخص بالغ نہ ہوا ہو اس پر نہ جان کا قصاص ہے اور نہ زخموں کا اور نہ اُسے قتل کیا جائے گا اور نہ اُس پر حد نافذ کی جائے گی نہ تعزیر۔ جب تک اُسے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ از روئے اسلام اس کے کیا حقوق و فرائض ہیں (۲)۔ شبیب بن ابی صعبہ نے اپنے اشعار میں ایک عورت کا نقشہ کھینچ دیا حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کے تہہ بند باندھنے کے مقام پر دیکھو کہ اُس کے بال اُگ آئے ہیں یا نہیں۔ لوگوں نے دیکھا تو بال نہیں اُگے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تیرے بال اُگ آئے ہوتے تو مَیں تیرے اُوپر حد جاری کرتا۔ (۳)

(ب) عقل:

چنانچہ مجنون پر حد نہیں ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب کا ایک مجنون عورت پر سے گزر ہوا جس نے زنا کیا تھا اور اُسے رجم کیا

---

(۱) ابوداود، الحدود، ۴۲۹۴۔ النسائی، الحدود۔ باب الرجل یتجاوز للسارق، الموطا ۲/ ۸۳۴ (۳) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۹ البیہقی ۸/ ۹۱ ۔

(۱) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۳۹ (۲) عبدالرزاق ۱۰/۲۳۹ (۳) عبدالرزاق ۷/ ۴۰۴، ۹/ ۴۷۴، ۱۰/ ۱۷۹، المحلی ۹/ ۱۲۶، ۱۰/ ۳۴۷ (۴) عبدالرزاق ۱۰/ ۱۷۷، البیہقی ۶/ ۵۸، المغنی ۴/ ۴۹۰

کیا جارہا تھا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ کیا آپ نے اس کے رجم کا حکم دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جی ہاں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ کیا آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد معلوم نہیں ہے کہ تین افراد سے مواخذہ اُٹھا لیا گیا ہے۔ (۱) سونے والے سے جب تک وہ بیدار نہ ہو جائے (۲) بچّہ سے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔ (۳) مجنون سے جب تک اُسے جنُون سے افاقہ نہ ہو جائے؛ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں پھر حضرت عمرؓ نے اس کو چھوڑ دینے کا حکم دیا اور وہ چھوڑ دی گئی۔ (۲)

(ج) اختیار۔ مجبور پر حد نہیں ہے۔ (دیکھئے اکراہ / ۳)

(د) حرام ہونے کا علم؛ چنانچہ اس شخص پر حد نہیں ہے جس نے کسی جُرم کا ارتکاب اس صورت میں کیا کہ اُسے اس کے حرام ہونے کا علم نہ تھا۔ ابوعبیدہؓ بن الجراح نے حضرت عمرؓ کو لکھ کر پوچھا کہ ایک شخص نے زنا کا اعتراف کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُنہیں جواباً تحریر کیا کہ اس سے معلوم کیا جائے کہ کیا اُسے زنا کی حُرمت کا علم ہے؟ اگر وہ اقرار کرے تو حد جاری کرو، ورنہ اُسے بتاؤ کہ یہ فعل حرام ہے اور اگر اس کے بعد وہ پھر ارتکاب کرے تو اس پر حد جاری کرو۔ (۱) یحیٰی بن حاطب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اُن کی ایک آزاد کردہ باندی نے جس کا نام مرکوش تھا، زنا کیا اور وہ سب سے کہتی پھر رہی تھی کہ میں نے زنا کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے دریافت کیا تو ان دونوں نے کہا کہ حد لگائی جائے یعنی رجم کیا جائے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے پُوچھا تو حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ سب کے سامنے کہتی پھر رہی تھی کہ میں نے زنا کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسے معلوم نہیں کہ یہ جُرم ہے اور اس پر حد عاید ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور اُسے کوڑوں کی سزا دی اور رجم نہیں کیا۔ (۱) بکر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے حضرت عمرؓ سے ایک شخص کے بارے میں دریافت کیا جس سے پوچھا گیا تھا کہ تجھے عورتوں سے کب سے واسطہ پڑا؟ تو اُس نے کہا کہ گزشتہ شب۔ پُوچھا گیا کہ کون تھی۔ اُس نے کہا کہ 'ام مثوای' اُسے بتایا گیا کہ تو تو تباہ ہو گیا۔ اُس نے کہا کہ مجھے تو پتہ نہیں کہ اللہ نے زنا حرام کیا ہے تو حضرت عمرؓ نے اُس کے بارے میں جواباً تحریر کیا کہ اُس سے حلف لیا جائے کہ اُسے یہ معلوم نہیں کہ اللہ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔ اگر وہ قسم کھالے تو اُس کو چھوڑ دیا جائے (۲)

حضرت عمرؓ نے حمزۃ بن عمرو الاسلمی کو صدقات کی وصولی پر امیر مقرر کر کے بھیجا تھا۔ ایک شخص نے اُن کی بیوی کی باندی سے زنا کا ارتکاب کیا۔ حمزہ نے اُس شخص سے ضامن لیے اور حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور حضرت عمرؓ کو واقعہ بتایا۔ حضرت عمرؓ پہلے بھی اس شخص کو جب وہ غیر شادی شدہ تھا اُس کے اعتراف زنا پر سو کوڑے مار چکے تھے۔ اُس نے اس صُورت (یعنی باندی کی صورت) میں بھی عدم واقفیت کا دعویٰ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی تصدیق کی اور عدم علم کی بنا پر اس کو معذور قرار دیا۔ (۳)

۷۔ اقامت حدود کا مقام:

(الف) دشمن کی سرزمین میں اقامت حدود۔ حضرت عمرؓ قتل سے کم تر جرائم

(۱) البیہقی ۸/۲۶۴۔ ابوداؤد، الحدود ۴۳۹۹

(۲) عبدالرزاق ۷/۴۰۲، ۴۰۳، المحلی ۱۱/۱۸۸، المغنی ۸/۳۰۸

(۱) عبدالرزاق ۷/۴۰۵؛ البیہقی ۸/۲۳۸، المحلی ۱۱/۱۸۴، ۲۰۲

(۲) البیہقی ۸/۲۳۹، المغنی ۸/۱۸۵

(۳) البخاری، الکفالۃ، الکفالۃ فی القرض

پر دشمن کی سرزمین میں حد جاری کرنے سے منع کرتے تھے۔ اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سزا یافتہ شخص کے دل میں شرارت پیدا ہو جائے اور وہ دشمن سے جا ملے اور آن کا مددگار بن جائے اور مسلمانوں کے راز اُن پر منکشف کر دے اور یہ حکم دیتے تھے کہ حد کی اس سزا کو مؤخر کیا جائے یہاں تک کہ جب وہ مسلمانوں کی سرزمین پر واپس آجائے تب اس پر حد جاری کی جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے تحریری حکم ارسال کیا کہ کوئی امیر لشکر کسی مسلمان کو کوڑوں کی سزا اس وقت تک نہ دے جب تک لشکر اسلامی علاقہ میں واپس نہ لوٹ آئے اس لیے کہ کہیں غصہ کے جوش میں آکر وہ مشرکین سے نہ مل جائے۔(۱)

اس علت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کسی حد سے ایسا نتیجہ برآمد ہونے کا خطرہ نہ ہو، مثلاً قتل تو ایسی حد دشمن کی سرزمین میں قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت خالدؓ بن ولید سپہ سالار لشکر تھے، انہوں نے ضرار بن ازدر کو گھوڑ سواروں کا ایک دستہ دے کر روانہ کیا۔ اُس دستہ نے بنی اسد کے ایک قبیلہ پر حملہ کیا جہاں انہیں ایک خوبصورت دلہن ملی جو ضرار کو پسند آگئی اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے اُسے مانگ لیا۔ انہوں نے وہ ضرار کو دے دی۔ انہوں نے اس سے جماع کیا اور جب وہاں سے واپس آئے تو انہیں ندامت ہوئی اور اپنے فعل پر پچھتائے۔ جب حضرت خالد کے پاس یہ واقعہ پہنچا تو ضرار نے انہیں سارے واقعہ سے آگاہ کیا۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ میں اس عورت کو تمہارے لیے جائز کرتا ہوں اور تمہیں دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں جب تک تم ساری بات حضرت عمرؓ کو نہ لکھو۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر کیا کہ اسے سنگسار کر دو۔ لیکن جب حضرت عمرؓ کا یہ خط پہنچا اُس وقت تک ضرارؓ وفات پا چکے تھے۔ خالدؓ بولے۔ اللہ کو یہ منظور ہی نہیں تھا کہ ضرارؓ کی رسوائی ہو۔(۱)

سرحدی علاقوں میں حدود کا اجراء:

دشمن کے علاقوں سے متصل فوجی چھاؤنیوں میں کوڑوں وغیرہ کی سزا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو جب وہ شام میں تھے لکھا کہ مے نوشی پر حد جاری کرو۔ اور یہ سرحدی علاقہ تھا۔(۲) یہ تحریر حضرت عمرؓ نے ایک مشہور واقعہ کے بعد لکھی تھی اور وہ واقعہ یہ تھا کہ عبد بن ازور، ضرار بن ازور اور ابو جندل بن سہل بن عمرو نے شام میں شراب پی۔ یہ تینوں حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس لائے گئے تو ابو جندل نے کہا کہ قسم بخدا میں نے مندرجہ ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے یہی مفہوم اخذ کیا ہے کہ میرے لیے شراب پینا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (المائدہ: ۹۳)

"جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرنے لگے، انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا، اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی، بشرطیکہ وہ آئندہ ان چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں۔ اور اچھے کام کریں۔"

ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا تو عبد بن ازدر نے کہا کہ دشمن سامنے ہے۔ ہمارا معاملہ اگر کل تک مؤخر رکھیں اور کل ہم دشمن سے مقابلہ کرلیں۔ اگر خدا نے ہمیں شہادت سے سرفراز کیا تو آپ بھی بے فکر ہو جائیں گے اور ہم بھی رسوائی سے بچ جائیں گے ورنہ جو حضرت عمرؓ فیصلہ کریں اس پر عمل کیجیے گا۔ ابو عبیدہؓ نے کہا کہ ٹھیک ہے چنانچہ دشمن سے مقابلہ ہوا اور عبد بن ازدر شہید ہو گئے اور حضرت عمرؓ کا جواب آگیا۔ انہوں نے تحریر کیا کہ ابو جندل کو جس شیطان

(۱) عبد الرزاق ۵/۱۹۷، ابن ابی شیبہ ۲/۱۳۵، سنن البیہقی ۹/۱۰۵، ۸/۳۷۴ (۱) سنن البیہقی ۹/۱۰۴ (۲) المغنی ۸/۳۷۵

نے اس غلطی میں مبتلا کیا ہے، اسی نے یہ تاویل بھی سجھائی ہے ۔ میرا خط ملتے ہی اُن پر حد جاری کر دو۔ والسلام ۔

ابو عبیدہؓ نے دونوں کو بلایا اور اُن پر حد جاری کر دی ۔ ابو جندل صاحبِ شرف تھے اور اُن کے والد بھی مرتبہ والے تھے ۔ اس لیے اس سزا کے بعد وہ اپنے آپ میں غلطاں و پیچاں رہتے، یہاں تک کہ لوگ کہنے لگے کہ ابو جندل وہم کا شکار ہو گئے ۔ اس پر ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ میں نے ابو جندل پر حد جاری کی۔ وہ اپنے آپ سے اُلجھتے رہے یہاں تک کہ اب ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں وہ (اس صدمہ سے) مر نہ جائیں ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ابو جندل کو خط لکھا کہ جس شیطان نے تمہیں اس لغزش میں مبتلا کیا اسی نے تمہارے اُوپر توبہ کو دشوار بنا دیا ہے ۔

حٰمٓ ۚ تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۙ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝

(المومن: ۱-۳)

"ح م ۔ اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا ہے، گناہ معاف کرنیوالا اور توبہ قبول کرنیوالا سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحبِ فضل ہے ۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں ۔ اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے ۔"

جس وقت ابو جندل نے حضرت عمرؓ کا یہ خط پڑھا، اُن کا سارا غم جاتا رہا اور وہ ایسے ہو گئے، جیسے بیڑیوں سے آزاد ہو گئے ہوں[1]۔

(ج) مسجد میں حد کا اجرا :

حضرت عمرؓ احترامِ مسجد کے پیشِ نظر مسجد میں حد جاری نہیں کرتے تھے کہ اس طرح مسجد میں آوازیں بلند ہوں گی اور نجاست پھیل سکتی ہے ۔ لہٰذا جب آپ کے پاس کوئی ایسا شخص لایا جاتا جو قابلِ حد جرم میں ماخوذ ہو تو آپ کہتے : مسجد سے باہر لے جا کر اس پر حد نافذ کرو ۔ [1]

(د) حرم میں حد کا اجرا :

حضرت عمرؓ مکہ مکرمہ کے حرم میں حد کے اجرا کو ناپسند فرماتے تھے ۔ اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں حرم میں (اپنے باپ) خطاب کے قاتل کو کبھی پاؤں تو اُسے اس وقت تک کچھ نہ کہوں جب تک وہ حرم سے نکل نہ جائے ۔ [2]

۸ - سقوطِ حد :

درج ذیل حالات میں مجرم سے حد ساقط ہو جاتی ہے ۔

(الف) قابلِ حد جرم کے مرتکب مجرم میں وہ شرائط پوری نہ ہو جو حد کے اجراء کے لیے ضروری ہیں اور جو شق (حد/۲) میں بیان ہو چکی ہیں، اور وہ یہ ہیں ۔ عقل، بلوغ، اختیار، تحریم کا علم ۔

(ب) اگر کوئی جائز ضرورت کسی ایسے جرم کے ارتکاب پر مجبور کر دے جس پر حد لازم آتی ہو، چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جو صحرا میں پیاسی تھی ۔ اس نے چرواہے سے پینے کے لیے پانی مانگا ۔ چرواہے نے پانی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ پانی صرف اس صورت میں مل سکتا ہے کہ تم مجھے اپنے ساتھ بدکاری کی اجازت دو ۔ اُس نے اُسے اللہ کی قسم دی، لیکن اُس نے پھر بھی انکار کیا ۔ جب اُس کے لیے پیاس ناقابلِ برداشت ہو گئی تو اُس نے اُس کو اپنے اُوپر قدرت دے دی ۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے حد

---

(۱) سنن البیہقی ۹/۱۰۵

(۱) المحلی ۱۱/۱۲۳، المغنی ۸/۳۱۶، ۹/۴۵ ۔ عبد الرزاق ۱/۴۳۹، ۱۰/۲۳ ۔ صحیح البخاری، الاحکام، الحکم فی المسجد ۔

(۲) عبد الرزاق ۵/۱۵۳

ساقط کر دی، کیونکہ وہ ضرورت سے مجبور تھی (۱)، اسی طرح یمن کے کچھ لوگ ایک مقام پر فروکش ہوئے۔ اُن کے ساتھ ایک ثیبہ عورت بھی تھی، اُس نے بدکاری کا ارتکاب کیا تھا، لہٰذا وہ اُسے چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کو اس کے بارے میں اطلاع ملی۔ آپ نے اُسے بلوایا تو اُس نے حضرت عمرؓ کو واقعہ بتایا کہ میں ایک مسکین عورت ہوں، کوئی مجھ پر ترس نہیں کھاتا، میرے پاس اپنے وجود کے سوا کچھ نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے اہلِ قافلہ کو واپس بلوایا۔ اور اُن سے اُس کے ضرورت مند ہونے کے بارے میں دریافت کیا۔ اُنھوں نے اس کی حاجت مندی کی تصدیق کی۔ حضرت عمرؓ نے اُسے سو کوڑے مارے اور اُسے کپڑا اور ضرورت کی اشیاء دیں اور اہلِ قافلہ کو حکم دیا کہ اُسے ساتھ لے کر جائیں (۲)، نیز قحط سالی کے زمانہ میں حضرت عمرؓ نے حدِ سرقہ موقوف کر دی تھی اور فرمایا تھا قحط سالی میں قطعِ ید نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ بھوک ہی نے لوگوں کو سرقہ (چوری) پر مجبور کیا ہے۔

ج) شُبہ کی موجودگی :

حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ بات کہ میں شبہات کی بنا پر حدود معطل کر دوں تو مجھے اس سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ میں شبہات کی موجودگی میں حد جاری کر دوں (۴)، اور آپ نے فرمایا کہ میں معاف کرنے میں خطا کروں۔ یہ مجھے اسکے مقابلہ میں پسند ہے کہ میں سزا دینے میں خطا کروں (۵) اور فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے۔ حدود کو ساقط کرو۔ (۶) اور ایک روایت میں ہے کہ اگر شُبہ پیدا ہو جائے تو حدود کو ساقط کر دو (۱)

حد کو ساقط کر دینے والے شبہات تین ہیں :

۱- فاعل کا مغالطہ :

فاعل (کرنے والے) کا یہ گمان کہ وطی حلال ہے، جیسے کسی نے کسی عورت سے وطی کی اور اُس کا گمان یہ تھا کہ وہ اس کی بیوی یا مملوکہ عورت ہے لیکن بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ غیر عورت ہے (د: زنا/ ۲ ج) اور (یا) فاعل کو تحریم کا علم نہ ہو۔ (د: حد/ ۵۶)

۲- محل میں شُبہ :

چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی ایسی باندی سے وطی کرے جس کی شادی ہو چکی ہو تو اس پر حد نہیں ہے اور اس شخص پر بھی حد نہیں ہے جو اپنی باندی سے وطی کر لے جس کی ملکیت میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی شریک ہو (د: زنا/ ۲ الف ۔ تسری/ ۲ ب ج)

اور اس شخص پر قطعِ ید کی سزا نہیں ہے جو مسلمانوں کے بیت المال میں سے یا ایسے مال میں سے چوری کر لے جو اس کے اور دوسرے شریک کے درمیان مشترک ہو۔ (د: سرقہ/ ۵ الف ۱)

۳- سببِ جواز میں اشتباہ :

اس شخص پر حد نہیں ہے جو کسی عورت سے اس کی عدت کے دوران نکاح کر لے باوجودیکہ عورت یہ جانتی ہو کہ عدت میں نکاح کرنا حرام ہے۔ (د: عدت/ ۹ د) اسی طرح اس عورت پر حد نہیں ہے جس نے گواہوں کے بغیر نکاح کر لیا ہو۔ (د: زنا/ ۲ ب)

۴- اثبات میں شُبہ :

چنانچہ اگر کسی قابلِ حد جرم کا اقرار کرنے کے بعد اقرار کرنے والا اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو حد ساقط ہو جائے گی۔ (د: اقرار/ ۴ ب) اسی طرح جب کسی قابلِ حد جرم کی گواہی صرف عورتوں نے

(۱) عبدالرزاق ۷/ ۴۰۷ (۲) عبدالرزاق ۷/ ۴۰۵ (۳) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۴۲۔ المغنی ۸/ ۲۷۸، الموطا ۲/ ۷۴۸، المحلی ۱۱/ ۳۴۳ (۴) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۹، خراج ابی یوسف ۱۵۲ (۵) سنن البیہقی ۸/ ۲۳۸ (۶) عبدالرزاق ۷/ ۴۰۲

(۱) المحلی ۸/ ۲۳۵

دی ہو یا مردوں کے ساتھ مل کر دی ہو۔ (د : شہادت ۱/ج) اور اسی طرح جب کسی نے قابلِ حد مجرم کی گواہی ایک زمانہ گزرنے کے بعد دی ہو (د : تقادم) ان تمام صورتوں میں حد ساقط ہو جائے گی۔

۹۔ غلام کے حق میں حد کی نصف سزا :

غلام پر حدود اس مقدار کا نصف جاری ہوں گی جو آزاد کے لیے مقرر ہیں۔ چنانچہ مے نوشی پر غلام کی سزا چالیس کوڑے ہے۔ (د : اشربہ/اج ۲) زنا میں غلام کو پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور حد رجم جاری نہیں ہوگی۔ (د : زنا/۵ ب ۲) قذف میں چالیس کوڑے مارے جائیں گے (د : قذف/۵ ب) اس لیے کہ فرمانِ الٰہی ہے :

فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ط (النساء: ۲۵)

"تو ان پر اس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو خاندانی عورتوں کے لیے مقرر ہے۔"

سرقہ، ارتداد اور ڈکیتی کی حد نصف نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ سزائیں تنصیف کو قبول نہیں کرتیں۔

۱۰۔ حد کے ساتھ تعزیر کا اضافہ :

امیر کے لیے روا ہے کہ حد کے ساتھ تعزیر کا اضافہ کر دے اگر اس کے جرم کی نوعیت میں کوئی ایسا پہلو موجود ہو جو اس اضافہ کا تقاضا کرتا ہو۔ (د : تعزیر/۵)

۱۱۔ مریض پر حد کا نفاذ :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ایسا مریض جس کا شفایاب ہونا متوقع ہو، اس پر حد اس وقت تک جاری نہ کی جائے جب تک کہ وہ شفایاب نہ ہو جائے۔ اور اگر اس کی شفایابی متوقع نہ ہو تو اس پر حد جاری کی جائے گی، خواہ وہ ہلاک ہو جائے چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے قدامہ بن مظعون کو مے نوشی پر کوڑے مارنے کا ارادہ کیا تو صحابہ نے اُن سے کہا کہ جب تک وہ بیمار ہیں۔ ہماری رائے ہے کہ آپ اُنہیں (حد کے) کوڑے نہ ماریں۔ اس پر حضرت عمرؓ چند روز خاموش رہے۔ پھر ایک روز صبح آپ نے اُنہیں کوڑے مارنے کا ارادہ کیا اور آپ نے صحابہ سے استفسار فرمایا کہ قدامہ کو کوڑے مارنے کے بارے میں کیا رائے ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ جب تک وہ کمزور ہیں آپ اُنہیں کوڑے نہ ماریں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ خدا سے اس حالت میں ملاقات کریں کہ اُن پر کوڑے پڑ رہے ہوں۔ میرے نزدیک یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ خدا سے جا ملیں اور اُن کے حد کے کوڑوں کی ذمہ داری میرے سر رہ جائے۔ (۱)

۱۲۔ حد کی سزا کا اپنی حد سے بڑھ جانا :

اگر کسی شخص پر کوڑوں کی یا قطع ید کی سزا جاری کی گئی اور وہ سزا بلحاظ نتیجہ مقررہ حد سے آگے بڑھ گئی اور وہ مر گیا۔ تو اس کا خون رائیگاں قرار پائے گا اور اس کی دیت نہیں ہوگی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص قصاص یا حد میں مر جائے تو اس کی دیت نہیں ہے کیونکہ وہ حق کی بنا پر قتل ہوا ہے۔ (۲)

۱۳۔ حدود کی قسمیں :

حدود سات ہیں۔

۱۔ حدِ زنا (د : زنا)

۲۔ حدِ ردۃ (د : ردہ)

۳۔ حدِ حرابہ اور قطع طریق (د : حرابہ)

۴۔ حدِ سرقہ (د : سرقہ)

---

(۱) عبدالرزاق ۹/۲۴۰، المغنی ۸/۱۷۳

(۲) المحلی ۱۱/۲۲، المغنی ۷/۲۷

۵۔ حد قذف (د: قذف)

۶۔ حدِ مے نوشی (د: اشربہ/ ۱ ج)

۷۔ حدِ سحر (د: سحر)

۱۴۔ حدود کا اثبات:

حدود اقرار سے ثابت ہوتی ہیں۔ (د: اقرار/ ۴ ب اقرار/ ۵ ب)
اور شہادت سے ثابت ہوتی ہیں۔ (د: شہادت)
اور قرائن سے ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً زنا کی صورت میں حمل کا ہونا۔
(د: زنا/ ۴ ج)

حدود کے سلسلہ میں یہ جائز نہیں ہے کہ قاضی اس بنا پر فیصلہ کر دے کہ اس قضیہ کے بارے میں وہ ذاتی طور پر جانتا ہے۔
(د: قضاء ۲ ز ۱)

حداء (حُدی پڑھنا)

۱۔ تعریف:

اُونٹ کو تیز چلانے کے لیے ترنم سے اشعار پڑھنا۔

۲۔ حکم:

حداء جائز ہے (د: غناء/ ۱)

حِداد (سوگ)

حِداد کے معنی ہیں عدت گزارنے والی عورت کا شوہر کے انتقال پر اظہارِ غم کے لیے خوشبو اور زینت ترک کر دینا۔ (د: عدت/ ۹)

حدث

۱۔ تعریف:

حدث وہ نجاست حکمیہ ہے جو انسان پر طاری ہوتی ہے۔

۲۔ اقسام:

حدث کی دو قسمیں ہیں۔ حدث اکبر اور حدث اصغر

(الف) حدث اکبر

۱۔ سبب: حدث اکبر کا سبب وطی ہے (۱) خواہ اس کے ساتھ انزال ہو یا نہ ہو اور شہوت (۲) کے ساتھ انزال خواہ وطی سے ہو یا بغیر وطی کے۔ اور حیض (۳) اور نفاس (۴)

۲۔ حدث اکبر کے اثرات: حدث اکبر اگر وطی سے یا شہوت کے ساتھ انزال سے ہو تو وہ ان امور سے مانع ہوتا ہے۔ نماز، مسجد میں ٹھہرنا، کعبۃ اللہ کا طواف، قرآن کی تلاوت اور قرآن کو ہاتھ لگانا۔
(د: جنابت/ ۲) حدث اکبر اگر نفاس یا حیض سے ہو تو ان امور سے مانع ہے۔ نماز، مسجد میں ٹھہرنا۔ کعبۃ اللہ کا طواف، قرآن کی تلاوت اور اس کو ہاتھ لگانا۔ وطی اور سرد کا عورت سے ناف اور گھٹنے کے درمیان استمتاع، الا یہ کہ ازار کے اُوپر سے ہو۔
(د: حیض/ ۲)

۳۔ حدث اکبر کا دُور ہونا: حدث اکبر غُسل سے رفع ہو جاتا ہے۔
(د: غُسل)

(ب) حدث اصغر:

۱۔ سبب: وضو کے نواقض میں سے کسی ناقض کا پیدا ہونا۔
(د: وضو/ ۷)

۲۔ حدث اصغر کے اثرات: حدث اصغر نماز اور قرآن کو ہاتھ لگانے سے مانع ہے۔ (د: صلاۃ/ ۲ الف ۱) و (قرآن/ ۲)

۳۔ رفع حدث اصغر: حدث اصغر وضو سے رفع ہو جاتا ہے۔

حِذاء (جوتی)

دیکھیے: نعل

حرابہ

۱۔ تعریف :

حرابہ کے معنی ہیں راہزنی ۔ یا کسی انسان کا مسلح ہو کر علی الاعلان لوگوں کے جان و مال اور عزت آبرو سے تعرض کرنا ۔

۲۔ حرابہ حرام ہے :

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو لوگوں پر ہتھیار نکالے ۔ (۱)

۳۔ حرابہ کی سزا :

اللہ سبحانہٗ نے حرابہ کی سزا ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے :

إِنَّمَا جَزَآؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُّقَتَّلُوْٓا أَوْ يُصَلَّبُوْٓا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيْهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ط

(المائدہ : ۳۳)

" جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں اُن کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلا وطن کر دیے جائیں "

حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ایک مسلمان نے اہل کتاب میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے ۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اگر وہ چور یا محارب ہے تو اُس کی گردن اڑا دو اور اگر غصہ اور طیش میں قتل کر دیا ہے تو چار ہزار درہم تاوان وصول کر لو (۲)

(۱) ابن ابی شیبہ ۱۳۶/۲ (۲) عبد الرزاق ۹۳/۱۰، سنن البیہقی ۳۲/۸

۴۔ جرم حرابہ کا مدعی :

اگر محارب کسی انسان کی جان پر یا اس کے اعضا پر جنایت (دست درازی) کرے یا اُسے زخمی کر دے تو مجنی علیہ یا اُس کے ولی کو معاف کر دینے کا حق نہیں ہے، کیونکہ حرابہ اللہ کی حدود میں سے ایک حد ہے ۔ اور حدود کا مدعی خود اللہ تعالیٰ ہے ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے مکتوب میں ہے کہ دین (نظام اسلام) سے محاربہ کرنے والے کا مدعی سلطان ہے خواہ وہ کسی کے باپ یا بھائی کو قتل کر دیں ۔ کسی صورت میں کسی طالب دم کو دین سے حرابہ کرنے والے یا زمین میں فساد کرنے والے کے سلسلے میں کسی بات کا اختیار نہیں ہے ۔ (۱)

حربی

۱۔ تعریف :

حربی سے مراد وہ کافر ہے جس کا تعلق ایسی غیر مسلم مملکت سے ہو جو مسلمانوں سے برسر جنگ ہو جب کہ محارب سے ہماری مراد قاطع طریق (راہزن) ہے ۔ (د : حرابہ)

۲۔ حربی کا مسلمانوں کے مُلک میں داخلہ :

حربی، اجازت — امان — کے بغیر مسلمانوں کے مُلک میں داخل نہیں ہو سکتا خواہ وہ تاجر ہو یا سفیر یا احکام اسلام سیکھنے کی غرض سے آئے یا مسلمانوں کے مُلک میں طالب امان بن کر آئے ۔ اس کی تفصیلات کے لیے اور یہ جاننے کے لیے کہ امان دینا کس کا حق ہے اور کس شے سے امان حاصل ہو جاتی ہے اور اُس کے کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں دیکھیے امان ۔

۳۔ مسلمانوں کے مُلک میں حربی کے لیے قیام کی مدت :

(۱) عبد الرزاق ۱۱۲/۱۰ ۔ المحلی ۳۱۲/۱۱

حضرت عمرؓ کی ایسی کوئی تصریح نہیں ملی جس سے یہ معلوم ہو کہ ماسوا حجاز کے حربی کافر مسلمانوں کے ملک میں کتنی مدت قیام کر سکتا ہے جب کہ فقہا کی معروف رائے یہ ہے کہ حربی مسلمانوں کے ملک میں ایک سال سے زیادہ قیام نہیں کر سکتا۔

سرزمین حجاز میں حضرت عمرؓ نے کافروں کی مدت قیام تین دن مقرر کی ہے۔ چنانچہ آپؓ مدینہ منورہ میں آنے والے یہودیوں، نصرانیوں اور مجوسیوں کو تین دن سے زیادہ قیام کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ تین دن اس لیے کہ اس مدت میں وہ اپنا سامان فروخت کرلیں۔ (۱)

۴۔ حربی کافروں سے مسلمانوں کے ملک میں داخل ہونے پر کیا ٹیکس وصول کیا جائے گا:

اگر کوئی حربی کافر مسلمانوں کے ملک میں تاجر کی حیثیت سے داخل ہو تو اس کے پاس جو مال تجارت ہوگا اس کا دس فیصد بطور ٹیکس وصول کیا جائے گا۔ (د: عشر/ ۷ الف ۳)

۵۔ حربی کی جنایت اور حربی پر جنایت:

اگر کوئی مسلمان کافروں کے ملک میں ہو اور وہاں کوئی حربی اس پر کوئی جنایت کرے (قتل کردے یا زخمی کردے) تو وہ حربی اس جنایت پر ماخوذ نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان (دارالکفر) میں حربی کو مار دے تو وہ بھی ماخوذ نہیں ہوگا کہ وہاں مسلمانوں کی حکمرانی نہیں ہے اور اس لیے کہ اس کے حق میں عصمت (تحفظ جان) موجود نہیں ہے۔ لیکن اگر حربی امان لے کر مسلمانوں کے ملک میں آجائے اور کوئی مسلمان اس پر جنایت کرے تو اس پر دیت عاید ہوگی اور اگر ذمی عمداً اس پر جنایت کرے تو ذمی سے قصاص لیا جائے گا اور اگر ذمی نے خطأً جنایت کی ہے تو دیت لازم ہوگی۔ (د: جنایت ۳ ب ۲ ج۔ امان/ ۳ ب)

۶۔ کافر حربی قیدی: (د: اسر/ ۲ الف)

حرق (آگ میں جلانا)

جسم کو آگ میں جلا کر تعزیری سزا دینا جائز نہیں ہے۔ (د: تعزیر/ ۲ م الف)

حرم

حرم مکہ (د: مکہ) حرم مدینہ (د: مدینہ منورہ)

حریر (ریشم)

مردوں کے لیے ریشمی کپڑا پہننا حرام ہے۔ (د: لباس/ ۱ الف)

حضانت

۱۔ تعریف:

بچہ کی تربیت اور اس کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے اس کے نفس پر ولایت، حضانت کہلاتی ہے۔

۲۔ حضانت کا حقدار:

(الف) بچہ کی حضانت کا سب سے زیادہ حق اس کی ماں کو حاصل ہے۔ پھر ماں کی ماں کو۔ پھر باپ کو، پھر باپ کی ماں کو۔ اس کی دلیل کہ بچہ کی حضانت کی سب سے زیادہ حقدار اس کی ماں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے جو آپ نے ایک ماں سے کہا کہ تو اس بچہ کی زیادہ حقدار ہے جب تک تو دوسرا نکاح نہ کرے (۱)۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک بچہ کا جھگڑا آیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ماں کے ساتھ رہے جب تک بولنے نہ لگے، اس کے بعد اسے

---

(۱) عبدالرزاق ۶ ۵۱، ۱۰/ ۳۵۷، سنن البیہقی ۹/ ۲۰۸، ۲۰۹

(۱) ابوداؤد/ الطلاق ۲۲، ۲۲۷۶ - باب من احق بالولد

اختیار ہے (۱) اور نانی یعنی ماں کی ماں بچہ کی حضانت کی باپ سے زیادہ حقدار ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے نکاح میں ایک انصاری عورت تھی، اُس سے حضرت عمرؓ کا بیٹا عاصم پیدا ہوا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اُسے طلاق دے دی۔ بعدازاں حضرت عمرؓ کا اُدھر سے گزر ہوا تو دیکھا کہ اُن کا بیٹا عاصم مسجد کے صحن میں کھیل رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُسے بازو سے پکڑا اور اپنے آگے سواری پر بٹھا لیا۔ بچہ کی نانی آئی اور حضرت عمرؓ سے جھگڑنے لگی۔ یہاں تک کہ دونوں حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرا بیٹا ہے۔ عورت نے کہا کہ میرا بیٹا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ بچہ اس کی نانی کے پاس رہنے دو؛ چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ قبول کر لیا اور خاموش ہو گئے۔ (۲) بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ دیا اور کہا کہ بچہ یعنی عاصم بن عمرؓ کی حضانت اس کی نانی کرے گی یہاں تک کہ بچہ بالغ ہو جائے اور اس وقت اس کی ماں زندہ تھی اور شادی شدہ تھی (۳) پھر جب بچّہ کی ماں اور نانی بچہ کی حضانت کی باپ سے زیادہ حقدار ہیں تو یقیناً یہ دونوں بچے کے چچا سے بھی زیادہ حقدار ہیں۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک بچّہ کی ماں اور بچّے کا چچا مقدمہ لے کر آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "تیری ماں کی تنگدستی تیرے چچا کی خوشحالی سے بہتر ہے۔" (۴)

(ب) اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ اگر میاں بیوی نصرانی ہوں اور اُن کا بچّہ ہو اور دونوں میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لے تو بچہ کی حضانت کا حق مسلمان کو حاصل ہوگا، خواہ مسلمان باپ ہو یا ماں۔

(۱) عبدالرزاق ۷/۱۵۶، المحلی ۱۰/۳۲۸ (۲) الموطا ۲/۷۶۷، سنن البیہقی ۸/۵، عبدالرزاق ۷/۱۵۴ (۳) سنن البیہقی ۸/۵ (۴) عبدالرزاق ۷/۱۵۶، المحلی ۱۰/۳۲۸

چنانچہ حضرت عمرؓ نے عیسائی ماں باپ کے سلسلہ میں جن کا ایک چھوٹا بچہ تھا اور اُن میں سے ایک مسلمان ہو گیا تھا، یہ فیصلہ کیا کہ اس بچّہ کا سرپرست مسلمان ہوگا۔ (۱)

(ج) حضانت لقیط (د: لقیط)

۳ - حقِ حضانت کا ختم ہو جانا:

تین امور سے حضانت ختم ہو جاتی ہے۔

(الف) نکاح:

اگر ماں نکاح کر لے تو اُس کا اپنے بچے کے سلسلہ میں حضانت کا حق ختم ہو جاتا ہے اور ماں کی ماں کی جانب منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ مفہوم حضرت عمرؓ نے حدیث مذکور سے اخذ کیا کہ تو اس بچّہ کی حقدار ہے جب تک تو نکاح نہ کر لے۔ اسی لیے جب حضرت عمرؓ کو علم ہوا کہ اُن کی پہلی بیوی اُم عاصم نے نکاح کر لیا ہے تو اُنھوں نے بچہ اُس کی نانی سے لے لیا۔ گویا اُس وقت حضرت عمرؓ کو یہ علم نہیں تھا کہ اب حقِ حضانت نانی کی جانب منتقل ہو گیا ہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ فیصلہ دے دیا اور حضرت عمرؓ نے بچّہ نانی کے سپرد کر دیا۔ لیکن اگر بچّہ کی نانی نہ ہو تو حضانت باپ کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

(ب) کفر:

کفر سے حقِ حضانت ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک کافر ہو تو اُس کا حقِ حضانت ساقط ہو جاتا ہے اور مسلمان کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اُوپر گزر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ حضانت کا حق مسلمان کو حاصل ہے۔

(ج) کبر (بچّہ کا بالغ ہو جانا)

بچّہ کے بالغ ہو جانے پر حضانت کرنیوالے کا حقِ حضانت

(۱) عبدالرزاق ۶/۱۰۴۔

ساقط ہوجاتا ہے اور بچہ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ چاہے تو ماں کے ساتھ رہے اور اگر باپ کے پاس رہنا چاہتا ہے تو اُس کے پاس رہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک بچہ کو اُس کے باپ اور اُس کی ماں کے مابین انتخاب کا اختیار دیا اور بچے نے ماں کو انتخاب کیا تو ماں اُسے لے کر چلی گئی (۱) ایک عراقی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی وہ حاملہ تھی۔ اُس شخص نے اپنی بیوی سے کوئی حُسن سلوک نہیں کیا تھا، نہ زمانۂ حمل میں نہ بچہ کی پیدائش کے وقت اور نہ رضاعت کے دوران اور نہ اس کے بعد اور نہ ہی اُس نے بچہ سے کوئی حُسن سلوک کیا تھا یہاں تک کہ لوگ حج کو روانہ ہوئے، قافلۂ حج میں اُس بچہ کا باپ بھی تھا۔ کسی نے اُس سے کہا کہ تمہارا بچہ بھی قافلہ میں ہے۔ اگر تم اُسے دیکھو تو کیا پہچان لوگے ؟ اُس نے کہا کہ نہیں قسم بخدا، اس شخص نے بتایا کہ یہ تمہارا بیٹا ہے۔ اُس نے (اُس کے اُونٹ کی) مہار پکڑ کر کھینچ لی اور اُسے لے کر روانہ ہوگیا۔ جب دونوں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو ماں نے دامن پھیلا کر یہ شعر پڑھا کہ:

"اے اللہ کے بندو، راستہ دو، میں ہی تو ہوں جس نے ایک سال پیٹ میں رکھا اور دو سال دُودھ پلایا۔"

حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر فرمایا کہ اسے راستہ دے دو، وہ آگے بڑھی اور حضرت عمرؓ کو پُورا واقعہ سنایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے بچے کو جواب نوجوان تھا، اختیار دیا۔ اُس نے اپنی ماں کو اختیار کیا اور ماں اُسے لے کر چلی گئی (۲)

(د) کیا حضانت، حضانت کرنے والے کے سفر پر چلے جانے سے ختم ہوجاتی ہے؟ اس بارے میں ہمیں حضرت عمرؓ کا کوئی قول نہیں ملا

(۱) المحلی ۱۰/۳۲۸، ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۵/ب، المغنی ۷/۶۱۴
۹/۱۴۲ - (۲) عبدالرزاق ۷/۱۵۵

۴۔ عمر کی وہ حد جس کو پہنچنے پر حضانت ختم ہوجاتی ہے۔

اس عمر کی تعیّن کے سلسلے میں جس تک پہنچنے پر حضانت ہوجاتی ہے اور بچّہ کو والدین میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار مل جاتا ہے۔ ہمارے سامنے دو روایات ہیں۔

پہلی روایت:

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمر جس میں بچہ اپنی بات پُوری طرح کہہ سکے اور اس میں سمجھ بُوجھ پیدا ہوجائے عمر کی وہ حد ہے جس میں بچّہ کو اختیار انتخاب ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ (بچّہ) اپنی ماں کے پاس رہے گا، حتّی کہ اپنی بات پُوری طرح کہنے کے قابل ہوجائے تو اُسے انتخاب کا اختیار دیا جائے گا۔(۱) اور ایسا بالعموم سات سال کی عمر میں ہوتا ہے۔ اسی لیے قدامہ نے مُطلقاً کہہ رہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ بچّہ کی عمر جب سات سال ہوجائے اور وہ بے عقل نہ ہو تو اُسے والدین میں سے کسی ایک کو انتخاب کرنے کا موقعہ دیا جائے گا، جس کو وہ منتخب کرے گا وہی اُس کا زیادہ حقدار ہوگا۔

دوسری روایت:

بیہقی نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ دیا کہ اُن کا بچّہ عاصم بالغ ہونے تک اپنی نانی کی حضانت میں رہے گا۔ (۲)

اگر ہم اُصول ترجیح ملحوظ رکھیں تو ہم درج ذیل اُمور کی بنا پر پہلی روایت کو ترجیح دیں گے۔

(الف) پہلی روایت دوسری روایت کے بعد کی ہے۔ کیونکہ پہلی روایت میں بیان کردہ واقعہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں پیش آیا

(۱) عبدالرزاق ۷/۱۵۹، المحلی ۱۰/۳۲۸ (۲) المغنی ۷/۶۱۹
۱۴۲ (۲) سنن البیہقی ۸/۵

اور دوسری روایت کا واقعہ حضرت ابوبکر رض کے زمانۂ خلافت میں پیش آیا۔

(ب) پہلی روایت میں حضرت عمر رض کا قول صراحتاً مذکور ہے جب کہ دوسری روایت میں سکوت ہے اور ظاہر ہے قول سکوت سے زیادہ وزن رکھتا ہے۔

(ج) دوسری روایت میں حضرت عمر رض حضرت ابوبکر رض کی پیشی میں تھے تاکہ آپ سُنیں اور قبول کریں نہ کہ آپ سے اختلاف کریں۔ چنانچہ جونہی حضرت عمر رض نے اس فیصلہ کو سُنا آپ اس پر عمل کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے جب کہ پہلی روایت میں حضرت عمر رض نے خود ہی فیصلہ صادر کیا ہے۔

حقد : (کینہ)

شہادت حاقد (د، شہادت ۲/ ۹ د)

حلف : (قسم کھانا)

۱۔ کراہت حلف :

حضرت عمر رض نے فرمایا کہ قسم یا گناہ ہے یا شرمندگی۔ (۱)

۲۔ حلف کا صیغہ :

(الف) قسم اللہ تعالیٰ کی، یا اللہ کے اسماء میں سے کسی اسم کی یا اللہ کی صفات میں کسی صفت کی کھانی چاہیے اس کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی شخص نے ایسی قسم کھائی تو وہ گنہ گار ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رض کو اپنے والد کی قسم کھاتے ہوئے سُنا تو فرمایا کہ اللہ نے منع کیا ہے کہ تم اپنے آباؤ اجداد کی قسمیں کھاؤ، لہٰذا جو قسم کھانا چاہتا ہے وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے (۱)۔ حضرت عمر رض فرماتے ہیں کہ قسم بخدا مَیں نے جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ممانعت سُنی ہے کبھی والد کی قسم نہیں کھائی۔ نہ مَیں نے کبھی قصداً ایسا کیا ہے اور نہ کبھی دوسروں کی بات بیان کرتے ہوئے (۲) حضرت عمر رض نے حضرت عبداللہ بن زبیر رض کو کعبہ کی قسم کھاتے ہوئے سُنا تو آپ نے فرمایا، اگر تمہارے قسم کھانے سے پہلے مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم اس طرح کی قسم کھانے کے بارے میں سوچ بھی رہے تو قسم بخدا میں تمہیں ضرور سزا دیتا۔ اللہ کی قسم کھاؤ، پھر خواہ قسم توڑ کر گنہ گار ہو جاؤ یا چاہے قسم پُوری کر لو۔ (۳) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے عبداللہ بن زبیر سے فرمایا کعبہ کی قسم کھاتے ہو کہ وہ زیب کھلاتا پلاتا ہے۔ (۴)

(ب) اگر کسی کا نام لیے بغیر کہا کہ مَیں قسم کھاتا ہوں یا مَیں ایلاء کرتا ہوں یا مَیں حلف اُٹھاتا ہوں، یا مَیں گواہی دیتا ہوں کہ مَیں ایسا ضرور کروں گا تو یہ قسم ہے خواہ اُس نے قسم کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو (۵)

(ج) حرام کا لفظ بھی یمین ہے۔ اگر کسی نے کہا کہ میرے اُوپر حرام ہے کہ مَیں ایسا کروں تو یہ بھی قسم ہے۔ (۶)

(د) اگر نذر اس طرح مانی جس طرح قسم کھائی جاتی ہے تو یہ بھی قسم ہوگی مثلاً کسی نے کہا کہ اگر میں نے فلاں شخص سے بات کی تو مجھ پر اللہ کیلئے حج یا میرے مال میں سے اتنا صدقہ ہے۔ (۷) چنانچہ حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ دو انصاری بھائیوں میں میراث کا معاملہ تھا،

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۶۱ ب، سنن البیہقی ۱۰/ ۲۱

(۱) البخاری، الایمان، باب لا تحلفوا بآبائکم، مسلم الایمان ۱۶۴۶، اصحاب السنن۔ الایمان (۲) مسلم الایمان ۱۶۴۶، باب النہی عن الحلف بغیر اللہ، ابوداؤد الایمان ۳۲۵۰، الترمذی، الایمان ۱۵۳۳، النسائی، الایمان باب الحلف بالآباء مسند احمد ۱۸/۱ (۳) عبدالرزاق ۴۶۸/۸، المحلی ۳۲/۸ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۵۸ (۵) المغنی ۵۰۲/۸ (۶) المغنی ۶۹۹/۸ (۷) المغنی ۳۹۹/۸

ایک نے دوسرے سے تقسیم کا مطالبہ کیا۔ دوسرے نے کہا کہ نہیں اور اگر تو نے دوبارہ تقسیم کا مطالبہ کیا تو میں تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا اور میرا سارا مال کعبہ کے لیے وقف ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کعبہ تیرے مال سے مستغنی ہے تو اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بات کر۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جس بات میں اللہ کی ناراضگی ہو اور جس میں قطع رحمی ہو، اس میں یمین اور نذر نہیں ہوتی اور اس مال میں بھی قسم اور نذر نہیں ہوتی جس کا آدمی مالک نہ ہو۔ اور حضرت عمرؓ نے اس کو کفارہ کا اس لیے حکم دیا کہ اُن کے نزدیک اس کا مال اس کے پاس رہنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اس مال کو صدقہ کر دے، اس لیے آپ نے کفارہ کا حکم دیا۔

۲۔ یمین کی اقسام :

یمین کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) یمین لغو :

جس کا دل میں کوئی ارادہ نہ ہو (۱) اس میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کفارہ۔ اس لیے کہ فرمان الٰہی ہے :

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْ اَیْمَانِکُمْ (المائدہ : ۸۹)

"تم لوگ جو مہمل قسمیں کھا لیتے ہو، ان پر اللہ کوئی گرفت نہیں کرتا۔"

(ب) یمین منعقدہ :

کسی کام پر جو مستقبل میں ہونا ہے حلف اُٹھانا کہ میں یہ کام کروں گا یا نہیں کروں گا۔ اس یمین کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ ایک وہ صورت جس میں اللہ کی اطاعت ہو اُس کو پورا کرنا ضروری ہے۔

۲۔ دوسری وہ صورت جس میں اللہ کی معصیت ہو اُس کو پورا کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو توڑ دینا اور اس کا کفارہ دینا ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ جس شخص نے کسی معصیت کے کام کی قسم کھائی تو اس پر لازم ہے کہ اس معصیت سے اجتناب کرے اور اپنی یمین کا کفارہ دے (۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قسم کھائی کہ وہ اپنے یتیم بھتیجوں کے ساتھ کھانا نہیں کھائیں گے۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا جاؤ اور اُن کے ساتھ کھاؤ، چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی کام ایسا ہو جس سے اللہ کی نافرمانی تو نہ ہوتی ہو لیکن دوسرا کام اس سے بہتر ہو۔ مثلاً کسی نے حلف اُٹھایا کہ میں کعبۃ اللہ تک پیدل چل کر جاؤں گا یا یہ کہ میرا سارا مال صدقہ ہے وغیرہ۔ اس طرح کی صورت میں قسم توڑ دینا بہتر ہے اور اگر قسم توڑ دی تو کفارہ لازم ہوگا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ کعبہ تک پیدل جائے گا یا اپنا سارا مال مساکین پر صرف کر دے گا، یا کعبہ کی نذر کر دے گا، تو اسے چاہیئے کہ یہ قسم توڑ دے اور دس مساکین کو کھانا کھلا کر قسم کا کفارہ ادا کرے۔ (۳) ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ اے امیر المومنین مجھے سواری دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے کہا قسم بخدا میں تجھے سواری نہیں دوں گا، اس نے کہا کہ قسم بخدا آپ ضرور مجھے سواری دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قسم بخدا میں تجھے سواری نہیں دوں گا، یہاں تک کہ آپ نے بیس مرتبہ قسم کھائی۔ پھر اُس شخص نے کہا کہ قسم بخدا آپ ضرور مجھے سواری دیں، کیونکہ میں مسافر ہوں اور میری سواری نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قسم بخدا میں ضرور تم کو سواری دوں گا اور آپ نے اس کو سواری دی اور

(۱) ابوداؤد، الایمان ۲/۳۲۷، سُنن البیہقی (۲) المغنی ۸/۶۸۷

(۱) المحلی ۸/۲۳ (۲) عبدالرزاق ۸/۴۹۸، (۳) سُنن البیہقی ۱۰/۴۸

کہا کہ جو کوئی کسی کام کی قسم کھائے، پھر اُس سے بہتر کام اُس کے سامنے آئے تو وہ بہتر کام کرلے اور اپنی قسم کا کفّارہ دیدے۔(۱)

(ج) یمین غموس:

یہ ہے کہ کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے، جب کہ وہ جانتا ہو کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی مسلمان کا مال ناحق مار لینے کے لیے حلف اُٹھایا اور اُسے معلوم ہو کہ وہ جھوٹا ہے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اُس سے ناراض ہوگا۔(۲)

۴۔ قسم کا کفّارہ:

(الف) وقت: یمین کا کفّارہ ادا کرنے کا وقت اس یمین کو توڑنے کے بعد ہے لیکن توڑنے سے پہلے بھی کفّارہ دینا جائز ہے۔(۳) حضرت عمرؓ کبھی قسم توڑنے سے پہلے کفّارہ دیتے تھے اور کبھی قسم توڑنے کے بعد۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کبھی حلف اُٹھاتے اور پھر اگر ارادہ کرتے کہ وہ کام کریں جس کے نہ کرنے کا حلف اُٹھایا ہے تو کبھی اس کام کو کرنے سے پہلے کفّارہ دے دیتے اور کبھی اس کام کو کر کے کفّارہ دیتے۔(۴)

(ب) کفّارہ کی مقدار: اللہ تعالیٰ نے کفّارہ یمین کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں فرمایا ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ

(المائدۃ: ۸۹)

"تم لوگ جو مہمل قسمیں کھا لیتے ہو اُن پر اللہ گرفت نہیں کرتا مگر جو قسمیں تم جان بُوجھ کر کھاتے ہو، اُن پر ضرور وہ تم سے مواخذہ کرے گا۔ (ایسی قسم توڑنے کا) کفّارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو اپنے بال بچوں کو تم کھلاتے ہو، یا اُنہیں کپڑے پہناؤ یا ایک غلام آزاد کرو۔ اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفّارہ ہے جب کہ تم قسم کھا کر توڑ دو۔"

مسکین کو کھانا کھلانے میں ہر مسکین کو کم از کم ایک صاع جو یا ایک صاع تمر یا نصف صاع گندم دیا جائے جیسا کہ صدقہ فطر میں دیا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے یسار بن نمیر سے فرمایا کہ میں کبھی قسم کھا لیتا ہوں کہ فلاں شخص کو نہیں دوں گا لیکن بعد میں میری رائے ہوتی ہے کہ دے دینا چاہیے تو میں دے دیتا ہوں۔ جب تم مجھے ایسا کرتے ہوئے دیکھو تو میری طرف سے دس مساکین کو کھانا کھلا دو اور ہر مسکین کو ایک صاع جو یا ایک صاع تمر (کھجور) یا نصف صاع گندم دے دو۔(۱) کفّارہ قسم میں اجناس یا لباس کی قیمت دینا جائز نہیں ہے بلکہ بعینہٖ اجناس خوردنی اور کپڑا دینا چاہیے۔(۲)

۵۔ قاضی کے سامنے اختلاف ختم کرنے کے لیے کھائی جانے والی قسم:

(د(قضا/۳د) و (قسامۃ ۵)

حُلم (خواب)

سونے والا خواب میں جو حکم ممانعت یا ہدایت دیکھے اس کا کوئی

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۵۹ (۲) البخاری، الایمان، باب: الذین یشترون بایمانہم۔ مسلم، الایمان ۱۳۸، ابوداؤد، الایمان ۳۲۴۳، الترمذی، تفسیر ۲۹۹۹۔ (۳) المغنی ۸/۷۱۳ (۴) عبدالرزاق ۸/۵۱۵

(۱) عبدالرزاق ۸/۵۰۷، سنن البیہقی ۱۰/۵۵، المحلی ۸/۷۲، المغنی ۷/۳۷۰ (۲) المغنی ۸/۷۳۸

کوئی اعتبار نہیں اور نہ اس کی بنیاد پر کوئی تصرف کرنا درست ہے۔

(د: سفہ)

حُلی (زیور)

۱۔ تعریف:

حُلی (زیور) سے مراد وہ پتھر یا ڈھلی ہوئی دھات ہے جو بطور زینت استعمال کی جائے۔

۲۔ انسانی زیور:

(الف) تحلی المرأۃ:

عورت کا زیور پہننا مستحسن ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اور خواہ زیور سونے چاندی کا ہو یا کسی اور شے کا۔ تاکہ عورتیں مردوں کی مشابہت سے دُور رہیں اور اُن کی نسوانیت اور لطافت کا اظہار ہو سکے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ کی عورتوں کو حکم دیا جائے کہ وہ پردہ کریں اور زیور پہنیں۔ (۱)

۱۔ مرد کے لیے انگوٹھی پہننا جائز ہے مگر یہ جائز نہیں ہے کہ اس کی انگوٹھی لوہے یا سونے کی ہو۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے اُسے اُتار کر پھینک دینے کا حکم دیا۔ ایک شخص نے کہا کہ امیرالمومنین میری انگوٹھی لوہے کی ہے تو آپ نے کہا کہ یہ تو اس سے بھی گندی ہے۔ (۲) البتہ چاندی کی انگوٹھی پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے فرمایا کہ اسے اتار کر پھینک دو۔ اُس نے وہ پھینک دی اور لوہے کی پہن لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو اس سے بھی بُری ہے۔ اُس نے چاندی کی پہن لی تو آپ نے اس پر سکوت فرمایا۔ (۱)

۲۔ مرد کے لیے خطوط پر مُہر لگانے کے لیے انگوٹھی پہننا جائز ہے۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ لوہے اور سونے کی نہ ہو۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے چاندی کی انگوٹھی پہنی، یہاں تک کہ یہ انگوٹھی حضرت عثمانؓ سے بیر اریس میں گر گئی۔ (۲) اور یہ بھی شرط ہے کہ انگوٹھی کا نقش امیر کی اس انگوٹھی کے نقش سے مشابہ نہ ہو جس سے وہ خطوط و احکام پر مہر لگاتا ہے۔ چنانچہ انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اپنی انگوٹھی پر عربی نقش نہ کراؤ۔"(۳) حضرت عمرؓ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اہل شرک کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو اور نہ عربی نقش کرو۔(۴) حضرت حسن بصری نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح فرماتے ہوئے کہا کہ 'عربی نقش نہ کرو' کا مطلب یہ ہے کہ اپنی مہروں پر "محمد رسول اللہ" کندہ نہ کراؤ اور 'اہل شرک کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو' کا مطلب یہ ہے کہ اپنے معاملات میں اُن سے مشورہ حاصل نہ کرو۔ (۵)

حضرت عمرؓ نے جو یہ حکم دیا کہ کسی کی انگوٹھی کا نقش امیر کی انگوٹھی کے نقش سے مشابہ نہ ہو۔ اس کی غرض و غایت یہ تھی کہ فریب اور دھوکہ دہی کا سدباب ہو جائے (د: تعزیر/۲/و) اسی لیے حضرت عمرؓ نے اپنے عمّال کے نام حکمنامہ تحریر کیا تھا کہ جس انگوٹھی میں عربی نقش ہو، اُسے توڑ دو۔ عتبہ بن فرقد جو عامل تھے اُن کی انگوٹھی میں عربی نقش ملا جو توڑ دیا گیا۔ (۶)

---

(۱) عبدالرزاق ۶/۵۴ (۲) عبدالرزاق ۱۰/۲۹۵، البیہقی ۲/۲۷۳

(۱) کنزالعمال ۱۷۲۹۲ - از مسند احمد (۲) المغنی ۸/۳۲۳ - شرح معانی الآثار ۴/۲۶۴ (۳) شرح معانی الآثار ۴/۲۶۴ (۴) شرح معانی الآثار ۴/۲۶۴ (۵) بحوالہ مذکور (۶) کنزالعمال ۱۷۲۹۷ - از ابن سعد

ہم نے وہی توجیہہ اختیار کی ہے جو طحاوی نے اختیار کی ہے کہ چونکہ حضرت عمرؓ نے جو انگوٹھی پہنی تھی اُس کا نقش عربی تھا۔ مروی ہے کہ عمرو بن سعید اپنے بھائی کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپؐ نے دیکھا کہ اُن کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی ہے آپ نے پُوچھا یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ انگوٹھی ہے۔ آپؐ نے پُوچھا کہ اس پر کیا نقش ہے؟ انہوں نے بتایا کہ 'محمد رسول اللہ' آپؐ نے فرمایا کہ بھلا مجھے دکھلاؤ۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بطور خاتم پسند فرمالیا اور آپ کی رحلت کے وقت تک یہ انگوٹھی آپؐ کے ہاتھ میں رہی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہی، پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہی اور پھر حضرت عثمانؓ کے پاس آئی اور آپؓ کے دورِ خلافت میں بڑی مدت تک یہ انگوٹھی آپؓ کے پاس رہی یہاں تک کہ وہ بئیر اریس میں گر گئی۔ (۱)

۳۔ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنے یا بائیں ہاتھ میں، دونوں طرح جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنی۔ (۲)

۳۔ تحلیۃ الاشیاء (اشیاء کو مزین کرنا)

(الف) آلات حرب کو مزین کرنا:

آلاتِ حرب مثلاً تلوار وغیرہ کو سونے یا چاندی سے مزین کرنا جائز ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب کی تلوار پر سونے کا پترا چڑھا ہوا تھا (۳) اور آپ کی ایک تلوار پر چاندی کا پترا چڑھا ہوا تھا (۴) یہ اس لیے حلال ہے کہ اس میں دشمن کے ساتھ چال کا پہلو موجود ہے۔

(ب) پہننے والے کپڑوں اور اشیاء کی سونے سے زیب و زینت جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں ممانعت وارد ہو چکی ہے۔ حارثہ بن یثار سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ مجھے بلایا کرتے تھے اور میں مشرکوں کی قباؤں میں سے کوئی قباء پہنے ہوئے آپ کے پاس آیا کرتا تھا، تو آپؓ نے فرمایا کہ اس میں سے یہ سونا نکال دو۔ (۵)

۴۔ زیورات پر زکوۃ فرض ہے۔ (د ا زکوۃ ۴/۱/ب ۳)

۵۔ سکّے اور چاندی کی کامدار شئے کو اسی طرح کی سونے یا چاندی سے آراستہ شئے کے بدلے فروخت کرنا۔ (د ا بیع / ۱ ج)

حمّام

۱۔ حمام میں داخل ہونا:

حضرت عمرؓ مردوں کو بغیر ازار کے حمام میں جانے سے منع کرتے تھے اور عورتوں کو مطلقاً حمام میں جانے سے منع کرتے تھے۔ الایہ کہ کوئی ضرورت ہو۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ تم حمام میں داخل نہ ہوا کرو مگر ازار کے ساتھ (۲) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بغیر ازار کے کوئی شخص حمام میں نہ جائے (۳) اور آپ نے تمام صوبوں میں حکم بھیجا کہ کوئی مسلمان عورت حمام میں نہ جائے الایہ کہ کوئی بیماری ہو۔ (۴)

۲۔ حمام میں اللہ کا ذکر:

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ کوئی شخص حمام میں اللہ کا نام نہ لے تاوقتیکہ باہر نہ آجائے۔

حمل

۱۔ کم سے کم مدتِ حمل:

حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک

---

(۱) شرح معانی الآثار ۴/۲۶۴ (۲) کنز العمال ۱۷۴۹۵، از ابن سعد (۳) المغنی ۳/۵-۸/۳۲۲ (۴) عبد الرزاق ۵/۲۹۶ (۵) سنن البیہقی ۳/۲۷۴

(۱) سنن البیہقی ۳/۲۷۴ (۲) عبد الرزاق ۱/۲۹۱ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۹

ایسی عورت کا معاملہ پیش ہوا جس نے چھ ماہ میں بچہ جنا تھا ۔ حضرت عمرؓ نے اس کو رجم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کی بہن حضرت علیؓ کے پاس آئی اور کہا کہ عمرؓ میری بہن کو رجم کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں ۔ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتی ہوں کہ اگر آپ کو اس کے بچاؤ کے لیے کوئی عذر معلوم ہے تو آپ مجھے بتلا دیجیے ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عذر ہے ۔ اس پر اس نے زور سے تکبیر کہی جو حضرت عمرؓ نے سن لی ۔ یہ حضرت عمرؓ کے پاس گئی اور کہا کہ حضرت علیؓ کا کہنا ہے کہ میری بہن کے حق میں عذر موجود ہے ۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو بلوایا اور ان سے پوچھا کہ وہ کیا عذر ہے ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہٗ کا فرمان ہے کہ :

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (البقرہ ۲۳۳)

" مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں "

نیز اللہ سبحانہٗ نے فرمایا کہ :

وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا (الاحقاف : ۱۵)

" اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے "

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حمل کی مدت چھ ماہ ہے اور فصال (دودھ چھڑانے کی مدت) چوبیس ماہ ہے ، اس پر حضرت عمرؓ نے اس کو چھوڑ دیا ۔ (۱)

۲ ۔ زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل :

کبھی حمل بطنِ مادر میں نو ماہ سے زائد رہ جاتا ہے ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک عورت کا معاملہ لایا گیا جس کا شوہر دو سال سے غائب تھا اور جب وہ واپس آیا تو وہ حاملہ تھی تو حضرت عمرؓ نے اس کو رجم کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت معاذؓ بن جبل نے کہا کہ اے امیر المومنین اگر آپ کے پاس اس عورت کو رجم کرنے کا جواز ہے لیکن اس بچے کو رجم کرنے کا تو نہیں ہے جو اس کے پیٹ میں ہے اس پر حضرت عمرؓ نے اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس کے لڑکا پیدا ہو گیا جس کے دانت بھی نکل چکے تھے اور شوہر نے اس میں اپنی مشابہت پائی ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عورتیں معاذ جیسا بیٹا پیدا کرنے سے عاجز ہیں ۔ اگر معاذؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا ۔ (۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت چار سال تھی ، کیونکہ حضرت عمرؓ نے اس عورت کے بارے میں جس کا شوہر مفقود ہو گیا تھا یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ چار سال انتظار کرے اور اس کے بعد عدت وفات گزارے ۔ ابن قدامہ حضرت عمرؓ کا مسلک نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک جس عورت کا شوہر مفقود ہو گیا ہو وہ چار سال انتظار کرے جو حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے ۔ اس کے بعد چار ماہ دس دن عدت گزارے ۔ پھر اس کے لیے نکاح حلال ہو جائے گا ۔ (۲)

۳ ۔ حمل کی وراثت (د : ارث ۲ الف ۲)

اگر سزا کا اجرا حمل کے لیے نقصان دہ ہو تو حاملہ عورت پر سزا کا نفاذ روک دیا جائے گا ۔ (د : زنا / ۲ د)

حمل علامت بلوغ ہے (د : بلوغ / ۲ ب)

غیر شادی شدہ عورت کو حمل ہو جانا زنا کا قوی قرینہ ہے ۔ (د : زنا / ۴ ج)

حاملہ کی عدت (د : عدت / ۹ الف) و (د : عدت / ۲ ب ۴)

تحمیل

۱ ۔ تعریف :

---

(۱) عبدالرزاق ۷/ ۳۵۰ ، سنن البیہقی ۷/ ۴۴۲ ، المغنی ۹/ ۵۲۸ ، ۸/ ۲۱۱

(۱) عبدالرزاق ۷/ ۳۵۴ ، شرح السراجیہ ۲۱۳ ، ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۴

(۲) المغنی ۷/ ۴۸۹ ۔

حمیل وہ بچہ ہے جو قیدی عورت اپنے ساتھ لائی ہو اور اس کا دعویٰ ہو کر یہ میرا بچہ ہے۔

۲۔ حمیل کی میراث : (دیکھئے ارث / ۲ د ۳)

حمٰی (چراگاہ)

۱۔ تعریف :

حمٰی اراضی موات میں سے وہ زمین ہے جس میں مسلمانوں کا امیر لوگوں کو جانوروں کے چرانے سے منع کر دے۔

۲۔ مشروعیت :

اگر ضرورت داعی ہو تو حمٰی قرار دینے کی اجازت ہے۔ حضرت عمرؓ نے شرف اور ربذہ کی زمینوں کو حمٰی قرار دیا۔(۱) بنی ثعلبہ کے ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا اے امیرالمومنین آپ نے ہماری زمینوں کو حمٰی قرار دے دیا حالانکہ یہ زمینیں وہ ہیں جن پر ہم زمانہ جاہلیت میں لڑتے رہے ہیں اور جب ہم مسلمان ہوئے تو بھی یہ زمینیں ہمارے پاس تھیں۔ وہ شخص برابر یہ بات دہراتا رہا اور حضرت عمرؓ سر جھکائے رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ زمینیں اللہ کی ہیں اور لوگ اللہ کے بندے ہیں۔ قسم بخدا اگر مجھ پر راہ خدا میں جہاد کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں ایک بالشت زمین بھی حمٰی قرار نہ دیتا۔(۲) ابن قدامہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں نے اراضی کو حمٰی قرار دیا اور یہ بات صحابہ میں سب کو معلوم تھی لیکن کسی نے اس کو رد نہیں کیا تو گویا اس پر اجماع ہو گیا۔(۳)

۳۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ قید نہیں لگائی کہ جس زمین کو حمٰی قرار دیا جائے وہ صفی ہو یا خمسی، بلکہ آپ جس زمین کو مناسب سمجھتے اُسے حمٰی قرار دے دیتے تھے، اگرچہ وہ کسی فرد واحد کی ملکیت ہوتی جیسا کہ ابھی گزرا کہ بنو ثعلبہ کے ایک شخص نے کہا کہ آپ نے ہماری وہ زمینیں حمٰی قرار دے دیں جن پر ہم زمانہ جاہلیت میں لڑتے رہے اور جب ہم نے اسلام قبول کیا تب بھی یہ زمینیں ہمارے پاس تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ زمینیں اُن کی شخصی ملکیت تھیں لیکن جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مصلحت اس امر کی متقاضی ہے کہ اُنہیں جہاد کے گھوڑوں کے لیے مخصوص کر دیا جائے تو آپ نے اس میں تردد نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ کی یہ رائے پہلے بیان ہو چکی ہے کہ جس نے اپنی زمین تین سال تک معطل رکھی تو کوئی بھی شخص اس کو آباد کر کے بار آور بنا سکتا ہے اور اسے مالک کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں۔ (دیکھئے ارض / ۳) اور ان لوگوں نے اپنی زمینوں کو غیر آباد چھوڑا ہوا تھا۔

۴۔ حمٰی میں جانور چرانے کا حق کسے ہے؟

(الف) مالدار شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے جانور حمٰی میں چرائے البتہ تنگ دست کو حمٰی میں چرانے کا حق دیا جائے گا تاکہ اُس کی مدد ہو اور اُس کے جانور ہلاک ہونے سے بچ جائیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنا ایک غلام جس کا نام ھنی تھا حمٰی کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کیا تھا اور اُس سے فرمایا تھا کہ اے ھنی، مسلمانوں سے ہمدردی سے پیش آنا، مظلوم کی پکار سے ڈرنا کہ مظلوم کی دعا جلد قبول ہو جاتی ہے اور حمٰی میں کم اونٹوں والے اور کم بکریوں والے کو آنے دینا(۱) البتہ عثمانؓ بن عفان اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے جانوروں کو نہ آنے دینا کیونکہ اُن کے جانور اگر بھوکے ہوں گے تو وہ نخلستان اور فصل میں لے جائیں گے لیکن جن لوگوں کے پاس چند اونٹ یا چند بکریاں

(۱) السنن البیہقی ۶/۱۴۶۔ البخاری المزارعۃ، باب لاحمی الا للہ ورسولہ۔
(۲) الاموال ۲۹۹، المغنی ۵/۵۲۹ (۳) المغنی ۵/۵۲۹

(۱) رب الصریمۃ والغنیمۃ۔ کم اونٹوں اور کم بکریوں کا مالک (النہایۃ)

ہیں۔ اُن کے جانور اگر بھوک کے مریں گے تو وہ میرے پاس پکارتے ہوئے آجائیں گے کہ اے امیرالمومنین! اے امیرالمومنین! اور میں اُن کے جانوروں کو گھاس اور پانی فراہم کر دوں، یہ میرے لیے اس سے زیادہ آسان ہے کہ میں اس کے بدلے میں اُن کو سونا اور چاندی دوں۔ (۱)

(ب) خلیفہ اور خلیفہ کے اہل و عیال میں سے کسی کو حمیٰ میں اپنے جانور چرانے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کے لیے ضروری ہے کہ ایسے مواقع سے دور رہیں جہاں تہمت لگنے کا امکان ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اونٹ خریدے اور انہیں حمیٰ میں پہنچا دیا۔ جب وہ موٹے ہو گئے تو میں اُنہیں لے کر آیا۔ حضرت عمرؓ بازار آئے اور فربہ اندام اونٹ دیکھ کر پوچھا کہ یہ اونٹ کس کے ہیں۔ کسی نے بتایا کہ عبداللہ بن عمرؓ کے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا: عبداللہ بن عمرؓ کے کیا کہنے! امیرالمومنین کا بیٹا ہے!

میں دوڑتا ہوا آپ کے پاس پہنچا اور پوچھا کہ امیرالمومنین کیا بات ہے؟ آپ نے پوچھا یہ اونٹ کیسے ہیں؟ میں نے کہا کہ کمزور دُبلے اونٹ تھے میں نے خرید کر حمیٰ میں بھیج دیئے تاکہ جو نفع مسلمان حاصل کرتے ہیں میں بھی حاصل کروں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہی کہا جاتا رہا ہو گا کہ امیرالمومنین کے بیٹے کے اونٹ چراؤ امیرالمومنین کے بیٹے کے اونٹوں کو پانی پلاؤ۔ اے عبداللہؓ اپنا اصل مال لے لو اور باقی مسلمانوں کے بیت المال کے لیے چھوڑ دو۔ (۲)

حمیٰ پر دست درازی کی سزا:

حضرت عمرؓ حمیٰ پر دست درازی کرنے والے کو سزا دیا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کی عام ملکیت پر دست درازی ہے۔ چنانچہ محمد بن زیاد سے مروی ہے کہ میرے دادا حضرت عثمان بن مظعونؓ کے مولیٰ تھے اور حضرت عثمانؓ کی اس زمین کی نگرانی کرتے تھے جس میں سبزیاں اور ککڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ حضرت عمرؓ کبھی کبھی چلچلاتی دوپہر میں اپنے سر پہ کپڑا رکھ کر ہمارے پاس آتے اور حمیٰ کے بارے میں نصیحت کرتے کہ نہ درخت کاٹا جائے اور نہ لکڑیاں چُنی جائیں۔ پھر آپ میرے پاس بیٹھ جاتے۔ میں آپ کو سبزی اور ککڑی کھلاتا۔ ایک دن آپ نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم یہاں سے کہیں نہیں جاتے۔ میں نے کہا جی۔ اس پر آپ نے کہا کہ میں تمہیں یہاں کی اشیاء پر نگران مقرر کرتا ہوں، جس کو درخت کاٹتے اور لکڑی لیتے دیکھو، اس کی کلہاڑی اور رسی ضبط کر لو۔ میں نے کہا کہ اس کی چادر بھی لے لوں۔ آپ نے کہا کہ نہیں۔ (۱)

حیض

۱- تعریف:

حیض وہ خون ہے جو ایسی بالغ عورت کے رحم سے خارج ہو جو نہ بیمار ہو نہ حاملہ ہو اور نہ سنِ ایاس (حیض بند ہو جانے کی عمر) کو پہنچی ہو۔ حیض بلوغ کی علامات میں سے ہے (دیکھئے بلوغ / ۲ ب)

۲- حائضہ کے لیے کون سے اُمور حرام اور ممنوع ہیں:

(الف) حائضہ کو روزہ رکھنا منع ہے، کیونکہ اس حالت میں اس پر رمضان میں روزہ رکھنا فرض نہیں ہے بلکہ وہ پاک ہونے کے بعد اس کی قضا کرے گی اور اس پر اجماع ہے۔

(ب) نماز پڑھنا منع ہے اس لیے کہ حیض کی حالت میں نماز فرض نہیں ہے اور نہ پاک ہو جانے کے بعد ان نمازوں کی قضا ہے اور

---

(۱) البخاری، الجہاد، البیہقی ۶/۱۴۶، خراج ابی یوسف ۱۲۵، عبدالرزاق ۸/۱۱ (۲) البیہقی ۶/۱۴۷

(۱) سنن البیہقی ۵/۲۰۰، المجموع ۷/۲۵۳

اس پر بھی اجماع ہے ۔

(ج) نیز وہ قرآن کی تلاوت بھی نہ کرے اگرچہ آیت کا کچھ حصہ ہی ہو۔[۱]

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حائضہ قرآن نہ پڑھے ۔ [۲]

(د) نیز حائضہ مسجد میں نہ ٹھہرے ۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے آخری زمانے میں قاسم بن عبدالرحمان کو لکھ کر بھیجا کہ مسجد میں بیٹھ کر فیصلے نہ کرو، کیونکہ تمہارے پاس حائضہ اور جُنبی بھی آتے ہیں ۔

(ھ) کعبہ کا طواف نہ کرے لیکن اس کے لیے باقی مناسک حج کی ادائیگی جائز ہے ۔ (د: حج /۱۰)

(و) مرد پر اپنی حائضہ بیوی سے وطی حرام ہے اور بیوی کے لیے حیض کی حالت میں اس معاملہ میں خاوند کی اطاعت حرام ہے ۔ لیکن اگر وطی کر لی تو کفّارہ نہیں ہے بلکہ اللہ سے توبہ کرے اور استغفار کرے ۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علی بن ابی طالب سے پُوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرلے تو اس پر کیا لازم آئے گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس پر کفارہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ توبہ کرے ۔ [۳]

(ز) مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنی حائضہ بیوی سے ناف اور گھٹنے کے درمیان استمتاع کرے الایہ کہ ازار کے اُوپر سے ہو۔ عراق سے کچھ لوگ آئے، جب حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو حضرت عمرؓ نے اُن سے پُوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہ ہم عراق سے آئے ہیں ۔ آپ نے پُوچھا کہ اجازت لے کر آئے ہو؟ انہوں نے کہ جی ہاں ۔ پھر اُنہوں نے پُوچھا کہ کیا مرد کے لیے اپنی حائضہ بیوی سے استمتاع جائز ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے وہ مسئلہ پُوچھا جو مجھ سے اس کے بعد سے کسی نے دریافت نہیں کیا جب سے مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ مرد کے لیے اپنی حائضہ بیوی سے کیا کچھ جائز ہے ؟ تو آپ نے فرمایا تھا کہ مرد ایسی حالت میں ازار کے اُوپر سے استمتاع کر سکتا ہے۔[۱] چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مرد کے لیے حائضہ بیوی سے ازار کے اُوپر سے استمتاع حلال ہے اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائے ازار کے نیچے ہرگز نہ جھانکے ۔ [۲] سورۃ البقرہ میں فرمانِ الٰہی ہے ۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ (البقرہ: ۲۲۲)

"پُوچھتے ہیں حیض کا کیا حُکم ہے کہو کہ وہ ایک گندگی کی حالت ہے، اس میں عورتوں سے الگ رہو اور اُن کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ وہ پاک صاف نہ ہو جائیں ۔"

(ح) حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ فرمانِ الٰہی فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ کا مقتضا یہ ہے کہ مرد بیوی کا بستر چھوڑ کر علٰحدہ بستر پر سوئے بشرطیکہ وہ فراخی رکھتا ہو لیکن اگر فقیر ہو اور ایک ہی بستر ہو تو اُس کے ساتھ سو سکتا ہے ۔ چنانچہ ابوامامۃ الباہلی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ابتداء میں چونکہ تنگی تھی تو ہم حائضہ بیویوں کے ساتھ ایک ہی بستر اور لحاف میں لیٹا کرتے تھے لیکن اب جب کہ اللہ نے بستروں اور لحافوں میں فراخی عطا کر دی ہے تو اُن سے علٰحدہ لیٹو جیسا کہ اللہ نے حُکم کیا ہے ۔ [۳]

(ط) مرد کا اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دینا طلاق بدعی ہے ۔ (د: طلاق / ۸ ب)

۳۔ حیض سے وجوبِ غُسل :

---

(۱) المجموع ۱/ ۱۷۱، ۲/ ۳۷۲، المحلی ۱/ ۷۸ (۲) المغنی ۹/ ۴۵؛ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۵۹

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۱۹ ب، مسند الامام احمد ۱/ ۱۴ (۲) عبدالرزاق ۱/ ۲۵۷، ۹/ ۳۲۳، المحلی ۱۰/ ۷۷ (۳) المحلی ۱۰/ ۷۹

جب حائضہ پاک ہو جائے تو اُس پر غسل واجب ہے۔

(د ا غسل / ا ج)

۴۔ طلاق کی عدت اور استبراء رحم میں حیض پر اعتماد :

مطلقہ تین حیض عدت گزارے گی اس لیے کہ فرمان الٰہی ہے :

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ط (البقرہ : ۲۲۸)

"جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین مرتبہ ایام ماہواری آنے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں"

آیت کریمہ میں قُرء سے مراد حیض ہے۔ (۱)

(د ا عدت : ۲ / ب الف)

۵۔ حائضہ عورت کا جسم، پسینہ اور جھوٹا پاک ہے۔

(د ا نجاست / ۲ / الف)

حیلہ

۱۔ تعریف :

کسی شرعی حکم کی تعمیل سے بچنے کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا جو بظاہر جائز ہو لیکن اس کی وجہ سے شرعی حکم کا مقصد فوت ہو جائے (۲) حیلہ کہلاتا ہے

۲۔ حیلے کا حکم :

حیلہ از روئے شریعت حرام ہے، اس سلسلے میں قرآن و سُنت کی متعدد نصوص موجود ہیں، مثلاً قرآن کریم میں اصحاب السبت کا ذکر ہے جن پر اللہ نے سبت کے دن شکار حرام کر دیا تھا۔ اس پر اُنہوں نے ایسے حوض بنا لیے ہیں جن کو نالیوں کے ذریعے سمندر سے ملا دیا اور ہفتہ کے روز جب مچھلیاں ان حوضوں میں جمع ہو جائیں تو وہ سمندر سے ملانے والی نالیاں بند کر دیتے تھے۔ پھر باقی دنوں میں ان حوضوں سے مچھلیاں پکڑتے رہتے تھے۔ اس کے نتیجے میں ان پر اللہ کا عذاب آیا اور اُنہیں مسخ کر دیا گیا۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر سورۃ اعراف کی مندرجہ ذیل آیت میں ہے۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (الاعراف : ۱۶۳)

"اور ذرا ان سے اس بستی کا حال بھی پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھی۔ اُنہیں یاد دلاؤ وہ واقعہ کہ وہاں کے لوگ سبت (ہفتہ) کے دن احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے اور یہ کہ مچھلیاں سبت ہی کے دن اُبھر اُبھر کر سطح پر اُن کے سامنے آتی تھیں اور سبت کے سوا باقی دنوں میں نہیں آتی تھیں۔ یہ اس لیے ہوتا تھا کہ ہم اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے اُن کو آزمائش میں ڈال رہے تھے۔"

نیز سُنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر چربی حرام کر دی تھی، اُنہوں نے چربی پگھلا کر فروخت کی اور اس کی قیمت کھائی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس بات سے کہ کوئی شخص زکوٰۃ سے بچنے کے لیے متفرق کو جمع اور جمع کو متفرق کرے اور اس طرح کی مثالیں متعدد ہیں۔

۳۔ اس فعل کا حکم جو بطور حیلہ کیا گیا ہو۔

جس فعل کے ذریعے حیلہ کیا جائے گا وہ نادرست ہوگا۔ کیونکہ یہ ضروری ہے کہ جو شخص مکلف ہے عمل کرتے وقت اس کا ارادہ شارع کے مقصود سے مطابقت رکھتا ہو، لہٰذا اگر کسی شخص نے

---

(۱) المغنی ۷/۴۵۲ - تفسیر الطبری ۴/۵۰۱ - بجعد

(۲) الموافقات للشاطبی ۴/۲۰۷

شریعت کے کسی حکم میں کوئی ایسا مقصد تلاش کیا جو اُس کے حکم سے مطلوب نہیں ہے تو اُس نے شریعت کی خلاف ورزی کی اور ظاہر ہے کہ جو شخص شریعت کے خلاف کوئی عمل کرے گا وہ باطل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حلالہ کرتے وقت محلل جو شرط لگاتا ہے حضرت عمرؓ نے اس کو باطل قرار دیا ہے۔ (د: طلاق/۱۸) اور زکوۃ سے بچنے کے لیے مجتمع مال کو متفرق کرنے اور متفرق مال کو جمع کرنے سے منع کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ زکوۃ ادا کرنے والے مالدار شخص نے جو زکوٰۃ کسی فقیر کو دی ہو وہ اس سے خرید لے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ فقیر سے اس طرح کا معاملہ پہلے سے طے کر لے اور اس معاملہ کو فرض زکوۃ کا ایک حصہ ساقط کرنے کے لیے حیلہ بنا لے۔

(د: زکوۃ ۹:) و (بیع ۱/د ۵)

حیّہ (سانپ)

سانپ کا کھانا جائز نہیں ہے۔ (د: طعام/۲)

سانپ کا مارنا جائز ہے۔ (د: حج ۶ د ۵)

حیوان (جانور)

۱- حیوان سے وطی :

حیوان سے وطی ناجائز ہے۔ اس فعل پر تعزیری سزا دی جائے گی لیکن حد نہیں ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس نے جانور سے وطی کی اس پر حد نہیں ہے۔ (۱)

۲- حیوان کو مارنا :

حضرت عمرؓ ناپسند کرتے تھے کہ جانور کے چہرے پر مارا جائے۔ آپؓ فرماتے تھے کہ جانور کے چہرے پر نہ مارا جائے۔ (۲)

۳- حیوان کا خصی کرنا :

جانور کو خصی کرنا جائز نہیں ہے کہ اس میں اُسے ایذا بھی پہنچتی ہے اور نسل میں کمی آتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو یہ حکم بھیجا کہ گھوڑے کو خصی نہ کیا جائے۔ (۳)

۴- کس حیوان کا گوشت کھانا حلال ہے۔ (د: طعام/۷)

کس جانور کا گوشت کھانا حرام ہے۔ (د: طعام/۲)

گم شدہ حیوان کو پکڑ لینا (د: لقطہ/۲/ب)

حیوان کی جنایت (د: جنایت/۲/الف)

حیوان پر جنایت (د: جنایت/۳/الف)

کون سے حیوان کا قتل (مارنا) جائز ہے۔ (د: حج ۶۱ د ۵)

و (خنزیر/۴)

حیوانات میں بیع سلم (د: بیع/۵ ب ۲)

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۹ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۲۷۰ ب
(۳) عبدالرزاق ۴/۲۵۷ -

خ

خائن (خیانت کار)

شہادت خائن (د: شہادت/۲ د ۴ ح)

خاتم (انگوٹھی)

زیور کے طور پر اور خطوط و احکام پر مہر لگانے کے لیے انگوٹھی پہننا (د: حلی/۲ ب)

خاطرہ (خیال)

نماز میں خیالات کا آنا (د: صلاۃ /۱۱ د)

خبر

دینی معاملات میں کافر کی خبر پر عمل نہ کرنا (د: صلاۃ ۲/۷ہ)

ختان (ختنہ)

۱۔ تعریف:

عضو تناسل کے آگے لٹکتی ہوئی کھال کاٹ دینا ختنہ کہلاتا ہے۔ اور یہ سُنت ہے۔ ختنہ کے موقع پر گانا اور دف بجانا مباح ہے (د: موسیقی)

خراج

خراج کے موضوع پر ہماری گفتگو درج ذیل نکات پر مرکوز رہے گی۔

(۱) تعریف (۲) وہ زمینیں جن پر خراج عاید ہوتا ہے۔ (۳) جس کی زمین پر خراج عاید ہوا ہو اُس کا مسلمان ہو جانا۔ (۴) خراج کی مقدار (۵) خراج وصول کرتے وقت بالکل دُرست مقدار متعین کرنے کی کوشش (۶) خراج میں کیا کچھ وصول کیا جائے گا (۷) خراج کی وصولی میں نرمی۔

۱۔ تعریف:

اہل ذمہ کی اراضی پر امام جو ٹیکس عاید کرے وہ خراج کہلاتا ہے۔

۲۔ وہ زمینیں جن پر خراج عاید ہوتا ہے:

خراج عاید ہونے کے لحاظ سے اراضی کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) وہ زمینیں جن کے مالکوں نے جب اسلام قبول کیا اُس وقت بھی وہ اُن ہی کی ملکیت میں تھیں۔ ایسی زمین پر خراج عاید کرنا جائز نہیں ہے۔ (د: ارض/۱ الف)

ب) ارضِ صُلح: وہ زمین جس کے مالکوں نے اس شرط پر صُلح کی ہو کہ یہ زمین اُنھی کی ملکیت رہے گی اور وہ اس پر مقررہ خراج ادا کرتے رہیں گے۔ یہ زمین انھی لوگوں کی ملک رہے گی اور جو خراج مقرر ہوگا اُس میں امام کمی بیشی نہیں کرے گا۔ کیونکہ صُلح اسی پر

ہوئی ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ حضرت عمرؓ اہل ذمہ میں سے جن سے صلح کرتے تھے اُن سے وہی (خراج) لیتے تھے جو صلح میں طے ہوا ہوتا نہ کوئی کمی کرتے اور نہ کسی طرح کا اضافہ کرتے (۱) اس نوع کی اراضی پر خراج کا حکم جزیہ کا ہے۔ یعنی اگر زمین کا مالک اسلام قبول کرے تو اُس کی ذات سے جزیہ اور اس کی زمین سے خراج ساقط ہوجائے گا۔ (دیکھئے ارض/ب ۲)

(ج) ارضِ عنوۃ: یعنی وہ زمینیں جن کے مالکوں کو تلوار کے زور پر نکالا گیا ہو اور یہ زمینیں مجاہدوں میں تقسیم نہ کی گئی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے ان زمینوں کی ملکیت مسلمان عوام کے لیے وقف کردی تھی اور ان کے سابق مالکوں کو اُن پر رہنے کی اجازت دے دی تھی اور اُن پر خراج عاید کردیا تھا جو وہ ہر سال ادا کرتے تھے۔ (دیکھئے ارض/۱ ج) اور حضرت عمرؓ نے ایسی زمینوں کی خرید و فروخت کی ممانعت کر دی تھی۔ (دیکھئے ارض/۲ب)

خراج صرف ان زمینوں پر عاید کیا جائے گا جو پیداوار دیتی ہوں یعنی جس سے غلہ اور پھل پیدا ہوتا ہو اور اُس زمین پر بھی خراج عاید ہوگا جو غلہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو خواہ فی الوقت آباد ہو یا غیر آباد۔ حضرت عمرؓ نے اسی طرح کی زمینوں پر خراج عاید کیا تھا اور غریبوں پر اور اُن کے رہائشی گھروں پر خراج عاید نہیں کیا۔[۲]

۳۔ جس کی زمین پر خراج عاید ہو اگر وہ اسلام قبول کرلے۔

(الف) جو خراج ارضِ صلح پر عاید کیا جائے گا اُس کا وہی حکم ہے جو جزیہ کا کہ جس کے پاس وہ زمین ہے اُس کے اسلام قبول کرلینے سے ساقط ہوجائے گا اور اگر زمین کافر کے پاس سے دوسرے کافر کے پاس سے چلی جائے تو خراج اُسی کے ذمہ ہوگا، جس کے قبضے میں زمین ہوگی اور اگر زمین کافر کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں منتقل ہوگئی تو خراج ساقط ہوجائے گا۔

(ب) لیکن وہ خراج جو بزور تلوار فتح ہونے والی زمین پر عاید ہوتا ہے وہ اس زمین کا ٹیکس ہے، اس لیے اس کا ادا کرنا اُس پر واجب ہوگا جس کے قبضہ میں زمین ہوگی خواہ وہ مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا کافر۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر ذمی مسلمان ہوجائے اور اُن کے پاس کوئی ایسی زمین ہو جو بزور شمشیر فتح کی گئی ہو تو ہم اس سے جزیہ ساقط کردیں گے اور خراج لیتے رہیں گے۔ (۱) ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں، میری زمین سے خراج ختم کردیجیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں، تمہاری زمین بزور شمشیر فتح ہوئی تھی (۲) اہل الیس میں سے دو شخص مسلمان ہوگئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن حنیف کو لکھا کہ اُن کی ذات سے جزیہ ختم کردو لیکن اُن کی زمینوں پر خراج وصول کرتے رہو۔ (۳) نہر کربلا کے دہقان رفیل نے اسلام قبول کرلیا حضرت عمرؓ نے اُس کی زمین پر دو ہزار درہم مقرر کردیے اور اُس کی زمین اُسے دے دی اور وہ خراج ادا کرتا رہا (۴) نہر الملک کے علاقے کی ایک دہقان عورت نے اسلام قبول کرلیا۔ اُس کے پاس زمین کا ایک بڑا قطعہ تھا اُس کے بارے میں حضرت عمرؓ کو لکھا گیا تو حضرت عمرؓ نے جواباً تحریر کیا کہ اگر وہ اپنی زمین پسند کرے اور اس پر خراج ادا کرے تو زمین اُسی کے پاس رہنے دو، ورنہ زمینیں مسلمانوں کے سپرد کردو۔ (۵)

---

(۱) الاموال ۱۴۴ (۲) الاموال ۷۲

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۳۱۱ ب سالمحلی ۷/۲۴۵، سنن البیہقی ۹/۱۴۱ (۲) سنن البیہقی ۹/۱۴۲، عبدالرزاق ۶/۱۰۱، ۱۰/۱۳۶، خراج یحییٰ ۵۴ (۳) المحلی ۷/۳۴۵

(۴) عبدالرزاق ۱۰/۳۷۱، ۱۰۲، المحلی ۷/۳۴۵، سنن البیہقی ۹/۱۴۱ الرد علی سیر الاوزاعی ۹۳ (۵) سنن البیہقی ۹/۱۴۱، خراج یحییٰ ۵۹۔ الاموال ۸۶، ۸۷، عبدالرزاق ۶/۱۰۲، ۱۰/۳۷۰، المحلی ۷/۳۴۵

۴۔ خراج کی مقدار:

زمین پر خراج عاید کرنے کے سلسلے میں اس زمین کی پیداواری صلاحیت کو ملحوظ رکھا جائے گا اور یہ ناانصافی ہوگی کہ زمین پر اتنا خراج عاید کر دیا جائے جس کی وہ متحمل نہ ہو سکے۔ عمرو بن میمون اودی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو اُن کی شہادت سے چار روز قبل فرماتے ہوئے سنا، وہ اپنی سواری پر سوار تھے اور حذیفہ بن الیمانؓ اور عثمان بن حنیف سے کہہ رہے تھے کہ اپنے علاقے کا جائزہ لو کہ کہیں زمین پر جو خراج عاید کیا گیا ہے وہ اُس کی طاقت سے زیادہ نہ ہو۔ اس پر حذیفہ نے کہا کہ ہم نے زمین پر اتنا بوجھ ڈالا ہے جتنا وہ اٹھا سکتی ہے اور زمین کے مالکوں کے لیے اتنا ہی چھوڑ دیا ہے جتنا اُن سے لیا ہے۔ عثمان بن حنیف نے کہا کہ میں نے زمین پر اُتنا ہی بوجھ ڈالا ہے جتنا وہ اٹھا سکتی ہے اور زمین کے مالکوں کے لیے میں نے کچھ زائد چھوڑ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بہرحال تم دیکھ لو کہ تم نے زمین پر اس کی صلاحیت سے زیادہ بوجھ تو نہیں ڈالا ہے اور اگر اللہ نے مجھے محفوظ رکھا تو میں عراق کی بیواؤں کو ایسے حال میں چھوڑوں گا کہ وہ میرے بعد کسی کی محتاج نہیں رہیں گی (۱) چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہر ایسی زمین پر جس میں گندم کاشت کی گئی ہو، ایک جریب پر چار درہم مقرر کیے اور جَو پیدا کرنے والی زمین کے ایک جریب پر دو درہم عاید کیے (۲) یہ وہ اراضی تھیں جن تک از خود پانی پہنچتا تھا۔

اور ہر ایسی زمین کے ایک جریب پر جس میں پانی پہنچایا جاتا ہو خواہ وہ آباد ہو یا غیر آباد ایک درہم اور ایک قفیز ٭ گندم عاید کیا (۳) خواہ اس کا مالک کوئی شے کاشت کرے۔

باغ کی ہر ایک جریب زمین پر دس درہم اور دس قفیز گندم خراج عاید کیا (۲) نخل (کھجور) والی زمین کے ہر جریب پر پانچ درہم اور پانچ قفیز گندم خراج مقرر کیا۔ (۳) اور ایک اور روایت میں ہے کہ آٹھ درہم مقرر کیا (۴) اور ایک اور روایت میں ہے کہ دس درہم مقرر کیا (۵) انگور پیدا کرنے والی زمین پر فی جریب دس درہم اور دس قفیز گندم خراج عاید کیا (۱) اور ایک اور روایت میں ہے کہ اس پر آٹھ درہم عاید کیے۔ گنا پیدا کرنے والی زمین پر فی جریب چھ درہم عاید کئے (۷) گندم کے چھ قفیز عاید کیے۔ نخل (کھجور) پر کچھ عاید نہیں کیا اور اُسے زمین کے تابع قرار دیا (۸)

۵۔ خراج کی وصولی میں حق کو ملحوظ رکھنا:

حضرت عمرؓ سعی فرماتے تھے کہ محاصل کی وصولی میں کسی پر کوئی ظلم نہ ہو اور خراج کے سلسلہ میں بھی یہی ملحوظ رکھتے، چنانچہ عراق سے ایک کروڑ اوقیہ چاندی سالانہ وصول ہوتی تھی۔ پھر دس (افراد) کوفہ سے اور دس بصرہ سے آتے تھے اور چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتے کہ یہ مال بالکل پاکیزہ ہے اور اس کی وصولی میں کسی مسلم اور معاہد پر ظلم نہیں ہوا ہے۔ (۹)

۶۔ خراج میں کیا وصول کیا جائے گا۔

خراج میں وہی چیز وصول کی جائے گی جو مسلمانوں کے نزدیک مال

(۱) عبدالرزاق ۶/۱۰۳، ۱۰/۳۷۱ (۲) سنن البیہقی ۹/۱۳۶، عبدالرزاق ۶/۱۰۰، ۱۰/۳۳۳، المحلی ۶/۱۱۵، الاموال ۶۸، ۶۹ خراج ابی یوسف ۴۲

٭ ایک پیمانہ جس سے غلے کی پیمائش کی جاتی ہے۔

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۰ ب، الاموال ۶۹، خراج ابی یوسف ۴۲، ۴۵ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۰ ب (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۰ ب، الاموال ۶۸، خراج ابی یوسف ۴۲، ۴۴ (۴) سنن البیہقی ۹/۱۳۶، خراج ابی یوسف ۴۲ (۵) عبدالرزاق ۶/۱۰۰، ۱۰/۳۳۳ (۶) ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۰، خراج ابی یوسف ۴۲، ۴۴، الاموال ۶۸ (۷) عبدالرزاق ۶/۱۰۰، ۱۰/۳۳۳، البیہقی ۹/۱۳۶ المحلی ۶/۱۱۵ (۸) ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۰ ب (۹) خراج ابی یوسف ۱۲۴

ہو۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ آپ کے عمال خراج میں خمر اور خنزیر وصول کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، بلکہ اس کی فروخت کے لیے ان ہی سے کہو اور تم قیمت وصول کر لو (۱) (دیکھئے اشربہ/۱ ی)

خراج کی وصولی میں نرمی :

حضرت عمرؓ کے پاس جزیہ اور خراج کا کثیر مال لایا گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے شبہ ہے کہ تم نے لوگوں کو تباہ کر دیا ہے۔ انہوں (عمال) نے کہا کہ قسم بخدا نہیں۔ ہم نے جو لیا ہے اس میں درگزر کو ملحوظ رکھا ہے اور جو حق بنتا تھا وہی لیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا بغیر کوڑا مارے اور بغیر لٹکائے۔ انہوں نے کہا کہ جی ہاں۔ اس پر آپؓ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے انہیں اور ان کے دورِ حکومت کو رعایا پر ظلم سے محفوظ رکھا۔ (۲)

خسوف

(دیکھیے : صلاۃ/ ۲۰ ج ۲)

خِصاء (خصی کرنا)

۱۔ تعریف :

خصاء کے معنی ہیں نر کے خصیوں کو اس طرح کچل دینا کہ اس میں مادہ کی خواہش باقی نہ رہے۔

۲۔ اس کا حکم :

حیوان کو خصی کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ کسی گھوڑے کو خصی نہ کیا جائے (۳) جب حیوان کو خصی کرنا جائز نہیں تو انسان کو خصی کرنا بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہے۔

۳۔ اس کے اثرات :

عورت اپنے شوہر کے خصی ہونے پر فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

(دیکھئے طلاق/ ۱۱ ج)

خصی کے ذکر پر جنایت اور اس پر کیا لازم آئے گا۔

(دیکھئے جنایت/ ۵ ب ۴ ج)

خضاب

۱۔ خضاب دست (ہاتھ پر خضاب یا مہندی لگانا)

حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ اے عورتو جب تم خضاب لگاؤ تو نقش اور پھول بوٹے بنانے سے گریز کرو اور خضاب چوڑیاں پہننے کی جگہ تک لگاؤ۔ (۱)

۲۔ خضاب شعر (بالوں کا خضاب)

سفید بالوں کو سیاہ رنگنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ دیکھنے والے کو مغالطہ میں مبتلا کرتا ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص آئے۔ انہوں نے اپنے سر کے بال اور داڑھی کے بال سیاہ رنگے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ عمرو بن العاصؓ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں بوڑھا دیکھا تھا اور آج تم نوجوان ہو۔ میں تمہیں پابند کرتا ہوں کہ جاتے ہی سیاہی دھو ڈالو (۲)

سیاہ رنگ کے علاوہ ایسا رنگ لگانا جائز ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ خضاب لگایا گیا ہے۔ حکم بن عمرو الغفاری سے مروی ہے کہ میں اور میرا بھائی رافع حضرت عمرؓ کے پاس گئے میں نے مہندی کا خضاب لگا رکھا تھا اور میرے بھائی نے پیلا خضاب

---

(۱) الاموال ۵۰، المحلی ۸/۱۴۸ (۲) الاموال ۴۳، المغنی ۸/۵۲۷

(۳) عبد الرزاق ۴/۴۵۷

(۱) عبد الرزاق ۴/۳۱۸، ابن ابی شیبہ ۱/۲۲۲ ب

(۲) سنن البیہقی ۷/۲۱۱

لگا رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ خضاب اسلام میں روا ہے اور میرے بھائی رافع سے کہا کہ یہ اہلِ ایمان کا خضاب ہے (۱) خود حضرت عمرؓ نے اپنی ڈاڑھی میں صرف مہندی لگائی (۲) اور اس میں کوئی اور شے نہیں ملائی۔

خطا

۱۔ تعریف :

وہ افعال و اعمال جو بلا ارادہ سرزد ہو جائیں :

۲۔ خطا کے اثرات :

(الف) خطا کی بنا پر گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے :

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ (الاحزاب : ۵)

" نادانستہ جو بات تم کہو اس کے لیے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے، لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔"

(ب) اقوال (بات) میں خطا کا کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ خثیمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرا کوئی نام رکھو۔ اس نے کہا تیرا نام ہرنی ہے۔ بیوی نے کہا کہ یہ تو کوئی نام نہ ہوا۔ اس پر شوہر نے کہا کہ پھر تو ہی بتا دے۔ اس نے کہا میرا نام خلیہ طالق (چھوڑی ہوئی طلاق یافتہ) رکھ دے۔ شوہر نے کہا کہ چلو تم خلیہ طالق ہو گئیں۔ وہ عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ شوہر نے حضرت عمرؓ کو ساری بات بتائی۔ حضرت عمرؓ نے اس (بیوی) کے سر پر مارا۔ اور اس کے شوہر سے کہا کہ اسے پکڑ کر لے جاؤ اور اس کے سر پر مارو۔ (۳)

(۱) المغنی ۱/۹۱ (۲) عبدالرزاق ۱۱/۱۵۴ (۳) المحلی ۱۰/۲۰۰

(ج) افعال میں خطا :

فعل میں خطا کرنے والا جسمانی سزا، حد، قصاص، تعزیر سے تو بچ جائے گا لیکن قضا، ضمان اور کفارہ سے نہیں بچے گا۔ مثلاً کسی نے رمضان کا روزہ یہ سمجھ کر افطار کر لیا کہ سورج غروب ہو چکا ہے لیکن فی الواقع سورج غروب نہیں ہوا تھا تو اس پر اس روزے کی قضا لازم ہوگی۔ زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ بعض لوگوں نے بادل ہونے کی وجہ سے رمضان کا روزہ افطار کر لیا۔ بعد ازاں دیکھا تو سورج موجود تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ معاملہ سہل ہے، کیونکہ ہم نے کوشش کی تھی، بہرحال ہم ایک روزے کی قضا کریں گے (۱) علی بن حنظلہ نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ ہم رمضان میں حضرت عمرؓ کے پاس تھے۔ اس کے بعد انہوں نے یہی واقعہ بیان کیا۔ بشر بن قیس سے مروی ہے کہ ہم رمضان میں حضرت عمرؓ کے پاس تھے اور آسمان پر بادل تھے۔ اس کے بعد انہوں نے یہی واقعہ بیان کیا۔

بہرحال بشر، حنظلہ اور قیس کی روایات اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عمرؓ نے روزے کی قضا کا فیصلہ کیا۔ اس کے مقابلے میں زید بن وہب کی وہ روایت نہ پیش کی جائے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ کے یہاں افطار کیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت حفصہؓ کے گھر سے بڑے بڑے پیالے آئے جو سب نے پی لیے، پھر سورج بادلوں سے نکل آیا، لوگ بڑے پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم اس روزے کی قضا کریں گے لیکن حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیوں، ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا (۲)۔ یہ روایت اس لیے پیش نہ کی جائے کہ یہ روایت شاذ ہے۔ اور ثقہ راویوں کی روایات کے خلاف

(۱) عبدالرزاق ۴/۱۷۸، السنن البیہقی ۴/۲۱۷، المجموع ۶/۳۴۸
(۲) عبدالرزاق ۴/۱۷۹، المحلی ۶/۲۲۳

ہے۔

اسی طرح مُحرم اگر خطأً ایسے جانور کا شکار کرے جس کا شکار اس پر حرام ہو تو اس پر ضمان لازم ہوگا۔ (د: حج / ۶ د ۵ ت)

اگر کسی نے کسی شخص کو خطأً قتل کر دیا تو اس پر ضمان یعنی دیت اور کفارہ لازم آئے گا۔ (د: جنایت / ۴ و ۳)

خطأً وطی کر لینے پر تعزیر یعنی کم سزا لازم آتی ہے۔ (د: زنا / ۰ ح)

خُطبہ

جمعہ کا خُطبہ (د: صلاۃ / ۱۹ / ز)

عید کا خُطبہ (د: صلاۃ / ۲۰ ج د۲)

نکاح کا خُطبہ (د: نکاح / ۵ ز)

خِطبہ (پیغامِ نکاح)

عورت کو نکاح کا پیغام دینا (د: نکاح / ۲)

عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام دینا (د: عدۃ / ۹ د)

خُف (موزہ)

وضو میں خفین پر مسح (د: وضو / ۹ د)

خُف کو نجاست سے پاک کرنا (د: نجاست / ۳ ب ۳)

بحالتِ احرام مرد کا خف نہ پہننا (د: حج / ۶، ی)

عورت کا حالتِ احرام میں خف پہننا (د: حج / ۱۹ ب)

خَل (سرکہ)

وہ سرکہ جس کا پینا اور فروخت کرنا جائز ہے۔

(د: اشربہ / اک) و (بیع / اب ۲)

خلخال (پازیب)

حضرت عمرؓ عورتوں کا پاؤں میں پازیب پہننا ناپسند فرماتے تھے۔

(د: جرس)

خُلع

۱۔ تعریف:

معاوضہ کے بدلے میں لفظِ "خُلع"، یا لفظ "طلاق"، یا ان کے ہم معنی الفاظ استعمال کر کے طلاق دینا خُلع کہلاتا ہے۔

۲۔ عورت کے مطالبۂ خُلع کو تسلیم کر لینا:

مرد کے لیے مناسب یہی ہے کہ اگر بیوی کو خُلع کی خواہش ہو اور وہ خُلع کا مطالبہ کرے تو اُسے تسلیم کرے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر عورتیں خُلع کا ارادہ کریں تو انکار نہ کرو (۱) حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جو شوہر کی نافرمان تھی۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے شوہر سے کہا کہ تم اس سے خلع کر لو۔ (۲)

۳۔ خُلع طلاق ہے:

خُلع کا حکم طلاق بائن کا ہے (۳) حضرت عمرؓ نے اس عورت سے فرمایا جس کے خاوند نے اُسے ایک ہزار درہم کے عوض طلاق دے دی تھی کہ تیرے شوہر نے تجھے حقِ طلاق فروخت کر دیا ہے۔

۴۔ مقدمہ عدالت میں پیش کرنے کی شرط:

حضرت عمرؓ نے حاکم (عدالت) سے رجوع کیے بغیر خلع کے معاملہ کو جائز قرار دیا (۵) چنانچہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس

---

(۱) سنن البیہقی ۳۱۵/۷ (۲) ابن ابی شیبہ ۲۴۴/۱ ب (۳) بدائع الصنائع ۱۴۴/۲ (۴) سنن البیہقی ۳۱۵/۷، عبدالرزاق ۴۹۴/۶ (۵) بدائع الصنائع ۱۴۵/۲، المغنی ۵۲/۷

عورت کے خلع کو بغیر اس کے کہ میاں اور بیوی اُسے حاکم کے پاس لے جائیں، ایک ہزار درہم کے عوض درست قرار دیا۔

۵۔ خُلع کا معاوضہ:

خُلع زیادہ یا کم مال کے عوض جائز ہے۔ اور ایسی صورت میں بھی جائز ہے جب کہ عوض خُلع اس مہر سے زائد یا کم ہو، جو شوہر نے اُسے دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایک خُلع کرنے والی عورت سے کہا کہ تم اپنے سربند سے کم قیمت شے پر بھی خُلع کر سکتی ہو (۱) حضرت عمرؓ نے ایک نافرمان عورت کو پکڑا اور اُسے سمجھایا مگر اُس نے کسی نصیحت پر کان نہیں دھرا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے تین دن کے لیے بہت سے اونٹوں والے باڑے میں بند کر دیا، پھر اُسے بلا کر پوچھا کہ اب تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ بولی اے امیر المومنین! مجھے یہی تین دن تو آرام کے میسر آئے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس کے شوہر سے فرمایا کہ اس سے خُلع کر لو خواہ اس کے کان کے بُندے پر کرو۔(۲)

۶۔ خُلع حاصل کرنے والی عورت کی عدت:

خلع حاصل کرنے والی عورت کی عدت وہی ہے جو مطلقہ عورت کی ہے۔ (د: عدت/۲)

خلافت

دیکھیے: امارت

خلوۃ (خلافت)

۱۔ تعریف:

مرد کا عورت کے ساتھ کسی ایسی جگہ یکجا ہونا جہاں اُنہیں کوئی نہ دیکھ سکے۔

۲۔ خلوت کے نتائج:

خلوت پر حسب ذیل نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

(الف) اگر خلوت اجنبی مرد و عورت کے درمیان واقع ہو تو عند اللہ گناہ ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے سوائے ذی محرم کے۔(۱) ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو آگاہ کیا کہ اُس کا بھائی جہاد کے لیے گیا ہوا ہے اور وہ اپنے بھائی کی بیوی کے پاس اُس کی ضرورت کے بارے میں دریافت کرنے جاتا ہے تو حضرت عمرؓ نے اُسے سزا دی۔ (د: تعزیر) نیز حضرت عمرؓ نے محرم کے سوا ہر مرد کو عورت کے پاس جانے سے منع فرمایا: (د: حجاب/۲ ب)

(ب) اور اگر مرد نے اس عورت کے ساتھ خلوت کی جس سے اُس نے عقد (نکاح) کیا ہے تو اس خلوت سے پورا مہر واجب الادا ہو جائے گا اور اگر اس کے بعد طلاق واقع ہو تو عورت پر عدت لازم ہوگی۔

(د: نکاح/۵ د ۳ ب)

خمار (اُوڑھنی)

۱۔ تعریف:

عورت جس چادر سے اپنے سر کو ڈھانپتی ہو اُسے خمار کہتے ہیں۔

۲۔ احکام:

عورت پر اس کا اوڑھنا واجب ہے۔ (د: حجاب/۱)

اگر عورت نے طہارت کی حالت میں دوپٹہ سر پر اوڑھا ہو تو وضو میں اُس کے اوپر مسح جائز ہے (د: وضو/۶ د)

---

(۱) سنن البیہقی ۷/۳۱۵ (۲) عبدالرزاق ۶/۵۰۵، سنن البیہقی ۷/۳۱۵ المحلی ۱/۲۴۰، ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۴ - ب

(۱) صحیح بخاری، نکاح، باب لا یخلون رجل بامرأۃ - صحیح مسلم، الحج، ۱۳۴۱ باب سفر المرأۃ۔

خمر (شراب)

۱۔ تعریف :

ہر نشہ آور مشروب خمر ہے۔ (۲) احکام شراب (د: اشربہ ۱/۱)

خنثی (مخنث)

خنثی کی تعریف اور اس کی میراث (د: ارث/۱۴)

خنزیر

۱۔ خنزیر کا نجس عین ہونا :

اللہ سبحانہ نے سورۃ الانعام میں بیان فرمایا ہے کہ خنزیر نجس ہے اور اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔ ملاحظہ ہو ارشاد باری تعالیٰ :

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ (الانعام : ۱۴۵)

"اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس آتی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو الا یہ کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے۔"

خنزیر کے نجس ہونے اور اس کے گوشت کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔

۲۔ خنزیر کے کھانے اور اس کی خرید و فروخت کی حرمت :

اس امر پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ مذکورہ بالا آیت کی بنا پر خنزیر کا گوشت کھانا حرام ہے، کیونکہ خنزیر نجاست مجسم ہے اور چونکہ وہ نجس ہے اس لیے مال کے بدلے اس کی فروخت جائز نہیں ہے۔ اور نہ کسی حق کی وصولی میں اسے لینا روا ہے۔ چنانچہ جب سمرۃ بن جندب نے ذمیوں سے خراج اور جزیہ کی وصولیابی کرتے ہوئے اُن سے خنزیر بھی لے لیا تو حضرت عمرؓ نے اُن کے اس عمل کو ناپسند کیا اور کہا کہ : عراق میں ہمارے بیچارے عامل سمرہ کو خدا سمجھے، اُس نے مسلمانوں کے فئے کے مال میں خمر اور خنزیر کی قیمت لا دی ہے حالانکہ یہ چیزیں خود بھی حرام ہیں اور اُن کی قیمت بھی حرام ہے۔[1] (د: بیع / ا ب ۲)

۳۔ مسلمانوں کے علاقے میں اس کی پرورش :

کسی مسلمان یا ذمی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ مسلمانوں کے علاقوں میں خنزیر رکھے یا اس کی پرورش کرے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمان بھیجا : "تمہارے، قرب و جوار میں خنزیر نہ رہے، صلیب بلند نہ کی جائے اور تم اس دسترخوان پر کھانا نہ کھاؤ جس پر شراب پی جا رہی ہو۔ گھوڑوں کو تربیت دو اور تیر اندازی سیکھو۔ (۲)

۴۔ خنزیر کا ہلاک کرنا :

حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ خنزیر جہاں بھی ملے اُسے مار ڈالو خواہ وہ جنگل میں ہو، مسلمانوں کے قبضے میں ہو یا ذمیوں کی ملکیت میں ہو، لیکن چونکہ خنزیر ذمیوں کے نزدیک مال ہے، اس لیے اگر اُن کا خنزیر مارا جائے تو حکومت اس کی قیمت کی ضامن ہو گی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عمّال کو حکم دیا کہ ذمیوں کے خنزیر مار ڈالیں اور اُن کی قیمت اُن کے جزیہ میں سے کم کر دیں۔ (۳)

خیار (اختیار)

۱۔ خیار مجلس :

---

(۱) عبدالرزاق ۶/۷۵، ۸/۱۹۶ (۲) عبدالرزاق ۶/۹۱، ۹/۲۴۸، ۱۱/۴۶۲ سنن البیہقی ۹/۲۰۱، الاموال ۹۵ (۳) الاموال ۵/۹۵

(ا) تعریف :

خیارِ مجلس کا مفہوم یہ ہے کہ جس وقت تک معاہدے کے دونوں فریق (متعاقدین) اس مجلس میں موجود ہوں جہاں معاہدہ ہو رہا ہے دونوں میں سے ہر ایک کو معاہدہ ختم کر دینے کا اختیار ہے۔

(ب) جواز :

ابنِ قدامہ نے المغنی میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک متعاقدین میں سے ہر ایک کو اُس وقت تک خیارِ مجلس حاصل ہے جب تک وہ جسمانی طور پر جدا نہ ہو جائیں (۱) ابنِ حزم نے بھی المحلی میں ایک واقعہ سے حضرت عمرؓ کی یہی رائے اخذ کی ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ مسجد (نبویؐ) کے پہلو میں حضرت عباسؓ کا ایک گھر تھا۔ حضرت عمرؓ وہ گھر لے کر مسجد میں اضافہ کرنا چاہتے تھے جس کے لیے حضرت عباسؓ تیار نہیں تھے۔ ان دونوں حضرات نے اس قضیے کے فیصلہ کے لیے حضرت ابی بن کعبؓ کو حکم مقرر کیا۔ حضرت ابیؓ نے کہا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السّلام نے بیت المقدّس کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو مطلوبہ زمین ایک شخص کی ملکیت تھی۔ حضرت سلیمانؑ نے اُس سے وہ زمین خرید لی۔ اس پر زمین کا مالک بولا کہ آپ نے مجھ سے جو زمین خریدی ہے وہ زیادہ بہتر ہے یا وہ قیمت جو آپ نے مجھے ادا کی ہے؟ حضرت سلیمان نے کہا کہ جو زمین مَیں نے تم سے خریدی ہے وہ زیادہ بہتر ہے، اس پر اُس نے کہا کہ پھر مَیں اس معاہدہ بیع کو قبول نہیں کرتا۔ حضرت سلیمانؑ نے قیمت میں اضافہ کر دیا۔ اُس شخص نے پھر وہی سوال کیا اور حضرت سلیمانؑ نے وہی جواب دیا اور اُس نے پھر اس معاملۂ فروخت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ غرض حضرت سلیمان قیمت میں اضافہ کرتے رہے اور وہ اسی طرح پُوچھتا رہا اور حضرت سلیمانؑ وہی جواب دیتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت سلیمانؑ نے اُس سے یہ زمین اس شرط پر خریدی کہ اب وہ سوال نہیں کرے گا۔ اب اُس نے جس قیمت کا مطالبہ کیا حضرت سلیمانؑ نے اس کو بہت زیادہ سمجھا۔ اس پر اللہ سبحانہ کی جانب سے حضرت سلیمانؑ کو فہمائش ہوئی کہ اگر تم یہ قیمت اپنے پاس سے دے رہے ہو تو نہ دو اور اگر تم ہمارے رزق میں سے دے رہے ہو تو اُس کے مطالبہ کے مطابق دے کر اُسے راضی کر دو۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابی بن کعبؓ نے حضرت عباسؓ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

ابنِ حزمؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عباسؓ نے حضرت ابی کو یہ کہتے سُنا کہ بیع کا معاہدہ ہو جانے کے بعد اس کو ختم کیا جاتا رہا اور دونوں میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، جس سے معلوم ہو کہ یہ تینوں اس امر کے قائل تھے کہ ایک ہی مجلس میں بیٹھے بیٹھے معاہدہ کو منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ (۱)

مَیں کہتا ہوں کہ اس واقعہ سے کئی مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ مالک پر جبر کر کے اس کی کوئی شے خریدنا جائز نہیں ہے۔ یہ کہ خیارِ غبن فاحش کی صورت میں ہوتا ہے مزید یہ کہ خیارِ مجلس بائع کے حق میں ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ کہ اگر حکومت کسی کی کوئی مملوکہ چیز لینے پر مجبور ہو تو ثمن مثل پر لے سکتی ہے مگر حضرت ابی ابن کعبؓ نے اس واقعہ کو ایک ہی مسئلہ کے اثبات کے لیے بیان کیا تھا اور وہ یہ تھا کہ بیع میں مالک کی رضا شرط ہے، اس لیے اگر حضرت عمرؓ نے اس واقعہ سے مستنبط ہونے والے امور سے سکوت فرمایا تو وہ اس بنا پر فرمایا کہ اُن کا ذکر نہیں ہوا تھا اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اس موقعہ پر حضرت عمرؓ کا سکوت اقرار ہی ہو۔

(۱) المغنی ۳/۵۶۳

(۱) المحلی ۸/۳۵۳، ۳۵۲، ۴۴۱

اسکے معنی یہ ہیں کہ اگر آپ نے ان مستنبط ہونے والے امور میں سے کسی ایک کو تسلیم کرلیا ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ نے تمام امور کو تسلیم کرلیا تھا۔

نیز حضرت عمرؓ، حضرت ابی ابن کعب کے پاس فیصلہ کرانے آئے تھے۔ اس لیے نہیں آئے تھے کہ اگر فیصلہ ان کی مرضی کے مطابق نہ ہو تو وہ اسے رد کر دیں گے، بلکہ حضرت عمرؓ ہر حال میں فیصلے کے پابند تھے خواہ وہ فیصلہ اُن کی رائے کے موافق ہو یا برخلاف۔ کیونکہ یہ فیصلہ قاضی کا تھا اور قاضی کا فیصلہ بہرحال قبول کرنا پڑتا ہے۔

اسی لیے ہم کو ابن حزم کے اس استنباط سے اتفاق نہیں۔ بالخصوص اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے جب منٰی سے روانہ ہونے کے لیے رکاب پر پاؤں رکھا تو فرمایا کل لوگ کہیں گے کہ عمرؓ نے کیا کہا۔ چنانچہ میں کہتا ہوں کہ بیع کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا حتمی اور یا بالخیار۔ اور مسلمان بہرحال اپنی شرط کا پابند ہوتا ہے۔(۱) اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ خیارِ مجلس کے قائل نہیں تھے، بلکہ اُن کی رائے یہ تھی کہ متعاقدین کے درمیان جب ایجاب وقبول ہوگیا تو اس کے بعد کسی کو کوئی اختیار نہیں رہتا الایہ کہ اُنہوں نے پہلے سے اس طرح کی شرط عاید کرلی ہو یا مبیع (فروخت شدہ شے) میں کوئی عیب پایا جائے یا قیمت میں غبن فاحش ہو۔

۲۔ خیارِ شرط

خیارِ شرط کی متعدد اقسام ہیں جن میں سے چند کا ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

(و) ایک مقررہ مدت کے اندر مبیع (خریدکردہ شے) کو واپس کر دینے یا سودے کو پکا کر دینے کے اختیار کی شرط لگانا، اس کی مدت تین

(۱) عبدالرزاق ۸/۵۲، نصب الرایہ ۴/۳، المغنی ۳/۵۸۶

دن سے زائد رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ وہ مدت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبان بن منقذ کے لیے مقرر فرمائی تھی۔(۱)

(ب) کسی مخصوص شخص کی رضامندی کی شرط، جس کے ساتھ یہ بھی طے کیا جائے کہ تاخیر کے نقصان کی تلافی کے طور پر خریدار ایک مقررہ رقم ادا کرے گا، چنانچہ نافع بن عبدالحارث نے قید خانہ بنانے کے لیے صفوان بن امیہ سے چار ہزار میں ایک گھر اس شرط پر خریدا تھا کہ اگر حضرت عمرؓ راضی ہوئے تو یہ معاملہ برقرار رہے گا اور اگر راضی نہ ہوئے تو صفوان کو چار سو درہم دیے جائیں گے۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے اس معاملہ کو برقرار رکھا۔(۲)

(ج) یہ شرط کہ اگر خریدی ہوئی شے ان صفات کے مطابق نہ ہوئی جو خریدار کو مطلوب ہیں تو خریدی ہوئی شے واپس کر دینے کا اختیار ہوگا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے ایک گھوڑے کا سودا طے کیا اور حضرت عمرؓ نے اس گھوڑے پر اپنی جانب سے ایک سوار کو سوار کرایا تاکہ وہ اسے دیکھ لے۔ اس اثنا میں گھوڑا مر گیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ گھوڑا تمہارا تھا۔ جب کہ فروخت کرنے والے نے کہا کہ نہیں، گھوڑا آپ کا ہو چکا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہمارے درمیان فیصلے کے لیے جسے تم چاہو حکم مقرر کرلو۔ اس پر اُس نے کہا کہ شریح عراقی سے فیصلہ کرا لیتے ہیں۔ دونوں شریح کے پاس آئے اور حضرت عمرؓ نے شریح سے کہا کہ یہ شخص آپ کا فیصلہ قبول کرنے پر راضی ہے۔ اس کے بعد انہیں تفصیل سے آگاہ کیا۔ شریح نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ جو شے تم نے خریدی ہے وہ تم لے لو یا اس کو

(۱) سنن البیہقی ۵/۲۷۴، المغنی ۳/۵۸۶، المحلی ۸/۳۸۲
(۲) سنن البیہقی ۶/۳۴، المحلی ۸/۱۷۱، ۲۷۰، المجموع ۹/۳۶۱، المغنی ۴/۲۶۲

اسی حالت میں واپس کر دو جس حالت میں تم نے خریدی تھی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ نے بہت عمدہ فیصلہ کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے شریح کو قاضی بنا کر بھیج دیا اور یہ پہلے قاضی تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ (۱)

(د) یہ اختیار کہ اگر خریدار مدت مقررہ تک قیمت ادا نہ کرے تو معاہدۂ بیع فسخ ہو جائے گا۔ مثلاً فروخت کنندہ نے کہا کہ میں تمہیں یہ شے اس شرط پر فروخت کر رہا ہوں کہ تین دن میں یا مدت مقررہ میں تم اس کی قیمت ادا کر دو ورنہ ہمارے درمیان یہ سودا باقی نہیں رہے گا۔ ایسا سودا کرنا صحیح ہے (۲)

۳۔ خیار عیب:

(د) اگر کسی نے کوئی شے خریدی اور اس میں کوئی ایسا عیب پایا جو فروخت کنندہ کے پاس ہوتے ہوئے بھی موجود تھا تو خریدار کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو اس شے کو واپس کر دے اور چاہے تو رکھ لے۔ حضرت عمرؓ نے ایک کپڑا خریدا دیکھا کہ اس میں سرخ دھاگا ہے تو آپ نے اسے واپس کر دیا۔ (۳)

اور اگر خرید کردہ چیز میں خریدار کے پاس کوئی نیا عیب پیدا ہو گیا جب کہ اس چیز میں پہلے بھی عیب موجود تھا تو کیا یہ نیا عیب پرانے عیب کے باوجود اس شے کی واپسی میں مانع ہوگا یا نہیں؟ اس ضمن میں حضرت عمرؓ سے دو روایات منقول ہیں۔

پہلی روایت یہ ہے کہ خریدار کو چیز واپس کرنے کا اختیار نہیں ہے بلکہ وہ اس نقصان کا معاوضہ وصول کرنے کے لیے فروخت کنندہ سے رجوع کرے گا جو قدیم عیب کی وجہ سے اس چیز کی قیمت میں ہوا ہے۔ ضحاک سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا، جس نے باندی خریدی اور اس سے وطی کر لی اور بعد میں اس میں عیب پایا کہ یہ اس (خریدار) کا ہی مال ہے اور عیب کے نقصان کے بقدر رقم فروخت کنندہ سے واپس لے لے۔ (۱)

دوسری روایت یہ ہے کہ خریدار خریدی ہوئی شے فروخت کنندہ کو واپس کر دے اور اسے اس عیب کے بدلے میں معاوضہ ادا کر دے جو اس کے پاس پیدا ہوا ہے اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اس شخص سے فرمایا جس نے باندی خریدی اور اس میں عیب نظر آیا کہ اگر ثیبہ تھی تو قیمت کا بیسواں حصہ معاوضہ دے کر واپس کر دے اور اگر باکرہ تھی تو قیمت کا دسواں حصہ معاوضہ دے کر واپس کر دے۔ (۲)

(ب) بائع (فروخت کنندہ) کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا سامان بیچنے کے لیے سجا کر رکھے اور خریدار کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ اس بنا پر کہ اس نے مال سجا بنا کر پیش کیا تھا خرید کردہ چیز واپس کر دے۔ (دیکھئے تدلیس/۲)

۴۔ خیار عتق:

اگر ایسی باندی آزاد ہو گئی جو کسی کے نکاح میں تھی تو آزادی کے بعد اسے اختیار ہوگا کہ چاہے تو اپنے شوہر کے ساتھ ازدواجی زندگی برقرار رکھے، چاہے تو نکاح ختم کر دے، خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔ باندی کا یہ حق آزادی کے بعد اس شوہر کو وطی کا موقع فراہم کر دینے سے ساقط ہو جائے گا، کیونکہ وطی کا موقع فراہم کر دینا اس سے رضامندی کا اظہار ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس باندی سے جو کسی آزاد کے نکاح میں تھی۔

---

(۱) عبدالرزاق ۸/۲۲۴، اخبار القضاۃ ۲/۱۸۹، المحلی ۸/۲۰۳
(۲) المغنی ۳/۵۱۳ (۳) المغنی ۱/۵۸۶

(۱) المحلی ۹/۷۹ ، (۲) المحلی ۹/۷۷، سنن البیہقی ۵/۳۲۲
المجموع ۱۲/۲۲۸، ۲۲۹، المغنی ۴/۱۴۶

اور آزاد کر دی گئی تھی فرمایا کہ تمہیں اس وقت تک اختیار ہے جب تک تم سے وطی نہ کی جائے [1]، اور آزاد شدہ لونڈی کے علم میں یہ بات آجانے کے بعد کہ اس کو اختیار حاصل ہے، خاوند نے اس سے مجامعت کر لی تو اس کا اختیار باقی نہیں رہے گا۔[2]
پھر جب آزاد کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی کو خیارِ عتق حاصل ہے تو غلام کے نکاح میں ہوتے ہوئے خیارِ عتق بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔

(۵) وہ حالات جن میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

(د: طلاق / ۱۱)

عورت کے لیے طلاق کا اختیار۔ (د: طلاق / ۴ و ۲)
دھوکہ کی وجہ سے معاہدہ ختم کر دینے کا اختیار۔
(د: تدلیس / ۲ ز)
غبن فاحش کی وجہ سے معاہدہ ختم کر دینے کا اختیار۔
(د: بیع / ۲ ھ)

اس شخص کے لئے خیار کا حق، جس نے تین سال تک زمین معطل رکھی اور اُسے کسی دوسرے نے قابلِ کاشت بنا لیا کہ وہ پیداوار کی لاگت ادا کر کے زمین واپس لے لے یا خالی زمین کی قیمت لے کر زمین کاشت کرنے والے کو دے دے۔ (د: ارض / ۲)
مقتول کے ولی کا خیار کہ قصاص لے یا دیت لے لے۔
(د: جنایت / ۵ و ۱)
حضانت (پرورش) کی مدت ختم ہونے کے بعد بچے کا یہ اختیار کہ وہ والدین میں سے جس کے پاس رہنا چاہے اُس کے پاس رہے۔ (د: حضانت / ۳ ج)

خیل (گھوڑے)

گھوڑوں پر زکوٰۃ (د: زکوٰۃ / ۲ د ۷)
غنیمت میں گھوڑوں کا حصہ (د: غنیمت / ۲ ب ۳ ب)

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۱۶
(۲) عبدالرزاق ۷/ ۲۵۲، المحلی ۱/ ۱۵۳

د

دباغت

جو کھالیں دباغت سے پاک ہوجاتی ہیں اور جو دباغت سے پاک نہیں ہوتیں۔ (د: نجاستہ / ۱ ب ۵) و (نجاستہ / ۲ ب ۴)

دُبر (مقعد)

وطی فی الدبر کا بیان (د: لواطت)

دُعا (پکارنا یا مانگنا)

دُعا کے اصطلاحی معنی ہیں ادنیٰ مرتبے والے کا اعلیٰ مرتبے والے سے عاجزی اور انکساری سے مانگنا۔

۱۔ دُعا کے لیے طہارت:

دُعا اللہ سبحانہٗ کے حضور حاضری ہے، لہٰذا مومن کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں طہارت کے بغیر حاضر ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ جب بھی پیشاب کرتے اس کے فوراً بعد تیمم فرما لیتے اور کہتے کہ میں اس لیے تیمم کرتا ہوں تاکہ میرے لیے تسبیح کرنا حلال ہوجائے (۱) (د: وضوء / ۲ ز)

۲۔ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھانا اور چہرے پر پھیرنا:

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے تو اس وقت تک نیچے نہ کرتے جب تک انہیں منہ پر نہ پھیر لیتے (۱) ظاہر ہے حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو عمل نقل کیا ہے۔ خود آپ کا عمل اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

۳۔ پاکیزہ مقامات پر دُعا:

حضرت عمرؓ گندگی والے مقامات پر اللہ کے ذکر کو ناپسند فرماتے تھے اور ان مقامات پر بھی ذکرِ الٰہی کو پسند نہیں کرتے تھے جہاں شریعت کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہو مثلاً حمام وغیرہ؛ چنانچہ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ حمام میں اللہ کا نام نہ لیا جائے تاآنکہ آدمی وہاں سے باہر نہ آجائے۔

۴۔ دُعا کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود:

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز آسمان اور زمین کے درمیان رُکی رہتی ہے جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے۔ (۲)

۵۔ حضرت عمرؓ کی بعض دُعائیں:

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۸ ب

(۱) الترمذی، الدعوات، رقم ۳۳۸۲ باب رفع الایدی عند الدعاء (۲) عبدالرزاق ۱/ ۲۹۱

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ وَوَفَاةً بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ۔

(اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں وفات عطا فرما)

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَتْلِیْ بِیَدِ رَجُلٍ صَلّٰی لَكَ سَجْدَةً وَاحِدَةً یُحَاجُّنِیْ بِهَا عِنْدَكَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

(اے اللہ! میرا قتل کسی ایسے شخص کے ہاتھوں نہ ہو، جس نے کبھی تیری جناب میں ایک نماز بھی پڑھی ہو اور اس نماز کی بنا پر وہ تیرے یہاں روزِ قیامت مجھ سے احتجاج کرے)

ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دعا تلقین کی۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِنْ عَلَانِیَتِیْ وَاجْعَلْ عَلَانِیَتِیْ صَالِحَةً

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِی النَّاسَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ، غَیْرِ الضَّالِّ وَلَا الْمُضِلِّ۔

(اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے خوب تر بنا دے اور میرے ظاہر کو درست تر بنا دے۔ اے اللہ! تو جو بہترین اہل و عیال اور مال و دولت لوگوں کو عطا فرماتا ہے، اس میں سے مجھے بھی عطا فرما۔ ایسی جو نہ گمراہ ہو اور نہ گمراہ کرنے والی ہو)

اَللّٰهُمَّ عَافِنَا وَاعْفُ عَنَّا

(اے اللہ! ہمیں محفوظ و مامون رکھ اور ہم سے درگزر فرما)

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۵۹ ب

(۲) ابن ابی شیبہ ۲/۱۴۹

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ غِنَایَ فِیْ قَلْبِیْ وَرَغْبَتِیْ فِیْمَا عِنْدَكَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا رَزَقْتَنِیْ وَاغْنِنِیْ عَمَّا حَرَّمْتَ عَلَیَّ

(اے اللہ! میری تونگری میرے دل میں پیدا فرما دے، اور مجھے اس شے کا آرزومند بنا دے جو تیرے پاس ہے، جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے اس میں برکت دے اور جو شے تو نے مجھ پر حرام کی ہے اُس سے مجھے بے نیاز کر دے)

اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِیْ بِحَبْلِكَ وَارْزُقْنِیْ مِنْ فَضْلِكَ وَاجْعَلْنِیْ اَحْفَظُ اَمْرَكَ

(اے اللہ! اپنی رسی سے باندھ کر میری حفاظت فرما، اپنے فضل سے مجھے رزق فرما اور مجھے ایسا بنا دے کہ میں تیرے حکم کی حفاظت کر سکوں)

جب حضرت عمرؓ خلیفہ مقرر ہوئے، تو آپ نے سب سے پہلے یہ دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ضَعِیْفٌ فَقَوِّنِیْ وَاِنِّیْ شَدِیْدٌ فَلَیِّنِّیْ وَاِنِّیْ بَخِیْلٌ فَسَخِّنِیْ

(اے اللہ! میں ضعیف ہوں تو مجھے قوت عطا فرما، میرے اندر سختی ہے مجھے نرمی عطا فرما۔ میں بخیل ہوں مجھے سخاوت عطا فرما)

ان دعاؤں کے علاوہ بھی حضرت عمرؓ سے بہت سی دعائیں منقول ہیں۔

طواف کے وقت دعا (د: حج/۸)

دعوت (کھانے کی دعوت)

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۴۹ (۲) صحیح مسلم، نکاح، الامر باجابۃ الداعی۔ ابوداؤد، الاطعمہ نمبر ۳۷۴۰۔

دعوتِ طعام قبول کرنا مسنون ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو دعوتِ طعام پہ بلایا جائے تو اُسے چاہیے کہ ضرور جائے چاہے کھائے اور چاہے نہ کھائے۔ (۱)

ایسے مقام پر جانے کی دعوت قبول کرنا جائز نہیں ہے جہاں علانیہ مُنکرات موجود ہوں مثلاً بُت اور تصاویر نصیب ہوں یا ایسی ہی اور کوئی چیز ہو۔ (د ؛ تماثیل)

دعویٰ

دیکھیے ؛ قضا

دفاع (مدافعت)

اگر کسی انسان نے اپنی عزت یا جان کی مدافعت میں کسی دوسرے کو کوئی نقصان پہنچا دیا تو اس پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت۔

(د ؛ جنایت / ۳ ب ۲)

دَفّ

شادی میں دف بجانے کا جواز (د ؛ موسیقی)

دَم (خون)

خُون کا نجس ہونا اور اس کے نکلنے سے وضو کا ٹوٹ جانا۔

(وضو / ۷ و۔ نجاست / ۱ ب ۲)

دواء

دیکھیے ؛ (تداوی اور مرض)

دَین

۱۔ تعریف ؛

وہ مال جو کسی کے ذمہ واجب الادا ہو۔

۲۔ دائن ؛

دائن کی شرط یہ ہے کہ وہ تبرع کا اہل ہو۔ (د ؛ تبرع)

۳۔ مدین ؛

(ا) باپ کا اپنے بیٹے سے قرض لینا ؛ بیٹے کا قرض باپ پر لازم نہیں ہوتا۔ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک باپ اور بیٹا آئے۔ بیٹے کا مطالبہ تھا کہ اُس نے اپنے باپ کو ایک ہزار درہم دیئے تھے وہ دلائے جائیں۔ باپ کا کہنا یہ تھا کہ وہ ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ حضرت عمرؓ نے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر باپ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ یہ بیٹا اور اس کا مال دونوں تیرے لیے اللہ کا عطیہ ہیں (۱)۔ نیز روایت ہے کہ اہلِ بادیہ میں سے ایک شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور شوہر نے اس کا مہر بھیج دیا جو باپ نے اپنے پاس رکھ لیا۔ جب باپ مر گیا تو بیٹی اپنے مہر کا مطالبہ لے کر (حضرت عمرؓ کے پاس) آئی۔ اور اُس کے بھائی بھی آئے اور اُنھوں نے کہا کہ ہمارے باپ نے یہ مہر اپنی زندگی ہی میں صرف کر لیا تھا۔ مگر اُس عورت نے اپنے مہر کا مطالبہ دہرایا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے مہر کی جو شے بعینہٖ تمہیں مل جائے تو تم اس کی زیادہ حق دار ہو اور جو تمہارے باپ نے صرف کر لیا وہ تمہارے باپ پر تمہارا قرض نہیں ہے۔ (۲)

(ب) مسلمانوں کے امیر کا بیت المال میں سے قرض لینا۔ (د ؛ امارہ / ۵ ط د)

---

(۱) صحیح مسلم ؛ نکاح، الامر باجابۃ الداعی۔ ابوداؤد ؛ الاطعمہ نمبر ۳۷۴۰

(۱) المحلی ۸ / ۱۰۴ (۲) عبدالرزاق ۹ / ۲۲۱

۴- جو مال کسی کے ذمّے واجب الادا ہو۔

(و) جو مال قرض لیا جائے اس کے لیے درج ذیل شرائط ہیں۔

۱- قرض لینے والے نے اس پر قبضہ کر لیا ہو۔

۲- اس مال کا مثل موجود ہو جس سے اُس کو ادا کرنا ممکن ہو۔

(ب) مالِ مدیونہ میں زکوٰۃ واجب ہونا۔ (د، زکوٰۃ/ ۴ و ۱)

۵- أجل (مدّت)

(و) اگر قرض کی ادائیگی کے لیے کوئی مدّت مقرر کی گئی ہو تو کیا مقروض کے لیے اس قرض کا مدّت مقررہ سے قبل واپس کرنا جائز ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کے نزدیک بدل کتابت[۱] کا اس کی ادائیگی کا وقت آنے سے قبل ادا کرنا جائز ہے۔ اس پر قیاس کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک قرض کی ادائیگی، مدّت ادائیگی سے قبل جائز ہے۔ (۱)

(ب) لیکن ادائیگی کی کُل مدّت یا اس کا کوئی حصّہ اس طرح ساقط کرنا جائز نہیں ہے کہ اس کے بدلے میں مقروض کے ذمّے رقم میں کوئی کمی کر دی جائے۔ عبدالرحمٰن بن مطعم سے مروی ہے کہ مَیں نے حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا کہ ایک شخص کے ذمّے میری کچھ رقم ہے جس کی ادائیگی ایک مقررہ مدّت میں لازم ہے۔ مَیں نے کہا کہ میرا قرض جلد دے دو مَیں رقم میں کچھ کمی کر دوں گا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا کہ امیرالمومنین نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ ہم درہم و دینار قرض کے بدلے میں فروخت کریں۔ (۲) حضرت عمرؓ اس بات کو بھی ناپسند فرماتے تھے کہ مالک غلام کے ساتھ طے شدہ بدل کتابت میں اس شرط پر کوئی کمی کرے کہ غلام باقی ماندہ رقم کتابت فوراً ادا کر دے۔ چنانچہ سنن البیہقی میں ہے کہ حضرت عمرؓ اس مکاتب کے زر کتابت میں کمی کر دینے کو ناپسند فرماتے تھے جس پر سونے اور چاندی میں ادائیگی لازم ہو اور اس رقم میں سے تہائی یا چوتھائی کم کر دیا جائے اور وہ اس سے کہے کہ اس کے بدلے میں سامان دے دو۔ (۱)

۶- قرض کی ادائیگی:

(و) قرض کا اس نوع کے علاوہ کسی دوسری نوع میں ادا کرنا۔ اگر دَین دراہم کی صورت میں ہو اور مقروض ان کی قیمت کے برابر دیناروں میں قرض ادا کرنا چاہے تو کیا یہ جائز ہے؟ حضرت عمرؓ سے مختلف روایات منقول ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ جواز کے قائل تھے۔ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ مجھے ایک شخص سے دینار لینے ہیں تو درہم لے لوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر قیمت مساوی ہے تو لے لو۔ (۲) یسار بن نمیر سے مروی ہے کہ میرے کسی شخص کے ذمّہ درہم تھے، اُس نے مجھے دینار واپس کرنا چاہے، مَیں نے کہا کہ میں حضرت عمرؓ سے دریافت کیے بغیر نہیں لوں گا، چنانچہ مَیں نے حضرت عمرؓ سے پُوچھا تو آپ نے فرمایا کہ صراف کو دکھا لو۔ اگر اس کے کہنے کے مطابق یہ دینار درہم کے مساوی ہوں تو پھر تم چاہو تو لے لو اور چاہو تو اپنے دراہم کے بدلے میں درہم لے لو۔ (۳) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ عدم جواز کے قائل تھے، چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ نے اپنی ایک باندی چاندی کے بالعوض فروخت کی اور پھر اس کی جگہ سونا لے لیا۔ حضرت عمرؓ سے پُوچھا تو آپ نے فرمایا کہ "وہی لو جس کے بدلے میں تم نے

(۱) المحلی ۸/ ۸۱ (۲) عبدالرزاق ۸/ ۷۲، سنن البیہقی ۹/ ۲۸، المغنی ۴/ ۴۹۰۔ [۱] بدل کتابت سے مراد وہ معاوضہ ہے جو مالک اپنے غلام کو آزاد کر دینے کے بدل کے طور پر اس سے طلب کرتا ہے اور اس کی ادائیگی کے لیے ایک مدّت مقرر کی جاتی ہے۔

(۱) سنن البیہقی ۱۰/ ۳۳۵ (۲) عبدالرزاق ۸/ ۱۲۷ (۳) المحلی ۸/ ۵۰۴

فروخت کی ہے۔ (۱)

امام عبدالرزاق بن ھمام فرماتے ہیں کہ اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ پر تعجب ہے کہ اہلِ کوفہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو روایت بیان کرتے ہیں اس میں رُخصت ہے۔ اور اہلِ بصرہ ان ہی دونوں سے جو روایت کرتے ہیں، اس میں ایسا کرنے کی سخت ممانعت ہے (۲)

(ب) کسی منفعت کی شرط لگانا کہ یہ نفع دَین کے ساتھ دائن کو پہنچایا جائے

قرض دینے والے کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ یہ شرط لگائے کہ جب مقروض اس کا قرض لوٹائے تو علاوہ قرض کے کوئی مال یا کوئی اور منفعت بھی اُسے دے، کیونکہ یہ سُود ہے اور اللہ کے دین میں حلال نہیں ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ سفتجہ (ہنڈی) کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ سفتجہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو کچھ مال دے اور لینے والا اس کے بدلے میں دینے والے کو اس کے شہر میں اتنا ہی مال اپنے مال میں سے جو اُس کا وہاں ہو ادا کر دے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس شخص کا مال راستے کے خطرات سے محفوظ ہو جائے گا۔ (د: بیع ۴ ب ۳)

(ج) حُسن وفاء: (بہتر طریقہ پر ادا کرنا)

اگر قرض دینے والے نے کسی زیادتی یا منفعت کی کوئی شرط نہیں لگائی، لیکن مقروض نے از خود اُسے کچھ زائد دے دیا تو قرض دینے والے کے لیے اس کا لینا جائز ہے، کیونکہ یہ حُسن وفا کی صورت ہے۔ ابن سیرینؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے حضرت عمرؓ سے دس ہزار قرض لیے۔ بعد میں حضرت ابی نے اپنی کھجوریں حضرت عمرؓ کو بھیجیں۔ اُن کی یہ کھجوریں جلد تیار ہو جاتی تھیں اور مدینہ منورہ کی بہترین کھجوریں تھیں، حضرت عمرؓ نے یہ کھجوریں واپس کر دیں۔ اس پر حضرت ابی بن کعبؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ میں تمہارا مال واپس کیے دیتا ہوں۔ مجھے ایسے مال کی کوئی ضرورت نہیں ہے جس کی بنا پر آپ نے میری عُمدہ کھجوریں واپس کر دی ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُنہیں قبول کر لیا اور فرمایا کہ ربا اُس وقت ہے جب انسان اضافہ کی نیت سے قرض دے۔ (۱)

قرض لینے والے کا قرض دینے والے کو ہدیہ (ربا/۲ و ۱)

(د) ترکہ سے قرض کی ادائیگی:

اگر کوئی شخص مر گیا اور اُس پر قرض تھا تو اُس کے ورثا پر لازم ہے کہ اس کے ترکہ میں سے اس کا قرض ادا کریں۔ (د: ترکہ/۲ ب)

(ھ) مقروض کی ایسی تنگدستی کہ وہ قرض ادا نہ کر سکے:

اگر مقروض تنگدست ہو گیا اور اُس میں یہ استطاعت نہیں رہی کہ قرض ادا کر سکے تو حضرت عمرؓ ایسے شخص سے اللہ کی قسم لیتے کہ اُس کے پاس کوئی سامان یا شے ایسی نہیں ہے نہ ہی کسی کے ذمہ اس کا قرض ہے، جس سے وہ یہ قرض ادا کر دے نیز یہ کہ اگر کسی جگہ سے اُسے کچھ مل گیا جس کا ابھی اُسے علم نہیں ہے تو وہ یہ قرض ادا کر دے گا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ اُس کو چھوڑ دیتے تھے۔ (۲)

(و) مفلس:

وہ مقروض جس کا قرض اُس کے مال سے زائد ہو۔ اور اُس کے مصارف اُس کی آمدنی سے زائد ہوں تو اُس پر پابندی (حجر) لگائی جائے گی اور اُس کے مال کا حساب لگایا جائے گا اور قرضخواہوں کے درمیان اُن کے قرض کی تناسب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ عمر بن عبدالرحمٰن ابن دلاف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جہینہ کا

(۱) عبدالرزاق ۸/۱۲۷، المجموع ۱/۱۰۳، المحلی ۸/۵۰۵
(۲) عبدالرزاق ۸/۱۲۸۔

(۱) المحلی ۸/۸۶، عبدالرزاق ۸/۱۴۲، سنن البیہقی ۵/۳۴۹
(۲) سنن البیہقی ۶/۵۲

ایک شخص سواریاں ایک مدت مقررہ کے لیے (ادھار) خرید لیا کرتا تھا اور ان کی قیمتوں میں اضافہ کرکے فروخت کرتا۔ وہ دوالیہ ہو گیا تو اس کا معاملہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: امابعد (قبیلہ جہینہ کا ایک شخص اسفیع اپنے دین اور امانت پر خوش تھا کہ یہ کہا جائے کہ وہ حاجیوں پر سبقت لے گیا۔ اُس نے کچھ سامان قرض لیا تھا اور اب وہ لوگوں کا مقروض ہو گیا ہے، لہٰذا جس کا اُس پر کوئی قرض ہو وہ کل صبح آجائے ہم اُس کا مال حصہ رسدی تقسیم کریں گے۔ (۱)

دین

بچے کا دین کے لحاظ سے ماں باپ میں سے اُس کے تابع ہونا جس کا دین اشرف ہو۔ (د: ارث/۴ ر ۳) میراث میں دین کے اختلاف کا اثر۔ (د: ارث/۴ ر) و (د: اسلام، و (کتابی) و (کفر)

دیت

دیکھیے (جنایت/۵ب) و (جنایت/۲ ب ۵)

دیت کا ترکہ میں شامل ہونا (د: ترکہ/ ۱ ب)

ذ

ذبح

۱- حیوانات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ نوع ہے جس پر ہمیں قدرت نہیں ہے جیسے ہوا میں پرندہ اور جنگل میں آزاد پھرتا ہوا ہرن۔ اس قسم کے جانوروں کا شکار کر کے کھانا حلال ہے اور شکاری کیلئے انکے جسم کے کسی بھی حصے پر تیر چلانا جائز ہے۔

ایک اور نوع وہ ہے جس پر قدرت حاصل ہے مثلاً بکری یا وہ ہرن جو مالک کے قبضے میں ہو۔ اس طرح کے جانور کا کھانا اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک اُسے شرعی طریقے پر ذبح نہ کر لیا جائے۔

۲- ذکاۃ (ذبح) میں پانچ اُمور مطلوب ہیں:

ذابح (ذبح کرنے والا) آلہ ذبح، ذبیحہ (وہ جانور جس کا ذبح کرنا مقصود ہے) عملِ ذبح، ذکر (ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا)

۳- ذابح (ذبح کرنے والا)

ذابح کی تین شرائط ہیں۔

(و) دین: ذبح کرنے والے کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو یا کتابی، یعنی یہودی یا نصرانی۔ یہ شرط موجود ہو تو اس کا ذبیحہ کھایا جا سکتا ہے۔ (۱) سامرہ کو یہود ہی کا ایک گروہ شمار کیا جائے گا۔

(د: سامرہ) عرب کے نصاریٰ کے بارے میں سنن البیہقی میں مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نصاریٰ عرب اہلِ کتاب نہیں ہیں۔ ہمارے لیے اُن کے ذبائح حلال نہیں ہیں۔ میں اُنہیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لیں، یا پھر مَیں اُن کی گردن اُڑا دوں گا (۱) یہی حضرت علیؓ کا قول ہے (۲) اور ابن قدامہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک نصاریٰ بنی تغلب کا ذبیحہ حلال ہے۔ جمہور صحابہ کی بھی یہی رائے ہے۔

(ب) عقل: ذبح کرنے والے کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ وہ مُمیّز (سمجھدار) ہو، چنانچہ غیر مُمیّز (ناسمجھ) بچے اور مجنون کا ذبح کیا ہوا جانور کھانا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ تم میں سے جو نماز کا شعور رکھتا ہو صرف وہی تمہارے جانور ذبح کرے۔ (۳)

(ج) ذبح کے شرعی احکام سے واقف ہونا:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ قصابوں کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ تمہارے لیے کون ذبح کرتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ پہلوان۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے چند سوال کیے لیکن اُس نے صحیح جواب نہیں دیے۔ حضرت عمرؓ نے اُسے چند کوڑے مارے اور فرمایا کہ تمہارے

(۱) المحلی ۷/۴۵۵

(۱) سنن البیہقی ۹/۲۱۶ (۲) تفسیر ابن کثیر ۲/۲۰۲ تفسیر القرطبی ۶/۷۸۔ احکام القرآن للجصاص ۲/۳۲۳ تفسیر الطبری ۹/۵۷۶ (۳) المغنی ۸/۵۱۷

لیے صرف وہ شخص ذبح کرے جو نماز کا شعور رکھتا ہو۔ (۱) کچھ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور احکامِ دین کو نہیں سمجھتے تھے اور بہتر طریقے پر ذبح نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں بازار سے نکال دیا یا اُن کے نکالنے کا حکم دیا۔ (۲)

۴۔ آلۂ ذبح :

صرف چاقو یا کسی ایسی ہی شے سے ذبح کرنا درست ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ذبح صحیح نہیں ہوتا مگر صرف لوہے کی کسی دھاردار شے سے۔

۵۔ ذبیحہ :

ذبیحہ کا کھانا حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ جو جانور ذبح کیا گیا ہے وہ ان جانوروں میں سے ہو جن کا گوشت کھانا اللہ نے حلال قرار دیا ہے۔ (د، طعام / ۶، ۷) جنین (جانور کے پیٹ میں موجود بچہ) اس ماں کے ذبح کرنے سے ذبح ہو جاتا ہے جس کے پیٹ میں وہ بچہ ہو، کیونکہ وہ بھی اسی کا حصہ ہے۔ اگر پیٹ میں سے بچہ ماں کے ذبح کے بعد مُردہ نکلا یا اس کی حرکت مذبوح کی حرکت کی مانند تھی تو اس کا کھانا حلال ہے (۱) اور اگر وہ زندہ نکلا تو اس کا بغیر ذبح کیے کھانا حلال نہیں ہے۔

۶۔ عملِ ذبح :

(و) ذبح کرنے والے پر لازم ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور کو تکلیف نہ پہنچائے۔ جانور کے سامنے چھری تیز نہ کرے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اُس نے بکری کے سامنے چھری تیز کی تو حضرت عمرؓ نے اُسے کوڑا مارا اور فرمایا کہ کیا جانور کی رُوح کو اذیت پہنچانا چاہتے ہو، تم نے چھری بکری کو پکڑنے سے پہلے کیوں نہ تیز کر لی۔ (۱)

ایک بکری کو دوسری کو سامنے ذبح نہ کیا جائے۔ حضرت عمرؓ ایک بکری کو دوسری بکری کے سامنے ذبح کرنے سے منع فرماتے تھے۔ (۲) نیز بکری کو ٹانگ سے گھسیٹ کر ذبح خانے تک نہ لے جایا جائے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ذبح کی غرض سے لے جانے کے لیے بکری کو گھسیٹ رہا ہے تو آپ نے اُسے فرمایا کہ تیرا بُرا ہو، موت کی جانب لے جاتے وقت اس کے ساتھ بدسلوکی نہ کر۔ (۳)

(ب) جسم کا وہ حصہ جہاں سے ذبح کیا جائے۔ ذبح ہونے والے جانور کے جسم میں ذبح کی جگہ حلق اور لَبّہ (سینے کا بالائی حصہ) ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے منادی کو حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کر دے کہ جس کو قدرت ہو وہ حلق اور لَبّہ کے درمیان سے ذبح کرے۔ گدی کے پیچھے سے جانور کی گردن کاٹنا اور ذبح کی جگہ سے گردن توڑ دینا جائز نہیں ہے۔ (۵)

(ج) ذبح کیے ہوئے جانور کی رُوح نکلنے سے پہلے اُس کے کسی حصۂ جسم مثلاً ہاتھ یا پیر کو کاٹ کر جسم سے علیحدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر ذبح مکمل ہو گیا اور رُوح نہیں نکلی اور جانور کے جسم کا کوئی حصہ قطع کر لیا تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے منادی کو حکم دیا کہ وہ منادی کر دے کہ جان نکلنے کا انتظار کرو۔ (۶)

(۱) عبدالرزاق ۴ / ۴۸۳ (۲) عبدالرزاق ۴ / ۴۸۲
(۳) المغنی ۸ / ۵۷۹

(۱) سنن البیہقی ۹ / ۲۸۰، المغنی ۸ / ۵۷۶
(۲) عبدالرزاق ۴ / ۴۹۴ (۳) عبدالرزاق ۴ / ۴۹۳، سنن البیہقی ۹ / ۲۸۱ (۴) عبدالرزاق ۴ / ۴۹۵، ابن ابی شیبہ ۱ / ۲۴۹ ب المحلی ۷ / ۳۹۸، ۴۴۴، سنن البیہقی ۹ / ۲۷۸، المجموع ۹ / ۸۹، المغنی ۸ / ۵۷۵
(۵) سنن البیہقی ۹ / ۲۷۹، المجموع ۹ / ۸۶ (۶) عبدالرزاق ۹ / ۹۵۵، ابن ابی شیبہ ۱ / ۲۴۹ ب، سنن البیہقی ۹ / ۲۷۹، المحلی ۷ / ۴۴۹، ۴۴۴، ۳۹۸

ذکر اللہ

دیکھیے : دعا

ذمّہ

۱۔ تعریف :

ذمہ کے دو معنی ہیں۔

۱۔ اس معنی کے لحاظ سے ذمہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اس بات کا اہل ہو کہ اس پر یا اس کے لیے کوئی حق ثابت ہو۔ (۱) دین)

۲۔ اس سے مراد وہ عہد ہے جو اہلِ کتاب سے اور ان لوگوں سے کیا جاتا ہے جو اہلِ کتاب کے حکم میں داخل ہیں اور جس کی وجہ سے وہ اسلامی ریاست کی رعایا شمار ہونے لگتے ہیں۔

ذیل میں ہم اس دوسرے مفہوم کے لحاظ سے ہی ذمہ کے احکام سے بحث کریں گے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل عنوانات پر بات کریں گے۔

(۲) ذمہ کی اقسام (۳) ذمہ کی مختلف قسموں کے لحاظ سے اہلِ ذمہ پر کیا کچھ لازم آتا ہے۔ (۴) اہلِ ذمہ کے حقوق (۵) عہد ذمہ توڑ دینا۔ (۶، ۷، ۸، ۹) متفرق احکام

۲۔ ذمہ کی اقسام :

ذمہ کی دو قسمیں ہیں۔

(و) وہ عہد ذمہ جو کفار کو ان کے اور مسلمانوں کے مابین صلح کے نتیجے میں حاصل ہوا ہو۔ اس کے متعلق درج ذیل امور ہیں۔

۱۔ اگر مسلمان کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کریں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ انہیں یہ دعوت دیں کہ وہ تین باتوں میں سے کوئی ایک قبول کریں۔ حضرت عمرؓ نے مسلمہ بن قیس سے فرمایا کہ جب تم اپنے مشرک دشمنوں کا سامنا کرو تو انہیں تین باتوں میں سے ایک بات قبول کرنے کی دعوت دو یعنی وہ یا تو اسلام قبول کرلیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر کے اپنے ہی گھروں میں رہنا چاہیں تو ان کے مال پر زکوٰۃ ہوگی اور مسلمانوں کی فئے میں ان کا حصہ نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ تمہارے ساتھ ملنا چاہیں تو ان کے وہی حقوق ہیں جو تمہارے ہیں اور ان پر وہی فرائض ہیں جو تمہارے اوپر ہیں۔ اور اگر وہ (اسلام قبول کرنے سے) انکار کریں تو انہیں جزیہ ادا کرنے کی دعوت دو۔ (۱)

اور اگر محاصرہ میں گھرے ہوئے کافر یہ شرط لگائیں کہ وہ اللہ کے حکم پر ہتھیار ڈالنے کو تیار ہیں تو اس شرط کو قبول نہ کیا جائے، کیونکہ ہمیں نہیں معلوم کہ ان کے بارے میں اللہ کا کیا حکم ہے۔ ہم ان سے مسلمانوں کے حکم اور ذمہ پر ہتھیار ڈالوئیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم ان کا محاصرہ کر لو اور وہ اللہ کے حکم پر صلح کرنے کے لیے تیار ہوں تو اس شرط پر ان سے صلح نہ کرو، کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ ان کے بارے میں اللہ کا حکم کیا ہے۔ ان سے اپنے حکم اور ذمہ پر صلح کرو اور پھر جو چاہو ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔ (۲)

مسلمانوں اور دوسری قوموں کے مابین صلح محاصرے کے بغیر بھی ہو سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے بنی تغلب سے صلح کر لی۔ آپ سے عبادہ بن نعمان تغلبی یا ان کے والد نے کہا کہ اے امیر المومنین، آپ کو بنی تغلب کی قوت کا بخوبی اندازہ ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ لوگ دشمن کے علاقے کے بالکل سامنے رہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ آپ کے خلاف دشمن کی مدد کرنے لگے تو ان کی وجہ سے

---

(۱) خراج ابی یوسف ۲۳۰ (۲) سنن البیہقی ۹/۹۶ عبدالرزاق ۵/۲۲۰، خراج ابی یوسف ۲۳۰

بڑی مشکلات آن پڑیں گی۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اُن کے ساتھ کچھ رعایت کر دیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُن سے اس شرط پر صُلح کر لی کہ وہ اپنی اولاد میں سے کسی کو بپتسمہ دے کر عیسائی نہ بنائیں گے اور اُن سے زکوٰۃ کی شرح کا دُگنا (محصول) وصول کیا جائے گا۔ (د ا جزیہ/۳۲ و ۴۳)

۲۔ عقدِ صُلح کن اُمور پر مشتمل ہوگا: معاہدہ صُلح حسبِ ذیل اُمور پر بہرحال مشتمل ہونا چاہیے۔

(الف) جزیہ کی ادائیگی:

یہ صُلح کے معاہدہ کی شرائط میں سے ایک شرط ہے۔ اس لیے کہ اللہ سبحانہٗ کا فرمان ہے:

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُونَ ۝

(التوبہ ۲۹)

(جنگ کرو اہلِ کتاب میں سے اُن لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حرام قرار دیا ہے اُسے حرام نہیں کرتے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں)

اسی لیے حضرت عمرؓ نے سلمہ بن قیس سے کہا کہ انہیں اسلام کی دعوت دو۔ اگر اسلام قبول نہ کریں، تو اُن سے جزیہ ادا کرنے کے لیے کہو (۱)

معاہدہ صُلح میں جزیہ کو کوئی اور نام دے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے حضرت عمرؓ نے نصاریٰ بنی تغلب سے جزیہ صدقہ کے نام سے لیا۔ (د ا جزیہ/۳۲ و ۴۳)

(ب) اُن پر اسلامی نظام کے عام احکام نافذ ہوں گے۔ یہ بھی معاہدہ صُلح کی شرائط میں سے ایک شرط ہے اس لیے کہ یہ امر اپنے علاقے پر ریاست کے مکمل اقتدار کے لیے ضروری ہے؛ چنانچہ ان میں سے جو قتل کرے گا وہ اسلامی نظام کے مطابق قتل کیا جائے گا اور جو رشوت لے گا یا ذخیرہ اندوزی کرے گا اُسے اسی طرح سزا دی جائے گی جس طرح مُسلمانوں کو سزا دی جاتی ہے۔

(ج) معاہدہ صُلح میں اُن کے علاوہ دیگر امور جن پر فریقین کا اتفاق ہو طے کیے جا سکتے ہیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے بنی تغلب کے نصاریٰ سے صُلح میں یہ شرط طے کی کہ وہ اپنے بچوں کو نصرانی نہیں بنائیں گے اور اُنہوں نے یہ شرط قبول کر لی تھی۔ اور قبائل بزاخہ، اسد اور غطفان جب حضرت ابوبکرؓ کے پاس صُلح کے لیے آئے تو آپ نے اُن سے یہ شرط طے کی کہ وہ تمام ہتھیار مُسلمانوں کے حوالے کر دیں گے اور جو سامان مسلمانوں کا اُن کے ہاتھ لگا ہے وہ مُسلمانوں کو واپس کر دیں گے۔ اور مُسلمانوں نے اُن کا جو سامان واپس لیا ہے وہ مسلمان واپس نہیں کریں گے اور حضرت عمرؓ نے اس سے اتفاق کیا۔(۲) نیز حضرت عمرؓ نے ذمیوں پر یہ شرط بھی عاید کی کہ وہ جو سامان اپنے شہر کے علاوہ کسی اور شہر لے کر جائیں گے، اس پر اُن سے نصف عشر (۱/۲۰) لیا جائے گا۔ (د ا عشر/۱ ب) حضرت عمرؓ نے شام کے ایک شہر کے نصاریٰ سے وہ شرط بھی طے کی جو ابن ابی شیبہ وغیرہ نے عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہلِ شام سے صُلح کی تو میں نے تحریر کیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ فلاں شہر کے نصاریٰ کی طرف سے اللہ

(۱) خراج ابی یوسف ۲۳۰

(۲) سنن البیہقی ۹/ ۲۲۵، اموال ابی عبید ۱۹۸

کے بندے امیرالمومنین کی جانب ایک تحریر ہے۔ آپ نے جب ہم پر حملہ کیا تو ہم نے آپ سے اپنی اور اپنی اولاد کی جانوں اور اپنے اموال اور اپنے اہلِ ملت کے لیے امان طلب کی اور ہم نے اپنے اُوپر یہ شرط عاید کی کہ ہم اپنے شہر میں کوئی نیا کلیسا نہیں بنائیں گے، نہ کوئی گرجا بنائیں گے اور نہ عبادت خانہ اور نہ راہبوں کا صومعہ۔ اور ہمارے جو کلیسا خراب و خستہ ہو جائیں گے، اُن کو دوبارہ تعمیر نہیں کریں گے اور نہ ان کلیساؤں کی اصلاح کریں گے جو مسلمانوں کے علاقے میں ہوں۔ اور شب و روز جو مسلمان آئیں انہیں ہم اپنے کلیساؤں میں قیام کرنے سے منع نہیں کریں گے۔ ہم مسافر اور راہ رو کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھیں گے اور کسی جاسوس کو اپنے گھروں میں پناہ نہیں دیں گے۔ اور اس شخص کے بارے میں کوئی خبر مسلمانوں سے نہیں چھپائیں گے جو مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہو۔ ہم اپنے کلیساؤں میں ناقوس آہستہ اور کلیسا کے اندر بجائیں گے، صلیب بلند نہیں کریں گے۔ مسلمانوں کی موجودگی میں اپنے کلیساؤں میں اپنی نمازوں اور اپنی کتاب کے پڑھنے میں آواز بلند نہیں کریں گے۔ اور اپنی صلیبیں اور اپنی کتابیں مسلمانوں کے بازار میں نہیں نکالیں گے۔ ہم نہ تقریب استسقاء منائیں گے اور نہ ہم اپنی مذہبی عید کے لیے نکلیں گے۔ مُردوں کا جنازہ لے جاتے وقت آوازیں بلند نہیں کریں گے اور نہ جنازوں کے ساتھ مسلمانوں کے بازاروں میں آگ لے کر نکلیں گے اور نہ مسلمانوں کے پڑوس میں خنزیر رکھیں گے۔ اور نہ ہم خمر (شراب) فروخت کریں گے اور نہ علانیہ شرک کریں گے۔ اور نہ کسی کو اپنے دین کی رغبت دلائیں گے اور نہ اس کی جانب کسی اور کو دعوت دیں گے اور نہ اس غلام سے کوئی چیز وصول کریں گے جو مسلمانوں کے حصہ میں آچکا ہو۔ اور نہ اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کو اسلام قبول کرنے سے منع کریں گے۔ ہم جہاں بھی ہوں گے

اپنا روایتی لباس پہنیں گے اور ٹوپی، عمامے اور جوتوں میں مسلمانوں سے مشابہت اختیار نہیں کریں گے۔ مانگ نکالنے اور سواریوں میں بھی ہم اُن کی مشابہت اختیار نہیں کریں گے۔ ہم اُن کی زبان میں گفتگو نہیں کریں گے اور اُن کی کنیتوں کی مانند کنیتیں نہیں رکھیں گے۔ ہم اپنے سامنے کے بال کٹوائیں گے اور پیشانی کے بالوں میں مانگ نہیں نکالیں گے اور ہم اپنی کمر پر زنار باندھیں گے۔ ہم اپنی مہروں پر عربی نقش نہیں کریں گے۔ ہم زین رکھ کر (جانور) پر سوار نہیں ہوں گے اور کسی قسم کا ہتھیار نہ رکھیں گے اور نہ ہتھیار اُٹھا کر چلیں گے اور نہ تلوار باندھیں گے اور ہم مسلمانوں کا احترام کریں گے جہاں وہ بیٹھیں ہوں اور اُنہیں راستہ بتلائیں گے۔ اور جہاں وہ بیٹھنا چاہیں گے وہاں سے ہم اُٹھ جائیں گے اور نہ اُن کے گھروں میں جھانکیں گے اور اپنی اولاد کو قرآن نہیں سکھائیں گے اور ہم مسلمانوں کے ساتھ تجارت میں شریک نہیں ہوں گے الا یہ کہ تجارت کا معاملہ مسلمان کے ہاتھ میں ہو اور ہم ہر مسلمان مسافر کی تین دن مہمان نوازی کریں گے اور اُسے اپنے پاس موجود کھانے میں سے درمیانے درجے کا کھانا کھلائیں گے۔ ہم اس معاہدہ پر اپنی طرف سے اپنی اولاد کی طرف سے، اپنی بیویوں کی طرف سے اور اپنی آبادی کی طرف سے ضامن ہیں۔ اگر ہم اس میں کوئی تبدیلی کریں یا ان شرائط میں سے جن کو ہم نے تسلیم کیا ہے اور جن پر ہم نے امان لینا قبول کیا ہے کسی کی خلاف ورزی کریں تو ہمارا عہد ذمہ باقی نہیں رہے گا اور آپ کے لیے ہمارے ساتھ وہ سلوک جائز ہوگا جو اہلِ عناد اور مخالفین سے روا رکھا جاتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم نے حضرت عمرؓ کو عہدنامہ کی یہ نقل بھیجی تو آپ نے اُس کے جواب میں لکھا کہ جن شرائط کو اُنہوں نے خود اپنے اوپر لاگو کر لیا ہے اُن پر اُن سے صلح کر لیں، البتہ

دو شرطیں اور بڑھا دیں کہ یہ کسی مسلمان قیدی کو نہیں خریدیں گے اور اگر کوئی ذمی کسی مسلمان کو قصداً قتل کر دے گا تو اس کا عہد ذمہ ختم ہو جائے گا۔ (۱)

۳۔ جن کے ساتھ عقد ذمہ (ذمی بننے کا معاہدہ) طے پائے گا، درج ذیل احکام اُن کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان کو قیدی نہیں بنایا جائے گا۔ (د ۱ اسر/۱) اور چونکہ اُنہیں قیدی نہیں بنایا جائے گا اس لیے وہ غلام بھی نہیں بنیں گے۔ عبدالرزاق نے بیان کیا ہے کہ تُستر کے لوگوں سے معاہدہ صُلح ہوا تھا، اُنہوں نے عہد شکنی کی۔ مہاجرین نے اُن سے جہاد کیا، اُن کو قتل کیا اور اُن کو شکست دی اور اُن کو قیدی بنا لیا اور مسلمانوں نے اُن کی عورتوں کو باندیاں بنا لیا۔ یہاں تک کہ اُن کی اولاد بھی ہو گئی۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ بچے میں نے دیکھے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان سب لوگوں کو جنہوں نے قیدی اور غلام بنائے تھے۔ قیدیوں کو چھوڑنے کا حکم دیا اور اُن پر دوبارہ جزیہ عاید کر دیا اور لونڈیوں اور ان کے مالکوں کے درمیان تفریق کرا دی۔ (۲)

اُن کی زمین اُن کی اپنی ملکیت رہے گی۔ (د ۱ ارض/اب، ۲ و)

یہ لوگ وہی جزیہ اور خراج ادا کریں گے جس پر عقدِ صُلح میں اتفاق ہوا ہو اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ (د ۱ ارض/اب ۲) و (جزیہ/۴ ل ا) و (خراج/۲ ب)

۴۔ معاہدہ صُلح کی خلاف ورزی:

مُسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے اور کافروں کے مابین طے پانے والے معاہدہ صُلح کی خلاف ورزی اور عہد شکنی کریں۔ جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (التوبہ: ۴)

"بجز ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدے کیے، پھر اُنہوں نے اپنے عہد کو پُورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی مدت معاہدہ تک وفا کرو کیونکہ اللہ متقیوں ہی کو پسند کرتا ہے۔"

لیکن اگر اُن کی جانب سے کوئی ایسی بات ہو جس سے شک وشبہ پیدا ہو تو امام کیلئے جائز ہے کہ اُن سے عہد ذمہ ختم کر دے۔ جیسا کہ سورۃ الانفال میں فرمایا:

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ (الانفال: ۵۸)

"اور اگر کبھی تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اُس کے معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو۔"

حضرت عمرؓ نے نجران کے باشندوں کو نجران یمن سے جلا وطن کر کے نجران عراق میں بسا دیا تھا، کیونکہ آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ یہ لوگ مُسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ آپ نے اُن کے لیے یہ حکم نامہ تحریر فرما دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ ہے وہ تحریر جو مومنین کے امیر عمرؓ نے باشندگانِ نجران کے لیے لکھی ہے۔

ان میں سے جو لوگ بھی (نجران یمن میں) چلے جائیں گے۔ ان کو اللہ کی امان حاصل ہوگی۔ مسلمانوں میں سے کوئی بھی اُنہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔

یہ اس عہدنامہ کے ایفا کے طور پر لکھا گیا ہے جو حضرت محمد

---

(۱) سنن البیہقی ۹/۲۰۲، المغنی ۸/۵۲۴

(۲) عبدالرزاق ۵/۲۹۳

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضؓ نے اُن کے لیے تحریر فرمایا تھا۔

امّا بعد: یہ لوگ شام اور عراق کے جس امیر کے پاس سے بھی گزریں، اُسے چاہیے کہ اُن کو زمین کاشت کرنے کی سہولت مہیا کرے اور یہ لوگ زمین پر جو کچھ کاشت کر لیں وہ اُن کے لیے راہ خدا میں صدقہ اور ان زمینوں کا بدل ہیں، جنہیں یہ چھوڑ کر آ رہے ہیں۔ کسی کو اس میں سے کچھ لینے کا حق نہیں، نہ اس سے کسی طرح کا تاوان لیا جا سکتا ہے۔

امّا بعد: جو مُسلمان اُن کے علاقے میں موجود ہو اُسے اُن پر ظلم کرنے والوں کے خلاف اُن کی مدد کرنی چاہیے، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں عہد ذمّہ حاصل ہے اور اُن کے سر جو جزیہ ہے وہ اُن کے آنے کے بعد سے چوبیس مہینوں تک کے لیے معاف کیا جاتا ہے۔ اور ان پر کوئی بار نہ ڈالا جائے مگر یہ کہ کوئی اُنکے ساتھ بھلائی کردے۔ نہ ان پر کوئی دست درازی کی جائے اور نہ اُن کو کسی زیادتی کا ہدف بنایا جائے۔ (۱)

حضرت عمر رضؓ نے اُن کے ساتھ جو یہ معاملہ کیا اُس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف تو اُن کو اسلام کے عدل سے روشناس کرائیں اور دوسرے یہ کہ اُن کو اپنے زیر تسلّط اس طرح رکھیں کہ وہ پھر مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے نہ اُٹھ سکیں۔ حضرت عمر رضؓ کا اُن کے ساتھ یہ برتاؤ ایک طرح کی سیاسی حکمتِ عملی تھا۔ واللّٰہ اعلم

اگر اہلِ صُلح نے صُلح کا معاہدہ توڑ دیا اور عہد شکنی کی تو اُن سے قتال لازم ہے، چنانچہ اہلِ تستر نے جب عہد شکنی کی تو صحابہ کرام رضؓ نے اُن سے جنگ کی۔ (۲)

حضرت عمر رضؓ نے عمیر بن سعید کو شام کے ایک علاقے کا والی بنایا۔ وہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضؓ کے پاس آئے اور اُنھوں نے کہا کہ یا امیرالمومنین! ہمارے علاقے اور رومیوں کے علاقے کے درمیان ایک شہر ہے جس کا نام عرب السوس ہے۔ یہاں کے باشندے ہمارے دُشمنوں سے کسی راز کو پوشیدہ نہیں رکھتے اور ہمیں اُن کے کسی راز سے باخبر نہیں کرتے۔ حضرت عمر رضؓ نے اُن سے کہا کہ جب تم وہاں پہنچو تو اُنہیں (اُن کی ہر چیز کے بدلے دو دو چیزیں) ایک بکری کے عوض دو بکریاں۔ ایک اُونٹ کے عوض دو اُونٹ دینے کی پیش کش کرنا۔ اگر وہ اُسے قبول کر لیں تو اس پیش کش کے مطابق اُنہیں دے دینا اور اس کے بعد اس علاقے کو اُجاڑ دینا۔ اور اگر وہ نہ مانیں تو اُن سے کہہ دینا کہ ہمارے تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں رہا۔ پھر اُنہیں ایک سال کی مُہلت دے دینا۔ اس مُدّت کے بعد اس علاقے کو بے آباد بنا دینا (۱)

(ب) جن ذمیوں کے علاقے مسلمانوں نے بزور قوّت فتح کیے ہوں، ان علاقوں کے ذمیوں کے فرائض:

جن علاقوں کو مسلمانوں نے غلبہ اور قوت کے ساتھ فتح کیا ہو وہاں کے لوگ قیدی قرار پائیں گے اور امام کو اختیار ہوگا کہ مردوں کو قتل کر دے اور بچوں کو زندہ رکھے اور اگر چاہے تو مال کی صورت میں ان سے فدیہ قبول کر لے اور یا اُن پر احسان کر کے بغیر فدیہ لیے اُن سے عقد ذمّہ کر لے اور اُن پر جزیہ عاید کر دے۔

(د: اسر/۳۰۲)

حضرت عمر رضؓ نے اس نوع کے ذمیوں پر، اُن کا اتفاق رائے حاصل کیے بغیر، حسب ذیل امور عاید کیے۔

۱۔ جزیہ کی ادائیگی۔ (د: جزیہ)

۲۔ جو زمینیں اُن کے قبضے میں ہوں۔ ان پر خراج کی ادائیگی۔ (د: خراج)

---

(۱) خراج ابی یوسف ۸۰ (۲) عبدالرزاق ۲۹۲/۵

(۱) الاموال: ۱۲۵

۳۔ مسلمانوں سے مشابہت نہ اختیار کریں، چنانچہ انہیں حکم دیا کہ اپنی پیشانیوں پر سے بال کاٹا کریں اور اپنی کمروں پر پٹیاں باندھیں۔

۴۔ سواریوں کی کاٹھیوں پر عرضاً سوار ہوں (یعنی دونوں پیر ایک طرف کر لیا کریں[1]) اُن کے پاس سے جو مسلمان گزریں، اُن کی ایک شب و روز ضیافت کریں[2] اور ایک روایت میں ہے کہ تین دن ضیافت کریں[2]، مسلمان اس ضیافت کے دوران ذمیوں کے یہاں سے کھانا اور پھل کھا سکتے ہیں اپنے جانوروں کے لیے چارہ لے سکتے ہیں لیکن کوئی چیز ساتھ ... ن جائیں گے (۳)

۵۔ ان پر یہ بھی لازم ہوگا کہ ان علاقوں میں جو پل واقع ہوں اُن کی مرمت کریں۔ (۴)

۶۔ ان پر یہ پابندی بھی ہوگی کہ خمر کی تجارت نہ کریں (۵) اور انہیں اس امر کی اجازت نہیں ہے کہ خنزیر پالیں اور مسلمانوں کے علاقوں میں صلیبیں بلند کریں (۶)

ج) ان حربی کافروں کا عہد ذمہ جو اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے یا تجارت کے لیے یا کوئی پیغام پہنچانے کے لیے دارالاسلام میں آنا چاہیں۔ اس طرح کا ذمہ حاصل کرنے والے غیر مسلم کو مستامن کہا جاتا ہے۔ (د: امان/۲ب)

۳۔ مذکورہ بالا تینوں انواع کے اہل ذمہ پر کیا امور لازم ہیں۔

اہلِ ذمہ کی تمام انواع پر درج ذیل امور لازم ہیں۔

(ا) جزیہ کی ادائیگی؛ (د: جزیہ)

(۱) الاموال ۵۳، عبدالرزاق ۶/۸۵، ۱۰/۳۳۱، المغنی ۸/۱۹۶ (۲) الاموال ۱۴۵۔ سنن البیہقی ۹/۱۹۶، المغنی ۸/۵۰۵ (۳) سنن البیہقی ۹/۱۹۶، الاموال ۱۴۵، المغنی ۸/۵۰۵ (۴) سنن البیہقی ۹/۱۹۶، الاموال ۱۴۵ المغنی ۸/۵۰۵ (۵) الاموال ۹۶ (۶) عبدالرزاق ۶/۶۱، ۹/۲۴۸، ۱۱/۴۶۲، سنن البیہقی ۹/۲۰۱، الاموال ۹۵

(ب) ان احکام کی پابندی جو مسلمان حکام کی جانب سے اُن پر عاید کیے جائیں۔ اور اسلامی نظام کے عام امور کا خیال رکھنا اُن پر لازم ہوگا۔

(ج) اُن کے تاجر جب مسلمانوں کی سرزمین پر سے گزریں تو عُشر ادا کریں (د: عشر/۷ و ۲)

(د) خراجی زمین اگر اُن کے تصرف میں آئے تو اس پر خراج کی ادائیگی۔ (د: خراج/۲)

(ھ) غیر مسلح رہنا: ذمیوں کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ تلوار باندھیں یا ہتھیار اُٹھا کر چلیں یا اپنے پاس رکھیں (۱)، جب حضرت ابوبکرؓ کے پاس بزاخہ، اسد اور غطفان کے قبائل کا وفد صلح کی درخواست لے کر آیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اُنہیں دو صورتوں میں سے ایک صورت انتخاب کرنے کا اختیار دیا کہ یا تو ایسی جنگ قبول کرو جس کے بعد تم جلاوطن کر دیے جاؤ گے یا رسوا کن صلح۔ وہ لوگ کہنے لگے جلاوطن کر دینے والی جنگ تو ہم سمجھتے ہیں۔ یہ بتائیے کہ رسوا کن صلح سے کیا مراد ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اس کی صورت یہ ہوگی کہ تم سے ہتھیار اور گھوڑے چھین لیے جائیں اور تمہیں ایسا بنا دیا جائے گا کہ تم گائیں چراتے پھرو۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی حضرت ابوبکرؓ کے اس فیصلے سے اتفاق کیا۔ (۲)

(و) ان کی عورتوں پر حجاب کی پابندی لازم ہوگی (د: حجاب/۱ب)

(ز) اسلامی ریاست کے اہم مناصب ان کے سپرد نہیں کیے جائیں گے الا یہ کہ کوئی ضرورت آپڑے، لہٰذا مسلمانوں کے امیر کے لیے جائز نہیں ہے کہ غیر مسلموں کو امورِ مملکت میں سے کوئی معاملہ سپرد کر دے الا یہ کہ کوئی مجبوری ہو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اپنا سیکرٹری ایک نصرانی غلام کو مقرر کیا تو حضرت عمرؓ نے اسے ناپسند کیا اور فرمایا کہ جب اللہ نے اُنہیں رسوا کر دیا ہے تو تم اُنہیں عزت نہ دو۔

(۱) المغنی ۸/۵۲۲ (۲) سنن البیہقی ۸/۳۳۵، الاموال ۱۹۷

جب اللہ نے انہیں دُور کر دیا ہے تو تم انہیں قریب نہ کرو۔ اور جب اللہ نے انہیں خائن قرار دے دیا ہے تو تم ان پر بھروسہ نہ کرو۔

(د ۱ امارہ/۲ ب)

(ح) وہ حرم میں داخل نہیں ہو سکتے۔ (د ۱ مکہ ۷/و) اور مسلمانوں کی مساجد میں نہیں داخل ہو سکتے۔ (د ۱ مسجد ۱ ھ و)

(ط) مسلمانوں نے جس کو قیدی یا غلام بنایا ہو وہ اُسے نہیں خرید سکتے۔ (د ۱ اسر/۴) اور مسلمانوں نے غلیمت میں جو سامان حاصل کیا ہو وہ اُسے نہیں خرید سکتے۔ (د ۱ بیع ا۔د ۲) د (بیع ۳)

(ی) مدینہ منورہ میں تین دن سے زیادہ قیام نہیں کر سکتے اور ارضِ حجاز میں آباد نہیں ہو سکتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے یہود و نصاریٰ کو سرزمینِ حجاز سے جلاوطن کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر پر غلبہ پایا تو آپ نے یہود کو وہاں سے جلاوطن کرنا چاہا یعنی جب آپ کے غلبہ کے بعد یہ زمین اللہ کی، رسولؐ کی اور مسلمانوں کی ہو گئی تو آپؐ نے وہاں سے یہود کو نکالنے کا ارادہ کیا۔ اس پر یہود نے درخواست کی کہ آپ ہمیں یہیں رہنے دیں، یہاں کام اور محنت کرتے رہیں گے اور آپؐ کو نصف پیداوار دیتے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم جب تک چاہیں گے اسی شرائط کے مطابق تمہیں رہنے دیں گے، چنانچہ وہ وہاں اُس وقت تک رہے جب تک حضرت عمرؓ نے اُنہیں اپنے زمانۂ خلافت میں جلاوطن کر کے تیماء اور اریحاء کی طرف نہ بھیج دیا۔ (۱)

نافع سے مروی ہے کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی یا مجوسی مدینہ منورہ آتا تو حضرت عمرؓ اُسے تین دن سے زائد قیام نہ کرنے دیتے یعنی اتنی مدت کہ وہ اپنا سامان فروخت کر لیں۔ جب حضرت عمرؓ پر حملہ کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ میں نے پہلے ہی تمہیں حکم دیا تھا کہ یہاں کوئی (غیر مسلم) داخل نہ ہو۔ اگر میرے سوا کوئی اور مجروح ہوتا تو میں کچھ کرتا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مدینہ میں دو دین جمع نہ ہوں۔

۴۔ ذمیوں کے حقوق:

جب عقدِ ذمہ طے پا جائے اور اہلِ ذمہ کو امان دے دی جائے تو اُنہیں درج ذیل حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔

(ا) جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کہ کوئی مسلمان یا غیر مسلم دوست یا دشمن ان پر زیادتی نہ کرے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو نصیحت کی کہ ذمیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ اس سے کیا ہوا عہد پورا کرنا اور ان سے عہد شکنی کرنے والوں سے جنگ کرنا اور ان پر ان کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا (۱) حضرت عمرؓ نے عہد شکنی کرنے والوں سے جنگ کا حکم ذمیوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ ہی کے لیے دیا تھا۔ (د ۱ جنایہ/۳ ب ۲ و)

حضرت عمرؓ جابیہ کے مقام پر تھے کہ ایک ذمی دوڑا ہوا آیا اور اُس نے بتایا کہ مسلمان اُس کے انگوروں کے باغ میں گھس آئے ہیں حضرت عمرؓ اس طرف روانہ ہوئے تو آپ کو اپنے ساتھیوں میں سے ایک صاحب ملے۔ اُنہوں نے اپنی ڈھال میں انگور بھرے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے فرمایا اچھا تم بھی! اُس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین ہم بھوکے تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ واپس ہو گئے اور حکم دیا کہ انگور کے باغ والے کو انگوروں کی قیمت ادا کی جائے۔ (۲)

(ب) ذمیوں نے معاہدہ ذمہ میں اپنے حق میں جو شرائط رکھوائی ہوں، اُن کی بھی پابندی کی جائے گی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان شرائط کی

---

(۱) البخاری (المغازی) باب ما کان النبی یعطی المؤلفۃ قلوبہم مسلم (المساقاۃ) نمبر ۱۵۵۱، عبدالرزاق ۶/۵۵، ۱۰/۳۵۹، سنن البیہقی ۹/ ۲۰۷

(۱) سنن البیہقی ۹/ ۲۰۶، الاموال ۱۲۹، خراج ابی یوسف ۱۴۹۔ المغنی ۸/ ۵۳۵ (۲) الاموال ۱۵۱۔

پابندی فرمائی جو نصاریٰ بنی تغلب نے معاہدہ میں رکھوائی تھیں۔

(ج) اگر دشمن مسلمانوں کے علاقے پر حملہ کر کے ذمیوں کا کچھ مال لوٹ لے جائے۔ بعد ازاں اللہ مسلمانوں کو پھر ان دشمنوں پر غالب کر دے اور مسلمان اُن سے یہ مال واپس لے لیں تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ یہ مال بغیر کسی عوض کے ذمیوں کو واپس کر دیں۔ (د، غنیمت/۲/۳)

(د) ذمیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے دینی عقاید پر قائم رہیں۔ اپنی عبادتیں کریں اور شادی وغیرہ جیسے شخصی معاملات اپنے مذہب کے مطابق انجام دیں اور یہ حقیقت ہے کہ تمام اسلامی ادوار میں غیر مسلم اپنے ان حقوق کو استعمال کرتے رہے ہیں۔

(ھ) وہ اپنی ایسی رسوم بھی انجام دے سکتے ہیں جو عام اسلامی آداب سے متصادم نہ ہوں۔ عبداللہ بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جب شام سے واپس آرہے تھے تو میں اُن سے ملاقات کرنے والوں میں موجود تھا۔ ابھی حضرت عمرؓ چل رہے تھے کہ اذرعات کے باشندوں میں سے کچھ کھیل کرتب دکھانے والوں نے حضرت عمرؓ کے استقبال کے لیے تلواروں اور گلدستوں کا کھیل دکھا کر آپ کا استقبال کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ٹھہرو! ان کو روک دو اور واپس کر دو۔ اس پر ابو عبیدہؓ نے کہا کہ اے امیرالمومنین یہ تو ان عجمیوں کا دستور ہے۔ اگر آپ انہیں اس سے روکیں گے تو یہ خیال کریں گے کہ آپ ان سے کیے ہوئے معاہدہ صلح کو توڑنا چاہتے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ انہیں کرنے دو۔ (۱)

۵۔ عقد ذمہ کا ٹوٹنا :

درج ذیل امور کی بنا پر عقد ذمہ ٹوٹ جاتا ہے اور ذمی پھر سے محارب بن جاتا ہے اور اس کا خون رائگاں قرار پاتا ہے۔

(و) جزیہ ادا کرنے سے انکار :

حضرت عمرؓ نے اپنے عمال کو لکھا کہ ذمیوں کی گردنوں پر مہر لگائیں (۱)۔ یہ مُہر کچھ اس طرح کی تھی جیسے آج کل شناختی کارڈ ہوتا ہے جو لوگ اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اور اسی مُہر کی بنا پر جزیہ کی ادائیگی کا پتہ چلتا تھا۔ جس کی گردن پر مُہر لگ جاتی اس پر جزیہ کی ادائیگی لازم ہوتی تھی اور جو مُہر لگوانے سے بھاگ جاتا اُسے یہ تصور کیا جاتا کہ وہ ان لوگوں میں شامل نہیں جو جزیہ ادا کرتے ہیں اور اس کو جزیہ کی ادائیگی سے انکار اور ذمہ کے عہد کو توڑ دینا سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ عامل حضرت حذیفہ اور حضرت عثمان بن حنیف نے اعلان کیا کہ جو ہمارے پاس گردن پر مہر لگوانے نہیں آئے گا اُس کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ اُس کے ساتھ عقد ذمہ نہیں ہے۔ (۲)

(ب) ذمی کا مسلمان حاکم کے حکم کو ماننے سے انکار کرنا :

یہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر اُن کو اس امر کی اجازت دے دی جائے تو انتشار اور انارکی پھیل جائے اور اُن پر اسلامی حکومت کا اقتدار باقی نہ رہے۔

(ج) ذمیوں کا ایسا اقدام کرنا جس سے مسلمانوں کو جانی نقصان پہنچے۔ مثلاً

۱۔ وہ خود یا اہل حرب کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ شروع کر دیں۔ کیونکہ اُن کو امان دینے کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وہ ہم سے برسرپیکار نہ ہوں گے۔ اگر وہ مسلمانوں سے لڑیں گے تو اُن سے جنگ کرنا پڑے گا اور اندریں صورت یہ سمجھا جائے گا کہ اُنہوں نے عہد ذمہ توڑ دیا ہے

۲۔ مسلمانوں کے کافر دشمن کی مسلمانوں کے خلاف مدد :

اس سے قبل عرب السوس کے ساتھ عمیر بن سعد کا واقعہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُنہیں عہد شکن قرار دیا اور عمیر کو اُن سے جنگ کرنے اور اُن کے شہر کو تباہ کرنے کا حکم دیا۔ (د، ذمہ/۲/۳)

(۱) الاموال ۱۵۲ (۲) خراج ابی یوسف ۱۵۲

(۱) خراج ابی یوسف ۱۵۲

۳۔ مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کرنا :

حضرت عمرؓ نے خیبر کے یہودیوں کو عہد شکن قرار دے کر جلا وطن کر دیا تھا، کیونکہ اُنہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ دھوکہ بازی کی تھی، چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں، زبیر اور مقداد بن اسود خیبر میں اپنے مال وغیرہ دیکھنے گئے جو ہم وقتاً فوقتاً دیکھنے جایا کرتے تھے۔ وہاں پہنچ کر ہم سب ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور اپنی اپنی زمینوں کی طرف چلے گئے۔ رات کے وقت میں اپنے بستر پر سو رہا تھا کہ اندھیرے میں میرے اوپر زیادتی کی گئی اور کہنیوں تک میرے دونوں ہاتھ کھول دیے گئے۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ہاتھ اور پاؤں کھول دیے گئے۔ صبح ہوئی تو میرے دونوں ساتھی مجھے آوازیں دیتے اور تلاش کرتے میرے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ تمہارے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم۔ ان دونوں نے میرے ہاتھوں کی مرہم پٹی کی اور مجھے لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہودیوں کا کام ہے۔ بعد ازاں آپؓ نے خطاب فرمایا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود سے جو معاہدہ کیا تھا اُس کی ایک شرط یہ تھی کہ جب ہم چاہیں گے، اُنہیں نکال دیں گے۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم تمہیں اُس وقت تک رہنے دیں گے جب تک اللہ تمہیں یہاں رکھے گا۔ بہرحال اُنہوں عبداللہ بن عمرؓ پر زیادتی کر کے اُن کے ہاتھ توڑ دیے ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے ایک انصاری پر ظلم کا واقعہ بھی تم کو معلوم ہو چکا ہے، ہمیں کوئی شبہ نہیں کہ یہ یہود ہی ہیں۔ ان کے سوا یہاں ہمارا اور کوئی دشمن نہیں ہے لہٰذا جس کا خیبر میں کوئی مال یا زمین ہے وہ وہاں چلا جائے کیونکہ میں یہود کو جلا وطن کر رہا ہوں۔ اس کے بعد آپؓ نے اُنہیں جلا وطن کر دیا۔

۴۔ کسی مسلمان کی حرمت کو پامال کرنا :

سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ شام کے نبطیوں میں سے ایک ذمی شخص نے ایک مسلمان عورت کے سواری کے جانور کو نوکدار چیز چبھو کر بھڑکایا مگر وہ عورت نہ گری، اس پر اُس نے ہاتھ سے دھکا دے کر گرا دیا جس سے اُس کے کپڑے کھل گئے تو اُس کے ساتھ مجامعت کے ارادے سے بیٹھ گیا یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا اور اُس کے ساتھ گواہ بھی پیش ہو گئے تو حضرت عمرؓ کے حکم سے اُسے صلیب پر چڑھایا گیا اور آپ نے فرمایا کہ ہم نے تم سے معاہدہ اس لئے نہیں کیا تھا کہ تم ایسی حرکتیں کرتے رہو۔

نیز عبداللہ بن عبید بن عمیر سے مروی ہے کہ ایک شخص جہاد کے لیے روانہ ہوا تو اپنی بیوی کی دیکھ بھال کے لیے ایک یہودی کو چھوڑ گیا۔ ایک دن ایک مسلمان شخص نے جو صبح کی نماز کو جا رہا تھا، اس یہودی کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سُنا۔

"وہ پراگندہ سر شخص جسے اسلام نے مجھ سے غافل کر دیا ہے، میں چاندنی رات میں اس کی بیوی کے ساتھ خلوت میں رہا اور اُس کے پہلو میں شب باشی کرتا رہا اور وہ ستواں جبیں گھوڑے پر سوار رہا۔ اس فربہ اندام کے گوشت کے لوتھڑے ایک دوسرے پر اس طرح چڑھے ہوئے ہیں جیسے فوجیں ایک دوسرے پر چڑھ آتی ہیں۔"

وہ مسلمان شخص یہ اشعار سن کر اندر گیا اور اس یہودی کی گردن اُڑا دی۔ یہودیوں نے اُس کے خون کا مطالبہ کیا، اُس شخص نے آ کر حضرت عمرؓ کو تفصیل بتائی تو حضرت عمرؓ نے اُس کا خون رائگاں قرار دے دیا۔

۔ مسلمان اگر ذمیوں کی بستی میں رات کے وقت پہنچیں اور وہ مسلمانوں کی ضیافت سے انکار کر دیں (تو بھی عہد ذمہ ختم ہو جائے گا)

چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمان بھیجا کہ مہاجر رفقاء کی جماعت اگر

اپنے سفر کے دوران معاہدین کی کسی بستی تک پہنچیں اور وہ معاہد اُن کو ٹھکانہ فراہم نہ کریں تو ہم اُن کے عہد ذمّہ سے بری ہیں۔ (ا)

اسی طرح اگر غیر مُسلم کسی مُسلمان کو دینِ اسلام سے ورغلائیں یا مُسلمانوں کو لوٹیں اور مسلمانوں کی جاسوسی کرنے والے جاسوس کو پناہ دیں وغیرہ (تو بھی عقد ذمہ ٹوٹ جائے گا)

۶۔ مسلمانوں کے دین پر یا اُن کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یا اُن کی کتاب پر یا اُن کے رب پر زبان درازی کرنا بھی (نقض عہد ہے) کیونکہ اگر ایک مسلمان بھی ایسی کوئی بات کرے تو وہ مُرتد ہوجاتا ہے لہذا اگر کافر ذمی اُن میں سے کوئی فعل کرے تو کیا اُس کا خون مباح نہ ہوگا اور عہد ذمہ ختم نہ ہوجائے گا۔

۷۔ ذمی عورت کا مسلمان عورت کے جسم پر نظر ڈالنا اسی طرح منع ہے جس طرح اجنبی مرد کا کسی مسلمان عورت کے جسم پر نظر ڈالنا۔

(د؛ حجاب/ ۱ د)

۸۔ مُسلمان مرد کے لیے کتابی ذمی عورت سے نکاح کرنا جائز ہے لیکن ذمی کتابی مرد کا مسلمان عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

(د؛ نکاح/ ۳ب ا) و (د؛ نکاح/ ۴ ب ۱)

۹۔ اہلِ ذمہ کی شہادت (د؛ شہادت/ ۱ د ۲)

ذھب (سونا)

انسان کا سونے کے زیور پہننا اور چیزوں پر سونے کے پترے چڑھانا (د؛ حلی)

سونے سے مزین اشیاء کی فروخت (د؛ بیع/ ا ج)

سونے کی زکوٰۃ (د؛ زکوٰۃ ۴ ب ۲)

سونے کے حساب سے دیت کی مقدار (د؛ جنایت/ ۵ ب ۳ ه)

ر

راتب (وظیفہ، تنخواہ)

ہماری مراد راتب سے وہ اُجرت ہے جو اجیرِ خاص کو دی جائے یا مقررہ تنخواہ یا وظیفہ جو ریاست مستقل طور پر اپنے کسی شہری کو دے۔

(دیکھئے اجارہ ۲ ج) و (عطاء ۳ ب)

رؤیا (خواب)

۱۔ خواب بیان کرنے کا طریقہ:

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا: اما بعد! میں تمہیں ان باتوں کا حکم دیتا ہوں، جن کا قرآن نے حکم دیا ہے اور ان باتوں سے منع کرتا ہوں جن سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور تمہیں فقہ اور سُنت کی اتباع کا حکم دیتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ عربی زبان کا فہم حاصل کرو، اور اگر تم میں سے کوئی شخص خواب دیکھے اور اپنے بھائی سے بیان کرے تو اُسے کہنا چاہیے: ہمارے لیے خیر ہو اور ہمارے دشمنوں کے لیے بُرا ہو۔ (۱)

۲۔ خواب کی تعبیر کا جواز:

حضرت عمرؓ خواب کی تعبیر بیان کیا کرتے تھے اور تعبیر بتانے کو جائز تصوّر کرتے تھے۔ آپ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ لوگو! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ لال مُرغ نے مجھے دو مرتبہ ٹھونگیں ماریں۔ میرا خیال ہے کہ میری موت قریب ہے (۱) آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اُس نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک زمین پر سبزہ اُگا۔ پھر وہ بنجر ہو گئی، پھر اس میں سبزہ پیدا ہوا اور پھر وہ بنجر ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم مومن آدمی ہو تم کافر ہو جاؤ گے، پھر ایمان لاؤ گے پھر کافر ہو جاؤ گے اور کفر کی حالت میں مرو گے۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: اس معاملہ میں تقدیر کا حکم جاری ہو چکا ہے جس کے بارے میں تم دریافت کر رہے تھے۔ تمہارا بھی اسی طرح فیصلہ ہو چکا ہے جس طرح صاحبِ یوسفؑ کا ہو چکا تھا۔ (۲)

۳۔ خواب کو عقیدے یا عملی تصرفات کا مدار بنانا:

خواب کی بُنیاد پر کوئی عقیدہ اختیار کرنا یا عملی معاملات کے لیے خواب کو دلیل بنانا دُرست نہیں ہے (۳) ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ تین روز کے اندر اندر مرنے والا ہے۔ اُس نے اپنی بیویوں کو ایک ایک کر کے طلاق دے دی اور اپنا مال تقسیم کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے فرمایا کہ کیا تیرے پاس شیطان آیا تھا، جس نے آکر تجھے بتا دیا کہ تو تین دن میں مرنے والا ہے اور تو نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی اور مال تقسیم کر دیا، اپنا مال واپس لے لے۔ اور اگر

(۱) عبد الرزاق ۱۱/۲۱۳

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۹۶ ب (۲) عبد الرزاق ۱۱/۲۱۵ (۳) الموافقات ۱/۸۲

تو مر گیا تو میں تیری قبر کو اس طرح سنگسار کروں گا جس طرح ابو رغال کی قبر کو کیا جاتا ہے۔ بغرض حضرت عمرؓ نے اس کی بیویوں اور اس کے مال کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ تو کم ہی زندہ رہے گا۔ (۱)

ربا (سود)

۱۔ تعریف:

(و) حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ ہر حرام خرید و فروخت کو ربا کے لفظ سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ ایک موقعہ پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ ہمیں ربا کی اقسام کا علم نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے نزدیک یہ بات کہ مجھے اس کا علم سب سے زیادہ ہو اس سے زیادہ محبوب ہے کہ مجھے مصر اور اس کی چھاؤنی مل جائے۔ بہر حال چند امور ہیں جو کسی پر مخفی نہیں رہنے چاہییں۔ اور وہ یہ ہیں کہ سونے کی چاندی کے بدلے میں ادھار خرید و فروخت نہ کی جائے اور کھجور کی خرید و فروخت نہ کی جائے جب کہ ابھی وہ پیلی ہو اور پوری طرح پکی نہ ہو اور یہ کہ جانوروں میں بیع سلم نہ کی جائے۔ (۲) (د ربیع / ۲۲۵ ب)

(ب) لیکن فقہا کی اصطلاح میں ربا کہتے ہیں کہ دو ہم جنس اشیا کا تبادلہ کرتے وقت ایک شئ دوسری سے زائد ہو بغیر اس کے کہ اس زیادتی کا کچھ معاوضہ ہو

۲۔ ربا کی اقسام:

ربا کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ربا نسیئہ (ادھار کا سود) (۲) ربا الفضل (زیادہ لینے کا سود)

(و) ربا نسیئہ کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: وہ زیادتی ہے جو مدت کے بالمقابل شرط عاید کر کے وصول کی گئی ہو۔ مثلاً اگر کسی نے دوسرے کو سو روپے قرض دیے اس شرط پر کہ وہ ایک متعین مدت کے بعد ایک سو دس لے گا تو وہ گنہ گار ہو گا۔ اس لیے کہ فرمان الٰہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ

(البقرہ: ۲۷۹)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر واقعی تم ایمان لائے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔"

اگر قرض لینے والا قرض دینے والے کو کوئی ہدیہ وغیرہ دے تو یہ ربا نہیں ہے بلکہ حسن وفا متصور ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ربا یہ ہے کہ کوئی شخص کم دے کر زیادہ لینے کا ارادہ کرے یا ادھار دے کر زیادہ لینے کا ارادہ کرے (۱) حضرت ابی بن کعبؓ نے حضرت عمرؓ سے کچھ مال قرض لیا جو غالباً دس ہزار تھے۔ پھر حضرت ابیؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنی کھجوروں میں سے ہدیہ بھیجا۔ (ان کے باغ میں کھجوریں ذرا جلدی پک جاتی تھیں اور یہ مدینہ منورہ کی بہترین کھجوریں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ ہدیہ واپس کر دیا۔ اس پر حضرت ابی نے کہا میں آپ کا مال واپس کر دوں گا۔ اور مجھے ایسے مال کی کوئی ضرورت نہیں ہے جس کی وجہ سے آپ نے میری عمدہ کھجوریں واپس کر دی ہیں۔ اس

---

(۱) المحلی ۸/ ۳۰۸ (۲) المجموع ۱۰/ ۲۱

(۳) عبدالرزاق ۸/ ۲۶ (۴) المجموع ۱۰/ ۲۱

(۱) عبدالرزاق ۸/ ۱۴۳، المحلی ۸/ ۵۱۳

پر حضرت عمرؓ نے کھجوریں قبول کر لیں اور فرمایا کہ سود اس وقت ہے جب ربا یا نسیئہ ارادۃً ہو۔ (۱)

مدت کے بالمقابل زیادتی کی شرط کی مثال وہ مشروط کٹوتی ہے جو مدت کے بالمقابل کرائی جائے۔ (۱) دین/۵ ب)

دوسری قسم: بیع صرف میں ایک بدل کا دوسری بدل سے تاخیر سے قبضہ میں لینا (۱) ۵ و ۲ ب)

نیز اجناس ربویہ میں سے جب کسی ایک جنس کو دوسری جنس کے بدلے میں فروخت کیا جا رہا ہو ایک بدل کا دوسری بدل سے تاخیر سے قبضہ میں لینا۔ (۲)

ب) ربا الفضل:

۱۔ ربا الفضل کا مفہوم یہ ہے کہ اموالِ ربویہ میں سے کسی ایک شے کو اُسی کی ہم جنس شے کے بدلے میں اضافہ کے ساتھ فروخت کیا جائے۔

ربا کی اس قسم کی حرمت کے سلسلہ میں بنیادی ضابطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے، کہ سونا سونے کے بدلے میں، چاندی چاندی کے بدلے میں، گندم گندم کے بدلے میں، جَو جَو کے بدلے میں، کھجور کھجور کے بدلے میں، نمک نمک کے بدلے میں برابر سرابر اور ایک ہاتھ لو دوسرے ہاتھ دو۔ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا، اُس نے سود کا کاروبار کیا۔ جس میں لینے والا اور دینے والا دونوں برابر کے گنہ گار ہیں (۱) اور اسی پر اجماع ہے (۲) حضرت عمرؓ سے ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے میں فروخت کرنے کے بارے میں پُوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس تبادلے میں جو کچھ بڑھے گا وہ ربا ہے (۵)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ ہمیں دھوکے سے کھوٹے سکے دے دیے جاتے ہیں اور ہم یہ کھوٹے سکے دے کر کھرے لے لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اُن کی کوئی شے خرید و اور جب وہ قبضہ میں آجائے تو اُسے فروخت کر دو۔ اور جو جتنا چاہو کم کرو اور جو نقد چاہو لے لو۔ (۱)

(۱) بیع/۵ و ۲ و)

دینار قرض لے کر اُن کے بدلے میں درہم ادا کرنے کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ سے مختلف روایات مروی ہیں۔ (۱) دین/۶)

حضرت عمرؓ ڈھال کر بنائی جانے والی چیزوں کی بنوائی کی اُجرت کے عوض (سونے یا چاندی کے) وزن میں اضافے کو ربا شمار کرتے تھے۔ (۱) بیع/۵ و ۲ ر)

۲۔ حضرت عمرؓ تمام غلوں کو ایک ہی جنس تصور کرتے تھے اور اُن کے نزدیک ان میں باہم تفاضل اور نسیئہ جائز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے معیقیب کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے پاس موجود جَو کے ایک صاع کو ایک مد گندم سے بدل لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ غلہ کا تبادلہ مد کا مد کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ (۲)

۳۔ حضرت عمرؓ ربا الفضل کو حدیث میں مذکور چھ اقسام ہی میں منحصر نہیں سمجھتے تھے، بلکہ آپ ہر اس بیع پر اس کا اطلاق کرتے تھے جس میں خرید و فروخت ایک ہی جنس سے کی جائے، چنانچہ جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا سبزہ پیدا ہونے تک ایک بکری کا دو بکریوں سے تبادلہ جائز ہے تو آپ نے اُسے مکروہ سمجھا۔ (۳)

۴۔ ربا کے معاملہ میں حضرت عمرؓ کی احتیاط:

حضرت عمرؓ نے ربا کی آیات تلاوت کیں تو آپ کا دل خوف سے کانپ اُٹھا۔ تحریم ربا کی آیات بہت بعد میں نازل ہوئی تھیں۔

(۱) عبدالرزاق ۸/۱۴۲، السنن البیہقی ۵/۲۷۹، المحلی ۸/۸۷، المغنی ۴/۲۲۱، (۲) المجموع ۱۰/۳۵ (۳) صحیح مسلم، المساقاۃ، ابواب الربا (۴) المجموع ۱۰/۳۵ (۵) اخبار القضاۃ ۲/۱۹۳ ۔ صرف سونے اور چاندی کا لین دین۔

(۱) المحلی ۸/۵۱۳، ۵۱۴، عبدالرزاق ۸/۱۲۳ (۲) المجموع ۱۰/۷۴ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۲۷۷ ب

اور ایسے واقعات جن سے ان آیات کی وضاحت میں مدد ملتی ، اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت کم وقوع پذیر ہوتے تھے علاوہ بریں حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی کوئی تشریح بھی نہیں سُنی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ ربا کے معاملے میں بہت محتاط ہو گئے تھے، چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے : قرآن میں آخری آیت، آیت ربا نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی، اس لیے ربا سے بھی بچو اور ریبہ (شک) سے بھی بچو۔ (۱) ریبہ سے حضرت عمرؓ کی مراد ہر وہ امر ہے جس کے بارے میں یہ گمان ہو کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ربا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ ربا کے معاملہ میں بہت احتیاط کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے حلال کے دس حصوں میں نو حصے ربا کے خوف سے ترک کر دیے (۲)

ایک دن آپؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ قسم بخدا ہمیں نہیں معلوم کہ ہم تمہیں کوئی حکم دیں اور وہ تمہارے لیے بہتر نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ بعض اُمور سے تم کو روک دیں لیکن وہ تمہارے لیے بہتر ہوں۔ آیات ربا باعتبار نزول، قرآن پاک کی آخری آیات ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تفصیل بیان کرنے سے قبل ہی وفات پا گئے۔ اب یہی طریقہ ہے کہ آپ لوگ ان اُمور کو ترک کر دیں جن میں ربا کا شائبہ بھی ہو اور ان اُمور کو اختیار جن میں ربا کا شائبہ تک نہ ہو (۳)

اسی احتیاط کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زوجہ زینب کو قرض میں دیے ہوئے دینار کے بدلے میں دراہم قبول کرنے یا اس کے برعکس دراہم دے کر دینار قبول کرنے کی اجازت نہیں دی۔ (د دین/۲) اسی احتمال کے تحت کہ ہو سکتا ہے کہ دراہم کی قیمت دینار سے بڑھ جائے۔ اور اسی بنا پر آپ نے پتھرے چڑھی ہوئی تلوار کو ردی دراہم کے بدلے میں فروخت کرنے یا ان پتروں سے زائد چاندی کے عوض فروخت کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ (د بیع/۱ج) اسی بنا پر آپ نے بیع سُفتجہ (ہنڈی) کو مکروہ قرار دیا۔ (د بیع/۴ب۲) اور اسی وجہ سے آپ نے زیورات (ڈھلی ہوئی اشیا) میں ڈھالنے کے ہنر کی قیمت کو ساقط کر دیا اور اس کی فروخت سے منع کیا الا یہ کہ برابر سرابر ہو (د بیع/۵ ج۲ ل)

رباط (چھاؤنی)

۱۔ تعریف :

رباط کے معنی ہیں مُسلمانوں کی قوت برقرار رکھنے کے لیے سرحدوں پر قیام کرنا۔

۲۔ کس صورت میں سرحدوں کی حفاظت جہاد سے افضل ہے :

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم جہاد میں لگے رہو جب تک جہاد تر و تازہ اور سرسبز رہے (یعنی تمہیں کامیابی حاصل ہوتی رہے) اور اس سے قبل کہ جہاد بے کار گھاس، تنکوں اور خس و خاشاک کی طرح ہو جائے، یعنی جب لوگ جہاد میں شرکت سے تامل کرنے لگیں، غنیمتیں کھائی جانے لگیں اور حُرمتیں پامال ہونے لگیں تو تمہیں سرحدوں کی حفاظت کرنی چاہیے کہ یہی تمہارا بہترین غزوہ ہے۔ (۱)

۳۔ رباط کی مُدت :

حضرت عمرؓ رباط کی کم از کم مدت چالیس دن خیال فرماتے تھے۔ ایک انصاری شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں تھے، انہوں نے کہا کہ میں سرحدی چوکی پر تھا۔ آپ نے پوچھا، کتنے دن رہے۔ انہوں نے کہا کہ تیس دن۔ آپ نے

---

(۱) مسند احمد ۱/ ۳۹ ، المحلی ۸/ ۴۷۷

(۲) عبدالرزاق ۸/ ۱۵۲ (۳) المحلی ۸/ ۴۷۷

(۱) عبدالرزاق ۵/ ۲۸۲

کہا کہ تم نے چالیس دن کیوں نہ پورے سیکھے (۱) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں پابند کرتا ہوں کہ چالیس دن پورے کر کے واپس آیا کرو۔ (۲)

رجب (ماہ رجب)

رجب کے روزے (دیکھئے صیام/۳ د ۳)

رجعۃ

۱۔ تعریف :

رجعت کے معنی ہیں طلاق رجعی دینے کے بعد طلاق کو واپس لے کر مطلقہ بیوی کو دوبارہ بیوی بنا لینا۔

۲۔ شرائط :

رجوع کی شرط یہ ہے کہ طلاق رجعی ہو اور رجوع اسی عدت کے دوران ہو جائے جو مطلقہ گزار رہی ہے۔ اگر عدت گزر گئی اور شوہر نے رجوع نہیں کیا تو یہی رجعی طلاق بائن ہو جائے گی، جسے بینونتہ صغریٰ کہا جاتا ہے، اور اس صورت میں وہ اس سے رجوع نہیں کر سکتا جب تک نئے مہر کے ساتھ نیا عقد نہ کرے اور اس امر پر اجماع ہے۔

۳۔ رجعت کس طرح ہوتی ہے :

(و) رجعت زبانی بھی ہو جاتی ہے مثلاً ان الفاظ سے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا، خواہ بیوی کو اس رجوع کا علم ہو یا نہ ہو۔ بشرطیکہ شوہر نے اس بات کا ارادہ نہ کیا ہو کہ یہ رجوع اس سے مخفی رہے۔ تحریر کا حکم وہی ہے جو زبانی کلام کا ہے، لیکن اگر شوہر نے زبانی رجوع کیا یا تحریری رجوع کیا اور اس رجوع کی اطلاع بیوی کو بھیج دی جو

(۱) عبدالرزاق ۲۸۰/۵ (۲) المغنی ۲۵۵/۸

اُس نے نہیں لی اور اُس نے نکاح کر لیا۔ اب اگر دوسرے شوہر کی قربت (دخول) سے پہلے ہی اُسے یہ اطلاع مل گئی تو پہلا شوہر اس کا زیادہ مستحق ہے۔ اور اگر دوسرے شوہر کی قربت (دخول) کے بعد اُسے یہ خبر ملی تو پہلے شوہر کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور حفاظت نسب کی خاطر اس رجوع کو کالعدم قرار دے دیا جائے گا۔

ابوکنف نامی ایک شخص نے اپنی بیوی کو جب کہ وہ کہیں گیا ہوا تھا طلاق دے دی۔ پھر اُس سے رجوع کر لیا جس کی بیوی کو اطلاع نہیں ہوئی اور نہ اُسے تحریر ملی یہاں تک کہ اُس نے دوسرا نکاح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس شخص سے فرمایا کہ تم جاؤ۔ اگر دوسرے شوہر نے اُس سے صحبت نہیں کی ہے تو تم اس کے زیادہ حق دار ہو (۱) اور اگر اُس نے صحبت کر لی ہے تو تمہارے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ شخص پہنچا تو وہ دُلہن بنی ہوئی تھی، اُس نے کہا کہ مجھے اس سے ضروری بات کہنی ہے، اس لیے مجھے اس کے پاس جانے دو، اُس نے اُس کے ساتھ رات گزاری اور صحبت کی اور صبح امیر کے پاس جا کر اُسے حضرت عمرؓ کی تحریر دکھائی، جس سے لوگوں کو معلوم ہوا کہ اُس نے صحیح کیا ہے۔ (۲)

امام مالک کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ امام مالک کہتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُس شخص کے بارے میں یہ کہا ہے کہ جو شخص گھر سے باہر ہو اور اُس نے بیوی کو طلاق دے کر اُس سے رجوع کر لیا ہو لیکن بیوی کو طلاق کی اطلاع تو پہنچی ہو مگر رجوع کی اطلاع نہ پہنچی ہو اور بیوی نے دوسرا نکاح کر لیا ہو تو خواہ دوسرے شخص نے اُس سے دخول نہ کیا ہو یا دخول کر لیا ہو ہر صورت میں

(۱) عبدالرزاق ۳۱۳/۶، ابن ابی شیبہ ۲۵۲/۱، المغنی ۲۹۴/۷، المحلی ۲۵۴/۱۰ (۲) آثار ابی یوسف، رقم ۵۹۴، الموطا ۵۷۹/۲، سنن سعید بن منصور ۳۱۰/۱/۳
(۳) المحلی ۲۵۴/۱۰، الموطا ۵۷۹/۲

پہلے شوہر کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مگر غالباً پہلی روایت ہی زیادہ صحیح ہے۔ لیکن اگر اُس نے رجوع کر لیا اور بالارادہ اس رجوع کو بیوی سے پوشیدہ رکھا، یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہوگئی تو شوہر کے لیے رجوع کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ نخعی نے حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور طلاق کی اُسے اطلاع دے دی، پھر اُس سے رجوع کیا لیکن رجوع کی خبر بیوی سے پوشیدہ رکھی یہاں تک کہ اُس کی عدت پوری ہوگئی تو پہلے شوہر کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ (۱)

(ب) رجوع اگر قول سے ہو جاتا ہے تو فعل سے بدرجہ اولیٰ ہو جانا چاہیے، یعنی اگر شوہر نے کوئی ایسا فعل کیا جو اُس کے لیے صرف اپنی بیوی سے ہی جائز ہے۔ مثلاً اُس نے شہوت کے ساتھ بوسہ لے لیا یا اُس سے صحبت کر لی تو یہ رجوع ہے اس سلسلے میں ہمیں حضرت عمرؓ کا کوئی قول نہیں ملا۔

۴۔ رجعت کی مدت کا اختتام:

رجعت کی مدت آزاد عورت کے سلسلے میں تیسرے حیض کا غسل کر لینے سے ختم ہو جاتی ہے اور اس " کے اندر شوہر طلاق سے رجوع کر سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو وہ جب تک تیسرے حیض سے غسل نہ کر لے شوہر طلاق سے رجوع کر سکتا ہے۔ (۲) علقمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت اور مرد موجود تھے۔ عورت نے کہا کہ اس شخص نے مجھے طلاق دے دی اور مجھے چھوڑ دیا۔ جب میرا تیسرا حیض اختتام کو پہنچا اور میں نے غسل کا پانی رکھ لیا اور کپڑے اُتار لیے تو یہ آیا۔ اُس نے دروازہ بجایا اور کہا میں نے تجھ سے رجوع کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ اس سے پہلے پہلے کہ اس عورت کے لیے نماز جائز ہو یہ شخص رجوع کا حقدار ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہاری رائے دُرست ہے اور میری بھی یہی رائے ہے۔ (۱)

(۱) المحلی ۱۰/ ۲۵۲ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۵۱، عبدالرزاق ۶/ ۳۱۵، المحلی ۱۰/ ۲۵۹

رجم (سنگسار کرنا)

پتھر مار مار کر سنگسار کرنا زانی محصن کی سزا ہے۔ (د، زنا/ ۵ ل)

رحم (قرابت داری)

۱۔ تعریف:

رحم کے معنی قرابت کے ہیں۔

۲۔ اقسام:

رحم کی دو قسمیں ہیں۔

(ا) رحم محرم: رحم محرم سے مراد انسان کے اصول و فروع ہیں۔ اصول جیسے باپ، دادا، پردادا وغیرہ اُوپر تک اور فروع جیسے اولاد اور اولاد کی اولاد، خواہ کتنا ہی نیچے چلا جائے۔ اور باپ کی فرع نیچے تک جیسے بھائی اور اُن کی اولاد، دادا اور اُن کی اولاد کا صرف پہلا طبقہ، جیسے چچا اور پھوپھیاں اور خالو اور خالائیں۔ نہ کہ اُن کی ساری اولاد۔

(ب) رحم غیر محرم: مذکورہ رشتہ داروں کے علاوہ باقی تمام رشتہ دار غیر محرم رشتہ دار ہیں۔ مثلاً چچوں اور پھوپھیوں کی اولاد۔

۳۔ صلہ رحمی:

حضرت عمرؓ کے نزدیک ان رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا جو خود بھی

(۱) المحلی ۱۰/ ۲۵۴، الموطا ۲/ ۵۷۹

صلہ رحمی کرتے ہوں ایک بدیہی امر ہے، کیونکہ انسان پر اس شخص سے حسن سلوک لازم ہے جو اس کے ساتھ نیکی کرتا ہو، لیکن ثواب اس صورت میں بہت زیادہ ہے جب ان رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے جو قطع رحمی کرتے ہوں، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، صلہ رحمی کرنے والے سے صلہ رحمی کرنا صلہ رحمی نہیں بلکہ اس کے سلوک کا بدلہ ہے، حقیقی صلہ رحمی تو یہ ہے کہ انسان ان رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرے جو قطع رحمی کر رہے ہوں۔ (۱)

۴۔ رحم (قرابت) وارث ہونے کے اسباب میں سے ہے۔ (د: ارث/ ۲ و) اور ذوی الارحام کی میراث (د: ارث/۱۳)

- رحم کی بنا پر جن سے نکاح حرام ہے:
- رشتہ داروں پر خرچ کرنا (د: نفقہ ۲)
- نکاح میں رشتہ داروں کی ولایت (د: نکاح/۴ و ب) اور حضانت میں رشتہ داروں کی ولایت (د: حضانت/۲)
- محرم مرد کا محرم عورت کے پاس جانا اور اس کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا (د: حجاب/ ۲ ب)
- محرم مرد کا آنے کے لیے اجازت طلب کرنا (د: استئذان/۱)
- ذوی الارحام میں سے اگر ایک مالک اور دوسرا اس کا غلام ہو تو ایسے غلام کی آزادی (د: رق/ ۵ ب ۲)
- باپ کی بیٹے پر جنایت (د: جنایت/ ۲ ب ۳)
- رشتہ دار کی رشتہ دار کے لیے شہادت (د: شہادت/ ۲ ھ)
- ذی رحم رشتہ دار کو ہبہ کر کے رجوع کرنا (د: ہبہ/ ۴ ج ۱)

رَدّ (میراث کے حصوں کا لوٹنا)

ردّ میراث (د: ارث/۱۰)

---

(۱) عبد الرزاق ۱۰/۳۴۸، ۱۱/۱۷۱

رِدّة (ارتداد)

ارتداد کے موضوع پر بحث ہم درج ذیل نکات کے تحت کریں گے۔

۱۔ تعریف ۲۔ مسلمان کن باتوں سے کافر ہو جاتا ہے۔

۳۔ مرتد سے توبہ کرانا ۴۔ مرتد کی سزا

۱۔ تعریف:

ارتداد کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان کوئی ایسا قول زبان سے نکالے یا ایسے عقیدہ کا اظہار کرے جس سے وہ اسلام سے خارج ہو جائے۔

۲۔ مسلمان کن امور سے کافر ہو جاتا ہے۔

مسلمان اگر اللہ سبحانہ کی شان و مرتبہ میں یا اللہ کے رسولوں کی شان اور مرتبہ میں کمی کرے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہے یا اس کے کسی رسول کو برا بھلا کہے یا اسلام کے کسی ایسے حکم کو جو دلیل قطعی سے ثابت ہو ماننے سے تکبر کے ساتھ انکار کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں زکوٰۃ کی ادائیگی سے متکبرانہ انداز میں انکار کرنے والے مرتد قرار دیے گئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ نے اُن کے ساتھ تلوار سے مقابلہ کیا اور حضرت عمرؓ نے اُن سے اتفاق کیا۔

وہ شخص بھی کافر ہو جاتا ہے جو دین میں ایسی چیز کو حلال کرے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ اہلِ شام میں سے کچھ لوگوں نے شراب پی۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہ ہمارے لیے حلال ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے:

---

(۱) صحیح البخاری، باب وجوب الزکوٰۃ - صحیح مسلم، الایمان نمبر ۳۰ جامع ترمذی، ایمان نمبر ۲۶۱۰ - سنن ابوداؤد الزکوٰۃ نمبر ۱۵۵۶ - عبد الرزاق ۶/ ۶۷ سنن البیہقی ۸/ ۱۱۴

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا (المائدہ : ۹۳)

"جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرنے لگے، اُنہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا، اس پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔"

یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے جو ان دنوں شام کے والی تھے، ان لوگوں کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اُنہیں میرے پاس بھیج دو۔ اس سے پہلے کہ یہ تمہارے پاس موجود دوسرے لوگوں کو خراب کریں۔ جب یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کیا۔ لوگوں نے عرض کی: اے امیر المومنین ہماری رائے یہ ہے کہ اُنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا ہے اور اللہ کے دین میں ایسی چیز جائز کی ہے، جس کی اللہ نے اُنہیں اجازت نہیں دی ہے۔ آپ اُن کی گردنیں اڑا دیجیے۔ اس دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے ابوالحسن رضی اللہ عنہ تم کیا کہتے ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے توبہ کرائیں۔ اگر یہ توبہ کرلیں تو اُنہیں مے نوشی پر اَسی اَسی کوڑے لگائیں۔ اور اگر یہ توبہ نہ کریں تو اللہ پر جھوٹ باندھنے اور اللہ کے دین میں ایسی چیز جائز قرار دینے کی سزا میں جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے اُن کی گردن اُڑا دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُنہیں توبہ کے لیے کہا۔ اُنہوں نے توبہ کرلی تو اُن کو اَسی اَسی کوڑے مارے گئے۔ (۱)

۲ - مرتد سے توبہ کرانا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بالاتفاق منقول ہے کہ اُن کی رائے یہ ہے کہ مرتد سے توبہ کرائی جائے گی۔ البتہ توبہ کی مدت کے بارے میں اُن سے منقول اقوال میں اختلاف ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ مرتد سے مسلسل توبہ کے لیے کہا جاتا رہے گا اور اُسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے مروی ہے کہ مجھے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے تستر کی فتح کی اطلاع پہنچانے کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بنی بکر بن وائل کے ان چھ آدمیوں کے بارے میں دریافت کیا جو مرتد ہوگئے تھے اور مشرکین سے جا ملے تھے کہ بکر بن وائل کے ان لوگوں کا کیا ہوا؟ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ اس معاملہ سے ہٹانے کے لیے دوسری بات شروع کی تو آپ نے پھر فرمایا، بکر بن وائل کے ان آدمیوں کا کیا ہوا۔ میں نے عرض کی امیر المومنین! یہ لوگ اسلام سے منحرف ہوکر مشرکین سے جا ملے۔ اب قتل کے سوا ان کے لیے اور کیا راستہ ہے؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں اُنہیں زندہ سلامت پالوں تو یہ میرے لیے سونے اور چاندی کے ڈھیروں سے بھی بہتر ہے۔ میں نے کہا کہ اے امیر المومنین اگر آپ انہیں زندہ پکڑ لیں تو آپ اُن کا کیا کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اُن پر وہی دروازہ پیش کروں گا جس سے وہ باہر نکلے تھے کہ دوبارہ اسی راستہ سے اندر داخل ہوجائیں۔ اگر اُنہوں نے یہ بات مان لی تو ٹھیک ہے ورنہ میں اُنہیں جیل میں ڈال دوں گا۔ (۱)

دوسری روایت یہ ہے کہ مرتد کو تین دن تک توبہ کرنے کے لیے کہا جائے گا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جانب سے ایک شخص آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس سے لوگوں کے حالات دریافت فرمائے، اُس نے بتلائے پھر آپ نے پوچھا کہ اور کوئی انوکھی خبر بھی ہے، اُس نے کہا کہ جی ہاں۔ ایک شخص اسلام قبول کرنے کے بعد کافر ہوگیا۔ آپ نے پوچھا، پھر تم نے اُس کے

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۸

(۱) عبدالرزاق ۱۰/ ۱۶۵، سنن البیہقی ۸/ ۲۰۷، المحلی ۱۱/ ۱۹۱، ۱۳۸

ساتھ کیا سلوک کیا ؟ اُس نے کہا کہ ہم نے اُس کی گردن مار دی ۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ اُسے تین دن قید رکھتے، روزانہ کھانا کھلاتے اور ہر روز اُس سے توبہ کرنے کے لیے کہتے ۔ شاید وہ توبہ کر لیتا یا اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لیتا ۔ اے اللہ ! مَیں اس میں حاضر نہیں تھا، اور مَیں نے حکم نہیں دیا تھا اور جب مجھے یہ اطلاع ملی تو مَیں اس اطلاع سے خوش بھی نہیں ہوا ۔ (۱)

تیسری روایت یہ ہے کہ مرتد سے تین مرتبہ توبہ کرنے کے لیے کہا جائے گا ، لیکن اس میں تین دن کی شرط نہ ہو گی ، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مرتد سے تین مرتبہ توبہ کرنے کو کہا جائے ۔ اگر وہ توبہ کرے تو اُسے چھوڑ دیا جائے اور اگر انکار کرے تو قتل کر دیا جائے ۔ (۲) حضرت عمرؓ کو ایک یہودی شخص کے بارے میں لکھا گیا کہ پہلے اس نے اسلام قبول کیا اور پھر دوبارہ یہودی بن گیا تو حضرت عمرؓ نے جواباً تحریر کیا کہ اسے اسلام کی دعوت دو ۔ اگر وہ قبول کر لے تو اس کا راستہ چھوڑ دو ۔ اگر انکار کرے تو لکڑی (کا تختہ) منگا کر اس پر لٹا دو ، اور پھر اُسے اسلام کی دعوت دو ۔ پھر اگر انکار کرے تو اُسے باندھ دو اور اُس کے دل پر سنگین رکھ کر اسلام کی دعوت دو ۔ اگر رجوع کر لے تو اس کا راستہ چھوڑ دو ورنہ اُسے قتل کر دو ۔ اُس کے ساتھ یہی عمل کیا گیا یہاں تک کہ اُس کے دل پر سنگین رکھ دی گئی اور اُس نے اسلام قبول کر لیا ۔ تب اُسے آزاد کر دیا گیا ۔ (۳)

ایک روایت یہ ہے کہ اُسے قتل کر دیا جائے گا ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کیا جائے گا کہ "جو اپنا دین تبدیل کر دے ، اُسے قتل کر دو ۔ (۱) حضرت عمرؓ سے منقول روایات جو پہلے گزر چکی ہیں وہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں ۔ عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے عراق کے کچھ لوگوں کو پکڑ لیا جو اسلام سے روگرداں ہو گئے تھے اور انہوں نے ان کے بارے میں حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجا ۔ حضرت عمرؓ نے جواباً لکھا کہ اُنہیں دینِ حق پیش کرو اور اُن سے کہو کہ وہ اللہ سبحانہ کے واحد اور یکتا ہونے کی گواہی دیں ۔ اگر قبول کر لیں تو اُنہیں چھوڑ دو اور اگر قبول نہ کریں تو اُنہیں قتل کر دو ۔ ازاں بعد اُن میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا اور بعض نے قبول نہیں کیا ۔ جنہوں نے قبول نہیں کیا اُنہیں حضرت ابنِ مسعودؓ نے قتل کر دیا ۔ (۲) حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ سے ایک شخص کے بارے میں دریافت کیا جو اسلام قبول کرنے کے بعد کافر ہو گیا تھا اور پھر اسلام قبول کرنے کے بعد دوبارہ کافر ہو گیا تھا کہ کیا اب وہ اسلام قبول کرے تو اُس کا اسلام قبول کیا جائے ۔ حضرت عمرؓ نے جواباً تحریر کیا کہ جو صورت اللہ نے اُن سے قبول کی ہے وہ تم بھی قبول کرو ، اسے اسلام کی پیش کش کرو ، اگر وہ قبول کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی گردن اڑا دو (۳) ابنِ قدامہ نے اس معاملہ میں صحابہ کرامؓ کا اجماع نقل کیا ہے اور ان میں حضرت عمرؓ بھی ہیں ۔ (۴)

مرتد کو آگ میں جلانا جائز نہیں ہے ، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کے اس عمل کو ناپسند کیا ۔ (د: تعزیر/۲م۱)

دوسری روایت یہ ہے کہ مرتد کو جیل میں رکھا جائے گا اور اس سے مسلسل توبہ کے لیے کہا جائے گا جیسا کہ بکر بن وائل کے کچھ لوگوں

---

(۱) سنن البیہقی ۸/۲۰۷ ، الموطا ۲/۲۷ ، عبدالرزاق ۱۰/۱۶۵ ، المحلی ۱۱/۱۹۱ ، ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۷ ، خراج ابی یوسف ۲۱۴ ، المغنی ۸/۱۲۵ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۷ ، المغنی ۸/۱۲۴ (۳) خراج ابی یوسف ۲۱۷

(۱) صحیح البخاری ، استتابۃ المرتدین ۔ جامع الترمذی ، الحدود نمبر ۱۴۵۸ سنن ابوداؤد ، الحدود نمبر ۴۳۵۱ ، سنن النسائی ، حکم المرتد (۲) عبدالرزاق ۱۰/۱۶۸

کے ارتداد کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے۔

بعض فقہانے اس روایت کا یہ مفہوم سمجھا ہے کہ مرتد کو بالکل قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس سے مراد توبہ کی زیادہ سے زیادہ ممکنہ مہلت دینا اور قتل میں جلدی نہ کرنا ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں انہیں زندہ سلامت پا لوں تو میرے لیے سونے چاندی سے بھی بہتر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ انہیں کفر پر اصرار کے باوجود بھی قتل نہ کرتے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمرؓ ان کے زندہ رہنے کو قتل پر ترجیح دیتے اور آپ کا یہ کہنا کہ اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو میں انہیں محبوس کر دوں گا، تو اس سے مراد بھی موت آنے تک قید کرنا نہیں بلکہ یہ ہے کہ انہیں جیل میں رکھا جائے اور ان پر اسلام پیش کیا جائے اور اس وقت تک انہیں دعوتِ اسلام دی جاتی رہے جب تک ان کے اسلام سے مایوسی نہ ہو جائے۔ مایوسی کی صورت میں ان کے بارے میں اللہ کا حکم جاری ہوگا اور انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

۵۔ ارتداد کے نتائج :

ارتداد پر درج ذیل نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

(۱) تمام پچھلے اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ (المائدہ : ۵)

(اور جو کسی نے ایمان کی روش پر چلنے سے انکار کیا تو اس کا سارا کارنامہ زندگی ضائع ہو جائے گا)

اسی طرح فرمان الٰہی ہے :

وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الانعام : ۸۸)

(اگر کہیں ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا)

(ب) حد ارتداد قائم کی جائے گی۔ (دیکھئے : ردہ/۴)

(ج) میاں بیوی میں تفریق ہو جائے گی۔ (دیکھئے : طلاق/۲ب)

(د) میراث کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ (دیکھئے : ارث/۴د۴)

رسول (سفارت کار)

سفیر کو اس وقت تک امان دینا کہ وہ اپنی سفارت پہنچا دے۔

(دیکھئے : امان/۳ب۳)

رشوت

۱۔ تعریف :

رشوت اس مال کو کہتے ہیں جو کوئی شخص کسی حاکم کو اس لیے دیتا ہے کہ وہ اسے وہ کچھ دے دے جس کا وہ مستحق نہیں ہے۔ آپ نے حکم تحریر فرمایا کہ ہدیہ قبول نہ کرو کہ یہ رشوت ہے۔ حضرت عمرؓ حاکم کو ہدیہ دینے کو بھی رشوت شمار کرتے تھے[1] چنانچہ حضرت عمرؓ کے کسی عامل نے آپ کی اہلیہ کو دو گاؤ تکیے بھیجے۔ حضرت عمرؓ آئے اور آپ نے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے۔ کیا تم نے خریدے ہیں۔ دیکھو، مجھے بتا دو۔ مجھ سے جھوٹ نہ بولنا۔ اہلیہ نے بتایا کہ فلاں شخص نے بھیجے ہیں۔ آپ نے کہا کہ اللہ فلاں کا ناس کرے۔ جب انہیں کوئی کام پڑتا ہے اور مجھ پر بس نہیں چلتا تو یہ میرے گھر والوں کو واسطہ بناتے ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان گاؤ تکیوں کو زور سے ان کے نیچے سے کھینچا جو ان پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ اور اٹھا کر جانے لگے۔ خادمہ دوڑی کہ ان کے اندر روئی ہماری

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۱۳۸

ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت ٹانکے ادھیڑ دیے، روئی نکال کر پھینکی اور تکیے لے کر باہر نکل گئے، ان میں سے ایک، ایک مہاجر عورت کو دے دیا اور دوسرا ایک انصاری عورت کو دے دیا۔(۱) ایک شخص حضرت عمرؓ کو ہر سال اونٹ کی ران بھیجا کرتا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس کوئی معاملہ لے کر آیا اور بولا کہ اے امیرالمؤمنین ہمارے درمیان اس طرح صاف فیصلہ کر دیجیے جس طرح اونٹ کی ران اونٹ سے علٰحدہ کر دی جاتی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے تمام عمال کو حکم تحریر کیا کہ 'ہدیہ قبول نہ کرو کہ یہ رشوت ہے۔ (۲)

غرض حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ:

۱۔ حاکم کو ہدیہ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ فی الحقیقت رشوت ہے۔

۲۔ یہ مال راشی کو واپس نہیں کیا جائے گا اور نہ مرتشی کے لیے رکھنا جائز ہے بلکہ ایسا مال راہ خدا میں خرچ کر دیا جائے۔

۲۔ رشوت کا حکم:

رشوت حرام ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حرام کے دو ذرائع ہیں جن سے لوگ حرام کھاتے ہیں۔ رشوت اور زانیہ کا معاوضہ (۳)

(د: قضاء ۱/۱، ۹)

رضاع (دودھ پلوانا)

۱۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ دودھ انسان کے اوصاف پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ نصیحت فرماتے تھے کہ دل کو چاہیے کہ اپنے شیرخوار بچوں کے لیے ایسی دودھ پلانے والی تلاش کرے جو دیندار اور اخلاق حسنہ کی حامل ہو، چنانچہ آپ کا قول ہے کہ دودھ بھی مشتبہ ہوتا ہے، اس لیے یہودیہ، نصرانیہ، یا زانیہ کا دودھ نہ پلاؤ۔ (۴)

۲۔ حرمت رضاعت کی شرطیں:

حرمت رضاعت دو شرطوں کے پائے جانے سے ثابت ہوتی ہے۔

(۱) دودھ بچے کی عمر کے پہلے دو سالوں کے دوران پلایا جائے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رضاعت نہیں ہے مگر دو سال کے اندر اندر (۱) یہ وہی مدت ہے جس میں بالعموم دودھ چھڑا دیا جاتا ہے اور اسی عمر میں دودھ پلانے پر رضاعت کے تمام احکام مرتب ہوتے ہیں، اسی لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں ہے۔(۲) اس اعتبار سے اگر دو سال کی عمر کے بعد دودھ پلایا گیا ہو تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن دینار سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے بڑی عمر میں رضاعت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رضاعت بچے کو دودھ پلانے سے ہوتی ہے (۳) ایک اعرابی حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ میرا دودھ ہلکا کر دو۔ میں نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تو مجھ پر حرام نہ ہو جائے۔ اس نے کہا کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ اس پر میں نے اس کا دودھ ہلکا کر دیا۔ اس طرح کہ دودھ میرے پیٹ میں نہیں گیا، البتہ حلق میں ذائقہ محسوس ہوا۔ بعد میں وہ بولی۔ اب جان لے کہ میں تیرے اوپر حرام ہو گئی ہوں۔ یہ واقعہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ جاؤ وہ تیری بیوی ہے اور جا کر اسے پیٹ (۴) حضرت عمرؓ نے جو تحریم کا حکم نہیں دیا اس کی دو وجوہ ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ رضاعت دو سال کی مقررہ مدت کے بعد ہوئی تھی۔ دوسری یہ کہ دودھ پیٹ میں داخل نہیں ہوا تھا۔

ایک عورت نے اپنے شوہر کی باندی کو دودھ پلا دیا تاکہ وہ اس پر

---

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۱۳۸ (۲) کنز العمال رقم ۱۴۴۹۱ (۳) کنز العمال رقم ۱۴۷۸۸ (۴) المغنی ۷/۵۴۲

(۱) سنن البیہقی ۷/۴۶۲، الاعتبار ۱۸۷، المغنی ۷/۵۴۲ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۲۲۲ ب (۳) المحلی ۱۰/۱۸ (۴) عبد الرزاق ۷/۱۰

حرام ہوجائے۔ وہ شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُن سے اس امر کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ جا کر اپنی بیوی کی پشت پر ضرب لگا اور باندی سے صحبت کر۔ (۱)

حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ جا کر اپنی باندی سے صحبت کر، اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ باندی بڑی تھی اور صحبت کے قابل تھی۔ اس کی تشریح ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ اُس نے میری "سریہ" کو دُودھ پلا دیا ہے تاکہ وہ مجھ پر حرام ہوجائے اور "سریہ" کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ باندی بڑی تھی جس سے یہ شخص صحبت کر چکا تھا۔

اور ایک تیسری روایت میں اس کا صراحتاً ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ اس شخص نے کہا کہ میری ایک ولیدہ (لونڈی) تھی، جس سے میں وطی کیا کرتا تھا۔

(ب) رضاع (دُودھ پلانا) ایک دو چسکیاں نہ ہو۔ بلکہ اتنا ہو جو آنتوں میں پہنچ جائے اور جسمانی افزائش کا سبب بن جائے۔ سفیان بن عبداللہ نے حضرت عمرؓ کو لکھا اور دریافت کیا کہ کس قدر رضاعت حرمت پیدا کرتی ہے۔ آپ نے تحریر کیا کہ ضرار، عفافہ اور ملجہ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

ضرار: کوئی عورت دو بچوں کو اس ارادہ سے دُودھ پلا دے کہ دونوں ایک دوسرے پر حرام ہوجائیں۔

عفافہ: تھوڑا سا دُودھ جو پستان میں باقی ہو۔

ملجہ: کوئی عورت کسی دوسری عورت کا بچہ اُٹھا کر اپنا پستان اُس کے منہ میں دے دے۔ (۲)

حضرت عمرؓ کے پاس ایک لڑکا اور ایک لڑکی لائے گئے جن کا باہم نکاح ہونے والا ہو چکا تھا مگر ان کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ کسی عورت نے ان دونوں کو دُودھ پلایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس دُودھ پلانے والی سے پُوچھا کہ تُو نے کیوں کر دُودھ پلایا تھا۔ اُس نے بتایا کہ میں گزر رہی تھی اور یہ رو رہا تھا، اس پر میں نے اُسے دُودھ پلا دیا، یا اُس نے کہا کہ میں نے ایک دو چسکی دُودھ پلا دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان دونوں کا نکاح کر دو، کیونکہ حرمت رضاعت اس صورت میں پیدا ہوتی ہے جب سیر ابی ہو۔ (۱)

(ج) رضاعت قصداً حرمت پیدا کرنے کے ارادے سے نہ ہو۔ گزشتہ فقرہ میں حضرت عمرؓ کا قول گزر چکا ہے کہ محض ضرر رسانی کے لیے (کہ حرمت نکاح قائم ہو جائے) دُودھ پلانے سے حرمت قائم نہیں ہوتی۔

۳۔ رضاعت کا ثبوت:

رضاعت شہادت سے ثابت ہو جاتی ہے اور اگر ثبوت مہیا ہو جائے تو زوجین میں تفریق کرادی جائے گی۔ شرط یہ ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں جو عادل ہوں گواہی دیں محض ایک عورت کی گواہی اس سلسلہ میں قابلِ قبول نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص اور اُس کی بیوی آئے اور ایک اور عورت آئی اور اُس نے کہا کہ میں نے ان دونوں کو دُودھ پلایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کی بات قبول نہیں کی اور مرد سے کہا کہ یہ تمہاری ہی بیوی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ یہاں تک کہ دو افراد اس کی گواہی دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں (۲) باوجودیکہ حضرت عمرؓ ایسے امور میں جو عورتوں سے متعلق ہیں ایک عورت کی گواہی قبول فرما لیتے تھے مگر رضاعت کے بارے میں آپ نے

(۱) عبدالرزاق ۷/۴۶۲، الموطا ۲/۶۰۶
(۲) المحلی ۱۰/۱۱، عبدالرزاق ۷/۴۷۱

(۱) المحلی ۱۰/۱۱، عبدالرزاق ۷/۴۷۰ (۲) سنن البیہقی ۷/۴۶۳، عبدالرزاق ۷/۴۸۴، ۸/۳۳۲، ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۴، المحلی ۹/۴۰۰، المغنی ۷/۵۵۹

ایک عورت کی گواہی قبول نہ کی۔ اس کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی کہ اگر ہم یہ دروازہ کھول دیں گے تو جو عورت بھی میاں بیوی کے درمیان تفریق کرانا چاہے گی وہ ضرور کرا دے گی۔ (۱)

رق (غلامی)

رق (غلامی) کے موضوع میں ہم درج ذیل امور پر گفتگو کریں گے۔

۱۔ قن ۲۔ مدبر ۳۔ مکاتب ۴۔ ام الولد ۵۔ عتق

۶۔ احکام رقیق۔

غلام کی کئی قسمیں ہیں۔ یعنی غلام یا قن ہوتا ہے یا مدبر یا مکاتب یا ام ولد۔

۱۔ قن:

اُس غلام کو کہتے ہیں جس کی عبودیت خالص ہو۔ اور وہ نہ مکاتب ہو نہ مدبر اور نہ اس کا کوئی حصّہ آزاد کیا گیا ہو (یعنی معتق البعض) اور نہ ہی ام ولد ہو۔ عبد قن یا تو اصلاً جنگی ہوتا ہے یا وہ قیدی ہوتا ہے جس پر امام نے غلامی عاید کر دی ہو۔ (دا اسرار/۲) یا وہ غلام جو غلام ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔ حضرت عمرؓ نے ایک باندی کے بچوں کے بارے میں فیصلہ دیا کہ وہ باندی کے مالک کے غلام ہیں۔ (۲)

۲۔ مُدبّر:

(ا) مدبر وہ غلام جس کا مالک اُسے کہہ دے کہ تم میری موت کے بعد آزاد ہو۔

(ب) حضرت عمرؓ کے نزدیک مدبر اپنے مالک کی موت کے بعد آزاد ہو جاتا ہے، چونکہ مُدبّر مالک کی موت کے بعد آزاد ہوتا ہے لہٰذا اگر مُدبّر باندی ہو تو اس کا مالک اس سے وطی کر سکتا ہے، کیونکہ وہ فی الحال آزاد نہیں ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اپنی ایک باندی اپنے بعد آزاد قرار دے دی تھی۔ اور اس کے بعد سات سال تک وہ آپ کے پاس رہی اور آپ اس سے جماع کرتے رہے اور ازاں بعد آپ نے اس کو جب آزاد کیا تو وہ حاملہ تھی۔

لیکن زہری نے حضرت عمرؓ کے اس قول پر جو آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرمایا تھا کہ "اس کے قریب نہ جاؤ درانحالیکہ اس میں کسی کے لیے کوئی شرط ہو"۔ یہ تخریج کی ہے کہ مدبرہ سے وطی کرنا جائز نہیں ہے۔ معمر نے زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ مدبرہ سے وطی کو ناپسند فرماتے تھے۔ معمر کہتے ہیں کہ میں نے زہری سے کہا کہ آپ مدبرہ سے وطی کو کیوں ناپسند کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ کے اس قول کی وجہ سے جو اُنہوں نے کہا کہ "اس کے قریب نہ جاؤ درانحالیکہ اس میں کسی کے لیے کوئی شرط ہو"۔ (۱)

لیکن خود حضرت عمرؓ کا عمل زہری کی اس تخریج کے برخلاف ہے۔

جب یہ بات طے ہو گئی کہ مدبر غلام ہی ہے تو پھر اس کا مالک اُسے فروخت بھی کر سکتا ہے اور اس کی بیع اس کے لیے صحیح بھی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں ہمیں حضرت عمرؓ کا کوئی قول نہیں ملا۔

(ج) مدبرہ کی اولاد اپنی ماں کے تابع ہوگی اور جب ماں آزاد ہوگی تو وہ بھی آزاد ہو جائے گی۔ یہی حضرت عمرؓ کا قول ہے اور یہی دیگر اصحاب کی رائے ہے اور صحابہ کرامؓ میں اس رائے کا کوئی مخالف ہمارے علم میں نہیں ہے۔

۳۔ مکاتب:

(ا) تعریف: کتابت کے معنی یہ ہیں کہ غلام کو اس مال کے عوض آزاد کر دیا جائے جو وہ اپنے مالک کو ادا کرے گا۔

(ب) اگر غلام کتابت کا مطالبہ کرے تو یہ کتابت لازم ہے۔

۱۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ اگر غلام اپنے مالک سے یہ مطالبہ

---

(۱) المحلی ۹/۴۰۰ (۲) المحلی ۹/۱۲۶ (۳) عبدالرزاق ۹/۱۴۸

(۱) المحلی ۹/۳۰ (۲) المغنی ۹/۹۳۸

گے کہ وہ اس سے مکاتبت کا معاملہ کر لے تو مالک پر لازم ہے کہ وہ یہ معاملہ کرے۔ محمد ابن سیرین کے والد سیرین نے انسؓ بن مالک سے کہا کہ آپ مجھ سے مکاتبت کا معاملہ کر لیں اُنہوں نے انکار کیا تو سیرین نے حضرت عمرؓ کو بتایا حضرت انسؓ نے انکار کیا ہے تو حضرت عمرؓ نے حضرت انسؓ پر دُرّہ اُٹھا لیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا (النور: ۳۳)

(اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں ان سے مکاتبت کر لو اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے)

اس پر حضرت انس نے اُن سے مکاتبت کا معاملہ کر لیا۔[1]

ابنِ حزم نے لکھا کہ اگر غلام مکاتبت کا مطالبہ کرتے تو حضرت عمرؓ غلاموں کے آقاؤں کو مار پیٹ کر اُن سے کتابت کا معاملہ کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ (۲)

(۲) یہ ضروری نہیں ہے کہ غلام کے پاس مال ہو، یا وہ کوئی ہنر جانتا ہو جس کی بُنیاد پر اس کا مالک اس سے کتابت کا معاملہ کرے۔ بلکہ کتابت کا معاملہ اس صُورت میں بھی درست ہے جبکہ وہ لوگوں سے مانگے بغیر کتابت کی قسطیں نہ ادا کر سکے، چنانچہ حمص کے کتب خانہ میں حضرت عمرؓ کا خط آپ کے ایک عامل عمیر بن سعد انصاری کے نام ملا ہے، اس میں ہے کہ۔ اما بعد! تمہارے پاس جو مُسلمان ہیں اُنہیں حُکم دو کہ اپنے غلاموں سے کتابت کا معاملہ کریں خواہ وہ لوگوں سے مانگ کر ادا کریں۔ (۳)

(ج) بدل کتابت:

(۱) بدل کتابت کی شرط یہ ہے کہ وہ مال ہو یا ایسی شے ہو جس کی قیمت مال سے لگائی جا سکے۔ حضرت عمرؓ نے عرب کے تمام مُسلمان غلاموں کو آزاد کر دیا، ان کی آزادی لازمی قرار دے دی اور اُن پر یہ شرط عاید کی کہ تم میرے بعد تین سال خلیفہ کی خدمت کرو گے اور اُن کے مفاد میں یہ شرط عاید کی کہ خلیفہ تمہارے ساتھ اُسی طرح برتاؤ کرے گا جیسا برتاؤ میں تمہارے ساتھ کرتا ہوں۔

(۲) بدل کتابت میں شرط: اگر مالک بدل کتابت میں کوئی خاص شرط لگائے تو اس کے لیے یہ شرط لگانا جائز ہے، چنانچہ ایک شخص نے اپنے غلام سے کتابت کا معاملہ کیا کہ وہ دس ہزار زرِ کتابت ادا کرے گا۔ اور ایک ایسا غلام فراہم کرے گا جو وہ ہنر جانتا ہو جو یہ غلام جانتا ہے۔ اس غلام نے وہ مال قسطوں میں ادا کر دیا جس پر کتابت کا معاملہ ہوا تھا، لیکن اُسے ایسا غلام نہیں ملا جو اس جیسا ہنر جانتا ہو۔ یہ معاملہ حضرت عمرؓ تک پہنچا تو حضرت عمرؓ نے غلام کو حُکم دیا کہ مالک کو ایسا غلام فراہم کرو جو تجھ سا ہنر جانتا ہو۔ اُس نے کہا مجھے ایسا غلام نہیں ملا۔ آپ نے فرمایا کہ تلاش کرو۔ اُس نے کہا کہ مَیں نے ڈھونڈا ہے لیکن مجھے نہیں ملا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے مالک کو حُکم دیا کہ اسے واپس غلام بنا لو۔ (۱)

(۳) مالک کا بدل کتابت کی ادائیگی میں غلام کی مدد کرنا:

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ مالک پر لازم ہے کہ اپنے غلام کی زرِ مکاتبت کی ادائیگی میں مدد کرے۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ

---

(۱) عبدالرزاق ۸/۳۷۲، سنن البیہقی ۱۰/۳۱۹، المغنی ۹/۴۱۱، المحلی ۹/۲۲۳ صحیح البخاری، باب المکاتب ونجومہ۔ (۲) المحلی ۸/۳۸۱، عبدالرزاق ۸/۳۷۲، سنن البیہقی ۱۰/۳۲۰، تفسیر القرطبی ۱۲/۲۴۶

(۱) عبدالرزاق ۸/۴۱۸

وَّمِنْ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اٰتٰکُمْ (النور: ۳۳)

(اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں، ان سے مکاتبت کرلو۔ اگر تمہیں معلوم ہے کہ انکے اندر بھلائی ہے اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔)

یعنی آقا اپنے غلام کی زر کتابت کی ادائیگی میں مدد کرے اور حضرت عمرؓ کے نزدیک اس اعانت کی صورت یہ ہے کہ آقا غلام کی زر مکاتبت کی اقساط میں سے کچھ قسطیں ابتدا ہی میں ساقط کر دے تاکہ خیر کی طرف سبقت ہو جائے، اس اندیشہ سے کہ کہیں وہ اس کا آخری دور نہ پا سکے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے غلام ابوامیہ نامی سے مکاتبت کی، جب اس کی قسط کی ادائیگی کا وقت آیا تو وہ قسط لے کر آیا، آپ نے کہا کہ جاؤ اس سے اپنی مکاتبت کے معاملے میں مدد لو۔ اُس نے کہا کہ اے امیرالمومنین، آپ اس قسط کو اس طرح رہنے دیں کہ یہ آخری قسط بن جائے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میں نہیں پاسکوں گا۔ (یعنی میں زندہ نہیں رہوں گا) اور آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

وَّاٰتُوْھُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اٰتٰکُمْ (النور: ۳۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ سے ابوامیہ کے لیے دوسو (درہم) قرض لیے اور اُن سے اُس کی مدد کی۔ اُس نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین اگر آپ اسے یونہی رہنے دیتے کہ یہ آخری قسط بن جاتی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میں اسے نہیں پاسکوں گا (۲) (یعنی میں اس وقت تک زندہ نہیں رہوں گا)

۴۔ بدل کتابت کی تعجیل:

اگر کسی شخص نے اپنے غلام سے مقررہ اوقات پر قسطوں کی ادائیگی کی شرط پر مکاتبت کی۔ اور غلام نے چاہا کہ قسطیں وقت آنے سے پہلے ہی ادا کر دے لیکن مالک نے پہلے لینے سے انکار کیا اور اسی پر اصرار کیا کہ وقت پر ادا کی جائیں۔ اس توقع پر اگر مکاتب مرگیا تو میں (مالک) اس کا وارث ہوں گا۔ تو اسے ان اقساط کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور غلام اپنی اقساط کی ادائیگی کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے متعدد واقعات میں اسی طرح کا فیصلہ دیا۔ جن میں سے چند ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

سیرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ بن مالک نے مجھ سے بیس ہزار روپے کے بالعوض مکاتبت کا معاملہ کیا۔ میں تستر فتح کرنیوالوں میں سے تھا۔ میں نے کچھ پرانا سامان خرید لیا جس میں مجھے منافع ہوا اور میں انس بن مالک کے پاس سارا زر کتابت لے کر آگیا مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ وہ قسطوں ہی میں لینا چاہتے ہیں میں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور اُن سے یہ بات بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ انسؓ میراث لینا چاہتے ہیں اور انہوں نے حضرت انس کو لکھا کہ یہ زر کتابت قبول کرلو، چنانچہ انہوں نے قبول کرلیا۔ (۱) نیز سعید بن ابی سعید المقبری نے اپنے والد سے روایت کیا کہ بنی لیث کی ایک عورت نے مجھے ذی المجاز کے بازار سے سات سو درہم میں خرید لیا، بعد ازاں وہ مدینہ منورہ آ گئی اور اُس نے مجھ سے چالیس ہزار درہم کے بالعوض معاہدہ مکاتبت کرلیا، جس میں سے میں نے اکثر حصہ ادا کر دیا۔ اس کے بعد میں باقیماندہ رقم لے کر اُس کے پاس آیا اور اُس سے کہا کہ یہ اپنا مال لے لو۔ اُس نے کہا کہ نہیں قسم بخدا میں تجھ سے ماہ بماہ اور سالانہ کے حساب سے وصول کروں گی۔ میں یہ مال لے کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور اُن سے اس بات کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اسے بیت المال میں جمع کرا دو، پھر اُسے کہلوایا کہ تمہارا

(۱) تفسیر القرطبی ۲/ ۲۵۲ (۲) تفسیر ابن کثیر ۳/ ۲۸۸ سنن البیہقی ۱۰/ ۳۲۵، المحلی ۹/ ۲۲۷

(۱) سنن البیہقی ۱۰/ ۳۳۴، المحلی ۹/ ۲۴۵

مال بیت المال میں موجود ہے اور ابوسعید آزاد ہو چکا ہے ۔ اب تم چاہو تو اپنے یہ پیسے ماہوار اور سالانہ قسطوں میں لے لیا کرو ۔ اس پر اُس نے وہ ساری رقم منگوالی (۱) ایک شخص نے اپنے غلام سے مقررہ اوقیہ چاندی پر معاملہ کیا اور اس کی قسطیں مقرر کر لیں ۔ غلام تمام زرِ کتابت ایک ساتھ لے کر آیا تو اُس نے یہ مال قبول نہیں کیا اور قسط وار ہی لینے پر اصرار کیا ۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر غلام مرگیا تو میں اس کا وارث ہوں گا ۔ غلام حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور انہیں اس امر سے آگاہ کیا ۔ حضرت عمرؓ نے وہ مال مالک کے پاس بھجوایا تو اُس نے پھر بھی لینے سے انکار کیا ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے یرفا ، جاؤ یہ مال بیت المال میں جمع کرادو اور اسے قسطوں میں دیتے رہو ۔ اور غلام سے فرمایا کہ جاؤ تم آزاد ہو ۔ جب غلام کے مالک نے یہ صورتِ حال دیکھی تو اُس نے وہ مال قبول کر لیا ۔ (۲)

۵ ۔ جلدی ادائیگی کی شرط کے تحت زرِ کتابت میں کمی :

حضرت عمرؓ اس بات کو جائز نہیں سمجھتے تھے کہ مدت کے بالمقابل کوئی مال لیا یا دیا جائے ۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ اس بات کو بھی مکروہ خیال کرتے تھے کہ مالک اپنے زرِ کتابت کا کچھ حصہ اس شرط پر ساقط کر دے کہ وہ باقیماندہ رقم یکمشت فوری طور پر ادا کر دے گا ۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ ربا کی ایک صورت ہے کیونکہ عین (شئے) کو قرض کے بدلے فروخت کرنے سے منع فرمایا گیا ۔

(د : دین / ۵ ب)

(د) مکاتب کب آزاد ہوگا ۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ سے دو روایتیں منقول ہیں ۔

پہلی روایت یہ ہے کہ مکاتب اُس وقت تک آزاد نہیں ہوگا جب تک وہ زرِ کتابت کی آخری قسط بھی ادا نہ کر دے ۔ حضرت عمرؓ نے

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۳۳۴ ، (۲) عبدالرزاق ۸/۴۰۴ ، المغنی ۹/۴۲۷

فرمایا مکاتب کے ذمہ اگر ایک درہم بھی باقی ہے تو وہ غلام ہے (۱) جیسا کہ رق کے ذیل میں گزر چکا ہے ۔ (د : رق / ۳ ج ۲) کہ اگر بدل کتابت کے ایک حصہ کی ادائیگی میں کسی خاص وصف کی قید لگائی گئی ہو اور مکاتب اس حصہ کو اس بیان کردہ صفت کے بغیر ادا کرنا چاہے تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوگا اور مکاتب غلام ہی رہے گا ۔ اسی طرح اگر مکاتب نے کتابت کی کچھ قسطیں ادا کر دیں اور مر گیا اور اُس کی آزاد اولاد ہو اور اُس کے ترکہ کا مال اُس کے زرِ کتابت سے زیادہ ہو تو یہ سارا مال اُس کے آقا کا ہوگا اور اُس کے بچوں کو کچھ نہیں ملے گا ، کیونکہ اُن کا باپ غلامی کی حالت میں مرا ہے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مکاتب مر جائے اور کچھ مال چھوڑے تو وہ اُس کے مولیٰ (آقا) کا ہے اور اُس کے ورثا کو کچھ نہیں ملے گا (۲) معبد جہنی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مکاتب کے بارے میں فیصلہ دیا جو مر گیا تھا اور اُس کے آزاد بچے تھے اور اُس نے ترکہ میں باقیماندہ زرِ کتابت سے زیادہ مال چھوڑا تھا کہ اُس کا سارا مال اُس کے مالک کا ہے ۔ (۳)

دوسری روایت یہ ہے کہ مکاتب اگر اپنے زرِ کتابت کا نصف حصہ ادا کر چکا ہو تو وہ آزاد ہو جائے گا اور اُس کی غلامی باقی نہیں رہے گی ۔ قاسم بن عبدالرحمٰن نے جابر بن سمرہ سے روایت کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مکاتب نے اپنے زرِ مکاتبت کا نصف حصہ ادا کر دیا تو وہ غلام نہیں رہا (۴) ایک اور روایت میں ہے کہ اگر مکاتب نے زرِ کتابت کا ایک حصہ ادا کر دیا تو وہ غلام

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۳۲۵ ، المغنی ۹/۲۹۷ ، تفسیر القرطبی ۱۲/۲۴۸
(۲) سنن البیہقی ۱۰/۳۳۲ ، المغنی ۹/۴۳۰ (۳) المحلی ۹/۲۳۸
عبدالرزاق ۸/۳۹۳ (۴) سنن البیہقی ۱۰/۳۲۵ ، المغنی ۹/۳۶۸ ،
۹/۴۱۹ ، المحلی ۹/۲۳ ، ۲۲۹

نہیں رہا۔" ظاہر ہے کہ یہاں ایک حصہ سے مراد بھی نصف ہی ہے۔

ان دونوں روایات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ :

۱۔ پہلی روایت کی سند زیادہ قوی ہے۔ القرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس قول کی سند کہ مکاتب اُس وقت تک غلام ہی جب تک اس پر ایک درہم بھی باقی ہے۔ ان کے اس قول کی سند سے زیادہ قوی ہے کہ اگر اُس نے ایک حصہ ادا کر دیا تو وہ غلام نہیں رہے گا۔ یہ بات ابن عبدالبر نے کہی ہے۔ (۲)

مَیں کہتا ہوں کہ دوسری روایت قاسم بن عبدالرحمٰن نے جابر بن سمرہ کے حوالے سے بیان کی ہے، درانحالیکہ قاسم کا جابر سے سماع سے ثابت نہیں ہے۔

۲۔ پہلی روایت حضرت عمرؓ کے دیگر فقہی احکام سے ہم آہنگ ہے۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے اس غلام کے بارے میں "جس نے اپنے زرِ کتابت کی مجملہ قسطیں یعنی دس ہزار درہم اور ایک غلام اپنے مالک کو دے دیے تھے لیکن غلام جو اُس نے دیا تھا، اس ہنر کو نہیں جانتا تھا جس کو جاننے کی شرط معاہدہ کتابت میں لگائی گئی تھی" یہ فیصلہ دیا تھا کہ وہ غلام ہی رہے گا۔ اور آپ نے فرمایا ہے کہ مکاتب کے مال پر اُس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں جب تک وہ آزاد نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس قول کی وجہ یہی ہے کہ مکاتب ہنوز غلام ہے۔ (۱ زکوٰۃ / ۳ ب)

علاوہ بریں حضرت عمرؓ نے ان مالکوں کے بارے میں جو مکاتب سے کل زرِ کتابت مقررہ وقت سے پہلے قبول نہ کریں یہی تصور کیا کہ اُن کی نیت یہ ہے کہ اپنے مکاتب غلام کے وارث بن جائیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر مکاتب مر جائے اور اس کے ذمہ بدل کتابت کا کوئی حصہ باقی ہو تو وہ بدستور غلام ہی رہے گا اور اس کا ترکہ اُس کے مالک کو ملے گا۔ (۱ وارث / ۴ ب)

(ھ) مکاتب پر جنایت :

مکاتب پر جنایت (دست درازی) اور مکاتب کی جنایت دوسرے پر غلام کی جنایت متصور ہوگی۔ (۱ جنایت / ۲ ھ) اور (جنایت / ۳ ب ۱)

(و) مکاتب کی فروخت :

مکاتب پر جب تک ایک درہم بھی باقی ہے وہ غلام ہی ہے۔ اور جب وہ غلام ہے تو اُس کو فروخت کرنا جائز ہے اور فروخت کر دینے سے کتابت کا معاملہ ختم ہو جائے گا۔

(ز) مکاتب کی گواہی غلام کی گواہی ہے۔ (۱ شہادت / ۱ ج ۳)

(ح) مکاتب کے مال کی زکوٰۃ۔ (۱ زکوٰۃ / ۳ ب)

۴۔ ام الولد :

(ا) تعریف : ام الولد سے مراد وہ باندی ہے جس سے اُس کے مالک نے صحبت کی ہو اور اُس نے اپنے مالک کے بچے کو جنم دیا ہو۔

(ب) بچہ کی پیدائش سے ام الولد کی آزادی :

ام ولد (مالک کے بچہ کی ماں) محض مالک کے بچے کو جنم دینے پر آزاد متصور ہوگی خواہ وہ بچہ زندہ پیدا ہوا ہو یا مُردہ۔ اس میں جان پڑی ہو یا نہ پڑی ہو۔ بشرطیکہ اس میں انسان کا بچہ ہونے کی علامات ظاہر ہوگئی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ باندی کو اس کا بچہ آزاد کر دیتا ہے خواہ وہ مُردہ پیدا ہوا ہو (۱)

(ج) ام الولد کی فروخت :

حضرت ابوبکرؓ ام الولد کی فروخت کی اجازت دے دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی اپنی خلافت کے آغاز میں اس کی اجازت دیا کرتے تھے لیکن بعد میں حضرت عمرؓ کی توجہ اس امر کی جانب ہوئی کہ ام الولد کا

---

(۱) عبدالرزاق ۸/ ۴۱۰، ۴۴۰ (۲) تفسیر القرطبی ۱۲/ ۲۴۸

(۱) عبدالرزاق ۷/ ۲۹۵، سنن البیہقی ۱/ ۳۴۶، المغنی ۹/ ۵۴۰

بیٹا آزاد ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ خود ام الولد بھی آزاد ہے، کیونکہ بچہ آزادی کے معاملے میں اپنی ماں کے تابع ہوتا ہے۔ آپ نے کہا کہ ام الولد کو کس طرح فروخت کیا جا سکتا ہے؛ حالانکہ اس کا بچہ آزاد ہے۔ بہرحال آپ نے ام الولد کی فروخت کو حرام قرار دے دیا (۱) اور امہات اولاد' کو فروخت کرنے کی ممانعت کر دی (۲) اور اس سے قبل جو ام ولد فروخت ہو چکی تھیں، انہیں واپس کرا دیا، حتٰی کہ تُستر سے ایسی ام ولد بھی واپس کرا دیں جو حاملہ تھیں۔ (۳) آپ منبر پر اعلان فرمایا کرتے تھے کہ اُمہات اولاد کی فروخت حرام ہے اور اگر کسی باندی سے اس کے مالک کا بچہ پیدا ہو جائے تو وہ غلام نہیں رہے گی (۴)۔ چونکہ ام ولد کی بیع جائز نہیں اس لئے کوئی اور ایسا تصرف بھی جائز نہیں ہے جس سے ملکیت منتقل ہو مثلاً ہبہ وغیرہ یا جس کا مقصد فروخت ہو، جیسے رہن، نیز وہ میراث بھی نہیں بنے گی بلکہ اپنے آقا کے مرتے ہی آزاد ہو جائے گی (۵)۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جس باندی نے اپنے مالک کا بچہ جنا تو وہ اُسے نہ فروخت کر سکتا ہے نہ ہبہ کر سکتا ہے اور نہ اُسے میراث بنا سکتا ہے، البتہ وہ اس سے استمتاع کر سکتا ہے لیکن مالک کے مرتے ہی وہ آزاد ہو جائے گی (۶)۔ اور حضرت عمرؓ سے ایک اور روایت ہے کہ ام ولد اگر اسلام قبول کر لے اور پاکدامن و عفت مآب رہے تو اس کا بچہ اُسے آزاد کرا دے گا۔ اور اگر وہ کافر و بدکار رہی تو اُس کی غلامی برقرار رہے گی۔ (۷)

۵۔ عتق (آزادی)

(و) تعریف: عتق کے معنی غلام کو غلامی سے آزاد کرنا ہیں۔

(۱) عبدالرزاق ۷/۲۹۳، المحلی ۹/۲۱۸ (۲) المجموع ۹/۲۶۴، سنن البیہقی ۱۰/۳۴۲ (۳) المحلی ۹/۲۱۷ (۴) آثار ابی یوسف ۸۷۲ (۵) المغنی ۹/۵۳۱ (۶) الموطا ۲/۷۷۶، المجموع ۹/۲۶۴، عبدالرزاق ۷/۲۹۲، المحلی ۹/۲۱۹، المغنی ۹/۵۴۲ (۷) عبدالرزاق ۷/۲۹۲، المحلی ۹/۲۱۹، المغنی ۹/۵۴۲

(ب) آزادی مندرجہ ذیل چار امور میں سے کسی ایک سے ہوتی ہے۔

۱۔ قول سے: مثلاً مالک اپنے غلام سے کہے کہ تو آزاد ہے تو یہ کہنے سے وہ آزاد ہو جائے گا، خواہ اُس نے یہ بات ازراہ مذاق کہی ہو یا سنجیدگی سے کہی ہو۔ کیونکہ آزادی الفاظ سے لازم آجاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ چار باتیں ایسی ہیں کہ اگر انہیں زبان سے کہہ دیا جائے تو وہ نافذ ہو جاتی ہیں، یعنی طلاق، نکاح، عتاق (غلام کا آزاد کرنا) اور نذر۔ (۱) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تین امور ایسے ہیں جن کو ازراہ مذاق زبان سے ادا کرنے والا اور سنجیدگی سے کہنے والا برابر ہیں، یعنی طلاق، صدقہ اور عتاق۔ (۲) کفاروں میں غلام آزاد کرنا بھی قولی آزادی ہے

(د: کفارات /۳ ٹ)

آزادی کے بعد بھی خدمت کرتے رہنے کی شرط پر بھی اپنے غلام یا باندی کو آزاد کرنا جائز ہے۔ (۳)

۲۔ ملک: اگر کوئی شخص اپنے کسی ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے مثلاً بیٹے، باپ اور بھائی کا تو وہ اُس کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص کسی ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا تو جو ملکیت میں آیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا۔ (۴)

۳۔ استیلاد (اولاد پیدا ہو جانا) اگر باندی سے آقا کا بچہ ہو گیا تو وہ ام ولد بن جائے گی اور آزاد ہو جائے گی۔

۴۔ اضرار (ضرر رسانی) حضرت عمرؓ اس غلام کو آزاد کر دیتے تھے جس کو اُس کے مالک نے شریعت کی حدود سے زائد سزا دی ہو، یا اُسے ایسا ضرر پہنچایا ہو جس کا وہ متحمل نہ ہو سکتا ہو۔ ایک باندی حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اُس نے کہا کہ میرے آقا نے مجھ پر

(۱) المغنی ۶/۵۳۵ (۲) عبدالرزاق ۶/۱۳۴ (۳) المحلی ۹/۱۸۶ (۴) عبدالرزاق ۹/۱۸۴، سنن البیہقی ۱۰/۲۸۹، المحلی ۹/۴۰، ۱۰۲، تفسیر القرطبی ۲/۱۰۶، المغنی ۹/۲۵۵، آثار ابی یوسف ۷۵۴

تہمت لگائی اور مجھے آگ پر بٹھا دیا جس سے میری شرمگاہ جل گئی۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے پُوچھا کہ اُس نے تیری کوئی بات ایسی دیکھی تھی جس کی بنا پر تہمت لگا سکے؟ اُس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے پُوچھا کہ کیا تو نے کسی ایسی بات کا اقرار کیا تھا؟ اُس نے کہا کہ نہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اسے (مالک کو) میرے پاس لایا جائے۔ جب وہ شخص آیا تو آپ نے اُس سے کہا کہ کیا تم اللہ کا سا عذاب دیتے ہو۔ اُس نے کہا کہ اے امیرالمؤمنین! مجھے اس کی ذات کے بارے میں شبہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا، پھر کیا اُس نے کسی بات کا اقرار کیا ہے۔ اُس نے کہا کہ نہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قسم بخدا! اگر مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سُنا ہوتا کہ مالک سے اُس کے غلام کا اور باپ سے اُس کے بیٹے کا قصاص نہ لیا جائے تو مَیں تجھ سے قصاص لیتا۔ پھر آپؓ نے اُسے سب کے سامنے کھڑا کیا اور سو کوڑے مارے اور باندی سے کہا کہ جا تو راہ خدا میں آزاد ہے اب تُو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی ہے(۱)

۴) عتیق (آزاد کردہ غلام)

۱۔ انسان کے لیے اپنے غلام کو آزاد کرنا جائز ہے، خواہ غلام مُسلمان ہو یا غیر مُسلم۔ حضرت عمرؓ نے اپنے غلام وستی کو آزاد کر دیا تھا اور یہ غیر مُسلم تھا۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی یہودی یا نصرانی کو آزاد کیا تھا۔ (۲)

۲۔ غلام کے ایک حصّہ کو آزاد کرنا: اگر کسی نے اپنے غلام کے ایک حصّہ کو آزاد کر دیا تو اُس کے پُورے وجود میں آزادی سرایت کر جائے گی اور وہ پُورا آزاد ہو جائے گا(۳) عرفہ میں ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ مَیں نے اپنے اس غلام کا ایک

(۱) سنن البیہقی ۶/۳۶، عبدالرزاق ۹/۴۳۸، المؤطا ۲/۷۷۶
(۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۰ ب (۳) المغنی ۹/۲۴۴

حصّہ آزاد کر دیا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ سارا آزاد ہو گیا، اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے(۱) اس اصول کے مطابق اگر غلام کئی افراد کی ملکیت ہو اور ایک شریک اپنے حصّہ کا غلام آزاد کر دے تو یہ آزادی اُس کے سارے وجود کو محیط ہو گی اور پُورا غلام آزاد ہو جائے گا اور آزاد کرنے والا شخص اپنے شریک (ساتھی) کو آزاد کردہ غلام میں اُس کے حصّہ کی قیمت بطور تاوان ادا کرے گا، چنانچہ روایت ہے کہ ایک غلام دو افراد کے درمیان مُشترک تھا۔ ایک نے اپنا حصّہ آزاد کر دیا۔ دوسرا شریک حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو آپ نے حکم لکھا کہ اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت لگائی جائے۔(۲) اور اس شخص سے جس کا غلام میں حصّہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے ساتھی کا معاملہ فاسد نہ کرو اور اپنے حصّہ کی قیمت لے لو۔(۳)

اگر آزاد کردہ غلام میں شریک بچّہ ہو تو انتظار کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور بالغ ہو کر چاہے تو وہ بھی اپنا حصّہ آزاد کر دے اور چاہے تو اپنے شریک سے غلام میں اپنے حصّہ کی قیمت وصول کرے۔

عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے کہ میری اور اسود کی اور ہم دونوں کی والدہ کی مشترکہ ملکیت میں ایک غلام تھا جو جنگ قادسیہ میں شریک ہوا تھا اور اس میں اُس نے خوب بہادری کے جوہر دکھائے تھے مَیں اُس وقت چھوٹا تھا، سب نے اس کو آزاد کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اسود نے اس بات کا حضرت عمرؓ سے ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم سب لوگ آزاد کر دو، لیکن عبدالرحمٰن کا حصّہ باقی رہے گا یہاں تک کہ وہ بھی (بالغ ہونے پر) اسی طرح چاہے جس طرح تم نے چاہا ہے یا وہ اپنے حصّہ کی قیمت لے لے۔(۴)

(۱) سنن البیہقی ۱۰/ ۲۷۴ (۲) سنن البیہقی ۱۰/ ۲۷۶ (۳) عبدالرزاق ۹/ ۱۵۵، عبدالرزاق ۹/ ۱۵۵، سنن البیہقی ۱۰/ ۲۷۸
المحلی ۹/ ۱۹۱، آثار ابی یوسف ۷۰۵

۳۔ ولد زنا کو آزاد کرنا : ولد زنا کو آزاد کرنے کے بارے میں حضرت عمرؓ سے مختلف روایات منقول ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے نزدیک کسی کو راہ خدا میں جوتا پہنا دینا ولد زنا کو آزاد کرنے سے بہتر ہے۔ (۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ اولادِ زنا کو آزاد کر دو اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو۔ (۲)

غالباً یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم پہلی روایت کو کفارات میں آزاد کرنے پر محمول کریں اور دوسری روایت کو برائے ثواب غلام آزاد کرنے پر محمول کریں۔ تابعین کی ایک جماعت کی یہی رائے ہے۔ (۳)

۴۔ شادی شدہ باندی کا یہ اختیار کہ وہ آزادی کے بعد اپنے (دورِ غلامی) کے نکاح کو برقرار رکھے یا ختم کر دے۔ (د: خیارِ عتق/۲)

(د) معتِق (آزاد کرنے والا) معتق کیلئے شرط یہ ہے کہ اس میں تبرع کی اہلیت موجود ہو۔ (د: تبرع)

اس اصول کی بنا پر اگر کسی نے اپنے غلام کو اپنے مرضِ موت میں آزاد کیا تو اُس کا یہ آزاد کرنا اُس کے تہائی مال میں نافذ ہو گا۔ جیسا کہ اگر وہ مرضِ موت میں ہبہ کرے تو وہ تہائی مال میں نافذ ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مرضِ موت میں انسان جو غلام آزاد کر دے، اُس کا حکم وہی ہے جو وصیت کا ہے (۴)

(ھ) کفارات میں غلام آزاد کرنا۔ (د: کفارہ/۳ و)

۶۔ رقیق (غلام) کے بارے میں احکام :

(و) حُسنِ معاملہ : مالک پر فرض ہے کہ وہ اپنے غلام سے اچھا سلوک کرے۔ اس پر کام کا اتنا بوجھ نہ ڈالے جو اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو۔ حضرت عمر ہر ہفتہ کے روز عوالی (مدینہ کا ایک محلہ) جاتے، وہاں اگر دیکھتے کہ کسی غلام سے اس کی طاقت سے زیادہ کام لیا جا رہا ہے تو آپ اس پر سے کام کا بوجھ کم کر دیتے۔ (۱)

اسے بُھوکا نہ رکھے حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ کو اس بات پر سزا دی کہ انہوں نے اپنے غلاموں کو بھوکا رکھا جس کی وجہ سے وہ چوری پر مجبور ہو گئے تھے۔ (۲)

اگر غلام کو سزا دے تو وہ سزا ایسی نہ ہو جس کی شریعت اجازت نہ دیتی ہو۔ (د: رق/ ۵ ب ۴)

ب) آقا کا غلام پر حد جاری کرنا۔ (د: حد/۵)

غلام کے حق میں حد کی سزا کا نصف ہونا۔ (د: حد/۹) د (تذف / ۵ ب)

غلام کا احصان (د: احصان ۱/ج)

غلام کی جنایت (د: جنایت ۲ ب ۲ ھ) اور غلام پر جنایت (د: جنایہ/۵ ب ۳ ج) د (د: جنایت ۳/ ب ۱)

غلامی ارث کے موانع میں سے ایک مانع ہے (د: ارث/۲ ب)

غلام کا مالِ غنیمت کا مستحق نہ ہونا (د: غنیمت/ ۲ ب ۳ و)

غلام کا لشکر کو دیے جانے والے وظائف کا مستحق نہ ہونا۔ (د: فئی/ ۲ ب ۳ ج)

بیع وغیرہ کی صورت میں غلام میں اور اسکے ذی رحم رشتہ دار کے درمیان عدم تفریق (د: بیع / ۱ د ۲)

ذمیوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان قیدیوں میں سے کسی کو خریدیں جن کو مسلمانوں نے قیدی بنایا ہو۔ (د: بیع /۱ د ۲) اسی طرح مسلمانوں کو بھی ذمیوں کا غلام خریدنے کی اجازت نہیں ہے۔ (د: بیع ۱ د ۴)

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۶۰ ب، عبدالرزاق ۹/ ۱۸۱، سنن البیہقی ۱۰/ ۵۹
(۲) عبدالرزاق ۹/ ۱۸۱ (۳) موسوعۃ فقہ ابراہیم نخعی، مادہ کفارہ ۲ و ۵۔
(۴) سنن البیہقی ۱۰/ ۳۱۳

(۱) الموطا ۲/ ۹۸۰ (۲) المغنی ۷/ ۵۹۵، ۸/ ۲۵۸ عبدالرزاق ۱۰/ ۲۳۹، المحلی ۸/ ۱۵۷

باندی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ چادر اور اوڑھنی وغیرہ میں آزاد (مسلمان) عورتوں سے مشابہت اختیار کرے۔ (د؛ حجاب/ ۱ ج)
برائے فروخت پیش کی جانے والی باندی کو بنا سنوار کر پیش کرنے کا جواز۔ (د؛ تدلیس)
غلام کے لیے ایک وقت میں دو سے زائد بیویاں رکھنا جائز نہیں ہے۔ (د؛ نکاح/ ۳ د)
مسلمان باندی سے نکاح کی کراہت (د؛ نکاح/ ۴ ب ۲) اور کافر باندی سے نکاح کی حرمت (د؛ نکاح/ ۴ و ۲ ز)
مالک کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح (د؛ نکاح/ ۵ ب د)
باندی سے عزل (د؛ عزل/ ۲)
غلام کی طلاقیں دو ہیں (د؛ طلاق/ ۶ ب)
باندی کی عدت دو حیض ہیں (د؛ عدت/ ۲ ب ۱)
باندی کا حجاب اور اس کے جسم کے وہ حصے جنہیں چھپانا ضروری ہے۔ (د؛ حجاب/ ۱ ج)
غلام کی شہادت (د؛ شہادت/ ۱ د ۳)
غلام کا صدقہ اور اس کا ہبہ (د؛ صدقہ/ ۳ ب)
غلام کے مال پر زکوۃ (د؛ زکوۃ/ ۳ ب)
اس باندی کی اولاد جس پر کسی کا مالکانہ استحقاق ہو مال کے مالک کی غلام ہے۔ (د؛ استحقاق/ ۱)
غلام کی امان صحیح ہے۔ (د؛ امان/ ۳ د)
کافر غلام پر جزیہ۔ (د؛ جزیہ/ ۳ ب ۱)
باندی کا استبراء (د؛ استبراء/ ۱)
باندی سے صحبت۔ (د؛ تسری)
کفاروں میں غلام کا آزاد کرنا (د؛ کفارہ/ ۲ د)
غلامی اور آزادی میں بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے (د؛ استحقاق/ ۲ رق ۱)

غلام کا نفقہ (د؛ نفقہ/ ۲)
غلام قاضی نہیں بن سکتا (د؛ قضاء/ ۱ ھ)
آزاد کرنے کی بنا پر ولاء کا ثبوت (د؛ ولاء/ ۱)
غلام کی دیت کی ادائیگی میں مجرم کی عاقلہ کی عدم شرکت۔ (د؛ جنایت/ ۵ ب ۷)

رکاز (قبل اسلام کا دفینہ)

۱۔ تعریف؛

اسلام سے پہلے کا مدفون مال و دولت رکاز کہلاتا ہے۔

۲۔ رکاز کا حکم؛

حضرت عمرؓ رکاز کو فئے کے درجہ میں تصور کرتے تھے کہ امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اُسے جہاں چاہے صرف کرے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے جب سوس کا علاقہ فتح کیا تو وہاں اُنہیں (حضرت) دانیالؑ کی نعش ملی۔ اس کے قریب کچھ مال پڑا ہوا تھا۔ لوگ وہاں سے اپنی ضرورتوں کے لیے قرض لے لیا کرتے تھے اور وقت مقررہ پر پھر وہیں لا کر رکھ دیتے تھے اور اگر کوئی قرض لیا ہوا مال وہاں لا کر نہ رکھتا تو وہ برص کے مرض میں مبتلا ہو جایا کرتا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو اس تفصیل سے آگاہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اُنہیں جواباً تحریر کیا کہ (حضرت دانیالؑ کی نعش) کو کفن دے کر حنوط لگا کر اُن کی نماز جنازہ پڑھو اور ان کو اس طرح احترام کے ساتھ دفن کر دو جیسے انبیاء کو دفن کیا جانا چاہیے اور جو مال وہاں موجود ہے اُسے مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دو [۱] جریر بن رباح سے مروی ہے، اُنہوں نے اپنے والد سے نقل کیا کہ اُنہیں مدائن میں ایک کھلی ہوئی قبر ملی، جس میں لاش موجود تھی اور اس پر سونے

[۱] المحلی ۷/ ۳۲۶، الاموال ۳۴۳

کے کامدار کپڑے پڑے ہوئے تھے اور کچھ مال بھی موجود تھا۔ حضرت عمار بن یاسر نے حضرت عمرؓ کو اس کے بارے میں تحریر کیا، حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ جو لوگ یہ مال لے کر آئے ہیں، انہی کو دے دو اور اُن سے نہ لو۔ (۱) حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک غلام کو مدفون خزانہ ملا۔ حضرت عمرؓ نے اس میں اُسے آزاد کر دیا، اور کچھ اُسے عطا بھی کر دیا اور بقیہ تمام مال بیت المال میں جمع کر دیا۔ (۲) شعبی سے مروی ہے کہ ایک شخص کو مدینہ سے باہر ایک ہزار دینار کا مدفون خزانہ ملا۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس لے کر آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس میں خمس یعنی دوسو دینار لے لیے اور باقی اُسی کو دے دیا اور دوسو دینار اس وقت موجود مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے اور جو بچ گیا وہ پھر اُسی شخص کو دے دیا، جسے یہ خزانہ ملا تھا۔ (۳)

مَیں کہتا ہوں کہ حضرت عمرؓ نے یہ دوسو دینار رکاز کی زکوۃ کے طور پر نہیں لیے تھے، کیونکہ حضرت عمرؓ نے ان کو مصارف زکوۃ میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اس میں دیا جو آپ کے پاس یہ مال لے کر آیا تھا، اگر یہ زکوۃ ہوتی تو زکوۃ دہندہ کو دینا دُرست نہ ہوتا۔ دراصل یہ دوسو دینار خمس تھا جو فئے پر عاید ہوتا ہے۔

(د: فئے / ۲)

رکوب (سوار ہونا)

جلالہ (گندگی خور جانور) پر سوار ہونے کی کراہت (د: جلالہ)

ذمیوں کا سواری پر اس طرح بیٹھنا جس کی ہیئت مسلمانوں کے سوار ہونے کی ہیئت سے مختلف ہو۔ (د: ذمہ / ۲ ج ۲)

(۱) المحلی ۷ / ۳۲۶، الاموال ۳۴۳

(۲) المحلی ۷ / ۳۲۶

(۳) المحلی ۷ / ۳۲۶، الاموال ۳۴۲، المغنی ۳ / ۲۲، عبدالرزاق ۱ / ۱۴۰ ب

رمضان

رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت (د: صیام)

رمضان کی راتوں میں نماز تراویح کی صورت میں قیام اللیل (د: صلاۃ / ۲۴ ج ۵)

احترام رمضان کی خلاف ورزی پر سزا (د: تعزیر / ۶) (د: اشربہ / ۱ ج ۳)

رمضان میں سفر (د: سفر / ۱۰ د)

رمل

۱۔ تعریف:

دوڑے بغیر متوازن قدموں سے جلدی جلدی چلنا۔

۲۔ طواف قدوم میں رمل (د: حج / ۸) صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں رمل (د: حج / ۹)

رہن

۱۔ قرض کی ضمانت کے طور پر کوئی چیز رکھنا۔

۲۔ مرہون: (جو چیز رہن رکھی جائے)

شئے مرہونہ میں حسب ذیل شرائط ہونے چاہییں۔

(ا) وہ شئے ایسی ہو جس کی بیع صحیح ہو۔ اگر وہ شئے ایسی ہے جس کی بیع دُرست نہیں ہے تو اس کا رہن رکھنا بھی جائز نہیں ہے، چنانچہ مکہ کے گھروں کا رہن رکھنا جائز ہے کیونکہ ان کی بیع جائز ہے (۱) لیکن ام ولد کا رہن جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کی بیع جائز نہیں ہے۔

(د: رق / ۴ ج)

(ب) مرہون شئے ہر قسم کے بوجھ سے فارغ ہو اور اس قابل ہو کہ مرتہن کے سپرد کی جا سکتی ہو۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

(۱) المجموع ۹ / ۲۶۹

فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ (البقرہ: ۲۸۳)

(تو رہن بالقبض پر معاملہ کرو)

۳۔ رہن کا ضمان:

اگر رہن مرتہن کے پاس ضائع ہو جائے جس میں اس کی کوئی زیادتی یا کوتاہی نہ ہو۔ تو اگر شئے مرہونہ کی قیمت قرض سے زائد یا اس کے برابر ہو تو سارا دَین باطل قرار پائے گا اور جو قیمت قرض سے زائد ہو گی، اس کا مرتہن پر تاوان عاید نہیں ہو گا۔ اور اگر رہن کی قیمت دَین (قرض) سے کم ہو تو رہن کی قیمت کے برابر قرض ساقط ہو جائے گا اور راہن مرتہن کو باقی قرض ادا کرے گا۔ [1] حضرت عمرؓ نے اُس شخص کے بارے میں جو رہن رکھوائے اور رہن ضائع ہو جائے فرمایا کہ اگر شئے مرہونہ کی قیمت کم ہو تو اس پر تمام حق لوٹایا جائے گا اور اگر زیادہ ہو تو اس کی مثال رہن کی سی ہے۔[1]

۴۔ مرہون (شئے) کے منافع:

شئے مرہونہ کے منافع راہن کے ہوں گے اور مرتہن کے لیے روا نہیں ہے کہ ان میں سے کسی شئے کی شرط لگائے۔ اگر اُس نے ایسا کیا تو وہ ربا ہو گا۔ (د: دین/ ۶ ب) اور اس کے لیے راہن کی اجازت کے بغیر شئے مرہونہ سے انتفاع جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ امین ہے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو غاصب ہو گا۔ اور اگر شئے مرہونہ اس کے قبضہ میں تلف ہو جائے تو وہ اس کا ضامن ہو گا، خواہ اس کی قیمت کتنی ہی کیوں نہ ہو۔

---

(۱) المحلی ۸/ ۹۷، المغنی ۴/ ۳۹۶

(۱) سنن البیہقی ۶/ ۴۳

ز

زرع (کھیتی)

زرعی اشیا پر زکوٰۃ (د: زکوٰۃ ۴/ھ)

زکوٰۃ:

زکوٰۃ سے متعلق گفتگو مندرجہ ذیل نکات کے تحت کی جائے گی۔

۱۔ زکوٰۃ کی فرضیت ۲۔ مال ذخیرہ کرنے کی شرط ۳۔ مزکی (زکوٰۃ دہندہ)

۴۔ وہ اموال جن پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(الف) ان اموال کی شرائط (ب) زر نقد (ج) مالِ تجارت (د) مویشی (ھ) زرعی پیداوار۔

۵۔ زکوٰۃ کی وصولی ۶۔ مال زکوٰۃ کی حفاظت حکومت کے ذمہ ہے۔ ۷۔ زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا ۸۔ مصارف زکوٰۃ۔ ۹۔ اسقاطِ زکوٰۃ کے لیے حیلہ سازی۔

(۱) زکوٰۃ کی فرضیت:

زکوٰۃ فرض ہے۔ ایسا فرض جو اللہ سبحانہٗ نے مسلمانوں پر عاید کیا ہے لہٰذا جو شخص اللہ سبحانہٗ سے ثواب کی امید رکھ کر اس فرض کو ادا کرے گا اس کا اجر اللہ تعالیٰ دینے والا ہے۔ یہ بات قرآن کریم کی بہت سی آیات اور متعدد احادیث نبویؐ سے ثابت ہے۔ حتّٰی کہ جو شخص زکوٰۃ کی ادائیگی اور اس کی وصولی میں تعاون کرے وہ بھی ثواب کا مستحق ہے۔ حضرت عمرؓ نے بنو ثقیف کے ایک شخص کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے بھیجا اور بعد ازاں جب آپ نے اُسے یہ خدمت انجام دیتے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ:

میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کا اجر ملے گا (۱) زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا گنہگار ہے اور ایسے شخص سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جائے گی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے زکوٰۃ دی اُسے اس کا اجر ملے گا اور جو زکوٰۃ دینے سے انکار کرے گا تو ہم اُس سے زکوٰۃ بھی لے لیں گے اور اُس کے مال کا ایک حصہ بھی۔ یہ ہمارے رب کے مقرر کردہ فرائض میں سے ایک فرض ہے۔ اس زکوٰۃ میں سے آل محمدؐ کے لیے کچھ نہیں ہے۔ (۲)

اگر کوئی شخص قوت کے بل بوتے پر زکوٰۃ دینے سے انکار کرے تو کیا اُس سے قتال کیا جائے گا۔

حضرت عمرؓ کی تمنا تھی کہ کاش انہوں نے اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیا ہوتا؛ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اگر کہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کر لیا ہوتا کہ جو شخص صدقہ دینے سے انکار کرے

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۰ (۲) ابوداؤد، زکوٰۃ، نمبر ۱۵۷۵، السنن النسائی زکوٰۃ، باب عقوبۃ مانع الزکوٰۃ۔ مسند احمد ۵/۲، ۴

اس کے باوجود کہ میں اُسے صحیح مصرف میں استعمال کر رہا ہوں تو کیا میں اُس سے جہاد کروں؟ تو میرے لیے یہ معلوم کر لینا سُرخ اُونٹوں کے پانے سے بھی بہتر ہوتا (۱) بہرحال جب آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو مانعین زکوٰۃ سے جہاد پر مطمئن دیکھا تو آپؓ بھی اس بات پر مطمئن ہو گئے کہ زکوٰۃ سے انکار کرنے والے سے قتال کیا جائے۔ نیز صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے حضرت ابوبکرؓ کے اس فیصلے کی کہ مانعین زکوٰۃ سے جہاد کیا جائے ، مخالفت نہیں کی تو اس موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قسم بخدا! حقیقت یہ ہے جسے میں اب سمجھا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کے سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ کا شرح صدر فرما دیا تھا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ یہی حق ہے۔ (۴)

مانع زکوٰۃ کی تعزیر۔ (د ، تعزیر ۶)

۲۔ مال ذخیرہ کرنے کی شرط :

اگر مال کے مالک نے زکوٰۃ ادا کر دی ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے مال کو اپنے پاس بطور ذخیرہ رکھے۔ اور اس صورت میں اس کا مال کنز نہیں ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو یہی فتویٰ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (التوبہ ۳۴)

(دردناک سزا کی خوش خبری دو اُن کو جو سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اُنہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے)

تو مسلمانوں نے اس حکم کو بہت سخت محسوس کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں تمہارے لیے فراخی پیدا کرتا ہوں، چنانچہ آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اے رسولؐ خدا! آپؐ کے اصحاب کو اس آیت کا حکم بہت سخت معلوم ہوا ہے۔ یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لیے مقرر کی تاکہ تمہارا مال پاک کر دے اور میراث اس لیے مقرر کی تاکہ تمہارا مال تمہارے بعد والوں میں تقسیم ہو جائے۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے اللہ اکبر کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ آدمی کا بہترین خزانہ کیا ہے۔ آدمی کا خزانہ اُس کی نیک و پارسا بیوی ہے کہ جب اُسے دیکھے تو خوش ہو جائے اور جب اُسے حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور جب وہ غیر حاضر ہو تو اُس کے مال و عزت کی حفاظت کرے (۱) حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے اس کی زمین کے بارے میں دریافت کیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ فروخت کر دی۔ آپؓ نے اُس سے کہا کہ اپنا مال محفوظ کر لو اور اپنی بیوی کے بستر کے نیچے گڑھا کر کے اس میں چھپا دو۔ اُس نے کہا کہ اے امیر المومنین اگر مال کی زکوٰۃ دے دی جائے تو کیا وہ کنز نہیں ہوتا ؟ (۲) آپ نے فرمایا کہ جب مال کی زکوٰۃ دے دی جائے تو وہ کنز نہیں رہتا۔ (۳)

۳۔ مزکی (زکوٰۃ دہندہ)

زکوٰۃ مسلمانوں کے مال پر عاید ہونے والا ایک مالی فرض ہے ، کیونکہ فرمان الٰہی ہے :

---

(۱) عبدالرزاق ۴/۴۳ (۲) صحیح البخاری، باب وجوب الزکوٰۃ، صحیح مسلم، الایمان، نمبر ۳۰، سنن الترمذی، الزکوٰۃ، نمبر ۲۶۱، سنن ابی داؤد، الزکوٰۃ، نمبر ۱۵۵۶، عبدالرزاق ۶/۶۷، سنن البیہقی ۴/۱۱۴

(۱) ابوداؤد، الزکوٰۃ، حقوق المال نمبر ۱۶۶۴

(۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۸

(۳) عبدالرزاق ۴/۱۰۸

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ

(المعارج ۲۵)

(جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے)

کسی مالکِ مال پر زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں مندرجہ ذیل شرائط موجود ہوں۔

(ا) اسلام :

غیر مسلم کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے اگرچہ وہ خود ان سے وصول ہونے والے ٹیکس کا نام زکوٰۃ رکھ دیں۔ حضرت عمرؓ نے نصاریٰ بنی تغلب سے جزیہ وصول کیا لیکن انہوں نے اسے زکوٰۃ کا نام دیا جو درحقیقت جزیہ ہی تھا۔ (دا جزیہ / ۳ د ۴)

(ب) حریت :

غلام کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ غلام کسی مال کا مالک نہیں ہوتا بلکہ غلام اور اس کا مال اُسکے (آقا) کی ملکیت ہیں، لہٰذا غلام کے پاس جو مال موجود ہے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا مالک پر واجب ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ غلام کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (۱) بنی ہاشم کے ایک غلام نے دریافت کیا کہ میرے پاس کچھ مال ہے کیا میں اس کی زکوٰۃ دوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں۔ اُس نے پوچھا کہ پھر کیا میں صدقہ دے سکتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ ہاں (ا) درہم اور روٹی کا (۲) ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ اے امیرالمومنین کیا غلام پر زکوٰۃ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ اُس نے پوچھا کہ پھر کس پر ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اُس کے مالک پر۔ (۳)

حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ بات طے ہے کہ مکاتب غلام ہی

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۵-ب (۲) الاموال ۷ ۵ ۴
(۳) سنن البیہقی ۴/ ۱۰۹

رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنے اُوپر واجب الادا تمام زرِ کتابت ادا نہ کر دے (۴) (د ا رق ۲ د) چنانچہ مکاتب کے مال پر اُس وقت تک زکوٰۃ عاید نہیں ہوگی جب تک اپنے ذمہ واجب زرِ کتابت ادا نہ کر دے اور آزاد نہ ہو جائے۔ ابوسعید المقبری (جن کا نام کیسان ہے) سے مروی ہے۔ ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس دو سو درہم لے کر پہنچا اور میں نے کہا کہ یہ میرے مال کی زکوٰۃ ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تم آزاد ہو گئے ہو؟ میں نے کہا کہ جی ہاں! آپ نے کہا کہ جاؤ اور جا کر اسے خود ہی تقسیم کر دو۔ (۲) ابوسعید مقبری مکاتب تھے (۳)

(ج) چونکہ ضابطہ یہ ہے کہ جس مال کا مالک مسلمان ہے، اس مال پر زکوٰۃ فرض ہے، لہٰذا جہاں مال موجود ہے اور مُسلمان کی ملکیت میں ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے خواہ وہ مال کسی بالغ مسلمان کی ملکیت میں ہو یا نابالغ کی۔ اور خواہ وہ عاقل ہو یا مجنون (۴) چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ یتیم اور بچے کے مال پر زکوٰۃ واجب ہے (۵) اور حضرت عمرؓ یتیموں کے سرپرستوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ یتیموں کے مال سے آمدنی حاصل کریں تاکہ یہ نہ ہو کہ زکوٰۃ اُن کے مال کو ختم ہی کر دے۔ اور آپ نے کہا کہ یتیموں کے مال کو تجارت میں لگاؤ تاکہ زکوٰۃ اُن کے مال کو نہ کھا جائے (۶) خود حضرت عمرؓ کا یہی عمل تھا کہ آپ یتیم کے مال سے آمدنی حاصل کرتے اور اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرتے تھے (۷)

(۱) المحلی ۵/ ۲۰۴ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۵ ب، سنن البیہقی ۴/ ۱۱۴، المجموع ۶/ ۱۹۳، الاموال ۵۷۱ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۵ ب (۴) المغنی ۲/ ۶۲۲ (۵) المجموع ۵/ ۲۹۹، المحلی ۵/ ۲۰۷ (۶) المؤطا ۱/ ۲۵۱ عبدالرزاق ۴/ ۶۸، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۴، سنن البیہقی ۴/ ۲/ ۴، ۱۰۷، الاموال ۴۴۹ (۷) عبدالرزاق ۴/ ۶۶، المحلی ۵/ ۲۰۸، سنن البیہقی ۴/ ۱۰۷

(د؛ ولایت / ۲ ب ۱)

۴- وہ مال جس پر زکوۃ واجب ہے :

حضرت عمرؓ نے دمشق میں اپنے عامل کو تحریر کیا کہ زکوۃ فصلوں پر، نقود پر اور مویشی پر ہے۔(۱) لیکن جب ہم ان اموال کا جائزہ لیتے ہیں جن پر حضرت عمرؓ نے زکوۃ عاید کی تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سونے اور چاندی پر، مال تجارت پر، مویشی یعنی گائے بکری اور اُونٹ پر زکوۃ عاید کی۔ اور بعد میں حضرت عمرؓ نے گھوڑوں، غلاموں، زرعی پیداوار اور شہد کو بھی زکوۃ کے اموال میں داخل کر دیا۔ گویا شہد کو آپ نے زرعی اشیا میں شامل کر دیا تھا۔

(و) مال پر زکوۃ عاید ہونے کی شرائط :

کسی مال پر زکوۃ عاید ہونے کی شرائط درج ذیل ہیں۔

۱۔ کسی کی مِلک ہو اور بقدر نصاب ہو اور اس مال پر کوئی قرض نہ ہو، چنانچہ اگر مال کا مالک کوئی انسان نہ ہو تو اس پر زکوۃ نہیں ہے۔ نیز اگر کسی کے پاس مال موجود ہو اور اس پر سال بھی گزر جائے لیکن اس پر قرض ہو تو پہلے اس مال میں سے سارا قرض وضع کیا جائے گا، پھر باقی مال پر زکوۃ عاید ہوگی۔ اور اگر اس کا کسی کے ذمّے قرض ہو تو وہ قرض اصل مال میں جمع کر کے اس تمام مال پر زکوۃ عاید ہوگی۔ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے امیر المومنین جب میرے زکوۃ دینے کا وقت آجائے تو کیا میں فوراً زکوۃ ادا کر دوں اور پھر اپنے گھر والوں پر صرف کروں اور اپنا قرض ادا کروں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جلدی نہ کرو اور اپنے قرض کا جو قابلِ وصول ہو اور جو تمہارے اُوپر لازم ہو، اس سب کا حساب کرو اور پھر سب کی زکوۃ ادا کر دو (۱) یعنی زکوۃ کی ادائیگی سے پہلے قرض کی ادائیگی لازم نہیں ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو مال موجود ہے، اُس میں سے قرض منہا کر کے باقی مال پر زکوۃ ادا کر دے اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب زکوۃ کا وقت آجائے تو جو مال موجود ہو اس کا بھی حساب لگاؤ اور جو قرض تم پر ہے اسکا بھی حساب کر کے سب کو جمع کر لو اور پھر زکوۃ ادا کر دو (۲) اور ایک اور شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ میری زکوۃ کی ادائیگی کا وقت آجائے اور میرا قرض بھی کسی کے ذمہ ہو تو کیا کروں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی زکوۃ ادا کر دو (۳) اور کسی مال پر اس وقت تک زکوۃ نہیں ہے جب تک زکاۃ کا نصاب پُورا نہ ہو جائے، جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

۲۔ مال ایسا ہو جس میں بڑھنے کی صلاحیت ہو۔ اگر مال بڑھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس پر زکوۃ نہیں ہے۔ سونا اور چاندی طبعی طور پر بڑھوتری کی صلاحیت رکھتے ہیں، کیونکہ سونا اور چاندی اسی مقصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، اسی لیے ان پر ہر حال میں زکوۃ واجب ہے، خواہ اُنہیں عملاً ایسے مصرف میں لایا جائے جس سے ان میں اضافہ ہو یا نہ لایا جائے مثلاً یہ کہ اُن کے زیور بنا لیے گئے ہوں کہ زیور اگرچہ عملاً بڑھ نہیں رہا ہے لیکن وہ بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک اگر زیورات سونے اور چاندی کے ہوں تو اُن پر زکوۃ لازم ہے۔

گھریلو استعمال کی اشیاء اور سامان پر زکوۃ واجب نہیں ہے، کیونکہ یہ اشیا اور سامان بڑھوتری اور حصولِ نفع کے لیے مہیا نہیں کی گئی ہیں، جب کہ مالِ تجارت پر زکوۃ واجب ہے۔ نیز

(۱) الموطا ۱/ ۲۴۵۔

(۱) المحلی ۶/ ۱۰۰، ۱۰۳، عبدالرزاق ۴/ ۱۰۲ (۲) المحلی ۶/ ۱۰۱، الاموال ۴۳۰، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۵ ب (۳) عبدالرزاق ۴/ ۱۰۲

راہ خدا میں جہاد کے لیے تیار رکھے جانیوالے گھوڑوں پر زکوۃ نہیں ہے جبکہ ان گھوڑوں پر زکوۃ ہے جو نسل کشی کے لیے رکھے گئے ہوں۔ یہ تمام تفصیل آگے آرہی ہے۔

۳۔ سال پورا ہونا :

زرِ نقد، مال تجارت اور مویشیوں پر اس وقت تک زکوۃ عاید نہیں ہوتی جب تک ان کے نصاب پر ایک سال نہ گزر جائے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ لوگوں کو جو عطیات (تنخواہیں) دیا کرتے اس پر زکوۃ نہیں لیا کرتے تھے کیونکہ اُن پر حولان حول یعنی ایک سال کی مدت پوری نہیں ہوتی تھی (۱) جب کہ زرعی پیداوار کی زکوۃ میں سال کا پورا ہونا شرط نہیں ہے۔

اگر سال کے دوران کسی کے پاس کچھ مزید مال آگیا تو یہ مال یا تو اسی جنس کا ہوگا جو اس کے پاس پہلے سے موجود ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور مال ہوگا۔

اگر یہ بعد میں آنے والا مال اسی نوعیت کا مال ہے جیسا پہلے موجود تھا تو وہ اسے پہلے مال میں ملاکر جملہ مال کی ایک ساتھ زکوۃ ادا کرے اور یہ سمجھا جائے گا کہ بعد میں آنے والے مال پر سال پورا ہو چکا ہے، اس لیے کہ جو مال پہلے موجود ہے اس پر سال پورا ہو چکا ہے کیونکہ جو مال پہلے سے موجود تھا وہ اصل ہے اور جو بعد میں آیا ہے وہ اُس کے تابع ہے، لہذا بعد کا مال سال پورا ہونے کے سلسلہ میں بھی پہلے مال کے تابع ہوگا اور اگر مالِ مستفاد اس نوعیت کا نہیں ہے جو اُس کے پاس پہلے سے موجود ہے۔ مثلاً پہلے اس کے پاس دراہم تھے اور درمیان سال میں اُس کے پاس اُونٹ آگئے تو ان اُونٹوں کا حساب جدا ہوگا اور اُن کو پہلے مال کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ بلکہ اگر مال مستفاد بقدر نصاب ہو تو اس کے سال گزرنے کا انتظار کیا جائے گا اور اس کے بعد اس پر زکوۃ عاید ہوگی اور اگر نصاب مکمل نہیں ہے تو اس پر کوئی زکوۃ نہیں ہے (۱) اسی بنا پر حضرت عمرؓ جانوروں کے دورانِ سال پیدا ہونے والے بچوں کو بھی ان جانوروں کے ساتھ شامل کرکے زکوۃ وصول کیا کرتے تھے (۲) جیسا کہ عنقریب آگے بیان ہوگا۔ (د: زکوۃ /۴ د)

(۱) الاموال ۴۱۲

۴۔ مویشیوں کی چرائی :

مویشی پر اُسی وقت زکوۃ عاید ہوتی ہے جب وہ چرائے جاتے ہوں اور اُن سے نسل کشی یا تجارت مقصود ہو۔ اگر چراگاہ میں چرنے والے ہوں اور نسل کشی مقصود ہو تو وہ زکوۃ عاید ہوگی جو چوپایوں کی زکوۃ ہے اور اگر تجارت مقصود ہے تو وہ زکوۃ عاید ہوگی جو مال تجارت کی زکوۃ ہے۔ اسی لیے غیر سائمہ جانوروں پر جنہیں چارہ دیا جاتا ہو زکوۃ نہیں ہے اور اس جانور پر بھی زکوۃ نہیں ہے جس کا مقصود نسل کشی نہ ہو اور اُن سے باربرداری کا کام لیا جاتا ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ چالیس بکریوں پر جو چراگاہ میں چرتی ہوں ایک بکری زکوۃ ہے (۳) گویا حضرت عمرؓ نے بکری پر زکوۃ عاید ہونے کی یہ شرط بیان کی کہ وہ سائمہ یعنی چراگاہ میں چرنے والی ہو اور یہی تمام مویشیوں کی شرط ہے۔

(ب) سونے اور چاندی کی زکوۃ :

۱۔ چاندی کی زکوۃ۔

چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اور جب تک مقدار نصاب کو نہ پہنچے چاندی پر زکوۃ نہیں ہے۔ اور دوسو درہم پر پانچ درہم زکوۃ ہے (۴) حضرت ابوموسیٰ اشعری کے نام حضرت عمرؓ نے

(۱) المغنی ۲/۶۲۶ (۲) عبدالرزاق ۸/۲ (۳) المحلی ۶/۵۹، ۸۲، الاموال ۴۰۸ - (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۱ ب

اپنی ایک تحریر میں لکھا کہ جو مسلمان تاجر تمہارے یہاں سے گزریں، اُن سے دو سو درہم پر پانچ درہم زکوۃ وصول کرو (۱) انس بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ مجھے انس بن مالکؓ نے ابلہ پر عامل بنا کر بھیجا۔ میں نے کہا کہ آپ نے مجھے سب سے بُرے عمل کے لیے بھیجا ہے۔ اُنہوں نے حضرت عمرؓ کی تحریر نکالی جس میں لکھا تھا کہ مسلمانوں سے ہر چالیس درہم پر ایک درہم لے لو (۲) اگر چاندی دو سو درہم ہو۔ اور دو سو درہم سے زائد ہونے کی صورت میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ دو سو درہم سے زائد چاندی کی صورت میں ہر چالیس درہم پر ایک درہم ہے (۳) اور حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے مجھے عراق کے ٹیکس کی وصول کے لیے روانہ کیا اور فرمایا کہ کسی مسلمان کا مال اگر دو سو درہم ہو تو اس پر پانچ درہم لے لو اور دو سو درہم سے زائد ہونے کی صورت میں ہر چالیس درہم پر ایک درہم وصول کرو۔ (۴)

۲۔ سونے کی زکوۃ :

سونے کا نصاب زکوۃ بیس دینار ہے، یعنی اگر بیس دینار ہو جائیں تو اس پر نصف دینار زکوۃ ہے۔ (۵) اور اس سے زائد مقدار پر ہر چار دینار پر ایک درہم ہے۔ (۶)

۳۔ زیورات پر زکوۃ :

اگر عورت کے پاس سونے یا چاندی کا زیور ہے تو اس پر زکوۃ عاید ہوگی (۷) حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ کہ تمہارے یہاں جو مسلمان عورتیں ہیں، اُنہیں حکم دو کہ اپنے زیورات پر زکوۃ ادا کریں۔ (۱)

۴۔ زکوۃ جس چیز پر عاید ہو اس کی جگہ دوسری شے دینا :

اصول یہی ہے کہ جس شے پر زکوۃ ہو اسی میں سے زکوۃ ادا کی جائے یعنی سونے کی زکوۃ سونے میں ادا کی جائے اور چاندی کی زکوۃ چاندی میں ادا کی جائے لیکن حضرت عمرؓ لوگوں کی سہولت کے پیش نظر بدل یعنی اس چیز کی بجائے اُسی قیمت کی دوسری چیز بھی قبول فرما لیا کرتے تھے اور آپ سونے یا چاندی کے بدلے سامان لے لیا کرتے تھے، چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت عمرؓ چاندی وغیرہ کی زکوۃ سامان کی صورت میں قبول کر لیتے تھے۔ (۲)

(ج) اموالِ تجارت پر زکوۃ

حضرت عمرؓ کے نزدیک سامانِ تجارت پر (۳) سال گزرنے کے بعد (۴) زکوۃ عاید ہو جاتی ہے، چنانچہ آپ نے حماس لیثی کو حکم دیا کہ اپنے سامانِ تجارت کی قیمت لگالیں اور اس کی زکوۃ دیں۔ حماس سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ تشریف لائے اور کہا کہ اے حماس اپنے مال کی زکوۃ ادا کرو۔ میں نے کہا کہ میرے پاس ترکش اور چمڑا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس کی قیمت لگالو اور زکوۃ ادا کر دو۔ (۵) رحمن بن عبدالقاری بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے عہد میں بیت المال پر مقرر تھا کہ حضرت عمرؓ جب "عطا" نکالتے تو تمام موجود اور غیر موجود مال تجارت کو جمع کر کے اس کا حساب

(۱) عبدالرزاق ۴/۸۸ (۲) اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلی ۱۳۰ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۱ ب، المحلی ۶/۹۰، ۷۲ (۴) الاموال ۴۲۲
(۵) الاموال ۴۰۸ (۶) الاموال ۴۲۲ (۷) المغنی ۳/۹
المجموع ۶/۳۱، ۳۲۔

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۴ ب، البیہقی ۴/۱۳۹، المحلی ۶/۷۵ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۷، عبدالرزاق ۴/۱۵، المغنی ۳/۶۵
(۳) المجموع ۶/۴۴، المغنی ۳/۶۵ (۴) اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلی ۱۲۱ (۵) عبدالرزاق ۴/۹۶، ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۷
المغنی ۳/۳۰، البیہقی ۱۴۰/۷، الاموال ۴۲۵

کرتے۔ اور تمام موجود اور غائب مال کی جانب سے موجود مال میں سے زکوٰۃ دیتے (۱) اور جب کوئی تاجر زکوٰۃ وصول کرنے والے کے پاس سے گزرتا تو وہ اس کے تمام نقود اور تجارت کے سامان کا حساب کر کے اس میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ وصول کرتا۔ (دیکھئے عشر ۷/و ۱)

(د) جانوروں پر زکوٰۃ:

۱۔ سائمہ یعنی چراگاہ میں چرنے والی ہونے کی شرط: حضرت عمرؓ کے نزدیک مویشیوں پر اُسی وقت زکوٰۃ عاید ہوتی ہے جب وہ سائمہ (چراگاہ میں چرنے والے) ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ 'چالیس چرنے والی بکریوں پر ایک بکری زکوٰۃ ہے'۔ (۲) (دیکھئے زکوٰۃ/۴ و ۴)

۲۔ بچوں کو بڑے جانوروں کے ساتھ شمار کرنا: زکوٰۃ کا حساب کرتے وقت بڑے جانوروں کے ساتھ اُن کے بچے بھی شمار ہوں گے اور ان سب پر مجموعی طور پر زکوٰۃ عاید ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے سفیان بن عبداللہ ثقفی کو طائف میں زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے بھیجا، وہ لوگ بکری کے بچے بھی زکوٰۃ کے حساب میں شمار کرتے تھے۔ انہوں نے آکر حضرت عمرؓ کو اس کے بارے میں بتایا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ان کے بکری کے بچے بھی شمار کرو، حتّٰی کہ وہ بچہ بھی جو چرواہا ہاتھ میں اٹھا کر لایا ہو، لیکن اُنہیں زکوٰۃ میں وصول نہ کرو۔ (۳) امام ابو یوسف کی کتاب الخراج میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے سفیان بن مالک کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے بصرہ روانہ کیا۔ وہ وہاں کچھ عرصہ اس خدمت کو انجام دیتے رہے، پھر انہوں نے حضرت عمرؓ سے جہاد کی اجازت چاہی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا اب تم مصروف جہاد نہیں ہو؟ اُنہوں نے کہا، کہاں؟ جب کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ شخص ظلم کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کس طرح، اُنہوں نے بتایا کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بکری کے بچے بھی شمار کر لیتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں انہیں شمار کرو، اگرچہ چرواہا اُسے کندھوں پر اُٹھا کر لائے۔ کیا تم اُن کے لیے وہ بھیڑ بکری نہیں چھوڑ دیتے جس نے تازہ بچہ دیا ہو اور وہ اُسے دُودھ پلاتی ہو اور وہ بکری جو اُنہوں نے ذبح کے لیے رکھی ہُوئی ہو اور وہ اُسے چارہ کھلاتے ہوں اور وہ بکری جو بچہ دینے والی ہو۔ اور وہ نر بکرا جو نسل کشی کے لیے رکھا گیا ہو۔ (۱)

۳۔ جانوروں پر جو زکوٰۃ واجب الادا ہوگی، اس میں صرف اوسط درجہ کے جانور لیے جائیں گے۔ (۲) اس کی صُورت یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا جب جانوروں کی زکوٰۃ وصول کرنے جائے گا تو وہ ان جانوں کو تین حصّوں میں تقسیم کرے گا اور مویشی کا مالک ان میں سے ایک ثلث اپنے لیے منتخب کرے گا جس میں سے زکوٰۃ وصول کنندہ کچھ نہیں لے گا اور جو زکوٰۃ واجب ہے وہ باقی دو ثلث میں سے لے گا، چنانچہ سعد العرج سے مروی ہے کہ (۳) حضرت عمرؓ نے سعد سے ملاقات کی اور اُن سے پوچھا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے، اُنہوں نے فرمایا کہ جہاد کا ارادہ ہے، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اپنے ساتھی یعنی یعلی بن اُمیہ کے پاس جاؤ کہ حق کو بروئے کار لانا سب سے بہترین جہاد ہے اور اُن سے کہو کہ جب تم مویشی جانوروں کا صدقہ وصول کرنے لگو تو حسنِ عمل کو اور جانوروں کے مالک کو فراموش نہ کرو اور جانوروں کو تین حصّوں میں تقسیم کر لو۔ ازاں بعد جانوروں کا مالک ان میں سے

(۱) الاموال ۴۰۸، المحلی ۸۲۰۵۹/۶

(۲) الاموال ۴۲۵، المحلی ۲۳۴/۵، ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۶ ب

(۳) المؤطا ۱/۲۶۵، المحلی ۲۷۵/۵، ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۳، الاموال ۳۸۸، المجموع ۳۳۵/۵، ۳۶۰، المغنی ۶۰۲/۲

(۱) خراج ابی یوسف ۹۸ (۲) المغنی ۶۰۱/۲ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ میں 'سعید' ہے لیکن درست 'سعد' ہی ہے۔

ایک ثلث اپنے لیے منتخب کرلے، پھر باقی ماندہ دو ثلث میں سے تم زکوٰۃ کے جانور چھانٹ لو (۱) ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب تمہارے سامنے بکریاں پیش کی جائیں تو بکریوں کے دو حصے کرلو اور ایک حصے میں سے زکوٰۃ کی بکریاں چھانٹ لو (۲) ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں، اس لیے کہ یہ شرط نہیں ہے کہ ہر دو حصے مساوی ہوں۔

زکوٰۃ وصول کنندہ بوڑھا اور کانا جانور نہ لے۔ اسی طرح وہ جانور بھی نہ لے جو گوشت کھانے کے لیے گھر میں پالا جاتا ہے وغیرہ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بوڑھا اور کانا اور نر نہیں لیا جائے گا الا یہ کہ زکوٰۃ دینے والا خود دینا چاہے۔ (۳) نیز آپ نے اپنے ایک عامل سے فرمایا کہ اُن سے کہہ دینا کہ وہ بکری نہیں لوں گا جس کا گوشت کھانے کے لیے اُسے گھر میں رکھا گیا ہو، نہ میں نسل کشی کا نر لوں گا۔ اور وہ بکری بھی نہیں لوں گا جس نے ابھی بچہ دیا ہو اور وہ بچے کو دُودھ پلاتی ہو۔ اور نہ میں ایسی بکری لوں گا جو عنقریب بچہ جننے والی ہو۔ البتہ میں یک سالہ بکریاں، دو سالہ بکریاں اور دو سالہ گائیں اور تین سالہ گائے بکریاں لوں گا' اس طرح اچھے اور بُرے مال میں عدل قائم ہو جائے گا۔ (۴) حضرت عمرؓ کے پاس زکوٰۃ کی بکریاں لائی گئیں۔ آپ نے دیکھا کہ ایک بکری بہت بڑے بڑے اور دُودھ بھرے تھنوں والی ہے۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیسی بکری ہے۔ بتایا گیا کہ زکوٰۃ کی بکری ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے اس کے مالک نے بخوشی نہیں دیا ہوگا۔ لوگوں کو آزمائش

(۱) عبدالرزاق ۴/۱۳ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۳ (۳) عبدالرزاق ۴/۸ (۴) المحلی ۵/۲۷۳، ۲/۹۰۱ ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۳، الموطا ۱/۲۶۵، المجموع ۵/۲۶۰ خراج ابی یوسف ۹۸، الاموال ۳۸۸، ۳۹۰

میں نہ ڈالو اور مسلمانوں کی وہ بکریاں نہ لو جو انہوں نے ذبح کے لیے رکھی ہوں اور کھانے کی چیزوں سے بچتے رہو۔

۴۔ اُونٹوں کی زکوٰۃ :

(و) اُونٹوں میں نصاب زکوٰۃ۔

پانچ اُونٹوں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ پانچ پر ایک بکری ہے اور ازاں بعد شرح زکوٰۃ درج ذیل ہے۔

ہر پانچ اُونٹ پر ایک بکری یہاں تک کہ دس ہو جائیں۔
ہر دس اُونٹ پر دو بکریاں یہاں تک کہ پندرہ ہو جائیں۔
ہر پندرہ اُونٹ پر تین بکریاں یہاں تک کہ بیس ہو جائیں۔
ہر بیس اُونٹ پر چار بکریاں یہاں تک کہ پچیس ہو جائیں۔
ہر پچیس اُونٹ پر ایک دو سالہ اُونٹنی یہاں تک تعداد چھتیس ہو جائے۔
ہر چھتیس اُونٹوں پر ایک تین سالہ اُونٹنی یہاں تک کہ تعداد چھیالیس ہو جائے۔
ہر چھیالیس اُونٹوں پر ایک چار سالہ اُونٹنی یہاں تک کہ تعداد اکسٹھ ہو جائے۔
ہر اکسٹھ اُونٹوں پر ایک پانچ سالہ اُونٹنی یہاں تک کہ تعداد چھہتر ہو جائے۔
ہر چھہتر اُونٹوں پر دو تین سالہ اُونٹنیاں یہاں تک کہ تعداد اکانوے ہو جائے۔
ہر اکانوے اُونٹوں پر دو چار سالہ اُونٹنیاں۔

اس سے زائد ہر چالیس اُونٹوں پر ایک تین سالہ اُونٹنی اور ہر پچاس اُونٹ پر ایک چار سالہ اُونٹنی۔ (۱)

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۲، عبدالرزاق ۴/۸، الموطا ۱/۲۵۷، البیہقی ۴/۸۶ المحلی ۶/۲۳، ۵/۴۲ الاموال ۴۵۹

(ب) اگر کسی شخص پر اُونٹوں کی زکوٰۃ میں سے کسی خاص عمر کا اُونٹ واجب ہو اور وہ اُس کے پاس نہ ہو مثلاً تین سالہ اُونٹنی واجب ہو اور اُس سے بڑی عمر کا اُونٹ موجود ہو مثلاً چار سالہ اُونٹنی موجود ہو تو زکوٰۃ وصول کنندہ اسی کو وصول کرے گا۔ اور جانوروں کے مالک کو دو بکریاں دے دے گا کہ دونوں عمروں کا یہی فرق بنتا ہے۔ یا دو بکریوں کی قیمت دے دے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مطلوبہ عمر کا جانور موجود نہ ہو تو زائد عمر کا جانور لے لے اور جانور کے مالک کو دو بکریاں یا دس درہم دے دے۔(۱) حضرت عمرؓ نے اپنے کسی عامل کو لکھ کر بھیجا کہ کسی ایسے شخص سے جس کے پاس زکوٰۃ میں واجب الادا مطلوبہ عمر کا اُونٹ موجود نہ ہو، نہ وصول کیا جائے مگر صرف اُس کے مثل عمر کا اُونٹ یا اس کی منصفانہ قیمت۔ (۲)

(ج) بکریوں کی زکوٰۃ :

چالیس سے کم تعداد بھیڑ بکریوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ جب کسی زکوٰۃ وصول کنندہ کو روانہ کرتے تو اُسے یہ تحریر دے کر بھیجتے کہ "چالیس سے کم تعداد بھیڑ بکریوں پر زکوٰۃ نہیں ہے" (۳) البتہ چالیس اور اس سے زائد بکریوں پر مندرجہ ذیل شرح سے زکوٰۃ وصول کی جائے۔

چالیس سے ایک سو بیس بکریوں تک ایک بکری۔
ایک سو اکیس سے دو سو بکریوں تک دو بکریاں۔
دو سو ایک سے تین سو بکریوں تک تین بکریاں۔
تین سو ایک کے بعد ہر سو بکریوں پر ایک بکری۔ (۴)

(۱) عبدالرزاق ۴/۴۰، المحلی ۶/۲۳ (۲) عبدالرزاق ۴/۴۰ ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۰ ب (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۲ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۲، عبدالرزاق ۴/۸، المحلی ۵/۲۲۹ ؛ ۶/۴۵، الاموال ۳۸۶

۶۔ گائے کی زکوٰۃ :

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ گائے کی زکوٰۃ اُونٹ کی زکوٰۃ کی مانند ہے۔ چنانچہ محمد بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے فرمان میں ہے کہ "گائے پر اسی طرح زکوٰۃ لی جائے گی جس طرح اُونٹ پر لی جاتی ہے"۔ (۱)

۷۔ گھوڑے اور غلام پر زکوٰۃ :

عہدِ نبویؐ اور عہدِ صدیقِ اکبرؓ میں گھوڑے اور غلام پر زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی (۲) حضرت عمرؓ کے دورِ اوّل میں بھی اُن پر زکوٰۃ نہیں تھی۔ پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ جب حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح شام کے والی تھے۔ اُن کے پاس کچھ اہلِ تقویٰ آئے اور اُن سے کہا کہ ہمارے گھوڑوں اور غلاموں پر زکوٰۃ لے لیا کریں۔ اُنہوں نے انکار کیا۔ پھر حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو تحریر کیا۔ حضرت عمرؓ نے بھی گریز کیا، چنانچہ وہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارا مال گھوڑے اور غلام ہیں، آپ ان پر ہم سے زکوٰۃ لیجیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں کسی ایسی شے پر زکوٰۃ نہیں لوں گا جس پر مجھ سے پہلے نہیں لی گئی۔ ازاں بعد آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا جس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب یہ لوگ خوش دلی سے دینا چاہتے ہیں تو اچھا ہے آپ ان سے قبول فرما لیں لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ یہ آپ کے بعد جزیہ نہ بن جائے، چنانچہ آپؓ نے گھوڑوں پر دس درہم اور غلاموں پر دس درہم سالانہ مقرر فرمائے اور گھوڑے کے مالک کے لیے فی گھوڑا دس جریب ماہانہ اور غلام کے مالک کے لیے فی غلام دو جریب ماہانہ روزینہ مقرر فرمایا۔ پھر جب حضرت معاویہؓ کا عہد آیا تو اُنہوں نے حساب کیا جس سے معلوم

(۱) المحلی ۶/۲، ۴، مستدرک الحاکم ۱/۳۹۴، سنن دارالقطنی ۲۱۰
(۲) مسند الامام احمد ۱/۱۸

ہوا کہ ان لوگوں کو جو دیا جارہا ہے وہ اس سے زائد ہے جو اُن سے لیا جارہا ہے تو اُنہوں نے اس سلسلے کو ختم کر دیا اور دینا بھی بند کر دیا اور لینا بھی۔ (۱) اصل صورتِ حال یہ ہے کہ یہ حضرات جو کچھ دیتے تھے وہ زکوٰۃ نہیں تھی بلکہ تبرع تھا اور حضرت عمرؓ نے اُن کے خلوص اور اُن کے پاکیزہ جذبات کی قدر افزائی فرمائی اور اس کے صلہ میں ان کے گھوڑوں اور غلاموں کا روزینہ مقرر فرمایا اور جو آپ نے لیا تھا اُس سے زائد اُن کو دیا۔ یہ صورت اس وقت تک برقرار رہی، جس وقت یعلیٰ بن اُمیہ کے بھائی عبدالرحمٰن بن اُمیہ نے یمن کے ایک شخص سے سو جوان اُونٹنیوں[۲] کے عوض ایک گھوڑی خریدی، لیکن فروخت کنندہ اس پر بھی پشیمان تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور عرض کی کہ یعلیٰ اور اُس کے بھائی نے میری گھوڑی غصب کر لی ہے۔ حضرت عمرؓ نے یعلیٰ کو تحریر کیا کہ میرے پاس پہنچو، وہ آئے اور اُنہوں نے حضرت عمرؓ کو معاملہ سے آگاہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے یہاں گھوڑے کی اس قدر قیمت ہے ؟ اُنہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ کسی گھوڑے کی اس قدر قیمت لگی ہو جس قدر اس گھوڑے کی لگی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم تو چالیس بکریوں پر ایک بکری لیتے ہیں تو کیا ہم گھوڑوں پر کچھ نہ لیں ؟ ایک گھوڑے پر ایک دینار لیا کرو اور اس طرح آپ نے فی گھوڑا ایک دینار زکوٰۃ مقرر فرمادی[۳]، چنانچہ ابنِ ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ السائبؓ، جو حضرت عمرؓ کے بھانجے تھے، حضرت عمرؓ کے پاس گھوڑوں کی زکوٰۃ لے کر آتے تھے[۴]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ اولاً گھوڑوں اور غلاموں پر جو کچھ وصول کیا کرتے تھے وہ بطورِ تبرع تھا۔ ازاں بعد آپ نے گھوڑوں کی زکوٰۃ مقرر کر کے وصولی لازم کر دی اور غلاموں پر جو کچھ ادا کیا جاتا تھا اس کو بدستور تبرع کی صُورت میں برقرار رکھا۔

(ھ) زرعی پیداوار کی زکوٰۃ :

۱۔کس زرعی پیداوار پر زکوٰۃ ہے۔

ہر اس زرعی پیداوار پر زکوٰۃ ہے جسے سکھا کر ذخیرہ کیا جاتا ہے اور پیمانوں سے ناپ کر فروخت کیا جاتا ہے۔ نیز ایسی زرعی پیداوار پر بھی زکوٰۃ ہے جس کو نچوڑ کر محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ خشک کی جانے والی چیزوں کی مثال جیسے گندم، چاول، مکئی اور دالیں یا جیسے مسور کی دال اور چنے کی دال وغیرہ۔ چنانچہ سالم سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے دالوں پر زکوٰۃ وصول فرمائی (۱) اور جیسے انگور کہ وہ بھی سوکھ کر اور کشمش بن کر باقی رہتا ہے ؛ چنانچہ سفیان بن عبداللہ ثقفی نے جو حضرت عمرؓ کی جانب سے طائف کے عامل تھے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ اُن کے یہاں باغات ہیں جن میں انگور، زرد آلو اور انار ہیں اور انار کی پیداوار انگوروں سے کئی گنا زیادہ ہے، آپ ان کے عشر کے بارے میں تحریر فرمایئے۔ حضرت عمرؓ نے تحریر کیا کہ ان میں عشر نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ سب جھاڑیاں ہیں اور ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔(۲)

جو پھل نچوڑیں جائیں اور باقی رہیں تو وہ مکیلات (ناپی جانے والی اشیأ) میں سے ہیں جیسے زیتون اور اس میں زکوٰۃ ہے حضرت عمرؓ جب جابیہ آئے تو اُن کو بتایا گیا کہ زیتون پر عشر ہونے کے بارے میں صحابہؓ کے مابین اختلاف ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا

عبدالرزاق ۴/د۲، ابن ابی شیبہ/۴ ۳۴ب، الموطا ۱/ ۲۷ ہو المحلی ۵/۲۲۹، ۲۷۰، الاموال ۴۵۴، بدائع الصنائع ۲/۳۴، المغنی ۲/ ۶۲۰ (۲) وہ نوجوان اُونٹنی جس پر پہلی مرتبہ سواری کی گئی ہو۔ (۳) عبدالرزاق ۴/۳۶، سنن البیہقی ۴/ ۱۱۹، المحلی ۵/ ۲۲۷ بدائع الصنائع ۲/ ۳۴، (۴) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۴

(۱) عبدالرزاق ۴/ ۱۲۰ (۲) سنن البیہقی ۴/ ۱۲۵ خراج یحییٰ ۱۵۵، المغنی ۲/ ۶۹۳

کہ اس میں عشر ہے"[۱] رجاء بن سلمہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے یزید بن یزید بن جابر سے زیتون کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے شام میں اس پر عشر عاید فرمایا تھا[۲] غرض انار اور زرد آلو پر زکوۃ نہیں ہے کیونکہ یہ نہ باقی رہتے ہیں اور نہ مکیلات ہیں۔ اسی طرح سبزیوں پر زکوۃ نہیں ہے کیونکہ سبزیاں بھی مکیلات نہیں ہیں اور باقی نہیں رہتیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سبزیوں پر زکوۃ نہیں ہے۔[۳] ہم نے یہ بات کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک پھلوں پر زکوۃ عاید ہونے کی شرط یہ تھی کہ وہ مکیلات میں سے ہوں اس لیے کہی کہ آپ نے نصاب زکوۃ بحساب کیل پانچ وسق قرار دیا ہے۔

۲۔ زرعی پیداوار کا نصاب:

(ا) زرعی پیداوار پر اس وقت تک زکوۃ نہیں ہے جب تک اس کی مقدار سوکھنے اور نچوڑے جانے سے پہلے پانچ وسق (تقریباً ۱۳ من) نہ ہو جائے[۴] اگر مالک چاہے تو اس پھل کے سوکھنے اور نچوڑے جانے سے قبل زکوۃ دے دے اور چاہے تو سوکھنے اور نچوڑے جانے کے بعد زکوۃ دے ــــ چنانچہ زیتون کے بیج اگر پانچ وسق ہو جائیں، تو چاہے مقررہ زکوۃ دانوں کی صورت میں ادا کر دے اور اگر چاہے تو تیل کی صورت میں دے دے۔

(ب) امام کے لیے مناسب ہے کہ جب پھل پکنے کے قریب ہوں تو اُن کی مقدار کا اندازہ کرنے کے لیے ساعی روانہ کر دے جو اندازہ کر کے یہ معلوم کرے کہ کس قدر زکوۃ واجب ہو گی اور اس امر سے مالک کو بھی آگاہ کر دے[۵] اندازہ کرنے والا پھل کی اتنی مقدار جس کے جھڑ کر ضائع ہو جانے کا امکان ہو زکوۃ کے حساب میں شمار نہ کرے اور اسے مالک کے لیے چھوڑ دے۔ نیز اگر باغ میں کچھ لوگ رہتے بھی ہوں تو اُن کے لیے اور اُن کے مہمانوں کے لیے بھی کچھ چھوڑ دے اور تخمینہ میں منہا کر دے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوحثمہ سہل بن حثمہ کو خارص (تخمینہ لگانے والا) مقرر کر کے بھیجتے تو انہیں فرماتے کہ جب تم کسی باغ میں پہنچو جہاں اُس کے مالک بھی رہتے ہوں تو اتنی مقدار جو اُن کے کھانے کے لیے ہو تخمینہ میں شامل نہ کرو۔[۱] آپ خراص سے یہ بھی فرماتے کہ پھل کی وہ مقدار تخمینہ میں شامل نہ کرو جس کے گر جانے کا امکان ہو اور جتنا وہ کھا سکتے ہوں[۲]۔ نیز آپ خراص سے کہتے کہ تخمینہ لگانے میں نرمی برتو کیونکہ باغ میں عریہ، وطیہ اور اکلہ بھی ہوتے ہیں۔ ولید کہتے ہیں کہ میں نے ابوعمر سے پوچھا کہ عریہ کیا ہے، انہوں نے کہا کہ کھجور کے ایک دو یا تین درخت جو مالک اہل ضرورت کیلئے چھوڑ دے۔ میں نے پوچھا کہ اکلہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ باغ کے مالک جو پکا ہوا پھل اس میں سے کھا لیں، یہ پھل اندازہ میں ساقط کر دیا جائے گا۔ میں نے پوچھا کہ وطیہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ پھل جو ملاقات کے لیے آنے جانے والوں کو کھلا دیا جائے۔[۳]

(و) شہد کی زکوۃ:

۱۔ شہد پر زکوۃ کا وجوب: حضرت عمرؓ شہد پر زکوۃ لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ شہد پر عشر لازم ہے۔[۴] طائف کے

---

(۱) سنن البیہقی ۴/۱۲۶ (۲) سنن البیہقی ۱/۳۳ ب۔ الاموال ۲/۶۹۳ (۳) سنن البیہقی ۴/۲۲۹، الاموال ۵۰۱، خراج یحیی ۱۵۵ (۴) الاموال ۴۸۰ پانچ وسق تقریباً ۵۲۰ کلوگرام کے برابر ہیں۔ (۵) المغنی ۲/۷۰۶

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۸ ب، سنن البیہقی ۴/۱۲۴، المحلی ۵/۲۵۹، الاموال ۴۸۶، المغنی ۸/۸۰۷ (۲) عبدالرزاق ۴/۱۲۹، المحلی ۵/۲۶۰ (۳) سنن البیہقی ۴/۱۲۴ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۳ ب، خراج ابی یوسف ۶۶، المغنی ۲/۷۱۳

عامل سفیان بن عبداللہ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ میرے یہاں کے لوگ چاہتے ہیں کہ میں اُن کے لیے ایک پہاڑی کو حمٰی (محفوظ) بنادوں یا یہ کہا کہ ان کی شہد کی مکھیوں کو حمٰی قرار دے دوں۔ اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے تحریر کیا کہ شہد کی مکھی جنگلی آزاد مکھی ہے جس کا کوئی ایک دوسرے سے زیادہ حقدار نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی پر آمادہ ہوں تو اُسے اُن کے لیے حمٰی بنادو۔(۱) اس کے جواب میں سفیان نے لکھا کہ وہ لوگ زکوٰۃ دینے کے لیے تیار ہیں تو حضرت عمرؓ نے سفیان کو جواب بھیجا کہ اسے ان کے لیے مخصوص و محفوظ کردو اور اُن سے عشر وصول کرو۔

۲۔ شہد کی زکوٰۃ کا نصاب، شہد پر اس وقت تک زکوٰۃ نہیں ہے جب تک وہ دس فرق (تقریباً دو من) نہ ہوجائے، چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس یمن کے بعض لوگ آئے اور اُنہوں نے آپ سے ایک وادی بطور جاگیر طلب کی جو آپ نے اُنہیں دے دی۔ اُنہوں نے بتایا کہ اے امیر المومنین وہاں شہد کی مکھیاں بکثرت ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر تم پر ہر دس افراق شہد پر ایک فرق لازم ہے۔ (۳)

۳۔ شہد پر زکوٰۃ کی مقدار، حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ میدانی علاقے پر حاصل ہونے والے شہد پر عُشر اور پہاڑوں سے حاصل ہونے والے شہد پر نصف عُشر ہے۔ (۳)

(ز) رکاز پر زکوٰۃ ۔ دیکھیے ، رکاز

(ح) معدنیات کی زکوٰۃ ،

ہمیں حضرت عمرؓ کی کوئی ایسی نص نہیں ملی جس میں معدنیات پر زکوٰۃ کی تفصیل بیان کی گئی ہو، سوائے اس روایت کے جو سنن البیہقی میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے معدنیات کو رکاز کے درجہ میں رکھا ہے اور اُن پر خمس عاید ہوتا ہے۔ (۱)

۵۔ زکوٰۃ کی وصولی ،

(و) جن اموال پر زکوٰۃ لی جاتی ہے اُن کی دو قسمیں ہیں۔

اموالِ باطنہ ، سونے اور چاندی وغیرہ زرِ نقد اموالِ باطنہ ہیں۔ اُن کی زکوٰۃ کی ادائیگی مال کے مالکوں پر چھوڑ دی گئی ہے، چنانچہ ابو سعید مقبری بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور میں نے عرض کی کہ اے امیر المومنین یہ میرے مال کی زکوٰۃ ہے۔ میں دو سو درہم لے کر گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے استفسار کیا کہ اے کیسان کیا تم آزاد ہوگئے ہو؟ ابو سعید مکاتب تھے۔ انہوں نے کہا کہ جی ہاں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جاؤ جا کر خود تقسیم کردو۔(۲)

۲۔ اموالِ ظاہرہ ، اس سے مراد سامانِ تجارت، مویشی، زرعی پیداوار اور شہد ہے۔ ان اموال کی زکوٰۃ حکومت خود وصول کرے گی۔

جہاں تک سامان تجارت کا تعلق ہے تو الکاسانی نے بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق سلطان (اقتدارِ وقت) کو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ زکوٰۃ خود وصول کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب اموال کی کثرت ہوگئی اور اُنہوں

---

(۱) ۱۳۳/۱ ب، خراج ابی یوسف ۹۶، المغنی ۱۲/۲،
(۲) عبد الرزاق ۴/۹۲، سنن البیہقی ۴/۱۲۶، المحلی ۱۲/۲، (۳) عبد الرزاق ۹۳/۴، المحلی ۲۳۰/۵، المغنی ۱۲/۲۔ فرق سولہ بغدادی رطل کے برابر ہوتا ہے اور بغدادی رطل ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تقریباً ۳۲۵ گرام کا ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ۵۵۰ گرام کا ہے (۴) الاموال ۴۹۸، المحلی ۲۳۰/۵

(۱) سنن البیہقی ۴/۱۵۴ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۵ ب
سنن البیہقی ۴/۱۱۴، الاموال ۱۷۰۵

نے محسوس کیا کہ ان اموال کی وصولیابی کے زیادہ درپے ہونے سے مال کے مالک زحمت محسوس کریں گے تو اُنہوں نے مصلحت یہ سمجھی کہ ان اموال کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی مالکوں پر چھوڑ دی جائے اور اُنہیں اس ضمن میں حکومت کا وکیل متصور کر لیا جائے۔(۱)

مگر حضرت عمرؓ نے جب عشارین یعنی عشر و زکوٰۃ وصول کرنے والے مقرر کیے تو اُنہیں حکم دیا کہ جو مسلمان تاجر گزریں اُن سے دو سو درہم پر پانچ درہم وصول کر لو۔ یہ اُن کے مالِ تجارت کی زکوٰۃ ہے۔ (د: عشر ، ۱/۱) لیکن جب تاجروں نے حضرت عمرؓ سے یہ شکایت کی کہ سامانِ تجارت کی قیمت کا اندازہ کرنے والے اس معاملہ میں سختی برتتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے اُنہیں نرمی کرنے کا حکم دیا؛ چنانچہ ابوقلابہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے عمال نے کہا کہ اے امیرالمومنین تاجر قیمت کے اندازے میں سختی کی شکایت کر رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا خبردار! خبردار! نرمی کرو۔(۲)

مویشیوں کی زکوٰۃ کے بارے میں ایسی تصریحات اس سے قبل آ چکی ہیں کہ اُن کی زکوٰۃ حکومت ہی وصول کرے گی۔

زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کے بارے میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ تخمینہ لگانے والوں کو بھیجتے اور اُنہیں حکم دیتے کہ فصل کا مالک اگر اپنی کھیتی ہی میں رہتا ہو تو تخمینہ کرتے وقت اس کے اور اس کے مہمانوں کے کھانے کیلئے چھوڑ دیا جائے، جس سے معلوم ہوا کہ زرعی پیداوار کی زکوٰۃ حکومت وصول کرے گی۔ (د: زکوٰۃ/۴ھ ۲ ب)

البتہ شہد کو حضرت عمرؓ نے زرعی پیداوار سے ملحق قرار دیا ہے؛

حضرت عمرؓ نے سفیان بن وہب کو اس شخص کے بارے میں لکھا، جس نے اُن سے شہد کی مکھیوں کو حمیٰ بنانے کا مطالبہ کیا تھا کہ اگر وہ اسی طرح شہد کی زکوٰۃ دیتا رہے جس طرح عہدِ نبوت میں دیا تھا تو اس کی وادی کو جس کا نام سلبۃ ہے حمیٰ قرار دے دو۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ سونے چاندی کے ماسوا تمام اموال کی زکوٰۃ حکومت وصول کرے گی۔ البتہ نقود کی زکوٰۃ نکالنا مال کے مالکوں کی ذمہ داری ہوگی۔

(ب) اگر کوئی شخص اپنے ذمہ واجب الادا زکوٰۃ ادا نہ کرے تو وہ قرض کی صورت میں اُس کے ذمہ واجب رہے گی اور اس پر اس کی ادائیگی لازم رہے گی اور اگر کسی وجہ سے حکومت کسی سال زکوٰۃ وصول نہ کر سکے تو دوسرے سال دونوں سالوں کی زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے، کیونکہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے جسے امام (سربراہ حکومت) نہ معاف کر سکتا ہے اور نہ ساقط کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے قحط سالی کے زمانہ میں زکوٰۃ موخر کر دی تو ابن ابی ذباب سے فرمایا کہ ان دو سالوں کی زکوٰۃ وصول کر کے ایک سال کی زکوٰۃ انہی میں تقسیم کر دو اور ایک سال کی زکوٰۃ لے کر میرے پاس آ جاؤ۔ غرض حضرت عمرؓ نے دو سالوں کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم فرمایا۔(۱)

۲۔ زکوٰۃ کے مال کی حفاظت حکومت کے ذمہ ہے؛ زکوٰۃ وصولیابی کے بعد جب حکومت کے پاس پہنچ جائے تو حکومت پر اس کی حفاظت لازم ہے اور یہ اُس کا فرض ہے کہ وہ اُسے نقصان اور ضیاع سے بچائے؛ چنانچہ اسلم سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے کچھ اُونٹ چراگاہ روانہ کیے۔ جب میں

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۷ (۲) المحلی ۵/۲۲۴

(۱) الاموال ۴۷۲ –

انہیں لے جانے لگا تو آپ نے فرمایا کہ انہیں میرے سامنے لاؤ۔ میں نے اونٹ آپ کے سامنے پیش کیے جب کہ ان میں سے ایک اونٹنی پر میرا سامان رکھا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا تیرا بُرا ہو، ایک اونٹنی مسلمانوں کے مال میں سے زکوۃ کے طور پر آتی ہے اور تُو نے اس پر اپنا سامان لاد رکھا ہے۔ سامان ہی رکھنا تھا تو کسی پیشاب کرتے بوڑھے اونٹ پر رکھ لیتے یا ایسی اونٹنی پر رکھ لیتے جو دُودھ نہ دیتی ہو۔(۱) حضرت عمرؓ کے عہد میں زکوۃ کے جانوروں کے لیے ایک چراگاہ تھی، جس میں یہ جانور بھیج دیے جاتے تھے، وہاں اُن کی نسل بڑھتی رہتی تھی اور جانور کمزور نہیں ہونے پاتے تھے۔ (دوحمی)

اور عبدالرزاق نے زہری سے جو روایت کیا ہے کہ زکوۃ کے کچھ اونٹ کمزور ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے انہیں ذبح کرا کے اُن کو پکوایا اور کھانے کے لیے دعوتِ عام دیدی تو حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ کیا آپ ہمارے ساتھ اسی طرح کیا کریں گے؟ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قسم بخدا ان اونٹوں کا اور کوئی حل نہیں تھا سوائے اس کے کہ حق کے مطابق لیے جائیں اور حق کے مطابق صرف کر دیے جائیں (۲) جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو اس کے راوی زہری ہیں، جن کی ملاقات حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں ہے تاہم اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان زکوۃ کے اونٹوں کو فئے کے اونٹوں سے تبدیل کر لیا ہو۔

۷۔ زکوۃ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا:

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ زکوۃ جس شہر سے وصول کی جائے اسی شہر کے فقراء پر تقسیم کی جائے اور اس کا کوئی حصّہ دوسرے شہر میں نہ لے جایا جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں ..... اور میں اُسے یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ اعراب کے ساتھ محسن سلوک کرے کہ یہی اصلی عرب اور اسلام کی بنیاد ہیں اور اُن کے زائد مال لے کر اُن ہی کے فقرا کو لوٹا دے۔(۱)

حضرت عمرؓ کا یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جن لوگوں سے زکوۃ لی جائے اُنہی کے فقراء پر لوٹائی جائے۔

ابوعبید نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ دوپہر کو ایک درخت کے سایہ میں قیلولہ کر رہے تھے کہ ایک اعرابیہ آئی۔ اُس نے بغور لوگوں کو دیکھا اور حضرت عمرؓ کے پاس پہنچی۔ اور عرض کی کہ میں ایک مسکین عورت ہوں، میرے بچے ہیں اور امیرالمومنین نے ہمارے ہاں تحصیل زکوۃ کے لیے محمد بن مسلمہ کو مامور کیا ہے لیکن اُنہوں نے ہمیں نہیں دیا۔ میں آپ کی خدمت میں پہنچی ہوں کہ آپ ان سے ہمارے لیے سفارش کر دیں۔ اللہ آپ پر رحم فرماتے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے یرفاء (حضرت عمرؓ کا غلام) کو آواز دی اور فرمایا کہ محمد بن مسلمہ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ اُس عورت نے کہا، میری حاجت برآری کے لیے یہ زیادہ مفید ہوگا کہ آپ میرے ساتھ اُن کے پاس چلیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا انشاءاللہ وہ ضرور تمہیں دیں گے۔ یرفا محمد بن مسلمہ کے پاس پہنچا اور اُن سے کہا کہ امیرالمومنین کی طلب پر پہنچو، چنانچہ وہ آئے اور کہا، السلام علیک یا امیرالمومنین! اُنہیں دیکھ کر وہ عورت شرما گئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں اپنی طرف سے پُوری کوشش کرتا ہوں کہ تم میں سے بہترین شخص کو منتخب کروں، بھلا بتاؤ تو تم اللہ کے سامنے کیا جواب دو گے، جب وہ تم

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۹ اب (۲) عبدالرزاق ۱۱/۱۰۱

(۱) الاموال ۵۹۵

سے اس عورت کے بارے میں سوال کرے گا؟ اس پر محمد بن سلمہ آبدیدہ ہو گئے۔ ازاں بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہم نے اُن کی تصدیق کی اور اُن کے بتائے ہوئے راستہ کی اتباع کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی عمل کیا جو اللہ نے آپؐ کو حکم دیا، چنانچہ آپ نے زکوٰۃ اُس کے مستحق مساکین میں تقسیم فرمائی اور اسی پر عمل پیرا رہتے ہوئے آپؐ نے اپنی جان اللہ کو سونپ دی۔ پھر اللہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اُن کا جانشین بنایا۔ وہ بھی آخر دم تک آپؐ کے طریقۂ کار پر عمل پیرا رہے۔ پھر اللہ نے مجھے اُن کا جانشین بنایا اور میں نے تم میں سے بہترین افراد کو منتخب کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اگر میں نے دوبارہ بھی تمہیں مامور کیا تو اس عورت کو اس سال اور اس سے پہلے سال کی زکوٰۃ دینا۔ اور مجھے نہیں معلوم کہ شاید میں تمہیں مامور نہ کروں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس عورت کے لیے ایک اُونٹ منگوایا اور اُسے آٹا اور زیتون کا تیل دیا اور کہا کہ یہ لے لو۔ ہم خیبر جا رہے ہیں وہاں تم ہم سے ملو۔ وہ عورت خیبر میں پہنچی اور حضرت عمرؓ نے اُس کے لیے دو مزید اُونٹ منگوائے اور کہا کہ یہ لے لو، اس میں گزر بسر ہو جائے گی۔ تاآنکہ محمد بن مسلمہ تمہارے پاس پہنچیں۔ میں نے اُنہیں ہدایت کر دی ہے کہ وہ تمہارا اس سال کا اور پچھلے سال کا حق تمہیں ادا کر دیں۔ (۱)

اس واقعہ سے ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اس عورت کو مدینہ میں موجود مال زکوٰۃ میں سے نہیں دیا کیونکہ یہ مال اہلِ مدینہ کے لیے تھا، بلکہ آپ نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ وہ اس زکوٰۃ میں سے جو اس عورت کے شہر سے وصول ہو، اس میں سے اس کا حق دے دیں اور حضرت عمرؓ نے جو اس عورت کو آٹا اور زیتون کا تیل اور دو اُونٹ دیے تو دراصل یہ فئے کے مال میں سے دیے تھے زکوٰۃ کے نہیں تھے۔

البتہ اگر ضرورت اس امر کی داعی ہو کہ مال زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر لے جایا جائے تو ایسا کرنا جائز ہے، چنانچہ روایت ہے کہ حضرت معاذؓ نے جب یمن کی زکوٰۃ حضرت عمرؓ کو روانہ کی تو حضرت عمرؓ نے اس کو ناپسند فرمایا اور کہا کہ آپ کو میں نے ٹیکس وصول کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا اور نہ جزیہ وصول کرنے والا بنا کر بھیجا ہے بلکہ میں نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ وہاں کے مالداروں سے وصول کریں اور انہی کے غریبوں کو لوٹا دیں۔ اس پر حضرت معاذؓ نے کہا کہ میں نے آپ کو زکوٰۃ کا ایسا مال نہیں بھیجا جس کا میرے پاس کوئی لینے والا موجود تھا۔ پھر جب دوسرا سال آیا تو حضرت معاذؓ نے حضرت عمرؓ کو وصول شدہ زکوٰۃ کا نصف بھیج دیا، اس پر پھر دونوں کے درمیان اسی قسم کی گفتگو ہوئی۔ تیسرے سال حضرت معاذؓ نے سارا مال زکوٰۃ بھیج دیا۔ حضرت عمرؓ نے پھر اس بارے میں استفسار کیا تو حضرت معاذؓ نے کہا کہ مجھے کوئی لینے والا نہیں ملا۔ (۱)

۸۔ زکوٰۃ کے مصارف:

اللہ سبحانہٗ نے سورۂ توبہ میں زکوٰۃ کے مصارف ان الفاظ میں بیان فرمائے ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○ (التوبہ: ۶۰)

(۱) الاموال ۵۹۹۔

"یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور اُن کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور راہ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کیلئے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا بینا ہے"۔

(ا) زکوٰۃ کا کسی ایک کام میں صرف کرنا:

جب کسی مسلمان پر زکوٰۃ واجب ہو تو ضروری نہیں ہے کہ وہ جملہ آٹھ مصارف میں اس زکوٰۃ کو صرف کرے بلکہ اگر وہ کسی ایک مصرف میں بھی صرف کر دے تو بھی درست ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم ان اصناف میں سے جس صنف میں بھی زکوٰۃ صرف کر دو درست ہے[1]۔ اور حضرت عمرؓ کے پاس زکوٰۃ لائی گئی تو آپ نے ساری ایک گھر والوں کو دے دی[2]۔

(ب) فقراء اور مساکین:

۱۔ فقیر وہ ہے جس کے پاس اس کی ضروریات سے زائد چالیس بھی درہم نہ ہوں۔ ایک عورت آئی۔ اس نے حضرت عمرؓ سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس ایک اوقیہ چاندی ہے تو تمہارے لیے زکوٰۃ حلال نہیں ہے۔ میمون بن مہران نے کہا کہ اس وقت ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا[3]۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمان بھیجا کہ اس شخص کو زکوٰۃ دے دو، جس کے پاس سال گزرنے کے بعد ایک بکری ایک گذر یا یعنی غلام موجود ہو اور اسے نہ دو، جس کے پاس سال کے آخر میں دو بکریاں اور دو چرواہے یعنی دو غلام ہوں[1]۔

مسکین وہ ہے جس کے اخراجات اس کی کمائی سے زائد ہوں حضرت عمرؓ نے کہا کہ مسکین وہ نہیں ہے جس کے پاس کوئی مال نہ ہو بلکہ مسکین وہ ہے جس کی آمدن اس کے خرچ سے کم ہو[2]۔

۲۔ فقراء اور مساکین کو کتنی مقدار دی جائے؛ حضرت عمرؓ کی رائے یہ ہے کہ فقیر کو اتنی زکوٰۃ دی جائے جس سے اس کا فقر ختم ہو جائے اور زکوٰۃ سے مستغنی ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب تم دو تو غنی کر دو[3]۔ آپ سے استفسار کیا گیا کہ اعراب سے وصول ہونے والی زکوٰۃ کو کس طرح صرف کیا جائے تو آپ نے کہا کہ قسم بخدا میں انہیں زکوٰۃ لوٹاتا رہوں گا یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس سو اونٹنیاں یا سو اونٹ ہو جائیں۔

۳۔ حاکم وقت کو زکوٰۃ میں سے نہیں دیا جائے گا اگرچہ وہ فقیر ہو؛ چنانچہ روایت ہے کہ ابن ابی ربیعہ وہ مال زکوٰۃ لے کر آئے جو انہوں نے وصول کیا تھا اور جب حرہ پہنچے تو حضرت عمرؓ آ گئے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے کھجوریں، دودھ اور مکھن رکھا، سب کھانے لگے مگر حضرت عمرؓ نے کھانے سے انکار کیا، اس پر ابن ابی ربیعہ نے کہا کہ قسم بخدا اللہ آپ کو تندرست رکھے۔ ہم انہی جانوروں کا دودھ پیتے ہیں اور اسی زکوٰۃ میں سے کچھ حصہ اپنے اوپر صرف کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے ابن ابی ربیعہ! میں تمہاری طرح نہیں ہوں، تم تو ان جانوروں کے پیچھے پیچھے چلتے ہو[1]۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے دودھ پیا جو آپ کو اچھا معلوم ہوا۔ آپ نے پلانے والے سے دریافت

---

(۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۷، سنن البیہقی ۷/۷، خراج ابی یوسف ۹۶

(۳) المحلی ۶/۱۵۱، عبدالرزاق ۱۱/۹۴، الاموال ۵۵۱

(۱) عبدالرزاق ۴/۱۱۰ (۲) تفسیر القرطبی ۴/۳۰۸

(۳) سنن البیہقی ۷/۱۵

کیا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ اُس نے بتایا کہ میں ایک چشمے پر آیا، وہاں زکوٰۃ کے جانور تھے اور وہاں موجود لوگ اُن کا دودھ پی رہے تھے، انہوں نے میرے لیے بھی دودھ نکالا جو میں نے مشکیزے میں رکھ لیا۔ یہ وہی دودھ ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر انگلی حلق میں ڈالی اور قے کر ڈالی (۱)

(ج) زکوٰۃ کے عامل :

زکوٰۃ کے وصول کرنے والے اور اس کا حساب لکھنے والے کارکن زکوٰۃ کے مال سے اُجرت لینے کے مستحق ہیں۔ خواہ وہ فقیر ہوں یا غنی ۔ عبداللہ بن سعدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھے زکوٰۃ پر عامل مقرر کیا۔ جب میں زکوٰۃ لے کر آیا اور آپ کو دے دی تو آپ نے میری اُجرت دینے کا حکم دیا۔ میں نے کہا کہ میں نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ خدمت سرانجام دی ہے اور میرا اجر اللہ کے یہاں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو میں دے رہا ہوں وہ لے لو۔ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں زکوٰۃ وصول کرنے گیا تھا اور آپ نے مجھے اُجرت دی تو میں نے بھی وہی بات کہی جو تم نے کہی ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہیں بغیر مانگے کچھ دیا جائے تو وہ لے لو، خود بھی کھاؤ اور صدقہ بھی دو۔(۲)

زکوٰۃ وصول کرنے والے کو اُجرت مثل دی جائے گی۔ اسے زکوٰۃ کا آٹھواں حصہ نہیں دیا جائے گا جو وہ لے کر آئے ۔ ابن زید کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور بعد کے خلفاء عامل کو زکوٰۃ کا آٹھواں حصہ نہیں دیتے تھے بلکہ اُس کی محنت کے مطابق اُجرت مقرر کر کے دیتے تھے (۳)

(۱) المؤطا ۱/ ۲۶۹ ، سنن البیہقی ۷/ ۱۴ (۲) سنن البیہقی ۷/ ۱۵ ، المغنی ۲/ ۶۵۴ (۳) تفسیر القرطبی ۱۴/ ۳۱۲

چونکہ زکوٰۃ کسی کافر کو نہیں دی جا سکتی، اس لیے حضرت عمرؓ نے کافروں کو محاسب اور وصول کنندہ مقرر کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ کہیں اس طرح ان کو زکوٰۃ دینی نہ پڑ جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کے غیر مسلم کو کاتب زکوٰۃ مقرر کرنے پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا۔ (د: امارہ / ۲ ب)

(د) مؤلفۃ القلوب :

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ مؤلفۃ القلوب کا حصّہ اسوقت نکالا جاتا تھا جب مسلمان کمزور تھے اور مؤلفۃ القلوب کو دیا جاتا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ اُن کے شر سے بچا جائے اور اُن کے قلوب کو مانوس کیا جائے۔ لیکن اب جب کہ مسلمان کثیر تعداد میں ہیں اور انہیں قوت و عزت حاصل ہے تو اب کسی شخص کو تالیف قلب کی غرض سے مال زکوٰۃ میں سے دینا جائز نہیں ہے، خواہ وہ کافر ہو اور اسے اس لیے دیا جائے کہ اس کے شر سے مسلمانوں کو تحفظ حاصل ہو اور خواہ وہ مسلمان ہو اور اُسے اُس کا دل موہنے کے لیے دیا جائے۔ (۱)

ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے کہ ایک مشرک حضرت عمرؓ سے کچھ مال لینے آیا لیکن حضرت عمرؓ نے نہیں دیا اور فرمایا کہ "اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔ (۲)

عیینہ بن حصنؓ اور اقرع بن حابسؓ دونوں صحابی ہیں۔ یہ دونوں حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ کے خلیفہ، ہمارے یہاں ایک بنجر زمین کا ٹکڑا ہے، جس میں نہ گھاس اُگتا ہے اور نہ کوئی آبادی۔ اگر آپ یہ زمین ہمیں دے دیں تو شاید ہم اس میں کاشت اور زراعت کر لیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں وہ زمین دے دی اور ایک تحریر بھی

(۱) تفسیر القرطبی ۸/ ۱۸۱ ، المغنی ۲/ ۶۶۶ (۲) المغنی ۶/ ۴۲۷

لکھ دی ۔ طلحۃ بن عبید اللہ یا کسی اور نے عینیۃ بن حصن سے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان صاحب ۔ حضرت عمرؓ ۔ کا بھی اس معاملہ میں کوئی دخل ہوگا، اس لیے یہ تحریر اُن کو پڑھوا دی جائے ۔ حضرت عمرؓ نے تحریر پڑھی تو کہا کہ کیا سب لوگوں کو چھوڑ کر یہ صرف تمہارے لیے ہے اور حضرت عمرؓ نے تھوک سے یہ تحریر مٹا دی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ دونوں کی تالیف قلب کرتے تھے اس وقت اسلام کمزور تھا ۔ جاؤ اور اب تم دونوں اپنی کوشش سے کماؤ۔(۱)

(ھ) فی سبیل اللہ :

جس شخص کا راہِ خدا میں جہاد کا ارادہ ہو اور وہ دشمن کے خلاف جہاد کی تیاری کے لیے زکوٰۃ میں سے کچھ لے اور پھر جہاد کے لیے نہ جائے تو اسے چاہیے کہ جو اُس نے لیا ہے وہ واپس کر دے ۔ چنانچہ عمرو بن قرہ نے بیان کیا کہ ہمارے پاس حضرت عمرؓ کی تحریر آئی کہ کچھ لوگ جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کے لیے مالِ زکوٰۃ میں سے کچھ لے لیتے ہیں اور پھر جہاد میں نہیں جاتے ۔ لہٰذا جو ایسا کرے تو اُس کے اُس مال کے ہم زیادہ مستحق ہیں یعنی ہمیں حق پہنچتا ہے کہ جو اُس نے لیا ہے ہم اُس سے واپس لے لیں ۔ (۲)

۹ ۔ اسقاط زکوٰۃ کا حیلہ :

زکوٰۃ ساقط کرنے یا زکوٰۃ کے کسی حصے کو ساقط کرنے کے لیے کوئی حیلہ کرنا جائز نہیں ہے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ایسے مال کو جو یکجا ہو علیحدہ اور جو علٰحدہ ہو اس کو یکجا نہ کیا جائے ۔ (۳)

امام مالک نے اس قول کی اس طرح تشریح کی ہے کہ تین افراد کے پاس اگر چالیس چالیس بکریاں ہوں اور ہر ایک پر ایک ایک بکری ہی واجب ہو تو وہ زکوٰۃ وصول کنندہ کے آنے کا سُن کر یکجا کر لیں تاکہ ایک ہی بکری زکوٰۃ میں دینی پڑے ۔ اسی طرح اگر دو شریک ہوں جن میں ہر ایک کے پاس سو سو بکریاں ہوں اور اس طرح اُن پر تین بکریاں زکوٰۃ بنتی ہو لیکن وہ زکوٰۃ وصول کنندہ کے آنے کے وقت اپنی اپنی بکریاں جدا کر لیں اور اس طرح دونوں کو ایک ایک بکری زکوٰۃ دینی پڑے ۔ حضرت عمرؓ نے اس سے منع فرمایا ہے ۔ (۱)

زکوٰۃ سے بچنے کے حیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی دی ہوئی زکوٰۃ اس فقیر سے خرید لے جس کو اُس نے دی ہے کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ مال والا جس نے زکوٰۃ دی ہے فقیر سے کوئی سمجھوتہ کر لے اور اُسے اس بات کا حیلہ بنا لے کہ جو فرض زکوٰۃ اُس نے ادا کی ہے، اُس کا کچھ حصہ اُسے دوبارہ مل جائے (دا بیع / ۱ د ۵)

زکوٰۃ الفطر

دیکھیے صدقہ فطر

زنا

زنا کے موضوع پر گفتگو ہم درج ذیل عنوانات کے تحت کریں گے ۔

(۱) تعریف (۲) زانیہ اور زانی (۳) زنا کا عمل (۴) زنا کا ثابت کرنا (۵) زنا کی سزا (۶) متفرق احکام

---

(۱) سنن البیہقی ۷/۲۰، الاموال ۲۷۶، تفسیر الطبری ۲۱۵/۱۴ (۲) سنن البیہقی ۲۲/۷

(۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۲، الموطا ۱/ ۲۵۷ ، الاموال ۳۹۳

(۱) الموطا ۱/ ۲۶۴

۱- تعریف :

مکلف اور مختار شخص کا جو جانتا ہو کہ زنا حرام ہے، ایسی عورت سے فرج میں جماع کرنا جو اس کے لیے حرام ہو اور جو نہ اس کی ملک ہو اور نہ اس کے بارے میں ملکیت کا شُبہ ہو۔

۲- زانیہ اور زانی :

(و) ہم پہلے بیان کر چکے (د. حد ۶) کہ حد اُس وقت تک نہیں لگائی جاتی جب تک مجرم میں یہ شرائط نہ موجود ہوں، عقل، بلوغ، اختیار اور حرمت کا علم۔ اسی لیے بچے، مجنون، مجبور اور ایسے شخص پر جو حرمت کے حکم سے ناواقف ہو حد زنا جاری نہیں ہوگی۔ ہم ان شروط میں یہاں پر ایک اور شرط زائد کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ جس عورت سے زنا کیا ہے وہ نہ تو زانی کی ملک میں ہو اور نہ اس کے بارے میں ملک کا شُبہ ہو۔ لہذا اگر اس طرح کا شُبہ پایا جائے گا تو حد ساقط ہو جائے گی۔

ملکیت کی صورت یہ ہے کہ ایسی لونڈی سے وطی کی ہو جو اُس زانی کی اور کسی دوسرے شخص کی مشترکہ ملکیت ہو۔ حضرت عمرؓ کے سامنے ایسا شخص پیش کیا گیا جس نے ایسی لونڈی سے جماع کر لیا تھا جس کی ملکیت میں وہ شریک تھا، حضرت عمرؓ نے اسے ایک کم سو کوڑے مارے اور حد ساقط کر دی۔ (۱)

شُبہ ملک کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص سفر کے لیے روانہ ہوا اور اُس کی بیوی نے اُس کی خدمت کے لیے اپنی لونڈی ساتھ روانہ کر دی اور اُس شخص نے اُس کی قیمت لگا کر اُس سے صُحبت کر لی، چنانچہ ایسا واقعہ پیش آیا اور معاملہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اچھا تم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو فروخت کر دیا اور اُسے سو کوڑے مارے لیکن رجم نہیں کیا (۱) اور ایک اور واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص کی شادی شدہ باندی تھی جس کا شوہر بھی موجود تھا، اُس شخص نے اس باندی سے صُحبت کر لی۔ حضرت عمرؓ نے اُسے سو کوڑے مارے جو تعزیراً تھے اور حد جاری نہیں کی۔ (۲)

اور قبیلہ ثقیف کے ایک شخص نے بتایا کہ ہمارے قبیلے میں سے ایک شخص کے پاس ایک خوبصورت باندی تھی۔ جسے حضرت عمرؓ بھی جانتے تھے۔ اُس شخص نے اس باندی کا نکاح اپنے ایک غلام سے کر دیا لیکن وہ شخص خود بھی اس باندی سے صحبت کرتا رہا۔ وہ غلام حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور حضرت عمرؓ کو اس امر سے آگاہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس غلام کو چھپا دیا اور اُس کے مالک کو بلا کر اُس سے پُوچھا کہ فلاں لونڈی کا تم نے کیا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اے امیرالمومنین میرے ہی پاس ہے اور میں نے اپنے ایک غلام سے اُس کا نکاح کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا تم اُس سے صُحبت کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ کے پاس موجود ایک شخص نے اُسے اشارہ کیا کہ کہہ دو، نہیں۔ چنانچہ اُس نے کہا 'نہیں'، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قسم بخدا! اگر تم مجھے بتاتے کہ تم ایسا کرتے ہو تو میں تمہیں عبرت انگیز سزا دیتا۔ (۳)

بیوی کا کسی شے کا مالک ہونا شوہر کے حق میں شُبہ ملکیت نہیں بنتا، کیونکہ مالی اعتبار سے بیوی شوہر سے جدا مستقل حیثیت رکھتی ہے بخلاف غلام کے کہ وہ مالی اعتبار سے اپنے سردار سے جدا نہیں ہے۔ بنابریں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی باندی سے

(۱) عبدالرزاق ۷/۳۵۸

(۱) عبدالرزاق ۷/۳۴۵، اخبار القضاۃ ۱/۳۲۴، سنن البیہقی ۸/۲۴۱

(۲) ابن ابی شیبہ ۲/۱۴۰ (۳) عبدالرزاق ۷/۲۱۷، ۲۱۸

وطی کرے گا تو اس پر حد لازم آئے گی۔(۱) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا گیا جس نے اپنی بیوی کی باندی سے وطی کی ہو تو میں اسے رجم کر دوں گا۔ (۲)

حبیب بن اساف ایک انصاری تھے۔ ان کی بیوی حبیبہ بنت خارجہ کے پاس ایک باندی تھی جو اُس نے اپنے شوہر کے ساتھ شام روانہ کی کہ وہ اُسے وہاں اپنی صوابدید کے مطابق فروخت کر دیں کہ وہاں اُس کی اچھی قیمت مل جائے گی اور کہا کہ یہ تمہارے کپڑے دھوئے گی، تمہاری سواری کی دیکھ بھال کرے گی اور تمہاری خدمت کرے گی۔ وہ اُسے لے کر چلے گئے لیکن اُسے خود ہی اپنے لیے خرید لیا۔ پھر مدینہ اُسے واپس لے کر آئے تو وہ حاملہ تھی۔ اس پر حبیبہ بنت خارجہ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور اس بات سے انکار کیا کہ اُس نے اپنے شوہر سے اس باندی کو فروخت کرنے کے لیے کہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے شوہر کے رجم کا ارادہ کر لیا، یہاں تک کہ حبیبہ کی قوم کے لوگوں نے حبیبہ سے اس موضوع پر بات کی۔ اس پر حبیبہ نے کہا کہ میں اب بتاتی ہوں کہ بے شک میں نے اسے فروخت کرنے کے لیے کہا تھا۔ اور یہی اقرار اُس نے حضرت عمرؓ کے سامنے بھی کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے (حبیبہ کو) حدِ قذف کے اسی کوڑے مارے۔ (۳)

اس مقام پر اس بات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر مرد باندی کا مالک ہو تو اس کے لیے اس سے وطی کرنا مباح ہے۔ لیکن اگر عورت غلام کی مالک ہو تو اس کیلئے اپنے غلام سے وطی یا کسی اور قسم کا استمتاع جائز نہیں ہے۔ اگر غلام نے اپنی مالکہ سے اس کی رضا سے وطی کی، تو مالکہ پر حد زنا لازم آئے گی۔ (دا قسری/۲)

(ب) زانی اور زانیہ کے درمیان نکاح کا شبہ موجود نہ ہو۔ مثلاً :

۱۔ عدت گزارنے والی عورت سے نکاح :

ابتدا میں حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ عدت میں اگر کوئی عورت نکاح کرے تو اس پر حدِ زنا جاری کی جائے لیکن بعد میں اُنھوں نے اس رائے سے رجوع کر لیا اور شبہ عقد کی بنا پر حد ساقط کر دی اور تعزیری سزا لازم قرار دی۔ اسی طرح اگر نکاح کرنے والے مرد کو معلوم ہو کہ وہ عورت عدت میں ہے تو اس پر بھی تعزیری سزا عاید ہوگی۔ (دا عدۃ/ ۹)

۲۔ یہی حکم اس صورت کا ہے جب، کوئی شخص کسی عورت سے اس حالت میں نکاح کرے کہ اُس کی خالہ یا پھوپھی بھی اُس شخص کی بیوی ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے دور میں ایک شخص نے ایک ایسی عورت سے نکاح کیا جس کی خالہ اُس کے نکاح میں پہلے سے موجود تھی تو حضرت عمرؓ نے اُسے کوڑے مارے اور ان دونوں میں تفریق کرا دی۔(۱) آپ نے یہ کوڑے حد کے نہیں بلکہ تعزیر کے لگائے تھے، اس لیے کہ ایسی صورت میں حد تو رجم ہے۔

۳۔ اُسی حکم میں وہ واقعہ ہے جو حضرت عمرؓ کے دور میں پیش آیا تھا کہ ایک عورت بھوک سے مجبور ہو کر ایک چرواہے کے پاس آئی اور اُس سے کھانا مانگا، اُس نے اس وقت تک اُسے کھانا دینے سے انکار کیا، جب تک وہ اپنے آپ کو اُس کے حوالے نہ کر دے۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے مجھے تین لپ کھجوریں دیں اور اُس نے بتایا کہ میں بھوک سے بالکل مجبور

(۱) المغنی ۸/ ۱۸۶، الاعتبار ۲۰۵ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۹
(۳) عبدالرزاق ۷/ ۳۴۷، سنن البیہقی ۸/ ۲۴۱

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۱۹ ب

تھی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ مہر، مہر، مہر لپ کھجور مہر ہے اور اس پر سے حد ساقط کر دی۔ (۱)

ان تینوں واقعات میں حضرت عمرؓ نے حد اس لیے ساقط کر دی کہ ان میں عقد کا شبہ موجود ہے اور اس چرواہے والے واقعہ میں بھی حد بربنائے اضطرار ساقط نہیں کی، اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے کھجوریں دیئے جانے کو مہر قرار دیا اور اس کو شُبہ عقد تصور کر کے اُسے اضطرار پر فوقیت دی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت عمرؓ کے مدِّنظر کوئی اور ایسا پہلو ہو جس کی بنا پر آپ نے اسے اضطرار نہ قرار دیا ہو۔

۴۔ نکاحِ محلّل[1] اس قبیل سے تصور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک نکاحِ محلل صحیح ہے اور شرط لغو ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے برسرِ منبر جو یہ اعلان فرمایا کہ میرے پاس جو محلّل اور محلّل لہ، لائے جائیں گے تو میں اُنہیں رجم کر دوں گا۔ (۲)

تو یہ درحقیقت اس شخص کے لیے تعزیر کا اعلان ہے جو اُس عورت کو جس سے اُس نے نکاح کیا ہے اس لیے طلاق دے دے کہ وہ دوسرے کے لیے حلال ہو جائے جب کہ اگر وہ طلاق نہ دے تو نہ اُس پر تعزیر ہے اور نہ حد۔ جیسا کہ ذی البجادین کے واقعہ میں ہوا۔ اس لیے کہ اس اعلان میں حضرت عمرؓ نے اس امر کا فرق نہیں کیا کہ محلّل شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، بلکہ ان کی سزا مطلقاً بیان کی، جس سے معلوم ہوا کہ یہ سزا حد نہیں تعزیر ہے، کیونکہ غیر شادی شدہ زانی کی سزا رجم نہیں، سو کوڑے ہیں۔

نیز اس لیے بھی کہ حضرت عمرؓ نے اعلان کیا کہ وہ محلّل لہ کو بھی رجم کریں گے درانحالیکہ اُس نے زنا نہیں کیا۔

اور نیز اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے ذوالرقعتین کو جس نے ایک عورت سے اس لیے نکاح کیا تھا کہ وہ سابق شوہر کے لیے حلال ہو جائے محض مارنے کی دھمکی دی اور آپ نے اُس سے فرمایا کہ اگر تم نے اُسے طلاق دی تو میں تمہارے سر پر کوڑوں سے ضرب لگاؤں گا۔ (۱)

حضرت عمرؓ نے حلالہ کی سزا میں شدت اس لیے اختیار فرمائی کہ یہ اللہ کی شریعت میں ایک طرح کی حیلہ سازی ہے۔

(دیکھئے طلاق/۱۸، نکاح/۵ و ۳)

(ج) اگر عورت سے غلطی سے صحبت کر لی گئی ہو:

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت کسی شخص کی باندی کی ہم شکل تھی۔ اُس شخص نے رات کے وقت اس عورت سے صُحبت کر لی اور وہ یہ سمجھتا رہا کہ یہ اُس کی باندی ہے۔ یہ معاملہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے پاس بھیجا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مرد کو خفیہ طور پر حد لگائی جائے اور عورت کو علانیہ حد لگائی جائے (۲)

لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس باب میں حضرت عمرؓ سے کوئی روایت منقول نہیں ہے کہ اُنہوں نے حضرت علیؓ کی رائے سے اتفاق کیا یا نہیں کیا۔ اگر حضرت علیؓ سے منقول یہ روایت صحیح بھی ہے اور حضرت عمرؓ نے اس سے اتفاق کیا تھا تو بھی یہ امر اس لیے عجیب ہے کہ حضرت عمرؓ کا احکام کے

---

[1] نکاحِ محلل سے مراد وہ نکاح ہے جو ایسی عورت سے جسے طلاقِ مغلظہ مل چکی ہو اس غرض سے کیا جائے کہ وہ اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے۔ مترجم

(۱) عبدالرزاق ۷/۴۰۷ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۲۲۳، المحلی ۱۰/۱۸۱، ۲۰۹، المغنی ۶/۶۴۶ ۸

(۱) المغنی ۷/۶۴۷، المحلی ۱۰/۱۸۲ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۷

سلسلہ میں جو اصول ہے یہ اس سے ہم آہنگ نہیں ہے، کیونکہ یہاں محل میں شبہ موجود ہے اور شبہ سے حضرت عمرؓ کے نزدیک حد ساقط ہو جاتی ہے۔ (دیکھئے: حد: ۸ ج ۲)

اور جہاں حد ساقط ہو جاتی ہے وہاں مہر لازم آجاتا ہے، اس لیے کہ جماع پر یا مہر ادا کرنا پڑتا ہے یا حد لازم آتی ہے۔

(د) حاملہ پر حد جاری کرنا:

اگر حاملہ عورت زنا کرے یا زنا کرے اور حاملہ ہو جائے تو اس پر اس وقت تک حد نہیں قائم کی جائے گی جب تک بچہ نہ ہو جائے۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش کیا گیا کہ ایک عورت کا شوہر غیر موجود تھا اور جب وہ واپس آیا تو وہ حاملہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ یہ درست ہے کہ آپ اسے سزا دے سکتے لیکن آپ اس کے بچے کو سزا نہیں دے سکتے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے اس وقت تک قید میں رکھو جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے۔ جب اُس کے بچہ ہوا اور اُس کے دو دانت نکل آئے تب اُس کے باپ نے اُس کو دیکھا تو اُس نے کہا کہ یہ تو میرا بچہ ہے، چنانچہ جب حضرت عمرؓ کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ عورتیں معاذؓ جیسا فرزند پیدا نہیں کرسکتیں۔ اس موقع پر اگر معاذؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاکت میں پڑ جاتا۔(۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ کے بیان کردہ اس اصول کو تسلیم کیا کہ حاملہ کو اس وقت تک رجم نہیں کیا جائے گا جب تک اُس کے بچہ نہ ہو جائے۔

سباع بن ثابت سے مروی ہے کہ موہب بن رباح نے ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ اس عورت کی پہلے شوہر سے ایک لڑکی تھی اور موہب کا پہلی بیوی سے ایک لڑکا تھا۔ موہب کے لڑکے نے اس لڑکی سے زنا کر لیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی۔ حضرت عمرؓ نے موہب کے بیٹے پر حد زنا جاری کی اور عورت کی سزا وضع حمل تک مؤخر کر دی اور بچہ کی پیدائش کے بعد اُس پر حد جاری کی۔ (۱)

(ھ) اگر ذمی کافر مسلمان عورت سے زنا کرے:

اگر ذمی کافر مسلمان عورت سے زنا کرے تو اُس کا یہ اقدام نقضِ عہد قرار دیا جائے گا اور وہ واجب القتل قرار پائے گا۔

(دیکھئے ذمہ / ۵ ج ۴)

۳۔ عمل زنا:

زنا کے مقدمہ میں جماع اُس وقت تک متحقق نہیں ہوگا اور حد اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک دخول ثابت نہ ہو؛ چنانچہ زیاد بن ابیہ، مغیرہ بن شعبہ کے خلاف گواہی دینے آیا تو اُس نے کہا کہ میں نے خوش فعلی کرتے دیکھا اور بُری مجلس دیکھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم نے سلائی کو سُرمے دانی میں داخل ہوتے دیکھا۔ اُس نے کہا کہ 'نہیں' اس پر حضرت عمرؓ نے اس کی شہادت کو زنا کی شہادت نہیں تصور کیا اور مغیرہؓ پر حد جاری نہیں کی۔ جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی۔

(زنا / ۴ ب ۲)

۴۔ زنا کا ثبوت:

زنا اقرار، شہادت اور حمل سے ثابت ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی محصن مرد یا عورت زنا کرے اور اس کا جُرم گواہوں سے یا اعتراف سے یا حمل سے ثابت ہو جائے تو اُس کو رجم کرنا برحق ہے۔ (۲)

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۳۴

(۱) عبدالرزاق ۷/۲۰۳ (۲) المغنی ۸/۳۱۲

(و) زنا کا اقرار:

۱۔ اگر کوئی شخص اپنے زنا کا اقرار کرے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کو چھپائیں توبہ اور استغفار کرنے کی نصیحت کریں اور مشورہ دیں کہ وہ یہ معاملہ حاکم تک نہ پہنچائے۔ حضرت سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ ماعزؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور اُن سے بیان کیا کہ وہ برائی کے مرتکب ہو گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے استفسار کیا کہ کیا تم نے مجھ سے پہلے کسی سے اس بات کا ذکر کیا ہے۔ اُنھوں نے کہا نہیں؛ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب اللہ نے پردہ ڈال دیا ہے تو تم بھی پردہ ڈالے رکھو اور اللہ سے توبہ کرو کہ لوگ غیرت تو دلائیں گے لیکن گناہ تو نہیں دھو سکتے اور اللہ گناہ دھو دیتا ہے مگر عار نہیں دلاتا، اس لیے توبہ کرو اور کسی کو نہ بتلاؤ۔ (۱)

۲۔ بہرحال اگر زانی قاضی کے سامنے زنا کا اقرار کرے تو قاضی کے لیے مستحب یہی ہے کہ اُسے رجوع کی تلقین کرے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس لائی گئی۔ اُس نے چار مرتبہ زنا کا اقرار کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم رجوع کر لو تو ہم تم پر حد جاری نہیں کریں گے۔ (۲)

ایک شخص شام سے حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُس نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ اُس نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک شخص کو زنا کرتے دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ابو واقد لیثی کو اُس کی بیوی کے پاس بھیجا کہ جا کر اس بارے میں اُس سے دریافت کریں۔ ابو واقد اُس عورت کے پاس آئے۔ اُس وقت اُس کے پاس اور بھی عورتیں موجود تھیں۔ ابو واقد نے اُس سے وہ بات ذکر کی جو اُس کے شوہر نے حضرت عمرؓ سے کہی تھی اور اُسے بتایا کہ وہ اپنے شوہر کے قول پر ماخوذ نہیں ہو گی اور اگر وہ چاہے تو انکار کر دے۔ لیکن اُس نے انکار نہیں کیا اور اعتراف مکمل کر لیا۔ اس پر اُس کے رجم کا حکم دیا گیا اور وہ رجم کر دی گئی۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر زانی زنا کے اعتراف پر قائم رہے تو اس پر حد زنا جاری کی جائے گی اور اگر وہ اپنے اعتراف سے رجوع کر لے تو یہ رجوع صحیح متصور ہو گا اور وہ سزا سے بچ جائے گا۔ (د ا اقرار / ۴ ب)

حضرت عمرؓ نے ایک شخص کے بارے میں جس کے خلاف چار گواہوں نے یہ گواہی دی تھی کہ اُس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں لیکن خود اُس نے طلاق سے انکار کیا تھا، لیکن جماع کا اقرار کیا تھا، یہ فیصلہ کیا کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دی جائے لیکن اس پر نہ رجم ہے اور نہ اور کوئی سزا۔ چنانچہ ان دونوں میں تفریق اس لیے کرائی گئی کہ گواہوں سے طلاق ثابت ہو گئی تھی اور حد اس لیے قائم نہیں ہوئی کہ وہ خود طلاق سے منکر تھا اور جماع کا اقرار کر رہا تھا۔

۳۔ اقرار کا نصاب:

اگر زانی اپنے بارے میں زنا کا اقرار کرے تو کیا اس کا ایک مرتبہ کا اقرار کافی ہے یا اس کا متعدد مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے؟

اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب ماعزؓ نے زنا کا اقرار کیا تو آپؐ نے اُنھیں واپس چلے جانے کو فرمایا۔ وہ دوبارہ آئے اور پھر اقرار کیا۔ آپؐ نے پھر اُنھیں واپس بھیج دیا۔ وہ پھر آئے اور تیسری مرتبہ اقرار کیا۔

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۴۳ بحوالہ خراج ابی یوسف ۲۰۲ (۲) الموطا ۲/۸۲۳، سنن البیہقی ۸/۲۲۰، عبدالرزاق ۷/۳۴۹، شرح معانی الآثار ۳/۱۴۱

(۱) عبدالرزاق ۷/۳۴۰، ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۹

آپؐ نے پھر واپس بھیج دیا وہ پھر آئے اور چوتھی مرتبہ اقرار کیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور اُن پر حد جاری کی گئی۔
یہی طریقہ حضرت عمرؓ نے اس عورت کے ساتھ اختیار کیا جو آپ کے پاس لائی گئی اور اُس نے آپؓ کے سامنے چار مرتبہ زنا کا اقرار کیا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے، لیکن حضرت عمرؓ نے ابو واقد لیثیؓ کو شام بھیجا کہ وہ اس شخص کی بیوی سے دریافت کریں، جس کے شوہر نے اس پر زنا کا الزام لگایا تھا اور یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اس سے چار مرتبہ اقرار کرائیں ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابو واقد کو اس لیے حکم نہ دیا ہو کہ ابو واقدؓ خود اس امر سے واقف ہوں اس لیے اس حکم کی ضرورت نہ ہو۔

(ب) زنا کی شہادت :

زنا کی شہادت اس وقت تک قابلِ قبول نہ ہوگی جب تک شاہد میں شہادت کی شرائط پوری طرح نہ پائی جاتی ہوں ۔

(دیکھئے شہادت/۱)

۲۔ زنا کی شہادت کا نصاب :

زنا کی شہادت کا نصاب چار مرد گواہ ہیں، اس لیے کہ فرمانِ الٰہی ہے :

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْھِدُوْا عَلَیْھِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ (النساء: ۱۵)

" تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں اُن پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو"

اس سے کم گواہوں کی شہادت پر حدِ زنا قائم نہیں کی جائے گی، چنانچہ مروی ہے کہ جب ابوبکرہ اور اُن کے دونوں ساتھیوں نافع اور شبل بن معبد نے مغیرہ بن شعبہ کے خلاف زنا کی گواہی دی اور بعد ازاں زیاد بن ابیہ آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ شخص مرد ہے اگر گواہی دے گا تو ان شاء اللہ حق کے مطابق گواہی دے گا۔ اس پر زیاد نے کہا کہ مَیں نے صرف ناشائستہ اور بُری مجلس دیکھی ہے۔ حضرت عمرؓ نے استفسار فرمایا کہ کیا تم نے سلائی کو سرمہ دانی میں داخل ہوتے دیکھا ؟ اُنہوں نے کہا 'نہیں' اس پر حضرت عمرؓ نے حکم دیا اور زیاد کے علاوہ تینوں شاہدوں پر حدِ قذف جاری کی گئی ۔ (۱)

زنا اور دیگر حدود میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ طلاق، نکاح، حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔ (۲)

۳۔ گواہی کی نوعیت :

زنا کی حد قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ چار شاہد یہ گواہی دیں کہ اُنہوں نے مردانہ عضو عورت کی اندام نہانی میں اس طرح داخل ہوتے دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں داخل ہوتی ہے۔ اگر گواہ اس طرح تصریح نہ کرے تو متہم پر حدِ زنا نافذ نہیں ہوگی کیونکہ حضرت عمرؓ نے زیاد بن ابیہ کا یہ قول کہ مَیں نے ناشائستہ اور بُری مجلس دیکھی ہے، قبول نہیں کیا، بلکہ اُن سے استفسار کیا کہ کیا تم نے سلائی کو سرمہ دانی میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔

(ج) حمل :

بے شوہر کی عورت کو حمل ہونا زنا کی دلیل ہے اور کم سے کم مدتِ حمل سے کم مدت میں بچّہ کی پیدائش بھی زنا کی دلیل ہے۔ اسی طرح حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت سے بھی زائد مدت میں بچّہ کی

---

(۱) ۱۴۳/۲، سنن البیہقی ۲۳۴/۸، ۱۰/۱۴۸، المحلی ۲۵۹/۱۱، المغنی ۲۰۱/۸ (۲) عبدالرزاق ۳۳۰/۸، المحلی ۳۹۷/۹، ابن ابی شیبہ ۱۳۲/۲ ب

پیدائش بھی زنا کی دلیل ہے۔ اور ان سب صورتوں میں حدِ زنا قائم کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت کا مسئلہ پیش ہوا جس کے ہاں نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو گیا تھا حضرت عمرؓ نے اُس کے رجم کا ارادہ کیا، اس پر اس کی بہن حضرت علیؓ کے پاس آئی اور اُن سے کہا کہ عمرؓ نے میری بہن کو رجم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ مَیں آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ اگر آپ کو اس کے حق میں کوئی عذر معلوم ہو تو آپ مجھے ضرور بتا دیجیے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ ہاں اس کے لیے عذر موجود ہے، اس پر اس کی بہن نے اللہ اکبر کہا جسے حضرت عمرؓ نے بھی سن لیا۔ ازاں بعد یہ عورت حضرت عمرؓ کے پاس گئی اور اُن سے کہا کہ حضرت علیؓ کا کہنا ہے کہ اس کے لیے عذر (گنجائش) موجود ہے حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو بلوایا اور اُن سے پُوچھا کہ کیا عذر ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ کا ارشاد ہے کہ،

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (البقرة: ۲۳۳)

"مائیں اپنے بچّوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں"

نیز فرمانِ الٰہی ہے:

وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا (الاحقاف: ۱۵)

"اور اُس کے حمل اور دُودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے"

اس طرح حمل کی مدت چھ ماہ اور فصال (دُودھ چھڑانے) کی مُدت چوبیس ماہ ہوئی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس کو چھوڑ دیا۔[۱] لیکن اگر بچّہ کی ولادت چھ ماہ سے بھی کم مدت میں ہو تو اس پر ضرور حد قائم کی جائے گی۔

حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جو حاملہ تھی اور اس کا شوہر دو سال سے غائب تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو رجم کرنے کا ارادہ کیا تو معاذ بن جبلؓ نے کہا کہ اے امیرالمومنین بلاشُبہ آپ کو اس عورت کو سزا دینے کا اختیار ہے، لیکن اس کے بچے کو سزا دینے کا آپ کو اختیار نہیں ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ اُس نے بچہ جنا جس کے دو دانت نکل چُکے تھے، شوہر نے اس میں اپنی مشابہت پالی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عورتیں معاذ جیسا فرزند جننے سے عاجز ہیں۔ اگر معاذؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔[۱] اگر اس بات کے قوی قرائن موجود نہ ہوتے کہ بچّہ اُسی شخص کا ہے۔ مثلاً یہ کہ اُس کے دانت نہ نکل آئے ہوتے اور باپ نے بچہ میں اپنی مشابہت نہ پالی ہوتی تو حضرت عمرؓ اس عورت کو رجم کر دیتے اور حضرت معاذؓ کو بھی حمل کے قرینہ کی بنا پر اس عورت کو زنا کے جُرم میں رجم کرنے پر اعتراض نہیں تھا بلکہ اُن کو اس پر اعتراض تھا کہ عورت پر حمل کی حالت میں حد جاری کی جائے، کیونکہ حد کے اجراء سے پیٹ کا بچّہ بھی ہلاک ہو جاتا اور یہ جائز نہیں ہے۔

۵۔ زنا کی سزا:

شادی شدہ شخص (د:احصان/۱) کے زنا کی سزا اور غیر شادی شدہ شخص کے زنا کی سزا میں فرق ہے۔

(و) شادی شدہ کے زنا کی سزا:

۱۔ اگر شادی شدہ شخص زنا کرے تو اُسے پتھروں سے سنگسار کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو جائے اور رجم سے قبل کوڑے نہیں مارے جائیں گے۔

---

(۱) عبدالرزاق ۷/۳۵۰، سنن البیہقی ۷/۴۴۲، المغنی ۹/۵۲۸، ۸/۲۱۱

(۱) عبدالرزاق ۷/۳۵۴، ابن ابی شیبہ ۲/۱۴۴، شرح السراجیہ ۱۳۱

رجم کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو منبر پر خطبہ میں فرماتے سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اُن پر کتاب نازل کی اور جو کچھ آپ پر نازل فرمایا اس میں آیت رجم بھی تھی، جس کو ہم نے پڑھا اور یاد رکھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کی سزا دی اور اُن کے بعد ہم نے بھی زانی کو رجم کیا اور مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد کوئی شخص یہ کہے کہ ہم رجم کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ اور اس طرح لوگ ایک ایسے حکم کو ترک کر کے جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ میں نازل کیا ہے گمراہ نہ ہو جائیں، کیونکہ رجم کتاب الٰہی میں اللہ کا حق ہے اور شادی شدہ شخص خواہ مرد ہو یا عورت اگر زنا کا مرتکب ہو اور گواہوں یا حمل یا اعتراف سے ثابت ہو جائے کہ اس نے زنا کیا ہے تو ایسے شخص کو رجم کیا جائے گا۔ اور قسم بخدا! اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمرؓ نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا ہے تو میں اس حکم کو لکھ دیتا۔ (۱)

رجم کے ساتھ کوڑے نہ مارے جائیں :

ہم حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا خطبے میں دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: مرد اور عورت جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے اس کا رجم کرنا کتاب اللہ کی رُو سے برحق ہے۔ اس خطبہ میں حضرت عمرؓ نے کوڑے مارنے کا ذکر نہیں کیا۔ نیز آپ نے ابو واقد لیثیؓ کو شام اس عورت کے پاس بھیجا، جس کے شوہر نے اس پر زنا کا الزام لگایا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ

(۱) البخاری، الحدود، باب رجم الحبلی فی الزنا۔ مسلم نمبر ۱۶۹۱، ترمذی، ابو داؤد، حدود۔ الموطا ۲/۸۲۴، مسند الامام احمد ۱/۲۳، عبد الرزاق ۷/۳۱۵، ابن ابی شیبہ ۲/۱۳۳ ب، المغنی ۸/۱۵۷

اس عورت کو رجم کی سزا دی جائے اور کوڑے مارنے کا حکم نہیں دیا، چنانچہ جو کچھ آپ سے منقول ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جسے آپ نے رجم کی سزا دی اسے کوڑے نہیں مارے۔(۱) یعنی آپ نے شادی شدہ زانی پر ہر دو سزائیں یعنی رجم اور جلد جمع نہیں کیں۔

اور ابن ابی شیبہ نے جو روایت ابن سیرینؒ کے حوالے سے نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ رجم کی سزا بھی دیتے تھے اور کوڑے بھی لگاتے تھے۔(۲) یعنی رجم کے ساتھ جلد کی سزا بھی دیتے تھے تو یہ روایت ثابت نہیں ہے۔

۲۔ رجم میں امام کی شرکت :

جس زانی پر رجم کی سزا جاری کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہو۔ اس کے رجم میں امام کی شرکت شرط نہیں ہے بلکہ یہ کافی ہے کہ لوگ خود ہی اُسے رجم کر دیں، چنانچہ جس عورت کے واقعہ میں حضرت عمرؓ نے ابو واقد لیثیؓ کو شام بھیجا تھا، اُس کے سنگسار کرنے میں حضرت عمرؓ نے خود شرکت نہیں کی، جس سے معلوم ہوا کہ امام کی شرکت شرط نہیں ہے۔

(ب) غیر شادی شدہ کے زنا کی سزا :

۱۔ آزاد غیر شادی شدہ شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح حکم بیان فرما دیا ہے کہ ایسے شخص کو کوڑے مارے جائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور ۲)

"زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔"

(۱) المحلی ۱۱/۲۳۳، المغنی ۸/۱۹۰، ۱۹۱، الاعتبار ۲۰۲

(۲) ابن ابی شیبہ ۲/۱۳۳ ب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سزا پہ ایک سال کی جلاوطنی کی سزا کا اضافہ فرمایا، چنانچہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ اگر غیر شادی شدہ مرد اور غیر شادی شدہ عورت زنا کریں تو اُن کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔ (۱)

حضرت عمرؓ نے یہی حد نافذ فرمائی اور غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے مارے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا۔ (۲) آپ نے غیر شادی شدہ زانی کو بصرہ جلاوطن کیا (۳)، فدک جلاوطن کیا۔ (۴)، خیبر جلاوطن کیا۔ (۵) اور دیگر مقامات پر بھی جلاوطن کیا۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُس نے آپ کو بتایا کہ اُس کی بہن پردہ ہی میں ایک کارنامہ کر بیٹھی اور اب وہ حاملہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اُسے مہلت دو یہاں تک کہ اس کے بچہ ہو جائے اور فارغ ہو جائے تو پھر اس کے بارے میں مجھے اطلاع دو۔ غرض جب اس کے بچہ ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے اُسے سو کوڑے مارے اور اُسے بصرہ کی طرف جلاوطن کر دیا۔ (۶)

رہ گئی یہ روایت کہ حضرت عمرؓ نے ربیعہ بن امیہ بن خلف کو مے نوشی کے جرم میں ایک سال کے لیے جلاوطن کیا تو وہ ہرقل کے پاس پہنچ گیا اور نصرانی ہو گیا۔ اس پہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد میں کسی کو جلاوطنی کی سزا نہیں دوں گا۔ (۷)

(۱) مسلم، حدود، نمبر ۱۶۹۰، ترمذی، حدود، نمبر ۱۴۳۴، ابوداؤد، نمبر ۴۴۱۵۔ (۲) سنن الترمذی، نمبر ۱۴۳۸، سنن البیہقی ۸/۲۲۲، المحلی ۱۱/۱۸۳، المغنی ۸/۱۶۷ (۳) سنن البیہقی ۸/۲۲۲، ابن ابی شیبہ ۲/۱۳۳ ب (۴) ابن ابی شیبہ ۲/۱۳۳ ب (۵) سنن البیہقی ۸/۲۲۲ (۶) المحلی ۱۱/۱۸۳ (۷) عبدالرزاق ۷/۳۱۴، المغنی ۸/۱۶۷۔

ممکن ہے کہ یہ صورت صرف خمر ہی کے ساتھ مخصوص ہو، کیونکہ مے نوشی میں جلاوطنی تعزیری سزا ہے حد نہیں ہے اور زنا میں جلاوطنی کی سزا رسول اللہ کی حدیث کی رو سے حد ہے۔

۲۔ غلام اور لونڈی کی حدِ زنا پچاس کوڑے ہیں۔ (۲) خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ (۳) چنانچہ عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھے بھی قریش کے بعض دیگر نوجوانوں کے ساتھ امیر مقرر کیا۔ اور ہم نے بیت المال کی بعض باندیوں کو زنا کی سزا میں پچاس پچاس کوڑے مارے (۳) اور زہری کی روایت ہے کہ یہ باندیاں باکرہ (غیر شادی شدہ) تھیں۔ (۴)

اور حضرت عمرؓ کے بارے میں جو یہ روایت ہے کہ آپ سے باندی کی حد کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ اُس نے تو اپنی چادر دروازے کی چوکھٹ پر ہی ڈال دی ہے۔ (۵) جس کے بارے میں قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابو عبید نے کہا کہ اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ "باندی بے پردہ رہتی ہے اور جہاں اُس کے مالک بھیجتے ہیں وہاں جاتی ہے اور اس سے انکار نہیں کر سکتی تو کبھی کبھی وہ ایسی صورت حال سے بھی دوچار ہو سکتی ہے جس میں وہ بُرائی سے نہ بچ سکے۔ مزید براں باندی بکریاں چراتی ہے اور ٹیکس ادا کرتی ہے وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک باندی کے فجور پر حد نہیں ہے"۔ تو ہم اس تشریح سے اتفاق نہیں کرتے جب کہ یہ امر ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیت المال کی باندیوں کو زنا کی حد میں پچاس

(۱) المغنی ۸/۱۷۳، خراج ابی یوسف ۸/۱۶۴، ۱۹۹ (۲) المغنی ۸/۱۷۴ (۳) سنن البیہقی ۸/۲۴۲، الموطا ۲/۸۲۷، تفسیر الطبری ۸/۲۰۱ (۵) عبدالرزاق ۷/۳۹۶، القرطبی ۵/۱۴۳

پچاس کوڑے مارے۔ میرے نزدیک حضرت عمرؓ کے اس قول کا کہ باندی نے اپنی چادر دروازے کی چوکھٹ پر ہی ڈال دی ہے۔ مفہوم صرف یہ ہے کہ اُن کی سماجی حیثیت کم ہے اور یہ کہ اُن کی عریانی آزاد عورتوں کی طرح قابلِ ستر نہیں ہے۔

۳۔ زنا میں کوڑے مارنے کی کیفیت، (د: جلد)

۴۔ حدِ زنا کون قائم کرے گا؟

آزاد شخص پر زنا کی حد، خواہ یہ حد رجم کرنا ہو یا کوڑے مارنا، امام جاری کرے گا، جبکہ غلام پر حد امام بھی جاری کر سکتا ہے اور اس کا مالک بھی۔ (د: حد/ ۵)

۷۔ نکاح زانیہ۔ (د: نکاح/ ۴ و ۲ ط)

زنا کے نتیجہ میں زانیہ کی عدت۔ (د: استبراء)

زانیہ کے بچے کا نسب ماں کی طرف سے ہوتا ہے۔ (د: نسب/ ۴)

ولدِ زنا کی آزادی۔ (رق/ ۵ ج ۴)

ولدِ زنا کے بارے میں نصیحت:

حضرت عمرؓ اولادِ زنا سے حُسنِ سلوک کی نصیحت فرماتے تھے[1]

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی غیر مرد کو موجود پائے اور اُس پر دست درازی کر بیٹھے۔ (د: جنایت/ ۳ ب ۶)

زانیہ کا استبراء (د: استبراء/ ۳)

زوج (شوہر)

میراث میں شوہر کے احوال (د: ارث/ ۵ د)

بیوی کی عطاء (د: فئی/ ۳ و ۳ ھ)

کوئی چیز شوہر کو ہبہ کرنے کے بعد واپس لینا (د: ہبہ/ ۴ ج ۱)

(۱) عبدالرزاق ۱۱/ ۳۱

مزید دیکھیے: نکاح، طلاق، نفقہ، ایلاء، ظہار، خلع، عدت، نسب، قذف۔

زوجۃ (بیوی)

۱۔ میراث میں بیوی کے احوال (د: ارث/ ۵ ھ)

۲۔ مزید دیکھیے: نکاح، طلاق، نفقہ، ایلاء، ظہار، خلع، عدت، نسب، قذف۔

زُور (جھوٹ)

جھوٹی گواہی اور اس کی سزا (د: شہادت/ ۱ ج ۴)

جرم دھوکہ دہی اور اس کی سزا (د: تزویر/ ۲ ب)

زیارۃ (زیارت)

زیارتِ کعبہ (د: حج و عمرہ)

زیارت بیت المقدس (د: قدس)

زینۃ (زینت)

۱۔ تزئین بیت (گھر کی آرائش)

حضرت عمرؓ گھر کو پردوں سے آراستہ کرنا بُرا سمجھتے تھے۔ آپ پردوں کو پھاڑ دیتے تھے اور پھاڑ دینے کا حکم دیتے تھے۔ صفوان بن امیہ نے شادی کی اور حضرت عمرؓ کو اپنے گھر بلایا۔ جب کہ انہوں نے اپنے گھر میں منقش کھال کے پردے لٹکا رکھے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم ان کی جگہ ٹاٹ کے پردے لٹکا لیتے تو وہ اُن کے مقابلہ میں گرد و غبار روکنے کے لیے زیادہ مناسب ہوتے[1]

(۱) عبدالرزاق ۱۱/ ۳۱

نیز حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ عبداللہ بن عمرؓ کی اہلیہ صفیہ نے اپنے گھر میں وہ پردے لٹکا رکھے ہیں جو عبداللہ بن عمرؓ نے انہیں ہدیہ میں دیئے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے گھر گئے تاکہ ان پردوں کو پھاڑ دیں تو اہلِ خانہ کو پیشگی اطلاع ہوگئی اور انہوں نے وہ پردے اتار لیے، چنانچہ جب حضرت عمرؓ وہاں پہنچے تو کچھ نہیں تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ ہمارے پاس جھوٹی خبریں لے کر آتے ہیں۔ (۱) حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ بصرہ میں خضراء نامی ایک عورت نے اپنے گھر میں پردے لٹکا رکھے ہیں۔ آپ نے حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کو خط لکھا: اما بعد! ہمیں اطلاع ملی ہے کہ خضراء کے گھر میں پردے لٹکے ہوئے ہیں۔ میرا خط ملتے ہی فوراً جاؤ اور جاکر یہ پردے پھاڑ دو۔ اللہ ان پردوں کا ستیاناس کرے! حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر گئے اور گھر میں داخل ہو گئے اور یہ سب لوگ گھر کے مختلف حصّوں میں کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا کہ تم پر اللہ رحم کرے تم میں سے ہر شخص وہ پردہ پھاڑ دے جو اس کے قریب ہے، چنانچہ انہوں نے پردے پھاڑ دیے اور باہر آ گئے۔ (۲)

۲۔ تلوار وغیرہ کی آرائش:

تلوار اور دیگر سامان سپاہ گری کی آرائش جائز ہے۔ (دیکھئے حلی/۳)

۳۔ انسانی جسم کی تزئین:

(الف) انسان کی ظاہری ہیئت کا مناسب اور شائستہ ہونا:

حضرت عمرؓ اس امر کو پسند فرماتے تھے کہ انسان مناسب اور شائستہ وضع قطع میں نظر آئے اور کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے اس کی ظاہری ہیئت ناگوار محسوس ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب صبیغ کو دیکھا کہ اس نے تمام بال منڈوائے ہوئے ہیں، تو آپ نے اسے سرزنش کی اور تنبیہہ فرمائی اور کہا کہ اگر میں نے تمہیں اس طرح بال منڈائے ہوئے پھر دیکھا تو میں تمہارے چہرے پر تلوار ماروں گا۔ (۱)

اور حضرت عمرؓ اس شخص کی ستائش فرمایا کرتے تھے جو اپنی ظاہری ہیئت کی درستگی کا اہتمام رکھتا اور بڑھاپے کے ناگوار محسوس ہونے والے بالوں کا حُلیہ تبدیل کر دیتا ہے، چنانچہ حکم بن عمرو الغفاری سے مروی ہے کہ میں اور میرا بھائی رافع امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو میں نے مہندی کا خضاب لگا رکھا تھا اور میرے بھائی نے پیلا خضاب لگایا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ اہلِ اسلام کا خضاب ہے اور میرے بھائی رافع سے کہا کہ یہ اہلِ ایمان کا خضاب ہے۔ (۲)

(ب) بال رنگ کر زینت کرنا: (دیکھئے شعر/۲)

(ج) زینت کرنے میں مبالغہ:

اگرچہ حضرت عمرؓ اس امر کو پسند فرماتے تھے کہ انسان اپنی ہیئت میں شائستہ نظر آئے۔ مگر اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ آدمی اپنی تمام تر صلاحیّت ظاہر کے سنوارنے ہی میں صرف کرتا رہے، کیونکہ درحقیقت ظاہر کے سنوارنے سے زیادہ اہم کام انسان کے کرنے کے لیے موجود ہیں، اسی لیے حضرت عمرؓ کو یہ بات ناپسند تھی کہ مرد عورتوں کی طرح بناؤ سنگھار ہی کرتا رہے۔ ہر روز آنکھوں میں سُرمہ لگا ہوا ہو اور ڈاڑھی اس طرح سنواری ہوئی ہو جیسے عورت اپنے سر کے بال سنوارتی ہے۔ (۳)

(د) زیورات سے آرائش:

حضرت عمرؓ کو عورت کا زیور پہننا پسند تھا۔ اور آپ مرد کے

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۳۱ (۲) عبدالرزاق ۱۱/۳۱

(۱) المغنی ۱/۸۹ (۲) المغنی ۱/۹۱ (۳) کنزالعمال نمبر ۱۷۴۴۹

لیے انگوٹھی پہننا جائز سمجھتے تھے۔ (د ا حلی/۲)

(ھ) زینت کس موقعہ پر حرام ہے:

درج ذیل حالتوں میں عورت کے لیے زینت حرام ہے۔

۱۔ گھر سے باہر نکلتے وقت: ایک عورت عہد عمرؓ میں زیب و زینت کر کے باہر نکلی، جس کی اُس کے شوہر نے بھی اجازت دی تھی۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے اُسے طلب کیا، لیکن وہ ہاتھ نہ آسکی تو آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ اگر اس باہر نکلنے والی عورت اور اس کو اجازت دینے والے شوہر پر میں قدرت پا لیتا تو میں ضرور مار مار کر ان دونوں کا حلیہ بگاڑ دیتا۔ ازاں بعد آپ نے فرمایا: اگر کسی عورت کا باپ لب مرگ ہو تو وہ اُس کے پاس جائے اور اگر اُس کا بھائی لب مرگ ہو تو اُس کے پاس جائے لیکن جب باہر نکلے تو پھٹے پرانے کپڑے پہن کر نکلے۔ اور واپس آکر اپنے گھر میں اپنے شوہر کے لیے زینت کرے۔ [۱] (د ا حجاب/۱ ج)

۲۔ دورانِ عدت: جب تک عورت عدت میں ہے، اس کے لیے زیب و زینت جائز نہیں ہے۔

(د ا عدت / ۹ ھ)

(و) جو باندی برائے فروخت ہو اُس کی زیب و زینت کرنا جائز ہے۔ (د ا تدلیس/۳)

---

[۱] عبدالرزاق ۴/۳۷۲

س

سؤر (جھوٹا یعنی پس خوردہ)

دیکھیے: (ماء ۲ ب)

سامری

سامری مذہب کے لوگوں کو اہل کتاب کا ایک فرقہ شمار کرنا۔ (د: کتابی)

سامری کے ہاتھ کا ذبیحہ (د: ذبح ۳ ر)

سَبّ (برا بھلا کہنا)

دیکھیے: ہجا

سبق (گھڑ دوڑ)

سبق (گھڑ دوڑ) معاوضے پر اور بغیر معاوضے کے دونوں طرح جائز ہے۔ اگر معاوضے کے ساتھ ہو تو شرط یہ ہے کہ معاوضہ باہم مقابلہ کرنے والوں کی طرف سے نہ ہو کہ اگر ان کی جانب سے ہوگا تو قمار بن جائے گا۔ عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے گھڑ دوڑ کا مقابلہ کرانے والے حضرت عمرؓ بن الخطاب ہیں۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود بھی گھوڑا دوڑایا اور مقابلہ میں آگے نکل گئے۔ (۱)

سَبْی (قید)

دیکھیے: اسر

قیدیوں کے بچوں کا اسلام قبول کرنا (د: اسلام ۲ ج)

ستارة (پردے)

پردوں سے گھر کی آرائش کا مکروہ ہونا (د: زینت ۱)

سترة (وہ چیز جو بطور آڑ نمازی اپنے سامنے رکھتا ہے)

نماز میں سترہ (د: صلاۃ ۸)

سجن (قید خانہ)

۱۔ حرم میں قید خانہ بنانا:

حرم میں قید خانہ بنانا جائز ہے۔ مکہ میں حضرت عمرؓ کے عامل نافع بن عبدالحارث نے قیدخانہ بنانے کیلئے صفوان بن امیہ کا گھر خریدا تھا۔ (۱)

(۱) عبدالرزاق ۵/۳۰۵

(۱) عبدالرزاق ۵/۳۰۴ (۲) المحلی ۸/۱۷۱، ۱۰/۴۹۹ سنن البیہقی ۶/۳۴، المجموع ۹/۳۶۹، المغنی ۶/۲۹۲

(د : بیع ۴ ب ۲)

۲- بربنائے تہمت سزائے قید (د : قضا ۱ د ۱۳)

۲- تعزیراً قید کی سزا دینا (د : تعزیر ۲)

سجود (سجدہ)

۱- غیر اللہ کو سجدہ کرنا :

کسی شخص کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ :

کسی دوسرے کو کسی حال میں سجدہ کرے، خواہ وہ بادشاہ ہو یا عالم ہو یا کوئی نیک شخص، کیونکہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ عجم کا ایک بڑا لیڈر حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ اس نے حضرت عمرؓ کو سجدہ کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "اپنا سر اٹھاؤ اور اسے خداوند قہار کے سامنے جھکاؤ" (۱)

۲- سجدۂ شکر :

ہر نئی نعمت ملنے پر اور تنگی دُور ہو جانے پر بارگاہ الٰہی میں سجدۂ شکر بجالانا مستحب ہے۔ حضرت عمرؓ بھی سجدۂ شکر کیا کرتے تھے۔ آپ کو جب یمامہ کے فتح ہونے کی خبر ملی تو آپ نے سجدہ کیا۔ (۲)

۳- سجدۂ سہو :

دیکھیے : (صلاۃ / ۱۰)

۴- سجدۂ تلاوت :

(الف) قرآن میں سجدۂ تلاوت کے مقامات (د : قرآن / ۸)

(ب) سجدۂ تلاوت کے احکام :

۱- حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ قرآن کی کوئی ایسی آیت تلاوت کرنے یا سننے پر جس میں سجدہ ہو، سجدہ کرنا واجب نہیں ہے (۳)

حضرت عمرؓ نے جمعہ کے دن منبر پر سجدہ والی آیت تلاوت کی اور نیچے اُتر کر سجدہ کیا۔ لوگوں نے بھی آپؓ کے ساتھ سجدہ کیا۔ آئندہ جمعہ کو آپؓ نے پھر آیت سجدہ تلاوت کی۔ لوگ پھر سجدہ کے لیے تیار ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ اللہ نے یہ سجدہ ہم پر فرض نہیں کیا ہے، اختیاری امر ہے ہم جس وقت چاہیں کر لیں۔ (۱) یہ حکم اُس شخص کا ہے جو خود آیت سجدہ تلاوت کرے یا بیٹھا ہوا سُن رہا ہو لیکن اگر بلا ارادہ کسی شخص کے کان میں سجدہ کی آیت پڑ جائے تو اس پر سجدہ نہیں ہے؛ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سجدۂ تلاوت اس شخص پر ہے جو خود قرائت کر رہا ہو یا بیٹھ کر سُن رہا ہو۔ (۲)

۲- اگر کسی شخص نے نماز کے علاوہ آیت سجدۂ تلاوت کی اور سجدہ کرنا چاہا تو اُسے اختیار ہے چاہے تو قرائت کے مکمل ہونے کے بعد سجدہ کر لے اور چاہے تو قرائت منقطع کر کے کر لے اور سجدہ کر لینے کے بعد پھر قرائت شروع کر دے۔

۳- اور اگر کسی شخص نے منبر پر خُطبہ دیتے ہوئے دورانِ خطبہ آیت سجدہ تلاوت کی تو چاہے تو اُتر کر سجدہ کر لے۔ پھر منبر پر چڑھ کر خُطبہ پُورا کرے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے منبر پر آیت سجدہ کی تلاوت کے وقت کیا تھا۔ (۳) اور چاہے تو خُطبہ کے اختتام کے بعد سجدہ کرے۔

۴- اور اگر کسی شخص نے آیت سجدہ نماز میں تلاوت کی تو وہ چاہے تو نماز کے دوران ہی سجدہ کر لے؛ چنانچہ عبداللہ بن ثعلبہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپؓ نے سُورۂ حج تلاوت کی اور دو سجدہ ہائے تلاوت کیے۔ اور اگر

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/۱۱۹ / ۳۰۸، المغنی ۱/۶۲۳ (۳) المجموع ۴/۵۵

(۱) صحیح البخاری، سجود القرآن، الموطا ۱/۲۰۶، المحلی ۵/ ۹۱، المغنی ۱/ ۲۹۳، ۲/ ۳۱۰ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۳ ب (۳) المحلی ۹/ ۱۲۶

چاہیے تو نماز پوری کرے اور اس کے بعد سجدۂ تلاوت کرے۔

۵۔ اوقات مکروہہ میں سجدۂ تلاوت کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ سجدہ کو مؤخر کر دے یہاں تک کہ مکروہ وقت نکل جائے۔ اس کے بعد سجدہ کرے۔ چنانچہ ابو تمیمۃ الہجیمی سے مروی ہے کہ میں صبح کی نماز کے بعد تلاوت کرتا اور سجدہ کر لیتا۔ اور مجھے عبداللہ بن عمرؓ نے تین مرتبہ منع کیا لیکن میں نہیں مانا، اس پر انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابو بکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ وہ اس وقت تک سجدہ نہیں کرتے تھے جب تک سورج طلوع نہ ہو جاتا۔ (۱)

سحر (جادو)

۱۔ تعریف:

کسی جاندار کو نقصان پہنچانے کی خاطر اس پر جن کو مسلط کر دینا۔

۲۔ سحر کا حکم اور اس کی سزا:

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ سحر کو کفر سمجھتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے اس کے اوپر ارتداد کی سزا دی یعنی قتل کیا۔ چنانچہ بجالۃ تمیمی بیان کرتے ہیں کہ میں احنف بن قیس کے چچا جزء بن معاویہ کا کاتب تھا۔ ہمارے پاس حضرت عمرؓ کی وفات سے ایک سال قبل ان کا ایک فرمان آیا کہ ہر ساحر اور ساحرہ کو قتل کر دو، اس پر ہم نے تین ساحروں کو قتل کیا۔ (۲) عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ایک ساحر کو پکڑا اور اسے سینہ تک گڑھے میں دفن کر کے چھوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ (۱)

سرایۃ (سرایت)

قصاص کا اپنی حد سے آگے بڑھ کر ہلاکت یا ہلاکت سے کم نقصان کا باعث بن جانا۔ (د: جنایت/۵ و ۷)

سرایت حد:

(دیکھو: حد/۱۲)

سرقہ (چوری)

۱۔ تعریف:

کسی پوشیدہ محفوظ مقام سے ایسا مال لے لینا جس پر لینے والے کا ذرا بھی حق نہ ہو۔ لہٰذا اختلاس (چھین لینا) چوری نہیں ہے، کیونکہ اختلاس خفیہ نہیں ہوتا۔ (د: اختلاس)

۲۔ چور کا بھگا دینا:

اگر کوئی شخص کسی چور کو چوری کرتے دیکھے تو شور مچا دے۔ مارنے کا ارادہ نہ کرے، کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ چور محض آواز دینے سے ہی مال مسروقہ چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ لیکن اگر نہ بھاگے اور مزاحمت کرے تو اس کے خلاف جوابی کارروائی کرنا جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ چور کو خوفزدہ کرو پکڑو نہیں۔ (۲)

۳۔ سارق (چور)

چور پر حد سرقہ اسی وقت جاری ہو گی، جب وہ بالغ، عاقل، مختار اور حرمت سرقہ سے واقف ہو۔ (د: حد/۶)

---

(۱) سنن ابی داؤد، نمبر ۱۴۱۵، الصلاۃ، فیمن قرأ السجدۃ فی الصبح۔ المغنی ۱/۶۲۳ (۲) عبدالرزاق ۹/۴۹، ۱۰/۱۷۹، ابن ابی شیبہ ۲/۱۷۳، المحلی ۹/۴۲۵، ۱۱/۳۹۴، سنن البیہقی ۸/۱۳۶، الاموال/۳۱، المغنی ۸/۱۵۳

(۱) عبدالرزاق ۱۰/۱۸۴، المحلی ۱۱/۳۹۷

(۲) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۹، المحلی ۱۱/۳۹۷

اس مقام پر یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک ضرورت بھی ایک قسم کا اکراہ ہے۔ یہ بات حاطب بن ابی بلتعہؓ کے غلاموں کی چوری کے واقعہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے جب اُنھوں نے بھوک سے مجبور ہو کر ایک اُونٹنی چرائی تھی تاکہ اُسے کھا جائیں۔ اس واقعہ کی روایت اس طرح ہے کہ حاطبؓ کے غلاموں نے مزینہ کے ایک شخص کی اُونٹنی چرا کر اُسے ذبح کر لیا۔ مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے کثیر بن صلت کو اُن کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لیکن بعد میں آپ نے اس فیصلہ سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ اگر میں یہ نہ سمجھ لیتا کہ تم اُنہیں بھوکا رکھتے ہو اور بھوک کی وجہ سے اُنھوں نے اللہ کے حرام کردہ کام کا ارتکاب کیا ہے تو میں ان کے ہاتھ کٹوا دیتا۔ لیکن اب اگر اُنہیں چھوڑ بھی دوں تو تمہارے اُوپر بھاری تاوان عاید کروں گا، چنانچہ آپؓ نے اس اُونٹنی کی قیمت کا دُگنا تاوان عاید کیا۔ (۱)

اور اس امر سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک ضرورت ایک طرح کا اکراہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے قحط کے دنوں میں سرقہ کی حد جاری نہیں کی۔ ایک شخص ایک اُونٹنی کے بارے میں جو ذبح کر لی گئی تھی حضرت عمرؓ کے پاس شکایت لے کر آیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ ہم تمہیں دو موٹی تازی تر و تازہ دُودھ دینے والی اُونٹنیاں دے دیں، کیونکہ ہم قحط کے زمانے میں قطع ید کی سزا نہیں دیتے۔ (۲)

۴۔ مسروق منہ (جس کا مال چوری ہوا)

(۱) سنن البیہقی ۸/ ۲۷۸، الموطا ۲/ ۴۸، عبدالرزاق ۱۰/ ۲۳۹

(۲) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۴۲، ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۰ ب، المحلی ۱۱/ ۳۴۳، المغنی ۸/ ۲۷۸

(و) اگر مسروق منہ (جس کی چوری کی گئی ہے) خود سارق کی ملکیت ہو تو اس پر حد سرقہ قائم نہیں کی جائے گی۔ اس اعتبار سے مالک اگر اپنے غلام کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اسی طرح اگر باپ بیٹے کا مال چرالے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لیے کہ فرمانِ نبویؐ ہے کہ "تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔"

(ب) اس غلام پر بھی حد سرقہ قائم نہیں کی جائے گی جس نے اپنے مالک کی چوری کی ہو۔ روایت ہے کہ عبداللہ بن حضرمی حضرت عمرؓ کے پاس اپنا غلام لے کر آئے اور عرض کی کہ اُس نے چوری کی ہے اس کا ہاتھ کاٹ دیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس نے کیا چوری کیا ہے۔ اُس نے کہا کہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چوری کیا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، اس کو قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی، کیونکہ یہ تمہارا غلام ہے اور اُس نے تمہارا ہی مال چرایا ہے (۱)

۵۔ مسروق (شئے مسروقہ)

(و) حد سرقہ اس وقت تک نہیں قائم کی جائے گی جب تک مسروقہ شئے میں درج ذیل شرائط موجود نہ ہوں۔

۱۔ مسروقہ شئے ایسا مال ہو کہ سارق نہ اس شئے کا مالک ہو اور نہ اس میں اس کی ملکیت کا شبہ ہو۔ اس لحاظ سے کسی آزاد آدمی کو چرانے پر حد نہیں ہے اس لیے کہ آزاد شخص مال نہیں ہے۔ ناسمجھ غلام بچے کی چوری پر حد لازم ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جس نے ایک غلام بچہ چوری کیا تھا۔ (۲)

(۱) سنن البیہقی ۸/ ۲۸۲، ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۰، الموطا ۲/ ۸۴۰، خراج ابی یوسف ۲۰۵، المغنی ۲/ ۲۴۹، ۸/ ۲۷۵

(۲) عبدالرزاق ۱۰/ ۱۹۶، المحلی ۱۱/ ۳۳۶، سنن البیہقی ۸/ ۲۶۸، ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۷ ب

مگر سمجھ دار بڑے غلام کی چوری پر قطع ید نہیں ہے کیونکہ اس کی چوری اُس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک وہ خود سارق کا ساتھ نہ دے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ کے نزدیک بڑی عمر کے غلام کی چوری پر قطع ید کی سزا نہیں ہے، بلکہ آپ نے فرمایا کہ یہ چالباز ہیں۔ چنانچہ علی بن مبارک بیان کرتے ہیں کہ افریقہ میں جو لوگ غلام چرایا کرتے تھے، اُن کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا، کیونکہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی ایسا ہوا تو آپ کی رائے قطع ید کی نہیں تھی اور آپ نے کہا کہ یہ چالباز ہیں۔ (۱) بیہقی نے لکھا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب کہ غلام عاقل ہو۔ (۲)

مُردے کا کفن چوری کرنے پر حد لازم ہے، عبداللہ بن عامر بن ابی ربیعہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے حضرت عمرؓ کے عہد میں یمن میں قبروں سے چوری کرنے والے پائے تو اس بارے میں حضرت عمرؓ کو لکھا۔ جواباً حضرت عمرؓ نے اُنہیں لکھا کہ ان کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ (۳)

حضرت عمرؓ قبروں کی بے حرمتی کرنے والے اور اس میں سے کفن چوری کرنے کے لیے قبر کھولنے والے کو قطع ید سے سخت سزا دیا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص مر گیا۔ اس کے بھائی کو یہ اندیشہ ہوا کہ اس کی قبر کھولی جائے گی، تو اُس نے اُس کی نگرانی شروع کر دی۔ چنانچہ کفن چور آیا اور اُس نے آکر کفن نکال لیا۔ میّت کے بھائی نے اُسے تلوار ماری اور وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ معاملہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے اس کا خون رائگاں قرار دے دیا۔ (۱)

اگر کسی شخص نے ایسا مال چرایا جس میں خود چرانے والے کا بھی حصہ ہو یا اس کا حصہ ہونے کا شبہ ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، البتہ اُسے تعزیری سزا دی جائے گی، مثلاً کوئی شخص بیت المال سے چوری کرے، چنانچہ کوفہ کے بیت المال سے ایک شخص نے چوری کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اُس کا ہاتھ قطع کرنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ نے اس کے بارے میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کو لکھا تو حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر کیا کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹنا، اس لیے کہ بیت المال میں اس کا بھی حق ہے۔ (۲) یا مثلاً وہ شخص جس نے غنیمت کے مال میں سے چوری کی ہو، جس کا خود اس مال میں حصہ ہو۔ اگرچہ حضرت عمرؓ مال غنیمت سے چوری پر سخت سزا دیا کرتے تھے۔ (۳) لیکن اُسے قطع ید کی سزا نہیں دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر غنیمت سے چرایا ہوا مال کسی کے پاس ملے تو وہ اُس سے لے لیا جائے اور اُسے سو کوڑے مارے جائیں اور اس کا سر اور ڈاڑھی مونڈ دی جائے اور جانور کے سوا جو کچھ اُس کے خیمے میں ہو لے لیا جائے، پھر اس کے خیمہ کو جلا دیا جائے۔ اور یہ شخص مسلمانوں کی غنیمت میں سے کبھی بھی حصہ نہیں پائے گا۔ (۴)

حضرت عمرؓ کے نزدیک راستہ سے گزرنے والے اگر باغ میں سے پھل توڑ کر کھالیں تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے اور یہ چوری

(۱) ۲/ ۱۲۷، سنن البیہقی ۸/ ۲۶۸ (۲) سنن البیہقی ۸/ ۲۶۸ (۳) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۱۵، المحلی ۱۱/ ۳۳۰۔ اس روایت میں ایک راوی ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ ہیں جن کے بارے میں المغنی فی الضعفاء میں کہا ہے کہ بعض محدثین نے انہیں متروک کہا ہے اور بعض دیگر نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(۱) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۱۴، المحلی ۱۱/ ۳۳۰۔ (۲) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۱۲، ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۰، المحلی ۱۱/ ۳۲۷ خراج ابی یوسف ۲۰۴، المغنی ۸/ ۲۷۷ (۳) خراج ابی یوسف ۲۰۵، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۲۳۔

نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر تم باغ کے پاس سے گزرو تو اس میں سے کھا لو لیکن کپڑوں میں چھپا کر نہ لے جاؤ۔ (۱)

اور حضرت عمرؓ سے جو یہ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم اُونٹوں کے گلہ بان کے پاس سے گزرو تو اُس کو آواز دو۔ اگر وہ تمہیں جواب دے تو اس سے پینے کے لیے دُودھ مانگ لو۔ اگر جواب نہ دے تو خود اُونٹنی کا دُودھ دوھ کر پی لو اور پھر اس کے تھن باندھ دو۔ (۲) تو یہ روایت بیہقی کے قول کے مطابق حالتِ ضرورت پر محمول ہے۔

۲۔ مسروقہ شئے محفوظ جگہ میں رکھی ہوئی ہو۔ اگر مسروقہ شئے کی حفاظت کا انتظام نہ ہو تو (اس کی چوری پر) قطع ید کی سزا نہیں ہے۔ عُرف (رواج) سے اس امر کا تعیّن ہوگا کہ کس شئے کی حفاظت کے لیے کیا انتظام ضروری ہے۔ مثلاً کھجور کا حرز کھلیان ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی نے کچھ کھجوریں لے لیں تو اس پر قطع ید نہیں ہے الایہ کہ وہ کھجوریں کھلیان یا باڑے میں لے جا کر رکھ دی جائیں۔ اس کے بعد اگر اس میں سے چوتھائی دینار کی قیمت کے مساوی چرالی جائیں تو قطع ید ہے۔ (۳) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خوشہ میں لگی ہوئی کھجوریں چرانے پر قطع ید نہیں ہے۔ (۴) اور اس پر اس لیے قطع ید نہیں ہے کہ یہ محفوظ نہیں ہیں۔

۳۔ مسروقہ شئے بقدر نصاب ہو: چور کا ہاتھ اُس وقت تک نہیں کاٹا جائے گا جب تک کہ چرائی ہوئی شئے کی قیمت نصاب کے برابر نہ ہو۔ نصاب کی تعیین کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے بموجب نصاب چوتھائی دینار ہے یا چوتھائی دینار کی قیمت کے مساوی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر سارق نے چوتھائی دینار کے مساوی شئے چرالی ہو تو اُس پر قطع ید ہے (۱) اور دوسری روایت میں ہے کہ نصاب سرقہ پانچ درہم ہے۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے ڈھال کی چوری پر قطع ید کی سزا دی۔ راوی بیان کرتا ہے، میں نے پُوچھا کہ ڈھال کی کیا قیمت ہوتی تھی؟ حضرت انسؓ نے کہا کہ پانچ درہم۔ (۲) اور حضرت عمرؓ کا قول ہے: ہاتھ پانچ درہم مالیت کی چیز چوری کرنے پر قطع کیا جائے گا، اس سے کم پر نہیں۔ (۳) تیسری روایت میں ہے کہ نصاب دس درہم ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے کپڑا چرایا تھا۔ آپؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اس کی قیمت کا اندازہ لگاؤ، اُنھوں نے اس کی قیمت کا اندازہ آٹھ درہم لگایا تو آپ نے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ (۴) ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ اولاً حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا کہ اس کی چوری دس درہم کے برابر نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس کی قیمت لگائی جائے، چنانچہ اس کی قیمت آٹھ درہم لگائی گئی تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۰۵ ب، سنن البیہقی ۹/ ۳۵۹، المجموع ۹/ ۵۳، المغنی ۸/ ۵۹۷ (۲) سنن البیہقی ۹/ ۳۵۹، المجموع ۹/ ۵۳، عبدالرزاق ۴/ ۵۸ (۳) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۲۳ (۴) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۰ ب، المحلی ۱۱/ ۳۴۳

(۱) عبدالرزاق ۱/ ۲۳۵، ۲۲۳، المغنی ۸/ ۲۴۲، تفسیر القرطبی ۶/ ۱۶۰ (۲) سنن البیہقی ۸/ ۲۶۰ (۳) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۴، تفسیر القرطبی ۶/ ۱۶۱، المغنی ۸/ ۲۴۲ (۴) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۲۳، سنن البیہقی ۸/ ۲۶۰

(ب) مسروقہ شئے کی واپسی :

۱۔ اگر مسروقہ شئے سارق کے پاس جوں کی توں موجود ہو تو وہ مسروق منہ (جس کی چوری ہوئی ہے) کو ضرور واپس کی جائے گی۔ اور اگر سارق نے وہ شئے کسی کو فروخت کر دی ہو اور خریدار پر چور سے سمجھوتہ کرنے کی تہمت نہ ہو تو جس کی چوری ہوئی ہو اس شئے کو خریدار سے قیمت کے بالعوض خرید لے اور یہ قیمت چور سے وصول کرے اور اگر چاہے تو سارق (چور) سے مطالبہ کرے کہ وہ بیع کا معاملہ ختم کرا کے اس کی شئے اُسے لا کر واپس کرے۔

حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی پیروی کرتے ہوئے اسی طرح فیصلہ دیا۔ چنانچہ اسید بن حضیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ اگر مسروق منہ اپنا مال کسی ایسے شخص کے پاس پائے جس پر چور سے سمجھوتہ کر لینے کی تہمت نہ ہو تو چاہے تو اسی قیمت میں اُس سے واپس لے لے جس میں اُس نے خریدا ہے اور چاہے تو چور سے مطالبہ کرے کہ وہ وصول کر کے دے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ کیا۔ (۱)

۲۔ اگر سارق (چور) نے مسروقہ شئے استعمال کر لی ہو تو اس ضمن میں حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ اگر سارق پر حد قائم نہ ہوئی ہو تو وہ اس شئے کی قیمت سے دوگنا معاوضہ بطور تاوان ادا کرے۔ چنانچہ حاطبؓ کے غلاموں نے مزینہ کے ایک شخص کی اونٹنی چرا لی اور اُسے ذبح کر لیا تو حضرت عمرؓ نے حاطب سے کہا کہ اگر مجھے یہ علم نہ ہو جاتا کہ تم انہیں بھوکا رکھتے ہو اور اس بھوک سے مجبور ہو کر انہوں نے اس حرام کام کا ارتکاب کر لیا ہے تو میں ان کے ہاتھ کاٹ دیتا، لیکن اب میں تم پر سخت تاوان عاید کروں گا۔ آپ نے اونٹنی کے مالک سے پوچھا کہ اس کی کیا قیمت تھی؟ اس نے کہا کہ چار سو میں فروخت کرنے سے میں نے انکار کر دیا تھا۔ آپؓ نے حاطبؓ کو کہا کہ اسے آٹھ سو ادا کر دو۔(۱) ایک شخص ایک اونٹنی کے بارے میں شکایت لے کر آیا جو ذبح کر دی گئی تھی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم دو دس ماہ کی حاملہ تر و تازہ، موٹی اونٹنیاں لینے کو تیار ہو؟ کیونکہ ہم قحط سالی کے زمانہ میں قطع ید کی سزا نہیں دیتے۔ (۲)

اور اگر سارق پر حد جاری ہو گئی ہو اور مسروقہ شئے اُس نے استعمال کر لی ہو، اس صورت میں مسروقہ شئے کا ضمان لازم ہونے کے بارے میں ہمیں حضرت عمرؓ کی کوئی روایت نہیں ملی۔

۶۔ سرقہ کا ثبوت :

جرم سرقہ اقرار سے ثابت ہو جاتا ہے اور اگر چور اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو یہ رجوع بھی صحیح ہے۔ (د: اقرار) اور سرقہ شہادت سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ (د: شہادت)

۷۔ سرقہ کی سزا :

(و) حضرت عمرؓ پوری قوت سے لیکن احتیاط کے ساتھ حد سرقہ نافذ کرنے کا حکم دیتے تھے۔ آپ کا قول تھا کہ چوروں پر سختی کرو اور یکے بعد دیگرے اُن کے ہاتھ اور پیر کاٹ ڈالو[۳] تا کہ اللہ سبحانہ کے اس فرمان کی تطبیق ہو جائے :

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ (المائدۃ: ۳۸)

(۱) سنن النسائی، البیوع، الرجل، یبیع السلعۃ فیستحقہا مستحق۔ مسند احمد ۴/۲۲۶، عبدالرزاق ۱۰/۲۰۱

(۱) سنن البیہقی ۸/۲۷۸، الموطا ۲/۷۴۸، عبدالرزاق ۱۰/۲۳۹، المحلی ۸/۱۵۷، ۱۱/۳۲۴، ۳۴۳ (۲) عبدالرزاق ۱۰/۲۴۲ (۳) تفسیر الطبری ۱۰/۲۹۸۔

(اور چور خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ اُن کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا)

(ب) پہلی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں ہاتھ کاٹا جاتا، پھر اگر دوبارہ چوری کرتا تو بایاں پیر کاٹا جاتا۔ (۲) اور اگر چور تیسری مرتبہ پھر چوری کرتا تو حضرت عمرؓ اُس کا بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے، لیکن ہاتھ کے بدلے میں پاؤں کاٹنا اور اس کے لیے یہ دلیل دینا درست نہیں ہے کہ اس کا ایک ہاتھ باقی رہے جس سے وہ کھانا کھا سکے اور استنجا کر سکے، کیونکہ یہ بات سُنت کے خلاف ہے چنانچہ روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک ایسے شخص نے چوری کی جس کا پہلے ہی ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ارادہ کیا کہ اس چوری پر اس کا پیر ہی کاٹا جائے تا کہ اس کا ایک ہاتھ باقی رہ جائے جس سے وہ کھا سکے، طہارت کر سکے اور دیگر کام کر سکے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں قسم بخدا آپ اس کا دوسرا ہاتھ ہی کاٹیں گے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اسی رائے کے مطابق حکم دیا اور اس کا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا۔ (۲) ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ سُنت ہاتھ کاٹنا ہی ہے۔ (۳)

اور مصنف عبدالرزاق کی ایک طباعت میں حضرت ابن عباس کا یہ قول مذکور ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کا پاؤں کاٹا جس نے تیسری مرتبہ چوری کی تھی اور اس سے پہلے اس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹا جا چکا تھا۔ (۴) تو اس کے متعلق یہ ہے کہ اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے بھی بیان کیا ہے لیکن اس کے الفاظ مصنف عبدالرزاق کے برعکس یہ ہیں کہ

(۱) المغنی ۸/۲۵۹ (۲) سنن البیہقی ۸/۲۷۴ (۳) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۶ المحلی ۱۱/۳۵۵ (۴) عبدالرزاق ۱۰/۱۸۶

حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا، جب کہ اس سے پہلے بھی اُس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹا جا چکا تھا۔ (۱)

اگر چوتھی مرتبہ چوری کرے تو اُس کا دایاں پیر قطع کیا جائے گا۔ ابن المنذر نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں سے یہ ثابت ہے کہ دونوں نے ہاتھ کے بعد ہاتھ کاٹا اور پیر کے بعد پیر قطع کیا۔ (۲) یعنی چور کے تیسری مرتبہ چوری کرنے پر اس کا بایاں ہاتھ قطع کیا گیا، پھر چوتھی مرتبہ چوری کرنے پر اُس کا بایاں پیر قطع کیا گیا۔

لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے اس سے رجوع کر لیا۔ یہ اُس وقت ہوا جب حضرت عمرؓ کے پاس سُدوم نامی ایک شخص لایا گیا۔ اُس نے پہلی بار چوری کی تھی تو اُس کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی گئی، پھر چوری کی تو پھر پاؤں کاٹنے کی سزا دی گئی۔ تیسری مرتبہ چوری کی تو آپ نے پھر ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا تو حضرت علیؓ نے کہا: ایسا نہ کیجیے بلکہ چور کے لیے صرف ایک ہاتھ اور ایک پیر ہی کاٹنے کی سزا ہے۔ اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ (المائدۃ: ۳۳)

(جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولؐ سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں، اُن کی سزا یہ

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۶، سنن البیہقی ۸/۲۷۱
(۲) تفسیر القرطبی ۶/۱۷۲

ہے کہ قتل کیے جائیں یا سُولی پر چڑھائے جائیں۔ یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں)

چنانچہ یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ اُسے اس حال کو پہنچا دیں کہ وہ نہ چل پھر سکے اور نہ کھا سکے۔ اس لیے آپ اسے یا تعزیری سزا دیں یا قید خانہ میں ڈال دیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس کو قید خانہ میں بند کر دیا۔ (۱) اور صحابہ کرامؓ نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ (۲) ازاں بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر چور پہلی مرتبہ چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو، دوسری مرتبہ چوری کرے تو اس کا پیر کاٹ دو۔ اور اس کا دوسرا ہاتھ نہ کاٹو، بلکہ اس ہاتھ کو رہنے دو کہ وہ کھا سکے اور وہ استنجاء کر سکے، البتہ یہ کہ اسے مُسلمانوں سے علیحدہ کر کے محبوس کر دو۔ (۳)

ع) قطع ید ہاتھ کے جوڑ سے کیا جائے گا یعنی پہنچے سے کاٹا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے پہنچے کے جوڑ سے ہاتھ قطع کیا۔ (۴) پیر کے مقام قطع کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔ ایک روایت ہے کہ پیر بھی ٹخنے کے جوڑ سے قطع کیا جائے گا۔ چنانچہ عکرمہ اور عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ پاؤں ٹخنے کے جوڑ سے کاٹنے کا حکم دیتے تھے۔ (۵) اور ایک اور روایت ہے کہ پیر اس جوڑ سے کاٹا جائے گا جو پیر کے وسط میں ہے۔ یعنی اس طرح کاٹا جائے گا کہ ایڑی باقی رہ جائے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے پیر کاٹنے کا حکم دیا اور اس کے نصف کی جانب اشارہ کیا۔ (۱)

۸۔ حدِ سرقہ کون قائم کرے گا:

حد سرقہ امام قائم کرے گا خواہ چور آزاد ہو یا غلام۔ البتہ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق غلام پر حد اُس کا آقا بھی جاری کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک غلام کا جس نے چوری کی تھی خود ہاتھ قطع کیا اور اس کا مقدمہ حکومت کے سامنے پیش نہیں کیا۔ (۲)

سعی (درمیان صفا و مروہ)

دیکھیے: (حج/ ۹)

سفتجہ (ہنڈی)

سفتجہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو کوئی نقد یا جنس دے اور دوسرے کا جسے یہ مال دیا گیا ہے دینے والے کے شہر میں مال موجود ہو جو اُسے وہاں دے دے۔ اس طرح راستہ کا تحفظ اور کئی اور فوائد حاصل ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (۱) بیع / ۴ ب ۳)

سفر

۱۔ استحبابِ سفر:

حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ سفر کرو، صحت بہتر ہوتی ہے اور رزق حاصل ہوتا ہے۔ (۳)

۲۔ جمعہ کے روز سفر:

جمعہ کے روز سفر جائز ہے کوئی کراہت نہیں ہے، خواہ جمعہ

---

(۱) عبدالرزاق ۱۰/ ۱۸۶، المحلی ۱۱/ ۳۵۵، المغنی ۸/ ۲۶۴

(۲) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۶ (۳) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۶

(۴) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۰ ب، خراج ابی یوسف / ۲۰۰، المغنی ۸/ ۲۵۹، عبدالرزاق ۱۰/ ۱۸۵

المحلی ۱۱/ ۳۵۷، المغنی ۸/ ۲۶۰

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۰ ب، خراج ابی یوسف / ۲۰۰

(۲) عبدالرزاق ۱۰/ ۲۲۹ (۳) عبدالرزاق ۵/ ۱۶۸، ۱۱/ ۴۳۴

سے قبل سفر کیا جائے یا بعد میں۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک شخص سفر کے لیے تیار ہے مگر اُس نے کہا کہ اگر آج جمعہ نہ ہوتا تو میں سفر کے لیے روانہ ہو جاتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جمعہ مسافر کو نہیں روکتا۔ (۱) حضرت عمرؓ نے لشکر تیار کیا جس میں حضرت معاذؓ بھی تھے۔ یہ لشکر جمعہ کے روز روانہ ہوا۔ حضرت معاذؓ نماز کے لیے رک گئے۔ حضرت عمرؓ نے اُنہیں دیکھا اور کہا کہ کیا تم لشکر میں نہیں تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ جی ہاں۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ پھر تم کیوں نہیں گئے۔ اُنہوں نے کہا کہ میں نے چاہا کہ نماز جمعہ پڑھ کر روانہ ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سُنا کہ راہ خدا میں ایک صبح یا ایک شام دُنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔ (۲)

۳۔ تنہا سفر کرنا :

و) حضرت عمرؓ تنہا سفر کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی مر گیا تو میں کس سے دریافت کروں گا۔(۳) اور آپؓ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص تنہا سفر نہ کرے اور اکیلا گھر میں نہ سوئے۔ (۴)

ب) عورت کے سفر کے لیے محرم ساتھ ہونے کی شرط۔

(د، حج / ۱۹)

۴۔ اشیائے ضرورت کے حصول میں مسافر کو مقیم پر ترجیح حاصل ہے :

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ اشیائے ضرورت کے حصول اور رفاہِ عامہ کی سہولتوں سے استفادے کے سلسلہ میں مسافر کو مقیم پر فوقیت دی جائے، چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مسافر پانی اور سائے پر مقیم سے زیادہ حق رکھتا ہے۔ (۱)

۵۔ سفر بیت المقدس کا ارادہ :

حضرت عمرؓ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی مُسلمان بیت المقدس کی زیارت کے ارادہ سے عازمِ سفر ہو کہ کہیں بیت المقدس کی زیارت کرنے والا زائر حرم کے مشابہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ ابن المسیبؒ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ زکوۃ کے جانوروں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے کہ دو اشخاص آئے۔ آپ نے ان سے پُوچھا کہ کہاں سے آئے ہو۔ اُنہوں نے کہا کہ بیت المقدس سے۔ آپ نے اُن کو مارنے کے لیے کوڑا اُٹھایا اور فرمایا کہ کیا بیت اللہ کے حج کی طرح اُسے بھی حج بنانا چاہتے ہو۔ وہ دونوں بولے! اے امیرالمومنین! ہم فلاں سرزمین سے آ رہے تھے، راستے میں بیت المقدس سے گزر ہوا تو ہم نے وہاں نماز پڑھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو پھر ٹھیک ہے اور اُنہیں چھوڑ دیا۔(۲)

حضرت عمرؓ بیت المقدس کی زیارت پر زیارت حرم کو ترجیح دیتے تھے۔ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ میرا بیت المقدس کی زیارت کے لیے جانے کا ارادہ ہے۔ آپ نے کہا کہ جاؤ اور تیاری کر کے میرے پاس آؤ۔ جب وہ تیاری کر کے آپ کے پاس آیا تو آپ نے اُسے فرمایا کہ اسے عمرہ بنا دو۔ (۳)

۶۔ غناء المسافر (مسافر کی حدی خوانی) (د: غناء)

۷۔ مسافر کا استقبال :

مسافر کا استقبال امر مشروع ہے۔ نافع بن عبدالحارث نے عسفان

---

(۱) عبدالرزاق ۳/۲۵۰، المغنی ۲/۳۶۲، ابن ابی شیبہ ۱/۶۷ ب، سنن البیہقی ۱/۷، المجموع ۴/۳۶۸
(۲) سنن البیہقی ۳/۱۸۷ (۳) عبدالرزاق ۱۰/۴۳۱ ، ۱۱/۴۴۴ (۴) عبدالرزاق ۱۰/۴۳۱

(۱) خراج یحییٰ ۱۰۲ ، الاموال ۲۹۷ (۲) عبدالرزاق ۵/۱۳۳، ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۲ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۲، عبدالرزاق ۵/۱۳۴

اگر حضرت عمرؓ کا استقبال کیا تو حضرت عمرؓ نے اُن سے پُوچھا کہ اہلِ وادی (اہلِ مکہ) پر اپنی غیر موجودگی میں کس کو نائب بنا کر آئے ہو؟ اُنہوں نے کہا کہ ابنِ ابزیٰ کو۔ آپ نے دریافت کیا کہ ابنِ ابزیٰ کون ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ یہ ہمارا ایک آزاد کردہ غلام ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اہلِ مکہ پر غلام کو امیر مقرر کر آئے ہو؟ اُس نے کہا کہ وہ کتاب اللہ کا قاری ہے اور کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ بعض لوگوں کو بلند کرتا ہے اور بعض کو گراتا ہے۔ (۱)

حضرت عمرؓ شام آئے تو ابوعبیدۃ بن الجراح اُن کے استقبال کے لیے شام آئے اور دونوں نے ملاقات کے وقت معانقہ کیا۔ (۲)

۸۔ مسافر کا اپنے اہلِ خانہ کو اپنی آمد کی اطلاع دینا:

مسافر کے لیے یہ امر مستحب ہے کہ وہ اپنے اہلِ خانہ کو اپنے سفر سے واپس آنے کی اطلاع کر دے تاکہ وہ اُس کے استقبال کی تیاری کر سکیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے شام سے واپس آتے وقت اپنے غلام اسلم کو مدینہ بھیجا تاکہ گھر والوں کو اطلاع کر دے کہ ہم فلاں دن پہنچ رہے ہیں۔ (۳)

۹۔ وہ سفر جس میں بعض احکام کے سلسلہ میں رخصت ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرماتے ہوئے مسافر کو چند رخصتوں سے نوازا ہے۔ وہ سفر جس میں یہ رخصتیں ہیں، اس میں دو امور پائے جانے چاہییں۔

(ل) مسافت سفر:

حضرت عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ اُنہوں نے اپنے منیٰ کے سفر میں نماز قصر کی۔ چنانچہ حضرت ابنِ عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۴۳۹ (۲) آثار ابی یوسف ۹۴۴ (۳) عبدالرزاق ۷/۴۹۵

اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھیں اور حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھیں۔ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ بھی ان کے ابتدائی دورِ خلافت میں دو رکعتیں ہی پڑھیں، لیکن بعد ازاں وہ چار رکعتیں پڑھنے لگے۔ (۱) حضرت عمرؓ ذی الحلیفہ گئے تو آپ نے نماز قصر کی، چنانچہ شرحبیل بن السمط سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ ذی الحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں، میں نے اس بارے میں اُن سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں وہی کر رہا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے[۲]۔

حضرت عمرؓ نے خیبر کا سفر کیا اور قصر کیا۔ چنانچہ زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے خیبر میں نماز قصر کی۔ (۳) خیبر مدینہ منورہ سے آٹھ برید کے فاصلے پر ہے اور ایک برید دو فرسخ کا ہوتا ہے اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے یَم کا سفر کیا اور نماز قصر کی۔ یہ مقام تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے ذات النصب تک کے سفر میں قصر کیا[۴] جو سولہ فرسخ ہے اور تین میل کا سفر کیا اور نماز قصر کی۔ چنانچہ لجلاج سے مروی ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ تین میل کا سفر کرتے تو آپ نماز میں قصر کرتے اور روزے کے افطار کی اجازت دے دیتے۔ (۵) اس کے معنی یہ ہوئے کہ کم از کم مسافت جس میں حضرت عمرؓ نے قصر کیا تین میل ہے اور ایک میل چار ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے لیکن اگر حضرت عمرؓ تین میل سے کم مسافت کا سفر کرتے تو کیا اس پر بھی قصر کرتے۔ میرا خیال یہ ہے، واللہ اعلم۔ کہ حضرت عمرؓ مطلق سفر پر

(۱) سنن البیہقی ۳/۱۲۶ (۲) صحیح مسلم، صلاۃ المسافر، النسائی ۳/۱۱۸، المغنی ۲/۲۵۶، المحلی ۵/۷، مسند الامام احمد ۱/۳۰ (۳) سنن البیہقی ۳/۱۳۶، المؤطا ۱/۱۴۷ (۴) عبدالرزاق ۲/۲۲۵، المحلی ۴/۲۲۴ (۵) ابن ابی شیبہ ۲/۲۲۲ ب ۱۱۲، المحلی ۵/۷

قصرِ صلاۃ کے قائل تھے۔

(ب) مدت اقامت :

ایک مسلمان سفر کی رخصتوں سے اس وقت تک استفادہ کرسکتا ہے جب تک وہ مسافر ہے اور اقامت کی نیت نہیں کرلیتا، لیکن اگر اس نے تین دن یا زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کرلیا تو اس کے لیے روا نہیں کہ کسی رخصت سے فائدہ اٹھائے، کیونکہ حضرت عمرؓ نے حجاز آنے والے ذمی تاجروں کو تین دن ٹھہرنے کی اجازت دی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین دن تک مسافر شمار ہوگا اور اس سے زیادہ قیام پر مقیم کہلائے گا۔ (۱)

۱۰۔ سفر کی رخصتیں :

(۱) موزوں پر مسح کرنے کی مدت مقیم کے لیے ایک شب و روز اور مسافر کے لیے تین دن اور تین رات ہے۔

(۱ وضو / ۶ و ۳ ب)

(ب) چار رکعتوں والی نماز کا قصر :

ابتدا میں حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ نماز کا قصر صرف حالت خوف کے ساتھ مخصوص ہے اور پُرامن سفر کی صورت میں قصر نہیں ہے۔ آپ نے یہ مفہوم قرآن کریم کی اس آیت سے اخذ کیا تھا :

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

(النساء : ۱۰۱)

(تو کوئی مضائقہ نہیں اگر تم نماز میں اختصار کردو (خصوصاً) جب کہ تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔)

چنانچہ جب آپ نے پُرامن سفر میں قصرِ صلاۃ پر عمل دیکھا تو آپ کو تعجب ہوا جس پر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا۔ اس واقعہ کا یعلی بن امیہ نے ذکر کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ قرآن کریم میں قصر کے بارے میں یہ حکم ہے :

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔

اور اب لوگ امن کی حالت میں ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ جس بات پر تمہیں تعجب ہوا ہے، اس پر مجھے بھی تعجب ہوا تھا، لہٰذا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ سبحانہٗ کی ایک عنایت ہے سو اس کی عنایتوں کو قبول کرو۔ (۱)

اسی لیے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ عید الضحیٰ کی دو رکعتیں ہیں۔ عید الفطر کی دو رکعتیں ہیں، جمعہ کی دو رکعتیں ہیں اور مسافر کی نماز کی دو رکعتیں ہیں۔ یہ تمہارے نبیؐ کے فرمان کے مطابق مکمل ہیں اور ان میں کوئی کمی نہیں ہے۔ اور نامراد ہوا وہ جس نے جھوٹ گھڑا۔ (۲)

خود حضرت عمرؓ سفر میں دو رکعتیں ہی پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ عمران بن حصین سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا۔ سفر حج میں آپؐ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ پھر میں نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ سفر کیا۔ آپؓ بھی دوران سفر دو رکعتیں ہی پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ سفر کیا۔ آپ بھی دورانِ سفر دو رکعتیں ہی پڑھا کرتے تھے یہاں

---

(۱) المغنی ۲/ ۲۸۸

(۱) مسند الامام احمد ۱/ ۲۵، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۱۲، سنن البیہقی ۳/ ۱۳۴

(۲) عبدالرزاق ۲/ ۵۱۹، المحلی ۴/ ۲۶۵، سنن البیہقی ۳/ ۱۹۹

تک کہ دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔ اور مَیں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ سفر کیا۔ آپ بھی چھ سال تک دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔ اس کے بعد آپؓ نے منیٰ میں پُوری نماز پڑھی۔ (۱)

جب حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھی ہیں تو اُنہوں نے انا ﷲ وانا الیہ راجعون کہا اور فرمایا کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔ ابوبکرؓ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، عمرؓ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔ اب تمہارے راستے بدل گئے ہیں۔ مَیں تو یہی پسند کرتا ہوں کہ چار کے بجائے مَیں دو رکعتیں پڑھوں جو مقبول ہو جائیں۔ (۲)

حضرت عمرؓ جب مکہ مکرمہ تشریف لاتے تو دو رکعت نماز پڑھاتے اور کہتے کہ اے اہلِ مکہ ہم مسافر ہیں، تم اپنی نماز پُوری کرو۔ (۳)

(ج) مسافر پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے:

حضرت عمرؓ سفر کی حالت میں جمعہ کی نماز نہیں پڑھتے تھے (۴) (بلکہ سفر میں ظُہر پڑھا کرتے تھے)

(د) سفر میں نماز کی تخفیف:

حضرت عمرؓ دورانِ سفر نماز ہلکی پڑھتے تھے۔ اور چھوٹی سورتوں کی تلاوت کرتے تھے۔ آپؓ نے ایک مرتبہ صبح کی نماز میں 'الم ترکیف' اور 'لایلٰف قریش' پڑھیں۔ (۵) اور ذی الحلیفہ میں ایک مرتبہ صُبح کی نماز پڑھائی اور 'قل یا ایہا الکافرون' اور 'قل ھو اللہ احد' کی تلاوت فرمائی۔ (۱) جس سال آپ شہید کیے گئے، اس سال آپؓ نے مکہ مکرمہ میں صبح کی نماز پڑھائی اور 'لا اقسم بہذا البلد' اور 'والتین والزیتون' تلاوت کیں۔ (۲) حالانکہ حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ آپ صُبح کی نماز میں لمبی قراءت کرتے تھے۔ (د: صلاۃ/۵ھ ۶)

(ھ) نماز نفل میں رُخصت:

حضرت عمرؓ نماز نفل میں بھی رُخصت پر عمل کرتے تھے اور سُنن مؤکدہ میں بھی رُخصت پر عمل کرتے، کبھی پڑھتے، کبھی نہ پڑھتے یعنی التزام نہ کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ رہا لیکن آپؓ نے (سفر میں) کبھی دو رکعتوں سے زائد نماز نہیں پڑھی، یہاں تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا۔ (۳)

ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ سفر میں نمازِ فرض سے پہلے اور بعد کچھ نہ پڑھتے۔ (۴) لیکن مجاہد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ سفر میں نفل پڑھتے تھے۔ (۵) اور یہ کہ آپ نے سفر میں نمازِ فرض سے پہلے اور فرض نماز کے بعد نفل پڑھے۔ (۶) مجاہد کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ دورانِ سفر سُنن مؤکدہ کا التزام نہیں کرتے تھے۔ کبھی پڑھتے تھے اور کبھی نہیں پڑھتے تھے۔

(و) سفر میں روزہ رکھنا:

---

(۱) الموطا ۱/۴۰۲، المجموع ۴/ ۲۲۱ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۱۳ المغنی ۲/ ۲۷۰ (۳) الموطا ۲/ ۲۳۹، ابن ابی شیبہ ۱/۵۸ ب، سنن البیہقی ۳/ ۱۲۹، عبدالرزاق ۲/ ۵۴۰، آثار ابی یوسف/ ۱۴۵ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/ ۷۶۔ب (۵) ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۶، عبدالرزاق ۲/ ۱۱۸

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۹، عبدالرزاق ۲/ ۱۱۸، المحلی ۴/ ۱۰۴ (۲) عبدالرزاق ۲/ ۱۱۹ (۳) صحیح البخاری، باب من لم یتطوع فی السفر، مسلم، صلاۃ المسافرین، نمبر ۶۸۹، الموطا ۱/ ۱۵۰، عبدالرزاق ۲/ ۵۵۷، المغنی ۲/ ۲۹۴ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۸ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۸ ب (۶) عبدالرزاق ۲/ ۵۵۹، المغنی ۲/ ۲۹۴

۱۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ مسافر کے لیے رمضان میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ اور اگر رکھ لے تو سفر سے واپسی پر اس کی قضا واجب ہے۔ (۱) بنی قیس کے ایک شخص نے سفر میں روزہ رکھا حضرت عمرؓ نے اس کو دوبارہ روزے رکھنے کا حکم دیا۔ (۲)

۲۔ لیکن اگر مسافر کو علم ہو کہ وہ رمضان کی پہلی تاریخ کو اپنے وطن اقامت میں داخل ہو جائے گا تو وہ اس دن کا روزہ رکھے اور اپنے وطن اقامت میں روزہ کی حالت میں داخل ہو۔ امام مالک نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ سفر میں تھے تو جب آپ کو علم ہوا کہ آپ رمضان کی پہلی تاریخ کو مدینہ پہنچنے والے ہیں تو آپ روزہ رکھ کر مدینہ میں داخل ہوئے۔ (۳)

۱۱۔ عورت کا سفر:

عورت کے لیے محرم کے بغیر سفر جائز نہیں ہے۔ عورت پر حج بھی اسی وقت فرض ہے جب محرم یا قابلِ اعتماد رفقاء میسر ہوں۔ عدّت گزارنے والی عورت نہ حج کا سفر کرے اور نہ کوئی اور سفر کرے۔ (د: حج / ۱۹)

سَفَہ (کم عقلی)

۱۔ تعریف:

سفیہ (کم عقل) شخص وہ ہے جو اپنے مال میں موزوں تصرفات نہ کر سکے۔ خواہ اس کی وجہ بچپن ہو یا حماقت۔

۲۔ سفیہ کے تصرف پر پابندی (حجر)

محجور علیہ (جس کے تصرفات پر پابندی عاید کی گئی ہو) کے

(۱) نیل الاوطار ۴/ ۲۳۷، الاعتبار ۱۴۴، المغنی ۳/ ۱۴۹

(۲) المحلی ۶/ ۲۵۹، عبدالرزاق ۲/ ۲۶۷، ۴/ ۲۷۰

(۳) المؤطا ۱/ ۲۹۶، کنز العمال نمبر ۲۴۳۷۰

تصرفات کی دو قسمیں ہیں۔ تصرفات قولی اور تصرفات فعلی۔

(و) قولی تصرفات:

سفیہ کے ایسے تمام زبانی تصرفات جن میں محض نقصان ہو درست نہیں ہوں گے۔ مثلاً ہبہ اور اسی طرح کے معاہدات جن کا مقصد ثواب کی خاطر کسی کو بلامعاوضہ دے دینا ہو، چنانچہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ تین دن تک مر جائے گا، اس نے اپنی بیویوں کو ایک ایک طلاق دے دی اور اپنا مال تقسیم کر دیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ خواب میں تم کو شیطان ملا تھا جس نے بتایا ہے کہ تم تین دن میں مر جاؤ گے لو تم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی اور اپنا مال تقسیم کر دیا سب کچھ واپس لوٹا لو ورنہ اگر تم مر گئے تو میں تمہاری قبر کو اس طرح سنگسار کر دوں گا جیسے ابو رغال کی قبر سنگسار کی جاتی ہے، چنانچہ اس نے اپنا مال واپس لے لیا اور اپنی بیویوں سے رجوع کر لیا۔ اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ تم زیادہ دن زندہ نہیں رہو گے بلکہ جلد ہی مر جاؤ گے۔ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اس کے ایسے تصرفات کو جو محض نقصان پر مبنی تھے، صحیح نہیں قرار دیا، مثلاً مال کی تقسیم وغیرہ۔

لیکن وہ تصرفاتِ قولی جو محض نفع پر مبنی ہوں جیسے ہدیہ وغیرہ قبول کرنا تو یہ جائز ہوں گے۔

اور جو تصرفات نفع اور نقصان دونوں کے محتمل ہوں، ایسے تصرفات ولی کے اتفاق کرنے پر موقوف رہیں گے۔

وصیت ایسے قولی تصرفات میں سے ہے جو وصیت کرنے والے کے حق میں نفع بخش ہیں، کیونکہ اس طرح وہ اپنی زندگی میں اپنے مال سے نفع اٹھاتا رہے گا اور مرنے کے بعد اسے ثواب

(۱) المحلی ۸/ ۳۰۸

ہوگا۔ لہذا مشروع حدود میں رہتے ہوئے ایسے شخص کی وصیت بھی صحیح ہے جس کے تصرف پر سفہ کی (کم عقلی) بنا پر پابندی لگی ہو۔ (۱) ایک موقعہ پر حضرت عمرؓ کو بتایا گیا کہ غسان کا ایک نو عمر لڑکا ہے جو ابھی بالغ نہیں ہوا اور اسکے وارث شام میں ہیں اور اس لڑکے کے پاس کافی مال ہے اور یہاں صرف اُس کی ایک چچا کی لڑکی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ لڑکا اس لڑکی کے حق میں وصیت کر دے۔ چنانچہ اُس لڑکے نے اس لڑکی کے حق میں بئر جشم نامی زمین وصیت کر دی۔ عمرو بن سلیم رضؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ زمین تیس ہزار میں فروخت کی۔ دراصل اس لڑکے کی چچا کی لڑکی عمرو بن سلیم کی والدہ تھیں۔ (۲)

(ب) کم عقل (سفیہ) کے عملی تصرفات دُرست متصور ہونگے اور اُن پر حجر (پابندی) اثر انداز نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر بالغ سفیہ ایسی جنایت (جُرم) کرے جس پر قصاص لازم آتا ہو تو اُس سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ حجر اس کے ان زبانی تصرفات پر اثر انداز ہوتا ہے جو مال سے متعلق ہوں۔ اور قصاص ان میں سے نہیں ہے اور اگر اس جنایت کا مرتکب نابالغ بچہ ہو تو اُس کے مال میں سے اس جنایت کا ضمان دلایا جائے گا کیونکہ بچے کا عمد بھی خطا شمار ہوگا۔ اور اگر جنایت (جرم) ایسی ہو جس سے مالی تاوان لازم آتا ہے تو یہ تاوان محجور علیہ کے مال میں سے ادا کیا جائے گا۔ (د: جنایت/ ۲ ب ۲ و)

سُکر (نشہ)

۱۔ تعریف:

کسی مخصوص مشروب کے پی لینے سے ذہن میں ہر بات کا گڈ مڈ ہو جانا اور عقل کا ادراک امور سے عاجز ہو جانا سُکر کہلاتا ہے۔

یعلی بن امیہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہم ایسی سرزمین میں ہیں، جہاں شراب عام ہے میری مراد یمن سے تھی تو ہم کس طرح شرابی کو پہچانیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص سے سورۂ فاتحہ پڑھوائی جائے اور وہ نہ پڑھ سکے اور چادروں میں اس کی چادر ڈال دی جائے تو نہ پہچان سکے تو اس پر حد جاری کرو۔ (۱)

۲۔ سکران (مدہوش) کی سزا: (د: اشربہ/ ا ج) د (اشربہ/ ۲ د)

۳۔ سکران کے تصرفات:

حرام مشروب پینے سے نشہ میں مدہوش شخص کے ایسے تصرفات جو اس کے حق ہوں، مثلاً اگر کسی نے اس پر جنایت کی ہو تو اس سے قصاص لینا یا اگر کسی نے اُس کی کوئی شے تلف کر دی ہو تو اس سے قیمت وصول کرنا۔ اور ایسے تصرفات جو اس کے لیے مضر ہوں۔ مثلاً طلاق اور عتاق اور جنایت کی بنا پر تاوان لازم آنا یا کسی قابل حد جرم کے ارتکاب پر مؤاخذہ اور اس پر حد کا قائم کیا جانا۔ اس کے ان تمام تصرفات کو ایک ہوشمند انسان کے تصرفات کی شمار کیا جائے گا۔

حضرت عمرؓ نے مدہوش شخص کی طلاق کو نافذ قرار دیا۔ (۲) عمان کے ایک شخص نے شراب کے نشہ میں مدہوش ہو کر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور چار عورتوں نے گواہی دی۔

---

(۱) المحلی ۹/ ۳۲۱، المغنی ۹/ ۴۰۶، ۹/ ۱۰۱ (۲) سنن البیہقی ۶/ ۲۸۲، ۱۰/ ۳۱۷، عبدالرزاق ۹/ ۷۸، الموطا ۲/ ۷۶۲، المحلی ۹/ ۳۳۰، المغنی ۶/ ۱۰۱، ۹/ ۴۰۶

(۱) عبدالرزاق ۹/ ۲۲۹، ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۸، المحلی ۷/ ۵۰۸، المغنی ۷/ ۱۱۹

(۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۳۷ ب، تفسیر القرطبی ۵/ ۲۰۳

اس واقعہ کے بارے میں جب حضرت عمرؓ کو اطلاع دی گئی تو حضرت عمرؓ نے عورتوں کی گواہی کو دُرست قرار دیا اور طلاق نافذ قرار دی ۔(۱)

ابو وبرۃ الکلبیؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور بیان کیا کہ خالد بن ولید کہتے ہیں کہ لوگ مے نوشی میں منہمک ہو گئے اور اس کی سزا کو کم سمجھ رہے ہیں ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے سامنے یہ بڑے بڑے صحابہ موجود ہیں، اُن سے دریافت کرو ۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آدمی جب مدہوش ہوتا ہے تو ہذیان بکتا ہے اور جب ہذیان بکتا ہے تو بہتان لگاتا ہے ۔ اور تہمت کی سزا اسی کوڑے ہیں ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اپنے صاحب (خالد بن ولید) کو حضرت علیؓ کی یہ بات پہنچا دو ۔(۲)

غرض حضرت عمرؓ نے حرام مشروب سے مدہوش ہو جانے والے شخص کے تصرفات کو ان امور میں بھی ہوشمند آدمی کے تصرفات کی طرح قرار دیا جو اس کے لیے ضرر رساں ہیں، کیونکہ اُس نے اپنے اختیار اور ارادہ سے اللہ کی حرام کردہ شے کا استعمال کیا ہے اس لیے اس کے نتائج بھی اس پر مرتب ہوں گے ۔

اگر کوئی شخص کسی دوا کے پینے سے یا ترشی دار کھانا کھانے سے مدہوش ہو جائے تو اس کے تصرفات مجنون کے تصرفات متصور ہوں گے ۔

یعنی اس کے وہ تصرفات جو اس کے حق میں ہوں یا اس کے خلاف جاتے ہوں، جیسے نکاح، اجارہ وغیرہ تو ان تصرفات میں وہ مجنون اور غیر ممیز بچہ کی طرح ہے کہ اُس کے یہ تصرفات صحیح نہیں ہوں گے ۔

---

(۱) المحلی ۹/ ۳۹۷ ، ۱۰/ ۲۰۹

(۲) المغنی ۷/ ۱۱۵

سلاح (ہتھیار)

سلاح (ہتھیار) کی آرائش ۔ (د: تحلیۃ/۳)

ہتھیار کے استعمال کی تربیت (د: جہاد/۳ ج)

ذمیوں کو ہتھیاروں سے محروم کر دینا (د: ذمہ/۳ ھ)

سلام

خطیب کا منبر پر چڑھ کر لوگوں کو سلام کرنا :

حضرت عمرؓ جب منبر پر چڑھتے تو اپنا چہرہ لوگوں کی طرف کرتے اور کہتے السّلامُ علیکم ۔ (۱)

سَلَب :

۱۔ تعریف :

سلب سے مراد وہ سامان ہے جو وقت جنگ محارب کے پاس موجود ہو اور اس کے ساتھ خاص ہو جیسے گھوڑا، ہتھیار لباس، زیورات وغیرہ ۔

۲۔ قاتل کا سلب کا مستحق ہونا :

میدانِ جہاد میں دُشمن کے جس آدمی کو مُسلمان سپاہی قتل کر دے، اس کے سلب کا مستحق وہی ہوگا جس نے قتل کیا ہے، سب سے پہلے سلب پر خمس حضرت عمرؓ نے وصول کیا ۔

(د: تنفیل/۲ ل)

سلم

بیع سلم : (د: بیع/۵ ب)

---

(۱) عبدالرزاق ۳/ ۹۳

سمحاق

زخم سمحاق کی تعریف ۔ (د؛ جنایت/۴ ب ۲ ج)
زخم سمحاق پر کیا ضمان عائد ہوگا ۔

(د؛ جنایت/ ۵ ب ۴ ھ)

سَمَر : (رات باتوں میں گزارنا)

۱۔ حضرت عمرؓ رات کو نماز عشاء کے بعد جاگتے رہنا اور باتیں کرنا ناپسند فرماتے تھے ۔ اور حضرت عمرؓ یہ پسند فرماتے تھے کہ عشاء کے بعد ایک مُسلمان فوراً سو جائے تا کہ نماز فجر سے قبل تہجد کے لیے بیدار ہو سکے ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے سلمان بن ربیعہ سے کہا کہ اے سلمان میں تمہارے عشاء کے بعد باتیں کرنے کو بُرا گناتا ہوں (۱)

حضرت عمرؓ لوگوں کو عشا کی نماز کے بعد جاگتے رہنے پر سزا دیا کرتے تھے ، چنانچہ حرشۃ بن الحر بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے حضرت عمرؓ کو نماز عشاء کے بعد باتیں کرنے والے لوگوں کو مارتے ہوئے دیکھا ہے، آپ ان کو سرزنش کرتے ہوئے فرماتے کہ کیا خوب! رات کے آغاز میں باتیں کرتے رہنا اور آخر شب میں سونا ۔ (۲)

۲۔ حضرت عمرؓ اس سے صرف حصول علم، مطالعہ اور عبادت کے لیے رات جاگنے کو مستثنیٰ خیال کرتے تھے، چنانچہ ابو بکر بن ابی موسیٰ سے مروی ہے کہ ان کے والد حضرت عمرؓ کے پاس عشاء کے بعد آئے ۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کیسے آنا ہوا ۔ انہوں نے کہا کہ آیئے ہم فقہ پر مذاکرہ

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۶ ب

(۲) ابن ابی شیبہ ۱/۹۶ ب ، عبدالرزاق ۱/ ۵۶۱

کرتے ہیں ۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ ہم رات گئے تک مذاکرہ کرتے رہے ۔ پھر مَیں نے کہا کہ چلیے نماز پڑھ لیتے ہیں ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں نماز ہی میں ہوں ۔ پھر ہم مسائل پہ گفتگو کرتے رہے، حتّٰی کہ نمازِ صبح کا وقت ہو گیا ۔ (۱)

حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ غیر مفید کام نماز عشا کے بعد باتیں کرنا ہے الا یہ کہ یہ گفتگو نماز کے بارے میں یا قرآن کی قرات کے بارے میں ہو ۔ (۲)

سمسرہ

دیکھیے (بیع / ۲ ج)

سمک (مچھلی)

مچھلی کھانا حلال ہے ۔ (د؛ طعام/ ۷)

سُنّۃ (سُنّت)

سُنّت کی تدوین (د؛ علم / ۱)
نماز مسنون (د؛ صلاۃ / ۲۰)
مسنون روزہ (د؛ صیام / ۳ ب)
طلاق سُنّت (د؛ طلاق / ۸ و)

سَہَر (رات کو جاگنا)

دیکھیے ؛ سمر

سَہو (نماز میں بھول چوک)

(۱) الفقیہ والمتفقہ ۱/ ۱۲۸ (۲) کنز العمال نمبر ۲۳۴۲۱

نماز میں کچھ بھول جانا اور سجدۂ سہو سے اس کی تلافی کرنا۔
(د، صلاۃ / ۱۶)

سواک (مسواک)

روزہ دار کے لیے مسواک کی رخصت (د، صوم / ۲۷ ج)

سَوط (کوڑا)

اس کوڑے کی کیفیت جس سے مجرم کو سزا دی جائے۔
(د، حلد / ۲)

شبہ عمد (اقدام بالقصد سے مشابہ)

جنایت علی النفس (قتل) میں شبہ عمد اور جو کچھ اس میں لازم آتا ہے۔ (د: جنایت/ ۴ و ۲)

جنایت مادون النفس میں شبہ عمد اور جو کچھ اس میں لازم آتا ہے۔ (د: جنایت/ ۴ ب ۱)

شبہ

وہ شُبہ جس سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

(د: حد/ ۸ ج ، زنا/ ۲ ل)

شجر (درخت)

حرم مکہ کے درخت کاٹنا۔ (د: مکہ/ ۱۰) (د: مدینہ/ ۲)

شحاذة (گداگری)

دیکھیے: (صدقہ/ ۶)

شرب (پانی کی باری)

حق الشرب (پانی کی باری) (د: ارتفاق/ ۲ ب)

شرط

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حقوق کی تقسیم شرائط کی پابند ہوتی ہے،[۱] اور آپ نے فرمایا کہ "مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہیں"[۲]

عقد بیع کی شرائط (د: بیع ۴ ب)

عقد نکاح کی شرائط (د: نکاح/ ۵ و ۳)

شرک

مشرکہ سے نکاح کی حرمت (د: نکاح/ ۴ و ۲ د)

مشرکین کے ذبیحہ کی حرمت (د: ذبح/ ۳ و)

شرکة (مشارکت)

۱۔ شرکت مضاربت:

ا) تعریف: مضاربت یہ ہے کہ دو فریق باہم اس طرح شریک ہوں کہ ایک فریق کا رأس المال ہو اور دوسرے فریق کا عمل ہو۔ اور نفع دونوں کے درمیان اس طرح تقسیم ہو جیسے انہوں نے آپس میں طے کیا ہو اور خسارہ (نقصان) رأس المال (اصل مال) پر آئے۔

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۱۴ (۲) سنن سعید بن منصور ۳/ ۱/ ۱۹۹

(ب) شرکت مضاربت ازروئے شریعت روا ہے ؛ حضرت عمرؓ اس پر عمل کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپؓ نے ایک یتیم کا مال ایک شخص کو دیا تاکہ وہ اس مال سے عراق میں شرکت مضاربت طور پر کاروبار کرے۔ (۱)

اسی طرح حضرت عمرؓ کے دونوں صاحبزادے عبداللہ اور عبیداللہ ایک لشکر کے ساتھ عراق گئے۔ واپسی میں وہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ امیر بصرہ کے پاس سے گزرے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ان کو خوش آمدید کہا اور کہا کہ اگر میں تمہارے لیے کچھ کرسکا تو ضرور کروں گا۔ ہاں ؛ یہاں میرے پاس اللہ کا کچھ مال موجود ہے۔ میں اسے امیرالمومنین کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں ۔ میں تمہیں یہ مال قرض دیتا ہوں۔ اور تم اس سے عراق سے سامان خرید کر لے جاؤ اور مدینہ جاکر فروخت کردو اور پھر اصل مال امیرالمومنین کو دے دو اور منافع خود لے لو۔ انہوں نے کہا کہ جی ہاں بہت مناسب ہے۔ اس پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے وہ مال ان کو دے دیا۔ اور حضرت عمرؓ کی طرف تحریر لکھ دی کہ ان سے مال لے لیں۔ یہ دونوں مدینہ منورہ پہنچے ، سامان فروخت کیا اور منافع کمایا جب اصل مال امیرالمومنین کو دیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا ابو موسیٰ نے سب لوگوں کو اسی طرح قرض دیا ہے جس طرح تمہیں دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں ؛ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ابو موسیٰ نے یہ مال تمہیں اس بنا پر دیا ہے کہ تم امیرالمومنین کے بیٹے ہو۔ لہٰذا تم مال اور اس کا سارا منافع بیت المال میں جمع کرادو۔ یہ سن کر عبداللہ خاموش رہے مگر عبیداللہ بولے۔ اے امیرالمومنینؓ آپ کے لیے یہ بات موزوں نہیں ہے، کیونکہ اگر اس مال میں کوئی نقصان واقع ہوجاتا یا یہ سرے سے ضائع ہوجاتا تو ہم اس کے ضامن ہوتے۔ مگر حضرت عمرؓ نے پھر یہی کہا کہ یہ مال سارا جمع کرادو۔ عبداللہ پھر بھی خاموش رہے اور عبیداللہ نے پھر اپنا جواب دہرایا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے امیرالمومنین آپ اسے مضاربت قرار دے دیجیے ، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے اسے مضاربت قرار دے دیا اور حضرت عمرؓ نے اصل مال اور نصف منافع بیت المال کا وصول کرلیا۔ اور عبداللہ اور عبیداللہ (ہر دو صاحبزادگان عمرؓ) نے نصف منافع لے لیا۔ (۱)

(ج) دونوں مذکورہ بالا صورتوں میں اصل سرمایۂ مضاربت مال (نقد) ہے اور حضرت عمرؓ نے اس پر منافع مقررہ رقم کی صورت میں متعین نہیں کیا بلکہ ایک مخصوص نسبت سے نفع کا حصہ طے کیا، کیونکہ اگر آپ منافع کی کوئی خاص رقم متعین کرلیتے تو یہ جائز نہ ہوتا اور ربا (سود) بن جاتا۔

۴۔ قربانی کے جانور میں شرکت (د : اضحیہ/۳)

شروع (آغاز)

حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی عمل شروع کردیا جائے تو پھر اس کا کرنا لازم ہوجاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نفلی روزے کو شروع کرچکا ہو تو یہ روزہ اس پر واجب ہوجائے گا اور اس پر لازم ہو گا کہ اس روزے کو مکمل کرے۔ اگر اس نے روزہ توڑ دیا تو اس پر اس کی قضا واجب ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے ایک روز اپنے اصحاب سے کہا کہ میں نے ایک کام کیا ہے، آپ مجھے فتویٰ دیں۔ انہوں نے دریافت کیا ، اے امیرالمومنین وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میری ایک باندی میرے پاس سے گزری اور وہ مجھے اچھی معلوم ہوئی اور میں نے روزے کی حالت میں اس سے جماع

(۱) الموطا ۲/۶۸۷ ، المغنی ۵/۲۲

(۱) الموطا ۲/۶۸۷ ، المغنی ۵/۲۲

کرلیا۔ سب حاضرین نے اس بات کو بہت بُرا سمجھا مگر حضرت علیؓ خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے علیؓ ابن ابی طالب آپ کیا کہتے ہیں؟ اُنہوں نے فرمایا کہ آپ نے جو کچھ کیا وہ حلال ہے اور ایک دن کے روزے کے بدلے دوسرے دن کا روزہ ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا آپؓ فتویٰ دینے میں سب سے بہتر ہیں۔ (۱)

شعر (بال)

۱۔ بال منڈانا :

(ا) حضرت عمرؓ سر پہ بال رکھنے کو پسند فرماتے تھے اور آپ کو پُورا سر منڈانا پسند نہیں تھا اور اس کو آپ مثلہ خیال کرتے تھے جو ناجائز ہے۔ آپ نے صبیغ سے کہا کہ اگر میں نے آئندہ تمہیں اس طرح سر منڈاتے دیکھا تو میں تیرے سر پہ تلوار ماروں گا، جس میں تیری دونوں آنکھیں لگی ہیں۔ (۲)

(ب) جسم کے مختلف حصّوں سے بال منڈانا جائز ہے اور حضرت عمرؓ ایسا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے جسم پہ بال زیادہ تھے اور آپؓ اُنہیں منڈاتے تھے۔ (۳) اگرچہ جسم کے بال منڈوانا جائز ہے مگر حضرت عمرؓ بال صاف کرنے والی اشیا (نورہ وغیرہ) سے جسم کے بالوں کو صاف کرنا پسند نہیں کرتے تھے، کیونکہ آپ اسے عیش کوشی اور ایسا زنانہ پن خیال کرتے تھے جو مردوں کے لیے نامناسب ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ کے سامنے نورہ استعمال کرنے کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تنعّم ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ جسم پہ نورہ نہیں لگایا کرتے تھے۔ (۱)

(ج) جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہوا ہو، اس کے لیے بال منڈانا جائز نہیں (د: حج / ۲ د ۲) محرم جمرہ عقبہ کی رمی کرنے تک اسی طرح رہے گا۔ جب رمی کر لی اور جانور بھی ذبح کر لیا تو سر منڈا دے (د: حج / ۱۴ ج) لیکن عورت احرام سے حلال ہونے کے لیے بال نہیں منڈائے گی۔ (د: حج / ۱۹ د)

۲۔ بالوں کا رنگنا :

حضرت عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلّی علیہ وسلّم نے سفید بالوں کے رنگ بدلنے کا جو حکم دیا، اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان کا حُلیہ موزوں اور مناسب نظر آئے۔ اسی لیے اگر سفید بال دیکھنے میں ناگوار محسوس ہوں تو ان کا رنگ تبدیل کرنا سُنّت ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ اپنی زندگی کے بعض ادوار میں اپنی ڈاڑھی رنگا کرتے تھے۔ بہت ممکن ہے یہ آپ اس لیے کرتے ہوں کہ ڈاڑھی میں سفید بال آنا شروع ہو گئے تھے۔ عبدالحکم بن عمرو الغفاری اور اُن کے بھائی رافع حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ عبدالحکم نے مہندی کا خضاب لگایا ہوا تھا اور رافع نے زرد رنگ کا خضاب لگا رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عبدالحکم سے فرمایا کہ یہ اسلام کا خضاب ہے اور رافع سے کہا کہ یہ اہلِ ایمان کا خضاب ہے۔ (۳)

لیکن اگر سفید بالوں سے مسلم کی شان و شوکت اور وقار و نورانیت میں اضافہ ہوتا ہو تو حضرت عمرؓ اس کا رنگ تبدیل نہ کرنے کو ہی بہتر خیال کرتے تھے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی کے بعض ادوار میں اپنے سفید بالوں کا رنگ بدلنا

---

(۱) عبدالرزاق ۴/ ۲۲۷، المحلی ۶/ ۲۷۰ (۲) المغنی ۱/ ۹۷
(۳) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۱۹ ب

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۱۹ ب (۲) عبدالرزاق ۱۱/ ۱۵۴، المغنی ۱/ ۹۱
(۳) المغنی ۱/ ۹۱

چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ آپ کی ایک باندی نے آپ کو پیش کش کی کہ آپ کی ڈاڑھی رنگ دوں تو آپ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اس طرح تم میرا نُور اور رونق اس طرح ختم کر دو گی جیسے فلاں شخص اپنی نورانیت ختم کر لیتا ہے۔ (۱)

بہرحال سفید بالوں کا سیاہ رنگنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے دیکھنے والا دھوکہ کھا جاتا ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ عمرو بن العاصؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور اُنھوں نے اپنے سر اور ڈاڑھی کے بالوں پر سیاہ خضاب لگا رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ تم کون ہو۔ اُنھوں نے کہا کہ عمرو بن العاصؓ ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تو تمہیں بُوڑھا جانتا تھا اور تم آج نوجوان نظر آ رہے ہو۔ میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ یہاں سے جاتے ہی فوراً اس سیاہی کو دھوڈالو۔ (۲)

۳۔ مرد اور عورت کی شرمگاہ پر سخت بال اُگ آنا بلوغ کی دلیل ہے۔

(د: بلوغ / ۲ ار ۲)

۴۔ تعزیر میں بال منڈانے کی سزا (د: تعزیر / ۲ ج)

شعر

حضرت عمرؓ شعر سُنا کرتے تھے اور شاعروں سے شعر سُنانے کی فرمائش بھی کرتے تھے۔ آپ سے ایک شاعر کا تعارف کرایا گیا کہ یہ لڑکا فلاں قبیلہ کا شاعر ہے تو حضرت عمرؓ نے کہا، کیسے شعر کہتے ہو۔ اُس نے کہا کہ میرا شعر ہے:

اودع سلمٰی ان تجہزت غازیا
کفی الشیب والاسلام للمرأ ناھیا

(میں سلمٰی سے رُخصت ہوا اور اُس سے کہا کہ تو ایک غازی کو جہاد کے لیے رخصت کر رہی ہے اور بڑھاپا اور اسلام دونوں ہی آدمی کو برائیوں سے روکنے والے ہیں)

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے بڑی سچی بات کہی ہے۔ (۱)

حضرت عمرؓ اس بات کو ترجیح دیتے تھے کہ مسجد میں اشعار نہ پڑھے جائیں، لیکن آپ نے کبھی کسی کو منع نہیں کیا، چنانچہ روایت ہے کہ حضرت حسانؓ مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ نے اُن کی جانب دیکھا تو حضرت حسانؓ بولے۔ میں نے اُس وقت بھی اشعار پڑھے ہیں، جب یہاں وہ ہستی موجود تھی جو آپ سے بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ کہیں وہ اُن کا رسُول اللہ سے موازنہ نہ کریں، اس لیے آپ نے ان کو اجازت دے دی اور آگے بڑھ گئے۔ (۲)

شغار (ادلے بدلے کا نکاح)

۱۔ تعریف:

کوئی مرد کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ اُس کا ولی اُس کی بیٹی یا بہن سے نکاح کر لے۔ اور دونوں عورتیں ایک دوسری کا مہر قرار پائیں۔

۲۔ اس کا حکم:

یہ نکاح باطل ہے۔ (د: نکاح / ۵ د ا)

شفعہ

۱۔ تعریف:

یہ کسی پڑوسی کا وہ حق ہے جو اُس کی جائیداد سے ملحق جائیداد فروخت ہونے کے بعد اُسے حاصل ہو جاتا ہے اور جس کی بنا پر وہ اتنی ہی

---

(۱) کنز العمال نمبر ۴۲۲۲ (۲) سنن البیہقی ۲۱۱/۷

(۱) عبدالرزاق ۲۶۷/۱۱ (۲) عبدالرزاق ۱۳۹/۱

قیمت پر وہی جائیداد بائع اور مشتری سے جبراً لے کر مالک بن سکتا ہے۔

۲۔ شفعہ کس کے لیے ہے؛

حضرت عمرؓ کے نزدیک شریک کے لیے حق شفعہ ہے یہ بات بلاخلاف ثابت ہے۔

البتہ پڑوسی کے حق شفعہ کے بارے میں حضرت عمرؓ سے اختلاف منقول ہے، چنانچہ یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب زمین تقسیم ہو جائے اور اس کی حدود متعین ہو جائیں تو اس میں شفعہ نہیں ہے۔(۱) اور شریح بن الحارث سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے انہیں فرمان بھیجا کہ پڑوسی کے حق میں شفعہ کا فیصلہ کرو، یعنی پڑوسی کو حق شفعہ دلاؤ۔(۲)

شکر

سجدۂ شکر کی مشروعیت (د: سجود/۲)

شک

نماز میں شک (د: صلاۃ/۱۵)

یوم شک کا روزہ (د: صیام/۳ د ۴)

شہادۃ (شہادت)

شہادت کی بحث تین نکات پر مشتمل ہے۔

۱۔ شاہد (گواہ) ۲۔ مشہود بہ (جس امر کی گواہی دی گئی)

۳۔ شہادت کی اقسام۔

۱۔ شاہد (گواہ)

(و) شاہد کے لیے شرط ہے کہ وہ عادل ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ غیر عادل گواہوں کی گواہی پر کسی کو قید نہیں کیا جائے گا۔(۱)

عدالت سے مراد چند خاص ظاہری صفات کا شاہد میں پایا جانا ہے جب کہ باطنی صفات کی کھوج لگانا قاضی کی ذمہ داری نہیں ہے، کیونکہ باطنی اُمور کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بعض لوگوں کے بارے میں وحی آجاتی تھی اور وہ پکڑے جاتے تھے۔ اور اب وحی منقطع ہو چکی ہے۔ اب ہم تمہارا مواخذہ تمہارے ظاہری اعمال کی بنا پر کریں گے، جس سے خیر ظاہر ہو گی تو ہم اُسے مامون قرار دیں گے اور اُسے قریب کریں گے اور اس کے باطن سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ اس کے باطن کا حساب کرنے والا خود اللہ ہے۔ اور جو ہمارے سامنے بُرائی ظاہر کرے گا۔ ہم نہ اس پر اعتماد کریں گے اور نہ اس کی بات کو سچ مانیں گے۔ اگرچہ وہ یہ کہے کہ میری نیت اچھی ہے۔(۲)

(ب) قاضی پر لازم ہے کہ وہ شاہدوں سے اُن کی عدالت جاننے کے لیے سوالات کرے۔ (د: قضاء/۳ ب ۱) لیکن اگر ان کی عدالت کے بارے میں قاضی ان کی گواہی سے پہلے ہی جانتا ہو اور اُن کے فسق سے آشنا ہو یا ان میں کوئی ایسی بات پائے جس سے اُن کی عدالت ساقط ہو جاتی ہو یا اُن کی شہادت مردود ہو جاتی ہو تو ان صُورتوں میں وہ اُن کی شہادت رد کر دے اور قبول نہ کرے۔ اور اگر قاضی کو شاہدوں کے بارے میں کوئی علم نہ ہو اور اُن کی حالت اس سے پوشیدہ ہو تو قاضی اُن کی شہادت قبول

(۱) عبدالرزاق ۸/۸۰، سنن بیہقی ۶/۱۵، المحلی ۹/۹۹،۸۴، المغنی ۵/۲۸۵
(۲) المحلی ۹/۱۰۰، اخبار القضاۃ ۳/۱۹۲

(۱) المغنی ۹/ ۱۶۵ (۲) صحیح البخاری، الشہداء العدول۔ المحلی ۹/ ۳۹۴

کرسکتا ہے، کیونکہ بنیادی طور پر مسلمان عادل ہی ہوتا ہے۔
حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مسلمان ایک دوسرے کے حق میں عادل ہیں الا یہ کہ ۔ ۔ ۔ ۔ (۱)

(ج) جن افراد میں شہادت کی شرائط یکساں پائی جاتی ہوں وہ سب شہادت میں مساوی ہوں گے۔ اُن میں سے کسی ایک کی شہادت کو کسی دوسرے کی شہادت پر کوئی فوقیت نہیں دی جائے گی، خواہ وہ امیر ہو یا امام، خلیفہ ہو یا عام لوگوں میں سے کوئی فرد یعنی امام (سربراہ مملکت) کی گواہی بھی کلیتۃً ایک عام مسلمان کی گواہی کی مانند ہے۔ (د: قضاء/ ۳ ز)

(د) درج ذیل اقسام کے لوگوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

۱۔ نابالغ بچّے کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور اگر بچّے نے کسی معاملہ میں گواہی دی اور اُس کی یہ گواہی نابالغ ہونے کی بنا پر رد ہوگئی، پھر اُس نے اسی معاملہ میں بالغ ہونے کے بعد گواہی دی تو یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی، لیکن اگر بچے نے کوئی واقعہ دیکھا اور اس کی گواہی بالغ ہونے کے بعد دی تو اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کافر بچے اور غلام کی وہ گواہی صحیح ہے جو اُنھوں نے اپنی موجودہ حالت میں نہ دی ہو بلکہ کافر نے اسلام لانے کے بعد، بچّے نے بالغ ہونے کے بعد اور غلام نے آزاد ہونے کے بعد دی ہو اور وقتِ شہادت وہ عادل بھی ہوں۔ (۲)

جب نابالغ بچّہ کی گواہی ناقابلِ قبول ہے تو مجنون کی شہادت بدرجۂ اولیٰ ناقابلِ قبول ہے۔

۲۔ مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔
اس لیے کہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ

(البقرہ: ۲۸۲)

"پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرالو۔"

اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مسلمان ایک دوسرے کے حق میں عادل ہیں۔ (۱) اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ غیر مسلم عادل نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمان کے خلاف کافر کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ اور اگر کافر مسلمان ہوگیا اور اُس نے گواہی دی، تو اگر یہ وہی گواہی ہے جو اُس نے حالتِ کفر میں بھی دی تھی اور رد کر دی گئی تھی تو قبول نہیں کی جائے گی۔ اور اگر اُس نے کفر کی حالت میں یہ گواہی نہیں دی تھی تو قبول کر لی جائے گی۔ گزشتہ فقرہ میں اس بارے میں حضرت عمرؓ کا قول بیان ہوچکا ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ غلام اور ذمی اگر گواہی دیں تو اُن کی شہادت رد کر دی جائے گی۔ پھر اگر غلام آزاد ہوگیا اور کافر اسلام لے آیا تو دونوں کی شہادت قابلِ قبول قرار پائے گی۔ (۲)

۳۔ غلام کی گواہی اس کی غلامی کی حالت میں قبول نہیں کی جائے گی۔ اور مکاتب، (۳) مدبر اور ام ولد جب تک آزاد نہ ہو جائیں گواہی کے سلسلہ میں غلام ہی شمار ہوں گے۔ (د: رق ۳ د، رق ۲ ب، رق ۴ ب) لیکن اگر ان میں سے کسی نے آزاد ہونے کے بعد گواہی دی اور یہ وہی گواہی ہے جو اُس نے غلامی کی حالت میں بھی دی تھی اور رد ہوگئی تھی تو اب بھی

---

(۱) سنن البیہقی ۱۰/ ۱۹۷، المحلی ۹/ ۳۹۳، اخبار القضاۃ ۱/ ۷۰، ۲۸۳، المغنی ۵/ ۶۸۸ (۲) عبدالرزاق ۸/ ۳۴۷ المحلی ۹/ ۴۲۱، ۴۱۲

(۱) سنن البیہقی ۱۰/ ۱۹۷، المحلی ۹/ ۳۹۳، اخبار القضاۃ ۱/ ۷۰، ۲۸۳، المغنی ۵/ ۶۸۸ (۲) سنن البیہقی ۱۰/ ۲۵۰ (۳) المغنی ۹/ ۱۹۶

رد کی جائے گی۔ اور اگر اُس نے غلامی کی حالت میں یہ گواہی نہیں دی تھی تو اب قبول کر لی جائے گی۔ اس کے بارے میں حضرت عمرؓ کا قول مندرجہ بالا فقرے میں اور اس سے پہلے فقرے میں بیان ہو چکا ہے۔

۴۔ فاسق کی گواہی اس وقت تک قبول نہیں کی جائے گی، جب تک کہ وہ اپنے فسق سے توبہ نہ کر لے، چنانچہ اگر اُس نے توبہ کر لی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ایسے فاسق جن کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، ان میں یہ بھی شامل ہیں۔

(و) وہ شخص جس پر حد قائم کی جا چکی ہو، خواہ اس پر حد قذف قائم کی گئی ہو یا حد خمر (مے نوشی) یا اُن کے علاوہ کوئی اور حد جاری کی گئی ہو۔ حضرت عمرؓ نے ابوبکرہ شبل بن معبد اور نافع پر حد قذف جاری کی۔ اُنہوں نے مغیرہ بن شعبہؓ کے خلاف زنا کی گواہی دی تھی اور گواہی کا نصاب مکمل نہیں ہو سکا تھا، ازاں بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ تم میں سے اگر کوئی توبہ کرے تو آئندہ کے لیے اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ (۱) قذف سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ قاذف کہے کہ میں نے جو فلاں شخص پر تہمت لگائی تھی، وہ جھوٹی تہمت تھی۔ (د: قذف/۵ و)

ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس روتا ہوا آیا۔ آپ نے اس سے اس کا حال دریافت کیا اور کہا کہ اگر تم مالی طور پہ زیر بار ہو تو ہم تمہاری مدد کرتے ہیں اور اگر تم خوفزدہ ہو تو ہم تمہیں خوف سے نجات دلا دیں گے۔ سوائے اس کے کہ تم نے کسی کو قتل کیا ہو اور تم بھی اس میں قتل کیے جاؤ۔ اور اگر تمہیں کسی قوم کے ساتھ رہنا ناپسند ہے تو ہم تمہیں ان کے پاس سے کہیں اور بھیج دیتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ میں بنو تمیم کا ایک فرد ہوں۔ میں نے شراب پی لی تھی۔ ابوموسیٰؓ نے مجھے کوڑے مارے۔ میرا سر منڈا کر اور منہ کالا کر کے لوگوں میں گشت کرایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ نہ اس کے ساتھ بیٹھو اور نہ اس کے ساتھ کھاؤ پیو۔ ان حالات میں میرے دل میں تین ہی باتیں آئیں کہ یا تو میں تلوار لے کر ابوموسیٰؓ کو مار ڈالوں۔ یا میں آپ کے پاس آؤں اور آپ مجھے شام بھیج دیں کہ وہ لوگ مجھے نہیں جانتے یا میں دشمن سے جا ملوں اور اُن کے ساتھ کھاؤں اور پیوں۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ اگر تم ان میں سے کوئی بات کرتے تو میں ہرگز خوش نہ ہوتا۔ عمرؓ موجود ہو اور تم ایسا کرو ...... میں نے تو خود زمانہ جاہلیت میں بہت زیادہ شراب پی ہے اور یہ جرم زنا جیسا تو نہیں ہے۔ ازاں بعد آپ نے ابوموسیٰؓ کو لکھا کہ السلام علیکم! اما بعد! فلاں تمیمی شخص نے مجھے یہ واقعہ بتلایا ہے۔ قسم بخدا اگر تم نے دوبارہ ایسا کیا تو میں تمہارا منہ کالا کرا کے تمہیں لوگوں میں پھراؤں گا۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ میں نے حق بات کہی ہے تو لوگوں کو فوراً ہدایت کر دو کہ اُس کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا شروع کر دیں۔ اور جب یہ شخص توبہ کر رہا ہے تو تم اس کی توبہ قبول کرو۔ ازاں بعد حضرت عمرؓ نے اُسے سواری دی، دو سو درہم دیئے اور رخصت کیا۔ (۲)

(ب) جھوٹی گواہی دینے والا:

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مسلمان ایک دوسرے کے بارے میں عادل ہیں سوائے اس شخص کے جس کے بارے میں جھوٹی گواہی

---

(۱) المحلی ۹/۴۳۱، المغنی ۹/۱۹۷، عبدالرزاق ۷/۳۸۴

(۲) سنن البیہقی ۱۰/۲۱۴

کا تجربہ ہو چکا ہو۔ (۱)

ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک جھوٹا گواہ لایا گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کا منہ کالا کر دیا جائے۔ اُس کی گردن میں عمامہ ڈال دیا جائے اور اُسے قبائل میں گھمایا جائے اور یہ اعلان کیا جائے کہ یہ جھوٹا گواہ ہے، اس کی گواہی قبول نہ کرو۔ (۲)

حضرت عمرؓ کے پاس عراق سے ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ ہمارے یہاں ایک بے سروپا صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ کیا؟ اُس نے کہا کہ جھوٹی گواہیاں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا ایسا ہوگیا ہے۔ اُس نے کہا کہ جی ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں۔ اسلامی حکومت میں غیر عادل کی گواہی پر کسی شخص کو گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ (۲)

(ج) خائن کی گواہی:

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خائن اور خائنہ (خیانت کار مرد اور عورت) کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ (۳)

(د) مباح شعر کہنے والا اور اُن کو خوش الحانی سے پڑھنے والا فاسق نہیں ہے۔ (د، غنا/۲)

۵۔ مقدمہ کے دونوں فریقوں میں سے ایک فریق کی گواہی دوسرے فریق کے خلاف جائز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خصم (فریق) کی اور متہم کی گواہی جائز نہیں ہے۔ (۴) جارود نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ قدامہ بن مظعون پر مے نوشی کی حد لگائیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم گواہ ہو یا خصم (فریق مقدمہ) انہوں نے کہا کہ نہیں میں گواہ ہوں ــــ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر تمہاری گواہی ادا ہوگئی۔ یہ سن کر جارود خاموش ہو گئے۔ پھر دوسرے دن حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور پھر کہا کہ اس پر اللہ کی حد جاری کیجیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم تو خصم (فریق مقدمہ) ہی ہو۔ اور تمہارے ساتھ کسی اور نے گواہی نہیں دی ہے۔ (۱)

۶۔ حاقد یعنی دشمن کی شہادت جائز نہیں ہے۔ حاقد سے مراد وہ شخص ہے جس کے اور اُس شخص کے درمیان جس کے خلاف اُس نے گواہی دی ہے کوئی دشمنی اور کینہ موجود ہو، کیونکہ شاہد اور مشہود علیہ کے درمیان دشمنی کا ہونا ایسا شبہ جو رد شہادت کے لیے کافی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خائن مرد اور خائنہ عورت کی گواہی مقبول نہیں ہے اور اس شخص کی گواہی بھی مقبول نہیں ہے جو اپنے بھائی سے کینہ رکھتا ہو۔ (۲)

۷۔ جو شخص اپنے آپ کو ایسے خاندان یا آقاؤں کی طرف منسوب کرتا ہو جن سے فی الواقع اُس کا کوئی تعلق نہ ہو، اس کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ جو شخص اپنے نسب کے بارے میں جھوٹ بولتا ہے باوجودیکہ اس میں خطرہ بھی ہے، وہ لوگوں کے مال وغیرہ کے بارے میں جھوٹ بولنے سے احتراز نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے بارے میں عادل ہیں ماسوا اس شخص کے کہ جسے کسی حد میں کوڑے لگے ہوں یا اُس کے متعلق جھوٹی گواہی دینے کا تجربہ ہو چکا ہو یا اس پر ولاء اور رشتہ داری کے بارے میں تہمت لگ چکی ہو۔

---

(۱) عبدالرزاق ۸/۳۲۷ (۲) سنن البیہقی ۱۰/۱۴۲، الموطا ۲/۷۲۰، المحلی ۹/۳۹۴ (۳) سنن البیہقی ۱۰/۱۵۵ (۴) المغنی ۹/۱۷۵

(۱) الموطا ۲/۷۲۰، سنن البیہقی ۸/۳۱۵ (۲) عبدالرزاق ۹/۲۴۰، سنن البیہقی ۸/۳۱۵ (۳) سنن البیہقی ۱۰/۱۹۷، اخبار القضاۃ ۱/۷۰، ۲۸۲، المحلی ۹/۳۹۳

اور آپ نے فرمایا کہ خصم (فریق مقدمہ) اور متہم کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ (۱)

(ھ) مندرجہ ذیل اقسام کے لوگوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

۱۔ عادل رشتہ دار، خواہ اُن کا آپس میں کتنا ہی قریبی رشتہ ہو۔ چنانچہ باپ کی گواہی بیٹے کے حق، بیٹے کی باپ کے حق میں اور بھائی کی گواہی بھائی کے حق میں مقبول ہے، بشرطیکہ وہ عادل ہوں، کیونکہ جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ:

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ (البقرہ: ۲۸۲)

"جن گواہوں سے تم راضی ہو۔"

اس کے ساتھ یہ نہیں فرمایا کہ ماسوا باپ بیٹے اور بھائی کے۔[۲]

۲۔ خصی، خصی کی شہادت قبول کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہے۔ کیونکہ سری بن یحییٰ نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ جارود نے گواہی دی کہ قدامہ بن مظعون نے شراب پی ہے۔ حضرت عمرؓ نے قدامہ کو بحرین کا امیر مقرر کر رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جارود سے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ اور کون گواہ ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ میرے ساتھ علقمہ خصی بھی گواہی دے گا۔ حضرت عمرؓ نے علقمہ کو بلوایا اور اُس سے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو؟ علقمہ نے پوچھا کیا خصی آدمی کی شہادت درست ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر خصی مسلمان ہو تو اُس کی شہادت میں کیا امر مانع ہے؟ اس پر علقمہ نے گواہی دی کہ میں نے قدامہ کو طست میں خمر کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ قسم بخدا وہ شراب کی قے نہ کر سکتا تھا جب تک کہ اُس نے پی نہ ہوتی۔ پھر آپ نے اس کے بارے میں حکم دیا اور اُسے حد کے کوڑے مارے گئے۔

(و) عورت کی گواہی:

۱۔ حدود اور قتل و خون کے مقدمات میں عورت کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ زہری کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد دونوں خلیفہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور سے سُنت یہی رہی ہے کہ حدود اور قصاص کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی دُرست نہیں قرار دی جاتی رہی۔ (۱) عورتوں کی گواہی ان مقدمات میں اس لیے دُرست قرار نہیں دی گئی کہ عورت ان کے مشاہدے کی قوت نہیں رکھتی۔

۲۔ ان کے علاوہ دیگر امور مثلاً طلاق، نکاح اور نسب وغیرہ میں عورتوں کی گواہی قابلِ قبول ہے، خواہ اس گواہی میں ان کے ساتھ مرد گواہ ہو یا خالصتاً عورتوں کی گواہی ہو۔

عورتوں اور مردوں کی مخلوط گواہی کے بارے میں عطاءؒ کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ نے طلاق اور نکاح میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی کو دُرست قرار دیا۔ (۲) اور عبدالرزاق نے اپنی سند سے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ:

حضرت عمرؓ نے نکاح میں ایسی گواہی کو دُرست قرار دیا جس میں عورتوں کے ساتھ ایک مرد گواہ بھی ہو۔ (۳)

محض عورتوں کی گواہی کے بارے میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس عمان کے ایک شخص کا مقدمہ لایا گیا جس نے شراب کے نشہ میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور اس مقدمہ میں چار عورتوں نے گواہی دی تو حضرت عمرؓ نے عورتوں

---

(۱) الموطا ۲/۲۰،

(۲)

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۳۲ ب، احکام القرآن للجصاص ۱/۵۰۱، المحلی ۹/۳۹۷، عبدالرزاق ۸/۳۳۰ (۲) المحلی ۹/۳۹۸ - احکام القرآن للجصاص ۱/۵۰۱ (۳) عبدالرزاق ۸/۳۳۱

کی گواہی کو درست قرار دیا اور طلاق مغلظہ کو واقع شدہ قرار دیا۔ (۱)

حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جو حاملہ تھی۔ وہ بولی کہ مجھ سے فلاں شخص نے نکاح کر لیا تھا۔ اور اُس شخص نے کہا کہ میں نے اپنی ماں اور بہن کو گواہ بنا کر اس سے نکاح کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُس پر سے حد ساقط کر دی لیکن دونوں کے درمیان تفریق کرا دی اور فرمایا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے۔ (۲)

اس مقدمہ میں حضرت عمرؓ نے نکاح میں عورتوں کی گواہی کو رد نہیں کیا بلکہ آپ نے ولی کے بغیر نکاح پر اعتراض فرمایا۔ اور آپ نے توجہ دلانے کے لیے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے۔

سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک طلاق، نکاح، قصاص اور حدود میں عورتوں کی گواہی درست نہیں ہے۔ (۳) لیکن یہ روایت ناقابلِ اعتماد ہے، کیونکہ ایک تو یہ کہ یہ منقطع ہے۔ دوم یہ کہ یہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے ہم آہنگ نہیں جو بالعموم فقہا نے حضرت عمرؓ کا نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ روایت خود حضرت عمرؓ کے عمل کے خلاف ہے۔

حضرت عمرؓ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ اُن کی خدمت میں ایک ایسے نکاح کا مقدمہ پیش ہوا جس میں صرف ایک مرد اور ایک عورت گواہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ تو پوشیدہ نکاح ہے، میں اس کو درست قرار نہیں دیتا اور اگر یہ بات پہلے ہی میرے علم میں آجاتی تو میں رجم کا حکم دیتا۔ (۴)

(۱) المحلی ۹/ ۳۹۷ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۰۷ ب
(۳) المحلی ۹/ ۳۹۷، ۳۹۹ - عبدالرزاق ۸/ ۳۳۰
(۴) الموطا ۲/ ۵۳۵، سنن البیہقی ۷/ ۱۲۶

اس مقدمہ میں حضرت عمرؓ نے اس پر اعتراض نہیں کیا کہ مرد کے ساتھ دوسری گواہ عورت ہے بلکہ آپ کو اس پر یہ اعتراض تھا کہ نکاح کا معاملہ پوشیدہ رکھا گیا۔

——— جب کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک اعلانِ نکاح واجب ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ نکاح کا اعلان کرو اور شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ (۱)

ابنِ حزم نے شہادت میں عورتوں کی قابلِ قبول تعداد کے بارے میں حضرت عمرؓ کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ وہ تعداد جس کے مہیا ہونے پر عورتوں کی گواہی قابلِ قبول ہوگی یہ ہے کہ ایک مرد کی جگہ دو عورتیں ہوں (۲) لیکن ہم نے جن واقعات کا ذکر کیا ہے، اُن سے ابنِ حزم کی رائے کی تائید نہیں ہوتی، کیونکہ جس شخص نے اپنی ماں اور بہن کی گواہی پر نکاح کیا تھا، حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں یہ اعتراض نہیں کیا کہ اُس نے صرف دو عورتوں کی شہادت کے ساتھ نکاح کیا ہے، اسی طرح آپ نے اس شخص پر جس کے نکاح میں ایک مرد اور ایک عورت ہی گواہ تھے یہ اعتراض نہیں کیا تھا کہ اُس نے ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی پر نکاح کیا ہے۔ اگر یہ گواہی غلط ہوتی تو حضرت عمرؓ اس غلطی کے بیان کرنے کو ترک نہ کرتے، کیونکہ جس وقت اور جس موقع پر کسی بات کو بیان کرنا ضروری ہو گیا اس سے مؤخر کرنا جائز نہیں ہے لہٰذا یہ امر اگر کسی بات پر دلالت کرتا ہے تو وہ یہ ہے کہ مالی معاملات کے علاوہ ہر معاملہ میں ایک مرد کی جگہ ایک عورت کا گواہ بننا جائز ہے، لیکن مالی معاملات میں ایک مرد کی جگہ دو عورتیں قبول کی جائیں گی، کیونکہ اس کے بارے میں نص موجود ہے۔

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۱۴، المغنی ۶/ ۵۳۸
(۲) المحلی ۹/ ۳۹۹

فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ (البقرہ ۲۸۲)

"اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں"

۳۔ صرف ایک عورت کی گواہی کہ اس کے ساتھ نہ دوسری عورت ہو اور نہ کوئی مرد، صرف ان معاملات میں قابلِ قبول ہے جو عورتوں سے مخصوص ہیں اور جن سے علاوہ عورتوں کے کوئی دوسرا آگاہ نہیں ہو سکتا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے بوقتِ ولادت بچے کے آواز نکالنے کے بارے میں ایک عورت کی گواہی کو درست قرار دیا۔[1] اور رضاعت کے سوا کسی معاملہ کو اس حکم سے مستثنیٰ نہیں کیا۔ چنانچہ رضاعت کے بارے میں صرف ایک عورت کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ اور حضرت عمرؓ نے اپنی اس رائے کی علت یہ بیان کی کہ اگر ہم نے یہ دروازہ کھول دیا تو جو عورت بھی کسی میاں بیوی میں تفریق کرانا چاہے گی یہ گواہی دے کر کہ یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں، ان میں جدائی کرا دے گی۔

(د: رضاع /۳)

۴۔ مشہود بہ (جس بات کی گواہی دی جائے)

شہادت اُسی وقت قابلِ قبول ہوگی جب شاہد نے شہادت کا پورا احاطہ کیا ہو اور جو کچھ دیکھا ہو اُس کو پوری طرح محفوظ کر لیا ہو مثلاً اگر وہ کسی مالی معاملہ میں گواہی دے رہا ہے تو اُس کو معلوم ہونا چاہیے کہ مال کی مقدار کیا ہے اور یہ کہ قرض دینے والا کون ہے اور قرض کس کے ذمہ ہے۔ اور اگر وہ مثلاً زنا کی گواہی دے رہا ہو تو وہ زانی اور جس کے ساتھ زنا کیا گیا دونوں کو بخوبی جانتا ہو۔ اور اس امر کی گواہی دے کہ میں نے مرد کے عضوِ مخصوص کو عورت کے فرج میں اس طرح دیکھا ہے جیسے سُرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔

زنا کی شہادت (د: زنا/۴ب)

رضاعت کی شہادت (د: رضاعت/۳)

نشہ آور شے پینے کی شہادت (د: اشربہ/۱د)

نکاح کی شہادت (د: نکاح/۵ج)

رمضان اور شوال کا چاند دیکھنے کی شہادت (د: صیام/۲ز)

۳۔ شہادت کی قسمیں:

شہادت کی دو حصے ہیں۔

(ا) تحمّلِ شہادت: (یعنی گواہ بننا)

کوئی معاہدہ کرتے وقت یا کسی معاہدے کو منسوخ کرتے وقت گواہ بنانا واجب نہیں ہے ماسوائے عقدِ نکاح کے۔ یعنی عقدِ نکاح کی گواہی کے ذریعہ توثیق واجب ہے کیونکہ یہ ایسا معاہدہ ہے جس کے بہت اہم نتائج مرتب ہوتے ہیں، اسی لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

(د: نکاح / ۵ج)

کسی بھی معاملہ میں گواہ بننا کسی شخص پر واجب نہیں ہے (یعنی جو شخص کسی معاملہ کے وقت موجود ہو اس پر یہ فرض نہیں ہے کہ وہ ضرور اس معاملہ میں گواہ بنے) کیونکہ مندرجہ ذیل آیت میں جو امر ہے وہ استحباب پر مبنی ہے اور اس کی غرض وغایت یہ ہے کہ لوگ گواہ بننے پر از خود آمادہ ہوں، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ط

(البقرہ: ۲۸۲)

(گواہوں کو جب گواہ بننے کے لیے کہا جائے تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہیے)

(ب) ادائے شہادت (گواہی دینا)

---

(۱) عبدالرزاق ۸/۳۲۲ (۲) المحلی ۹/۴۰۰

۱۔ ادائے شہادت واجب ہے اور اگر شہادت کے چھپانے سے کسی حق کا ضیاع لازم آتا ہو تو شہادت کا چھپانا جائز نہیں ہے کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے :

وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۔ (البقرہ : ۲۸۳)

(اور جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے)

البتہ حدود کے سلسلہ میں بطورِ خاص شہادت کا کتمان (چھپانا) ہی افضل ہے۔ (دا حد/۳)

۲۔ حدود کی گواہی میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر شاہد نے حدود کی گواہی میں اتنی تاخیر کر دی جو معمول اور دستور کے خلاف ہو تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ (دا تقادم)

اگر بعض گواہ گواہی کے لیے آجائیں اور بعض نہ آئیں تو جو آئے ہیں اُن کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ اور سب گواہوں کی بیک وقت مجلس قضا (عدالت) میں حاضری ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ ابوبکرہ، نافع اور شبل نے حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت مغیرہؓ کے بارے میں گواہی دی مگر زیاد شہادت کے لیے نہیں آئے۔ ابوبکرہ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر ایک اور گواہ بھی گواہی کے لیے آگیا تو آپ اُسے رجم کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یقیناً قسم بخدا۔(۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک گواہوں کا مجلس قضا میں بیک وقت حاضر ہونا شرط نہیں ہے بلکہ قاضی سب کی شہادتیں سُنے گا اگرچہ ان میں سے کسی کی شہادت پہلے ہو یا بعد میں۔

شہرِ حرام (حرمت والا مہینہ)

جو شخص حرمت والے مہینہ میں قتل ہوگا اُس کی دیت دیتِ مغلظ ہوگی۔

شہید

۱۔ تمنائے شہادت :

مسلمان کے لیے جائز ہے کہ راہِ خدا میں شہید ہونے کی تمنا کرے اور مسلمان اللہ سے شہادت کی دعا بھی مانگ سکتا ہے، چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ ۔ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ

(اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور میری موت اپنے رسولؐ کے شہر میں مقرر فرما)

اور حضرت عمرؓ یہ دعا مانگتے :

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَتْلِيْ بِيَدِ رَجُلٍ صَلّٰى لِلّٰهِ سَجْدَةً وَاحِدَةً يُحَاجُّنِيْ بِهَا عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(اے اللہ! کوئی ایسا شخص مجھے قتل نہ کرے جس نے کبھی اللہ کے سامنے ایک سجدہ بھی کیا ہو کہ پھر وہ روزِ قیامت اس سجدہ کی بنا پر میرے سامنے تجھ سے احتجاج کرے)

۲۔ رضائے الٰہی سے سرفراز شہید :

حضرت عمرؓ نے ایک روز خطبہ دیا اور فرمایا کہ ..... ایک اور بات۔ ان جنگوں میں جو آج کل لڑی جا رہی ہیں یہ ہے کہ جو شخص مارا جاتا ہے تم اس کے بارے میں کہتے ہو کہ فلاں شخص شہید ہو گیا حالانکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی نیت طلبِ دنیا ہو اور اُس نے اپنی سواری

---

(۱) المغنی ۸/۲۰۱

(۱) صحیح البخاری، الجہاد، باب سوم، الموطا ۲/۴۶۲، المجموع ۵/۱۰۳، عبدالرزاق ۵/۲۶۲، (۲) الموطا ۲/۴۶۱

کی دونوں خرجیوں میں سونا اور چاندی بھر لیا ہو تو تم اس طرح نہ کہو بلکہ اس طرح کہا کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو راہ خدا میں قتل کیا گیا یا مر گیا وہ جنتی ہے۔ (۱)

کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ایک جنگ میں ہلاک ہونے والوں کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ بعض کہہ رہے تھے کہ وہ شہداء ہیں اور جنتی ہیں۔ اور کچھ کہہ رہے تھے کہ جیسی اُن کی نیت ہو گی۔ حضرت عمرؓ کا اُدھر سے گزر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا گفتگو ہو رہی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ہم ان مرنے والوں کا ذکر کر رہے تھے۔ ہم میں سے کوئی کہہ رہا تھا کہ یہ راہ خدا میں شہید ہوئے ہیں اور کوئی کہہ رہا تھا کہ ان کا اجر ان کی نیتوں کے مطابق ہو گا۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کچھ لوگ ریاکاری میں جہاد میں جاتے ہیں۔ کچھ لوگ جہاد میں حصول دُنیا کی نیت سے شرکت کرتے ہیں، بعض لوگ اس لیے جنگ کرتے ہیں کہ جنگ کرنے پر اس طرح مجبور ہو چکے ہوتے ہیں کہ اُن کے لیے اس سے بچنے کا راستہ باقی نہیں رہتا۔ کچھ ایسے ہیں جو (خاندان یا قبیلے کی) حمیت میں لڑتے ہیں اور بعض وہ ہوتے ہیں جو صرف رضائے الٰہی کی خاطر جہاد کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو راہِ خدا میں شہید کہلانے کے مستحق ہیں۔ اور روزِ قیامت ہر شخص کا معاملہ اس نیت کے مطابق ہو گا جس کے لیے اس نے جان دی۔ (۲)

۲۔ شہادت کی قسمیں :

شہید کی دو قسمیں ہیں۔ شہید دُنیا، شہید آخرت

(و) شہید دُنیا وہ ہے جو میدانِ جنگ میں مارا جائے

(ب) شہید آخرت وہ ہے جس کو کسی نے دھوکے سے مار دیا ہو۔ یا وہ غرق ہو کر یا آگ میں جل کر مر جائے وغیرہ یعنی وہ تمام لوگ جن کے بارے میں رسول اللہؐ نے ذکر فرمایا ہے کہ وہ شہید ہیں۔

شہداء کی اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اُن کو غسل بھی دیا جائے گا، تکفین بھی کی جائے گی اور نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ الغرض ان کے ساتھ وہ سب کچھ کیا جائے گا جو طبعی موت مرنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن بہرحال اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس محفوظ ہے۔ حضرت عمرؓ ان تمام شہداء کے سردار ہیں جو اس قسم میں شامل ہیں کیونکہ آپ کو ابو لؤلؤہ مجوسی نے مدینۃ الرسولؐ میں خنجر مار کر ہلاک کر دیا چنانچہ آپؓ کو غسل دیا گیا، تکفین کی گئی، حنوط لگایا گیا اور آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ (۱) اور اس طرح اللہ سبحانہٗ نے حضرت عمرؓ کی دعا قبول فرمائی کہ آپ کو ایسے شخص نے قتل کیا جس نے کبھی اللہ کے لیے ایک رکعت نہیں پڑھی اور آپ مدینۃ الرسولؐ میں شہید ہوئے۔

شوریٰ

خلیفہ منتخب کرنے کے لیے شوریٰ (د؛ امارہ/۴/ب)

امیر کا اصحاب رائے سے مشورہ (د؛ امارہ ۵/۳) و (امارہ/۶ د)

قاضی کا فقہاء اور سربراہ حکومت سے مشکل معاملات میں مشورہ (د؛ قضاء/۱، ۴)

شیب (بڑھاپا)

بڑھاپے کے بالوں کو رنگنا۔ (د؛ شعر/۲)

---

(۱) سنن البیہقی ۹/ ۳۳۲

(۲) عبدالرزاق ۵/ ۲۶۶

(۱) الموطا ۲/۴۶۳، ابن ابی شیبہ ۲/ ۳۰۸ وغیرہ

ص

صائل (حملہ آور)

حملہ آور پر دست درازی ۔ (د: جنایت/ ۳ ب ۶)

صائبہ (صابی فرقہ کے لوگ)

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ صابی فرقے کے لوگ یوم سبت مناتے ہیں ۔ (۱) یعنی یہ یہودیوں کا ایک فرقہ ہے ۔

صبغ (رنگنا)

بال رنگنے کا حکم (د: شعر/ ۲)

کپڑا رنگنے کا حکم (د: لباس / ۱ د)

صبی (بچہ)

دیکھیے : صغیر

صدقۃ

صدقہ کے موضوع پر ہم حسب ذیل عنوانات کے تحت تفصیلی بحث کریں گے ۔

(۱) المغنی ۸/ ۴۹۶

تعریف (۲) فضیلت صدقہ (۳) صدقہ دینے والا (۴) جو شئے صدقہ میں دی جائے (۵) عقد صدقہ (۶) جس کو صدقہ دیا جائے ۔

۱ ۔ تعریف :

صدقہ سے مراد یہ ہے کہ کسی ضرورت مند کو اپنی زندگی میں بغیر کسی معاوضے کے محض حصول رضائے الٰہی کی خاطر کسی چیز کا مالک بنا دینا ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ صدقہ کا اجر روز قیامت کے لیے ذخیرہ ہے ۔ (۱) اور سائبہ کا اجر بھی یوم قیامت کے لیے ذخیرہ ہے ۔

۲ ۔ صدقہ کی فضیلت :

حضرت عمرؓ کی جابر بن عبداللہ سے ملاقات ہوئی ۔ اُن کے پاس گوشت کی وافر مقدار تھی جو وہ اُٹھائے ہوئے تھے حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ یہ کیا ہے ۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارا جی گوشت کھانے کو چاہا تو مَیں نے ایک درہم کا گوشت خریدا ہے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں چاہتا کہ خود بھوکا رہ کر اپنے پڑوسی یا اپنے چچا کے بیٹے کو کھلا دے ۔ کیا تمہارے پیشِ نظر یہ آیت نہیں ہے :

أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۔ (الاحقاف : ۲۰)

(۱) عبدالرزاق ۹/ ۱۱۸

(تم اپنے حصے کی نعمتیں اپنی دُنیا کی زندگی میں ختم کر چکے اور اُن کا لُطف تم نے اٹھا لیا)

۳- صدقہ دینے والا:

(ا) متصدق (صدقہ دینے والے) کی شرط یہ ہے کہ وہ تبرع کے معاملات میں تصرف کرنے کا اہل ہو، چنانچہ نابالغ بچے اور مجنون کی طرف سے صدقہ صحیح نہیں ہے۔

(ب) غلام کم قیمت شے کا صدقہ کر سکتا ہے، چنانچہ روایت ہے کہ نافع نے حضرت عمرؓ سے غلام کے صدقہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ درہم اور روٹی کا صدقہ کر سکتا ہے۔ (۱) بنی ہاشم کے ایک غلام نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ میرے پاس مال ہے کیا میں زکوٰۃ دوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں۔ اُس نے پُوچھا، پھر کیا میں صدقہ دوں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں روٹی اور درہم کا۔ (۱)

(ج) مرنے والے کی جانب سے صدقہ دینا جائز ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مرنے والے کی جانب سے نہ نماز پڑھ سکتا ہے نہ روزہ رکھ سکتا ہے۔ تم اگر کچھ کر سکتے ہو تو وہ یہی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ دو یا ہدیہ دو۔ (۳)

۴- وہ چیز جو بطور صدقہ دی جائے:

صدقہ کی کوئی حد متعین نہیں ہے۔ کھجور کا آدھا ٹکڑا بھی صدقہ میں دیا جا سکتا ہے اور بہت سا مال بھی صدقہ میں دیا جا سکتا ہے۔ البتہ سارا مال صدقہ کر دینا جائز نہیں ہے، بلکہ صدقہ کرنے والے پر لازم ہے کہ کچھ مال اپنے پاس رکھے تاکہ اس سے اپنی ضروریات کو پُورا کرے اور اپنے وقار کا تحفظ کر سکے۔ اور زندگی میں اُن مقاصد کو حاصل کر سکے جن کا حصول اللہ نے اُس کے لیے جائز کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے والد عمرؓ سے کہا کہ میں اپنا پُورا مال بطور صدقہ دینا چاہتا ہوں؛ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پُورا مال نہ دو بلکہ کچھ صدقہ کر دو اور کچھ اپنے پاس رکھو۔ (۱)

لقطہ کا صدقہ (د: لقطہ/۴)

(۵) صدقہ دینے کا معاہدہ:

(ا) عقدِ صدقہ میں غیر سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے۔ حضرت عمرؓ صدقہ کے سلسلہ میں مزاحاً اور غیر سنجیدہ انداز میں کہہ دینے کو سنجیدہ شمار کرتے تھے۔ اور اگر صدقہ کرنے والا ازراہ مذاق بھی کہہ دیتا کہ میں نے صدقہ کیا تو اس کو نافذ قرار دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تین امور ایسے ہیں جن میں مزاحاً کہنے والا اور سنجیدگی سے کہنے والا دونوں برابر ہیں اور وہ امور یہ ہیں طلاق صدقہ اور عتاق (۲) نیز آپؓ نے فرمایا کہ صدقہ کے سلسلہ میں مزاحاً کہنا اور سنجیدگی دونوں برابر ہیں۔ (۳)

(ب) صدقہ محض ایجاب ہی سے (یعنی یہ کہہ دینے سے کہ میں نے صدقہ کیا) لازم ہو جاتا ہے۔ صدقہ کے سوا تمام رضاکارانہ معاہدے قبضہ سے لازم ہوتے ہیں (د: صدقہ) لیکن صدقہ صرف ایجاب سے لازم ہو جاتا ہے خواہ جس کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اس نے اس شے پر جو صدقہ کی گئی ہے، قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور اس پر حضرت عمرؓ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے کہ غیر سنجیدگی سے صدقہ کرنے والا اور سنجیدگی سے صدقہ کرنے والا دونوں صدقہ کے سلسلہ میں برابر ہیں۔

ایک مرتبہ صدقہ لازم آجائے تو اس سے رجوع کرنا دُرست نہیں ہے، بخلاف دیگر تبرعات مثلاً ہبہ وغیرہ کے۔ حضرت

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۵ ب (۲) الاموال ۷۵۴ (۳) عبدالرزاق ۹/۵۱

(۱) المحلی ۹/۱۳۸ (۲) عبدالرزاق ۶/۱۳۴ (۳) عبدالرزاق ۹/۱۲۲

عمرؓ نے فرمایا کہ صدقہ روزِ آخرت کے لیے ہے (۱) معمر نے کہا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ صدقہ سے رجوع نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کی قیمت دی جا سکتی ہے (۲) اور میں کہتا ہوں کہ صدقہ سے رجوع اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس کا ثواب صدقہ کرنے والے کو اللہ کی طرف سے اُسی وقت مل جاتا ہے جب وہ کہتا ہے کہ میں نے صدقہ دیا۔

صدقہ کو واپس لینے کی ممانعت مطلق ہے یعنی خواہ صدقہ بغیر معاوضے کے واپس لے یا اس کا عوض دے کر واپس لے مثلاً یہ کہ جس کو صدقہ دیا ہے اس سے صدقہ میں دی ہوئی چیز قیمتاً خرید لے۔ (د: بیع / ۱ د ۵)

(ج) ضرورت کے وقت حکومت کی جانب سے بعض صدقات کو لازم قرار دے دینا: حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ امیر المومنین کے لیے روا ہے کہ وقتِ ضرورت اغنیاء پر زکوٰۃ کے علاوہ کچھ صدقات بھی لازم کر دے تاکہ اس طرح وہ فقراء کی ضروریات پوری کر سکے اور معاشرہ سے فقر ختم کر سکے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مجھے موقعہ ملا اور جو صورتِ حال پہلے پیش آچکی ہے وہ بعد میں بھی پیش آئی تو میں اغنیاء سے اُن کے زائد اموال لے کر اُن کے فقراء کو لوٹا دوں گا۔ (۳)

(د) وہ شخص جس کو صدقہ دیا جائے۔

صدقہ ہر ایسے ضرورت مند شخص کو دینا جائز ہے جس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے مثلاً باپ اور بیٹا۔ اور اسی لیے حضرت عمرؓ نے کافر کو بھی صدقہ دینا جائز قرار دیا ہے۔

صدقہ فطر:

صدقہ فطر ہر بالغ و نابالغ مسلمان پر واجب ہے بشرطیکہ دینے کی قدرت رکھتا ہو۔ یہ صدقہ بچے کی طرف سے اس کا ولی اور غلام کی طرف اُس کا آقا ادا کرے گا۔

مقدار صدقہ:

صدقہ فطر کی مقدار ہر شخص کی طرف سے ایک صاع کھجور یا نصف صاع گندم ہے۔ جیسا کہ حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صدقہ فطر ہر شخص پر ایک صاع کھجور یا نصف صاع گندم واجب تھا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی یہی مقدار رہی۔

صرف:

دیکھیے: بیع / ۵ و

صغیر (بچہ)

۱۔ ولادت کے بعد بچہ کے کان میں اذان دینا:

حضرت عمرؓ کے ہاں بیٹا ہوا تو آپ نے اُس کے دائیں کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ (د: اذان / ۲)

۲۔ بچے کا دین:

دین کے سلسلہ میں بچہ اپنے والدین میں سے اس کے تابع ہو گا جس کا دین اشرف ہو۔ لہٰذا بچے کے والدین میں سے اگر ایک بھی مسلمان ہو گا تو بچہ مسلمان شمار کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر بچہ غلام ہو تو اُس کے آقا کے مسلمان ہونے کی بنا پر یا اُس کے والدین میں سے کسی ایک کے آقا کے مسلمان ہونے کی بنا پر بچے کو مسلمان تصور کیا جائے گا۔ (د: اسلام / ۴)

۳۔ صغیر پر حجر (پابندی)

(۱) عبدالرزاق ۹/۱۱۸ (۲) المحلی ۹/۱۵۸ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۷

صغیر (بچے) کے تمام قولی تصرفات پر پابندی عاید رہے گی لہٰذا اُس کا ولی اُس کے تمام معاملات کی دیکھ بھال کرے گا۔ ولی بچّے کی تربیت بھی کرے گا اور اُس کے مال میں اضافہ کی کوشش کرے گا اور اُس کے مال پر جو حقوق عاید ہوں گے اُن کو ادا کرے گا۔ (د: ولایت/۲ ب ۳) و (زکوٰۃ/۲ ھ)

۴ - حضانتِ صغیر (بچہ کی پرورش) (د: حضانت)

۵ - وہ امور جن میں بچّے کو بالغ کے حکم میں سمجھا جائے گا۔

بچّہ حسبِ ذیل امور میں بالغ کے ساتھ ملحق ہے اور حکم میں بالغ کے مساوی ہے۔

(ا) اس کی عبادت صحیح ہے اور اُس کی عبادات پر اُسے ثواب ملے گا مثلاً نماز اور اذکار وغیرہ۔ لہٰذا بچّوں کو عبادت کی عادت ڈالی جائے۔ (د: صلاۃ/۱ ج)

(ب) اُس کے مال پر جو حقوق عاید ہوں گے اُن کی ادائیگی کی جائے گی، البتہ اس ادائیگی میں اُس کی نیابت اُس کا ولی کرے گا۔ مثلاً ادائے نفقہ (د: نفقہ/۲ و) اور ادائے زکوٰۃ (د: زکوٰۃ/۲ ج)

(ج) اس کی وصیت صحیح ہے۔ (د: وصیت/۱ ب)

(د) جو جان اور مال وہ تلف کرے گا، اس پر اُس کا ضمان لازم ہوگا۔ (د: جنایت/۲ ب ۲ و)

مکّہ مکرمہ کے شکار کو تلف کرنے کا ضمان بھی اس میں داخل ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی اولاد کی جانب سے ایک مینڈھا ذبح کیا کیونکہ انہوں نے حرم مکّہ کے کبوتر کا بچّہ مار ڈالا تھا۔ (۱)

(ھ) قصاص اور ضمان لازم آنے کے سلسلہ میں بچہ پر جنایت کا حکم وہی ہے جو بڑے پر جنایت کا (د: جنایت/۲ ب و) اس حکم میں کوئی استثناء نہیں ہے سوائے بچّہ کے دودھ کے دانتوں کے جو ابھی گرے نہ ہوں کہ حضرت عمرؓ نے بچّے کے (دُودھ کے) ہر دانت پر ایک اونٹ لازم قرار دیا، جب کہ بڑے آدمی کے ہر دانت پر پانچ اُونٹ لازم قرار دیئے۔ (د: جنایت/۵ ب ۴ و) کیونکہ بچہ کے (دُودھ کے) دانت کچھ عرصہ رہتے ہیں پھر خود ہی گر جاتے ہیں اور اُن کی جگہ پکے دانت نکل آتے ہیں۔

(و) بچّہ اور عطاء، سرکاری وظیفہ کے استحقاق میں جو بچّے کی ولادت پر حکومت کی جانب مقرر ہو (ہر بچّہ بڑے کے حکم میں ہے)۔ (د: فئے/۳ ھ)

(ز) زکوٰۃ میں بچّوں کو بڑوں کے ساتھ شمار کرنا۔ (د: زکوٰۃ/۴ د ۲) لیکن بچّے زکوٰۃ میں وصول نہیں کیے جائیں گے۔ (د: زکوٰۃ/۴ د ۲)

۶ - وہ احکام جو صرف بچّے کے لیے خاص ہیں۔

بچہ پر شریعت کی طرف سے عاید کردہ بدنی فرائض مثلاً نماز (د: صلاۃ/۱ ج) اور روزے (د: صیام/۲ و) وغیرہ فرض نہیں ہیں۔

لیکن زکوٰۃ بچوں اور بڑوں پر یکساں فرض ہے کیونکہ یہ ایک مالی ذمہ داری ہے۔ (د: زکوٰۃ/۳ ج)

بچّہ پر جزیہ عاید نہیں ہوگا۔ (د: جزیہ/۳ ب ۲)

بچّہ پر حد اور قصاص قائم نہیں ہوں گے۔ (د: حد/۶ و) (جنایت/۲ ب ۲ و)

بچّہ غنیمت میں حصّے کا مستحق نہیں ہے۔ (د: غنیمت/۲ ب ۳ و)

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۷ ب

بچہ دورانِ جنگ قتل نہیں کیا جائے گا۔ (جہاد/ ۷ و) اور نہ
بچہ قید ہونے کے بعد قتل کیا جائے گا (د ۱ اسر/۲ ی)
بچّہ پر حجر عاید ہوگا۔ (د ۱ حجر/۲)
بچّہ کسی دوسرے کا ولی نہیں بن سکتا، کیونکہ اُسے خود اپنے نفس پر ولایت حاصل نہیں ہے۔ اور جو شے انسان کے پاس موجود ہی نہ ہو وہ کسی دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ (د ۱ امار /۲)
و (ولایت/۱) و (قضاء/ ۱ھ ا)
بچّہ کی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔ (د ۱ شہادت/ ۱ د ا)
بچّی کا نکاح اس کے اذن کے بغیر صحیح ہے۔
(د ۱ نکاح/ ۵ ب ۲ ی)
مولیشیوں کے بچّے زکوۃ میں قبول نہیں کیے جائیں گے۔
(د ۱ زکوۃ / ۴ د ۲)
بچّہ کی طلاق اور اُس کے ولی کی اس کی طرف سے طلاق۔
(د ۱ طلاق / ۴ ج)
بچّے کا ذبیحہ (د ۱ ذبح / ۳ ب)
بچّہ کو نہ تو فوج میں بھرتی کیا جائے گا اور نہ اُسے دشمن کی سرزمین میں داخل کیا جائے گا۔ (د ۱ جہاد/ ۳ ج)
چھوٹی بچّی کا مہمانوں وغیرہ کے سامنے آنا۔
(د ۱ حجاب/ ۱ ژ - نکاح/ ۲ ی)

صفی :

۱۔ تعریف :

مالِ غنیمت میں سے جو کچھ امام تقسیم سے پہلے انتخاب کر کے علیحدہ کرلے اور جسے تقسیم میں شامل نہ کیا جائے وہ صفی کہلاتا ہے۔

۲۔ صفی کا جواز :

غنیمت میں سے امام کا کوئی شے منتخب کر لینا جائز ہے۔ اور امام کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ کوئی شے مالِ غنیمت میں سے اپنے لیے منتخب کرلے۔ یا اپنے پاس رکھے اور اس میں سے مصیبت زدہ لوگوں اور خیر کی جانب سبقت کرنے والوں کو عطا کرے۔ حضرت عمرؓ مالِ غنیمت میں سے کچھ نہ کچھ منتخب کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ آپ نے کسریٰ اور اُس کے خاندان کی مال و دولت اور جنگ میں مارے جانے والوں اور بھاگ جانے والوں کی زمینیں اور درختوں کے جھنڈ والی اور پانی والی نشیبی زمینیں بطور صفی اپنے پاس رکھیں۔ اور آپ ان زمینوں میں سے جس کو دینا چاہتے بطور جاگیر دے دیتے تھے۔ (۱) (د ۱ ارض / ۱ ج ۲)

صلاۃ (نماز)

نماز کے بارے میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کا مسلک پیش کرنے کے لیے ہم مندرجہ ذیل عنوانات پر گفتگو کریں گے۔
۱۔ نماز کا مقام و مرتبہ ۲۔ شرائط نماز ۳۔ اوقاتِ نماز ۴۔ جمع بین الصلوتین ۵۔ نماز کی قضا ۶۔ صلاۃ وسطیٰ ۷۔ وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ ۸۔ نمازی کے سامنے سے گزرنا اور سترہ کا حکم ۹۔ نماز میں عورت کی محاذات ۱۰۔ نماز کے مکروہات ۱۱۔ وہ امور جو نماز میں مکروہ نہیں ہیں ۱۲۔ نماز کی کیفیت ۱۳۔ نماز وتر کی کیفیت ۱۴۔ نماز صبح اور دیگر نمازوں میں قنوت ۱۵۔ نماز میں شک ۱۶۔ نماز میں سہو اور سجدہ سہو سے

---
(۱) خراج ابی یوسف : ۴۸

اُس کی تلافی ۱۷۔ نماز کا اعادہ ۱۸۔ نماز با جماعت ۱۹۔ جمعہ کی نماز ۲۰۔ نفل نمازیں ۲۱۔ سجدۂ شکر ۲۲۔ سجدہ ہائے تلاوت ۲۳۔ مسافر کی نماز ۲۴۔ نماز جنازہ

۱۔ نماز کا مقام و مرتبہ:

(ا) دین میں نماز کی وہی اہمیت ہے جو انسانی جسم میں سر کی ہے۔ نماز مُسلمان کی پہچان ہے۔ جو مُسلمان نماز ترک کر دے گا اُس کا اسلام میں کوئی حصّہ نہیں بلکہ وہ کافر و مرتد ہے۔(۱) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس نے نماز چھوڑ دی اُس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں(۲) ہے۔ آپ نے اپنے ایک عامل کو لکھا کہ میرے نزدیک تمہارا سب سے اہم فریضہ نماز ہے۔ جس نے اس کی حفاظت کی اور باقاعدہ ادا کرتا رہا اُس نے اپنے دین کو محفوظ رکھا اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا ظاہر ہے وہ دیگر فرائض کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔(۳) حضرت عمرؓ کو جب خنجر مارا گیا تو اس زخم اور اس کی تکلیف نے آپ کو نماز سے نہیں روکا اور نہ آپ نے نماز میں غفلت برتی بلکہ زخم سے خُون اُبل رہا تھا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ (۴)

(ب) نماز فرضِ عین ہے، اس کو کوئی شخص کسی دوسرے کی جانب سے ادا نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو وہ یہ ہے کہ تم کسی کی طرف سے صدقہ کر دو یا اُسے ہدیہ دے دو۔ (۵)

(ج) بچہ کو نماز کا اس وقت تک حُکم نہیں دیا جائے گا جب تک

(۱) المحلی ۲/۲۴۲ (۲) عبدالرزاق ۳/۱۲۵، المغنی ۲/۴۴۵
(۳) المؤطا ۱/۶ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۱۱۵ ب، ۲/۱۶۶ ب البدایۃ والنہایۃ ۷/۱۳۷، المغنی ۱/۳۴۰ (۵) عبدالرزاق ۹/۶۱

وہ اُسے سمجھنے نہ لگے۔ اور اُسے یہ شعور حاصل نہ ہو جائے کہ وہ کس کی عبادت کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمر کی تحدید سات سال فرمائی ہے۔ حضرت عمرؓ کا ایک عورت کے پاس سے گزر ہوا۔ وہ اپنے بچہ کو نماز کے لیے اُٹھا رہی تھی اور بچہ نہ اُٹھنے کی ضد کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو جب تک سمجھنے نہ لگے اس پر نماز فرض نہیں ہے۔(۲) اور نماز اس پر بلوغ کے بعد فرض ہوگی۔

اور چونکہ بچہ نماز کا اُس وقت تک مکلف نہیں ہے جب تک اُس میں سمجھ نہ پیدا ہو جائے، بنا بریں عاقل ہی نماز کا مکلف ہے، لہٰذا اگر عقل جاتی رہے تو نماز کا وجوب ساقط ہو جائے گا۔ اسی لیے اگر کوئی مُسلمان مجنون ہو جائے یا اُس پر بے ہوشی طاری ہو جائے اور وہ اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ نماز کا وقت نکل جائے۔ اس کے بعد اُسے افاقہ ہو تو اُسے اس نماز کی قضا کا حُکم نہیں دیا جائے گا۔ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک مرتبہ بے ہوش ہو گئے۔ اور ہوش و حواس کھو بیٹھے تو آپ نے بعد میں نماز کی قضا نہیں پڑھی اور نہ حضرت عمرؓ نے اُنہیں قضا کا حکم دیا۔ (۲)

(د) مومن پر لازم ہے کہ نماز خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ہی پڑھے اور اُس کی نیت میں کسی طرح کا کھوٹ کا شائبہ نہ ہو۔ چنانچہ جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی تو حضرت عمرؓ مغرب کی نماز کے بعد بیٹھ جاتے اور لوگوں سے بھی بیٹھنے کے لیے کہتے، پھر ایک ہلکا سا خطبہ دیتے اور فرماتے امابعد! اس ماہ کے روزے تم پر فرض ہیں، لیکن قیام اللیل تم پر فرض نہیں ہے، لہٰذا جو قیام کی استطاعت رکھتا ہو وہ قیام کرے، کیونکہ یہ خیر کی

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۵۳ ب (۲) المؤطا ۱/۱۳

حامل نوافل ہیں۔ جو یہ نوافل نہ پڑھ سکے وہ اپنے بستر پہ سو جائے، لیکن یہ کہنے سے اجتناب کرے کہ اگر فلاں نے روزہ رکھا تو میں بھی روزہ رکھوں گا اور اگر فلاں نے قیام کیا تو میں بھی قیام کروں گا۔ جس کو روزہ رکھنا ہے یا قیام کرنا ہے وہ اللہ کے لیے روزہ رکھے اور اللہ کے لیے قیام کرے۔ اور تم میں سے ہر ایک کو جان لینا چاہیے کہ جو نماز کے انتظار میں ہے وہ درحقیقت نماز ہی میں ہے۔ (۱)

ھ) نماز کی بڑی اہمیت یہ ہے کہ جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے اس کو اُتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا نماز پڑھنے والے کو ملتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہر ایک اس بات سے آگاہ ہو جائے کہ جو شخص نماز کے انتظار میں ہے وہ درحقیقت نماز ہی میں ہے۔ (۲)

۲۔ نماز کی شرائط:

حسبِ ذیل شرائط پوری ہوئے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔

(۱) طہارۃ (پاکی)۔ طہارت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ حدث سے پاک ہونا ۲۔ نجاست سے پاک ہونا

(۱) حدث سے پاک ہونا: اس میں حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں سے پاک ہونا شامل ہے، لہٰذا اگر کسی نے جنابت یعنی حدثِ اکبر کی حالت میں نماز پڑھی تو اُس کی نماز نہ ہوگی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی اور جرف میں اپنی زمین پر چلے گئے، وہاں اپنے لباس پر منی کا نشان دیکھا تو آپ نے نماز دہرائی۔

زبید بن الصلتؒ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ مقام جرف کی طرف (جہاں اُن کی زمین تھی) گیا، وہاں

(۱) عبدالرزاق ۴/۲۶۴، (۲) عبدالرزاق ۴/۲۶۴

حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ اُنہیں احتلام ہوگیا تھا اور انہوں نے غسل کیے بغیر نماز پڑھ لی ہے۔ لہٰذا آپ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ مجھے احتلام ہوگیا تھا اور مجھے پتہ نہیں چلا۔ اور میں نے غسل کیے بغیر نماز پڑھ لی۔ ازاں بعد حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور کپڑے پر جہاں کچھ نظر آیا اُسے دھولیا اور جہاں نظر نہیں آیا وہاں پانی کے چھینٹے دیئے اور اذان دی اور اقامت کہی اور پوری طرح دن چڑھ جانے کے بعد نماز پڑھی۔ (۱) مگر جن لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی تھی انہوں نے نماز کا اعادہ نہیں کیا۔ (۲) کیونکہ انہیں اس بات کا علم نہیں تھا، اس لیے اُن کی نماز صحیح ہوگئی اسی طرح اگر کسی نے وضو کے بغیر نماز پڑھ لی تو اُس کی نماز صحیح نہیں ہو گی اور اس پر نماز کا اعادہ لازم ہے۔ اور اس کی اقتدا میں جس نے نماز پڑھی اُسے اگر اس کی اس حالت کا علم نہ ہو تو اس پر اعادہ نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اُن کے والد نے لوگوں کو نماز عصر پڑھائی جب کہ آپ کا وضو نہیں تھا پھر آپ نے اپنی نماز دہرائی اور ساتھیوں نے نہیں دہرائی۔ (۳)

اگر طہارت کاملہ کی صورت میں نماز شروع کی۔ پھر وضو ٹوٹ گیا تو یہ شخص جا کر وضو کرے اور واپس آ کر نماز پوری کرے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر نماز پڑھتے ہوئے کسی شخص کی نکسیر پھوٹ جائے تو وہ جا کر وضو کرے اور پھر واپس آ کر نماز پڑھے

(۱) عبدالرزاق ۲/ ۳۴۷، ۳۴۸، معرفۃ السنن والآثار ۱/۴۲۱ ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۰، ۹۹، الموطا ۱/ ۴۹، المحلی ۴/ ۲۱۶، المجموع ۴/ ۱۵۹۔ المغنی ۲/ ۹۹

(۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۹، عبدالرزاق ۲/ ۳۴۸، المغنی ۲/ ۹۹ المجموع ۴/ ۱۵۹ (۳) المحلی ۴/ ۲۱۶

اور جتنی نماز پہلے پڑھ چکا ہے اُسے بھی شمار کرے۔ (۱)

اگر امام نے نماز شروع کر دی اور وہ ناپاک تھا لیکن اُسے علم نہ تھا کہ وہ ناپاک ہے تو اس مسئلے کے لیے دیکھیے۔

(د: صلاۃ / ۱۸ ب ۳ ھ)

(۲) نجاست سے پاک ہونا: اس میں جسم، لباس اور مکان سب کا پاک ہونا شامل ہے۔

لباس کی طہارت کے بارے میں بیان ہو چکا ہے کہ کس طرح حضرت عمرؓ نے اپنے کپڑے پر سے منی کو دھو ڈالا اور اسی کپڑے میں نماز پڑھ لی۔

جوتا چلنے سے صاف ہو جاتا ہے، اسی لیے نماز میں اُس کے اتارنے کی ضرورت نہیں ہے، حضرت عمرؓ نماز میں جوتے اتارنے سے سختی سے منع کرتے تھے۔ (۲) کیونکہ جوتے پاک ہوتے ہیں، لہٰذا اُن کا اتارنا ضروری نہیں ہے۔ خود حضرت عمرؓ جوتوں سمیت نماز پڑھتے تھے۔ (۳)

ایسے مُردہ جانور کی کھال جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا دباغت سے پاک نہیں ہوتی، اسی لیے حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اُس نے نماز پڑھتے ہوئے لومڑی کی کھال کی ٹوپی اوڑھ رکھی ہے تو حضرت عمرؓ نے وہ ٹوپی اُس کے سر سے اتار پھینکی اور فرمایا کہ تمہیں پتہ نہیں ہے کہ شاید یہ پاک نہ ہو۔ (۴)

جو کپڑا جماع کے وقت پہن رکھا ہو اس میں نماز جائز ہے، بشرطیکہ یہ علم ہو کہ اس پر نجاست نہیں لگی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ جانتی ہے کہ ہم انہی کپڑوں میں صحبت کرتے ہیں

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۸۸، کنز العمال نمبر ۲۲۴۰۴، المجموع ۴/ ۶

(۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۰۹ ب (۳) نیل الاوطار ۲/ ۱۲۵

(۴) ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۴ ب

اور انہی میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ (۱)

نماز کی جگہ کے پاک ہونے کے بارے میں۔ حضرت عمرؓ کے پاس نجران سے خط آیا کہ ہمارے پاس کلیسا سے زیادہ پاکیزہ اور اچھی جگہ اور کوئی نہیں ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے لکھا کہ بیری کے پتوں کو پانی میں جوش دے کر اس جگہ کو دھو لو اور نماز پڑھ لو۔ (۲) حضرت عمرؓ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ سرِ راہ نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ نماز مسجد میں پڑھا کرو۔ (۳) اس لیے کہ ایسی جگہ جس پر سے لوگ گزرتے ہیں، نجاست موجود ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۳) اگر صورت حال ایسی ہو کہ مُسلمان کے لیے نجاست سے بچنا مشکل ہو تو ایسی صورت میں جو گندگی لگ جائے وہ معاف ہے خواہ وہ نجاست حکمی ہو یا نجاست حقیقی۔ حضرت عمرؓ کو جب خنجر مارا گیا تو آپ کے جسم میں سے خُون اُبلتا رہا اور آپ نماز پڑھتے رہے۔ (۴) یہی حکم ایسے تمام لوگوں کا ہے جنہیں کوئی عذر ہو مثلاً مستحاضہ وغیرہ (د: وضو / ۹)

(ب) سترِ عورت:

جسم کے قابلِ ستر حصّے اگر کھُلے رہیں تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔

نمازی پر لازم ہے کہ اس امر کا خاص خیال رکھے کہ اس کے کپڑے ایسے نہ ہوں جس میں سے جسم کے قابلِ ستر حصّے نمایاں اور ظاہر ہوں لیکن اگر اُس کے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہو اور اس میں سے اُس کا جسم ظاہر ہوتا ہو تو اس صورت میں بھی نماز صحیح ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے صرف ایک کپڑے

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۹۵ ب (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۷۳ ب۔ المغنی ۲/ ۷۵ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۰۸ ب (۴) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۵ ب ۲/ ۱۶۶ ب، المغنی ۱/ ۳۴۰، البدایۃ والنہایۃ ۷/ ۱۳۷

میں نماز کی امامت کی جب کہ آپ کے جسم پر اس وقت کوئی اور کپڑا نہ تھا اور آپ نے اسے بغل کے نیچے سے نکال کر کندھے پر ڈال رکھا تھا۔(۱) اور آپ نے اس کپڑے کو اس طرح اس لیے پہنا تھا تاکہ جسم کم سے کم ظاہر ہو۔

حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مابین ایک کپڑے میں نماز جائز ہونے کے بارے میں اختلاف رائے ہو گیا، کیونکہ ایک کپڑے میں سے بالعموم جسم کے قابل ستر حصے نمایاں اور ظاہر ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے جب کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ نماز میں دو کپڑے ہونے چاہییں یعنی ایک کپڑے میں نہیں ہوتی۔ حضرت عمرؓ باہر تشریف لائے اور انہیں سرزنش کی اور فرمایا مجھ پر یہ بات گراں گزرتی ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے دو صاحب کسی معاملہ میں باہم اختلاف کریں کیونکہ اندریں صورت تم دونوں میں سے کس کے فتویٰ پر لوگ عمل کریں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے غور نہیں کیا، صحیح وہ ہے جو ابی بن کعبؓ کہہ رہے ہیں۔(۲) کہ ایک کپڑے میں نماز درست ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کے باوجود کہ ایک کپڑے میں سے جسم کے قابل ستر حصوں کے ظاہر ہونے کا اندیشہ ہے، ایک کپڑے میں نماز کو جائز قرار دیا تو اس کا باعث وہ حالات تھے جن میں اس وقت کے مسلمان گرفتار تھے، مسلمان اس وقت تنگدست تھے اور ان کے پاس کپڑے نہیں تھے۔ لیکن اب جب کہ مسلمان خوشحال ہو گئے ہیں اور

(۱) عبدالرزاق ۱/۳۵۵، ابن ابی شیبہ ۱/۴۸

(۲) ابن ابی شیبہ ۱/۴۸ ب

انہیں کپڑے میسر آ گئے ہیں تو اب ان کے لیے دو کپڑوں کے بغیر نماز جائز نہ ہوگی۔(۱)

البتہ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ اگر دو میسر ہوں تو آدمی دو یا زیادہ کپڑوں میں نماز پڑھے تاکہ جسم کے قابل ستر حصوں کے کھلنے کا بالکل امکان نہ رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر اللہ تمہیں توفیق دے تو تم بھی وسعت اختیار کرو یعنی نماز پڑھنے کے لیے آدمی اپنا پورا لباس پہنے اور ایک ازار اور چادر یا ایک ازار اور قمیص یا ایک ازار اور لمبا کوٹ یا چھوٹی شلوار اور قمیص پہن کر نماز پڑھے۔(۲) اسی لیے حضرت عمرؓ نے نافع کو ایک چادر میں نماز پڑھتے دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ ان کے پاس دو کپڑے ہیں۔ اور آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم دو کپڑے نہیں پہنتے؟ انہوں نے کہا کہ جی پہنتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں گھر کے اندر بھیجوں تو کیا تم ایک چادر میں جاؤ گے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں! اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر کیا اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کے لیے زینت اختیار کی جائے یا انسان؟ انہوں نے کہا نہیں! بلکہ اللہ ہی کے لیے زینت اختیار کی جانی چاہیے۔(۲)

اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی کے پاس دو کپڑے ہوں تو وہ ان دونوں میں نماز پڑھے اور اگر صرف ایک ہو تو اس کا تہبند باندھ لے اور یہودیوں کی طرح جسم کے گرد نہ لپیٹے۔(۳)

آزاد عورت کے لیے مستحب یہ ہے کہ درع میں نماز پڑھے۔ درع قمیص کے مشابہ ہوتی ہے لیکن قمیص سے زیادہ

(۱) عبدالرزاق ۱/۳۵۹ (۲) صحیح البخاری، الصلاۃ فی القمیص والسراویل۔ المغنی ۱/۵۸۳، (۳) المغنی ۱/۳۵۶

ملبی کہ پاؤں بھی ڈھانک لیتی ہے۔ اور ڈوپٹہ اوڑھے جس سے اپنا سر ڈھانپے اور درع کے اوپر ایک بڑی چادر جلباب لپیٹ لے۔(۱) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عورت تین کپڑوں میں نماز پڑھے۔ (۲)

عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ احتیاط کرے اور جسم کے ایسے مقامات چھپانے کی پوری کوشش کرے جن کی ساخت نمایاں ہونے کا امکان ہو مثلاً کولہے وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ عورتوں کو اس معاملے میں احتیاط کرنے اور سستی نہ کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ کولھے کے خوب اچھی طرح چھپانے میں کوتاہی نہ کرو، کیونکہ اگر کولھے کے نیچے کا لباس بھی جسم کو چھپانے والا ہے تو یہ طریقہ اور زیادہ ساتر بن جائے گا۔ اور اگر اس میں کسی قسم کی کمی رہ گئی ہے تو یہ اس کو چھپانے کا ذریعہ بن جائے گا۔ (۳)

باندی کھلے ہوئے سر سے نماز پڑھ سکتی ہے۔

(دیکھئے حجاب / ۱ ج)

ج) استقبال قبلہ (قبلہ رو ہونا)

نماز کی صحت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ نمازی کا چہرہ عین قبلہ کے بالمقابل ہو، بلکہ قبلہ کی سمت ہونا کافی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر بیت اللہ کی طرف رُخ کر لیا تو مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہی ہے۔ (۴)

اگر نمازی کو سمت قبلہ کا علم نہ ہو تو اسے چاہیے کہ سمتِ قبلہ کی تحری (جستجو اور غور) کرے۔ اگر کافر سمتِ قبلہ بتلائے تو اُس کے بتانے پر نماز نہ پڑھے، بلکہ اپنی تحری پر نماز پڑھے۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب اللہ نے اُنہیں (کافروں کو) خائن کہہ دیا ہے تو اُن پر اعتماد نہ کرو۔ (۱)

(د) نماز کا وقت ہونا:

وقت ہونے سے قبل نماز درست نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے جابیہ میں اپنے خطبہ کے دوران فرمایا کہ خیال رہے کہ نمازوں کے اوقات مقرر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے صحت نماز کے لیے شرط ٹھہرایا ہے۔ ان اوقات کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔(۲) اور آپ نے فرمایا کہ نماز اُس وقت پڑھو جو وقت نماز کا اللہ نے مقرر کیا ہے کیونکہ اس میں کوتاہی کرنے میں ہلاکت ہے۔ (۳)

(ھ) نیت:

یہ امر بدیہی ہے کہ نیک و بد اعمال میں فرق و امتیاز کے لیے نیت ناگزیر ہے۔

۳۔ نماز کے اوقات:

ا) نماز فجر:

نماز فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق وہ فجر ہے جو بھیڑیے کی دُم کی مانند آسمان پر نمایاں ہوتی ہے۔ (۴)

بہتر یہ ہے کہ نماز فجر آخر شب کی تاریکی یعنی جھٹ پٹے میں ادا کی جائے (۵) حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

(۱) المغنی ۱/ ۶۰۳ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۱
(۳) عبدالرزاق ۳/ ۱۳۰ (۴) المؤطا ۱/ ۱۹۶، عبدالرزاق ۲/ ۳۴۵
ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۰۵، المجموع ۳/ ۲۰۵

(۱) سنن البیہقی ۱۰/ ۱۲۷، ۹/ ۲۰۴، المغنی ۱/ ۴۵۳، ۶/ ۴۲۵، ۸/ ۵۳۲ (۲) المحلی ۲/ ۲۳۹ (۳) عبدالرزاق ۳/ ۱۲۶، ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۹ (۴) عبدالرزاق ۳/ ۵۴، ۵۵ (۵) نیل الاوطار ۲/ ۱۹، المغنی ۱/ ۳۹۴، المجموع ۳/ ۵۴، الاعتبار ۱۰۴

کو لکھا کہ نمازِ فجر اس وقت پڑھو جب فجر طلوع ہو جائے اور آخر شب کی تاریکی میں ستارے چمکتے ہوں اور قرأت لمبی کرو۔(۱)

حضرت عمرؓ صبح کی نماز اس قدر تاریکی میں پڑھتے تھے۔(۲) کہ عمرو بن میمون الاودی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ صبح کی نماز اتنے تڑکے پڑھا کرتا تھا کہ اگر میرا بیٹا بھی پہلو میں ہوتا تو میں اُسے بھی نہ پہچان پاتا۔(۳) افضل یہ ہے کہ جھٹ پٹے میں نماز شروع کرے اور قرأت طویل کرے یہاں تک کہ دن روشن ہو جائے اور ہر طرف روشنی پھیل جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ تاریکی میں صبح کی نماز شروع کرتے یہاں تک کہ روشنی ہو جاتی ہے اور اس کے دوران آپ نماز پڑھتے رہتے۔(۴) ایک مرتبہ آپ نے صبح کی نماز اس طرح پڑھی کہ جب آپ نماز پڑھ کر لوٹے تو ہر شخص نے محسوس کیا کہ سورج بس نکلنے ہی والا ہے۔ اس پر کسی نے آپ سے کہا کہ آپ نماز سے اس وقت فارغ ہوئے جب سورج نکلنے کے قریب ہے۔ آپ نے کہا کہ اگر نکل بھی آتا تو وہ ہمیں غافل نہ پاتا۔(۵)

ب) وقتِ ظہر:

جب سورج وسط آسمان سے ڈھل جائے تو وقتِ ظہر شروع ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جب سورج آسمان کے وسط سے ڈھل جائے(۶)

(۱) عبدالرزاق ۱/ ۵۰۰، ۵۳۶، ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۹، الموطا ۱/ ۶، المحلی ۳/ ۱۸۵ (۲) المغنی ۱/ ۳۹۴ (۳) عبدالرزاق ۱/ ۵۷۱، ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۹ (۴) عبدالرزاق ۱/ ۵۷۰، ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۹ ب (۵) المحلی ۳/ ۲۶ عبدالرزاق ۲/ ۱۱۵ (۶) ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۹، المحلی ۳/ ۱۸۵، عبدالرزاق ۱/ ۵۲۶

تب نمازِ ظہر پڑھو اور اس کا اندازہ یہ ہے کہ کھڑے ہوئے انسان کا سایہ ایک ہاتھ بھر ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ ظہر اس وقت پڑھو جب سایہ ایک ہاتھ بھر ہو جائے۔(۱)

ظہر میں تعجیل مستحب ہے بشرطیکہ موسم ٹھنڈا ہو یا فضا ابر آلود ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس روز بادل ہوں اس روز ظہر جلدی پڑھو اور عصر میں تاخیر کرو۔(۲) اسی پر اس روایت کو محمول کیا جائے گا جو اسودؒ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں بیان کی ہے۔ اسودؒ کہتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی شخص نمازِ ظہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے زیادہ جلدی کرتا ہو۔(۳) حضرت عمرؓ زوال کا وقت ہوتے ہی ظہر کی نماز پڑھ لیتے تھے۔(۴)

لیکن اگر موسم گرم ہو تو ظہر کو مؤخر کرنا مستحب ہے یہاں تک کہ دن ذرا ٹھنڈا ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام خط میں لکھا کہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج ڈھل جائے اور ٹھنڈا کر کے پڑھو۔(۵) روایت ہے کہ ابو محذورہؓ نے مکہ میں ظہر کی اذان دی حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اے ابو محذورہ کیا یہ تمہاری آواز تھی جو میں نے سُنی تھی؟ اُنہوں نے کہا کہ جی ہاں، میں نے آپ کے سُنانے کے لیے ہی زور سے اذان دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے ابو محذورہ، تم ایک ایسی سرزمین میں ہو جو بہت

(۱) الموطا ۱/ ۶، المحلی ۳/ ۱۹۰ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۲ ب (۳) ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۹ (۴) عبدالرزاق ۱/ ۵۴۵ المغنی ۱/ ۳۸۹، ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۹، طرح التثریب ۲/ ۱۵۲ (۵) المحلی ۳/ ۱۸۵، ۱۹۰

گرم ہے، لہٰذا ذرا گرمی کم ہو جانے پر نماز پڑھا کرو۔ (۱) اس کے بعد ابو محذورہ ظہر کی اذان دن ٹھنڈا ہونے کے بعد دیتے تھے۔(۱) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ظہر کی نماز گرمی کا وقت گزرنے کے بعد پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹوں کی وجہ سے ہے۔ (۲)

(ج) عصر کا وقت:

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم نے حضرت عمرؓ کو لکھا اور اُن سے وقت عصر کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر کیا کہ عصر اُس وقت پڑھو جب سورج دونوں شفقوں کے درمیان ہو۔ (۳)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام جو مکتوب حضرت عمرؓ نے بھیجا اس میں وقت عصر کو زیادہ تفصیل کے ساتھ متعین کیا ہے۔ لکھا ہے کہ نماز عصر اُس وقت پڑھو جب سورج چمکتا ہوا روشن ہو اور اتنا وقت باقی ہو کہ سورج غروب ہونے تک ایک سوار دو یا تین فرسخ جا سکے۔ (۴) موطا کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اتنا وقت ہو کہ سورج غروب ہونے سے قبل سوار دو یا تین فرسخ جا سکے۔ (۵) اور اس وقت کا اندازہ حضرت عمرؓ نے یہ بیان کیا کہ جب ہر شے کا سایہ اُس کے مثل ہو جائے تو نماز عصر کا وقت ہو جاتا ہے چنانچہ آپ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام خط میں تحریر کیا کہ ظہر کی نماز اُس وقت پڑھو جب سایہ ہاتھ بھر ہو جائے اور اس وقت تک پڑھو کہ ہر شے کا سایہ اُس کے مثل ہو جائے

اور عصر اُس وقت پڑھی جب آفتاب ہنوز بلند اور سفید ہو اور پوری طرح صاف ہو یعنی دُھندھلاہٹ نہ ہو۔ اور غروب آفتاب سے قبل اتنا وقت باقی ہو کہ ایک (شتر) سوار دو یا تین فرسخ مسافت طے کر سکے۔ (۱) اس طرح حضرت عمرؓ نے تصریح فرما دی کہ وقتِ ظہر اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب ہر شے کا سایہ اُس کے مثل ہو جائے اور اُس کے ساتھ ہی عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے جو غروبِ آفتاب تک رہتا ہے۔

نمازی کے لیے مستحب یہ ہے کہ عصر کی نماز میں عجلت کرے اور اوّل وقت پڑھے اور اتنی تاخیر مکروہ ہے کہ سورج پیلا پڑ جائے۔ اسی طرح نمازِ عصر کو اتنا طویل پڑھنا بھی مکروہ ہے کہ سورج کا رنگ زرد ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ عصر کی نماز اس وقت پڑھو جب ابھی سورج پوری طرح سفید اور دھندھلاہٹ سے پاک ہو۔ اور آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کی نماز عصر یا اس کی کوئی رکعت رہ جائے تو نماز کو اتنا لمبا نہ کرے کہ سورج پیلا ہو جائے۔ (۲)

(د) مغرب کا وقت:

مغرب کا وقت سورج کے غروب ہونے سے شروع ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ مغرب کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج غروب ہو جائے۔ (۳)

مغرب کی نماز میں عجلت کرنا مستحب ہے یعنی ایسے وقت پڑھنا کہ تاریکی پھیلنے سے پہلے نمازی نماز سے فارغ ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مغرب کی نماز ایسے وقت پڑھ لو کہ

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۵۰، عبدالرزاق ۱/۵۴۵ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۵۰، اصلاً یہ حدیث مرفوع ہے (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۵۰ب (۴) عبدالرزاق ۱/۵۴۹ (۵) الموطا ۱/۶

(۱) ۱/۶ (۲) عبدالرزاق ۱/۵۵۱
(۳) عبدالرزاق ۱/۵۳۶، ابن ابی شیبہ ۱/۴۹، الموطا ۱/۶، المحلی ۳/۱۸۵

ابھی گلی کوچوں میں روشنی ہو۔(۱) اندریں صورت اگر روزہ دار روزہ افطار کرنے کے بعد نمازِ مغرب ادا کرے تو یہ تاخیر نہیں ہے، بشرطیکہ تاخیر اتنی نہ ہو جائے کہ تاریکی پھیل جائے اور ستاروں کی بساط بچھ جائے۔

حضرت عمرؓ نے اہلِ امصار کو لکھا کہ نہ تو روزہ افطار کرنے سے قبل نماز مغرب پڑھو اور نہ نماز میں اتنی تاخیر کرو کہ آسمان پر ستاروں کا جال پھیل جائے۔(۲) حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا اہلِ شام افطار میں جلدی کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا کہ وہ خیر سے رہیں گے جب تک ایسا کریں گے۔ اور ستارے نکلنے کا انتظار نہ کریں گے جیسا کہ اہلِ عراق کرتے ہیں۔ (۳) بسا اوقات حضرت عمرؓ رمضان میں روزہ افطار کرنے سے قبل بھی مغرب کی نماز پڑھ لیتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک اس میں کافی وسعت ہے۔

(د ؛ صوم / ۴ ب ۲)

عشاء کا وقت ؛

شفق کی سرخی غائب ہو جانے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ شفق کی سرخی غائب ہو جانے کے بعد عشاء کی نماز پڑھو اور ایک روایت کی رو سے عشاء کا وقت تہائی رات تک باقی رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عشاء کی نماز وقت شروع ہونے کے بعد سے ایک تہائی رات گزرنے تک پڑھ لو۔ جو تہائی رات کے بعد (بغیر نماز کے) سو گیا اس کی آنکھ سو نہ سکے یعنی بے آرام رہے۔ (۱) ایک دوسری روایت میں نصف شب کے الفاظ ہیں۔ چنانچہ آپ نے جو خط حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام لکھا اس میں ہے کہ عشا تہائی رات تک پڑھ لو اور اگر تاخیر ہو جائے تو نصف شب تک اور غفلت شعار نہ بن جانا۔ (۲) ایک تیسری روایت میں ہے کہ عشاء کی نماز جب چاہے پڑھ لے۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام حضرت عمرؓ کا جو خط ہے اس کی ایک روایت میں ہے کہ عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے بعد جب چاہو پڑھ سکتے ہو۔ علی بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ہمارے پاس حضرت عمرؓ کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد مغرب پڑھو اور آپ نے عشا میں رخصت دی۔ (۳) بہرحال (عشاء میں تاخیر کی رخصت کی) شرط یہ ہے کہ بغیر نماز پڑھے نہ سوئے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ نماز پڑھے بغیر کوئی نہ سوئے اور اگر کوئی نماز پڑھے بغیر سو جائے تو اس کی آنکھ آرام نہ پائے۔(۳)

بہرحال عشاء میں تعجیل مستحب ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ عشا کی نماز اس سے پہلے پڑھ لو کہ دن بھر کام کرنے والوں پر سستی چھا جائے اور مریض کو نیند آنے لگے۔(۴)

(و) وتر کا وقت ؛

نماز عشا کے بعد وتر کا وقت ہے۔ اگر اول شب میں پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے اور اگر رات کے درمیان یا آخر شب میں پڑھے تو بھی صحیح ہے۔ چنانچہ حارث بن معاویہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ

---

(۱) عبدالرزاق ۱/ ۵۵۲، ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۱ ب (۲) عبدالرزاق ۴/ ۲۲۵، ۱/ ۵۵۲، ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۱ ب (۳) عبدالرزاق ۴/ ۲۲۵ (۴) عبدالرزاق ۱/ ۵۳۹، الموطا ۱/ ۹، المجموع ۳/ ۴۴

(۱) المحلی ۳/ ۱۸۵، عبدالرزاق ۱/ ۵۳۹، ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۱ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۹ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۰۳ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۱

میں آپ کے پاس وتر کے بارے میں دریافت کرنے آیا ہوں کہ اوّل شب میں پڑھوں یا درمیان میں یا آخر میں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان سب صورتوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہے(۱)، لیکن خود حضرت عمرؓ وتر کے آخر شب تک مؤخر کرنے کو مستحب سمجھتے تھے(۲) اور آپ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھا کرتے تھے۔ (۳) اور آپ کہا کرتے تھے کہ جو لوگ وتر رات کے ابتدائی حصہ میں پڑھ لیتے ہیں وہ زیرک اور موقعہ شناس ہیں اور جو اُٹھنے کی قوت رکھتے ہیں وہ آخر شب میں پڑھتے ہیں اور یہی افضل ہے۔ (۴) وتر کا آخری وقت وہ ہے جب صبح کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ اگر کسی نے تاخیر کر دی یہاں تک کہ صبح کا وقت آگیا تو قضا کرے اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں رات ہی کو وتر پڑھ لینا اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ میں رات بھر جاگتا رہوں اور پھر صبح کی نماز کے بعد وتر پڑھوں۔ (۵)

۴ ۔ جمع بین الصلاتین :

حضرت عمرؓ بلا عذر جمع بین الصلاتین کرنے پر تنبیہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا قول ہے کہ بغیر عذر دو نمازیں جمع کرنا کبائر میں سے ہے۔ (۶) البتہ عذر کی موجودگی میں حضرت عمرؓ جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں کو جائز سمجھتے تھے۔ (۷) اور وہ عذر جن کی بنا پر دو نمازیں جمع کرنا مباح ہے، درج ذیل ہیں :

(ا) سفر :

(۱) کنز العمال نمبر ۲۱۸۷۴ (۲) المجموع ۴/۵۱۸ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۹۷، الموطا ۱/۱۲۴ (۴) کنز العمال نمبر ۲۱۸۷۱ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/۹۷ب (۶) ابن ابی شیبہ ۱/۱۱۳ب، عبدالرزاق ۱/۵۳۶، ۲/۵۲۲، سنن البیہقی ۳/۱۶۹ (۷) المجموع ۴/۲۵۴

حضرت عمرؓ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی نمازوں میں جمع تاخیر کی۔ (دا حج/۱۲)

(ب) بارش :

حضرت عمرؓ نے بارش کے دن ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع تقدیم کے ساتھ پڑھا۔ (۱)

دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے وقت اذان اور اقامت کی تکرار۔

(دا اذان/۱ھ ۔ اقامت/۲)

۵ ۔ نماز کی قضاء

اگر فرض نماز کا وقت بلا ارادہ نکل جائے مثلاً انسان سو جائے یا بھول جائے یا بے ہوش ہو جائے تو وہ اس نماز کو اس وقت ادا کرے جب یاد آئے یا جب افاقہ ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے کہ جو شخص نماز پڑھنا بھول گیا یا سو گیا تو وہ اس نماز کو اس وقت پڑھ لے جب اُسے یاد آجائے، لیکن اگر کوئی مسلمان قصداً نماز قضا کر دے یعنی نہ پڑھے یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے تو کیا یہ بھی اس کی قضا پڑھے؟ حضرت عمرؓ نے جابیہ میں فرمایا کہ خیال رہے کہ نمازوں کے لیے ایک وقت مقرر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔ (۲) اور آپ نے فرمایا کہ جو نمازیں تم پر اللہ نے فرض کی ہیں، انہیں ان کے وقت پر پڑھو کہ اُن کو وقت پر نہ پڑھنا باعث ہلاکت ہے۔(۳) ان فرامین کا مقتضا یہ ہے کہ اگر نماز کا وقت گزر گیا تو نماز فوت ہو گئی اور اس کی قضا نہیں ہے۔ الا یہ کہ ہم حضرت عمرؓ کے اس قول کو کہ اس میں کوتاہی کرنا ہلاکت ہے اس معنی پر محمول

(۱) عبدالرزاق ۲/۵۵۶ (۲) المحلی ۲/۲۳۹
(۳) عبدالرزاق ۲/۱۲۶، ابن ابی شیبہ ۱/۴۹

کریں کہ وقت مقررہ پر نماز عمداً نہ پڑھنا حتیٰ کہ اس کا وقت گزر جائے بہت بڑا گناہ ہے بالخصوص حضرت عمرؓ کا پہلا فرمان کہ "نماز کا ایک وقت مقرر ہے جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی" جو ضحاک بن عثمان نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے اس لیے محل نظر ہے کہ ضحاک نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔
اس کے محل نظر ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے صراحتاً یہ کہا ہے کہ اذان صبح کے بعد نماز وتر کو قضا پڑھ لیا جائے، اگرچہ وتر کے قضا ہو جانے سے بھی خیر کا کثیر حصہ ضائع ہو جاتا ہے، کیونکہ واجب یہی ہے کہ وتر کو وقت پر ادا کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رات ہی کو وتر پڑھ لینا مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میں رات بھر بیدار رہوں اور وتر صبح کے بعد پڑھوں۔ (۱)

جو شخص دیوانہ ہو جائے یا بے ہوش ہو جائے اور اتنی دیر اسی حالت میں رہے کہ نماز کا وقت نکل جائے تو اس پر نماز کی قضا نہیں ہے۔ (د: صلاۃ/ ج)

۶۔ صلاۃ الوسطیٰ:

صلاۃ وسطیٰ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس طرح تاکید فرماتا ہے:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى

(البقرہ: ۲۳۸)

(اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو خصوصاً ایسی نماز کی جو محاسنِ صلوۃ کی جامع ہے۔)

اس آیت میں صلاۃ الوسطیٰ سے مراد صبح کی نماز ہے (۲) اور ایک

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۷ ب
(۲) المجموع ۳/ ۹۳، طرح التثریب ۲/ ۱۷۳

اور روایت کے مطابق یہ نماز عصر ہے۔ (۱)

۷۔ وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا منع ہے:

حضرت عمرؓ پانچ اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے اور جو شخص ان اوقات میں نماز پڑھتا اس پر سختی سے گرفت فرماتے اور مارتے تھے۔ وہ اوقات مندرجہ ذیل ہیں:

(ا۔ب) سورج طلوع اور غروب ہوتے وقت:
حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت نماز نہ پڑھو، کیونکہ طلوع شمس کے وقت شیطان کے سینگ بھی ظاہر ہوتے ہیں اور غروب شمس کے وقت اس کے سینگ غروب ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ ان اوقات میں نماز پڑھنے والوں کو مارا کرتے تھے۔ (۲)

(ج) جب سورج آسمان کے وسط میں ہو، زوال کے وقت تک۔ (۳)
ابو البختری سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے والے کو مارا کرتے تھے۔ (۴)

(د) نماز فجر کے بعد طلوع شمس تک:
حضرت عمرؓ نے نماز صبح کے بعد کعبہ کا طواف کیا۔ جب آپ طواف سے فارغ ہوئے تو سورج ابھی نکلا نہیں تھا، لہٰذا آپ سوار ہو گئے اور آپ نے طواف کی دو رکعت نہیں پڑھیں، یہاں تک کہ آپ مقام ذی طویٰ پہنچ گئے اور وہاں سواری روک کر طواف کی دو رکعت پڑھیں۔ (۵) اور حضرت عمرؓ نے

(۱) تفسیر ابن کثیر ۱/ ۲۹۱ (۲) الموطا ۱/ ۲۲۱، صحیح البخاری، مواقیت الصلاۃ۔ باب لاتتحری الصلاۃ قبل غروب الشمس، صحیح مسلم، الاوقات التی نہی عن الصلاۃ فیھا۔
(۳) المغنی ۲/ ۱۲ (۴) المحلی ۳/ ۱۳
(۵) عبدالرزاق ۵/ ۶۳، الموطا ۱/ ۳۶۸

فرمایا کہ عصر کے بعد نماز دُرست نہیں ہے جب تک کہ سُورج غروب نہ ہو جائے اور صبح کے بعد نماز صحیح نہیں ہے جب تک کہ سُورج طلوع نہ ہو جائے۔ اور اگر کوئی شخص ان اوقات میں نماز پڑھتا تو آپ اُسے مارتے تھے۔ (۱)

(ھ) نمازِ عصر کے بعد سُورج غروب ہونے تک:

زہری سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک سفر میں نمازِ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں تو حضرت عمرؓ اُن پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ قسم بخدا آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر کے بعد نفلی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (۲)

حضرت عمرؓ اگر کسی کو نمازِ عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھتے تو اُسے مارتے تھے۔ چنانچہ نذر بن حبیش وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ آپ عصر کے بعد نماز پڑھنے والوں کو رسیوں کے سروں سے مار رہے ہیں۔ (۳) چنانچہ آپ نے منکدر بن عبداللہ بن ھدیر قرشی کو مارا۔ (۴) اور تمیم داریؓ اور زید بن خالد جہنی کو بھی مارا۔ اور حضرت عائشہ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے ان کو مارنے پر اعتراض کیا اور فرمایا کہ حضرت عمرؓ کو وہم ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوعِ شمس یا غروبِ شمس کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا کبھی ترک نہیں کیا اور آپ کا ارشاد ہے کہ طلوع و غروبِ آفتاب کے وقت نماز کا قصد نہ کرو۔ (۵)

مَیں کہتا ہوں کہ درحقیقت حضرت عمرؓ عصر کے بعد نماز سے اسی لیے منع کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ عصر کے بعد نماز پڑھنا شروع کریں تو غروبِ آفتاب کے وقت تک پڑھتے رہیں۔ جیسا کہ بعض لوگ ظہر کے بعد سے عصر تک نماز پڑھا کرتے ہیں۔ یعنی حضرت عمرؓ کے منع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ سُورج کے زرد ہو جانے سے سُورج کے غروب ہونے تک نماز نہ پڑھی جائے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہاری عصر کی نماز یا اس کا کچھ حصہ فوت ہو جائے تو اس کو اتنا طویل نہ کرو کہ سُورج میں پیلا ہٹ آ جائے۔ (۱) یہ بات اس گفتگو سے پوری طرح واضح ہوتی ہے جو تمیم داریؓ اور زید بن خالد جہنیؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان ہوئی۔ ہوا یہ کہ تمیم داریؓ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھ رہے تھے کہ حضرت عمرؓ آئے اور ان کو کوڑا مارا۔ تمیم نے اُنہیں اشارہ سے کہا کہ بیٹھ جائیے۔ حضرت عمرؓ بیٹھ گئے یہاں تک کہ تمیم نماز سے فارغ ہو گئے اور اُنہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ نے مجھے کیوں مارا؟ حضرت عمرؓ نے کہا اس لیے کہ تم عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھ رہے ہو حالانکہ مَیں نے ان سے منع کیا ہے۔ تمیمؓ نے کہا کہ مَیں نے یہ رکعتیں اُن کے ساتھ بھی پڑھی ہیں جو آپ سے بہتر تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے لوگو! مجھے تم سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہے، بلکہ مجھے یہ خوف ہے کہ تمہارے بعد جو لوگ آئیں گے وہ عصر اور مغرب کے درمیان نماز پڑھا کریں گے یہاں تک کہ وہ اس ساعت میں بھی نماز پڑھتے رہیں گے جس میں نماز پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جیسا کہ ظہر اور عصر کے درمیان پڑھتے ہیں۔ پھر کہیں گے کہ ہم نے

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۳ اب، طرح التثریب ۲/۱۸۵ (۲) عبدالرزاق ۲/۴۳۰، مسند احمد ۱/۱۸ (۳) عبدالرزاق ۲/۴۲۹ (۴) آثار ابی یوسف ۹۶ (۴) الموطا ۱/۲۲۱ عبدالرزاق ۲/۴۲۹ (۵) صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب لاتتحروا الصلاۃ کم طلوع الشمس ولا غروبہا۔ النسائی، المواقیت، النہی عن الصلاۃ بعد العصر

(۱) عبدالرزاق ۱/۵۵۱

فلاں اور فلاں کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ (۱)

اسی طرح کا واقعہ حضرت زید بن خالد جہنیؓ کے ساتھ پیش آیا کہ حضرت عمرؓ نے انہیں عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے انہیں دُرّہ مارا لیکن زید اسی طرح نماز پڑھتے رہے، جب فارغ ہوئے تو اُنہوں نے کہا کہ اے امیرالمومنین آپ بیشک ماریے میں تو یہ رکعتیں نہیں چھوڑ سکتا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے دیکھا ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اے زید بن خالد! اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ ان دو رکعتوں کے پڑھنے کو رات تک نماز پڑھتے رہنے کا جواز بنالیں گے تو میں ان رکعتوں پر کبھی نہ مارتا۔ (۲)

اس سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک نمازِ عصر کے بعد نوافل اس وقت تک جائز تھے جب تک سُورج میں پیلاہٹ نہ آجائے اور غروب کا وقت قریب نہ آجائے۔ اور آپ ان دو رکعتوں سے اس لیے منع فرمایا کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح لوگ سُورج میں پیلاہٹ آجانے کے بعد بھی مسلسل نماز پڑھتے رہیں۔

۷۔ نمازی کے سامنے سے گزرنا اور سُترہ قائم کرنا:

(ا) نمازی پر لازم ہے کہ اپنے آگے سُترہ بنا کر نماز پڑھے۔ اگر نمازی ایسا نہیں کرے گا تو خلافِ سنّت ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اے نوجوان اس ستون کی طرف بڑھ جاؤ۔ تاکہ تمہاری نماز سے شیطان نہ کھیلے۔ میں یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سُنا ہے۔ (۳)

حضرت عمرؓ ہمیشہ نمازیوں کو سُترہ قائم کرنے کی ہدایت کرتے تھے اور کہتے کہ جب کوئی نماز پڑھے تو سُترہ سامنے بنا کر نماز پڑھے اور اس کے قریب کھڑا ہو تاکہ شیطان نمازی کے آگے سے نہ گزرے۔ (۱) اگر سُترہ سامنے نہ رکھے اور نمازی کے سامنے سے کوئی مرد یا عورت گزر جائے تو نمازی اور گزرنے والا دونوں گنہگار ہوں گے۔ عبداللہ بن شقیق سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو سُترہ کے بغیر نماز پڑھتے دیکھا، وہ جب نماز سے فارغ ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر گزرنے والے اور جس کے آگے سے وہ گزر رہا ہے دونوں کو علم ہوجائے کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے تو دونوں ایسا کام کبھی نہ کریں۔ (۲) یعنی نمازی سُترہ ترک نہ کرے اور کوئی شخص نمازی کے آگے سے نہ گزرے۔ اور آپ نے فرمایا کہ اگر نمازی کے آگے سُترہ نہ ہو اور گزرنے والے کو یہ علم ہوجائے کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے تو وہ اس کے آگے سے گزرنے پر اس بات کو ترجیح دے گا کہ ایک سال کھڑا ہو کر انتظار کرے۔ (۳)

اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے تو نمازی اُسے گزرنے سے روکے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے اپنے آگے سے نہ گزرنے دو کہ اس کے ساتھ شیطان ہے۔ (۴)

(ب) لیکن اگر نمازی کے آگے سے کوئی شخص گزر جائے تو اس سے نمازی کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کوئی شے نمازی کی نماز کو فاسد نہیں کرتی۔ (۵)

(ج) اگر نمازی نے اپنے سامنے سترہ قائم کرلیا تو گزرنے والے کے

---

(۱) المحلی ۲/۲۷۴ (۲) عبدالرزاق ۲/۴۳۲، المحلی ۲/۲۷۵
(۳) عبدالرزاق ۲/۱۹، کنزالعمال نمبر ۲۲۵۶۰

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۴۳ ب، کنزالعمال نمبر ۲۲۵۶۰
(۲) عبدالرزاق ۲/۲۴ (۳) عبدالرزاق ۲/۲۰
(۴) کنزالعمال ۲۲۵۶۴ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/۴۳ ب

لیے اس سُترہ کے آگے سے گزرنا جائز ہے اور اس طرح گزرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ اسود بن یزید بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے حضرت عمرؓ کو نماز پڑھاتے دیکھا کہ آپ کے پیچھے صفیں تھیں اور آپ کے آگے برچھی بطور سترہ گڑی ہوئی تھی۔ اور اونٹوں کے ہودج آپ کے آگے سے گزر رہے تھے، لیکن اس طرح اُن کے گزرنے سے حضرت عمرؓ کی نماز فاسد نہیں ہوئی۔

(د) برچھی کو بھی بطور سُترہ استعمال کرنا جائز ہے جیسا کہ اُوپر بیان ہوا ہے اور ٹوپی کا بھی سُترہ بنایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ابراہیم بن ابی عبلہ سے مروی ہے کہ مجھے ایک ایسے شخص نے بتایا جس نے حضرت عمرؓ کو دیکھا تھا کہ حضرت عمرؓ نے ٹوپی آگے رکھ کر نماز پڑھی گویا اُسے سُترہ بنایا۔ (۱) یہ بھی جائز ہے کہ سُترہ انسان یا حیوان یا کوئی اور شے ہو۔ ابن سیرینؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک شخص بغیر سُترہ کے نماز پڑھ رہا ہے تو آپ اُس کے آگے بیٹھ گئے۔ یعنی آپ نے اس کی جانب پُشت کی اور اُس کے آگے بیٹھ گئے اور اُسے کہا کہ اپنی نماز میں جلدی نہ کرو۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنے آگے سُترہ بنا کر نماز پڑھے تاکہ شیطان اس کے اور اس کی نماز کے درمیان حائل نہ ہو۔ (۲)

۹۔ نماز میں عورت کی "محاذاۃ"

اگر مرد اور عورت نماز میں باہم شریک ہوں تو عورت کا مرد کے محاذاۃ میں یعنی برابر کھڑا ہونا جائز نہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس محاذاۃ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ حارث بن معاویہ کندی حضرت عمرؓ کے پاس سوار ہو کر آئے اور دریافت کیا کہ بسا اوقات میں اور میری بیوی کسی تنگ کمرے میں ہوتے ہیں اور نماز کے وقت اگر مَیں اور وہ یعنی دونوں نماز پڑھیں تو وہ میرے برابر ہوتی ہے اور اگر پیچھے کھڑی ہو تو کمرے سے باہر نکل جائے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے اور اپنے درمیان پردہ لٹکا لیا کرو۔ پھر اگر چاہو تو وہ تمہارے برابر نماز پڑھ لے۔ (۱)

غضیف سے مروی ہے کہ مَیں حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُن سے کہا کہ ہم ہر سال اپنے بعض مکانوں میں جاتے ہیں۔ ہمارا ایک مکان بہت چھوٹا ہے۔ مَیں اس میں نماز پڑھتا ہوں تو میری بیوی بھی برابر کھڑی ہوتی ہے اور اُسی وقت الگ کھڑی ہو سکتی ہے جب مَیں باہر نکل جاؤں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اپنے درمیان ایک کپڑا لٹکا لیا کرو، پھر جس طرح چاہو نماز پڑھو۔ (۲)

۱۰۔ نماز کے مکروہات:

(و) نمازی پر لازم ہے کہ ہر ایسی بات سے دُور رہے جس کی وجہ سے اس کا قلب مشغول ہو جائے اور نماز کے خشوع میں خلل پیدا ہو۔ اسی لیے حسب ذیل صورتوں میں نماز مکروہ ہے۔

ا۔ کھانا حاضر ہو اور اس کی اشتہا بھی ہو تو ایسی صُورت میں بغیر کھائے نماز پڑھنا مکروہ ہے بشرطیکہ وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ کھانا بھی کھا لے اور نماز بھی پڑھ لے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے سامنے رات کا کھانا آجاتا اور آپ اس وقت گھر میں امام کی قرأت بھی سُن لیتے تو جلدی نہ کرتے بلکہ پہلے کھانا تناول

---

(۱) عبدالرزاق ۲/۱۵ (۲) عبدالرزاق ۲/۱۵، المغنی ۲۴۰/۷

(۱) مسند الامام احمد ۱۸/۱
(۲) کنزالعمال ۲۲۵۹۶

فرماتے تھے۔ (۱) آپ فرماتے تھے کہ پہلے کھانے سے فارغ ہو لو پھر نماز پڑھو۔ (۲)

۲۔ بول و براز کی حاجت کے دباؤ کی حالت میں نماز نہ پڑھے ۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ نماز میں حاجت بول و براز سے معرکہ آرائی نہ کرو۔ (۳) اور آپ فرماتے تھے کہ کوئی شخص اس طرح نماز نہ پڑھے کہ وہ اپنے کولہوں کے درمیان (بول و براز) دبائے ہوئے ہو۔ (۴) (د، اقامہ/۳)

۳۔ اقامت صلوۃ کے وقت نماز پڑھنا؛ کیونکہ اس وقت نماز پڑھنے والے کو یہ فکر رہے گی کہ اُسے پہلی رکعت میں شامل ہونا ہے۔ اور اس طرح اُس کے خشوع میں خلل واقع ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک شخص دو رکعتوں کی نیت باندھ رہا ہے اور مؤذن اقامت کہہ رہا ہے تو حضرت عمرؓ نے اُسے سرزنش کی اور کہا کہ جب مؤذن اقامت کہہ رہا ہو تو اس فرض نماز کے سوا جس کی اقامت کہی جا رہی ہے کوئی اور نماز جائز نہیں ہے۔ (۵) حضرت عمرؓ نماز کی تکبیر اقامت کے بعد کوئی اور نماز شروع کرنے والے کو مارا کرتے تھے۔ (۶)

۴۔ اس طرح نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے کہ پاؤں میں بیڑیاں ہوں۔ کیونکہ اس سے حرکت میں دشواری پیدا ہوگی اور خشوع میں خلل واقع ہوگا۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ اس امر کو ناپسند کرتے تھے کہ آدمی اس طرح نماز پڑھے کہ

(۱) المؤطا ۱/۷۱، عبدالرزاق ۱/۵۰۴، المغنی ۱/۶۲۹ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۱۰ (۳) عبدالرزاق ۱/۴۵۱، المحلی ۴/۴۷ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۱۱ (۴) المؤطا ۱/۹۷ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/۷۳، المجموع ۴/۱۱۰، ۳/۵۵۰، نیل الاوطار ۳/۹۰ (۶) عبدالرزاق ۲/۴۳۶، المحلی ۳/۱۱

اس کے پاؤں میں بیڑیاں ہوں (۱) اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان کم از کم نماز پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ کے اقتدار و غلامی کے سوا ہر قسم کی غلامی اور اقتدار سے آزاد ہو۔

(ب) یہ بھی مکروہ ہے کہ نماز میں کافروں کی سی ہیئت بنائی جائے یا احوال اور اوقات وغیرہ میں کافروں کے ساتھ مشابہت پیدا کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ:

۱۔ ان اوقات میں جن میں نماز سے منع کیا گیا ہے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (د، صلاۃ/۵) کیونکہ ان میں بعض اوقات ایسے ہیں جن میں سورج پرست سورج کی عبادت کرتے ہیں، یعنی طلوع و غروب اور استواء شمس کے اوقات۔ اور بعض اوقات ایسے ہیں جو اُن کے اوقات کے قریب ہیں مثلاً نماز فجر کے بعد کا وقت اور نماز عصر کے بعد کا وقت۔

۲۔ قبر کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ حضرت انس نے بیان کیا کہ میں قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے حضرت عمرؓ نے دیکھا اور فرمایا تمہارے آگے قبر ہے اور مجھے منع کیا۔ (۲) اور فرمایا کہ قبر کی جانب رُخ کر کے نماز نہ پڑھو۔ (۳)

۳۔ کسی آدمی کی جانب منہ کر کے نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے (۴)۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور ایک دوسرا شخص اُس کے سامنے منہ کیے ہوئے بیٹھا ہے تو حضرت عمرؓ نے اپنا کوڑا اٹھایا اور فرمایا کہ تم نماز پڑھ رہے ہو اور یہ تمہاری جانب منہ کیے ہوئے ہے۔ (۵) اسی طرح اس دوسرے

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۱۱ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۶ ب، کنز العمال ۲۲۵۱۰، المغنی ۲/۷۱ (۳) عبدالرزاق ۱/۴۰۴ (۴) المجموع ۳/۲۳۲، المغنی ۲/۲۴۲ (۵) عبدالرزاق ۲/۳۸

شخص پر بھی دُرہ اٹھایا اور کہا کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے اور تم اس کے سامنے بیٹھے ہو۔ اور حضرت عمرؓ جب ایک شخص کے آگے سُترہ کے طور پر تشریف فرما ہوئے تھے تو آپ پیٹھ موڑ کر بیٹھے تھے۔ (د: صلاۃ ۶/د)

۴۔ بالوں کی چوٹی بنا کر اور گدی پر باندھ کر بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (۱) حضرت عمرؓ نے اپنے ایک بیٹے کو دیکھا کہ وہ بالوں کو گدی پر باندھے ہوئے نماز پڑھ رہا ہے۔ آپ نے اس کو کھینچ لیا، یہاں تک کہ گرا دیا۔ (۲)

۵۔ کپڑے میں اس طرح لپٹ کر نماز پڑھنا کہ ہاتھ باہر نہ نکل سکیں، مکروہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو اس طرح لپٹے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ تم میں سے اگر کسی کے پاس ایک ہی چادر ہو تو وہ اُسے ازار کی طرح باندھے۔ (۳) لیکن اگر چادر لپیٹ کر اپنا ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھ باہر نکال لے تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر ایک ہاتھ باہر نکال لے تو چادر کے لپیٹ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۴)

(ج) جو عمل نمازی کو نماز کی ہیئت سے خارج کر دے وہ بھی مکروہ ہے۔ مثلاً کوئی غیر ضروری حرکت کرنا۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اُس نے غروب آفتاب کے بعد اور نماز سے قبل دو رکعتیں پڑھیں اور نماز پڑھتے ہوئے ادھر ادھر ملتفت ہوتا رہا، لہٰذا جب اُس نے نماز پُوری کی تو آپ نے اُسے کوڑے سے مارا۔ اور فرمایا کہ نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھا کرو۔

(۱) نیل الاوطار ۲/ ۳۵۱ (۲) عبدالرزاق ۲/ ۱۸۴، کنز العمال ۲۲۴۵۵ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۸ ب، مسند احمد ۱/ ۱۶ المغنی ۱/ ۵۹۵ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۲۱

لیکن آپ نے ان دو رکعتوں کے پڑھنے کو بُرا نہیں سمجھا۔ (۱) عبدالرحمٰن بن زید الخطاب بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے قریب نماز پڑھ رہا تھا کہ (سجدہ میں جاتے وقت) کنکریاں ہٹانے لگا تو حضرت عمرؓ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ (۲)

لیکن اگر نماز میں حرکت ضروری ہو یعنی کبھی ایسی شئے کو دُور کر دینا جو نماز کے خشوع کو متاثر کرتی ہو یا ایسے جانور کو مار دینا جو ضرر رساں ہو تو یہ حرکت مکروہ نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نماز میں جُوں مار لیا کرتے تھے۔ (۳)

(د) خشوع کا مصنوعی اظہار بھی مکروہ ہے:
عبداللہ القرشی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ سر اوندھا کیے نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ کیا کر رہے ہو، اپنا سر اُوپر کرو، خشوع اس سے زائد کسی کیفیت کا نام نہیں ہے جو انسان کے قلب میں موجود ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے زائد خشوع لوگوں کو دکھلائے جو اُس کے دل میں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوہرا نفاق کر رہا ہے۔ (۴)

۱۱۔ وہ امور جو نماز میں مکروہ نہیں ہیں:
(ا) اگر نمازی کسی پیش آمدہ امر کی بنا پر مثلاً بچے کے رونے یا کسی شخص کے انتظار کرنے کی وجہ سے نماز مختصر کر دے تو ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے، خود حضرت عمرؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے ملاقات کیلئے گئے وہ اُس وقت نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا کہ اپنی نماز ذرا مختصر کرو۔ (۵)

(ب) اقامت کے بعد باتیں کرنا جس کی وجہ سے اقامت اور نماز

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۸ ب (۲) کنز العمال ۲۲۵۲۷ (۳) المغنی ۲/ ۱ (۴) کنز العمال ۲۲۵۲۸ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۲۰

کے درمیان فصل پیدا ہو مکروہ نہیں ہے۔ چنانچہ ابومجلز بیان کرتے ہیں کہ نماز کی اقامت کہی جا چکی تھی اور صفیں بھی دُرست ہو گئی تھیں کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی جانب جلدی سے بڑھا اور حضرت عمرؓ سے بات کرنے لگا۔ دونوں کافی دیر تک کھڑے باتیں کرتے رہے پھر زمین پر بیٹھ گئے اور باقی لوگ صف باندھے اُسی طرح کھڑے رہے۔

(ج) نمازی کا نماز میں خشیتِ الٰہی سے گریہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن شداد بیان کرتے ہیں کہ میں آخری صف میں تھا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز سُنی۔ اس وقت آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ (۲)

(یوسف: ۸۶)

"میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔"

(د) بلا ارادہ نماز میں خیالات کا آنا مکروہ نہیں ہے خواہ خیالات دنیا کے بارے میں ہوں یا دین کے بارے میں۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی اور آپؓ نے تلاوت نہیں کی۔ کسی نے پُوچھا کہ آپ نے نماز میں تلاوت نہیں کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نماز میں اپنے دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ ایک قافلہ مدینہ سے روانہ کیا ہے، میں اس کی تیاری کر رہا ہوں پھر وہ شام پہنچ گیا ہے۔ (۳) اور ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میں نماز میں بحرین کے جزیہ کا حساب کرتا رہا۔ (۴)

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۹۳ (۲) صحیح البخاری، باب اذا بکی الامام فی الصلوۃ، المغنی ۲/۴۷، ۵۳ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۶۰ ب، عبدالرزاق ۲/۱۲۳؛ (۴) المحلی ۳/۱۰۰، ۴/۱۶۹

(ھ) یہ بھی مکروہ نہیں ہے کہ سجدہ کسی کپڑے، دری، چٹائی یا اسی قسم کی کسی اور چیز پر کیا جائے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ جمعہ پڑھایا، اُس دن سخت گرمی پڑ رہی تھی، لہٰذا آپ نے اپنا کپڑا زمین پر ڈال دیا اور اس پر سجدہ کیا۔ ازاں بعد آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! جب تم گرمی کی شدت محسوس کرو تو اپنے کپڑے کے کونے پر سجدہ کر لیا کرو۔ (۱) حضرت عمرؓ نے ایک اونی دری پر بھی نماز پڑھی۔ (۲) لیکن ایسی شے پر سجدہ کرنا افضل ہے جو زمین سے اُگی ہوئی ہو، چنانچہ حضرت عمرؓ اس کو پسند فرماتے تھے کہ آدمی لکڑی پر سجدہ کرے۔ (۳) اور زمین پر نماز پڑھنا زمین سے اُگی ہوئی شے پر نماز سے زیادہ افضل ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو چٹائی پر نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ کنکروں پر قدم زیادہ جمتے ہیں۔ (۴)

۱۲۔ نماز کی کیفیت:

جب مُسلمان نماز کا ارادہ کرے تو ان شرائط کو پُورا کرے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ (دیکھئے صلاۃ ۲/) اور اس نماز کی نیت کرے جو پڑھنا مقصود ہے۔ ازاں بعد:

(و) اللہ اکبر کہتے ہوئے اپنے ہاتھ شانوں تک اٹھائے۔ حضرت عمرؓ نماز میں اپنے دونوں ہاتھ اپنے شانوں کے برابر بلند کرتے (۵) پھر نیچے کر لیتے تھے۔ علقمہ نے کہا کہ حضرت عمرؓ جب نماز شروع کرتے تو اللہ اکبر کہتے تھے۔ (۶)

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۴۲، عبدالرزاق ۱/۳۹۸، ۳/۲۲۳، المحلی ۳/۲۹۷ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۶۱، المحلی ۴/۸۳، المغنی ۲/۷۷ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۴۲ ب (۴) جامع الاصول ۶/۳۲۹ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/۳۶ ب، عبدالرزاق ۲/۷۱، المجموع ۳/۲۶۵ (۶) المحلی ۲/۹۸

(ب) پھر ثنا پڑھے جو یہ ہے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ (۱)

"پاک ہے تیری ذات اے اللہ! اور حمد و ثنا تیرے لیے ہے۔ برکت والا ہے تیرا نام۔ سب سے بلند و بالا ہے تیری شان اور کوئی معبود نہیں تیرے سوا"

علقمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ثنا پڑھتے وقت اپنی آواز بلند کر لیا کرتے تھے گویا وہ یہ دعا ہمیں سکھانا چاہتے ہیں۔ علقمہ بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنی آواز بلند کر لیتے جس سے ہم یہ یقین کر لیتے کہ آپ ہمیں سکھانا چاہتے ہیں۔ (۲) اس کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت لوگ حضرت عمرؓ کی عادت کے بارے میں جانتے تھے کہ آپ دعا ثنا آہستہ پڑھتے ہیں، لیکن جب آپ نے خلافِ عادت بلند آواز سے ثنا پڑھی تو اس کے لیے کسی سبب کا ہونا ضروری ہے اور وہ سبب یہی تھا کہ آپ انہیں دعاء ثنا سکھانا چاہتے تھے، کیونکہ یہ لوگ حجاز سے تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ عراق سے آئے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اس امر کا بھی احتمال ہے کہ حضرت عمرؓ نے سہواً ثنا زور سے پڑھ لی ہو، کیونکہ حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ اپنی بے شمار ذمہ داریوں کی بنا پر بسا اوقات نمازیں بھول جایا کرتے تھے اور خود حضرت عمرؓ کو اپنے بارے میں اس بات کا علم تھا، یہی وجہ ہے کہ جب آپ نماز پڑھتے تو ایک شخص کو مقرر کر دیتے اور اسے دیکھتے رہتے کہ اگر وہ کھڑا ہو تو کھڑے ہو جاتے اور اگر وہ بیٹھتا تو بیٹھ جاتے۔ (۳)

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۳۶- ۱۲۰ب، عبدالرزاق ۲/۵۰۷، المحلی ۴/۹۸، المجموع ۳/۲۷۸- ۲۸۰، المغنی ۱/۴۷۳، ۴۷۴، آثار ابی یوسف ۱۰۱
(۲) المحلی ۴/۹۸، المغنی ۱/۴۷۳ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۵۳

(ج) ازاں بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے۔ بسم اللہ باآواز بلند پڑھنے کے بارے میں حضرت عمرؓ سے مختلف روایات مروی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جہری نمازوں میں بسم اللہ باآواز بلند پڑھتے تھے۔ (۱) چنانچہ سعید بن عبدالرحمن بن ابزی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بسم اللہ باآواز بلند پڑھی۔ (۲) اور ایک اور روایت یہ ہے کہ آپ بسم اللہ آہستہ پڑھتے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔ (۳) چنانچہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ ان میں سے کسی کو میں نے بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا۔ (۴) نیز حضرت عبداللہ بن مغفل کے بیٹے سے مروی ہے کہ میرے والد نے مجھے بسم اللہ باآواز بلند پڑھتے سنا تو انہوں نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے یہ نئی بات ہے اور نئی بات سے احتراز کرو۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور کسی کو بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا۔ اس لیے تم بھی بسم اللہ باآواز بلند نہ پڑھو۔ بلکہ جب نماز پڑھو تو الحمد للہ رب العالمین سے (باآواز) پڑھنا شروع کرو۔ (۵) اسود بن یزید نخعی جو زیادہ وقت حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے ستر نمازیں پڑھیں۔ آپ نے کسی میں بسم اللہ بلند آواز

(۱) المجموع ۳/۲۹۹، الاعتبار ۸۱ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۳، الاعتبار ۸۱- (۴) صحیح البخاری، صفۃ الصلوۃ، ما یقول بعد التکبیر۔ صحیح مسلم، الصلاۃ، باب حجۃ من قال لا یجھر بالبسملۃ، الموطا ۱/۸۱، عبدالرزاق ۲/۸۸، المحلی ۳/۲۵۲ (۵) سنن الترمذی، نمبر ۲۴۴، الصلاۃ باب ما جاء فی ترک الجھر بالبسملۃ، النسائی ۲/۱۳۵، الافتتاح، ابن ابی شیبہ ۱/۶۲ ب

سے نہیں پڑھی ۔ (۱) اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ امام چار چیزوں کا اخفا کرے (آہستہ پڑھے) تعوذ، بسم اللہ، آمین اور ربنا لک الحمد ۔ (۲)

میں کہتا ہوں کہ جب حضرت عمرؓ نے برائے تعلیم یا سہواً دعائے ثنا بآواز بلند پڑھی ہے تو یہ احتمال بھی ہے کہ بسم اللہ بھی تعلیماً یا سہواً بآواز بلند پڑھی ہو، بالخصوص اس صورت میں کہ بسم اللہ بآواز بلند پڑھنے کی روایت کے انداز سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ نے متعدد بار ایسا کیا ہو، جب کہ بسم اللہ کو آہستہ پڑھنے والی روایات کا انداز اس عمل کی کثرت کی جانب اشارہ کرتا ہے ۔

(د) پھر سورۂ فاتحہ پڑھے۔ اور فاتحہ پڑھنا فرض ہے جو شخص سورۂ فاتحہ نہیں پڑھے گا، اُس کی نماز صحیح نہیں ہو گی ۔ (۳) خواہ اکیلا نماز پڑھ رہا ہو یا مقتدی ہو اور خواہ اُس نے امام کی قرأت سُنی ہو یا نہ سُنی ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ نماز صحیح نہیں ہے جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو۔ (۴) یزید بن شریک نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ کیا میں امام کے پیچھے بھی سورۂ فاتحہ پڑھوں۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ اے امیر المؤمنین خواہ آپ بآواز بلند پڑھ رہے ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں خواہ میں بآواز بلند پڑھ رہا ہوں ۔ (۵) اور آپ نے کہا کہ اُم القرآن کے ساتھ دو آیتوں کو ملائے بغیر نماز صحیح نہیں ہے ۔ اور اگر تم امام کے پیچھے ہو تو اپنے دل میں پڑھو۔ (۶)

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۹۲ ب (۲) المحلی ۳/۲۴۹، ۲۶۴ (۳) تفسیر القرطبی ۱/۱۲۵، المغنی ۱/۴۷۹، المجموع ۳/۲۵۸، ۳۵۴، (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۵۵، المحلی ۳/۲۴۳، ۲۴۷، القرطبی ۱/۱۲۵ آثار ابی یوسف ۲۰۱ (۵) المحلی ۳/۲۴۷ (۶) المحلی ۳/۲۴۳

(ھ) پھر آہستہ سے آمین کہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ تعوذ، بسم اللہ، آمین اور ربنا لک الحمد ۔ (۱)

(و) ۱۔ فاتحہ کے بعد کسی قدر قرآن کی تلاوت کرے جو فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں دو آیات سے کم نہ ہو۔ اس کے بغیر نماز صحیح نہ ہوگی۔ فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں فاتحہ پر اکتفا کرے اور ان میں مزید آیات کی تلاوت کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے شریح کو لکھا کہ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت پڑھو اور آخری دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھو۔ (۲) اور فرمایا وہ نماز صحیح نہیں ہے جس میں فاتحہ اور دو یا زیادہ آیات نہ پڑھی جائیں ۔ (۳) اور ابو یوسف کی کتاب "الآثار" کی روایت میں اس طرح ہے کہ نماز صحیح نہیں ہوتی الایہ کہ سورۂ فاتحہ اور اُس کے ساتھ مزید کچھ قرآن پڑھے۔

۲۔ اگر پہلی دو رکعتوں میں سے ایک میں پڑھنا بھول جائے، پھر نماز میں یاد آجائے تو اگلی رکعت میں اس کی قضا کرے اور نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کرلے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے مغرب کی نماز پڑھی تو آپ نے پہلی رکعت میں کچھ نہیں پڑھا اور دوسری رکعت میں ام القرآن دو مرتبہ پڑھی اور دو سورتیں پڑھیں اور سلام سے پہلے دو سجدے کیے۔ (۴)

اگر نمازی کو قرأت کا یہ سہو یاد نہ رہے یہاں تک کہ وہ نماز

(۱) المحلی ۳/۲۴۹، ۲۶۴
(۲) ابن ابی شیبہ ۱/۵۶ ب، المغنی ۱/۴۷۹ ب
(۳) ابن ابی شیبہ ۱/۵۵ ب، المحلی ۳/۲۴۳، تفسیر القرطبی ۱/۱۲۵، آثار ابی یوسف نمبر ۳
(۴) عبدالرزاق ۲/۱۲۳، ابن ابی شیبہ ۱/۶۲ ب

ختم کرلے تو نماز کا اعادہ کرے۔ حضرت عمرؓ نے جابیہ میں مغرب کی نماز پڑھی اور آپ نے کچھ تلاوت نہیں کیا؛ چنانچہ جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے کہا کہ اے امیرالمومنین آپ قراءت کرنا بھول گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نماز میں اس قافلے کے بارے میں سوچتا رہا جو میں نے مدینہ منورہ سے روانہ کیا تھا پھر اُس کی تیاری میں لگا رہا یہاں تک کہ وہ شام پہنچ گیا۔ اُس کے بعد آپ نے نماز دہرائی۔(۱) اور یہ جو روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا رکوع اور سجود پوری طرح ہوتے تھے؛ لوگوں نے کہا کہ جی ہاں تو آپ نے فرمایا کہ پھر کوئی حرج نہیں ہے اور آپ نے نماز کا اعادہ نہیں کیا۔(۲) تو اس روایت کی صحت حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کی سند منقطع ہے۔ اس لیے کہ اس روایت کے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں ہے، چنانچہ امام نوویؒ نے المجموع میں کہا ہے کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔(۳) اور ابن الترکمانی نے 'الجوہر نقی' میں لکھا ہے کہ "الاستذکار" کے مصنف نے لکھا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے نماز کا اعادہ کیا تھا اور اس روایت کی سند متصل ہے۔(۴)

۳۔ دو رکعتوں میں ایک ہی سورت اس طرح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس کا کچھ حصہ ایک رکعت میں پڑھے اور باقی حصہ دوسری رکعت میں پڑھے۔ حضرت عمرؓ نے عشاء کی نماز

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۹۰ ب، عبدالرزاق ۲/۱۲۳، ۱۲۵، المغنی ۲/۱۰۱، ۱۹۷، ۱/۴۶۷، المجموع ۳/۲۸۷، تفسیر القرطبی ۱/۱۲۴ (۲) عبدالرزاق ۲/۱۲۲، المحلی ۳/۲۴۳، ابن ابی شیبہ ۱/۹۰، سنن البیہقی ۲/۳۸۱
(۳) المجموع ۳/۲۸۸ (۴) الجوہر النقی ۲/۳۸۱

میں پہلی دو رکعتوں میں سورۂ آل عمران اس طرح پڑھی کہ اس کو دونوں رکعتوں پر تقسیم کر دیا۔(۱)

اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ کوئی شخص ایک ہی رکعت میں دو سورتیں پڑھ لے یا دو سورتوں کا کچھ کچھ حصہ پڑھ لے۔ حضرت عمرؓ صبح کی نماز میں سورہ بقرہ کی سو آیات پڑھتے اور اس کے بعد (یعنی دوسری رکعت میں مثانی یا مفصل سورتوں میں سے کسی کا شروع کا حصہ پڑھتے اور آپ آل عمران کی سو آیات پڑھتے اور اس کے بعد دوسری رکعت میں مثانی میں سے کوئی سورت یا مفصل سورتوں میں سے کسی کا ابتدائی حصہ پڑھتے(۲) اور ایک مرتبہ آپ نے سورۂ والنجم کا کچھ حصہ اور اذا زلزلت الارض پڑھی۔(۳)

۴۔ یہ ضروری ہے کہ نماز میں جو کچھ پڑھے، اپنے حافظ سے پڑھے، کھلا قرآن کریم سامنے رکھ کر اس میں سے نہ پڑھے۔ قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مسلمان پر لازم ہے کہ نماز کے لیے چھ سورتیں بہرحال حفظ کرے۔ دو سورتیں صبح کی نماز کے لیے، دو مغرب کے لیے، دو عشا کے لیے۔(۴)

۵۔ اگر دوران قراءت تردد ہو جائے تو سورت کو دوبارہ شروع سے پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے صبح کی نماز میں سورۂ کہف اور سورۂ یوسف پڑھیں، یا سورۂ یوسف اور سورۂ ہود پڑھیں اور آپ کو سورۂ یوسف میں کچھ تردد پیدا ہو گیا تو آپ نے دوبارہ اسی سورت کو شروع سے پڑھا اور ساری سورت پڑھ ڈالی۔(۵)

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۵۴ ب
(۲) ابن ابی شیبہ ۱/۵۴ ب (۳) المغنی ۱/۵۷۴
(۴) عبدالرزاق ۲/۱۲۳ (۵) عبدالرزاق ۲/۱۱۳

۶۔ سفر میں جہاں تک ممکن ہو ہلکی قراءت کرے۔

(د: سفر/۱۰ ج)

نیز اگر کوئی انتظار کر رہا ہو تو بھی ہلکی قراءت کرے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ اُن کے پاس آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی اور اُن سے کہا کہ نماز مختصر کر لو۔ (۱)

۷۔ صبح کی نماز میں "طوال مفصّل" پڑھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ صبح کی نماز میں طوال مفصّل پڑھا کرو۔(۲)

حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آپ ہی نے سب سے پہلے صبح کی نماز میں دوسری نمازوں کی نسبت طویل قراءت کی۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اتنی مختصر نماز کسی کے پیچھے نہیں پڑھی جتنی مختصر اور مکمل نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھی ہے۔ آپؐ کی نمازیں قریب قریب برابر ہوتی تھیں یعنی سب نمازوں میں تمام ارکان برابر برابر ہوتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کی نمازیں بھی قریب قریب برابر ہوتی تھیں۔ جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو آپ نے صبح کی نماز میں طویل قراءت کی۔ (۳) چنانچہ کبھی آپ سورۂ کہف اور سورۂ یوسف پڑھتے اور کبھی سورۂ یوسف اور سورۂ ہود پڑھتے۔ (۴) ایک مرتبہ آپ نے سورۂ کہف پڑھی اور ایک مرتبہ آپ نے سورۂ یوسف اور سورۂ الحج پڑھیں۔ (۵) اور ایک مرتبہ یونس اور ہود بھی پڑھیں۔ (۶) اور ایک مرتبہ آپ نے سورۂ کہف اور ایک مرتبہ سورۂ یوسف پڑھی جن میں ٹھہر ٹھہر کر قراءت کی۔ (۱) اور ایک مرتبہ آپ نے پہلی رکعت میں سورۂ یوسف پڑھی اور دوسری میں النجم پڑھی۔ (۲) ایک مرتبہ آپ سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے۔ جب آپ "وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ"* پر پہنچے تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور آپ رکوع میں چلے گئے۔ پھر سورۂ والنجم پڑھی اور اس میں سجدہ کیا، اور اس کے بعد کھڑے ہو کر اذا زلزلت الارض پڑھی۔ (۳) اور ایک مرتبہ آپ نے الحدید اور اس جیسی کوئی اور سورت پڑھی۔(۴) اور ایک مرتبہ آپ نے پہلی رکعت میں سورۃ بقرہ کی ایک سو بیس آیات اور دوسری رکعت میں "مثانی" میں سے کوئی ایک سورت پڑھی۔ (۵) آپ بقرہ کی سو آیات تلاوت کر کے اُن کے بعد "مثانی" میں سے کوئی سورت یا مفصّل سورتوں میں سے کسی سورت کا ابتدائی حصہ پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ آل عمران کی سو آیات پڑھتے اور اُن کے بعد مثانی میں سے کوئی سورت یا مفصّل سورتوں میں سے کسی سورت کا ابتدائی حصہ پڑھا کرتے تھے۔ (۶)

جو کچھ اُوپر بیان ہوا اُس میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ صبح کی نماز میں طویل قراءت کیا کرتے تھے اور اس قدر طویل قراءت پھر اس کے بعد پورے اطمینان سے رکوع و سجود کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہوں، چنانچہ عامر بن ربیعہ سے مروی ہے کہ ہم نے حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز فجر پڑھی۔ اس میں آپ نے بہت اطمینان سے سورۂ یوسف اور

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۰ (۲) المحلی ۱/۲/۵۷، عبدالرزاق ۲/۱۰۴
(۳) المحلی ۴/۹۹، ۱۲۱ (۴) عبدالرزاق ۲/۱۱۳ (۵) الموطا ۱/۸۲
(۶) ابن ابی شیبہ ۱/۵۴ ب

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۵۴ ب (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۵۴ ب
(۳) المغنی ۱/۵۴۷ (۴) عبدالرزاق ۲/۱۱۶ (۵) البخاری، الاذان، الجمع بین السورتین فی الصلاۃ (۶) ابن ابی شیبہ ۱/۵۴ ب
* سورۂ یوسف آیت ۸۴

سُورۃ الحج کی تلاوت کی۔ ان سے کہا گیا کہ پھر تو حضرت عمرؓ فجر کے طُلوع ہوتے ہی نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہوں گے۔ اُنھوں نے کہا کہ جی ہاں۔ (۱) اور طُلوعِ آفتاب سے ذرا پہلے تک نماز پڑھتے رہتے تھے۔ چنانچہ ابوعثمان نہدی کا بیان ہے کہ ہمیں حضرت عمرؓ نے صبح کی نماز پڑھائی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو ہر شخص نے محسوس کیا کہ سُورج نکلنے ہی والا ہے۔ چنانچہ آپ سے کہا گیا کہ آپ نماز سے اُس وقت فارغ ہوئے جب سُورج نکلنے ہی والا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر نکل بھی آتا تو ہمیں غافل نہ پاتا۔ (۲)

حضرت عمرؓ صبح کی نماز میں اس قدر بلند آواز سے قرأت کرتے کی آپ کی آواز حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے گھر میں بھی سُنی جاتی۔ (۳)

۸۔ نمازِ ظہر کی نماز میں "اوساطِ مفصّل" پڑھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ کو لکھا تھا کہ ظہر کی نماز میں "اوساطِ مفصّل" پڑھو۔ (۴) حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ظہر کی نماز میں سورۂ قٓ اور سورہ الذاریات پڑھیں۔ (۵)

ظہر کی نماز میں نمازی خاموشی سے قرأت کرے اور ابوعثمان نہدی سے جو یہ روایت ہے کہ میں نے نمازِ ظہر میں حضرت عمرؓ کے سُورہ قٓ پڑھنے کا ترنم سُنا۔ (۶) تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ ظہر کی نماز میں جہری قرأت کیا کرتے تھے۔ کیونکہ

(۱) الموطا ۱/ ۸۲ (۲) عبدالرزاق ۲/ ۱۱۵، المحلی ۲۶/۳
(۳) عبدالرزاق ۲/ ۴۰۳ (۴) المغنی ۱/ ۵۷۲
(۵) ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۵ ب، المحلی ۴/ ۱۰۹
(۶) ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۵، ۵۴ ب

ابوعثمان النہدی نے جو کچھ سُنا وہ قرأت نہیں تھی بلکہ آواز کا ترنم تھا جس میں حروف واضح نہیں تھے اور یہ صُورت سری قرأت میں بھی پیدا ہو جاتی ہے جب پڑھنے والا خود کو سُناتا ہے اور پیچھے کھڑا ہوا شخص کبھی کبھی حروف پہچانے بغیر اس کی آواز کا کوئی حصّہ سُن لیتا ہے۔ اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب قاری کی آواز تھوڑی سی بلند ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ صرف وہی اپنی آواز سُن رہا ہے، حالانکہ اُس کے قریب کھڑا ہوا شخص بھی سُن رہا ہوتا ہے۔

۹۔ مغرب کی نماز میں "قصارِ مفصّل" پڑھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کو لکھا کہ مغرب کی نماز میں "قصارِ مفصّل" پڑھا کرو۔ (۱) اور ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے مغرب کی نماز میں مفصّل کی آخری سُورتوں میں سے کوئی سُورت پڑھی (۲) مفصّل کی آخری سُورتیں چھوٹی ہیں۔ اور حضرت عمرؓ نے مغرب کی نماز کی پہلی رکعت میں 'والتین' اور دوسری رکعت میں 'الم ترکیف' اور 'لایلٰف قریش' دونوں پڑھیں۔ (۳)

۱۰۔ عشاء کی نماز میں "اوساطِ مفصّل" پڑھے۔ (۴) حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں 'اذا السماء انشقت' پڑھی۔ (۵) علقمۃ بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ عشاء کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھا کرتے تھے اور جب آپ حضرت یوسف کا نام لیتے اور میں آخری صف میں ہوتا تب بھی آپ کا ترنم سُن لیتا تھا۔ (۶)

(۱) المغنی ۲/ ۵۷۲، عبدالرزاق ۲/ ۱۰۴، ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۵
(۲) عبدالرزاق ۲/ ۱۰۹، ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۵
(۴) ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۵ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۵
(۶) عبدالرزاق ۲/ ۱۱۱

۱۱۔ وتر میں قراءت: ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ وتر میں معوذتین پڑھتے تھے۔ (۱)

(ز) جب نمازی قراءت ختم کرے تو رکوع کے لیے تکبیر کہے حضرت عمرؓ ہر مرتبہ اٹھتے، جھکتے اور قیام و قعود کرتے وقت تکبیر کہتے تھے(۲)۔ اور رکوع اور سجود کے لیے جھکتے ہوئے بھی آپ تکبیر کہتے تھے اور حضرت عمرؓ اس وقت اللہ اکبر کہتے تھے جب آپ جھک رہے ہوتے تھے۔ (۳) اور تکبیرات انتقال کہتے وقت کسی موقعہ پہ آپ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ اسود بن یزید سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے نماز کے آغاز کے سوا اپنی نماز میں کسی موقعہ پہ ہاتھ نہیں اٹھائے(۴)۔ جب کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ تکبیرات انتقال پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ (۵)

ح) ازاں بعد نمازی رکوع کے لیے اتنا جھک جائے کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں اور اپنے گھٹنے اپنے ہاتھوں سے پکڑلے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ گھٹنے پکڑنا تمہارے لیے مسنون ہے تو تم اپنے گھٹنے پکڑا کرو۔ (۶) حضرت عمرؓ جب رکوع میں جاتے تو اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پہ رکھ لیتے تھے۔ (۷)

اور رکوع میں ہاتھوں کو جوڑ کر گھٹنوں کے درمیان نہ رکھے جسے "تطبیق" کہتے ہیں۔ پہلے ایسا کیا جاتا تھا بعد ازاں اس سے

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۹۸ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۳۷ ب، المغنی ۱/۴۹۶ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۴۰ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۳۷ (۵) المجموع ۳/۳۶۸ (۶) سنن الترمذی ۲۵۸، الصلاۃ، باب وضع الیدین علی الرکبتین فی الرکوع۔ النسائی ۲/۱۸۵، الافتتاح، الامساک بالرکب، عبدالرزاق ۲/۱۵۱، ابن ابی شیبہ ۱/۳۸ ب المجموع ۳/۳۸۱ (۷) ابن ابی شیبہ ۱/۳۸، آثار محمد ۱/۲۱۵، آثار ابی یوسف ۲۲۳، المغنی ۱/۵۵۰

منع کر دیا گیا۔ علقمہ بن اسود سے مروی ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ رکوع میں اپنی ہتھیلیوں میں تطبیق کرتے تھے یعنی انہیں جوڑ کر گھٹنوں کے درمیان رکھ لیتے تھے اور انہوں نے ہمارے ہاتھوں پہ مارا تو ہم نے بھی اسی طرح کر لیا۔ ازاں بعد ہم حضرت عمرؓ سے ملے اور ان کے ساتھ ان کے گھر میں نماز پڑھی اور جب وہ رکوع میں گئے تو ہم نے اپنی ہتھیلیاں تطبیق کے طریقے پر اسی طرح جوڑ کر رکھیں جیسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رکھی تھیں، چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے سلام پھیرا اور دریافت کیا کہ یہ تم نے کیا کیا تو ہم نے انہیں بتایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس طرح کیا تھا۔ اس پہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایسا پہلے کیا جاتا تھا پھر ترک کر دیا گیا۔ (۱)

اپنا سر اپنی کمر کی سیدھ میں رکھے۔ حضرت عمرؓ اپنے اصحاب کو سکھاتے تھے کہ جب رکوع کرو تو نہ سر کو اونچا اٹھاؤ اور نہ نیچے جھکاؤ۔ (۲)

رکوع میں پانچ بار سبحان اللہ وبحمدہ کہے۔ حضرت عمرؓ رکوع اور سجود میں پانچ پانچ مرتبہ تسبیحات یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کہتے تھے۔ (۳) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کے رکوع اور سجود بقدر پانچ پانچ تسبیحات کے ہوتے تھے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ رکوع اتنی دیر کیا جائے کہ پانچ بار سبحان اللہ وبحمدہ کہا جا سکے۔

(ط) پھر سیدھا کھڑا ہوتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔ حضرت عمرؓ اپنی کمر سیدھی کرنے سے پہلے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے۔ (۴) اور پھر کمر سیدھی کر کے کھڑے ہوتے وقت اپنے دل میں ربنا لک الحمد

(۱) عبدالرزاق ۲/۱۵۲ (۲) المحلی ۴/۱۲۳، ابن ابی شیبہ ۱/۳۹ (۳) عبدالرزاق ۲/۱۵۷ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۳۸، ۴۰

کہتے تھے۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ ربنا لک الحمد ان کلمات میں سے ہے جو امام کو آہستہ کہنے چاہئیں۔

(ی) پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں چلا جائے اور اپنی ہتھیلیوں کے بل سجدے میں جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سجدے میں جائے تو براہِ راست اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھے اور ہتھیلیوں کو اپنے چہرے کے دونوں جانب رکھے یا چہرے سے ذرا اوپر یا چہرے سے ذرا نیچے۔

حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ نمازی سجدے میں اپنے ہاتھ کس طرح رکھے تو آپ نے فرمایا جس طرح سہولت ہو رکھ لے یا جس طرح پڑ جائیں (۱) نیز اپنے پیروں کی انگلیوں کے سروں، (۲) اپنے گھٹنوں اور پیشانی کے بل سجدہ کرے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آدمی سات اعضا پر سجدہ کرتا ہے۔ پیشانی، دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے اور دونوں پیر۔ (۳)

سجدے میں جاتے ہوئے سب سے پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھے۔ پھر ہاتھ، پھر پیشانی رکھے۔ حضرت عمرؓ نماز میں اپنے ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے رکھتے تھے۔ (۵)

اور سجدے میں بھی رکوع کی طرح اللہ کی تسبیح کرے۔

سجدے کی صحیح صورت تو یہی ہے کہ زمین پر ہو لیکن اگر جمعہ میں یا دیگر نمازوں کی جماعتوں میں ہجوم بہت زیادہ ہو اور سجدے کے لیے زمین پر جگہ نہ ملے تو اپنے آگے نماز پڑھنے والے شخص کی پشت پر سجدہ کر سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۴۱ ب (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۴۰ ب (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۶۰ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۴۰ ب
(۵) ابن ابی شیبہ ۱/۴۱، عبدالرزاق ۲/۱۷۹، نیل الاوطار ۲/۲۶۲ المجموع ۳/۳۹۴، الاعتبار ۸۰، المغنی ۱/۵۱۴

تم کو جمعہ کے دن سجدہ کرنے کی جگہ نہ ملے تو اپنے بھائی کی پشت پر سجدہ کر لو۔ (۱)

پھر تکبیر کہتے ہوئے اُٹھے اور تکبیر کہتے ہوئے دوسرے سجدے میں چلا جائے پھر دوسری رکعت کے لیے تکبیر کہتا ہوا کھڑا ہو جائے بغیر اس کے کہ دوسرے سجدے اور اس سے متصل دوسری رکعت کے لیے قیام کے دوران جلسہ استراحت کرے۔ پھر دوسری رکعت بھی پہلی رکعت کی طرح ادا کرے، لیکن اس میں دعاءِ استفتاح سبحانک اللہم۔ نہ پڑھے۔

(ک) پھر تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھ جائے اور اگر نماز دو رکعت والی ہو تو یہی قعدہ آخری قعدہ ہوگا جو کہ فرض ہے (۲) اور اس میں تشہد پڑھنا بھی فرض ہے اور اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تشہد کے بغیر نماز صحیح نہیں ہے۔ (۴) اور آپ نے فرمایا کہ تشہد کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔ (۵) اور حضرت عمرؓ تشہد سے پہلے بسم اللہ پڑھتے تھے۔ (۶) اور جو تشہد آپ پڑھتے اور لوگوں کو بھی سکھاتے تھے وہ ہے جو عبدالرحمن بن عبدالقاری سے مروی ہے۔ عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو اس تشہد کی تعلیم دی۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ اَلزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ اَلطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۴۱، عبدالرزاق ۱/۳۹۸، ۳/۲۲۳
(۲) المغنی ۱/۵۴۰، المجموع ۳/۴۴۲
(۳) المغنی ۱/۵۴۰، المجموع ۳/۴۴۲ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۱۱۹، المحلی ۳/۲۷۰ (۵) عبدالرزاق ۲/۲۰۵، ۲۵۶
(۶) ابن ابی شیبہ ۱/۴۹، المغنی ۱/۵۳۷

وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰالِحِیْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

تشہد کے بعد درود ابراہیمی پڑھے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ فقہائے شافعیہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک نماز میں درود ابراہیمی پڑھنا فرض ہے۔ (۲)

ل) پھر سلام پھیرے۔ سلام کے الفاظ یہ ہیں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ لیکن کیا صرف دائیں جانب سلام پھیرنا کافی ہے یا دو سلام ضروری ہیں۔ ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب؟

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ ایک طرف سلام پھیرتے تھے۔ (۳) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ دونوں طرف سلام پھیرتے تھے۔ ایک مرتبہ دائیں جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے تھے۔ اور ایک مرتبہ بائیں جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے تھے۔ (اور سلام پھیرتے وقت چہرہ اتنا موڑتے) کہ آپ کے رخسار کی سفیدی نظر آ جاتی۔ (۴) اس سے معلوم ہوا کہ نمازی ایک ہی سلام سے نماز سے فارغ ہو جاتا ہے اور دوسرے سلام میں اختیار ہے کہ چاہے پھیرے اور چاہے نہ پھیرے۔

م) اگر نماز چار رکعت والی ہو تو پہلی دو رکعت کے بعد تشہد پڑھ کر پھر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور صرف سورۂ فاتحہ پڑھے اور چوتھی رکعت میں بھی اسی طرح کرے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے شریح کو لکھا کہ نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور کوئی

(۱) عبدالرزاق ۲/۱۰۲، ابن ابی شیبہ ۱/۴۵ ب، الموطا ۱/۹۰، المغنی ۱/۵۳۵، شرح معانی الآثار ۱/۲۶۱ (۲) المجموع ۳/۴۶۹
(۳) ابن ابی شیبہ ۱/۴۶ ب - عبدالرزاق ۲/۲۲۳
(۴) ابن ابی شیبہ ۱/۴۶ ب، المحلی ۳/۲۷۹، ۲/۱۳۰

سورت پڑھو اور آخری دونوں رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھو۔ (۱)

۱۳- نماز وتر کی کیفیت:

(و) مسافر اپنی چلتی ہوئی سواری کی پشت پر بغیر زمین پر اترے اشارے سے نوافل پڑھ سکتا ہے لیکن وتر سواری کی پشت پر نہ پڑھے، کیونکہ حضرت عمرؓ جب وتر پڑھنا چاہتے تھے تو سواری سے اتر کر زمین پر پڑھتے تھے۔ (۲)

(ب) وتر کی نماز کی کیفیت کے بارے میں حضرت عمرؓ سے دو روایتیں منقول ہیں:

اوّل یہ کہ آپ ایک رکعت پہلی دو رکعتوں سے جدا پڑھتے تھے یعنی دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیتے۔ پھر ایک اور رکعت پڑھ کر اس کا سلام پھیرتے۔ (۳)

دوم: دوسری روایت جو زیادہ صحیح ہے یہ کہ آپ تین رکعت ملا کر وتر پڑھتے تھے۔ اور درمیان میں سلام نہیں پھیرتے تھے، چنانچہ سعید بن عبید السباق ثقفی سے مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کی تدفین سے فارغ ہوئے اور آپ نے عشاء کی نماز پڑھی تو تین رکعتیں وتر کی پڑھیں اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی اسی طرح وتر پڑھے۔

حسن بصری سے کہا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وتر کی دو رکعتوں پر سلام پھیرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ عمرؓ ان سے زیادہ فقیہ تھے اور تکبیر کہہ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ (۴)

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۵۹ ب، المغنی ۱/۵۷۹ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۹۹، عبدالرزاق ۲/۵۷۹ (۳) المغنی ۲/۱۵۰، المجموع ۳/۵۱۹
(۴) عبدالرزاق ۳/۲۰، ابن ابی شیبہ ۱/۹۸، کنزالعمال نمبر ۲۱۸۷، المغنی ۲/۱۵۰

ج) اگر رات کے ابتدائی حصہ میں وتر پڑھ چکا ہو پھر تہجد کے لیے بیدار ہو جائے تو پہلے ایک رکعت پڑھ کر اس وتر کو دوگانہ بنا لے جو رات کے ابتدائی حصہ میں پڑھ چکا ہے۔ پھر قیام لیل (تہجد) کی دو دو رکعتیں پڑھے اور تہجد کے آخر میں وتر پڑھ لے۔ (۱)

۱۴۔ نمازِ صبح وغیرہ میں قنوت :

(و) قنوت کی مشروعیت :

قنوت کے بارے میں حضرت عمرؓ سے متعدد روایات مروی ہیں۔ مستند راویوں سے یہ روایت مروی ہے کہ آپ اپنی کسی نماز میں خواہ وہ صبح کی نماز ہو یا کوئی اور قنوت نہیں پڑھتے تھے۔

علقمہ اور اسود نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہمیں عرصہ تک نماز پڑھائی مگر کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھا۔ (۲) اور زہری سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے وفات تک کبھی قنوت نہیں پڑھا۔ (۳)

اور ابو مالک اشجعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے کہا کہ اے والد محترم! آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بھی نماز پڑھی ہے اور ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے پیچھے بھی پڑھی اور اب کوفہ میں حضرت علیؓ کے پیچھے بھی پڑھ رہے ہیں (یہ تقریباً) پچاس سال ہو گئے۔ کیا یہ سب قنوت پڑھتے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ اے میرے بیٹے یہ نئی چیز ہے۔ (۴)

نماز فجر کے قنوت کے بارے میں عمرو بن میمونؒ، شعبی (۲) اسود بن یزید (۱) عبداللہ بن عمر (۲) اور علقمہ بن قیس (۳) سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ اور اسود بن یزید اور عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت عمرؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی لیکن آپ نے قنوت نہیں پڑھا۔ (۴)

ابو نجیح نے سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا حضرت عمرؓ صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، یہ چیز لوگوں نے بعد میں نکال لی ہے (۵) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے کہ اگر تمام لوگ ایک راستے پر چل رہے ہوں اور حضرت عمرؓ دوسرے راستے پر چلیں تو میں حضرت عمرؓ کے راستے پر چلوں گا۔ اگر حضرت عمرؓ قنوت پڑھتے تو میں بھی ضرور پڑھتا۔ (۶)

نیز ثقہ راویوں سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عمرؓ خصوصیت کے ساتھ صبح کی نماز میں اور وتر میں بھی قنوت پڑھتے تھے۔

صُبح کی نماز میں آپ کے قنوت پڑھنے کے بارے میں ابو رافع نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی تو آپ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھا۔ (۷) نیز اُنہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی تو آپ نے سورۂ احزاب کی تلاوت کی اور میں نے آپ کو قنوت پڑھتے ہوئے سنا حالانکہ میں آخری صف میں تھا۔ (۸) ابو عثمان نہدیؒ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ ہمیں نماز پڑھاتے تو رکوع کے بعد

---

(۱) سنن البیہقی ۲/۲۹، کنز العمال نمبر ۲۱۸۰۷
(۲) المغنی ۲/ ۱۹۲ (۳) عبدالرزاق ۳/۱۰۵
(۴) سنن الترمذی نمبر ۳۰۴، باب ترک القنوت، النسائی ۲/۲۰۳، الافتتاح باب ترک القنوت، شرح معانی الآثار ۱/۲۴۹، المغنی ۲/۱۵۵
(۵) ابن ابی شیبہ ۱/۹۹ (۶) کنز العمال ۲۱۹۴۲

(۱) شرح معانی الآثار ۱/۲۵۰، اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ ۱۱۳ کنز العمال ۲۱۹۴۴ (۲) کنز العمال ۲۱۹۶۴ (۳) کنز العمال ۲۱۹۴۲
(۴) شرح معانی الآثار ۱/۲۵۰، کنز العمال ۲۱۹۴۴ (۵) المحلی ۴/۱۴۲
(۶) کنز العمال نمبر ۲۱۹۶۳ (۷) عبدالرزاق ۳/۱۱۰
(۸) شرح معانی الآثار ۱/۲۵۰

قنوت پڑھتے ۔ اور فجر کے قنوت میں ہاتھ اس قدر اُونچے اُٹھاتے کہ آپ کے دونوں بازو بھی صاف نظر آجاتے ۔ اور آپ کی آواز مسجد کے باہر بھی سنائی دیتی ۔ (۱) اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت عمرؓ صبح کی نماز میں اتنی دیر تک قنوت پڑھتے جتنی دیر میں آدمی قرآن کریم کی سو آیات پڑھ لے ۔ (۲) اور انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ صبح کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے ۔ (۳)

طارق بن شہاب کا بیان ہے کہ میں نے صبح کی نماز حضرت عمرؓ کے پیچھے پڑھی ۔ جب آپ دوسری رکعت کی قرائت سے فارغ ہوئے تو آپ نے تکبیر کہی ۔ پھر قنوت پڑھا ۔ پھر تکبیر کہی اور پھر رکوع کیا ۔ (۴) عبید بن عمیر نے کہا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی تو آپ نے رکوع میں قنوت پڑھا ۔ (۵) اور زید بن وہب نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے صبح کی نماز میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا ۔ (۶) قتادہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھا ۔ (۷) اور عبدالرحمٰن بن ابزی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی جب آپ دوسری رکعت میں سورت کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو آپ نے رکوع سے قبل پڑھا :
اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَاللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ ۔ (۸) اور اسود بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے سفر اور حضر میں حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ، آپ نماز فجر کی دوسری رکعت میں قنوت پڑھا کرتے تھے اور باقی نمازوں میں قنوت نہیں پڑھتے تھے ۔ (۱) بہرحال ایسی روایات بکثرت مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ صبح کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے ۔ (۲)

نماز وتر میں قنوت :

حضرت عمرؓ نے جب حضرت ابی بن کعبؓ کو رمضان میں امام مقرر کیا تو آپ نے انہیں قنوت پڑھنے کا حکم دیا ۔ (۳) چنانچہ عطاء سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے 'رمضان' کے نصف آخر میں رکوع اور سجدہ کے درمیان قنوت پڑھا ۔ (۴) حسن بصری سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب رمضان المبارک میں حضرت ابی بن کعبؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تو آپ نے انہیں یہ بھی حکم دیا تھا کہ رمضان کے نصف آخر یعنی سولہ تاریخ کی رات سے قنوت پڑھیں ۔ حضرت عمرؓ خود وتر میں قنوت پڑھا کرتے تھے ۔ (۵)

میں کہتا ہوں کہ درحقیقت حضرت عمرؓ اہم واقعات و مصائب کے موقع پر قنوت پڑھا کرتے تھے ۔ جب یہ مصائب دور ہو جاتے تو آپ قنوت پڑھنا چھوڑ دیتے تھے ۔ زید بن وہب نے دراصل یہی بات کہی ہے کہ حضرت عمرؓ بسا اوقات صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے ۔ (۶) اور اسود بن یزید نخعی ، جو حضرت عمرؓ کی فقہ کے راوی ہیں اور زید بن وہب نے بھی درحقیقت یہی بات کہی ہے کہ جب کوئی جنگ درپیش ہوتی تو حضرت عمرؓ

(۱) کنز العمال نمبر ۲۱۹۵۳ (۲) عبدالرزاق ۳/ ۱۱۲ (۳) کنز العمال نمبر ۲۱۹۴۰ (۴) عبدالرزاق ۳/ ۱۰۹ ، ۱۱۵ ، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۰۰ ، شرح معانی الآثار ۱/ ۲۴۹ (۵) عبدالرزاق ۳/ ۱۱۰ ، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۰۰ ، شرح معانی الآثار ۱/ ۲۴۹ (۶) کنز العمال نمبر ۲۱۹۴۸ (۷) عبدالرزاق ۳/ ۱۰۹ (۸) شرح معانی الآثار ۱/ ۲۵۰

(۱) سنن البیہقی ۲/ ۲۱۱ ، کنز العمال ۲۱۹۵۵ (۲) المجموع ۳/ ۴۸۲ المغنی ۲/ ۱۵۵ ، اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلی ۱۱۴ ، وغیرہ (۳) عبدالرزاق ۴/ ۲۶۰ (۴) کنز العمال ۲۱۹۶۲ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۹ ، کنز العمال ۲۱۹۵۲ (۶) شرح معانی الآثار ۱/ ۲۵۱ ، کنز العمال ۲۱۹۶۵

قنوت پڑھتے تھے اور جب جنگ نہ ہوتی تو قنوت پڑھنا چھوڑ دیتے تھے۔ (۱)

نماز میں قنوت کا مقام:

اس بارے میں کہ نماز میں کہاں قنوت پڑھا جائے حضرت عمرؓ سے مختلف روایات مروی ہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں اور وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا۔(۲) چنانچہ طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی اور آپ جب قراءت سے فارغ ہونے تو آپ نے اللہ اکبر کہا اور قنوت پڑھا اور پھر تکبیر کہی۔ (۳) اسود بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا۔(۴) عبدالرحمٰن بن ابزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب آپ سورت کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو آپ نے دوسری رکعت میں رکوع سے قبل اللّٰهم انّا نستعينك پڑھا۔(۵) عبید بن عمیر اور زید بن وہب سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے صبح کی نماز میں رکوع سے قبل قنوت پڑھا۔ (۶)

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے رکوع سے اٹھنے کے بعد قنوت پڑھا۔ (۷) چنانچہ ابورافع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی تو آپ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھا۔(۸)

اور ابوقتادہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھا۔ (۱) اور قتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے فجر کی نماز میں رکوع کے بعد قنوت پڑھا۔ پھر جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپ نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھا تاکہ لوگوں کو رکعت مل سکے۔ (۲)

(ج) قنوت میں کیا پڑھے:

حضرت عمرؓ سے قنوت کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَهْدِيْكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ كُلَّهٗ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ. اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ، نَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ الْجِدَّ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ (۱)

نیز آپ سے قنوت کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ كَفَرَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ اَوْلِيَاءَكَ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ وَاَنْزِلْ بِهِمْ بَاْسَكَ الَّذِيْ لَا تَرُدُّهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ (۲)

---

(۱) آثار ابی یوسف ۳۵۳، شرح معانی الآثار ۱/ ۲۵۱، کنز العمال نمبر ۲۱۹۴۵ (۲) المغنی ۲/ ۱۶۵، المجموع ۳/ ۵۲۰، ۴۸۶ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۰ ب، عبدالرزاق ۳/ ۱۰۹، ۱۱۵، شرح معانی الآثار ۱/ ۲۵۰ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۹۹ (۵) شرح معانی الآثار ۱/ ۲۵۰ (۶) کنز العمال نمبر ۲۱۹۶۷ (۷) المجموع ۳/ ۵۲۰، ۴۸۶، المحلی ۴/ ۱۴۱، المغنی ۲/ ۱۵۲ (۸) عبدالرزاق ۳/ ۱۱۰، ۱۱۵، المجموع ۳/ ۴۸۰

(۱) عبدالرزاق ۳/ ۱۱۵ (۲) عبدالرزاق ۳/ ۱۰۹ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۰۰، عبدالرزاق ۳/ ۱۱۰، شرح معانی الآثار ۱/ ۲۴۹، ۲۵۰، اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلی ۳/ ۱۱۰

آپ سے ان دونوں دعاؤں کا جمع کرنا بھی منقول ہے۔ (۱)
اور آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ کبھی یہ دُعا اتنی لمبی کرتے کہ اتنی دیر میں قاری قرآن کی سو آیات تلاوت کر سکتا۔ چنانچہ ابوعثمان نہدی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ صبح کی نماز میں اتنی دیر قنوت پڑھتے جتنی دیر میں انسان قرآن کی سو آیات تلاوت کر لے۔ (۲)

(د) دعائے قنوت بلند آواز سے پڑھنا اور ہاتھ اُوپر اُٹھانا:
حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ آپ دعائے قنوت پڑھتے وقت اپنے ہاتھ سینے تک بلند کرتے۔ (۳) اور بلند آواز سے پڑھتے۔ چنانچہ ابورافع نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھا، اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھائے اور دُعا بلند آواز سے پڑھی۔ (۴) اور ابورافع ہی نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی، آپ نے سورۂ احزاب کی تلاوت کی اور میں نے آخری صف میں کھڑے ہوتے آپ کے قنوت پڑھنے کی آواز سُنی۔ (۵) ابوعثمان نہدی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ ہمیں نماز پڑھاتے اور رکوع کے بعد قنوت پڑھتے اور فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے وقت ہاتھ بلند کرتے تو بازو نظر آجاتے اور آپ کی آواز مسجد کے باہر تک سنائی دیتی۔ (۶)

۱۵۔ نماز میں شک:
اگر نمازی کو نماز میں شک ہو جائے تو یا تو یہ شک نماز ختم ہونے کے بعد واقع ہوا ہوگا یا نماز ختم ہونے سے پہلے۔
اگر نماز ختم ہو جانے کے بعد شک ہوا تو وہ قابلِ التفات

(۱) سنن البیہقی ۲/ ۲۱۱، عبدالرزاق ۳/ ۱۱۰
(۲) المغنی ۲/ ۱۵۶ (۳) عبدالرزاق ۳/ ۱۱۲
(۴) المغنی ۲/ ۱۵۴، المجموع ۳/ ۴۸۷ (۵) المجموع ۳/ ۴۸۰
(۶) شرح معانی الآثار ۱/ ۲۵۰ (۷) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۰۰ ب

نہیں ہے اور اس شک کی بنا پر نماز کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسے شخص کے بارے میں جسے نماز میں شک ہو جائے فرمایا کہ نماز کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ (۱)
اور اگر نماز کے دوران میں شک واقع ہو جائے مثلاً رکعتوں کے بارے میں شک ہو جائے تو اس صُورت میں یقینی بات کو بنیاد بنا کر اس کے مطابق باقی ماندہ نماز پُوری کرے گا۔ چنانچہ اگر اُسے یہ شک ہو جائے کہ اُس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار پڑھی ہیں تو تین چونکہ یقینی ہیں لہٰذا چوتھی پڑھے گا۔ اور اگر یہ شک ہو کہ سُورہ فاتحہ پڑھی ہے یا نہیں تو فاتحہ پڑھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم شک میں مبتلا ہو جاؤ تو وہ صُورت اختیار کرو جس میں زیادہ عمل کرنا پڑے کمی والی صُورت والی اختیار نہ کرو۔

۱۶۔ نماز میں سہو اور سجدۂ سہو سے اس کی تلافی:
(و) نماز میں سہو:
۱۔ اگر امام سہو سے بچنے کیلئے اپنے پیچھے مقتدی کی جانب دیکھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نسیان سے خائف رہتے تھے اور جب نماز پڑھاتے تو ایک شخص مقرر کرتے اور اس کی جانب دیکھ لیتے کہ اگر وہ کھڑا ہوتا تو کھڑے ہو جاتے اور اگر وہ بیٹھتا تو بیٹھ جاتے۔ (۳)
۲۔ اگر نمازی پہلے قعدہ میں بیٹھنا بھول گیا تو اگر تیسری رکعت کی قرائت شروع نہیں کی ہے تو واپس قعدہ میں چلا جائے اور اگر قرائت شروع کر دی ہے تو قعدہ کی جانب نہ لوٹے اور نماز پڑھتا رہے اور بعد میں سجدہ سہو کرے۔ (۴)

(۱) عبدالرزاق ۲/ ۳۰۹ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۷، المجموع ۴/ ۴۳
(۳) ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۳ (۴) المغنی ۲/ ۲۴

۴- اگر نماز کا کوئی رکن ادا کرنا بھول گیا تو اس کی قضا اگلی رکعت میں اس کے مقام پر کرے اور بعد میں سجدہ سہو کرے، چنانچہ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے پہلی رکعت میں کچھ نہیں پڑھا لیکن دوسری رکعت میں آپ نے سورۂ فاتحہ دو مرتبہ پڑھی اور دو سورتیں پڑھیں۔ اور سلام سے پہلے دو سجدے کیے۔ (۱)

ب) سجدۂ سہو :

سجدۂ سہو سے مراد دو سجدے ہیں جو نماز کے سجدوں کی طرح ہوتے ہیں اور نماز کے آخر میں سلام سے پہلے کئے جاتے ہیں ۔ حضرت ابوہریرہؓ کی مذکورہ حدیث میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سلام سے پہلے دو سجدے کیے ۔

۱۷- نماز کا اعادہ :

حضرت عمرؓ اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ نمازی بلاوجہ نماز کا اعادہ کرے، چنانچہ خرشہ بن الحر سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ فرض نماز کے بعد اسی طرح کی نماز پڑھی جائے ۔ (۲) آپ فرماتے کہ نماز نہ دہرائی جائے ۔ (۳)

۱۸- نماز باجماعت :

(الف) نماز باجماعت کی فضیلت :

حضرت عمرؓ نماز باجماعت میں حاضری کے سلسلہ میں لوگوں کو ڈھیل نہیں دیتے تھے اور جو شخص اس میں سستی کرتا تو اسے سرزنش اور تنبیہ کرتے۔ حضرت عمرؓ نماز کے لیے تشریف لاتے پھر آپ نے لوگوں کی جانب رخ کیا اور مؤذن کو اقامت کا حکم دیا اور آپ

(۱) عبدالرزاق ۲/ ۱۲۳، ابن ابی شیبہ ۱/ ۶۲
(۲) عبدالرزاق ۲/ ۶۷، ابن ابی شیبہ ۱/ ۸۹
(۳) ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۶ ب

نے کہا کہ بخدا ہم نماز کے لیے کسی کا انتظار نہیں کریں گے۔ پھر جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ نے فرمایا، یہ کیسے لوگ ہیں جو نماز سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور اُن کے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی پیچھے رہ جاتے ہیں ۔ بخدا میں نے ارادہ کیا تھا کہ آدمی بھیجوں جو اُنہیں گردنوں سے پکڑ لائیں اور اُنہیں کہا جائے کہ نماز میں حاضر ہوا کرو ۔ (۱)

حضرت عمرؓ نماز کی جماعت میں نمازیوں کا جائزہ لیتے تھے اور اگر کوئی صاحب کئی بار غیر حاضر ہوتے تو آپ اُن سے ملاقات کے لیے جاتے اور اُن سے جماعت سے غیر حاضری کا سبب دریافت کرتے ۔ اُن کی راہنمائی کرتے اور موزوں نصیحت فرماتے اور اُس کی غیر حاضری کا سبب دُور کرنے میں مدد فرماتے ۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صبح کی نماز میں سلیمان بن ابی حثمہ کو نہیں پایا۔ بعد میں حضرت عمرؓ بازار گئے ۔ سلیمان بن ابی حثمہ کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان واقع تھا، حضرت عمرؓ کو سلیمان کی والدہ الشفاء مل گئیں ۔ آپ نے اُن سے دریافت کیا کہ میں نے صبح کی نماز میں سلیمان کو نہیں دیکھا ۔ اُنہوں نے بتایا کہ وہ پوری رات نماز پڑھتے رہے اور صبح کے وقت اُن کی آنکھ لگ گئی ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس بات کو کہ صبح کی نماز باجماعت پڑھوں اس سے کہیں زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ تمام رات نماز پڑھتا رہوں ۔ (۲) اور ایک مرتبہ آپ نے کہا کہ میں ساری رات نماز پڑھتے رہنے سے یہ زیادہ بہتر خیال کرتا ہوں کہ عشاء اور صبح کی نماز باجماعت ادا کروں ۔ (۳)

(۱) کنز العمال نمبر ۲۲۷۹۵ (۲) الموطا ۱/ ۱۳۱، کنز العمال ۲۲۷۹۶، کنز العمال میں ہے کہ نماز سے غیر حاضر رہنے والے اُن کے شوہر ابو حثمہ تھے ۔ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۵۱ ب

ایک مرتبہ آپ نے کئی روز تک صبح کی نماز میں ایک صاحب کو نہیں پایا تو آپ نے اُنہیں بلوایا۔ وہ آئے تو آن سے دریافت کیا کہ تم کہاں تھے؟ انہوں نے کہا کہ میں بیمار تھا اور اگر آپ کا قاصد بلانے نہ آتا تو میں آج بھی نہ نکلتا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم کسی کے بلانے پر آ سکتے ہو تو نماز کے لیے بھی آیا کرو۔(۱)

حضرت عمرؓ معذور لوگوں کا عذر دُور کرنے کے لیے ان کی کس طرح مدد فرمایا کرتے تھے: اس سلسلہ میں ابن سعد نے عبدالرحمٰن بن مسور بن مخرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ سعد بن یربوع کے گھر آئے اور اُن کی بینائی جاتے رہنے پر اُن سے تعزیت کی اور کہا کہ آپ مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جمعہ اور دیگر نمازیں نہ ترک کیجیے۔ اُنہوں نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو مسجد تک لے جائے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم لے جانے والا بھیج دیں گے اور حضرت عمرؓ نے قیدیوں میں سے ایک غلام کو اس فرض پر مامور کر دیا۔ (۲)

(ب) امام جماعت:

۱۔ امام کی شرائط: امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرد ہو۔ عورت مردوں کی امامت نہیں کر سکتی، بلکہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورت فرض یا نفل نماز میں عورتوں کی بھی امامت نہیں کر سکتی۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے عورتوں کے لیے ایک امام مقرر کر دیا تھا جو مسجد کے آخری حصہ میں اُنہیں تراویح پڑھاتا تھا۔ عروۃ بن الزبیر سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے رمضان میں لوگوں کے لیے قاری مقرر کیے تھے، حضرت ابی بن کعبؓ مردوں کو تراویح پڑھاتے تھے اور حضرت حثمہ عورتوں کو تراویح پڑھاتے تھے۔ (۳) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے سلیمان بن ابی حثمہ کو حکم دیا کہ رمضان کے مہینے میں مسجد کے ایک کونے میں عورتوں کی امامت کریں۔(۱) اگر عورت کے لیے عورت کا امام بننا درست ہوتا تو حضرت عمرؓ اُن کے لیے مرد امام مقرر نہ کرتے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کی یہ شدید خواہش تھی کہ مردوں اور عورتوں میں اختلاط نہ ہو۔

مرد کے لیے عورتوں کی امامت کرنا جائز ہے، خواہ صرف عورتیں ہی ہوں یا مرد اور عورتیں دونوں ہوں۔ جیسا کہ اُوپر بیان ہوا کہ حضرت عمرؓ نے سلیمان بن ابی حثمہ کو عورتوں کی امامت کرنے کا حکم دیا۔

امام کیلیے ایک شرط یہ ہے کہ وہ بالغ ہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ بالغ کے سوا کوئی ہماری امامت نہ کرے۔ (۲) اور یہی مستحب ہے کہ امام بینا ہو۔ حضرت عمرؓ، نابینا کی امامت کو مکروہ خیال کرتے تھے، کیونکہ ممکن ہے اُس کا رُخ قبلہ کی جانب نہ رہے اور اس کو پتہ نہ چلے۔ چنانچہ غالب بن ہذیل سے مروی ہے کہ میں سعید بن جبیر کے ساتھ ایک مسجد میں داخل ہوا۔ سعید نے اُن کے ساتھ نماز پڑھی۔ اُن کا امام نابینا تھا، سب آپ سے ملامت کرنے لگے۔ سعید نے کہا اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نابینا کی امامت کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ (۳)

۲۔ امامت کا زیادہ حق دار: لوگوں میں امامت کا سب سے زیادہ حق دار امیر ہے۔ اور پھر وہ جسے امیر متعین کرے۔ حضرت عمرؓ کو جب برچھا مارا گیا تو آپ نے صہیب کو امام بنا کر آگے بڑھا دیا۔ (۴) پھر وہ شخص امامت کا زیادہ حق دار ہے جو کتاب اللہ کا زیادہ قاری اور عالم ہو۔ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اوّلین

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۵۳، کنز العمال ۲۲۷۹۴ ۔
(۲) کنز العمال ۲۳۰۵۱ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۹۰

(۱) عبدالرزاق ۳/۱۵۱، المحلی ۳/۲۰۲ (۲) کنز العمال نمبر ۲۲۸۴۳
(۳) کنز العمال ۲۲۸۸۸ (۴) المحلی ۴/۲۰۸

مہاجرین جب مدینہ آئے تو قباء کے عصبہ نامی مقام پر اترے۔ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے تھے، اس وقت مسلمانوں کی امامت سالم مولیٰ ابوحذیفہ کرتے تھے، انہیں قرآن دوسروں سے زیادہ یاد تھا، درانحالیکہ اس وقت ان لوگوں میں حضرت عمرؓ بن الخطاب، ابوسلمہؓ بن عبدالاسد، زیدؓ بن ثابت اور عامر بن ربیعہ بھی موجود تھے۔ (۱)

اور نافع نے حضرت عمرؓ سے عسفان میں ملاقات کی۔ حضرت عمرؓ نے انہیں مکہ کا عامل مقرر کیا تھا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو سلام کیا تو حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کیا کہ وادی (مکہ) پر کس کو اپنا نائب مقرر کر کے آئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ابن ابزی کو۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ ابن ابزی کون ہے؟ نافع نے کہا کہ ہمارے موالی (آزاد کردہ غلاموں) میں سے ایک مولیٰ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم نے ان پر ایک مولیٰ کو اپنا نائب مقرر کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اے امیرالمومنین وہ کتاب اللہ کا قاری ہے اور فرائض کا عالم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر سچ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن سے کچھ لوگوں کو بلند کرتا ہے اور کچھ لوگوں کو گراتا ہے۔ (۲)

حج کے زمانہ میں مکہ سے باہر لوگ جمع تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ ایک شخص ابوالسائب نامی جس کی زبان عجمی تھی آگے بڑھا، مسور بن مخرمہ نے اسے پیچھے ہٹا دیا اور ایک اور شخص کو آگے بڑھایا۔ حضرت عمرؓ کو یہ خبر پہنچ گئی مگر آپ نے مسور سے کچھ نہیں پوچھا، یہاں تک کہ مدینہ منورہ واپس پہنچ گئے۔ مدینہ پہنچ کر حضرت عمرؓ نے مسور سے اس واقعہ کے بارے میں دریافت کیا تو مسور نے کہا یا امیرالمومنین آپ میری بات تسلیم کریں گے۔ حج کا موقعہ تھا اور یہ شخص عجمی تھا، مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ بعض حجاج اس کا عجمی لب ولہجہ سن کر اسے اختیار نہ کر لیں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ تم خود وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ جی ہاں! حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے درست کیا۔ (۱)

۳۔ امام کے آداب:

(و) امام کے لیے ضروری ہے کہ نماز اتنی لمبی نہ پڑھائے کہ پیچھے نماز پڑھنے والوں پر گراں گزرے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں کے دلوں میں اللہ سے دوری نہ پیدا کرو، اور وہ اس طرح کہ تم میں سے کوئی نماز پڑھانے کھڑا ہو تو اتنی لمبی نماز پڑھائے کہ لوگ نماز سے اکتا جائیں۔ (۲)

(ب) امام کو چاہیے کہ نمازیوں کو صفیں درست کرنے کی تاکید کرے اور صفیں درست کرنے کے لیے یا خود آگے بڑھے یا کسی دوسرے کو یہ فریضہ سپرد کرے۔ غرض جب تک صفیں درست نہ ہو جائیں نماز شروع نہ کرے۔

صفوں کے درست کرنے کی تاکید کے بارے میں علقمہ کا بیان ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھتے تو آپ فرماتے کہ صفیں سیدھی اور درست کر لو، تمہارے شانے باہم ملے ہوئے ہونے چاہئیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے درمیان شیطان چھوٹی چھوٹی بکریوں کی صورت میں گھس آئے۔ (۳)

رہا حضرت عمرؓ کا براہ راست صفوں کو درست کرنا، اس کے بارے میں ابوعثمان نہدی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے زیادہ کسی کو صفوں کی درستگی کا خیال رکھنے والا نہیں دیکھا، یہاں

---

(۱) البخاری، صلاۃ الجماعۃ، باب امامۃ العبد والمولی، سنن ابوداؤد ۵۸۸، الصلاۃ، باب الاحق بالامامۃ۔

(۱) سنن البیہقی ۸۹/۱، کنز العمال ۲۲۸۳۸ (۲) کنز العمال ۲۲۹۲۰ (۳) عبدالرزاق ۴۶/۲، آثار ابی یوسف/ ۱۵۹

تک کہ جب آپ قبلہ رو ہو جاتے اور ہم سمجھتے کہ اب آپ تکبیر کہیں گے تو آپ پلٹ جاتے اور شانوں اور پیروں کی جانب نظر کرتے۔ آپ کچھ لوگوں کو مقرر بھی کرتے تھے جو لوگوں کو لا کر صفوں میں شامل کرتے تھے۔ (۱) اور حضرت عمرؓ صفوں کو درست کرنے کی تاکید کرتے اور نام لے لے کر کہتے کہ اے فلاں آگے ہو جاؤ اور اے فلاں آگے ہو جاؤ۔ (۲)

صفوں کی درستگی کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا بعض لوگوں سے مدد لینا: نافع مولیٰ ابنِ عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ ایک شخص کو بھیجتے تھے جو صفیں درست کرواتا تھا اور حضرت عمرؓ اُس وقت تک تکبیر نہ کہتے جب تک وہ آپ کو آکر بتلا نہ دیتا کہ صفیں درست ہو گئی ہیں۔ (۳) ابو عثمان نہدی بھی انہی لوگوں میں سے ایک ہیں جنہیں حضرت عمرؓ یہ فریضہ سپرد کرتے تھے۔ (۴) اور یہ صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جن کے پاؤں پر نماز پڑھتے ہوئے صف کی درستگی کے لیے حضرت عمرؓ نے مارا تھا۔ (۵)

(ج) امام کو چاہیے کہ صفوں کی تنظیم اس انداز سے کرے کہ پہلے مردوں کی صفیں ہوں، پھر بچوں کی اور پھر عورتوں کی۔ حضرت عمرؓ نماز کی اگلی صف میں کسی بچے کو دیکھتے تو اُسے باہر نکال دیتے تھے۔ (۶)

(د) فرض نماز میں سلام کے بعد فوراً اُٹھ کھڑا ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سلام کے بعد امام کا بیٹھا رہنا بدعت ہے۔ (۷)

(ھ) اگر امام کو حدث لاحق ہو جائے تو نمازیوں میں سے کسی کو اپنا نائب بنا دے جو مقتدیوں کو باقیماندہ نماز پڑھائے۔ چنانچہ محمد بن حارث بن ابی ضرار سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ کو نکسیر آ گئی۔ آپ نے ایک شخص کا ہاتھ پکڑا اور آپ سے آگے کر دیا۔ پھر آپ گئے وضو کیا اور بغیر بات کیے اپنی باقی نماز پڑھی۔(۱) اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے نماز پڑھائی۔ جب پہلی دو رکعتوں میں بیٹھے تو دیر تک بیٹھے رہے۔ پھر جب کھڑے ہوئے تو پیچھے ہٹ گئے اور لوگوں میں سے ایک شخص کا ہاتھ پکڑ کر آگے کھڑا کر دیا۔ بعد ازاں جب آپ عصر کی نماز پڑھانے آئے تو نماز سے فارغ ہو کر منبر کے کنارے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! میں نے نماز کے لیے وضو کیا ازاں بعد میں اپنے اہلِ خانہ کے پاس گیا تو جو خدا نے چاہا وہ ہوا۔ پھر جب میں نماز پڑھا رہا تھا تو میں نے نمی محسوس کی تو میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یا تو میں تم سے شرم کروں اور اللہ کی بارگاہ میں جسارت کروں یا اللہ سے شرم کروں اور تمہارے سامنے جسارت کروں؛ چنانچہ میں نے یہی پسند کیا کہ میں تمہارے سامنے جسارت کروں، لیکن اللہ کی بارگاہ میں حیا ہی اختیار کروں، لہٰذا میں گیا، وضو کیا اور نماز دہرائی۔ اب اگر کسی کے ساتھ اس طرح کی صورت پیش آ جائے تو وہ بھی اسی طرح کرے جس طرح میں نے کیا ہے۔ (۲)

(ج) مقتدی:

۱۔ مسجد میں عورت کی نماز: شوہر کے لیے یا کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرے۔ حضرت عمرؓ کی بیوی عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل مسجد میں نماز کے لیے جاتیں تو حضرت عمرؓ اُن سے کہتے کہ قسم بخدا تمہیں معلوم ہے کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے تو وہ جواب میں کہتیں:

---

(۱) ابنِ ابی شیبہ ۱/۵۴، سنن البیہقی ۲/۱۱۳ (۲) کنز العمال ۲۲۹۹۳
(۳) عبدالرزاق ۲/۴۷، الموطا ۱/۱۵۸، المحلی ۴/۵۸، ۱۱۵
(۴) ابنِ ابی شیبہ ۱/۵۴ (۵) المحلی ۴/۵۸ (۶) ابنِ ابی شیبہ ۱/۹۴ (۷) ابنِ ابی شیبہ ۱/۴۶ ب

---

(۱) کنز العمال ۲۳۰۴۵
(۲) سنن البیہقی ۲/۱۱۴، المغنی ۲/۱۰۲

قسم بخدا میں اُس وقت تک مسجد جانا ترک نہیں کروں گی جب تک آپ منع نہیں کر دیں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ فرماتے نہیں قسم بخدا میں تمہیں منع نہیں کروں گا۔[1] اس لیے کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کیا کرتے تھے کہ اگر تمہاری عورتیں تم سے نماز کے لیے مسجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو انہیں منع نہ کرو۔ (۲)

۲۔ مقتدیوں کی صفیں :

(و) صفوں کی ترتیب :

سب سے آگے مردوں کی صفیں ہوں، پھر بچوں کی اور پھر عورتوں کی۔ حضرت عمرؓ مردوں کی صف میں کسی بچے کو کھڑا ہوا دیکھتے تو اُسے نکال دیتے تھے۔ (۳)

ب) صفوں کی درستگی :

مقتدیوں پر لازم ہے کہ اپنی صفیں درست کریں اور ہر نمازی دوسرے نمازی کے برابر اس طرح کھڑا ہو کہ دونوں کے شانے اور پاؤں باہم ملے ہوئے ہوں۔ ابو عثمان نہدی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ جب نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھتے تھے تو شانوں اور قدموں کی جانب نظر کیا کرتے تھے۔[4]

ج) اگر مقتدی صرف ایک ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہو :

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس آیا جب کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے تو آ کر آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھے اپنی دائیں جانب کر لیا۔[5] اگر دورانِ نماز پہلے مقتدی کے ساتھ دوسرا مقتدی آ ملے تو پہلا مقتدی پیچھے ہٹ آئے اور دونوں امام کے پیچھے کھڑے ہو جائیں۔ (۱) حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد عبداللہ نے بیان کیا کہ میں دوپہر کے وقت حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں، لہٰذا میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اس پر آپ نے مجھے اپنے قریب کیا اور دائیں جانب اپنے برابر کھڑا کر لیا۔ پھر یرفاء بھی آ گئے تو میں پیچھے ہو گیا اور ہم دونوں نے آپ کے پیچھے صف بنائی۔ اور ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے دو افراد کو نماز پڑھائی تو دونوں کو اپنے پیچھے کھڑا کیا۔ (۲)

(د) مستحب یہ ہے کہ امام کے عین پیچھے صالح لوگ کھڑے ہوں تاکہ اگر امام کسی کو اپنا قائم مقام بنانا چاہے تو بنا سکے، چنانچہ ابو عثمان نہدی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ صفیں درست کرنے کی تاکید کرتے اور کہتے اے فلاں تم آگے آ جاؤ اور اے فلاں تم پیچھے چلے جاؤ۔ سفیان نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ صالحین کو آگے کھڑا کرتے تھے اور باقی لوگوں کو پیچھے کر دیا کرتے تھے۔ (۴)

۳۔ صحت اقتداء کی شرائط :

اقتدا کی صحت کے لیے حسب ذیل شرائط ہیں۔

(و) امام مقتدیوں کے آگے کھڑا ہو۔ اس بات کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جہاں ہم نے مقتدیوں کی صف بندی کے بارے میں گفتگو کی ہے۔

(ب) امام اور مقتدیوں کے درمیان کوئی چیز مثلاً راستہ، نہر یا دیوار وغیرہ حائل نہ ہو جس کی وجہ سے مقتدیوں پر امام کی حرکات

۱۳۹/۲، ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۶ب، مسند احمد ۱/۴۰

(۲) مسند الامام احمد ۱/۴۰ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۶۳

(۴) ابن ابی شیبہ ۱/۵۴ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/۷۴ ب

(۱) المغنی ۲/۲۱۴، الاعتبار ۱۰۸ (۲) الموطاء ۱/۱۵۴، عبدالرزاق ۲/۱۰۴، ابن ابی شیبہ ۱/۷۴ ب، سنن البیہقی ۳/۹۶

(۳) آثار ابی یوسف ۲۵۳، (۴) عبدالرزاق ۲/۵۲

مشتبہ ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان راستہ یا نہر یا دیوار حائل ہو تو ایسی صورت میں مقتدی امام کے ساتھ نہیں ہیں۔ (۱)

) امام کی نیت اور مقتدی کی نیت کا ایک جیسا ہونا شرط نہیں ہے یعنی فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز پڑھ سکتا ہے۔ عمار عنزی نے روایت کیا ہے کہ کسکر میں حضرت عمرؓ کا ایک عامل تھا۔ وہ لوگوں کو دو رکعتیں پڑھاتا اور سلام پھیر دیتا۔ پھر دو رکعتیں پڑھاتا اور سلام پھیر دیتا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو آپ نے دریافت احوال کے لیے اُسے لکھا۔ اُس نے جواباً تحریر کیا کہ میں گھر والوں سے دُور مسافر ہوں اور دشمن کے بالمقابل (جنگ میں) بھی نہیں ہوں، اس لیے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ میں لوگوں کو پہلے دو رکعتیں پڑھاؤں (جو میری اور مقتدیوں کی فرض نماز ہو) اور سلام پھیر دوں اور پھر دو رکعتیں پڑھاؤں (جو میرے لیے نفل اور مقتدیوں کی فرض نماز ہو) ـــــــــ اور اس طرح مقتدیوں کے چار فرض پُورے ہو جائیں) اس پر حضرت عمرؓ نے اُنہیں لکھا کہ آپ نے اچھا کیا۔ (۲)

۳۔ مقتدی کا امام سے پہلے کوئی عمل کرنا :

مقتدی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ نماز کے کسی عمل میں وہ امام پر پہل کرے یعنی رکوع یا سجدہ یا قیام وغیرہ امام سے پہلے کرے۔ اگر مقتدی کوئی ایسی حرکت کر گزرے تو اُسے چاہیے کہ لوٹ جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے میں سر اٹھالے تو اُسے چاہیے کہ اُس نے جتنا سر اٹھایا تھا اُتنا ہی جھکائے۔ (۱)

۴۔ نماز میں مسبوق (بعد میں شامل ہونے والا)

(و) اگر مسبوق نماز میں امام کے ساتھ رکوع سے پہلے آ کر مل گیا تو اُس نے رکعت پالی اور رکوع کے بعد شامل ہوا تو اُس کی رکعت جاتی رہی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تمہارا رکوع جاتا رہا تو تمہارا سجدہ بھی جاتا رہا۔ (۲)

(ب) حضرت عمرؓ کے نزدیک مسبوق کو امام کے ساتھ جو رکعتیں ملتی ہیں وہ اُس کی پہلی نماز ہے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد جو نماز پڑھتا ہے وہ اُس کی آخری نماز ہے۔ (۳) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ امام کی نماز کے ساتھ تمہیں جتنا حصہ نماز کا مل جائے اُسے اپنی پہلی نماز بنا لو۔ (۴) اس پر یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ اگر مسبوق امام کے ساتھ ایسی رکعت میں شامل ہوا جس میں امام نے قنوت پڑھا اور اُس نے امام کے ساتھ قنوت پڑھ لیا تو جب اس رکعت میں پہنچے جس میں قنوت پڑھا جاتا ہے تو قنوت کا اعادہ کرے۔ کیونکہ امام کے ساتھ اُس نے جو عمل کیا ہے وہ محض امام کی متابعت میں کیا ہے۔ اسی طرح اگر اُس نے امام کے ساتھ تشہد پڑھ لیا اور پھر باقی نماز پڑھی تو پھر تشہد کا اعادہ کرے۔

جب امام سلام پھیرے اور مقتدیوں میں مسبوق بھی ہوں جو اپنی نماز پُوری کرنے کے لیے کھڑے ہوں تو اگر وہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو باقی نماز کی امامت کے لیے آگے کر لیں اور باقی نمازی اس کی اقتداء کریں تو جائز ہے۔ (۵)

۵۔ سہو میں امام کی متابعت : مقتدی پر لازم ہے کہ سہو میں امام

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۹۱، عبدالرزاق ۲/۸۲، المحلی ۴/۵۸

۵/۷۸، کنز العمال ۲۲۹۱۳

(۲) المحلی ۴/۲۲۵

(۱) عبدالرزاق ۲/۳۷۵، ابن ابی شیبہ ۱/۹۹ ب، المحلی ۴/۶۲، المغنی ۱/۵۲۷ (۲) الموطا ۱/۱۶ (۳) المجموع ۴/۱۱۹

(۴) ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۱ (۵) المجموع ۴/۱۴۳

کی متابعت کرے ۔ چنانچہ مضر بن عاصم لیثی سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب قعدہ میں بیٹھنا بھول گئے ۔ لوگوں نے سبحان اللہ کہا تو حضرت عمرؓ نے بھی سبحان اللہ کہا یعنی یہ کہ کھڑے ہو جاؤ۔ (۱)

۶۔ مقتدی کی امام کے پیچھے قرائت : امام کے پیچھے مقتدی کی قرائت کرنے کے بارے میں حضرت عمرؓ سے مختلف روایات مروی ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھے نہ فاتحہ اور نہ کوئی اور سورت ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ امام کی قرائت مقتدی کے لیے کافی ہے ۔ (۲) محمد بن عجلان سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا : میں پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرائت کرے اس کے منہ میں پتھر بھر جائیں ۔ (۳) ابو اسحاق شیبانی نے کسی شخص سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم امام کے پیچھے قرائت نہ کریں ۔ (۴)

دوسری روایت یہ ہے کہ مقتدی پر امام کے پیچھے بھی قرائت لازم ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری ۔ (۵) حارث بن سوید اور یزید تیمی سے مروی ہے کہ ہمیں حضرت عمرؓ نے امام کے پیچھے قرائت کرنے کا حکم دیا ۔ (۶) یزید بن شریک بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا میں امام کے پیچھے قرائت کروں ، حضرت عمرؓ نے فرمایا : ہاں ۔ میں نے پوچھا کہ خواہ اے امیر المومنین آپ بلند آواز سے پڑھ رہے ہوں ۔ آپ نے جواب دیا : ہاں ! خواہ میں بلند آواز سے قرائت کر رہا ہوں ۔ (۷)

(۱) المغنی ۲/ ۲۵ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۷ ب (۳) کنز العمال ۲۲۹۴۰ (۴) عبد الرزاق ۲/ ۱۳۸ (۵) عبد الرزاق ۲/ ۱۳۸ (۵) المجموع ۳/ ۳۶۴ (۶) کنز العمال ۲۲۹۳۸ (۷) عبد الرزاق ۲/ ۱۳۱ ، ابن ابی شیبہ ۱/ ۵۷ ، المحلی ۳/ ۲۳۷ ، کنز العمال ۲۲۹۳۷

اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ اور قرآن کی کم از کم دو آیتوں کے بغیر نماز نہیں ہوتی ۔ اگر تم امام کے پیچھے ہو تو اپنے دل میں پڑھ لو ۔ (۱)

۷۔ اگر مسجد میں نمازی اس قدر زیادہ ہوں کہ سجدہ کی جگہ نہ رہے تو یہ جائز ہے کہ مقتدی اپنے آگے والے شخص کی پشت پر سجدہ کرلے ۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ ہم سب مہاجرین و انصار نے مل کر یہ مسجد بنائی ہے ۔ اگر اس میں ہجوم زیادہ ہو جائے تو اپنے سے آگے والے بھائی کی پشت پر سجدہ کرلو ۔ (۲)

۸۔ اور اگر باوضو مقتدی نے امام کے پیچھے نماز پڑھی ۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ امام غیر طاہر تھا اور مقتدی کو دوران نماز پتہ نہ تھا تو مقتدی کی نماز ہو گئی اور امام پر اپنی نماز کا اعادہ لازم ہے ۔ (۳)

(د) صلاۃ / ۲ / و)

۱۹۔ نمازِ جمعہ :

(۱) جمعہ کے دن غسل :

جمعہ کے روز نماز جمعہ کے لیے غسل واجب ہے ، کیونکہ جمعہ میں لوگ جمع ہوتے ہیں لہٰذا مسلمان کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ صاف ستھرا ہو کر مسجد میں جائے ۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے کہ مہاجرین اوّل میں سے ایک صاحب مسجد میں داخل ہوئے ۔ یہ حضرت عثمانؓ تھے ۔ حضرت عمرؓ نے

(۱) المحلی ۳/ ۲۴۳ (۲) مسند احمد ۱/ ۳۲ ، سنن البیہقی ۳/ ۱۸۲ ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۴۱ ، المحلی ۴/ ۸۴ ، المجموع ۴/ ۳۶۴ ، المغنی ۲/ ۳۱۴ (۳) المجموع ۴/ ۱۵۹ ،

اُنہیں آواز دی اور پوچھا کہ یہ کیا وقت ہے ؛ اُنہوں نے کہا کہ مَیں آج مصروف رہا اور گھر اُس وقت پہنچا جب آذان کی آواز آگئی تو مَیں صرف اتنا کر سکا کہ وضو کر لوں ۔حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اور صرف وضو، یہ دوسری غلطی ہے ۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے ۔ (۱) لیکن ابنِ جریر نے تہذیب الآثار میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ جمعہ کے روز غسل کرنا افضل ہے اور اگر کوئی شخص وضو کر لے تو یہ بھی اچھا اور درست ہے ۔ (۲) مَیں کہتا ہوں کہ صحیح یہی ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک جمعہ کے دن غسل واجب ہے ۔

(ب) نمازِ جمعہ کے لیے خوشبو لگانا :

حضرت عمرؓ صرف غسل پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ حضرت عمرؓ نمازِ جمعہ کو جاتے وقت اچھے کپڑے پہنتے اور خوشبو لگاتے تھے ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ جمعہ کے روز اپنے کپڑوں میں خوشبو لگاتے تھے ۔ (۳)

(ج) ایک ہی روز میں جمعہ اور عید کا جمع ہونا :

عید اور جمعہ اگر ایک ہی دن جمع ہو جائیں تو جس نے عید کی نماز امام کے ساتھ پڑھلی ہو اُس سے جمعہ کی حاضری ساقط ہو جائے گی ۔ (۳) حضرت عمرؓ نے عید کے روز خطبہ دیا اور فرمایا کہ آج کے دن تمہارے لیے دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں ، اہلِ عالیہ (بالائی مدینہ کے باشندوں) میں سے جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہے وہ جمعہ کا انتظار کرے اور جو واپس جانا چاہے وہ لوٹ جائے مَیں اُسے اجازت دیتا ہوں ۔ (۱)

(د) شہر اور قصبوں میں جمعہ کا قیام :

نمازِ جمعہ شہروں اور قصبوں میں قائم کی جانی چاہیے ۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے بحرین میں جمعہ کے بارے میں استفسار کیا تو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ تم جہاں بھی ہو جمعہ پڑھو ۔ (۲)

(ھ) جمعہ کا وقت :

جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کی نماز کا ہے ۔حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ مَیں جمعہ کے روز سویرے مسجد میں پہنچ گیا ، جب زوالِ آفتاب ہو گیا تب حضرت عمرؓ تشریف لائے اور منبر پہ بیٹھ گئے اور مؤذن نے اذان دینا شروع کر دی ۔ (۳) اور مالک بن عامر الاصبحی بیان کرتے ہیں کہ مَیں دیکھتا تھا کہ جمعہ کے روز حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کے لیے ایک چٹائی مسجد کی مغربی دیوار کے ساتھ بچھا دی جاتی تھی ، جب دیوار کا سایہ پوری چٹائی پر چھا جاتا تب حضرت عمرؓ باہر آتے اور نمازِ جمعہ پڑھاتے ۔ نمازِ جمعہ کے بعد جا کر ہم دوپہر کا قیلولہ کرتے ۔ (۴)

اور عبداللہ بن سیدان نے جو یہ روایت کیا ہے کہ مَیں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ جمعہ پڑھا ، آپ نے نماز اور خطبہ زوالِ شمس کے ساتھ پُورا کر لیا ۔ (۵) یہ روایت صحیح نہیں ہے ، کیونکہ ابنِ سیدان ضعیف راوی ہے ۔

---

(۱) البخاری ، باب فضل الجمعۃ ، مسلم ، الجمعۃ ، الموطا ۱/۱۰۱ ، ابوداؤد ۳۴۰ الطہارۃ ، ترمذی ۴۹۴ ، باب ماجاء فی الاغتسال یوم الجمعۃ ، السنن البیہقی ۱۸۹/۱ ، ۲۲۲/۳ ، المحلی ۹/۲ ، ابنِ ابی شیبہ ۷۵/۱ (۲) کنزالعمال ۲۳۳۷۴ (۳) کنزالعمال ۲۳۳۸ (۴) المغنی ۳۵۸/۲ ، ابنِ ابی شیبہ ۸۷/۱

(۱) کنزالعمال ۲۳۳۰۷ (۲) المحلی ۵۰/۵ ، ۵۲ ، المغنی ۳۳۱/۲ المجموع ۳۷۴/۴ ، ابنِ ابی شیبہ ۷۶/۱ (۳) عبدالرزاق ۱۷۵/۳ المحلی ۴۵/۵ (۴) الموطا ۱۳/۱ ، المحلی ۴۳/۵ (۵) عبدالرزاق ۱۷۵/۳ ، المحلی ۴۲/۵ ، المجموع ۳۸۲/۴ المغنی ۳۵۷/۲

(و) نماز جمعہ کے لیے جلد پہنچنا :

مسلمان پر واجب ہے کہ نماز جمعہ کے لیے تیزی سے جائے اور ضروری ہے کہ خطیب کے منبر پر پہنچنے سے پہلے مسجد میں موجود ہو تاکہ خطبہ کا کوئی حصہ فوت نہ ہو جائے اور اس فرمان پر عمل ہو جائے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (الجمعہ : ۹)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو)

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس آیت کو "فامضوا الی ذکر اللہ" کے الفاظ کے ساتھ تلاوت کرتے تھے کیونکہ نماز کے لیے جاتے وقت تیز دوڑنا منع ہے۔ (۱)

خطبہ دو رکعتوں کا قائم مقام ہے یعنی اصل میں جمعہ کی نماز میں ظہر کی نماز کی طرح چار رکعتیں ہی ہونی چاہیے تھیں مگر خطبہ کی وجہ سے نماز کی دو رکعتیں رہ گئیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خطبہ دو رکعتوں کا قائم مقام ہے۔ اگر کوئی شخص خطبہ نہ پائے تو وہ چار رکعتیں پڑھے۔ (۲) اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ پر جب وہ تاخیر سے پہنچے تھے تو ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا کیونکہ وہ ایسے وقت پہنچے تھے کہ خطبے کا کچھ حصہ فوت ہو گیا تھا اور کہا تھا کہ یہ کون سا وقت ہے، یعنی آپ بہت تاخیر سے آئے ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ کیا آپ نماز سے بھی روک دیے جاتے ہیں، حالانکہ حضرت عثمانؓ نماز سے پیچھے نہیں رہے تھے بلکہ خطبہ میں تاخیر سے پہنچے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے خطبہ میں تاخیر سے آنے کو نماز میں تاخیر سے آنا قرار دیا۔ (۱)

مسافر پر نماز جمعہ کے لیے سعی کرنا واجب نہیں ہے۔

(د۔ سفر ۱۰/ج)

(ذ) جمعہ کا خطبہ :

۱۔ خطبہ جمعہ سے متعلق خطیب کے آداب :

(ا) حضرت عمرؓ جب منبر پر تشریف لاتے تو لوگوں کی طرف منہ کر کے السلام علیکم کہتے۔ (۲)

(ب) ازاں بعد خطیب بیٹھ جائے اور مؤذن اس کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دے پھر خطیب کھڑے ہو کر خطبہ دے۔ عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جمعہ کے دن منبر پر بیٹھا نہیں کرتے تھے۔ سب سے پہلے جس نے بیٹھ کر خطبہ دیا وہ حضرت معاویہ ہیں۔ (۳)

(ج) خطبہ میں کچھ حصہ قرآن کریم کا تلاوت کرے، حضرت عمرؓ خطبہ جمعہ میں 'اذا الشمس کورت' تلاوت کیا کرتے تھے اور 'علمت نفس ما احضرت' پر ختم کر دیتے تھے۔ (۴)

اگر خطیب منبر پر سجدہ والی سورت تلاوت کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اتر کر سجدہ کرے اور یہ بھی جائز کہ (اس وقت) سجدہ نہ کرے۔ (د۔ سجدۂ تلاوت ۲ ب ۱)

حضرت عمرؓ کے اکثر خطبات کتابوں میں درج ہیں بطور نمونہ

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۷۹، ۸۰، عبدالرزاق ۲/۲۳۷، المحلی ۵/۵۸، ۷۲، المغنی ۲/۳۰۳، المجموع ۴/۲۲۲

(۱) عبدالرزاق ۳/۱۹۳، ابن ابی شیبہ ۱/۷۸، المغنی ۲/۲۹۷، ۳۰۵، المحلی ۵/۵۷ (۲) عبدالرزاق ۳/۱۸۷ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۷۷ب (۴) سنن البیہقی ۳/۲۱۱

ہم آپ کے ایک خطبہ کا کچھ حصّہ نقل کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ:

"وہ شخص فلاح پاگیا جو خواہشات نفس، لالچ اور غصّے سے بچ گیا۔ کسی بات میں جو سچ سے کم ہو کوئی خیر نہیں ہے۔ جس نے جھوٹ بولا گناہ کیا اور جس نے گناہ کیا ہلاک ہوا، خود کو گناہ سے بچاؤ، وہ کیا گناہ کرے جو مٹی سے بنا ہے اور دوبارہ مٹی ہو جائے گا۔ جو آج زندہ ہے کل مرجائے گا۔ روز کا کام اسی روز کرو اور مظلوم کی بد دعا سے بچو اور اپنے آپ کو مرے ہوؤں میں شمار کرو" (۱)

(د) خطیب کے لیے منبر پر بیٹھنے کے بعد عام گفتگو مکروہ نہیں ہے، چنانچہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے دوران خطبہ حضرت عثمانؓ سے اُن کے دیر سے آنے اور بغیر غسل کیے آنے پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا اور ایک مرتبہ جمعہ کے روز آپ منبر پر تھے کہ آپ نے ایک شخص سے کہا: کیا یہ تم نے ہمارے لیے خریدا ہے بلکیا تم یہ ہمارے لیے لے کر آئے ہو؟ اور آپ نے اپنی انگلیوں کے پوروں سے اشارہ کیا جس سے آپ کی مراد غلّہ تھا۔

(۲) جمعہ کا خطبہ سُننے والے کے آداب:

امام کے منبر پر چڑھنے کے بعد حاضرین مسجد کے لیے کسی قسم کی نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتّہ آپس میں بات کرنا مباح ہے، لیکن جب مؤذن اذان دے چکے اور خطیب (خطبہ کے لیے) کھڑا ہو جائے تو کسی کے لیے بات کرنا جائز نہیں ہے۔ ثعلبہ بن مالک قرظی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جمعہ کے دن لوگ حضرت عمرؓ کے باہر آنے تک نماز پڑھتے رہتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ آجاتے اور منبر پر بیٹھ جاتے اور مؤذن اذان دینے

(۱) سنن البیہقی ۳/ ۳۱۵ (۲) عبدالرزاق ۳/ ۲۱۵، ۲۱۶، المحلی ۵/ ۶۲

والا ہوتا تو اس دوران آپس میں باتیں کر لیتے لیکن مؤذن کے اذان سے فارغ ہونے اور حضرت عمرؓ کے خطبہ شروع کرنے کے ساتھ ہی سب لوگ یکسر خاموش ہو جاتے اور کوئی بات نہ کرتا۔ ابن شہاب زہری اس کی تاکید کے طور پر فرماتے ہیں کہ امام کے آجانے سے نماز کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور امام کے خطبہ شروع کرنے سے گفتگو کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ (۱) نیز حضرت عمرؓ نے دو آدمیوں کو جمعہ کے دن خطبہ کے دوران بات کرتے دیکھا تو انہیں تنبیہ کرنے کے لیے اُن کی طرف کنکری پھینکی۔ (۲)

(ح) نمازِ جمعہ:

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد خطیب منبر سے اُترے اور لوگوں کو فجر کی نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھائے لیکن ان میں دعائے قنوت نہ پڑھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ عید الضحیٰ کی نماز دو رکعتیں ہیں اور عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ مسافر کی نماز کی دو رکعتیں ہیں اور جمعہ کی نماز کی دو رکعتیں ہیں اور یہ سب نمازیں اسی طرح پُوری ہیں، قصر نہیں ہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (۳)

(۲۰) نفل نمازیں:

(ا) نوافل سے مراد ہر وہ نماز ہے جو ایک مسلمان فرض نماز کے علاوہ ادا کرے۔

(ب) نفل نماز کے عام احکام:

۱۔ مسلمان کے لیے جائز ہے کہ ایک رکعت نفل پڑھے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک سے زائد رکعتیں پڑھے۔ حضرت عمرؓ مسجد میں آئے ایک رکعت نماز پڑھی اور باہر نکل گئے۔ کسی نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ نفل نماز تھی۔ نفل نماز میں اجازت ہے کہ جو

(۱) الموطا ۱/ ۱۰۳، السنن البیہقی ۳/ ۱۹۲، المغنی ۲/ ۳۲۴ (۲) کنز العمال ۱۹/ ۲۳۳ (۳) نسائی ۳/ ۱۱۱، سنن البیہقی ۳/ ۱۹۹

زیادہ پڑھنا چاہے وہ زیادہ پڑھے اور جو کم پڑھنا چاہے وہ کم پڑھے۔ مگر اس (ایک رکعت) کو دستور بنالینا مکروہ ہے۔ (۱)

۲۔ نفل نماز منفرداً پڑھنا بھی جائز ہے اور جماعت کے ساتھ بھی۔ چنانچہ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ میں دوپہر کے وقت حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو آپ نماز پڑھ رہے تھے میں آپ کے پیچھے کھڑا ہوگیا، آپ نے مجھے قریب کر کے اپنے دائیں جانب کھڑا کرلیا۔ جب یرفا آگئے تو میں پیچھے ہٹ گیا اور ہم نے پیچھے صف بنالی۔ (۲)

۳۔ نفل نماز آدمی گھر میں بھی پڑھ سکتا ہے اور مسجد میں بھی لیکن نفل نماز گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے۔ حضرت عمرؓ سے کچھ لوگوں نے گھر میں نفل نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ گھر میں نفل نماز پڑھنا نور ہے تو جس کا جی چاہے اپنے گھر کو منور کرے۔ (۳)

۴۔ فرض نماز کی جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد نفل نماز نہ پڑھے۔

(دیکھئے صلاۃ / ۱۰ و ۳)

۵۔ سفر میں نفل نہ پڑھے۔ (دیکھئے سفر / ۱۰ ھ)

(ج) نوافل کی قسمیں:

نوافل کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: وہ نوافل جو مقررہ اوقات پر پڑھے جاتے ہیں، مثلاً فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جانے والی سنتیں، تہجد کی نماز، چاشت کے نوافل اور نماز تراویح اور عیدین کی نمازیں۔

(۱) عبدالرزاق ۳/ ۲۲، ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۲، سنن البیہقی ۳/ ۲۴، المغنی ۲/ ۱۲۵، ۹ / ۱۱

(۲) الموطا ۱/ ۱۵۴، ابن ابی شیبہ ۱/ ۷۴

(۳) عبدالرزاق ۱/ ۲۵۷، مسند احمد

دوسری قسم: وہ نوافل جو کسی سبب کی بنا پر پڑھے جاتے ہیں۔ جیسے صلاۃ الکسوف، صلاۃ استسقاء، تحیۃ المسجد اور سنت طواف۔

تیسری قسم: نوافل مطلقہ مثلاً ظہر اور عصر کے درمیان پڑھے جانے والے نوافل یا مثلاً کوئی اپنی پڑھی ہوئی فرض نماز کو دوبارہ پڑھے۔

۱۔ سنن رواتب:

سنن رواتب سے مراد وہ سنتیں ہیں جو فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں جیسے صبح سے پہلے دو رکعتیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ فجر سے پہلے کی دو رکعتیں میرے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہیں۔ (۱) اور ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں۔ عوف بن عبداللہ نے اپنے والد عبداللہ سے روایت کیا: عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ظہر سے قبل چار رکعتیں حضرت عمرؓ کے ساتھ اُن کے گھر میں پڑھیں۔ (۲) اور آپ نے ظہر سے قبل کی چار رکعتوں میں سورۂ قٓ پڑھی۔

نماز مغرب سے پہلے کی دو رکعتیں باقاعدہ پڑھی جانے والی سنتیں نہیں ہیں۔ عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ روایت درج کی ہے کہ آپ مغرب سے پہلے دو رکعتیں نہیں پڑھتے تھے۔ (۳)

۲۔ عیدین کی نماز:

(ا) نماز عید، عیدگاہ میں ادا کرنا، اِلا یہ کہ کوئی عذر ہو:

اصل یہ ہے کہ نماز عید یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز شہر سے باہر ایسی جگہ ادا کی جائے کہ تمام نمازی ایک ہی کھلے میدان میں جمع ہوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے ان نمازوں میں سب مردوں اور عورتوں کو شریک ہونا چاہیے لیکن اگر کوئی ایسی بات پیش آجائے جس کی وجہ سے

(۱) نیل الاوطار ۳/ ۹۰، ابن ابی شیبہ ۱/ ۹۳، عبدالرزاق ۳/ ۵۷

(۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۸۸ ب، عبدالرزاق ۲/ ۶۸

عیدگاہ میں نماز پڑھنا مشکل ہو جائے مثلاً بارش وغیرہ تو مسجد میں نماز پڑھ لیں کہ اس میں زیادہ سہولت ہے اور یہ دین آسان ہے اس میں تنگی نہیں ہے۔ عبداللہ بن عامر سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک مرتبہ بارش ہو گئی اور لوگ عیدگاہ نہ جا سکے تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد حضرت عمرؓ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ عیدگاہ میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے، اس میں اُن کے لیے سہولت تھی کیونکہ میدان میں سب لوگ سما جاتے تھے اور مسجد ناکافی ہوا کرتی تھی، لیکن اگر بارش ہو تو مسجد ہی میں نماز پڑھنے میں سہولت ہے۔ (۱)

ب) نمازِ عید کے لیے پیدل جانا :

عید کی نماز کے لیے پیدل جانا مستحب ہے۔ حضرت عمرؓ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن نماز کے لیے پیدل جاتے تھے۔ (۲)

ج) نمازِ عید کے لیے اذان اور اقامت :

جب امام مسجد میں پہنچ جائے تو لوگ اذان و اقامت کے بغیر عید کی نماز باجماعت پڑھنے کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے عید کی نماز اذان اور اقامت کے بغیر پڑھی۔ (۳)

د) نمازِ عید کی کیفیت :

نمازِ عید کی دو رکعتیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ عید اضحیٰ کی نماز کی دو رکعتیں ہیں، عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ان نمازوں کی دو رکعت ہی پوری نماز ہے یعنی ان میں دو رکعت قصر کی بنا پر

(۱) سنن البیہقی ۳/۳۱۰، المحلی ۵/۸۷، المجموع ۵/۵

(۲) ابن ابی شیبہ ۱/۸۴

(۳) عبدالرزاق ۳/۲۷۸، مسندِ احمد ۱/۳۲، المجموع ۵/۱۷

نہیں ہیں۔ (۱) اس میں رکوع کی تکبیر کے علاوہ بارہ تکبیریں زائد ہوں گی۔ سات تکبیریں پہلی رکعت میں اور پانچ تکبیریں دوسری رکعت میں۔ حضرت عمرؓ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں کہتے تھے۔ سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں(۲) اور ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھائے جائیں۔ (۳) اور فاتحہ اور سورت با آواز بلند پڑھے(۴) حضرت عمرؓ عید کی نمازوں میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور "ھل اتاک حدیث الغاشیۃ" پڑھتے تھے۔ اور ایک مرتبہ آپ نے قٓ والقرآن المجید اور اقتربت الساعۃ وانشق القمر پڑھیں(۵)۔

نمازِ عید کے بعد امام عید کا خطبہ دے۔ حضرت عمرؓ عید کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھاتے تھے۔ (۶)

(ھ) عید الضحیٰ کے دن اور اس کے بعد ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد جو تکبیر کہی جاتی ہے اس کے لیے دیکھیے : (تشریق/۲/و)

(و) نمازِ عید سے پہلے اور بعد نفل پڑھنا :

حضرت عمرؓ عید کی نماز کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے نہ نماز سے پہلے نفل پڑھے اور نہ بعد میں۔ (۷)

۳۔ صلاۃ الضحیٰ (نمازِ چاشت)

صلاۃ الضحیٰ کے بارے میں حضرت عمرؓ سے مختلف روایات منقول ہیں۔ مورق العجلی کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ صلاۃ الضحیٰ پڑھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔

(۱) مسند احمد ۱/۳۷؛ ابن ابی شیبہ ۱/۸۷، سنن النسائی ۳/۱۱۱، سنن البیہقی ۳/۱۹۹ المغنی ۲/۲۷۹ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۸۵ ب، عبدالرزاق ۳/۲۹۲، المحلی ۵/۸۳ المجموع ۵/۲۳ (۳) سنن البیہقی ۳/۲۹۳، المجموع ۵/۱۹، المغنی ۲/۲۸۱ (۴) عبدالرزاق ۳/۲۹۲، المحلی ۵/۸۳ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/۸۶ (۶) البخاری و مسلم العیدین، ترمذی ۱/۵۳۱، الصلاۃ، النسائی ۳/۱۸۲، العیدین، ابن ابی شیبہ ۱/۸۵، عبدالرزاق ۳/۲۷۰، ۲۸۲، ۲۹۲، الموطا ۱/۱۷۸، مسندِ احمد ۱/۳۴، المحلی ۵/۸۵، المغنی ۲/۳۶۷، ۳۸۵

(۷) ابن ابی شیبہ ۱/۸۶

مَیں نے پُوچھا کہ کیا حضرت عمرؓ پڑھتے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ نہیں۔
مَیں نے پُوچھا کہ کیا حضرت ابوبکرؓ پڑھتے تھے؟ اُنہوں نے کہا کہ نہیں۔
مَیں نے پُوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ نہیں پڑھتے تھے۔ (۱)

اور مسلمۃ بن قحیف سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے بندو صلاۃ الضحیٰ کے ساتھ دن کا آغاز کرو۔ (۲)
نیز حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو مسلمان کھُلی زمین میں آئے اور دو رکعت صلاۃ الضحیٰ پڑھے اس کے بعد کہے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَصْبَحْتُ عَبْدَكَ عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَلَمْ اَكُ شَيْئًا اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِيْ فَاِنَّهٗ قَدْ اَرْهَقَتْنِيْ ذُنُوْبِيْ وَاَحَاطَتْ بِيْ اِلَّا اَنْ تَغْفِرَهَا لِيْ فَاغْفِرْهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ـ

(اے اللہ تیرے ہی لیے ساری حمد ہے۔ مَیں تیرا بندہ تیرے عہد پر اور تجھ سے کیے ہوئے وعدے پر قائم ہوں، تو ہی نے مجھے پیدا کیا ہے۔ درانحالیکہ میں کچھ بھی نہ تھا۔ مَیں اپنے گناہوں کی تجھ سے بخشش چاہتا ہوں کہ میرے گناہوں نے مجھے کچل ڈالا ہے اور مجھے گھیر لیا ہے۔ اب تو ہی معاف کرنے والا ہے اے پروردگار، اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے میرے گناہ معاف فرما دے)

تو اللہ سبحانہٗ یقیناً اسی نشست میں اُس کے تمام گناہ معاف کر دے گا، اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۸ ب، کنز العمال ۲۳۴۳
(۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۹
(۳) کنز العمال ۲۳۳۱۔

۴۔ صلاۃ قیام اللیل (نمازِ تہجد)

(ا) حضرت عمرؓ وسطِ شب میں نماز پڑھنا محبوب رکھتے تھے۔ (۱) وہ رات کو حسبِ توفیق الٰہی نماز پڑھتے تھے اور آخرِ شب میں آپ اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے تھے اور اُنہیں "الصلوٰۃ" "الصلوٰۃ" کہہ کر آواز دیتے تھے اور یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۔ طٰهٰ ۱۳۲

(اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔ ہم تم سے کوئی رزق نہیں چاہتے۔ رزق تو ہم ہی تمہیں دے رہے ہیں اور انجام کی بھلائی تقویٰ ہی کے لیے ہے۔)

حضرت عمرؓ رات کو عشا کے بعد جاگنے اور باتیں کرنے سے منع فرماتے تھے تاکہ مسلمان رات کو اُٹھ کر نماز پڑھ سکے۔ (دیکھیے سمر/۱)

(ب) حضرت عمرؓ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اگر کبھی رات مسلمان قیام لیل (تہجد) نہ کر سکے تو وہ طلوعِ شمس کے بعد ظہر سے پہلے پہلے اس کی قضا کرے۔ آپ فرماتے کہ جس کا قرآن یعنی نمازِ شب فوت ہو جائے اور وہ اُسے صبح اور ظہر کے درمیان کسی وقت پڑھ لے تو اُس کو وہی ثواب ملے گا جیسے اُس نے نمازِ شب پڑھی ہو۔ (۳)
ایک اور روایت میں ہے کہ جس کا وردِ شب فوت ہو جائے تو وہ یہ نماز ظہر سے قبل پڑھ لے تو یہ بھی نمازِ شب کے برابر ہے۔ (۴)
حضرت عمرؓ کی نمازِ شب میں سے اگر کچھ حصّہ رہ جاتا تو آپ اسکو دن میں ادا کر لیتے تھے ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو ایسے وقت نماز پڑھتے دیکھا جس میں آپ نماز نہیں پڑھا کرتے تھے تو حضرت عمرؓ

(۱) کنز العمال ۲۳۳۹۴ (۲) عبدالرزاق ۳/۴۹، الموطا ۱/۱۱۹
(۳) ابن ابی شیبہ ۱/۲/۷ (۴) کنز العمال ۲۳۳۹۳

نے وضاحت کی کہ میری رات کی نماز رہ گئی تھی اور اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا (۱)

(الفرقان: ۶۲)

(وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا ہر اُس شخص کے لیے جو سبق لینا چاہے یا شکر گزار ہونا چاہے۔)

۵۔ صلاۃ التراویح (نمازِ تراویح)

(الف) تراویح کی ترغیب:

حضرت عمرؓ لوگوں کو تراویح کی ترغیب دیا کرتے تھے جب رمضان المبارک کی پہلی شب ہوتی تو آپ نماز مغرب پڑھنے کے بعد کہتے کہ سب لوگ بیٹھ جائیں۔ ازاں بعد آپ ایک مختصر سا خطبہ دیتے اور فرماتے، اما بعد! تم پر اس مہینے کے روزے فرض ہیں لیکن قیام فرض نہیں ہے لیکن جو شخص قیام کی قدرت رکھتا ہو وہ ضرور قیام کرے کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے نوافل خیر فرمایا ہے اور اگر کوئی شخص قیام کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ سوتا رہے اور کوئی شخص یہ ہرگز نہ کہے کہ اگر فلاں شخص روزہ رکھے گا تو میں بھی رکھ لوں گا اور فلاں شخص قیام کرے گا تو میں بھی کر لوں گا۔ جو شخص بھی روزہ رکھے یا قیام اللیل کرے صرف اللہ کے لیے کرے۔ (۲)

(ب) تراویح مرد بھی پڑھیں اور عورتیں بھی:

اسی لیے حضرت عمرؓ نے جہاں مردوں کو تراویح پڑھانے کے لیے امام مقرر کیا عورتوں کو تراویح پڑھانے کے لیے بھی سلیمان بن ابی حثمہ کو امام مقرر کیا تھا۔ (۳)

(ج) تراویح کا وقت:

نمازِ عشا کے بعد سے فجر کی نماز کا وقت ہونے تک تراویح کا وقت ہے لیکن افضل یہی ہے کہ شب کے آخری حصے میں تراویح پڑھے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھے رمضان میں ایک رات دعوت دی کہ میں سحر تک اُن کے پاس ٹھہروں اور وہیں سحری کا کھانا کھاؤں۔ رات کو جب لوگ مسجد سے باہر نکلے اور حضرت عمرؓ نے اُن کے قدموں کی آواز سُنی تو حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ یہ کیا ہے۔ میں نے بتایا کہ لوگ مسجد سے جا رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک تو جو رات باقی رہ گئی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو گزر گئی ہے۔ (۱)

(د) ابتدا میں لوگ نماز تراویح انفرادی طور پر یا متعدد چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنا کر پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے مناسب سمجھا کہ سب یکجا جماعت کی صورت میں تراویح پڑھا کریں، چنانچہ آپؓ نے جماعت کھڑی کی اور حضرت ابی بن کعب کو اُن کی امامت کے لیے مقرر کر دیا، عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے مروی ہے کہ میں رمضان میں ایک شب حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد گیا تو دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ کوئی تنہا پڑھ رہا ہے اور کسی کے پیچھے کچھ لوگ بھی کھڑے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ اگر یہ سب ایک قاری کی امامت میں متحد ہو جائیں تو بہت اچھا ہو۔ پھر آپ نے یہی فیصلہ کر لیا اور ابی بن کعبؓ کو مامور کیا کہ وہ سب کو نماز پڑھائیں۔ پھر میں ایک اور رات حضرت عمرؓ کے ساتھ باہر نکلا تو دیکھا کہ سب لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں یعنی رات کے آخری حصہ میں جب کہ لوگ پہلے رات کے اوّل حصہ

---

(۱) عبدالرزاق ۳/ ۵۰ (۲) عبدالرزاق ۴/ ۲۶۴
(۳) المجموع ۳/ ۵۲۸

(۱) عبدالرزاق ۴/ ۲۶۳

میں قیام کیا کرتے تھے ۔ (۱)

(ھ) رکعتوں کی تعداد:

مصنف ابنِ ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام لوگوں کو ابی بن کعبؓ اور تمیم داری کی امامت میں جمع کر دیا تھا۔ یہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھاتے تھے ۔ (۲) اور امام مالک نے مؤطا میں سائب بن یزید کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو مقرر کیا تھا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھایا کریں اور ہر قاری ایک ایک رکعت میں سو سو آیتوں والی سورتیں تلاوت کرتا تھا یہاں تک کہ ہم طولِ قیام سے تھک کر عصا کا سہارا لیتے اور طلوعِ فجر کے قریب واپس پلٹتے ۔ (۳)

اس روایت سے متعارض وہ روایت ہے جو عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں محمد بن یوسف کے واسطہ سے انھی سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے ۔ (۴) اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو امام مالک نے اپنی مؤطا میں یزید بن رومان سے نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ تیئس رکعتیں پڑھتے تھے ۔ (۵) یعنی وتر شامل کر کے ۔ (۶)

میں کہتا ہوں کہ دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے ۔

(۱) البخاری، التراویح، باب فضل من قام فی رمضان، الموطا ۱/۱۱۴، المغنی ۱/۱۶۷ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۷ ب (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۷، عبدالرزاق ۴/۲۵۸ الموطا ۱/۱۱۵، سنن البیہقی ۱/۴۹۶ (۴) عبدالرزاق ۴/۲۶۰ (۵) سنن البیہقی ۲/۴۹۶ (۶) الموطا ۱/۱۱۵، المغنی ۲/۱۶۷ نیز ملاحظہ کیجیے شیخ محمد ناصر الدین الالبانی کا رسالہ الرسالۃ الثانیۃ من تسدید الاصابۃ الی من زعم نصرۃ الخلفاء الراشدین من الصحابہ (ص ۴۴) ۔ اور شیخ اسمٰعیل انصاری کی طرف سے شیخ ناصر الدین الالبانی کے رسالہ کا جواب موسومہ بہ تصحیح حدیث صلاۃ التراویح عشرین رکعۃ

کیونکہ حضرت عمرؓ نے ہر دو اماموں یعنی حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داری کو وتر کے ساتھ گیارہ گیارہ رکعتیں پڑھانے کے لیے کہا تھا مگر ہر دو اماموں نے ان مبارک راتوں میں اپنے دل میں بھی اور لوگوں کے دلوں میں بھی عبادت کا شوق فراواں محسوس کیا اور بیس رکعتیں پڑھانے لگے ۔

۶۔ کسوف و خسوف زلزلہ اور شاذ و نادر پیش آنے والے طبعی حوادث کے مواقع پر نماز:

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ شاذ و نادر پیش آنے والے طبعی حوادث مثلاً زلزلہ اور خسوف و کسوف وغیرہ کو اللہ سبحانہ کی جانب سے تنبیہ اور انذار سمجھتے تھے ۔ اُن کی رائے یہ تھی کہ ان حوادث کے رونما ہونے کے موقعہ پر یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی فوراً نماز کے لیے دوڑ پڑے بلکہ اُن کا مقتضا یہ ہے کہ انسان اپنے عمل میں درستگی پیدا کرے، شریعت پر استقامت اختیار کرے اور دائمی طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرے، چنانچہ صفیہ بنت ابی عبید سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس قدر شدید زلزلہ آیا کہ پلنگ تک سرک گئے ۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے اُنہیں پتہ نہیں چلا، لیکن جو نماز نہیں پڑھ رہا تھا اُسے پتہ چلا ۔ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! تم نے بڑی جلدی نئی باتیں نکال لی ہیں ۔ صفیہ کہتی ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے اس کے سوا کچھ کہا ہو کہ اگر یہ زلزلہ پھر آیا تو میں تمہارے درمیان نہیں رہوں گا ۔ (۱) بہر حال راوی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ حضرت عمرؓ نے اس موقعہ پر نماز پڑھی تھی ۔

۷۔ نماز استسقاء

(۱) سنن البیہقی ۳/۳۴۲، ابن ابی شیبہ ۱/۱۱۵

(و) حضرت عمرؓ جب استسقاء کے لیے نکلتے تھے تو اللہ کے دربار میں اظہارِ عجز کے طور پر اپنی چادر اُلٹ لیتے تھے۔ خوات بن جبیر سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ شدید قحط سے دوچار ہوگئے۔ حضرت عمرؓ باہر نکلے دو رکعت نماز پڑھائی اور اپنی چادر کو پلٹا اس طرح کہ دائیں طرف کا حصہ بائیں طرف اور بائیں طرف کا دائیں طرف کر لیا۔ پھر اپنے ہاتھ پھیلائے اور یہ دعا مانگی،

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَسْقِیْكَ

(اے ہمارے معبود! ہم تجھ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور تیرے حضور درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں پانی عطا فرما، ہمیں سیراب کر دے) (۱)

(ب) جو شخص دعا استسقاء کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ سے بکثرت استغفار کرے کیونکہ کسی قوم پر اللہ کی طرف سے جو آزمائش آتی ہے وہ اُس کے گناہوں کی بنا پر آتی ہے۔ چنانچہ ابومروان الاسلمی سے مروی ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز استسقاء کے لیے نکلے تو حضرت عمرؓ گھر سے نکلنے کے بعد سے نماز کی جگہ پہنچنے تک باآواز بلند یہ دعا پڑھتے ہوئے گئے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ كُنْتَ غَفَّارًا

(اے اللہ ہماری مغفرت فرما تو بڑا مغفرت کرنے والا ہے)

ایک مرتبہ آپ استسقاء کے لیے باہر تشریف لائے۔ منبر پر چڑھے اور یہ آیات تلاوت کیں:

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا (نوح: ۱۰-۱۲)

(اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر خوب بارشیں برسائے گا۔ تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا۔ تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے گا۔)

پھر آپ منبر پر سے نیچے اُترے۔ آپ سے کسی نے کہا کہ اے امیرالمومنین کاش آپ ہمارے لیے استسقاء کرتے۔ یعنی باہر نکل کر نماز کی جگہ جاتے اور نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دُعا فرماتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں نے آسمانوں کے اُن مراکز سے پانی کی دعا مانگی ہے جہاں سے پانی کے قطرے برستے ہیں۔ (۱) کیونکہ اگر اللہ مہربانی فرمائے اور مغفرت کر دے تو پانی برسنے سے کوئی بات مانع نہیں رہے گی اور اللہ اپنی خیر سے سرفراز فرما دے گا، لیکن اگر گناہ کی زندگی بدستور باقی رہے تو نماز کا اور دعا استسقاء کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(ج) جب امام نماز کے لیے باہر میدان میں پہنچ جائے تو دو رکعت پڑھ کر دعا مانگے یا پہلے دعا مانگے پھر نماز پڑھ لے۔ حضرت عمرؓ سے دونوں صورتیں مروی ہیں۔ یہ بھی کہ آپ نے پہلے استسقاء کا خطبہ دیا اور پھر نماز استسقاء پڑھی۔ (۲) اور یہ بھی کہ آپ نے نماز استسقاء پہلے پڑھی اور پھر خطبہ دیا۔ (۳)

نماز استسقاء کی کیفیت:

نماز استسقاء نمازِ عید کی طرح ہے، یعنی دو رکعتیں پڑھی جائیں، جن میں پہلی رکعت میں رکوع کی تکبیر کے علاوہ سات تکبیریں ہوں۔

---

(۱) کنز العمال ۲۳۵۳۸ (۲) کنز العمال ۲۳۵۲۷

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۸، ۱۱۵/۱، عبدالرزاق ۳/۸۷، سنن البیہقی ۳/۳۵۹، المجموع ۵/۷۹، المحلی ۵/۹۳، المغنی ۲/۴۳۶
(۲) المجموع ۵/۸۵، المغنی ۲/۴۳۳
(۳) عبدالرزاق ۳/۲۹۲، المحلی ۵/۹۴

دوسری میں رکوع کی تکبیر کے علاوہ پانچ تکبیریں ہوں۔

(د) اللہ کے نیک بندوں کا واسطہ دے کر اللہ سے بارش کی دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ قحط سالی کے دنوں میں حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنا کر بارش کی دعا مانگتے تھے۔ آپ فرماتے کہ اے رب کریم ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگا کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب کر دیا کرتا تھا۔ اب ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے توسط سے دعا مانگ رہے ہیں تو اے پروردگار تو بارش برسا دے؛ اور بارش ہو جایا کرتی تھی۔(۲) اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ جس کو وسیلہ بنایا جا رہا ہے اُسی سے دُعا کے لیے کہا جائے۔ حضرت عمرؓ نے استسقاء کی نماز پڑھی اور حضرت عباسؓ سے کہا کہ اٹھیے اور بارش کی دعا مانگیے، چنانچہ حضرت عباسؓ نے یہ دعا مانگی:

" اے رب تیرے پاس بادل ہیں، تیرے پاس پانی ہے، لہٰذا بادل پھیلا، پانی اتار اور بارش برسا دے۔ ایسی بارش جس سے جڑیں مضبوط ہوں اور فصل بڑھے اور مویشیوں کے تھن دودھ سے بھر جائیں۔ (۳)

۸۔ صلاۃ تحیۃ المسجد:

جب کوئی شخص مسجد میں آئے یا مسجد میں سے گزرے تو مسنون یہ ہے کہ مسجد میں نماز پڑھ لے۔ حضرت عمرؓ مسجد میں آئے، آپ نے ایک رکعت پڑھی اور پلٹ گئے۔ آپ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو نفل ہے جو چاہے زیادہ پڑھ لے اور جو چاہے کم پڑھے۔ مگر میں اسے طریقہ بنا لینا مکروہ سمجھتا ہوں"۔(۴)

(۱) عبدالرزاق ۳/۲۹۲، المحلی ۵/۹۴، المغنی ۲/۱۳۴ (۲) البخاری، الاستسقاء، سنن البیہقی ۳/۳۵۲، المجموع ۵/۶۷، المغنی ۲/۴۳۹ (۳) عبدالرزاق ۳/۹۲

(۴) عبدالرزاق ۴/۲۷۷، ابن ابی شیبہ ۱/۹۲، سنن البیہقی ۳/۲۲

۹۔ طواف کے ساتھ پڑھی جانے والی سنتیں:

دیکھیے (حج/۸)

۱۰۔ نوافل مطلقہ:

حضرت عمرؓ جب اپنے آپ میں نماز کا شوق محسوس کرتے تو اکثر مذکورہ بالا نفل نمازوں کے علاوہ بھی نوافل پڑھا کرتے تھے۔ مثلاً ظہر اور عصر کے درمیان نفل پڑھتے تھے۔ عطاء سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ جمعہ کی نماز کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے پھر چار مزید پڑھتے۔(۱)

۲۱۔ سجدۂ شکر (دیکھیے: سجدہ/۲)

۲۲۔ سجدۂ تلاوت (دیکھیے: سجدہ/۴)

۲۳۔ مسافر کی نماز:

چار رکعت والی نماز کا سفر میں قصر (د: سفر/۱۰ب)

مسافر پر نماز جمعہ واجب نہیں۔ (دیکھیے/ سفر/۱۰ج)

سفر میں ہلکی نماز پڑھنا۔ (د: سفر/۱۰د)

بحالت سفر نفل نمازیں پڑھنے اور نہ پڑھنے کی رخصت۔ (د: سفر/۱۰ھ)

۲۴۔ نماز جنازہ:

(ا) میت جس پر نماز جنازہ پڑھی جائے:

اس مسلمان میت پر نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے جس کی ولادت کے بعد اس کا زندہ ہونا ثابت ہو جائے، خواہ اس کا پورا جسم موجود ہو یا جسم کا کچھ حصہ۔ حضرت عمرؓ نے شام میں ایک میت پر نماز جنازہ پڑھی، جس کا جثہ چند ہڈیوں کی صورت میں تھا۔(۲) اور خواہ وہ بستر پر مرا ہو یا شہید آخرت ہو یعنی جل کر یا اسی قسم کے کسی اور حادثے میں مرا ہو۔ (د: شہید/۳ب) لیکن اگر میدانِ کارزار میں شہید ہوا ہے تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۸۰ ب (۲) المغنی ۲/۵۳۹، المحلی ۵/۱۳۹

(ب) میت پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا حق دار :

میت اگر عورت ہو تو اس پر نماز پڑھنے کا زیادہ حق دار اُس کا ولی ہے جو اُس کے شوہر پر مقدم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ولی عورت پر نمازِ جنازہ کا زیادہ حق دار ہے۔ (۱) جب حضرت عمرؓ کی زوجہ کا انتقال ہوا تو آپؓ نے اس کے ولی سے فرمایا کہ جب تک وہ زندہ تھی میں اس پر زیادہ حق رکھتا تھا اور اب تم اس پر زیادہ حق رکھتے ہو۔ (۲)

مرد کی نمازِ جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق دار وہ شخص ہے جس کے بارے میں مرنے والے نے وصیت کی ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے وصیت کی تھی کہ حضرت عمرؓ ان کی نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ (۳) اور حضرت عمرؓ نے اُن کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (۴) پھر حضرت عمرؓ نے وصیت کی کہ اُن کی نمازِ جنازہ صہیبؓ پڑھائیں۔ (۵) اور حضرت صہیبؓ نے آپؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (۶)

(ج) نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ کی نمازِ جنازہ مسجد ہی میں پڑھی۔ (۷)

(د) نمازِ جنازہ کی کیفیت :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ کی متعدد صورتیں منقول تھیں۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ ان سب میں یک جہتی پیدا فرما دیں کیونکہ حضرت عمرؓ اختلاف ناپسند کرتے تھے۔ آپؓ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور اُن سے نمازِ جنازہ کی تکبیر کے بارے میں مشورہ کیا۔ کسی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ تکبیریں کہیں۔ کسی نے کہا کہ چھ کہیں اور کسی نے بتایا کہ چار کہیں۔ حضرت عمرؓ

(۱) عبدالرزاق ۳/۴۷۲ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۳ ب، المحلی ۵/۱۴۴،۱۶۹، المغنی ۲/۴۴۳ (۳) المغنی ۲/۴۸۰ (۴) عبدالرزاق ۳/۴۷۱ (۵) المغنی ۲/۴۸۰ (۶) عبدالرزاق ۳/۴۷۱ (۷) الموطا ۱/۲۲۹، عبدالرزاق ۲/۵۲۶، المغنی ۲/۴۹۴

نے چار تکبیروں پر سب کو متفق کر لیا تاکہ طویل نماز سے مشابہت ہو جائے۔ (۱) اور طویل نماز چار رکعت والی نماز ہے۔ بغرض حضرت عمرؓ جب نمازِ جنازہ پڑھتے تو چار تکبیرات کہتے۔ (۲) حضرت عمرؓ نے زینبؓ بنت جحش کی نمازِ جنازہ پڑھائی تو چار تکبیرات کہیں۔ (۳)

نمازِ جنازہ کی ہر تکبیر پر اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے۔ (۴) اور نماز میں میت کے لیے دُعا کرے۔ (۵) نمازِ جنازہ کی کوئی متعین دُعا نہیں ہے۔ (۵) حضرت عمرؓ اکثر مندرجہ ذیل دُعا پڑھتے تھے جس میں اگر صبح کا وقت ہوتا تو "اصبح" کا لفظ کہتے اور اگر شام کا وقت ہوتا لفظ "امسٰی" کہتے تھے۔ دعا یہ ہے :

اللھم اصبح عبدك قد تخلی عن الدنیا وترکھا لاھلھا واستغنیت عنه وافتقر الیك کان یشھد ان لا الٰه الا انت و ان محمدا عبدك ورسولك فاغفر ذنبه

(اے اللہ یہ تیرا بندہ صبح کے وقت دُنیا دُنیا والوں کے لیے چھوڑ گیا ہے۔ تو اس سے بے نیاز ہے لیکن وہ تیرا محتاج ہے۔ یہ بندہ گواہی دیتا تھا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ تیرے بندے اور تیرے رسولؐ ہیں۔ اے اللہ تو اس کے گناہ معاف فرما دے۔)

جب نمازِ جنازہ پڑھانے والا نمازِ جنازہ ختم کرے تو داہنی طرف باآواز بلند سلام پھیرے تاکہ پیچھے نماز پڑھنے والے سُن لیں۔ (۸)

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۸، سنن البیہقی ۴/۳۷، المغنی ۲/۵۱۴ (۲) الاعتبار ۱۲۴، المغنی ۲/۵۱۶ (۳) عبدالرزاق ۳/۴۸۰ (۴) سنن البیہقی ۴/۲۹۳، المغنی ۲/۳۸۱ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۷ (۶) ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۵ ب، ۱/۱۴۷ (۷) عبدالرزاق ۳/۴۹۴

صُلح :

۱۔ تعریف :

صلح ایک معاہدہ ہے جس کے ذریعے سے باہم اختلاف کرنے والے دو فریقوں کے درمیان اصلاحِ احوال کی جاتی ہے ۔

۲ ۔ صُلح کی اقسام :

صُلح کی کئی قسمیں ہیں، جن میں سے ہم چند ذیل میں ذکر کرتے ہیں ۔

(ا) مسلمانوں اور اہلِ حرب کے درمیان صُلح ۔ (د : ذمہ / ۲ و)

(ب) ایسے دو جھگڑنے والے فریقوں کے درمیان صُلح جن کا نزاع کسی مالی معاملہ میں نہ ہو۔ جیسے میاں بیوی کا نزاع یا ایسے افراد کا نزاع جن کے جھگڑے کا تعلق مال سے نہ ہو اور وہ صُلح کرنا چاہیں۔

(ج) ایسے جھگڑنے والے فریقوں کے درمیان صُلح جن میں وجہ نزاع مال ہو اس کی دو قسمیں ہیں ۔

۱۔ صُلح انکار : اس سے مراد یہ ہے کہ دو نزاع کرنے والوں میں سے ایک یہ دعویٰ کرے کہ دوسرے فریق کے ذمہ اُس کا کچھ حق واجب الادا ہے لیکن دوسرا اس حق سے بے خبر ہو۔ پھر یہ دونوں آپس میں اس پر صُلح کر لیں کہ دوسرا فریق پہلے کو اس کے مطلوبہ حق کا کچھ حصہ دے دے گا ایسا معاہدۂ صلح جائز ہے خواہ جو کچھ ادا کیا جائے وہ اسی حق کی جنس سے ہو جس کا دعویٰ کیا گیا تھا یا کسی دوسری جنس سے ۔ اور خواہ جو دیا ہے وہ مطلوبہ حق کے برابر ہو یا اس سے کم ہو، لیکن جس حق کا دعویٰ کیا تھا اس سے زائد نہیں لے سکتا، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مُسلمانوں کے درمیان صُلح جائز ہے ماسوا اس صلح کے جس کے نتیجہ میں حرام حلال اور حلال حرام قرار پا جائے ۔ اس حدیث کا حوالہ حضرت عمرؓ نے اپنے اس خط میں دیا ہے جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام لکھا تھا ۔ (۱)

۲۔ صلح اقرار : اس سے مراد ایسی صُلح ہے کہ کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ فلاں شخص کا کوئی حق اُس کے ذمہ واجب الادا ہے لیکن بعد ازاں وہ شخص اس حق کو ادا نہ کرے، پھر اُس کے کچھ حصہ پر صُلح ہو جائے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں ظلم ہو رہا ہے اور لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھایا جا رہا ہے۔ لیکن اگر صاحب حق خود اپنی خوشی سے اپنا کچھ حق ساقط کر دے تو جائز ہے ۔

دَین مُوجل یعنی مقررہ مدت پر واجب الادا قرض کے سلسلے میں اس طرح صُلح کرنا جائز نہیں کہ اگر قرض فوراً یعنی مقررہ مدت کے اختتام سے پہلے ادا کر دیا جائے تو قرض کی رقم میں کمی کر دی جائے گی ۔ حضرت عمرؓ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ عین یعنی شئے دَین کے بدلے میں فروخت کی جائے ۔ (د: بیع / ا ب ۲) **کیونکہ اس صورت میں قرض کی جو مقدار** اُس نے ساقط کی ہے وہ اس مدت کا بدل ہے جس کا پُورا کرنا اُس کے ذمہ تھا اور ایسی بیع جائز نہیں ہے جس میں مدت کے عوض کوئی مال دے کر اُسے فوری ادائیگی میں بدل لیا جائے ۔ کیونکہ مدت اور وقت مقررہ کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے ۔

۳ ۔ دو نزاع کرنے والوں کے مابین قاضی کا صُلح کرا دینے کی سعی کرنا ۔ (د : قضاء / ۱ ۔ ۵)

جنایت (دست درازی) کی صورت میں اگر صلح ہو تو اس کی ذمہ داری عاقلہ پر نہیں آئے گی ۔ (د : جنایت / ۵ ب ۷)

صلہ رحمی :

دیکھیے (رحم / ۱)

---

(۱) المغنی ۴/ ۴۷۶

صلیب :

مسلمانوں کے ملک میں صلیب اٹھانا منع ہے۔

(د : ذمہ/ ۲ ل ۲ ج) و (طعام / ۲)

صنم :

مسلمانوں کے گھر میں بُت نصب کرنا جائز نہیں ہے نہ مسلمان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ایسے مقام پر جانے کی دعوت قبول کرے جہاں بُت نصب ہوں۔ (د : تمثال)

صورۃ :

تصویر بنانا اور تصویر کا تعظیم کی غرض سے نصب کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز ایسے مکان میں جانا بھی جائز نہیں ہے جس میں تصویریں اس غرض سے نصب کی گئی ہوں کہ اُن کی تعظیم کی جائے۔

(د : تمثال)

صیال :

۱۔ تعریف :

صیال کے معنی حملہ کرنے اور دھکی دینے کے ہیں۔

۲۔ حکم : کسی شخص پر حملہ کرنا ناجائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہتھیاروں کی نمائش کرے۔(۱)

صیام (روزے)

حضرت عمرؓ کی فقہی آرا کے نقطہ نگاہ سے روزوں کا بیان حسب ذیل نکات پر مشتمل ہوگا۔

۱۔ تعریف ۲۔ صائم (روزہ دار) ۳۔ روزہ کی اقسام
۴۔ سحری ۵۔ روزہ کا وقت ۶۔ روزے کے مفسدات
۷۔ روزے کے آداب ۸۔ رمضان کے روزے کی قضا
۹۔ رمضان کا روزہ نہ رکھنے کا کفارہ ۱۰۔ نفلی روزہ توڑ دینے پر کفارہ نہیں ہے۔

۱۔ تعریف :

صوم نام ہے طُلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک نیت کے ساتھ مفطرات (روزہ توڑ دینے والی چیزوں) سے رُکے رہنے کا۔

۲۔ صائم (روزہ دار)

(ا) روزہ بدنی عبادت ہے اس لیے عاقل بالغ مسلمان ہی اس کا مکلف ہے۔

(ب) مسافر کا روزہ :

مسافر کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے اور اگر اس نے روزہ رکھا تو اس روزہ کی سفر سے واپس آنے کے بعد قضا کرے۔ (د : سفر/ ۱۰ و) سفر کی مسافت جس پر روزے کا افطار لازم آجاتا ہے اس کے لیے دیکھیے۔ (سفر/۹)

(ج) مجاہد فی سبیل اللہ کے روزے :

مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے روزہ رکھنا مکروہ ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے تاکہ اللہ کے دشمنوں سے جہاد کی قوت حاصل ہو سکے۔ حضرت عمرؓ مجاہدین کو روزہ نہ رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ براء بن قیس سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھے سلمان بن ربیعہ کے پاس بھیجا کہ میں انہیں یہ حکم پہنچا دوں کہ وہ روزہ نہ رکھیں۔ وہ اس وقت دشمن کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔(۱) اور حضرت عمرؓ نے دشمن کا محاصرہ کرنے والی ایک جماعت کو

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۶۔

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۱۱

فرمان بھیجا کہ روزہ نہ رکھو۔ (۱)

(د) شادی شدہ عورت کا نفلی روزہ رکھنا :

شادی شدہ عورت کے لیے بغیر شوہر کی اجازت کے نفلی روزے رکھنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمان بھیجا کہ کوئی عورت بغیر شوہر کی اجازت کے نفلی روزہ نہ رکھے۔ (۲)

حج کرنے والے کا عرفہ کے دن کا روزہ۔ (د: حج/۱۱، صیام/۳ د ۹)

۳ - روزوں کی اقسام :

روزوں کی تین قسمیں ہیں اور ہر قسم دوسری قسم سے نیت کی بناء پر مختلف ہوتی ہے۔ یہ اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

(ا) فرض روزے :

فرض روزے رمضان المبارک کے روزے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے :

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ: ۱۸۳)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔)

حضرت عمرؓ رمضان المبارک کی پہلی شب مغرب کی نماز کے بعد بیٹھ جاتے اور لوگوں سے بھی بیٹھنے کے لیے کہتے اور ایک مختصر سا خطبہ دیتے جس میں آپؓ فرماتے کہ اما بعد، اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزے تم پر فرض کیے ہیں اور اس کا قیام تم پر فرض نہیں کیا[۳] (الخ)

(۱) عبدالرزاق ۵/۳۰۲ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۹ب ۲۲۴
(۳) عبدالرزاق ۴/۶۴

رمضان المبارک کا روزہ فرض عین ہے جس کو ہر شخص خود ادا کرے۔ کسی کی طرف سے اگر کوئی دوسرا شخص روزہ رکھے گا، خواہ وہ کوئی بھی ہو، ایسا روزہ قبول نہیں ہو گا جیسا کہ نماز کا حکم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی کسی دوسرے کی طرف سے نماز ہرگز نہ پڑھے اور تم میں سے کوئی کسی دوسرے کی طرف سے ہرگز روزہ نہ رکھے۔ اگر کسی کو کسی دوسرے کی طرف سے کوئی عمل خیر کرنا ہے تو وہ اُس کی طرف سے صدقہ دے یا ہدیہ دے۔ (۱) بنابریں اگر کوئی شخص مر جائے اور اُس نے رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں تو اُس کا ولی اُس کی طرف سے روزے نہیں رکھ سکتا۔ البتہ ولی اس کے ان روزوں کا فدیہ دے سکتا ہے جو اُس کے ذمہ باقی ہوں اور فدیہ ایک دن کے روزے کے بدلے نصف صاع گندم ہے۔ کیونکہ روزہ بدنی عبادت ہے جو اگر فوت ہو جائے تو اس کا بدل لازم آتا ہے اور یہ بدل فدیہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور وہ روزے نہ رکھ سکا ہو تو اس پر فدیہ واجب ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس پر رمضان کے روزے لازم ہوں تو اس کے ہر روزے کے بدلے نصف صاع گندم فدیہ ادا کیا جائے۔ (۲)

حج تمتع میں اگر حاجی ہدی سے عاجز ہو تو اس پر صیام تمتع واجب ہے۔ (د: حج/ ۱۸ب ۴)

صیام کفارات بھی واجب ہیں۔ (د: کفارہ/۳ د)

ب) صیام مسنون :

مثلاً یوم عاشورہ (ماہ محرم کی دسویں) کا روزہ اور ایام بیض (روشن راتوں والے دن) کے روزے۔

۱۔ یوم عاشورہ کا روزہ : حضرت عمرؓ یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے

(۱) عبدالرزاق ۹/۹۱ (۲) عبدالرزاق ۴/۲۳۹، المحلی ۷/۶

کی تاکید کیا کرتے تھے اور لوگوں کو اس دن روزہ رکھنا یاد دلایا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے حارث بن ہشام کو پیغام بھجوایا کہ کل عاشورہ ہے تم بھی روزہ رکھو اور اپنے گھر والوں کو بھی روزہ رکھنے کی تاکید کرو۔ (۱) اسی طرح آپ نے عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو عاشورہ کی رات پیغام بھجوایا کہ سحری کھالو اور کل روزہ رکھو۔ چنانچہ عبدالرحمٰن نے اس دن روزہ رکھا۔ (۲)

۲۔ ایامِ بیض کے روزے: ہر ماہ کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخیں، جب کہ چاند روشن ہوتا ہے ایامِ بیض کہلاتی ہیں۔ ان تین دنوں میں روزہ رکھنا سنت ہے۔ ابن الحوتکیہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے کھانا رکھا گیا۔ آپ نے ایک شخص کو بلایا اور کہا: کھانا کھالو۔ اُس نے کہا میں روزے سے ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تم نے کون سا روزہ رکھا ہے؟ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ کوئی کمی بیشی نہ ہو جائے تو میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث سناتا جس میں یہ ذکر ہے کہ ایک اعرابی آپ کی خدمت میں خرگوش لایا تھا، البتہ عمارؓ کو بلاؤ۔ جب عمارؓ آئے تو آپ نے اُن سے کہا: کیا تم اس وقت موجود تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی ایک خرگوش لے کر آیا تھا۔ حضرت عمارؓ نے کہا کہ جی ہاں۔ ایک اعرابی خرگوش صاف کرکے اور بنا کر لایا اور آپ کی خدمت میں ہدیہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھاؤ۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے دیکھا ہے کہ اس کو خون (حیض) آتا ہے۔ پھر سب لوگوں نے اُسے کھایا۔ مگر اعرابی نے نہیں کھایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کیوں نہیں کھاتے؟ اس نے جواب دیا کہ

(۱) الموطا ۱/۲۹۹ (۲) عبدالرزاق ۴/۲۸۷، ابن ابی شیبہ ۱۱/۱۲۶

میرا روزہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم کون سا روزہ رکھتے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ میں ہر مہینے کے پہلے اور آخری دن کا روزہ رکھتا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر تم روزہ رکھنا چاہتے ہو تو ایامِ بیض یعنی مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخوں میں روزے رکھو۔ (۱)

بہرحال چونکہ عاشورہ کا روزہ فرض نہیں ہے، اس لیے حضرت عمرؓ بعض مرتبہ اُسے ترک بھی کر دیا کرتے تھے۔ (۲)

(ج) نفلی روزے:

نفلی روزوں سے مراد وہ روزے ہیں جو نہ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرض کیے گئے ہوں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھے ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے دو سال قبل مسلسل روزے رکھنے شروع کر دیے تھے۔ (۳)

(د) مکروہ روزے:

مندرجہ ذیل دنوں میں روزہ رکھنا مکروہ ہے:

۱۔ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن: سعد بن عبید مولیٰ ابن ازہر سے مروی ہے کہ اُنہوں نے عید کے روز حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز عید پڑھی، حضرت عمرؓ نے خطبہ سے پہلے نماز عید پڑھائی۔ پھر خطبہ دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں ان دو عیدوں یعنی عیدِ فطر اور عیدِ اضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ ان میں سے ایک دن تمہارے لیے روزوں سے فارغ ہو کر کھانے پینے کا دن ہے اور دوسرا دن تمہارے

(۱) مسند الامام احمد ۱/۳۱، کنزالعمال ۲۴۲۶۱ وغیرہ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۶ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۲، ۱۲۸ ب، المحلی ۷/۱۴، سنن البیہقی ۴/۳۰۱، کنزالعمال ۲۴۴۱۷

لیے قربانی کا گوشت کھانے کا دن ہے۔ (۱)

۲۔ ایامِ تشریق کے روزے: حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایامِ تشریق میں اپنے منادی کرنے والے کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا تھا کہ یہ دن کھانے پینے کے ہیں۔ ان دنوں آپ کے اعلانچی حضرت بلالؓ تھے۔ (۲)

۳۔ رجب کے روزے: حضرت عمرؓ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ لوگ رجب کے مہینے میں روزے رکھیں۔ اور آپ لوگوں کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ کافروں کی مخالفت کے لیے وہ رجب میں روزہ نہ رکھیں۔ چنانچہ خرشہ بن الحر سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ لوگوں کے ہاتھوں پر مارا کرتے تھے تاکہ وہ اپنے ہاتھ کھانے کے برتنوں کی جانب لے آئیں اور آپؓ فرماتے تھے کہ کھاؤ کیونکہ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اہلِ جاہلیت اس کو بہت عظیم مانتے تھے۔ (۱)

۴۔ یوم شک کا روزہ: حضرت عمرؓ شعبان کے آخری دن کا روزہ رکھنا مکروہ خیال کرتے تھے، کیونکہ یہ یوم شک ہے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ دن شعبان کا آخری دن ہو اور یہ امکان بھی ہے کہ یہ رمضان کا پہلا دن ہو۔ غرض حضرت عمرؓ یوم الشک کے روزے سے منع کیا کرتے تھے۔ (۴) اور فرماتے تھے کہ ہر شخص کو اس بات سے بچنا چاہیے کہ وہ شعبان میں ایک دن کا روزہ رکھ لے یا رمضان میں ایک دن روزہ نہ رکھے۔ (۵)

(۱) البخاری، الصوم، صوم یوم الفطر، مسلم، الصوم ۱۱۳۷، ابوداؤد ۲۴۱۶، ترمذی ۱۷۷، سنن البیہقی ۷/ ۳۱۸، ۴/ ۲۶۰، ۲۹۷، الموطا ۱/ ۱۷۸، مسند احمد ۱/ ۲۴، ۳۴، المحلی ۷/ ۲۷، المغنی ۳/ ۱۶۴
(۲) کنز العمال ۱۵ ۲۴۴ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۰، المغنی ۳/ ۱۶۷ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۲۷ ب، نیل الاوطار ۴/ ۲۵۵، المحلی ۷/ ۲۳ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۲۷ ب

۵۔ ہمیشہ روزہ رکھنا: حضرت عمرؓ صوم الدھر یعنی ہمیشہ روزہ رکھنے کو مکروہ سمجھتے تھے بلکہ اس پر لوگوں کو سرزنش کرتے تھے اور انہیں افطار پر مجبور کرتے تھے۔ چنانچہ ابو عمرو الشیبانی سے مروی ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس کھانا لایا گیا تو حاضرین میں سے ایک شخص پرے ہٹ گیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ بتایا گیا کہ اس کا روزہ ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کون سا روزہ ہے۔ بتایا گیا کہ صوم دھر رکھتا ہے۔ یہ سن کر آپ اس کے سر پر چھڑی سے جو آپ کے پاس تھی مارنے لگے اور کہتے جاتے تھے کھاؤ! اے ہماری عمر روزہ رکھنے والے، کھاؤ! اے صوم دھر رکھنے والے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جو مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے دو سال پہلے مسلسل روزے رکھنے شروع کر دیے تھے۔ یہ روایت ہماری بیان کردہ روایت کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ مسلسل روزے رکھنے کے معنی صوم دھر نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم یہی ہے کہ آپ نے مسلسل روزے رکھے تھے بعض لوگوں نے غلطی سے اسے صیام دہر کے معنی میں سمجھ لیا اور یہ بات نقل کی کہ حضرت عمرؓ صوم دہر کو مکروہ نہیں سمجھتے تھے۔ بشرطیکہ نقصان کا اندیشہ نہ ہو اور کوئی حق ضائع نہ ہوتا ہو۔ مگر درحقیقت صحیح وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔

۶۔ مجاہد فی سبیل اللہ کا روزہ: حضرت عمرؓ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے لیے روزہ رکھنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور ان کی رائے یہ تھی کہ مجاہد کو چاہیے کہ کھا پی کر قوت حاصل کرے تاکہ اللہ کے دشمن سے مقابلہ کر سکے۔ (دیکھئے صیام/ ۲/ ج)

(۱) عبدالرزاق ۴/ ۲۹۸، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۲۸، المحلی ۷/ ۱۴، سنن البیہقی ۴/ ۳۰۱ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۲۱، ۱۲۸ ب، المحلی ۷/ ۱۴، سنن البیہقی ۴/ ۳۰۱

۷۔ حضرت عمرؓ مسافر کے روزہ رکھنے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے۔

(د ا صیام / ۲ ل)

۸۔ حضرت عمرؓ بغیر شوہر کی اجازت کے بیوی کے لیے نفلی روزے رکھنا مکروہ سمجھتے تھے۔ (د ا صیام / ۲ د)

۹۔ حضرت عمرؓ حاجی کے لیے عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ سمجھتے تھے تاکہ حاجی عبادت اور دُعا کے لیے غذا سے قوت حاصل کر سکے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا تو آپ نے عرفہ کے دن روزہ نہیں رکھا پھر میں نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حج کیا، انہوں نے بھی روزہ نہیں رکھا۔ پھر میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ حج کیا تو انہوں نے بھی روزہ نہیں رکھا اور پھر میں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ حج کیا تو انہوں نے بھی روزہ نہیں رکھا۔ اور میں خود بھی اس دن روزہ نہیں رکھتا اور نہ کسی سے رکھنے کو کہتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں۔ (۱)

۴۔ روزے کا وقت:

(الف) ماہ رمضان:

۱۔ ماہ رمضان کے شروع ہوتے ہی رمضان کے روزے فرض ہو جاتے ہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ ماہ رمضان کی آمد ثابت کیسے ہوتی ہے تو اس سلسلہ میں یہ ہے کہ یا تو آسمان صاف شفاف ہوگا کہ اگر چاند طلوع ہو تو اس کا نظر آجانا ممکن ہو یا ابر آلود ہوگا اور رویت ہلال ممکن نہ ہوگی۔

اگر آسمان ابر آلود ہو اور رویت ہلال ممکن نہ ہو تو رمضان کی آمد اور اس کے ختم ہونے کا فیصلہ گنتی سے ہوگا اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ اگر رمضان کا چاند نظر نہ آئے تو حضرت عمرؓ سے ایک روایت یہ ہے کہ شعبان کے تیس دن مکمل کیے جائیں۔ اس کے بعد رمضان کے روزے شروع کیے جائیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر بادل ہوں تو شعبان کے تیس دن شمار کرو۔ پھر افطار نہ کرو یہاں تک کہ رات کی تاریکی ٹیلوں پر چھا جائے۔ (۱)

اور نووی نے المجموع میں اور ابن قدامہ نے المغنی میں حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ روایت نقل کی ہے کہ اگر رمضان کا چاند ابر آلود ہو تو شعبان کے انتیس دن شمار کرو اور شعبان کے تیسویں دن کو رمضان کا پہلا دن شمار کر کے روزہ رکھ لو۔ (۲) لیکن یہ روایت اس روایت کے منافی ہے جو حضرت عمرؓ سے یوم شک کا روزہ مکروہ ہونے کے بارے میں مروی ہے اور غالباً پہلی روایت ہی صحیح ہے اور ا ی کو "طرح التثریب" میں ترجیح دی گئی ہے۔ (۳)

اسی طرح اگر شوال کا چاند مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے نظر نہ آئے تو رمضان کے تیس روزے پورے کیے جائیں، لیکن اگر رویت ہلال ممکن ہو تو اس وقت تک روزہ نہ رکھا جائے جب تک چاند دیکھ نہ لیا جائے۔ اور اس وقت تک روزہ رکھنا ترک نہ کیا جائے جب تک چاند دیکھ نہ لیا جائے۔ رویت ہلال کے لیے شرط ہے کہ چاند شام کے وقت نظر آیا ہو، چنانچہ ابو وائل سے مروی ہے کہ ہم خانقین میں تھے کہ حضرت عمرؓ نے ہمیں فرمان بھیجا کہ اگر تم دن میں چاند دیکھ لو تو روزہ ترک نہ کرو جب تک کہ دو مسلمان یہ گواہی نہ دیں کہ انہوں نے گزشتہ کل چاند دیکھا تھا۔ (۴)

---

(۱) عبدالرزاق ۴/ ۲۸۵، ۲۸۴، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۷۹، المحلی ۷/ ۱۸، المجموع ۶/ ۴۳۸، المغنی ۳/ ۱۷۶

(۱) سنن البیہقی ۹/ ۳۰۸، عبدالرزاق ۴/ ۲۶۴ (۲) المغنی ۳/ ۸۹، المجموع ۶/ ۴۶۶، نیل الاوطار ۴/ ۲۰۴ (۳) طرح التثریب ۴/ ۱۰۹ (۴) عبدالرزاق ۴/ ۲۶۲، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۲۷، سنن البیہقی ۴/ ۲۴۸، ۲۱۳، المحلی ۶/ ۲۳۸، المجموع ۶/ ۲۹۸، المغنی ۳/ ۱۶۸

اور ابراہیم نخعی نے جو روایت کیا ہے کہ عتبہ بن فرقد سواد میں تھے اور لوگوں نے دن کے آخری حصّہ میں چاند دیکھ کر افطار کر لیا۔ اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو ملی تو آپ نے اُنہیں لکھا کہ اگر چاند دن کے ابتدائی حصّہ میں نظر آئے تو وہ درحقیقت گزشتہ دن کا چاند ہے، لہٰذا اس دن تم روزہ نہ رکھو اور اگر دن کے آخری حصّہ میں نظر آئے تو وہ دراصل آنے والے دن کا چاند ہے لہٰذا تم روزہ پُورا کر لو۔ (۱) یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ ابراہیم نخعی نہ حضرت عمرؓ سے ملے ہیں اور نہ اُنہوں نے حضرت عمرؓ کا قریبی زمانہ پایا ہے۔

۲۔ رؤیت ہلال کا ثبوت: رمضان اور شوال کے چاند کا نظر آنا دو عادل گواہوں کی چاند دیکھنے کی گواہی کے بغیر ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم دن کے وقت چاند دیکھو تو روزہ ترک نہ کرو جب تک کہ دو مسلمان گواہی نہ دیں کہ اُنہوں نے کل گزشتہ چاند دیکھا تھا۔ ابو قلابہ سے مروی ہے کہ دو اشخاص نے سفر کے دوران چاند دیکھا۔ وہ تیزی سے روانہ ہوتے حتّٰی کہ دن چڑھے مدینہ پہنچ گئے اور اُنہوں نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ ہم نے چاند دیکھا ہے حضرت عمرؓ نے اُن میں سے ایک سے پُوچھا کہ کیا تمہارا روزہ ہے اُس نے کہا: جی ہاں۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ کیوں؟ اُس نے کہا کہ اس لیے کہ مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ لوگ روزے سے ہوں اور مَیں بے روزہ رہوں۔ اور مَیں نے یہ پسند نہیں کیا کہ مَیں لوگوں سے اختلاف کروں۔ پھر آپ نے دوسرے شخص سے پُوچھا کہ اور تم؟ اُس نے کہا کہ مَیں نے تو روزہ نہیں رکھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیوں؟ اُس نے کہا کہ اس لیے کہ مَیں نے چاند دیکھ لیا تھا تو مَیں نے روزہ رکھنا مکروہ سمجھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس شخص سے فرمایا جس نے روزہ نہیں رکھا تھا کہ اگر یہ روزہ رکھنے والا نہ ہوتا تو مَیں تمہاری شہادت قبول نہ کرتا اور تمہارے سر پر مارتا۔ پھر حضرت عمرؓ نے حُکم دیا اور لوگوں نے روزہ افطار کر لیا۔ (۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ محض اس بنا پر روزہ رکھ لے یا روزہ چھوڑ دے کہ خود اُس نے چاند دیکھ لیا ہے بلکہ اُسے چاہیے کہ لوگوں کے روزے کے ساتھ روزہ رکھے اور لوگوں کے افطار کے ساتھ افطار کرے؛ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا۔ اور اُس نے کہا کہ مَیں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ کسی اور نے بھی دیکھا ہے۔ اُس نے کہا کہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ پھر تم نے کیا کیا۔ اُس نے کہا کہ مَیں نے لوگوں کے روزہ رکھنے کی وجہ سے روزہ رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم تو اچھے خاصے فقیہ ہو۔ (۲)

اور حضرت عمرؓ کے بارے میں جو یہ روایت ہے کہ آپ نے عید الفطر یا عید الاضحیٰ کا چاند دیکھنے کے سلسلہ میں ایک شخص کی گواہی کو جائز قرار دیا تھا تو اس روایت کو دارقطنی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔

(ب) روزے کا دن:

۱۔ روزہ دار فجرِ ثانی (دیکھئے فجر/۱) کے طلوع ہوتے ہی ایسے تمام اُمور سے رُک جائے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (۳) اور اگر وہ

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۷، عبد الرزاق ۴/۱۶۳، سنن البیہقی ۴/۲۴۳۰، المحلی ۶/۲۳۹، المجموع ۶/۳۰۰، المغنی ۳/۱۶۸ تفسیر القرطبی ۲/۳۰۳، کنز العمال ۲۴۳۰۰

(۱) عبد الرزاق ۴/۱۶۵، المحلی ۶/۲۳۸، المغنی ۳/۱۹۰ (۲) عبد الرزاق ۴/۱۶۸ (۳) الاعتبار ۱۴۶، المغنی ۳/۸۵، المجموع ۶/۳۴۲

طلوع فجر کے وقت کسی مُفطر (روزہ کو توڑنے والی شئے) میں معروف ہو اور طلوع فجر ہوتے ہی اُس سے کنارہ کش ہو جائے تو اُس کا روزہ درست ہو جائے گا، لیکن اگر طلوع فجر ثانی کے بعد کوئی ایسا کام کرے گا جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس کا روزہ درست نہیں ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر مجھے اذان کی آواز اس حالت میں آئے کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ جماع میں مشغول ہوں تو اُسی وقت روزہ رکھ لوں گا۔ (۱)

اور اگر روزہ دار کو طلوع فجر میں شک ہو تو جب تک اُسے فجر کے طلوع ہونے کا یقین نہ ہو جائے اس کے لیے کھانا پینا جائز ہے۔ کیونکہ اُصول یہ ہے کہ جو شے جس طرح ہے اُسی طرح رہے گی جب تک اُس کے بدل جانے کا یقین نہ ہو جائے۔ (۲)

۲۔ جب آفتاب غروب ہو جائے تو روزہ دار روزہ کھول لے۔ حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رات آئی اس (مشرق کی) طرف سے اور جب دن گیا اس (مغرب کی) طرف سے اور سورج غروب ہو گیا تو روزہ دار روزہ افطار کرے۔ (۳) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ افطار نہ کرو یہاں تک دیکھ لو کہ رات کی تاریکی ٹیلوں پر چھا گئی ہے۔ (۴) حضرت عمرؓ رمضان المبارک میں نماز افطار سے قبل پڑھتے تھے (۵)۔ کیونکہ آپ کے نزدیک افطار کرنے میں تاخیر کی گنجائش تھی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نماز اس وقت پڑھتے تھے جب رات ہو جاتی تھی، یعنی افطار نماز سے قبل کرتے تھے (۱) لیکن افطار میں جلدی کرنا بہرحال مستحب ہے کیونکہ ایک موقعہ پر حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کیا اہل شام جلد افطار کرتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا جب تک یہ عمل کرتے رہیں گے خیر ان کے ساتھ رہے گی۔ (۲) اور آپ نے امراء امصار (مختلف شہروں کے امیروں) کو فرمان بھیجا کہ نہ افطار میں تاخیر کرو اور نہ نماز کے لیے ستاروں کا جال بچھنے کا انتظار کرو۔ (۲)

۳۔ اگر روزہ دار غلطی سے غروب آفتاب سے پہلے افطار کر لے تو کیا اس پر اس دن کے روزے کی قضا لازم آئے گی۔ اس باب میں حضرت عمرؓ سے دو روایات مروی ہیں۔

پہلی روایت یہ ہے کہ وہ مسلسل روزے رکھتا چلا جائے اور اس پر اس روزہ کی قضا نہیں ہے، چنانچہ زید بن وہب سے مروی ہے کہ ہم رمضان المبارک میں مسجد مدینہ میں بیٹھے تھے اور آسمان ابر آلود تھا۔ ہم نے سمجھا کہ سورج غروب ہو گیا اور شام ہو گئی ہے۔ حضرت حفصہؓ کے گھر سے ہمارے لیے دودھ کا ایک بڑا پیالہ آیا جس میں سے حضرت عمرؓ نے بھی پیا، لیکن ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ بادل چھٹ گئے اور سورج ظاہر ہو گیا اور ہم ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہم اس روزے کی قضا کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے سُنا تو فرمایا کہ نہیں قسم بخدا ہم قضا نہیں کریں گے اس لیے کہ ہم نے عمداً کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ (۳)

دوسری روایت یہ ہے کہ روزہ دار اپنے روزے پورے کرے

---

(۱) کنز العمال ۲۴۴۹۴ (۲) المحلی ۶/۲۳۳، المجموع ۶/۳۲۳ کنز العمال ۲۴۴۵۰ (۳) البخاری، الصوم، متی یحل فطر الصائم، مسلم ۱۱۰۰، ابوداؤد ۲۳۵۱، ترمذی ۶۹۸ (۴) عبد الرزاق ۴/۲۶۴ - سنن البیہقی ۴/۲۰۸ (۵) سنن البیہقی ۴/۲۳۸ عبد الرزاق ۴/۲۲۵

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۰-ب (۲) عبد الرزاق ۴/۲۲۵ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۲، عبد الرزاق ۱/۵۵۲، ۴/۲۲۵ (۴) سنن البیہقی ۴/۲۱۷، عبد الرزاق ۴/۱۷۹، المحلی ۶/۲۲۳ المغنی ۳/۱۳۶، کنز العمال ۲۴۴۲۸

اور اس روزے کی قضا کرے۔ چنانچہ علی بن حنظلہ اپنے والد حنظلہ سے اور خالد بن اسلم مولیٰ عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے رمضان کے ایک بادلوں والے دن میں روزہ افطار کر لیا۔ آپؓ کو یہ گمان گزرا تھا کہ شام ہو چکی ہے اور سورج غروب ہو گیا ہے لیکن اس کے بعد ایک شخص نے باہر سے آ کر بتایا کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ معاملہ آسان ہے اور ہم نے وقت معلوم کرنے کی سعی ضرور کی۔ (۱) حضرت عمرؓ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اس روزہ کی قضا آسان ہے اور گناہ بھی کوئی سرزد نہیں ہوا۔ بعض اور روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا، معاملہ آسان ہے ہم ایک دن کی قضا کر لیں گے۔ اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم اس دن کا روزہ بھی پورا کریں گے اور اس کی جگہ ایک اور روزہ رکھیں گے۔

۵۔ سحری :

روزہ دار کے لیے سحری کھانا مستحب ہے۔ حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے مجھے سحری کے کھانے کے لیے بلایا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری کے کھانے کو مبارک ترین کھانا قرار دیا ہے۔ (۲)

۶۔ مفسدات صوم (وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے)

کھانے پینے اور جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ کھانے پینے سے روزہ کا ٹوٹ جانا تو ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ روزہ کھانے اور پینے کا ہی نہیں ہوتا بلکہ جھوٹ، بجری اور لغو باتوں اور ...

(۱) المؤطا ۱/۳۰۳، عبدالرزاق ۴/۱۷۸، سنن البیہقی ۴/۲۱۷، المجموع ۶/۳۲۸، کنز العمال ۲۴۳۲۸، آثار ابی یوسف ۸۲۱
(۲) کنز العمال ۲۴۴۵۶

... قسم سے بھی پرہیز ضروری ہے۔ (۱)

اور جماع سے روزہ فاسد ہو جانے کے بارے میں حضرت عمرؓ سے یہ روایت مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے اصحاب کے پاس آئے اور فرمایا کہ میرے ایک عمل کے بارے میں مجھے فتویٰ دو۔ لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین وہ کیا ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ میں روزہ سے تھا میری ایک باندی مجھے اچھی معلوم ہوئی تو میں نے اُس سے جماع کر لیا۔ لوگوں نے اس بات کو بہت بڑا گناہ سمجھا مگر حضرت علیؓ خاموش رہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ اے ابن ابی طالبؓ تم کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے جو کچھ کیا ہے حلال کیا ہے اور روزہ کی جگہ دوسرا روزہ ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارا فتویٰ سب سے بہتر ہے۔ (۲)

میں کہتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کا یہ روزہ رمضان کا روزہ نہیں تھا، نفلی روزہ تھا اس لیے حضرت علیؓ نے اس کے توڑنے پر صرف قضا کا حکم دیا۔

۷۔ روزے کے آداب :

(ا) روزہ دار پر لازم ہے کہ وہ فحش باتوں، بُرے کاموں اور گناہوں سے بچے۔ گزشتہ فقرے میں حضرت عمرؓ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ روزہ یہ نہیں ہے کہ آدمی صرف کھانے پینے سے رکا رہے، بلکہ روزہ یہ ہے کہ روزہ دار جھوٹ سے، باطل سے، لغو سے اور قسمیں کھانے سے بھی احتراز کرے۔ (۳)

(ب) روزہ دار مرد کا اپنی بیوی کا بوسہ لینے اور روزہ دار بیوی کا اپنے شوہر کا بوسہ لینے کے بارے میں حضرت عمرؓ سے مختلف روایات ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے خیال میں روزے ہیں

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۱، المحلی ۶/۱۷۸، کنز العمال ۲۴۳۸۹ (۲) عبدالرزاق ۴/۲۶۲، المحلی ۶/۲۷۰ (۳) المجموع ۶/۳۰۹

بوسہ لینا جائز ہے۔ (۱) حضرت عمرؓ کی زوجہ عاتکہ بنت زید نے حضرت عمرؓ کا بوسہ لیا تو آپ نے انہیں منع نہیں کیا۔ (۲) حضرت عمرؓ کی یہ اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتویٰ پر مبنی تھی۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میری طبیعت میں بشاشت تھی تو میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی کہ میں نے ایک بڑے گناہ کا ارتکاب کر لیا ہے، یعنی میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم روزہ کی حالت میں کلی کر لو تو کیا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ میں نے کہا کہ اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر اس میں کیا حرج ہے۔ (۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ روزہ دار کو بوسہ سے منع کیا کرتے تھے۔ آپ سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ کی حالت میں بوسہ لے لیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا ضبط نفس اور پاک دامنی کس کو حاصل ہے۔ (۴) اور اس کی تائید حضرت عمرؓ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے، حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، لیکن میں نے دیکھا کہ آپ میری جانب ملتفت نہیں ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۶ ب، سنن البیہقی ۴/۲۱۸، سنن ابی داؤد ۲۳۸۵ (الصوم) (۲) مسند الامام احمد ۱/۲۱، ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۶ ب، سنن البیہقی ۷/۲۱۸، سنن ابی داؤد (الصوم) ۲۳۸۵

(۳) عبدالرزاق ۴/۱۸۳، المحلی ۶/۲۰۹، ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۶ ب، مجمع الزوائد ۳/۱۶۶ (۴) ابن ابی شیبہ ۲/۱۶۹ ب، ۱/۱۲۶ ب، سنن البیہقی ۴/۲۳۲، مجمع الزوائد ۳/۱۶۵

صلی اللہ علیہ وسلم! کیا مجھ سے کوئی خطا سرزد ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: تم روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے ہو۔ میں نے عرض کی کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں آج کے بعد کبھی روزہ کی حالت میں بوسہ نہیں لوں گا۔ (۱)

حضرت عمرؓ کے بارے میں مروی ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ عمر رسیدہ روزہ دار کو اور ایسے موقعہ پہ جب شہوت میں تحریک پیدا نہ ہو، بوسہ کی اجازت دیتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک نوجوان کے لیے بوسہ مکروہ تھا۔ اسی طرح آپ ایسے موقعہ پر بوسہ مکروہ سمجھتے تھے، جہاں شہوت میں ہیجان پیدا ہونے کا امکان ہو۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ سے ایک عمر رسیدہ شخص نے روزہ کی حالت میں بوسہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اُسے اجازت دے دی اور ایک نوجوان نے دریافت کیا تو آپ نے اُسے منع کر دیا۔ (۲)

اور حضرت عمرؓ کی زوجہ عاتکہ جو حضرت عمرؓ کا بوسہ لیا کرتی تھیں وہ آپ کے سر کا بوسہ ہوا کرتا تھا جس سے شہوت میں تحریک پیدا نہیں ہوتی اور اس سلسلہ میں بعض روایات میں صراحت ہے؛ چنانچہ مؤطا میں روایت ہے کہ حضرت عاتکہ روزہ کی حالت میں حضرت عمرؓ کے سر پہ بوسہ لیا کرتی تھیں اور حضرت عمرؓ انہیں منع نہیں کیا کرتے تھے۔ (۳)

(ج) روزہ دار کے لیے مسواک کرنا جائز ہے جس وقت چاہے کر سکتا ہے خواہ زوال سے پہلے یا بعد۔ (۴) حضرت عمرؓ روزہ میں سُوکھی

(۱) البزار۔ اس روایت کے رجال صحیح کے رجال ہیں (۲) عبدالرزاق ۴/۱۸۵، المحلی ۶/۲۱۰ (۳) الموطا ۱/۲۹۲، کنز العمال ۲۴۰۵

(۴) المجموع ۶/۴۳۵، ۱/۳۳۹، المغنی ۱/۹۷

مسواک کرتے تھے۔ زیاد بن حدیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے زیادہ کسی شخص کو مسواک کا پابند نہیں دیکھا۔ آپ روزے کی حالت میں بھی مسواک کیا کرتے تھے لیکن سوکھی لکڑی استعمال کرتے تھے۔ (۱)

۸۔ رمضان کے روزوں کی قضا:

(و) حضرت عمرؓ رمضان کے فوت شدہ روزے ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں میں رکھنا پسند فرماتے تھے۔ (۲) اور آپ فرماتے تھے کہ رمضان کے روزوں کی قضاء کے لیے مجھے یہ دس ایام سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ (۳)

(ب) اگر کوئی شخص کسی دشواری کی وجہ سے رمضان کے روزوں کی قضا نہ رکھ سکے۔ حتٰی کہ دوسرا رمضان شروع ہو جائے تو اس پر سے ان روزوں کی قضا روزوں کی صورت میں ساقط ہو جائے گی اور فدیہ لازم ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص پر دو رمضان اس طرح آئیں کہ پہلے رمضان میں وہ بیمار رہا پھر رمضان کے بعد بھی روزوں کی قضا نہ رکھ سکا اور دوسرا رمضان شروع ہو گیا تو اب وہ دوسرے رمضان کے روزے رکھے گا اور پہلے رمضان کے روزوں کا کھانا کھلا کر فدیہ دے گا اور قضا کے لیے روزے نہ رکھے گا۔ (۴)

۹۔ رمضان کا روزہ توڑنے کا کفارہ:

اگر کوئی شخص عمداً بغیر کسی عذر کے رمضان کا روزہ نہ رکھے تو اس پر کفارہ اور تعزیر لازم ہے۔ کفارہ کے بارے میں حضرت عمرؓ سے ہمیں آپ کے مندرجہ ذیل قول کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔ اور وہ قول یہ ہے: رمضان کے علاوہ کسی دن کا ایک روزہ۔ اور ایک مسکین کو کھانا کھلانا (یہ دونوں عمل مل کر) مساوی ہیں رمضان کے ایک روزے کے۔

تعزیر کے لیے دیکھیے (دا شربہ/ اج ۳۔ تعزیر/۶)

نفلی روزہ توڑنے پر نہ کفارہ ہے اور نہ قضا ہے:

اگر کوئی شخص نفلی روزہ رکھے تو اس کا پورا کرنا مستحب ہے لیکن اگر کوئی ایسی بات پیش آ جائے جس کی بنا پر روزہ توڑ دینا مناسب معلوم ہو اور وہ روزہ توڑ دے۔ مثلاً مہمانوں کی آمد یا کھانے کی دعوت قبول کرنا۔ حضرت عمرؓ کے پاس کھانا لایا گیا تو آپ نے حاضرین سے کھانے کے لیے کہا۔ سب کہنے لگے کہ ہمارا روزہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُن پر زور دیا کہ وہ روزہ افطار کر لیں، اس پر سب نے افطار کر لیا۔ (۲) اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر کوئی شخص نفلی روزہ بغیر عذر کے یا عذر کی بنا پر افطار کر لے تو کوئی حرج نہیں اور اس کی قضا کے طور پر کسی ایک دن روزہ رکھ لے۔ حضرت عمرؓ ایک دن اپنے اصحاب کے پاس آئے اور فرمایا کہ میں ایک کام کر گزرا ہوں اس کے بارے میں فتویٰ دو۔ سب نے دریافت کیا کہ اے امیر المومنین وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں روزہ سے تھا کہ میرے سامنے میری باندی گزری جو مجھے اچھی لگی اور میں نے اُس سے جماع کر لیا۔ لوگوں نے اس بات کو بہت بڑا گناہ سمجھا لیکن حضرت علیؓ خاموش رہے حضرت عمرؓ نے پوچھا اے علیؓ تم کیا کہتے ہو؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپ نے جو کچھ کیا وہ حلال ہے اور اس روزہ کی جگہ کسی دوسرے

---

(۱) عبدالرزاق ۴/ ۲۰۸، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۲۴، سنن البیہقی ۴/ ۲۷۲، کنز العمال ۲۴۳۶۵، المغنی ۳/ ۱۱۰ (۲) عبدالرزاق ۴/ ۲۵۶، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۲۸، المغنی ۳/ ۱۴۶ (۳) سنن البیہقی ۴/ ۲۸۵، کنز العمال ۲۴۳۱۹ (۴) عبدالرزاق ۴/ ۲۳۵، کنز العمال ۲۴۳۱۴

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۰، المحلی ۶/ ۱۸۹، کنز العمال ۲۴۲۷۰
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۲۹ ب

دن روزہ رکھ لیجیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم فتویٰ میں ان سب سے بہتر ہو۔ (۱)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی کوئی قضا نہیں ہے۔ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں یہ روایت نقل کی ہے حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ کا روزہ نفلی تھا اور جو آپ نے کیا وہ حلال ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ پر کچھ نہیں ہے۔ نوویؒ نے حضرت عمرؓ کا یہی مسلک نقل کیا ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم! کیونکہ حضرت علیؓ کا یہ کہنا کہ میرے رائے میں آپ پر کچھ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ پر کفارہ نہیں ہے، کیونکہ یہ نفلی روزہ ہے اور نفلی روزے کا کفارہ نہیں ہے۔

صید (شکار)

۱۔ آلۂ صید :

۱۔ حضرت عمرؓ ایسی شے سے شکار کرنے سے منع فرماتے تھے، جس سے شکار دب کر یا گھٹ کر مر جائے۔ اور ایسی شئے سے شکار کا حکم دیتے جس سے جانور زخمی ہو جائے اور خون نکل جائے، کیونکہ شکار کرنا بھی دراصل ذبح کرنا ہے۔

زر بن حُبیش سے مروی ہے کہ اہلِ مدینہ حج کے لیے نکلے تو میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے سر کے اگلے حصہ پر بال نہیں تھے جو دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں سے کام کرتا تھا۔ جو لوگوں سے ایک ہاتھ بلند نظر آتا تھا۔ اس نے ایک موٹا تہبند باندھ رکھا تھا اور ایک موٹی سی چادر بطور احرام پہن رکھی تھی اور لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ اے لوگو ہجرت کرو لیکن مہاجرین کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو، اور تم میں سے کوئی خرگوش کو لکڑی یا پتھر پھینک کر نہ مارے اور نہ اس طرح مارے ہوئے شکار کو کھائے۔ چنانچہ تمہیں چاہیے کہ دھاردار نیزے اور تیر سے ذبح کرو۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ صاحب کون ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت عمر بن الخطاب ہیں۔ (۱)

۲۔ شکار کردہ جانور :

ہر ایسے جنگلی اور وحشی جانور کا شکار کرنا جائز ہے جس کا گوشت کھانا حلال ہو۔ (د: طعام / ۷)

۳۔ شکاری :

شکاری کے لیے شکار کے حلال ہونے کے لیے وہی شرائط ہیں جو ذبح کرنے والے کے لیے ہیں۔ (د: ذبح / ۳)

۴۔ حرم مکہ میں شکار کی حرمت اور اس کا تاوان۔ (د: حج / ۶ د ۵)

---

(۱) المحلی ۶ / ۲۷۰، کنز العمال ۲۴۳۲۹

(۱) عبدالرزاق ۴ / ۲۷۲، المجموع ۶ / ۴۵۵

ضاری (مضرت رساں)

مضرت رساں جانور کو ہلاک کرنا ۔ (د : حج / ۶ د ۵)

ضالّۃ (گمشدہ شے)

دیکھیے : لقطہ

ضَبّ (گوہ)

گوہ کھانا جائز ہے (د : طعام / ۷)

احرام کی حالت میں اگر گوہ کا شکار کرے تو کیا تاوان لازم آتا ہے ۔ (د : حج / ۶ د ۵ ح)

ضحیٰ (وقتِ چاشت)

صلاۃ الضحیٰ (نمازِ چاشت) (د : صلاۃ / ۲۰ ج ۳)

ضرب (مارنا)

کوڑے سے مارنا (د : جلد)

تادیب کے لیے ہاتھ وغیرہ سے مارنا ۔

(د : تادیب / ۲)

ضرورت

ضرورت کی بنا پر حد ساقط ہو جاتی ہے ۔ (د : حد ۸ ب)

ضرورت کے وقت تیمم جائز ہے ۔ (د : تیمم)

بھوک یا پیاس دُور کرنے کی ضرورت کے ماتحت اونٹنی کے مالک کی اجازت کے بغیر اُس کا دودھ دوھ لینا جائز ہے ۔

(د : سرقہ / ۵ ر ۱)

ضریبہ (ٹیکس)

۱۔ تعریف :

جو رقم حکومت لوگوں کے اموال یا جانوں پر عاید کرتی ہے وہ ضریبہ کہلاتی ہے ۔

۲ ۔ ضرائب کی اقسام :

حضرت عمرؓ کے زمانے میں درج ذیل ضرائب وصول کیے جاتے تھے ۔

زکوٰۃ (د : زکوٰۃ) جزیہ (د : جزیہ) خراج (د : خراج) عُشر (د : عُشر)

حضرت عمرؓ ان ضرائب کے علاوہ بھی ایک اور ٹیکس عاید کرنے کا ارادہ رکھتے تھے تاکہ اس کے ذریعے سے اسلامی حکومت

میں فقر کو ختم کر سکیں۔ اور یہ وہ تھا جس کا ذکر اس قول میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے مستقبل میں انہی حالات سے دوچار ہونا پڑا جو پہلے گزر چکے ہیں تو میں امراء سے اُن کا فالتو مال لے کر ان ہی کے غرباء میں تقسیم کر دوں گا۔ (۱)

ضمان

ضمان کے دو معنی ہیں :

۱۔ ضمان بمعنی کفالت (دیکھو : کفالۃ)

۲۔ ضمان بمعنی تاوان :

یعنی جو معاوضہ اس شے کے بدلے میں ادا کیا جائے جسے کسی نے خرچ یا تلف کر دیا یا جس پر یہ حکم لگ سکتا ہو کہ وہ خرچ ہو گئی۔

(۱) اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی کوئی شے تلف کر دے۔ تو اگر اس کا مثل موجود ہو تو تلف کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ مثل اُسے دے جس کی چیز تلف ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسی عورت کی اولاد کا ضمان دلوایا جس نے کسی شخص سے یہ دھوکہ دے کر شادی کر لی تھی کہ وہ آزاد عورت ہے اور اُن کے ہاں اولاد ہوئی۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ لونڈی ہے تو حضرت عمرؓ نے اس معاملہ میں فیصلہ دیا کہ باندی کے مالک کو غلام دیئے جائیں نہ کہ قیمت۔ یعنی لڑکے کے بدلے میں اُسی کی عمر کا لڑکا اور لڑکی کے بدلے میں اسی کی عمر کی لڑکی دی جائے۔ (۲)

(ب) اگر اس شے کا مثل موجود نہ ہو تو ضمان قیمت کی صورت میں ادا ہو گا۔ (۳)

۳۔ حضرت عمرؓ کے بعض فیصلے جن میں آپ نے ضمان ادا کرنے یا نہ ادا نہ کرنے کا حکم دیا۔

انسانی جان یا انسان کے اعضا کو خطاً نقصان پہنچانے کا ضمان۔ (د: جنایت/۵ ب)

کسی جانور کو نقصان پہنچانے کا ضمان۔ (د: جنایت/۳ د)

جانور کے نقصان پہنچانے (جنایت) کا ضمان (د: جنایت/۳ د)

ایسے جانی نقصان (جنایت) کا ضمان جو حاکم وقت کے ہاتھوں کسی کو پہنچے۔ (د: جنایت/۲ ب ۲ ج)

علاج کرتے ہوئے طبیب کی جنایت کا ضمان۔ (د: جنایت/۲ ب ۲ د)

ایسے مقتول کا حکومت پر ضمان جو کسی عام جگہ قتل ہوا اور اس کے قاتل کا پتہ نہ چلے۔ (د: جنایت/۲ ب ۲ ب ۲)

ایسی شے کا ضمان جو عامل (کام کرنے والے) کے قبضے میں تلف ہو جائے۔ (د: اجارہ/۳ ب)

متأجر (کرایہ پر لینے والے) پر عین متاجرہ (کرایہ پر لی ہوئی چیز) کا ضمان۔ (د: اجارہ/۳ الف)

مرتدین نے جنگ میں جو مسلمان قتل کیے ہوں مرتدین پر ان کی دیت کا ضمان (د: بغاۃ)

باغیوں نے اور مرتدین نے جو جانیں یا اشیاء وغیرہ تلف کی ہوں اُن کا ضمان۔ (د: بغاۃ)

مشترکہ غلام کو آزاد کر دینے کا ضمان (د: رق/۵ ج ۲)

رہن رکھی ہوئی چیز کے تلف ہو جانے کا ضمان (د: رہن/۳)

عاریتاً لی ہوئی شے کے ضائع ہو جانے کا ضمان (د: عاریت/۲)

اس امانت کا ضمان جو دو اشخاص نے مشترکہ طور پر کسی شخص کے پاس امانت رکھی ہو اور اس نے ان میں سے ایک کو دوسرے کی اجازت کے بغیر دے دی ہو۔ (د: ودیعت/۳)

اس شے کے ضائع ہو جانے کا ضمان جو خریدار نے دیکھنے اور جانچنے کے لیے اپنے قبضہ میں لی ہو۔ (د: بیع/۴ ب ۲)

---

(۱) المحلی ۶/۱۵۸ (۲) المحلی ۸/۱۴۱، المغنی ۶/۵۲۰
(۳) المغنی ۶/۵۲۰

اس شوہر کے مہر کا ضمان جس نے کسی عورت سے یہ سمجھ کر نکاح کیا ہو کہ وہ آزاد ہے اور بعد میں معلوم ہو کہ وہ باندی ہے۔ یا کسی نے کسی عورت کو صحت مند سمجھ کر اس سے نکاح کیا ہو لیکن بعد میں معلوم ہو کہ وہ جنون یا جذام یا برص کی مریضہ ہے۔

(د: تدلیس/۲ ب)

چور پر چرائی ہوئی چیز کا ضمان (د: سرقہ/۵ ب)

اس شے کا ضمان جو مسلمانوں کے لشکر نے رعیت میں سے کسی فرد کی ضائع کر دی ہو۔ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ اے امیر المومنین میں نے جس زمین پر فصل کاشت کی تھی اس پر سے شام کا لشکر گزرا اور فصل ضائع ہو گئی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُسے دس ہزار معاوضہ ادا کیا۔ (۱)

غارّہ (وہ لونڈی جس نے غلط بیانی سے خود کو آزاد ظاہر کر کے کسی شخص سے نکاح کیا ہو) یا مستحقہ (جس پر کسی دوسرے کا حق ہو) کی اولاد کا ضمان۔ (د: استحقاق/۱ و ۲)

ایسی شراب تلف کر دینے کا ضمان جو کسی مسلمان کے قبضہ میں ہو۔

(د: اشربہ/۱ د ۲)

اس چیز کا ضمان جسے کوئی نابالغ بچہ یا دیوانہ تلف کر دے۔

(د: صغیر/۵ د - جنون/۲)

تدلیس کی صورت میں ضمان (د: تدلیس/۲ ب)

۴- ضمان اور تعزیر کا اجتماع (د: تعزیر/۴)

ضمان دلاتے وقت تعزیراً تاوان میں اضافہ کر دینا (د: تعزیر/۲)

ضیافۃ (ضیافت)

حضرت عمرؓ ضیافت (مہمان نوازی) کو ایک حق تصوّر کرتے تھے، اسی لیے آپ نے فرمایا کہ جب تم کسی اُونٹ یا بکری چرانے والے کے پاس سے گزرو تو اُسے تین مرتبہ آواز دو، وہ پکار کا جواب دے تو اس سے پینے کے لیے دُودھ طلب کرو، ورنہ خود اُتر کر دودھ دوھ لو اور پھر اُس (اُونٹنی وغیرہ) کے تھن باندھ دو۔ (۱) اور اسی لیے حضرت عمرؓ نے ذمیوں پر لازم قرار دیا تھا کہ اُن کے پاس سے جو مُسلمان گزریں وہ اُن کی مہمان نوازی کریں۔ اور حضرت عمرؓ نے اس ضیافت کو جزیہ کا حصہ قرار دیا تھا۔ (د: جزیہ/۴ و ۲)

ذمیوں کے پاس سے گزرنے والے مسلمانوں کی ضیافت کا ذمیوں پر لازم ہونا۔

(د: ذمہ/۲ و ج ، ذمہ/۲ ب ۴ ، ذمہ/۵ ج ۵)

---

(۱) خراج ابی یوسف: ۱۴۲

(۱) عبدالرزاق ۴/۵۸، سنن البیہقی ۹/۳۵۹، المجموع ۹/۵۳

ط

طب

زیرِعلاج مریض ہلاک ہوجانے پر طبیب سے جواب طلبی ۔

(د؛ جنایت / ۲ ب ۲ د)

طریق (راستہ)

حضرت عمرؓ نے راستہ میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ۔

(د؛ صلاۃ / ۲ و ۱)

مسجد کو راستہ بنانا (د؛ مسجد / ۷ ب)

طعام (کھانا)

۱۔ حضرت عمرؓ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ مسلمان اپنے کھانے میں زیادہ تنعم اختیار نہ کرے ۔ عبید اللہ بن عمرؓ اپنے بھائی عبد اللہ کے پاس آئے تو عبد اللہ نے اُن کے سامنے گوشت والا ثرید رکھا ۔ عبید اللہ نے کہا کہ گھی ڈالو تب کھاؤں گا ۔ حضرت عبد اللہ بولے کہ کیا تم کو نہیں معلوم کہ تمہارے والد نے اس سے منع کیا ہوا ہے ۔ اس موقعہ پر حاضرین نے کہا کہ اپنے بھائی کو اچھی طرح کھلا دیجئے ، اس پر اُنہوں نے اس میں گھی ڈال دیا ۔ اسی دوران حضرت عمرؓ بھی تشریف لے آئے اور آپ نے ہاتھ بڑھایا اور اس میں سے ایک لقمہ لیا ۔ پھر اپنا چہرہ اُٹھا کر لوگوں کی جانب دیکھا اور کوڑا اُٹھا کر عبید اللہ کو مارا ۔ پھر باندی کو مارنے کا ارادہ کیا تو اُس نے کہا کہ اس میں میری کوئی غلطی نہیں ۔ مجھے جو کہا گیا وہ میں نے کیا ۔ ازاں بعد حضرت عمرؓ تشریف لے گئے اور عبد اللہ سے کچھ نہیں کہا ۔ (۱)

۲۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ ایسے دسترخوان پر کھانے بیٹھے جس پر شراب موجود ہو ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، تمہارے آس پاس کہیں خنزیر نہیں ہونا چاہیے اور تمہارے علاقے میں صلیب نہ بلند کی جانی چاہیے ۔ اور اس دسترخوان پر کھانا مت کھاؤ جس پہ شراب پی جا رہی ہو ۔ (۲)

۳۔ مسلمان کو چاہیے کہ دائیں ہاتھ سے کھائے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اپنے دائیں ہاتھ سے کھاتا ہوں اور بائیں ہاتھ سے استنجا کرتا ہوں ۔ (۳)

۴۔ مسلمان کے لیے لازم ہے کہ صرف ایسا مال کھائے جو حلال ہو ۔ اور اگر کوئی مسلمان مردار یا مالِ غیر بحالتِ اضطرار کھا لے تو وہ اس کے حق میں حلال تصور کیا جائے گا ۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی باغ کے پاس سے گزرتے ہوئے بقدرِ ضرورت اس باغ کا پھل کھا لے تو وہ بھی اس کے حق میں حلال متصور ہوگا ، لیکن باغ میں سے

---

(۱) مصنف عبد الرزاق ۱۱/ ۸۷ (۲) مصنف عبد الرزاق ۶/ ۶۱
(۳) ابنِ ابی شیبہ ۱/ ۲۶ ب

پھل توڑ کر ساتھ لے جانا جائز نہیں ہے۔ (د: سرقہ/۵ ل ۱)

امیر کے لیے زکوٰۃ کے مال میں سے کوئی چیز لینا حرام ہے۔ چنانچہ زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے دودھ نوش فرمایا جو آپ کو اچھا لگا تو آپ نے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ صدقہ کے جانوروں سے دوہا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے حلق میں انگلی ڈالی اور قے کر دی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے اس وقت قے کر دی تھی جب آپ کو آپ کے اصحاب نے ان اونٹوں کا گوشت کھلا دیا تھا جو آپ نے غزوۂ ذات السلاسل میں مجاہدین کے درمیان تقسیم کیے تھے۔ (۱)

(د: زکوٰۃ/۸ ب ۳)

۵۔ بحالتِ احرام شکار کا گوشت کھانا۔ (د: حج/۷ ز)

۶۔ جن حیوانات کا کھانا حرام یا مکروہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے درج ذیل فرمان میں ان جانوروں کا ذکر فرمایا ہے جن کا کھانا حرام ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (المائدہ: ۳)

(تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سؤر کا گوشت، وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر یا چوٹ کھا کر یا بلندی سے گر کر یا ٹکر کھا کر مرا ہو یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو، سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا اور جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔

حضرت عمرؓ نے آذربیجان میں موجود اسلامی لشکر کے نام یہ خط تحریر کیا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم ایسی سرزمین میں ہو، جہاں کھانے میں مردار شامل ہوتا ہے اور مردار کی کھال پہنی جاتی ہے لہٰذا تم صرف وہی گوشت کھاؤ جو اسلامی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہو۔ (۱)

(د: خنزیر/۲)

سانپ کھانا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہر طرح کے سانپ کو مار ڈالو۔ (۲) اسی طرح تمام چیر پھاڑ کرنے والے جانوروں کا کھانا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ چیر پھاڑ کرنے والے جانوروں کو خوفزدہ کر کے بھگا دو، اس سے قبل کہ وہ تمہیں خوفزدہ کریں (۳) اسی طرح تمام قسموں کے بندروں کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے بندر کا گوشت کھانا مکروہ قرار دیا اور اس کی فروخت بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ (۴) حضرت عمرؓ خرگوش کا کھانا بھی ناپسند کرتے تھے۔ (۵) اور ایسے سرکہ کا کھانا بھی جائز نہیں جس کو شراب سے سرکہ بنانے میں انسان کا دخل ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ بگڑی ہوئی شراب سے بنا ہوا سرکہ نہ استعمال ... جب تک کہ اللہ تعالیٰ خود اس کا فساد ظاہر نہ کرے۔

(د: اشربہ/ ا ک)

حضرت عمرؓ کچے پیاز اور لہسن کا کھانا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ (د: ثوم)

۷۔ حیوانات میں سے جو حلال ہیں:

ٹڈی کا کھانا حلال ہے اور مینڈک کے سوا سمندر کے تمام مُردہ جانور کھانا بھی حلال ہے۔ (۶) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سب ٹڈیاں بھی مذبوح ہیں اور سب مچھلیاں بھی مذبوح ہیں۔ (۷)

---

(۱) طبقات ابن سعد ۶/ ۱۰۲ (۲) المحلی ۷/ ۴۰۴
(۳) المحلی ۷/ ۴۰۶ (۴) المغنی ۸/ ۵۸۸ (۵) المحلی ۷/ ۴۳۲
(۶) المجموع ۹/ ۳۱ (۷) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۶۸ المحلی ۷/ ۳۹۷، سنن البیہقی ۹/ ۲۵۴

اور آپ سے ٹڈیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے پسند ہے کہ ہمارے پاس ٹڈیوں سے بھرا تھیلا ہو اور ہم ٹڈیاں کھائیں۔ (۱) حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں بحرین میں آیا تو مجھ سے بحرین والوں نے ایسی مچھلیوں کے بارے میں دریافت کیا جنہیں سمندر اچھال کر خشکی پر پھینک دیتا ہے تو میں نے انہیں مشورہ دیا کہ انہیں کھاؤ۔ واپس آکر میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ تم نے انہیں کیا بتایا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے انہیں کھانے کا مشورہ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم اس کے سوا کوئی بات کہتے تو میں تم پر اپنا کوڑا اٹھا لیتا۔ اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے یہ آیت تلاوت کی:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ج (المائدہ: ۹۶)

(تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا جہاں تم ٹھہرو وہاں بھی کھا سکتے ہو اور قافلہ کے لیے زاد راہ بھی بنا سکتے ہو)

آپ نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ صید سے مراد وہ مچھلیاں ہیں جو شکار کر لی جائیں اور طعام سے مراد وہ مچھلیاں ہیں جو سمندر خود باہر اچھال دے۔ (۲)

گوہ کھانا حلال ہے۔ کسی چرواہے نے حضرت عمرؓ سے اپنے علاقے میں بھوک کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا تم ایسی سرزمین میں نہیں ہو جہاں گوہ زیادہ ہیں۔ اس نے کہا کہ جی ہاں اے امیرالمومنین! اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تو گوہ کو سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ (۱)

بجو کا کھانا حلال ہے۔ کیونکہ حاجی اگر بحالت احرام بجو مار دے تو اس پر حضرت عمرؓ نے ایک مینڈھا فدیہ دینا قرار دیا۔ (۲)

یربوع (جنگلی چوہا) کھانا حلال ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ اگر کوئی شخص بحالتِ احرام یربوع کا شکار کرے تو وہ بکری کا بچہ ذبح کرے۔ (۳)

پنیر کھانا جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پنیر دودھ اور زچگی کے بعد کے پہلے دودھ سے بنتا ہے، لہٰذا اسے اللہ کا نام لے کر کھاؤ اور اللہ کے دشمنوں کی باتوں میں مت آؤ۔ (۴)

ایک اور روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پنیر نہ کھاؤ سوائے اس پنیر کے جو اہل کتاب نے تیار کیا ہو۔ (۵) کیونکہ دودھ پنیر کی صورت میں اس وقت جمتا ہے جب اس میں (بکری کے بچے کے معدے کی رطوبت) ملا دی جائے اور یہ رطوبت بکری کے بچوں سے حاصل ہوتی ہے چنانچہ اگر اسے مسلمان یا اہلِ کتاب ذبح کرے گا تو وہ پاک ہو گی اور اگر کوئی اور ذبح کرے گا تو وہ رطوبت نجس ہو گی اور پنیر میں مل کر اسے بھی نجس کر دے گی۔

۸۔ کفارہ میں کھانا کھلانا (دیکھئے کفارہ/۳ ج)

وہ کھانے جو حکومت شہریوں میں مفت تقسیم کرے۔

(دیکھئے فئے/۲ و ۳ ھ)

(۱) سنن البیہقی ۹/۲۵۸، عبدالرزاق ۴/۵۳۰، الموطا ۲/۹۲۳، المحلی ۷/۴۳۰
(۲) سنن البیہقی ۹/۲۵۲، تفسیر الطبری ۱۲۶۸۷

(۱) عبدالرزاق ۴/۵۱۱، مسند الامام احمد ۱/۲۹، سنن البیہقی ۹/۳۲۴، المحلی ۷/۴۳۲، المغنی ۸/۶۰۳
(۲) سنن البیہقی ۹/۳۱۹
(۳) المغنی ۸/۵۹۲
(۴) سنن البیہقی ۱۰/۶، المجموع ۹/۹۶، المغنی ۸/۶۱۲
(۵) سنن البیہقی ۱۰/۶، المجموع ۹/۶۹

طِلاء

۱۔ تعریف :

انگور کا شیرہ اگر اس قدر پکا لیا جائے کہ اُس کے دو ثلث خشک ہو جائیں اور ایک ثلث باقی رہ جائے تو یہ طلا کہلاتا ہے۔ یہ نشہ آور نہیں ہوتا۔

۲۔ اس کا پینا حلال ہے۔ (۱) اشربہ/۲ب)

طلاق

۱۔ تعریف :

طلاق سے مراد ہے نکاح کے بندھن کو کھول دینا۔

۲۔ طلاق کے بارے میں احکام :

بلاضرورت اور بغیر کسی جواز کے طلاق دینا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں سراسر نقصان ہے۔ البتہ اگر ضرورت داعی ہو اور جواز موجود ہو تو جائز ہے مثلاً کسی نے ایسی عورت سے نکاح کر لیا جو بانجھ ہو یا اس کے سر کے بال سفید ہوں اور اُسے پہلے علم نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے بنی مخزوم کی ایک عورت سے نکاح کر لیا تھا جو بانجھ تھی۔ آپ نے اُسے طلاق دے دی اور فرمایا کہ بیوی سے میرا مقصود لذت نہیں ہے۔ اگر بچے نہ جنے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ اس کا سر سفید ہے تو آپ نے اُسے طلاق دے دی۔ (۱)

۳۔ کھیل اور مذاق میں دی ہوئی طلاق بھی حقیقی طلاق ہے۔

طلاق ان معاملات میں ہے جن میں ہنسی مذاق کی گنجائش نہیں ہوتی یہ انتہائی اہمیت کا حامل معاملہ ہے۔ اگر اس میں مذاق کی گنجائش رہنے دی جاتی تو بیہودہ لوگ ازدواجی تعلقات کو ہنسی مذاق اور کھیل تماشہ بنا دیتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تین امور ایسے ہیں جن میں سنجیدہ آدمی اور ہنسی مذاق کرنے والے برابر ہیں۔ طلاق، صدقہ اور عتاق (غلام آزاد کرنا) (۱) ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ چار امور ہر حال میں نافذ ہو جاتے ہیں۔ عتاق (غلام آزاد کرنا) طلاق، نکاح اور نذر۔ (۲) مدینہ منورہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں۔ جب یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو اُس نے کہا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے سر پہ مارنے کے لیے کوڑا اٹھایا اور اُن کے درمیان تفریق کرا دی۔ (۳)

مگر اس حکم سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ کوئی شخص دھوکہ کھا کر اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ دھوکہ سے عقد (معاہدہ) اور فسخ عقد (معاہدہ کو کالعدم قرار دینا) دونوں فاسد ہو جاتے ہیں۔ خلیمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرا کوئی نام تجویز کرو۔ شوہر نے کہا کہ تو تو ہرنی ہے۔ وہ بولی یہ تو کوئی نام نہ ہوا۔ شوہر نے کہا کہ اچھا تم ہی بتاؤ کہ میں تمہارا کیا نام رکھوں۔ وہ بولی کہ میرا نام "خلیہ طالق" (بے مہار آزاد) رکھ دو۔ شوہر بولا تو پھر تو "خلیہ طالق" ہے۔ ازاں بعد یہ عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور بولی کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ پھر اس کا شوہر آیا اور اُس نے تمام واقعہ سُنایا جسے سُن کر حضرت عمرؓ نے اُس کے سر پر مارا اور اس کے شوہر سے کہا کہ اسے لے جاؤ اور اسے مارو۔ (۴)

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۲۵۸

(۱) مصنف عبدالرزاق ۲/۱۳۴ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۴ المغنی ۹/۵۳۵، ۷/۱۳۵ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۴-ب سنن البیہقی ۷/۳۳۴، (۴)، المحلی ۱۰/۲۰۰

۴۔ مُطلق (طلاق دینے والا)

طلاق دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ :

(۱) وہ اس عورت کا شوہر ہو جسے طلاق دی گئی ہے یا اس کو شوہر نے طلاق دینے کا اختیار سونپ دیا ہو۔ اور طلاق دینے کا یہ اختیار خود اُس بیوی کو بھی سونپا جاسکتا ہے جسے طلاق دینا مطلوب ہے اور کسی غیر شخص کو بھی اور بعض حالات میں یہ اختیار شوہر کے ولی کے بھی سپرد کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ شوہر طلاق دینے کے حق کا مالک ہے، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا طلاق کا اختیار اُس کے ہاتھ میں ہے جس کے لیے عورت سے جماع کرنا حلال ہے۔ (۱) اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر غلام بغیر مالک کی اجازت سے نکاح کرے تو اس کا نکاح حرام ہے اور اگر اُس نے مالک کی اجازت سے نکاح کیا تو طلاق دینے کا حق اس شخص کا ہے جس کی بیوی ہے۔(۲) اور چونکہ پہلی صورت میں نکاح حرام ہے، اس لیے اس میں تفریق لازم ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایسی طلاق کے بارے میں جو شوہر نے حالتِ کفر میں دی ہو توقف کیا۔ چنانچہ جب آپ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جس نے زمانۂ جاہلیت میں اپنی بیوی کو دو طلاقیں دی تھیں، پھر زمانۂ اسلام میں ایک طلاق اور دے دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نہ تو حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں، یعنی کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ لیکن میں فیصلہ دیتا ہوں کہ تمہاری شرک کے زمانہ میں دی ہوئی طلاق کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔(۳)

(۱) المغنی ۷/۸۸ (۲) عبدالرزاق ۷/۱۴۱، ۲۴۲
(۳) مصنف عبدالرزاق ۷/۱۸۱، المحلی ۱۰/۲۰۲

اگر کسی شخص نے اجنبی عورت کو معلق طلاق دی یعنی اُس سے کہا کہ "اگر میں تم سے نکاح کروں تو تم کو طلاق"؛ پھر اُس سے نکاح کرلیا تو یہ طلاق واقع ہوجائے گی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے نکاح کرنے سے قبل یہ قسم کھا لی کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اُسے طلاق۔ پھر اُس نے یہ قسم توڑ دی تو جب وہ اس سے نکاح کرے گا یہ طلاق لازم ہوگی۔ (۱) اور ایک شخص نے کہا کہ میں جس عورت سے بھی نکاح کروں اُسے تین طلاقیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جس طرح تم نے کہا ہے اُسی طرح ہوگا۔ (۲)

۲۔ اگر شوہر بیوی کو یہ امر تفویض کردے کہ وہ خود اپنے آپ کو طلاق دے دے اور اس کے لیے لفظ "اختیار" استعمال کرے مثلاً یہ کہے کہ تجھے اپنے نفس کا اختیار ہے یا لفظ "تملیک" استعمال کرے مثلاً یہ کہے کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے وغیرہ۔ اور یہ تفویض یا تو شوہر کی جانب سے ہوگی یا شریعت کی طرف سے، بہرحال اختیار اور تملیک کے الفاظ کا حکم ایک ہی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تجھے اپنی ذات کا اختیار ہے اور تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ دونوں برابر ہیں۔ (۳)

چنانچہ اگر شوہر نے طلاق کا اختیار بیوی کو تفویض کردیا تو عورت کو یہ اختیار اس وقت تک رہے گا جب تک وہ اسی مجلس میں ہے جس میں اختیار دیا گیا تھا۔ اگر وہ مجلس سے اُٹھ جائے تو اس کا یہ اختیار باقی نہیں رہے گا اور پھر سے طلاق کا حق شوہر کو لوٹ جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو اپنی ذات کے بارے میں فیصلے کا مالک بنا دیا اور

(۱) الموطا ۲/۵۸۴ (۲) مصنف عبدالرزاق ۶/۴۲۱ (۳) مصنف عبدالرزاق ۷/۸، ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۹ ب، المحلی ۱۰/۱۲۱

اس کو فیصلے کا اختیار دے دیا تو پھر اگر اس مجلس سے وہ دونوں جدا ہو جائیں اور اس مجلس میں کوئی بات وقوع پذیر نہ ہو تو طلاق کا حق شوہر کو لوٹ جائے گا۔ (۱)

اور اگر بیوی نے فیصلے کا حق یا معاملہ طے کرنے کا اختیار خود لوٹا دیا یا پھر شوہر کو انتخاب کر لیا تو کچھ واقع نہیں ہوگا یعنی طلاق نہیں ہوگی۔ اور اگر اُس نے خود کو انتخاب کر لیا اور اپنے آپ کو ایک یا دو یا تین طلاقیں دے دیں تو صرف ایک رجعی طلاق واقع ہوگی۔ (۲) حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر مرد نے اپنی بیوی کو اختیار دیا اور اُس نے شوہر کو انتخاب کر لیا تو کچھ نہیں ہے اور اگر اُس نے اپنے آپ کو انتخاب کیا تو یہ صرف ایک طلاق ہوگی اور شوہر کو رجوع کا حق ہوگا۔ (۳) چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو اپنے بارے میں فیصلہ کا اختیار دے دیا تھا اور اُس نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دے دی تھیں کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے۔(۴)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک شخص آیا اور اُس نے کہا کہ میرے اور میری بیوی کے درمیان کچھ ایسی بات ہوئی جو اکثر لوگوں میں ہو جاتی ہے اور اس (بیوی) نے کہا کہ جس طرح میرے فیصلہ کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے اگر میرے ہاتھ میں ہوتا تو تجھے پتہ چلتا کہ میں کیا کرتی ہوں۔ اس پر شوہر نے کہا کہ اچھا تیرے بارے میں فیصلے کا اختیار جو میرے ہاتھ میں ہے وہ اب تیرے ہاتھ میں آگیا۔ اس پر بیوی نے کہا کہ پھر تجھے تین طلاق۔ یہ واقعہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ یہ ایک طلاق ہے اور تمہیں رجوع کا حق حاصل ہے بہر حال میں امیر المومنین عمرؓ سے ملاقات کروں گا (تو یہ بات بھی ذکر کر دوں گا۔ چنانچہ اُنہوں نے حضرت عمرؓ سے ملاقات کی تو اُنہیں تمام واقعہ سُنایا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ نے مردوں کو اختیار دیا اور مرد اپنا اختیار عورتوں کو دے بیٹھتے ہیں۔ اس عورت کے منہ میں خاک۔ آپ نے کیا بتایا؟ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ میں نے کہا ہے کہ میری رائے میں یہ ایک طلاق ہوئی اور شوہر کو اب بھی رجوع کا حق ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میری بھی یہی رائے ہے اور اگر تم اس کے سوا کوئی اور رائے ظاہر کرتے تو میں کہتا کہ تم نے درست نہیں کہا۔(۱)

اور اگر طلاق دینے کا حق شریعت نے عورت کو تفویض کیا ہے تو اس صورت میں اُسے یہ اختیار حاصل ہوگا کہ چاہے تو اسی شوہر کی بیوی رہے اور چاہے تو طلاق لے لے، لیکن عورت اپنا یہ اختیار اس وقت تک استعمال کر سکے گی جب تک اُس نے یہ جاننے کے بعد کہ مجھے طلاق اور بیوی رہنے میں سے کسی ایک بات کا اختیار حاصل ہے۔ خاوند کو اپنے ساتھ جماع کرنے کا موقع نہ دیا ہوگا۔ مثلاً کوئی لونڈی کسی آزاد شخص یا غلام کے نکاح میں ہو پھر وہ آزاد کر دی جائے تو اس صورت میں اسے خیار عتق حاصل ہوگا۔ (د، خیار/۲)

۳۔ اگر بیوی کے علاوہ کسی اور شخص کو حق طلاق تفویض کیا گیا ہو تو یہ شخص خواہ ایک طلاق دے یا دو یا تین، ہر صورت میں ایک ہی طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک شخص

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۹ ب، عبدالرزاق ۶/۵۲۵، المغنی ۷/۱۴۷ (۲) المغنی ۷/۱۵۰ (۳) مصنف عبدالرزاق ۷/۹، سنن سعید بن منصور ۱۶۴۸، سنن البیہقی ۷/۳۴۵، آثار ابی یوسف ۶۳۲ (۴) المحلی ۱۰/۱۱۷، ۱۲۰، ابن ابی شیبہ ۱۱/۲۳۹ ب

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶/۵۲۰، ۵۲۱، ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۹ المغنی ۷/۱۴۲، المحلی ۱۰/۱۱۹

نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا معاملہ کسی دوسرے شخص کے سپرد کر دیا اور اُس نے اُسے تین طلاقیں دے دیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایک طلاق واقع ہو گئی اور رجوع کا حق نہیں ہے۔ (۱)

۴۔ ولی کے طلاق دینے کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ شوہر مفقود الخبر ہو جائے۔ مفقود الخبر شخص کی بیوی چار سال اس کا انتظار کرے گی۔ ازاں بعد شوہر کا ولی اسے طلاق دے دے گا۔ (د ، مفقود/۲ ل)

دوسری صورت یہ ہے کہ شوہر طلاق دینے کا اہل نہ رہا ہو اور بیوی کے لیے ازدواجی زندگی برقرار رکھنا دشوار ہو گیا ہو۔ جیسے مجنون اور بے عقل شخص کی بیوی جسے اس کا شوہر تنگ کرتا ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر پاگل شخص اپنی بیوی کو تنگ کرتا ہو تو اُس کا ولی اُسے طلاق دے دے گا۔

(ب) طلاق دینے والا عاقل ہو، کیونکہ عقل کا ہونا قولی تصرفات کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔

۱۔ چنانچہ جس کی عقل زائل ہو گئی ہو اور زوالِ عقل میں خود اس کے کسی فعل کا دخل نہ ہو، جیسے مجنون اور بے عقل شخص تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر پاگل شخص اپنی بیوی کو تنگ کرے تو اُس کا ولی اُسے طلاق دے دے۔ (۲)

۲۔ لیکن جس کی عقل خود اس کے اپنے کسی فعلِ حرام سے زائل ہوئی ہو۔ جیسے شراب وغیرہ کے نشہ سے تو اس شخص کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی۔ (د ، سکر/۳)

(ج) طلاق دینے والا بالغ ہو، لہٰذا چونکہ غیر ممیز (ناسمجھ) بچے کے تصرفات مجنون کے تصرفات کی مانند ہیں، اس لیے اس کی دی ہوئی طلاق حضرت عمرؓ سے مروی اقوال میں سے ایک قول کے مطابق واقع نہیں ہوگی۔ اور صبی ممیز (سمجھدار بچہ) کی طلاق کے بارے میں ہمیں حضرت عمرؓ کا کوئی قول نہیں ملا۔

(د) طلاق دینے والا بااختیار ہو، یعنی غیر مختار شخص کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ یعنی اگر کسی کو طلاق دینے پر مجبور کیا گیا ہو تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک طلاقِ مکرہ (جبراً لی گئی طلاق) کی کوئی حیثیت نہیں۔ (۱) ثابت الاعرج سے مروی ہے کہ میں نے طلاق مکرہ کے بارے میں حضرت عمرؓ اور ابن الزبیرؓ سے دریافت کیا تو دونوں نے فرمایا کہ کچھ نہیں ہے۔ (۲)

قدامۃ الجمحی سے مروی ہے کہ ایک شخص شہد اتارنے کے لیے رسی کی مدد سے لٹکا ہوا تھا کہ اس کی بیوی آئی اور بولی کہ یا تو مجھے طلاق دے یا میں رسی کاٹ دوں گی۔ اس شخص نے حضرت عمرؓ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنی بیوی کے پاس لوٹ جا یہ طلاق نہیں ہے۔ (۳)

ایک اور روایت میں ہے جو عمر بن شرحبیل معافری سے مروی ہے کہ ایک عورت نے تلوار نکال کر اپنے شوہر کے پیٹ پر رکھ دی اور بولی خدا کی قسم یا تو مجھے طلاق دے یا میں یہ تلوار تیرے پیٹ میں اتار دوں گی۔ اس پر اُس کے شوہر نے اُسے تین طلاقیں دے دیں۔ یہ مقدمہ جب حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے ان طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔ (۴) اس موقع

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۷/۳ (۲) المحلی ۱۰/۱۱۲ (۳) المحلی ۱۰/۱۱۲

(۱) المصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۸ ب۔ المحلی ۸/۳۳۱
(۲) المحلی ۱۰/۲۰۲ (۳) المحلی ۸/۳۳، ۱۰/۲۰۳، المغنی ۷/۱۱۹
سنن البیہقی ۷/۳۵۷ (۴) المحلی ۱۰/۲۰۳

پر حضرت عمرؓ نے طلاقیں اس لیے نافذ فرمادیں کہ آپ کو علم تھا کہ یہ عورت جو دھمکی دے رہی تھی اسے پورا نہ کرتی کیونکہ عورت قتل کرنے اور خون بہانے کے معاملہ میں طبعاً کمزور ہوتی ہے۔

(ھ) طلاق دینے والا مرض الموت میں مبتلا نہ ہو: اگر شوہر نے اپنے مرض الموت میں بیوی کو میراث سے محروم کرنے کے لیے طلاق دی تو بیوی وارث ہوگی۔ (دارث/ ۲ب)

۵۔ مُطلّقہ:

جس عورت کو طلاق دی جائے اس پر طلاق واقع ہونے کے لیے شرط ہے کہ وہ طلاق کی محل ہو۔ اور طلاق کا محل وہ اس طرح ہوگی کہ وہ طلاق دینے والے کی بیوی ہو جو نکاح صحیح کے ساتھ اُس کی زوجیت میں آئی ہو خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ آزاد ہو یا باندی۔

عورت محض عقدِ نکاح سے بیوی بن جاتی ہے، خواہ شوہر نے اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو یعنی نکاح ہوتے ہی عورت احکامِ طلاق کا محل بن جاتی ہے۔ حضرت انسؓ بن مالک سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی باکرہ بیوی کو صحبت سے قبل تین طلاق دے دے تو حضرت انسؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ ______ اُن میں جدائی کرا دیتے تھے اور شوہر کو مارا کرتے تھے۔ (۱)

۶۔ طلاقوں کی تعداد:

(۱) آزاد شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کا حق رکھتا ہے خواہ بیوی آزاد ہو یا باندی۔(۲) کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ (البقرہ: ۲۲۹)

(طلاق دو بار ہے پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اُس کو رخصت کر دیا جائے)۔

اگر شوہر نے تین سے کم طلاقیں دیں اور بیوی نے عدت پوری کرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔ بعدازاں پھر اُس نے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر لیا تو اب اس پہلے شوہر کو اسے صرف اتنی طلاقیں دینے کا حق ہے جو باقی رہ گئی تھیں۔ یعنی اگر اُس نے نکاح اوّل میں ایک طلاق دی تھی تو شوہر کو نکاح ثانی میں دو طلاقوں کا حق حاصل ہوگا اور اگر اُس نے پہلے نکاح میں دو طلاقیں دی تھیں تو اُسے دوسرے نکاح میں ایک طلاق کا حق حاصل ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے بحرین کے ایک شخص کے بارے میں دریافت کیا جس نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے دی تھیں اور بیوی نے کسی اور سے نکاح کر لیا تھا۔ پھر جب دوسرے شوہر نے بھی اُسے طلاق دے دی تو پہلے شوہر نے اُس سے دوبارہ نکاح کر لیا۔ میں نے پوچھا کہ اب شوہر کو کتنی طلاقوں کا حق ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی جو طلاقیں باقی رہ گئی تھیں، اتنی ہی طلاقوں کا حق ہے۔ (۱)

(ب) غلام اپنی بیوی کو صرف دو طلاقیں دینے کا حق رکھتا ہے خواہ بیوی آزاد عورت ہو یا باندی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ غلام دو طلاقیں دے سکتا ہے۔ (۲)

۷۔ طلاق کے الفاظ:

طلاق کبھی تو ایسے صریح لفظ میں دی جاتی ہے جیسا کہ لفظ طلاق ہے کہ اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہیں ہے اور کبھی ایسا

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۳۳۲ (۲) المغنی ۷/ ۲۶۲

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۴۳ب، عبدالرزاق ۶/ ۲۵۱ الموطا ۲/ ۵۸۶، المحلی ۱۰/ ۲۵۰

(۲) عبدالرزاق ۷/ ۲۲۱، سنن البیہقی ۷/ ۳۶۸

لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس میں معنی طلاق کا کنایہ ہوتا ہے یعنی جس کے معنی طلاق بھی ہو سکتے ہیں اور کوئی دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں ۔

ا) اگر صریح لفظ طلاق استعمال کر کے طلاق دی گئی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اس صورت میں نہ کسی قرینہ کی ضرورت ہے نہ نیت دریافت کرنے کی اور یہ طلاق رجعی ہوگی اور جب تک رجوع نہ کر لے شوہر پر اپنی مطلقہ بیوی سے جماع کرنا یا کسی اور طریقہ سے لطف اندوز ہونا حرام ہوگا اور لفظ صریح سے طلاق کی وہی تعداد واقع ہوگی جس کی طلاق دہندہ خود تصریح کر دے ۔ اگر اُس نے ایک طلاق کی تصریح کی تو ایک واقع ہوگی اور اگر اُس نے دو کی تصریح کی تو دو ہوں گی اور اگر اُس نے تین کی تصریح کی تو تین ہوں گی خواہ طلاق ایک لفظ سے دی ہو یا متعدد الفاظ سے اور خواہ طلاق دخول سے پہلے دی ہو یا دخول کے بعد اور خواہ نکاح سے پہلے دی ہو یا نکاح کے بعد ۔ اس بات کی دلیل کہ شوہر نے اگر تین طلاقوں کی تصریح کی تو تین طلاقیں واقع ہوں گی ۔ وہ واقعہ جو مدینہ منورہ میں پیش آیا تھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں ۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش ہوا تو شوہر نے کہا کہ میں تو محض مذاق کر رہا تھا ۔ اس کا یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ نے اُسے مارنے کے لیے کوڑا اٹھایا اور فرمایا کہ تجھے تین طلاق ہی کافی تھیں اور ان دونوں میں تفریق کرا دی ۔ (۱)

اس بات کی دلیل کہ اگر عقد نکاح کے بعد اور جماع سے قبل طلاق دے اور صراحت کرے کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی ۔ یہ روایت ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی باکرہ بیوی کو جماع سے قبل تین طلاقیں دے دے ، تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ ان دونوں میں تفریق کرا دیتے تھے اور مارا کرتے تھے ۔ (۱)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ تین طلاقیں ہیں اور اس کے بعد وہ بیوی اس کے لیے حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے ۔ (۲)

نکاح سے قبل طلاق واقع ہونے کے بارے میں حضرت عمرؓ کا یہ قول ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اُسے طلاق ۔ پھر اُس نے قسم توڑنے کا گناہ کر لیا تو جب وہ نکاح کرے گا یہ طلاق لازم ہو جائے گی ۔ (۳) آپ کے سامنے ایک شخص کا مقدمہ پیش کیا گیا جس نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں جس عورت سے بھی نکاح کروں اُسے تین طلاق ۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جس طرح تم نے کہا ہے اُسی طرح طلاقیں واقع ہو گئیں ۔ (۴)

ب) اگر طلاق کے لیے ایسا لفظ استعمال کیا ہے جس میں طلاق کا کنایہ ہو یعنی جس میں طلاق کے معنی کا بھی احتمال ہو اور طلاق کے علاوہ کسی دوسرے معنی کا احتمال بھی موجود ہو ، کیونکہ ایسے الفاظ طلاق کیلئے متعین نہیں ہیں تو ان سے اس وقت تک طلاق واقع نہ ہوگی جب تک طلاق دینے والا طلاق کی نیت نہ کرے ، لہذا اگر ایسے الفاظ بولتے وقت محض طلاق کی نیت کی ہے تو ایک رجعی طلاق واقع ہوگی اور اگر طلاقِ بائن کی نیت کی ہے تو طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور اگر تین طلاقوں کی نیت کی ہوگی تو

---

(۱) سنن البیہقی ۷/۳۳۴ ، المحلی ۱۰/۱۷۲ ، ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۴ ب

(۱) عبد الرزاق ۹/۳۳۲ (۲) سنن البیہقی ۷/۳۳۴

(۳) الموطا ۲/۸۵۴ (۴) عبد الرزاق ۸/۴۲۱

تین طلاقیں واقع ہوں گی ۔

کنایہ کے الفاظ یہ ہیں ۔

بریئہ : اگر شوہر نے کہا کہ تو بریئہ یعنی ہر قسم کی ذمہ داریوں سے بری ہے تو یہ ایک طلاق ہے اور شوہر اس سے رجوع کا حقدار ہے۔(۱)

بائن : اور اگر کہا کہ تو بائن (جدا) ہے تو یہ ایک طلاق ہے اور شوہر رجوع کا حق رکھتا ہے ۔ (۲)

خلیۃ : اور اگر کہا کہ تو خلیۃ (بندھن سے آزاد) ہے تو یہ ایک طلاق ہے اور شوہر رجوع کا حق رکھتا ہے ۔ (۳)

البتۃ : اور اگر البتۃ (قطعی جدا کے لفظ سے) طلاق دی تو یہ بھی ایک طلاق ہوگی اور اُسے رجوع کا حق ہوگا ۔ (۴)

عبدالمطلب بن حنطب حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور عرض کی کہ مَیں نے اپنی بیوی کو انتِ طالق البتۃ" (تجھے طلاق ہے قطعاً) کہہ کر طلاق دے دی ہے ۔ حضرت عمرؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (الطلاق: ۱)

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو اُنہیں ان کی عدت کے لیے طلاق دیا کرو)

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی :

وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (النساء: ۶۶)

(حالانکہ جو نصیحت اُنہیں کی جاتی ہے اگر یہ اس پر عمل کرتے تو یہ اُن کے لیے زیادہ بہتری کا موجب ہوتا)

پھر آپ نے فرمایا کہ یہ ایک طلاقِ قطعی ہے، جاؤ اپنی بیوی سے رجوع کر لو ۔ (۱) اور قوامۃ بنت امیہ کو طلاق بتۃ دی گئی، حضرت عمرؓ نے اُسے ایک قرار دیا ۔ (۲)

شعبی سے مروی ہے کہ میرا بھتیجا حارث بن ربیعہ، عروۃ بن مغیرہ بن شعبہ کے پاس آیا ۔ عروہ اس وقت امیرِ کوفہ تھے ۔ عروہ نے پوچھا شاید آپ میرے پاس اپنی اہلیہ سے ملنے آئے ہیں ۔ اُس نے کہا کہ کہاں ہے وہ ؟ عروہ نے کہا کہ مَیں نے اُسے بیضا (مقام) پر چھوڑا تھا ۔ حارث بولا کہ اگر وہ بیضا میں ہے تو پھر اُسے طلاقِ قطعی ۔ چنانچہ وہ بیضا ہی میں تھی ۔ پھر اُنہوں نے اس بارے میں دریافت کیا تو عبداللہ بن شداد بن الہاد نے گواہی دی کہ اس طلاق کو حضرت عمرؓ نے ایک قرار دیا ہے اور شوہر کو رجوع کا حق ہے ۔ اُس نے پھر پوچھا تو بنو طے کے ایک شخص نے جس کا نام ریاش بن عدی تھا کہا کہ حضرت علیؓ نے اسے تین طلاقیں قرار دیا ہے ۔ اس پر عروہ بولے کہ اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے اور اُنہوں نے قاضی شریح سے دریافت کرنے کے لیے اُن کے پاس آدمی بھیجا ۔ شریح اُس وقت منصب قضا سے معزول ہو چکے تھے، شریح نے کہا کہ طلاق کا صحیح طریقہ طلاقِ سُنت ہے اور طلاق البتۃ (طلاقِ مغلظہ) بدعت ہے ، لہٰذا ہم اس بدعت پر توقف کریں گے اور یہ دیکھیں گے کہ طلاق دینے والے کی کیا نیت ہے ۔ (۳)

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۰ ب ، سنن البیہقی ۷/۳۴۳
عبدالرزاق ۶/۳۵۷، المحلی ۱۰/۱۹۴ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۰ ب
عبدالرزاق ۶/۳۵۷، سنن البیہقی ۷/۳۴۳، المحلی ۱۰/۱۹۳ (۴)
عبدالرزاق ۶/۳۵۷، سنن البیہقی ۷/۳۴۳، المحلی ۱۰/۱۹۳
(۵) ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۰، عبدالرزاق ۶/۳۵۷، سنن البیہقی ۷/۳۴۳
المحلی ۱۰/۱۹۰ ، المغنی ۷/۱۲۹

(۱) المحلی ۱۰/۱۹۰ ، سنن البیہقی ۷/۳۴۳ ، مصنف عبدالرزاق ۶/۳۵۷
(۲) مصنف عبدالرزاق ۶/۳۵۷
(۳) مصنف عبدالرزاق ۶/۳۵۷ ، اخبار القضاۃ ۲/۲۳۱

تیری رسی تیری گردن پر ہے :

حضرت عمرؓ کے عاملِ عراق نے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ہے کہ "حَبْلُکِ عَلٰی غَارِبِکِ"۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اسے حکم دیں کہ حج کے موسم میں مجھ سے مکّہ میں ملے۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ وہ شخص آپ سے ملا اور اُس نے سلام کیا۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اُس نے کہا: مَیں وہ شخص ہوں جس کے بارے میں آپ نے حکم دیا تھا کہ مَیں یہاں آپ کے پاس پہنچوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں تمہیں اس گھر (کعبہ) کے رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ "حبلک علٰی غاربک" کہتے وقت تمہاری کیا نیت تھی۔ اُس شخص نے کہا کہ اگر آپ اس گھر کے علاوہ کہیں اور مجھے قسم دیتے تو مَیں سچ نہ بولتا۔ میری نیت علٰحدگی کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر وہی ہے جو تم نے نیت کی۔ (۱) ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہاری بیوی تم سے علٰحدہ ہو گئی۔ (۲) اور ایک اور روایت میں ہے کہ اس شخص نے کہا کہ میرا ارادہ تین طلاقوں کا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے تین طلاقیں نافذ کر دیں۔ (۳) اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر طلاق دینے والا تین کی نیت کرے تو تین طلاقیں ہیں۔

اَنْتِ عَلَیَّ حَرَجٌ (تو مجھ پر حرام ہے)

اگر یہ کہا کہ تجھے طلاق ہے طلاقِ حرج۔ تو یہ طلاق ایک اور رجعی طلاق ہو گی۔ (۴) نعیم بن دجاجہ سے مروی ہے کہ میری ایک بہن ایک شخص کے نکاح میں تھی۔ اُس نے اُسے دو طلاقیں دے دیں۔ پھر اُس سے کہا کہ تو میرے اوپر حرج (حرام) ہے۔ انہوں نے اس بارے میں حضرت عمرؓ کو لکھا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ

(۱) الموطا ۲/۵۵۱، المحلی ۱۰/۱۹۵، (۲) سنن البیہقی ۷/۳۴۳
(۳) عبدالرزاق ۶/۳۷۰ (۴) المحلی ۱۰/۱۹۴

وہ بائنہ ہو گئی۔ (۱)

اراحنی اللّٰہ منک (اللہ مجھے تجھ سے نجات دلائے)

ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ اللہ مجھے تجھ سے نجات دلائے۔ شوہر نے کہا کہ اچھا تو یہی سہی۔ پھر یہ شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُن سے ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ چاہتی ہے کہ مَیں اس کا بوجھ تمہارے سر سے اُتار دوں۔ وہ تمہاری ہے، وہ تمہاری ہے۔ (۲)

انت علی حرام (تو میرے اُوپر حرام ہے)

اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے اور اُس نے صرف اتنا ہی کہا اور کوئی نیت نہیں تو یہ قسم ہو گی اور وہ اس صورت میں کفارۂ یمین ادا کرے گا اور بیوی اس پر حرام نہیں ہو گی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ کہنا کہ تُو مجھ پر حرام ہے قسم ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے تو وہ حرام نہیں ہو گی بلکہ اُس پر کفارۂ یمین ہے۔ (۴)

اور اگر یہ کہتے وقت اُس نے طلاق کی نیت کی تو ایک رجعی طلاق ہو گی۔ (۵) حضرت عمرؓ کے سامنے ایک شخص کا مقدمہ پیش کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے کر جدا کر دیا تھا پھر اُسے کہا تھا کہ تو مجھ پر حرام ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں اب ہرگز کبھی اس بیوی کو اُس کے پاس جانے نہ دوں گا۔ (۵) حضرت عمرؓ نے اُسے اس لیے نہیں لوٹایا اور بینونت کبریٰ (مستقل

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶/۳۶۵، سنن البیہقی ۷/۳۴۴، المغنی ۷/۱۳۲
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۱ (۳) مصنف عبدالرزاق ۶/۳۹۹، ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۱، المحلی ۱۰/۱۲۵ (۴) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۱، المغنی ۷/۱۵۶ (۵) المحلی ۱۰/۱۲۵، المغنی ۷/۱۵۴ (۶) مصنف عبدالرزاق ۶/۳۷، ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۶

جدائی) قرار دے کر دونوں کو جدا کر دیا کیونکہ شوہر نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی تھی۔

(ج) سوال کے جواب میں طلاق کی تکرار:

اگر شوہر نے سوال کے جواب میں لفظ طلاق بار بار دہرایا تو اگر اس کی نیت اس تکرار سے محض اُس کی خبر دینا ہے جو وہ پہلے کہہ چکا ہے تب تو اس لفظ طلاق سے جو جواب میں کہا گیا ہے طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر اُس نے لفظ طلاق کہتے وقت نئی طلاق کا ارادہ کیا تو یہ پہلی طلاق کے علاوہ ایک مزید طلاق ہوگی۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ پھر اُس سے ایک شخص ملا اور اُس نے اس سے پوچھا کہ کیا تُو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ اُس نے کہا کہ ہاں، پھر اُسے ایک اور شخص ملا تو اُس نے اُس کے جواب میں بھی ہاں کہا۔ پھر ایک اور شخص ملا اور اُس کو بھی اُس نے ہاں کہا۔ یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ اسی پر موقوف ہے۔ یا آپ نے فرمایا کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح اُس نے نیت کی۔ (۱)

(د) نکاح کے بارے میں جھوٹ بولنا:

ایک شخص سے دریافت کیا گیا کہ کیا تم شادی شدہ ہو؟ اُس نے کہا کہ نہیں، حالانکہ واقعتاً وہ شادی شدہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "جھوٹ ہے" (۲) اور ایسا کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

۸۔ طلاقِ سنت اور طلاقِ بدعت:

(و) طلاقِ سُنت:

طلاق دراصل ایک دوا ہے جو ازدواجی زندگی کے ایک مستقل روگ کے علاج کے طور پر جائز کی گئی ہے۔ یعنی اس صورت میں اجازت دی گئی ہے جب طلاق کے سوا کوئی حل باقی نہ رہ گیا ہو، لہٰذا طلاق کو عورت سے انتقام لینے اور ایذا رسانی کے حربے کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اسی لیے طلاق دینے والے پر لازم ہے کہ وہ طلاق کے لیے ایسا وقت انتخاب کرے جس سے عورت کی عدت کی مدت کم سے کم رہ جائے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ شوہر بیوی کو ایسی حالت میں طلاق دے۔ جب وہ اس سے دُور ہو یعنی حیض کی حالت میں ہو۔ اس لحاظ سے طلاق کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اُس نے اُس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو۔ اس طلاق کے علاوہ ہر طلاق بدعی ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی، حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا کہ اسے چاہیے کہ طلاق سے رجوع کرے اور اُسے اپنے پاس رکھے تا آنکہ وہ پاک ہو اور اُسے پھر حیض آئے اور اس کے بعد پھر پاک ہو۔ اب اگر وہ پھر بھی اُسے طلاق دینا چاہے تو اس طہر میں طلاق دے، اس سے پہلے کہ اُس سے جماع کرے، پھر وہ اللہ کے حکم کے مطابق عدت گزارے۔ (۱)

(ب) طلاقِ بدعت:

طلاقِ بدعت یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دے۔ یہ بات اس حدیث سے واضح ہوتی ہے جو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو حکم دیں کہ وہ اپنی

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۳۷۵، ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۳۶

(۲) مصنف ابو ابی شیبہ ۱/ ۲۴۲ ب

(۱) البخاری، الطلاق، باب اذا طلقت الحائض، مسلم ۱/ ۱۸۱، ابوداؤد ۲۱۷۹ - ۲۱۸۰، ترمذی ۱۱۷۵، النسائی ۶/ ۱۳۷

بیوی کو دی، ہو تی اس طلاق سے رجوع کرے جو اُس نے زمانۂ حیض میں دی ہے۔

ایک طہر میں ایک سے زائد طلاقیں دینا بھی طلاقِ بدعت ہے۔ (۱) حضرت عمرؓ ایسا کرنے والے کو سزا بھی دیتے تھے اور طلاق واقع ہو جانے کا فیصلہ دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے پاس جب کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوتیں تو آپ اُسے مار پیٹ کی سزا دیتے اور دونوں میں تفریق کرا دیتے۔ (۲) زید بن وہب سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں۔ یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو اُس شخص نے کہا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے سر پہ کوڑا مارا اور دونوں میں جدائی کرا دی۔ (۳) (د تعزیر/۶)

۹۔ دخول سے قبل طلاق:

اگر کسی شخص نے جماع سے قبل ایک طلاق دی تو یہ ایک طلاقِ بائن (بینونت صغریٰ) ہوگی اور اگر دو بار طلاق کا لفظ بول کر دو طلاقیں یا تین بار لفظ طلاق بول کر تین طلاقیں دے دیں تو پہلی طلاق سے وہ بائن ہو جائے گی اور باقی طلاقیں رائیگاں قرار پائیں گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی اس بیوی کو جس سے دخول نہیں کیا کہا کہ تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق تو بیوی پہلی طلاق سے بائن ہو جائے گی اور باقی دو کچھ نہیں ہیں۔ (۴)

(۱) المغنی ۷/۱۰۲ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۲۲ ب، عبدالرزاق ۶/۳۹۶، معانی الآثار ۲/۵۹ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۲۴ ب۔ سنن البیہقی ۷/۳۵۵، المحلی ۱۰/۱۷۲
(۴) سنن البیہقی ۷/۳۵۵، اختلاف ابی حنیفۃ مع ابن ابی لیلیٰ/۱۹۲

لیکن اگر ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دیں تو حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں اور تعیین مدت کے ساتھ اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال تک آپ اسے ایک طلاق بائن قرار دیتے تھے۔ مگر جب آپ نے دیکھا کہ لوگ طلاق کے معاملہ میں غیر محتاط روش اختیار کرنے لگے ہیں اور کثرت سے ایسی طلاق دینے لگے ہیں تو آپ کی رائے یہ ہوئی کہ ان کو اس سے باز رکھنے کے لیے ان پر سختی کریں تو آپ نے ایسی تین طلاقوں کو حقیقی طلاقیں قرار دینا شروع کر دیا۔

ابو الصہباء نے عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی عہد میں اگر کوئی شخص قبل دخول بیوی کو تین طلاق دیتا تھا تو اُسے ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا؟ حضرت ابن عباس نے کہا: ہاں یہ درست ہے۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ بکثرت تین طلاق دینے لگے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ طلاقیں ان پر نافذ کر دو۔ (۱) اور حضرت عمرؓ ایسی تین طلاقوں پر سزا بھی دیتے تھے، چنانچہ حضرت انسؓ بن مالک سے جب ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو باکرہ بیوی کو قبل دخول تین طلاقیں دے دے تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب اُن کے درمیان تفریق کرا دیتے تھے اور اُسے مارا کرتے تھے۔ (۲) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔ (۳)

(۱) صحیح مسلم ۲/۱۴۷۲، ابوداؤد/۲۱۹۹، النسائی ۶/۱۴۵
(۲) مصنف عبدالرزاق ۶/۳۲۲، (۳) سنن البیہقی ۷/۳۳۴

۱۰۔ عقد سے پہلے طلاق :

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ اگر آدمی نکاح سے قبل طلاق دے تو وہ نافذ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے نکاح سے قبل قسم کھالی کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اُسے طلاق۔ پھر وہ گنہ گار ہوگیا (یعنی قسم توڑ دی اور اس سے نکاح کرلیا) تو جب وہ نکاح کرے گا طلاق لازم ہوگی۔ (۱) ایک شخص نے کہا کہ جس عورت سے بھی میں نکاح کردں اُسے تین طلاق۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اسی طرح ہے جس طرح تم نے کہا۔ (۲) (یعنی اُسے طلاق ہوگئی)

۱۱۔ وہ حالات جن میں نکاح فسخ کردیا جائے گا :

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ درج ذیل حالات میں عورت کے لیے طلاق کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔

(و) شوہر کی نامردی :

اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر کے عضوِ تناسل میں اتنی کرختگی اور استادگی نہ ہو کہ وہ عورت سے جماع کرسکے۔

حضرت عمرؓ عنین (نامرد) کو اُس کی بیوی کے اُسکے خلاف دعویٰ کے وقت سے ایک سال کی مہلت دیتے تھے۔ اگر اس مدت کے دوران وہ مجامعت کے قابل ہوجائے تو عورت کو نامردی کی بنا پر تنسیخ نکاح کے مطالبہ کا حق باقی نہیں رہے گا۔ اور اگر وہ اس مدت میں جماع کے قابل نہ ہوا تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عنین (نامرد) کو ایک سال کی مہلت دی۔ اگر وہ صحیح ہوجائے تو درست ورنہ دونوں میں تفریق کرادی جائے گی۔ اور بیوی کو پورا

(۱) الموطا ۲/ ۵۸۴

(۲) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۴۲۱

مہر ملے گا اور اس پر عدت لازم ہوگی۔ (۱) (د، عنۃ/۲)

لیکن اگر عورت کو نکاح کے وقت شوہر کے نامرد ہونے کا علم ہوا اور پھر اسے نامردی کی بنا پر تنسیخ نکاح کے مطالبے کا حق نہیں ہے۔ یحیٰی بن سعد انصاری سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھتیجے سے کردی جو نامرد تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تمہیں اجر دے اور تمہاری بیٹی کی خوشحالی میں اضافہ کرے۔ (۲)

(ب) ترکِ جماع :

اگر شوہر نے اپنی بیوی سے مجامعت کرنا ترک کردیا ہو تو نکاح فسخ ہوسکتا ہے۔ خواہ اس کی وجہ شوہر کی بیماری ہو یا اُس کی عمر رسیدگی ہو یا وہ ایذا رسانی کے لیے ایسا کررہا ہو یا نظرانداز کرنے کے لیے کررہا ہو، کیونکہ ایسا کرنا عورت کے حقوق میں سے ایک حق ترک کرنے کے مترادف ہے۔ ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اُس نے کہا کہ میرا شوہر میرے ساتھ جماع نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے شوہر سے دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور میرے اندر قوت نہیں رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تم کتنے وقفے کے بعد اس کے پاس جاتے ہو۔ اُس نے بتایا کہ میں ایک طہر (پاک کے زمانے) میں ایک مرتبہ جاتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اس عورت سے کہا کہ جاؤ یہ عورتوں کے لیے کافی ہے۔ (۳) گویا حضرت عمرؓ کا اس عورت کے دعویٰ کو قبول کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک ترکِ جماع پر نکاح فسخ کرنے کا مطالبہ کرنا عورت

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۵۰، عبدالرزاق ۶/ ۲۵۳، المحلی ۱۰/ ۵۸، المغنی ۶/ ۶۶۸ (۲) المحلی ۱۰/ ۵۹ (۳) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۲۵۷، ۷/ ۱۵۰، المحلی ۱/ ۴۰

کا حق ہے۔

ج) خصی :

سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ سندر نے ایک عورت سے نکاح کر لیا، حالانکہ وہ خصی تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تم نے اس (عورت) کو بتادیا ہے۔ اُس نے کہا کہ نہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے بتادو اور اختیار دے دو۔(۱)

اسی طرح ایک خصی کا معاملہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا، جس نے ایک عورت سے اس کو یہ بتائے بغیر کہ میں خصی ہوں نکاح کر لیا تھا، حضرت عمرؓ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دی۔ (۲)

د) عورت کا ایسا جنسی عیب جو مانع جماع ہو، جیسے قرن (شرمگاہ میں اُبھری ہوئی ہڈی)

حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر کسی شخص نے ایسی عورت سے نکاح کیا کہ جسے جنون ہو یا جذام ہو یا برص ہو یا قرن ہو تو اگر اُس نے دخول کر لیا ہے تب تو شوہر عورت کو مہر ادا کرے گا، کیونکہ اُس نے اس سے جماع کیا ہے اور یہ مہر شوہر عورت کے ولی سے وصول کرے گا۔ (۳)

ھ) عقم (بانجھ پن)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) کے لیے بھیجا۔ وہاں اُس نے شادی کر لی۔ یہ شخص بانجھ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ کیا تم نے اُسے بتا دیا تھا کہ تم بانجھ ہو۔ اُس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے کہا کہ جاؤ اسے تبلادو اور پھر اسے اختیار دے دو۔(۴)

(۱) المغنی ۶/۶۵۲ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۳۲ (۳) سنن البیہقی ۷/۲۱۵ (۴) المحلی ۱۰/۹۱، مصنف عبدالرزاق ۶/۱۶۲، ۲۵۳

و) جنون :

حضرت عمرؓ نے ایک مجنون شخص کو ایک سال کی مہلت دی کہ اگر وہ اس مدت میں تندرست ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرادی جائے۔ (۱)

(ز) ایسی مخبوط الحواسی جو بیوی کے حق میں ضرر رساں ہو :

عمرو بن شعیب سے مروی ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کی تحریر میں دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مخبوط الحواس شخص اپنی بیوی کو تکلیف پہنچائے تو اس کا ولی اُس کی طرف سے طلاق دے دے۔ (۲)

ح) نان نفقہ نہ دینا :

حضرت عمرؓ نے لشکروں کے امیروں کو مدینہ کے ایسے مردوں کے بارے میں جو اپنی بیویوں کو چھوڑ کر چلے گئے تھے تحریر کیا تھا کہ یا تو وہ اپنی بیویوں کے پاس آجائیں یا اُنہیں جدا کردیں یا انہیں نفقہ (اخراجات) بھیجیں۔ اور جو جدائی اختیار کرے وہ بھی اس مدت کا نفقہ ادا کرے جو اُس نے نہیں دیا ہے۔ (۳)

(ط) خطرناک اور مسلسل رہنے والی بیماری :

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی عورت کا نکاح کیا گیا اور وہ مجنون ہو یا اُسے جذام ہو یا برص ہو اور شوہر اُس سے جماع کرلے۔ بعدازاں اُسے پتہ چلے کہ وہ مبتلائے مرض ہے تو اس عورت کو اس بنا پر کہ مرد نے اُس نے جماع کیا ہے اس کا مہر ملے گا اور عورت کا ولی یہ مہر شوہر کو ادا کرے گا کہ اُس نے اُس کو فریب دیا یا مغالطہ میں رکھا۔ (۴)

(۱) المحلی ۱۰/۹۱ (۲) المحلی ۱۰/۱۱۲ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۵۳ ب المغنی ۷/۵۰۳ (۴) مصنف عبدالرزاق ۶/۲۴۴، سنن البیہقی ۷/۱۳۵، المحلی ۱۰/۱۱۰، ۱۱۲، ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۲ ب، المغنی ۶/۶۵۹

۱۲۔ وہ صورتیں جن میں میاں بیوی کے درمیان تفریق لازم ہو جاتی ہے:

(ا) جب نکاح ابتداہی میں فاسد ہوا ہو تو میاں بیوی میں تفریق لازم ہے۔ نکاح فاسد کی بعض صورتیں ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ عورت نے زمانۂ عدت میں نکاح کیا ہو (د: عدت/۹د)

۲۔ اگر شوہر اسلام قبول کرے اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں۔ چنانچہ روایت ہے کہ بنی تیم اللہ کے ایک شخص، ہما ابن عمیر کے نکاح میں زمانۂ جاہلیت میں دو بہنیں تھیں، اس نے ان میں سے کسی ایک سے بھی جدائی اختیار نہیں کی تھی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا زمانۂ خلافت آگیا اور اس کا معاملہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے اس کو حکم بھیجا کہ ان دونوں میں سے ایک کو انتخاب کر لو اور اگر تم دوسری کے قریب بھی گئے تو میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔ (۱)

۳۔ اگر نکاح شغار (ادلے بدلے کا نکاح) کیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے نکاح شغار کی بنا پر میاں بیوی کے درمیان تفریق کرادی تھی۔(۲)

۴۔ اگر عورت نے اپنے غلام سے نکاح کر لیا ہو خواہ اسے پہلے اس کے ناجائز ہونے کا علم ہو یا نہ ہو۔ (د: تسری/۲)

۵۔ اسلامی ریاست میں ہر مسلم اور غیر مسلم پر اس قانون کا اطلاق ہوگا ——— چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمان بھیجا کہ مجوس کے ہر ذی محرم کے درمیان تفریق کرادو۔ (۳)

(ب) اسی طرح اس وقت بھی تفریق لازم ہے جب نکاح میں کوئی ایسی بات پیدا ہو جائے جو نکاح کو فاسد کرنے والی ہو۔ مثلاً یہ کہ بیوی اسلام قبول کر لے اور شوہر بدستور کافر رہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کے تین اقوال مروی ہیں۔

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰/۲۲۴ (۲) المغنی ۶/۶۴۱ (۳) عبدالرزاق ۶/۴۹، المحلی ۷/۳۴۸، ۹/۴۲۵، المغنی ۶/۶۳۸

۱۔ یہ کہ بیوی اسی شوہر کے پاس رہے گی۔ ابن ابی شیبہ نے حکم بن عتیبہ سے روایت کیا ہے کہ ہانی بن قبیصۃ الشیبانی نصرانی تھا اور اس کی چار بیویاں تھیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کے بارے میں تحریر کیا کہ وہ اسی شوہر کے پاس رہیں۔ مگر یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ (۱) کیونکہ حکم نے نہ حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا ہے اور نہ حضرت کے زمانے کے قریب کا زمانہ پایا ہے۔

۲۔ عورت کو اختیار دیا جائے گا کہ اگر چاہے تو اسی شوہر کے پاس رہے اور چاہے تو اس سے جدا ہو جائے۔ اہل حیرہ کی ایک عورت نے اسلام قبول کر لیا مگر اس کا شوہر مسلمان نہیں ہوا، اس پر حضرت عمرؓ نے تحریر کیا کہ اسے اختیار دو۔ اگر چاہے تو اس کے پاس رہے اور چاہے تو جدا ہو جائے۔ (۲)

۳۔ دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے ایسے میاں بیوی میں تفریق کرادی تھی جن میں سے بیوی مسلمان ہو گئی تھی اور شوہر نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔(۳) بنی تغلب کا ایک شخص جس کا نام عباد بن نعمان بن زرعہ تھا۔ اس کی بیوی بنی تمیم سے تھی اور عباد نصرانی تھا۔ عورت نے اسلام قبول کر لیا مگر شوہر نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت عمرؓ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کرادی۔(۴) اسی طرح یزید بن علقمہ کے دادا اور دادی نصرانی تھے۔ بعد ازاں دادی نے اسلام قبول کر لیا تو حضرت عمرؓ نے ان دونوں

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۲، المحلی ۷/۳۱۳ (۲) مصنف عبدالرزاق ۶/۸۴، ۷/۱۷۵، المحلی ۷/۳۱۳، ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۲
(۳) عبدالرزاق ۶/۸۳، ۷/۱۷۶
(۴) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۲

کے درمیان تفریق کرادی ۔ (۱)

ابن حزم نے اس تیسری روایت کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ پہلی اور دوسری روایتیں صحیح نہیں ہیں اور کہا ہے کہ بعض حضرات نے اس سلسلہ میں اس قدر التباس پیدا کیا ہے کہ ان کے بارے میں سکوت ہی بہتر ہے اور پھر انہوں نے پہلی اور دوسری روایتیں نقل کی ہیں ۔

اسی پر وہ صورت بھی قیاس کی جاسکتی ہے جس میں شوہر مرتد ہوجائے اور بیوی بدستور مسلمان رہے ۔

ج) اگر عورت اپنے غلام سے نکاح کرے تو اُن کے درمیان تفریق کرادی جائے گی ۔ (د : تسری/۲)

۱۳۔ خلع :

معاوضہ لے کر طلاق دینا ۔ (د: خلع)

۱۴۔ عدتِ طلاق : (د: عدت/۲)

۱۵۔ مطلقہ کا نفقہ : (د: نفقہ/۵ ب)

۱۶۔ طلاق کا ثبوت :

طلاق اقرار سے ثابت ہوجاتی ہے ۔ (د: اقرار/۴ و) اسی طرح گواہی سے بھی ثابت ہوجاتی ہے اور اس میں عورت کی گواہی بھی قبول کی جائے گی ۔ (د: شہادت/۱، ۲)

بعینہ طلاق ثبوت کے دیگر تمام طریقوں سے بھی ثابت ہوجاتی ہے ۔ (د: اثبات)

۱۷۔ مرد کا اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کرنا ۔ (د: رجعت)

۱۸۔ تین طلاقوں کے بعد حلالہ :

اگر عورت کو تین طلاقیں دے دی جائیں تو بینونت کبری پیدا ہو جائے گی اور عورت اپنے اس شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ دوسرے شخص سے ایسا نکاح نہ جو دائمی طور پر اور مستقل طریقے پر اس کے پاس رہنے کے لیے ہو ۔ اور وہ شوہر اس سے جماع کرے اور پھر طلاق دے دے یا مرجائے ۔ اس کے بعد پہلے شوہر کے لیے جائز ہوگا کہ اسے نکاح کا پیغام دے ۔ اگر دوسرے شوہر نے اس سے نکاح کیا لیکن بغیر جماع کیے طلاق دے دی تو اس صورت میں وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہو گی ۔ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے، پھر اس کے بعد کوئی دوسرا شخص اُس سے نکاح کرے لیکن جماع سے پہلے ہی اُسے طلاق دے دے اور پھر پہلا شوہر اس سے نکاح کرے تو یہ ایسی بات ہے کہ اگر یہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوتی تو وہ یقیناً رجم کی سزا دیتے ۔(۱)

اور اگر دوسرے شوہر نے اس مطلقہ ثلاث سے اسی نیت سے نکاح کیا کہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے تو وہ عورت پہلے شوہر کے لیے ہرگز حلال نہیں ہوگی اور یہ دوسرا شوہر اللہ کے نزدیک گنہ گار ہوگا اور اسے احکام شریعت میں حیلہ سازی پر تعزیری سزا دی جائے گی ۔

محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ ایک عورت نے کسی شخص کے ساتھ اس غرض سے نکاح کر لیا کہ وہ اس کو پہلے شوہر کے لیے حلال کر دے ۔ حضرت عمرؓ نے اس دوسرے شوہر کو حکم دیا کہ وہ اس عورت کو اپنے پاس رکھے اور ہرگز اسے طلاق نہ دے اور اُسے دھمکی دی کہ اگر اُس نے طلاق دی تو اُسے سزا دی جائے گی ۔ (۲)

غالباً یہ شخص ذوالرقعتین ہے ۔ اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بھائیوں کے ساتھ مکہ آیا اس حال میں کہ اُس نے جو ازار پہن رکھا تھا، اس کے آگے بھی ایک پیوند لگا ہوا تھا اور ایک پیوند پیچھے لگا ہوا تھا ۔ اُس نے حضرت عمرؓ سے سوال کیا

---

(۱) المحلی ۷/۳۱۴

(۱) عبدالرزاق ۶/۳۴۸ (۲) المحلی ۱۰/۱۸۲

لیکن آپ نے اُسے کچھ نہیں دیا۔ ابھی وہ اسی حال میں تھا کہ قریش کے ایک شخص اور اس کی بیوی کے درمیان شیطان نے نزاع پیدا کر دیا اور اس قریشی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور بعد ازاں اپنی بیوی سے کہا کہ کیا تو اس کے لیے تیار ہے کہ ذوالرقعتین کو کچھ رقم دے دے اور وہ تجھے میرے لیے حلال کر دے؟ اُس نے کہا کہ ہاں اگر تم چاہو۔ لوگوں نے جا کر ذوالرقعتین کو ان باتوں سے آگاہ کر دیا۔ اُس نے مان لیا اور اس عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ جماع بھی کیا۔ جب صبح ہوئی تو اس عورت نے ذوالرقعتین کے بھائیوں کو بھی گھر بلا لیا۔ اب قریشی آیا اور گھر کے سامنے گھومنے لگا اور کہنے لگا۔ ہائے بدنصیبی اس شخص کی جس کی بیوی پر قبضہ کر لیا گیا۔ پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُن سے عرض کی کہ اے امیرالمومنین میری بیوی پر قبضہ کر لیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کس نے قبضہ کر لیا۔ اُس نے بتایا کہ ذوالرقعتین نے۔ حضرت عمرؓ نے ذوالرقعتین کو بلوانے کا حکم دیا۔ جب حضرت عمرؓ کا آدمی بلانے کے لیے پہنچا تو اس عورت نے ذوالرقعتین سے پوچھا کہ تمہارا تمہاری قوم میں کیا مقام ہے۔ اُس نے کہا بس ٹھیک ہے۔ اس پر اس عورت نے کہا کہ اگر امیرالمومنین کہیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو تم کہنا کہ نہیں قسم بخدا میں ہرگز طلاق نہیں دوں گا۔ اگر تم ایسا کہہ دو گے تو امیرالمومنین تمہیں مجبور نہیں کریں گے اور اس عورت نے اُسے ایک اچھا لباس پہنا کر بھیج دیا۔ جب حضرت عمرؓ نے اُسے دُور سے دیکھا تو آپ نے فرمایا: تمام ستائش اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ذوالرقعتین کو بھی آسودہ حال بنا دیا۔ غرض ذوالرقعتین حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کیا تم اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتے ہو تو اُس نے کہا کہ نہیں۔ قسم بخدا نہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم طلاق دے دیتے تو مَیں تمہارے سر پر کوڑا مارتا۔(۱)

قریش کے ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ مغلظہ دے دی۔ پھر وہ بازار سے گزرا تو اُس کی ملاقات اعراب کے ایک شیخ اور اس کے بیٹے سے ہو گئی جو تجارت کے لیے آئے تھے۔ اُس نے اس نوجوان سے کہا کہ تمہیں کوئی خیر درکار ہے۔ اس طرح اُس نے تین مرتبہ یہی سوال کیا اور نوجوان جواب میں ہاں کہتا رہا۔ اس پر اُس نے کہا کہ لاؤ اپنا ہاتھ دو اور اُسے ساتھ لیکر روانہ ہو گیا اور پھر اُسے اپنے طلاق دینے کا واقعہ بتایا اور اُس سے کہا کہ میری اس بیوی سے نکاح کر لو۔ چنانچہ اُس نے نکاح کر لیا اور اُس کے ساتھ رات گزاری۔ جب صبح ہوتی تو پہلا شوہر آیا اور اُس نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ دوسرے شوہر نے اُسے اجازت دے دی اور خود اُس عورت کی طرف سے پیٹھ موڑ کر جانے لگا۔ یہ دیکھ کر اُس عورت نے پہلے شوہر سے کہا کہ اگر اُس نے مجھے طلاق بھی دے دی تب بھی مَیں تجھ سے نکاح نہیں کروں گی۔ بعد ازاں اس بات کا حضرت عمرؓ سے ذکر کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے پہلے شوہر کو بلوایا اور اُس سے کہا کہ اگر تم اس سے نکاح کرتے تو میں تمہارے ساتھ ایسا اور ایسا کرتا یعنی سزا دیتا اور آپ نے اسے سخت تنبیہ کی۔ پھر دوسرے شوہر کو بلوایا اور اُسے تاکید کی کہ اس بیوی کو اپنے پاس رکھو۔(۲) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے پاس جب بھی کوئی "محلل" اور "محللہ" لائے جائیں گے مَیں اُنہیں ضرور رجم کرا دوں گا۔(۳) اور ایک اور روایت میں ہے کہ میرے پاس جو حلالہ کرنیوالا اور حلالہ کرانیوالے لائیں جائینگے میں اُنہیں رجم کرا دوں گا۔(۴) (د زنا/۲ ب ۴) و (نکاح/۵ و ۳)

---

(۱) المغنی ۶/۶۴۷، المحلی ۱۰/۱۸۳ (۲) سنن البیہقی ۷/۲۰۹ (۳) عبدالرزاق ۶/۲۵۶
(۴) ابن ابی شیبہ ۱/۲۲۳، المحلی ۱۰/۱۸۱، ۷/۴۹، المغنی ۶/۶۴۶

۱۹۔ ایلاء کی بنا پر طلاق (د: ایلاء)

۲۰۔ لعان کی بنا پر طلاق اور لعان کرنے والے دونوں فریق کے درمیان دائمی علیحدگی۔ (د: لعان/۴ ب)

۲۱۔ ظہار (د: ظہار)

طہارت (پاکی)

نماز کے لیے طہارت شرط ہے (د: صلاۃ/۱۲)

نیز ملاحظہ کیجیے: نجاست، وضوء اور غسل۔

طواف

دیکھیے (د: حج/۸، حج/۱۴ د، حج/۱۹ و ۱۸/ب ۳)

طیب (خوشبو)

۱۔ حضرت عمرؓ پسند کرتے تھے کہ مرد خوشبو لگائیں اور آپ خود بھی خوشبو لگایا کرتے تھے۔ چنانچہ سریہ بنت ذکوان روایت کرتی ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس غالیہ، ذریرہ اور مشک لے کر آتے تھے تو آپ پہلے اپنی ڈاڑھی میں خلوق کا خضاب لگاتے، پھر ڈاڑھی پر غالیہ اور ذریرہ کی خوشبو لگاتے اور خوشبو کی دھونی لیتے۔ (۱)

لیکن آپ عورتوں کے خوشبو لگانے کو ناپسند کرتے تھے اور ان کو اس پر سرزنش کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک عورت خوشبو لگا کر باہر نکلی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی خوشبو محسوس کی تو آپ نے اُس کے اوپر کوڑا اٹھایا اور فرمایا کہ تم خوشبو لگا کر باہر چلی آئی ہو اور مرد تمہاری خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ تمہیں نہیں پتہ کہ مردوں کے دل اُن کی ناک کے پاس ہوتے ہیں۔ بغیر خوشبو کے باہر نکلا کرو۔ (۱)

اسی طرح حضرت عمرؓ ایک مرتبہ عورتوں کی صفوں کے درمیان سے گزرے اور ایک عورت کے سر میں سے خوشبو کی مہک محسوس کی تو آپ نے کہا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کون ہے تو میں اسے سزا دوں۔ اگر خوشبو لگانی ہے تو اپنے شوہروں کے لیے لگایا کرو۔ اور جب باہر نکلو تو پرخوشبودار لباس اپنے گھر کی کسی لڑکی کو دیدو۔ (۲)

۲۔ حج میں احرام سے قبل خوشبو لگانا۔ (د: حج ۶/ج ۲) احرام کے دوران خوشبو لگانا۔ (د: حج/۶ د ۲)

جمعہ کے لیے خوشبو (د: صلاۃ/۱۹ ب)

مسجد کے لیے خوشبو (د: مسجد/۷ و)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۴/۳۲۰

(۱) عبدالرزاق ۴/۳۷۰

(۲) عبدالرزاق ۴/۳۷۴

ظ

ظفر (ناخن)

مجاہدین پر یہ لازم ہے کہ وہ دشمن کی سرزمین میں اپنے ناخن بڑھا لیں، کیونکہ ہو سکتا ہے انہیں ان کی ضرورت پیش آجائے اور نیز یہ کہ اس سے دشمنوں کے دلوں پر رعب طاری ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دشمن کی سرزمین میں ناخن بڑھا لو کہ یہ ہتھیار ہیں (۱)

ظہار

۱۔ تعریف

ظہار یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو یا اس کے کسی عضو کو ایسی عورت سے تشبیہ دے جو اس پر حرام ہو، جیسے کہے کہ تو میرے لیے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت۔

۲۔ مظاہر (ظہار کرنے والا)

مظاہر کے لیے وہی شرطیں ہیں جو طلاق دینے والے کے لیے ہیں۔

۳۔ مظاہر منہا (جس سے ظہار کیا جائے)

بیوی سے ظہار کرنا صحیح ہے اور بیوی کے علاوہ اجنبی عورت سے بھی ظہار کرنا صحیح ہے خواہ یہ اجنبی عورت متعین ہو۔ مثلاً کوئی شخص کہے کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو وہ

(۱) المغنی ۸/۳۵۳

میرے لیے میری ماں کی پشت کی مانند ہوگی۔ یا وہ عورت غیر متعین ہو جیسے کوئی یہ کہے کہ جس عورت سے بھی میں نکاح کروں وہ میرے لیے میری ماں کی پشت کی مانند ہوگی۔ (۱) حضرت عمرؓ سے ایک شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے کہا تھا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو وہ میرے لیے میری ماں کی پشت کی مانند ہوگی، تو آپ نے فرمایا کہ وہ اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتا جب تک وہ کفارہ نہ ادا کر دے۔ (۲)

۴۔ کفارۂ ظہار

(۱) اگر کوئی شخص اپنی عورت سے ظہار کر لے تو وہ اس پر حرام نہیں ہوتی اور نہ یہ اس کی جانب سے طلاق شمار ہوگی، لیکن اس کے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اس سے جماع کرے یا بوسہ وغیرہ لے جب تک کہ وہ اس فرمانِ الٰہی کے مطابق کفارۂ ظہار نہ ادا کر دے۔

الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَائِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ

(۱) المغنی ۷/۳۵۴ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۵ ب، عبدالرزاق ۶/۴۳۶، الموطا ۲/۵۵۹، سنن البیہقی ۷/۳۸۳، المحلی ۱/۵۹، ۲۰۶

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (المجادلہ : ۲ تا ۴)

(تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں اُن کی بیویاں اُن کی مائیں نہیں ہیں۔ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ یہ لوگ ایک سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور درگزر فرمانے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں، پھر اپنی اس بات سے رجوع کریں جو اُنہوں نے کہی تھی تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ایک غلام آزاد کرنا ہوگا، اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے دردناک سزا ہے۔)

(ب) اگر کسی شخص کی کئی بیویاں ہوں اور وہ اُن سب سے ظہار کر لے تو اُن سب کی جانب سے ایک ہی کفارہ ہے اور اس کے بعد اُن سے جماع کرنا جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُس شخص کے بارے میں جس نے اپنی چار بیویوں سے ظہار کیا تھا فرمایا کہ اس پر ایک ہی کفارہ ہے۔[1] اور آپ کے پاس ایک شخص آیا جس کی تین بیویاں تھیں اور اُس نے اُن سب سے کہا تھا کہ تم سب میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی مانند ہو تو حضرت عمرؓ نے اُس کے بارے میں فرمایا کہ ایک کفارہ ہے۔[2]

(ج) کفارہ میں جو کچھ واجب ہے اُس کا ذکر مذکورہ بالا آیات میں آ چکا ہے یعنی ایک غلام آزاد کرنا۔ اگر غلام نہ میسر ہو تو دو ماہ کے متواتر روزے رکھنا۔ اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ اس کھانا کھلانے کی مقدار فی مسکین ایک صاع کھجور یا جو یا نصف صاع گندم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میری طرف سے ایک صاع کھجور یا جو یا نصف صاع گندم کھلا دو۔[3]

---

(۱) سنن البیہقی ۷/۳۸۳، المغنی ۷/۳۵۷

(۲) عبدالرزاق ۶/۴۳۸، سنن البیہقی ۷/۳۸۳

(۳) المغنی ۷/۳۷۰، عبدالرزاق ۸/۵۰۷، سنن البیہقی، المحلی ۸/۸۳

ع

عاریت

۱۔ تعریف :

عاریۃ اس چیز کو کہتے ہیں جو بلا معاوضہ فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے لی جائے جب کہ اصل چیز بعینہٖ اپنی اصلی حالت پر باقی رہے۔

۲۔ عاریت کا ضمان :

عاریتاً لی ہوئی شے مستعیر (عاریتاً لینے والے) کے پاس امانت ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر وہ تلف ہو جائے تو مستعیر اس کا اس صورت میں ضامن ہوگا جب وہ اس کی زیادتی (تعدی) سے ضائع ہوئی ہو۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عاریت ودیعت کی مانند ہے اور اس کے ضیاع پر اس وقت تک ضمان (تاوان) عاید نہیں ہوتا جب تک وہ لینے والے کی زیادتی کی بنا پر ضائع نہ ہوئی ہو۔

عاشورا

۱۔ تعریف : محرم کی دس تاریخ عاشورہ کہلاتی ہے۔

۲۔ عاشورہ کا روزہ (د : صوم/۳ ب ۱)

عاقلہ

۱۔ تعریف :

عاقلہ اُن اشخاص کو کہتے ہیں جو مجرم کے ساتھ مل کر دیت کا بوجھ برداشت کریں۔

۲۔ عاقلہ کا اطلاق کن لوگوں پر ہوتا ہے :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دور میں دیت کا بار اہل خاندان پر ڈالا جاتا تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی معاملہ میں ایک عورت کو طلب کیا۔ وہ کہنے لگی ہائے میری بدبختی! بھلا عمرؓ کو مجھ سے کیا کام۔ اور وہ اس قدر خوفزدہ ہوئی کہ راستہ ہی میں اس کے دردِ زہ شروع ہو گیا اور وہ ایک گھر کے اندر چلی گئی۔ وہاں اس کے بچہ پیدا ہوا جو ایک دو آوازیں نکال کر مر گیا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا جن میں سے بعض نے کہا کہ آپ پر کچھ لازم نہیں آتا کیونکہ آپ والی اور مؤدب ہیں۔ مگر اس گفتگو کے دوران حضرت علیؓ خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ اُن کی جانب متوجہ ہوئے اور دریافت کیا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ اپنی رائے سے کہہ رہے ہیں تو ان کی رائے درست نہیں ہے۔ اور اگر یہ لوگ آپ کی خیر خواہی میں یہ بات کہہ رہے ہیں تو یہ حقیقت میں آپ کی خیر خواہی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کی دیت آپؓ

کے ذمہ ہے، اس لیے کہ یہ عورت آپ کی وجہ سے اس قدر خوفزدہ ہوئی کہ اس کا بچہ ساقط ہو گیا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ یہ دیت خاندانِ قریش پر تقسیم کر دیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اس کی دیت قریش سے وصول کر کے ادا کی۔ (۱)

اور اسی قسم کا وہ فیصلہ ہے جب مسلمۃ بن نعیم نے جنگِ یمامہ میں ایک مسلمان کو کافر سمجھ کر قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے اُن سے فرمایا کہ تم پر اور تمہاری قوم پر اس کی دیت ہے۔ (۲)

لیکن جب حضرت عمرؓ نے رجسٹر مرتب کر لیے تو دیت ان لوگوں پر عاید کر دی جن کا اندراج ان رجسٹروں میں تھا کیونکہ یہی اب ایک دوسرے کے مددگار اور معاون قرار پائے اور حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ تمام صحابہ کی موجودگی میں کیا اور کسی نے اس کو ناپسند نہیں کیا۔ ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں کتاب الدیات کے زیرِ عنوان حکم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عام لوگوں کو چھوڑ کر صرف فوجی جوانوں کے دس دس کے گروپ بنا کر ان کے وظائف میں سے دیت کی وصولی کا انتظام کیا۔

شعبی اور نخعی کے بارے میں مروی ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ سب سے پہلے 'عطایا' حضرت عمرؓ نے مقرر کیے اور یہ طریقہ رائج کیا کہ ان عطایا میں سے مکمل دیت تین سال میں وصول کی جائے۔ (۳)

۳۔ عاقلہ دیت کا کس قدر حصہ برداشت کرے۔ (د، جنایت/۵ب ۷)

(۱) عبدالرزاق ۹/ ۴۵۸، سنن البیہقی ۶/۱۵۲، المحلی ۱۱/۲۴

(۲) المغنی ۷/ ۷۸۱، ۸۲۳

(۳) المحلی ۱۱/ ۵۵

(۴) آثار ابی یوسف ۹۸، نصب الرایہ ۴/ ۳۹۸، المغنی ۷/ ۷۸۶

عبادت

خالص بدنی عبادتوں میں نیابت جائز نہیں ہے۔

(د، وکالت/ ۲ ج)

عتق (آزاد کرنا)

دیکھیے: (رق/ ۵)

عَتَہ (حماقت)

۱۔ عتہ ایسی کم عقلی کو کہتے ہیں جو جنون کی وجہ سے نہ ہو۔

۲۔ عورت کا شوہر کی کم عقلی کی بنا پر طلب طلاق کا حق۔

(د، طلاق/ ۱۱ ز)

عدّت

۱۔ تعریف:

شوہر کی وفات، یا طلاق یا فسخ نکاح یا میاں بیوی میں تفریق کے بعد عورت کا مقررہ مدت تک نکاحِ ثانی سے رُکے رہنا۔

۲۔ مطلقہ کی عدّت:

طلاق کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ طلاق دخول سے قبل دی گئی ہو اور دوسری یہ کہ دخول کے بعد دی گئی ہو۔

(و) اگر دخول سے قبل طلاق دی گئی ہو تو بالاجماع بیوی پر کوئی عدت نہیں ہے۔

(ب) اور اگر طلاق دخول یا خلوت کے بعد دی گئی ہو تو بیوی پر عدت لازم ہے۔ (۱) اور عدت کی مدت درج ذیل احوال کے

(۱) المغنی ۷/ ۴۵۱

کے لحاظ سے مختلف ہے۔

۱۔ اگر عورت آزاد ہو اور اُسے حیض آتا ہو تو اُس کی عدت تین قروء ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرة: ۲۲۸)

(جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین مرتبہ ایامِ ماہواری آنے تک اپنے آپ کو روکیں)

قروء کے معنی اس آیت میں حیض کے ہیں۔ (۱)

اگر مطلقہ باندی ہو یا ام ولد یا مدبرہ یا مکاتبہ ہو تو اس کی عدت دو حیض ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا باندی عدت گزارے دو حیض پُورے ہونے تک۔ (۲) اور آپ نے کہا کہ اگر میں کر سکتا تو میں باندی کی عدت ایک حیض اور نصف حیض کر دیتا۔ (۳)

مطلقہ کی عدت اس وقت تک پُوری نہیں ہو گی جب تک وہ اپنے آخری حیض سے پاک ہو کر غسل نہ کر لے لہٰذا جب تک وہ اپنے آخری حیض سے پاک ہو کر غسل نہ کر لے شوہر اس سے رجوع کر سکتا ہے اور جب اُس نے غسل کر لیا تو پھر شوہر کو رجوع کا حق باقی نہیں رہے گا۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت اور اُس کا شوہر آئے اور عورت نے کہا کہ اے امیر المومنین میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی تھی، میں نے تین حیض گزار لیے۔ اب یہ میرے پاس ایسے وقت آیا جب میں غسل کے لیے پانی رکھ چکی تھی، اور اس نے کہا کہ میں نے تجھ سے رجوع کر لیا۔

(۱) المغنی ۷/۴۵۲، تفسیر الطبری ۲/۴۶۷ - بعد
(۲) مصنف عبدالرزاق ۷/۲۲۱، ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۹ ب سنن البیہقی ۷/۴۲۵، المحلی ۱۰/۳۰۶، المغنی ۷/۴۵۹
(۳) مصنف عبدالرزاق ۷/۲۲۱، سنن البیہقی ۷/۴۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۹ ب، المغنی ۷/۴۵۷

حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے دریافت کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ اس کی بیوی ہے جب تک اس کے لیے نماز جائز نہیں ہو جاتی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔ (۱) اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی وہ اُس کا اُس وقت تک حقدار ہے جب تک بیوی تین حیض پُورے کرنے کے بعد غسل نہ کر لے۔ (۲)

۲۔ اگر عورت کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت اگر آزاد ہو تو تین ماہ ہے اور اگر باندی ہو تو ڈیڑھ ماہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ باندی دو حیض عدت گزارے گی اور اگر اُسے حیض نہ آتا ہو تو دو ماہ۔ یا آپ نے کہا کہ ایک ماہ اور نصف۔ (۳) اور آپ نے کہا کہ باندی کی عدت دو حیض ہے اور اگر حیض نہ آتا ہو تو ایک ماہ اور نصف ماہ ہے۔ (۴)

۳۔ اگر عورت کو طلاق کے بعد ایک یا دو حیض آئے، پھر حیض آنا بند ہو گیا تو اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ سے مختلف روایات مروی ہیں۔

ایک روایت محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایسی نوجوان عورت کے بارے میں جسے طلاق ہو جائے اور حیض نہ آتا ہو، فرمایا کہ وہ انتظار کرے گی یہاں تک کہ اس عمر کو پہنچ جائے جب عورت حیض سے مایوس ہو جاتی ہے۔ (۵) مگر اس حکم میں عورت کے لیے بے انتہا تنگی ہے۔

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶/۳۱۹، سنن البیہقی ۷/۴۱۷، تفسیر الطبری ۲/۴۶۷ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۵۱ ب
(۳) سنن البیہقی ۷/۴۲۵، عبدالرزاق ۷/۲۲۱، المحلی ۱۰/ المغنی ۷/۴۵۹ (۴) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۹
(۵) المحلی ۱/۲۶۹

ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ نو ماہ انتظار کرے گی، کیونکہ اگر وہ حاملہ ہوئی تو اس مدت میں اُس کا حمل ظاہر ہو جائے گا۔ اور وضع حمل کا وقت آجائے گا اور اگر وہ حاملہ نہ ہوئی تو مزید تین ماہ عدت گزارنے کے بعد وہ دوسرا شوہر کر سکے گی۔

اور یہی بات حضرت عمرؓ کی استدلالی منطق اور آپ کی فقہ سے مطابقت رکھتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے: جس عورت کو طلاق مل جائے اور اُسے ایک یا دو حیض آنے کے بعد حیض آنا بند ہو جائے تو وہ نو ماہ تک انتظار کرے۔ اب اگر وہ حاملہ ہوئی تو وضع حمل سے اس کی عدت پُوری ہو جائے گی ورنہ وہ نو ماہ کے بعد مزید تین ماہ عدت گزارے گی، اس کے بعد اُس کے لیے دوسرا نکاح حلال ہو جائے گا۔ (۱)

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ایسی مطلقہ کے بارے میں جسے شک ہو کہ اُس کے پیٹ میں بچہ ہے یا نہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ نو ماہ انتظار کر کے پھر تین ماہ مزید عدت کے گزارے۔ (۲) اور غالباً مستحاضہ کی عدت بھی اسی طرح ہونی چاہیے مگر مجھے اس بارے میں حضرت عمرؓ کا کوئی قول نہیں ملا۔

۲۔ اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے، کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق: ۴)

(اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ اُن کا وضع حمل ہو جائے)

۳۔ اُس عورت کی عدت جس نے خلع کر لیا ہو یا جسے اس کے شوہر سے کسی عیب کی بنا پر جدا کر دیا گیا ہو:

اُس عورت کی عدت جس نے خلع لیا ہو۔ نیز اس عورت کی عدت جس کے درمیان اور شوہر کے درمیان شوہر کی نامردی یا بانجھ پن کی بنا پر تفریق ہو گئی ہو وہی ہے جو مطلقہ کی ہے۔ (۱)

۴۔ اس عورت کی عدت جس سے ایلا کیا گیا ہو (دیکھئے ایلاء/۴)

۵۔ زانیہ کی عدت:

زانیہ پر عدت نہیں بلکہ اُس کے لیے استبراء لازم ہے۔ (دیکھئے استبراء/۲)

۶۔ اس عورت کی عدت جس کا شوہر وفات پا گیا ہو:

جس عورت کا شوہر وفات پا گیا ہو وہ یا تو حاملہ ہو گی یا حاملہ نہ ہو گی۔

(و) اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل (بچے کی پیدائش) ہے، خواہ وہ آزاد عورت ہو یا لونڈی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حاملہ کے بچہ پیدا ہو گیا تو اس کی عدت پُوری ہو گئی اور وہ دوسرے شوہر سے نکاح کے لیے حلال ہو گئی۔ (۲) اور آپ نے فرمایا کہ اگر مرا ہوا شوہر ابھی چارپائی پر پڑا ہو یعنی ابھی اُسے دفن نہ کیا گیا ہو اور بیوی کے بچہ ہو جائے تو بیوی کی عدت پوری ہو گئی۔ (۳)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ اگر حاملہ عورت کا شوہر مر جائے تو وہ دونوں عدتوں میں سے وہ عدت گزارے گی جس کی مدت زیادہ ہو، یعنی چار ماہ دس دن یا بچہ کی پیدائش میں سے جو زیادہ لمبی ہو۔ لیکن ایک واقعہ کے بعد جو عبدالرزاق

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۲۲۹، ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۵۳، سنن البیہقی ۷/ ۴۲۰، المحلی ۱۰/ ۲۷۰، الموطا ۲/ ۵۸۲، المغنی ۷/ ۴۶۳

(۲) مصنف عبدالرزاق ۷/ ۱۸

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۲۵۳، ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۵۰

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۲۳، الموطا ۲/ ۵۸۹

(۳) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۴۷۲، سنن البیہقی ۷/ ۴۳۰، ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۲۳، آثار ابی یوسف ۶۷۰

نے اپنی مصنف میں بیان کیا ہے حضرت عمرؓ نے اس رائے سے رجوع کر لیا۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت آئی اور اُس نے کہا کہ میرے شوہر کی وفات کے بعد عدت کے دن پورے ہونے سے پہلے میرے بچہ پیدا ہو گیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ زیادہ مدت والی عدت پوری کرو۔ وہ عورت حضرت ابی بن کعب کے پاس سے گزری تو اُنہوں نے پوچھا کہ کہاں سے آ رہی ہے۔ اُس نے تفصیل بتائی اور جو کچھ حضرت عمرؓ نے کہا تھا اُس کا ذکر کیا۔ اس پر حضرت ابیؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ کے پاس واپس جاؤ اور اُن سے کہو کہ ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ تم حلال ہو گئی ہو یعنی عدت پوری ہو گئی۔ اگر وہ مجھے بلائیں تو میں یہیں ہوں۔ وہ عورت حضرت عمرؓ کے پاس گئی اور انہیں اس بات سے آگاہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ انہیں بلا کر لاؤ۔ وہ آئی تو حضرت ابیؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے نماز ختم کرنے میں جلدی نہیں کی، یہاں تک کہ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو اس کے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ کیا کہتی ہے۔ اس پر ابی بن کعبؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا اور یہ آیت پڑھی۔

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق:۴)

(اور حاملہ عورتوں کی عدت کی حد یہ ہے کہ اُن کا وضع حمل ہو جائے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس عورت سے کہا کہ جو تم سن رہی ہو اس پر عمل کرو۔ (۱)

اس کے بعد حضرت عمرؓ کی وہی رائے مستحکم ہو گئی جس کا اظہار حضرت ابی بن کعبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر کے کیا تھا۔

(ب) اگر یہ عورت حاملہ نہ ہو اور آزاد ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

(البقرہ:۲۳۴)

(تم میں سے جو لوگ مر جائیں، اُن کے پیچھے اگر اُن کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں۔)

اور اگر باندی ہو تو اُس کی عدت آزاد عورت کی عدت کا نصف ہے۔

اگر عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اور ابھی وہ طلاق کی عدت گزار رہی ہو کہ طلاق دینے والا شوہر مر جائے تو وہ از سرِ نو عدتِ وفات شروع کرے گی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر شوہر نے اپنے مرض الموت میں تین طلاقیں دیں اور اس کی بیوی ابھی عدت گزار رہی تھی کہ وہ وفات پا گیا تو بیوی وہ عدت گزارے گی جو اُس عورت کی ہے جس کا شوہر وفات پا جائے۔ (۱)

۷۔ مفقود الخبر شوہر کی بیوی کی عدت:

مفقود الخبر شوہر کی بیوی کی عدت وہی ہے جو اس عورت کی ہے جس کا شوہر وفات پا گیا ہو۔ (دیکھئے: مفقود ۲/و)

۸۔ عدت کی ابتدا اور انتہا:

(و) عدت اسی دن سے شروع ہو جاتی ہے جس دن طلاق دی گئی یا جس دن شوہر نے وفات پائی، خواہ یہ خبر بیوی کو پہنچے یا نہ پہنچے۔ بشرطیکہ اس کا ثبوت فراہم ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر

(۱) مصنف عبدالرزاق ۶/۴۷۲

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۵ ب

غیر حاضر شوہر مر گیا اور اُس کی موت کی گواہی گواہوں نے دے دی تو اُس کی بیوی کی عدت اُس دن سے شروع ہو جائے گی جس دن شوہر مرا تھا۔ (۱)

ب) اور عدت اس وقت ختم ہو گی جب اُس کی وہ مدت پُوری ہو جائے گی جو اس کے لیے شریعت نے مقرر کی ہے جس کی تفصیل اُوپر گزر چکی ہے۔ (د: عدت/۲،۶)

۹۔ عدت گزارنے والی عورت کیلئے کون سے امور منع ہیں۔

عدت گزارنے والی عورت کو حسب ذیل باتوں سے رُکنا ہو گا۔

(و) وہ بلا ضرورت گھر سے نہیں نکلے گی، اگر باہر جانا پڑے تو رات اپنے گھر میں گزارے گی، الا یہ کہ انتہائی شدید مجبوری ہو۔

دن کے وقت کسی ضرورت کی بنا پر باہر جانے اور رات کو واپس آجانے کے بارے میں ابن ثوبان کی روایت ہے کہ ایک عورت کا شوہر وفات پاگیا، وہ فاقہ سے تھی، اُس نے حضرت عمرؓ سے اپنے گھر والوں کے پاس جانے کی اجازت چاہی تو آپ نے اُسے اجازت دے دی کہ وہ دن کی روشنی میں گھر والوں کے پاس ہو آئے۔ (۲)

اگر معتدہ باہر نکلے تو اس پر لازم ہے کہ وہ رات کو ضرور اپنے گھر واپس آجائے ماسوا انتہائی شدید مجبوری کے، جیسے والد کی شدید بیماری یا وفات وغیرہ۔ چنانچہ سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ ایک عورت کا شوہر مر گیا۔ وہ اس کی وفات کی عدت میں تھی کہ اُس کے والد کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بارے میں حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے اُسے ایک دو راتیں وہاں رہنے کی اجازت دے دی۔ (۳)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۵۲ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۵۱ المحلی ۱۰/۳۰۲ (۳) المحلی ۱۰/۳۰۲، المغنی ۷/۵۲۱

اور ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک عورت کو جو اپنے شوہر کی وفات کی عدت گزار رہی تھی، باپ کی بیماری کی بنا پر ایک رات اس کے پاس رہنے کی اجازت دی۔ (۱)

(ب) جب معتدہ کے لیے گھر سے نکلنا بھی جائز نہیں ہے تو اس کا سفر پر جانا بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہے۔ خواہ کوئی عام سفر ہو یا سفر حج ہو۔ حضرت عمرؓ ان عورتوں کو جو اپنے شوہر کی وفات کی عدت گزار رہی ہوتیں بیداء سے واپس کر دیا کرتے تھے یعنی اُنہیں حج سے منع کر دیا کرتے تھے (۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ اُنہیں حضرت عمرؓ جحفہ اور ذی الحلیفہ سے واپس کر دیتے تھے۔ (۳) (د: حج/۱۹ل)

(ج) معتدہ کا اپنے گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونا:

جب تک عدت پُوری نہ ہو جائے وہ عورت جس کا شوہر وفات پاگیا ہو اپنے گھر سے کسی اور گھر میں منتقل نہ ہو۔ اس لیے کہ فرمانِ الٰہی ہے:

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ (الطلاق: ۱)

(زمانہ عدت میں) نہ تم اُنہیں اُن کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔ الا یہ کہ وہ کسی صریح برائی کی مرتکب ہوں)

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر کی وفات کی عدت گزار رہی ہو وہ اپنے گھر سے دوسرے گھر میں منتقل نہ ہو۔

(د) صریح پیغامِ نکاح اور عقدِ نکاح:

۱۔ معتدہ کو صراحتاً پیغامِ نکاح دینا منع ہے اس لیے کہ یہ بات

(۱) مصنف عبدالرزاق ۷/۳۱، ۳۲ (۲) الموطا ۲/۵۹۲، ابن ابی شیبہ ۱/۲۵۱، ۱۸۷ب، سنن البیہقی ۹/۴۳۵ (۳) مصنف عبدالرزاق ۷/۳۳، المحلی ۱۰/۲۸۹، المغنی ۷/۵۳۱

عدت کے مقاصد یعنی شوہر کے غم میں سوگ منانے کے منافی ہے۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۲۳۴) وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ
(البقرہ: ۲۳۴-۲۳۵)

(تم میں سے جو لوگ مر جائیں، اُن کے پیچھے اگر اُن کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں۔ پھر جب اُن کی عدت پوری ہو جائے تو اُنھیں اختیار ہے اپنی ذات کے معاملہ میں معروف طریقے سے جو چاہیں کریں تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اللہ تم سب کے اعمال سے باخبر ہے۔ زمانۂ عدت میں خواہ تم ان بیوہ عورتوں کے ساتھ منگنی کا ارادہ اشارے کنائے میں ظاہر کر دو، خواہ دل میں چھپائے رکھو، دونوں صورتوں میں کوئی مضائقہ نہیں)

۲۔ اگر عورت نے دوران عدت نکاح کر لیا، خواہ عدت وفات ہو یا عدت طلاق تو یہ عقد باطل ہے اور اُسے بطور تعزیر کوئی مہر نہیں ملے گا۔ بلکہ وہ مہر اُس سے لے کر بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا، چنانچہ مسروق سے مروی ہے کہ ایک عورت نے عدت کے دوران نکاح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے ان کے درمیان تفریق کرا دی اور مہر بیت المال میں جمع کرا دیا اور فرمایا کہ اس کا نکاح بھی حرام اور اس کا مہر بھی حرام ہے۔ (۱) اور ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس عورت کے بارے میں جو عدت کے دوران نکاح کر لے فرمایا کہ اس کا مہر بیت المال میں جمع ہوگا۔(۲)

(۱) المحلی ۹/ ۴۸۰، سنن البیہقی ۷/ ۲۱۹، ۴۴۲، ۴۴۳، عبدالرزاق ۶/ ۲۱۱، ابن ابی شیبہ ۲۲۵/۱

لیکن بعد میں حضرت عمرؓ نے اس رائے سے رجوع کر لیا اور مہر عورت ہی کا حق قرار دے دیا کیونکہ خاوند نے اس سے جماع کیا ہے۔(۱)

۳۔ عدت کے دوران نکاح کرنے والے مرد اور عورت کی تعزیر:
حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک عورت نے عدت کے دوران نکاح کر لیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم نے یہ فعل جانتے بوجھتے کیا ہوتا تو میں تم دونوں کو رجم کر دیتا۔ (۲)

حضرت عمرؓ نے یہ جو کہا کہ "میں تمہیں رجم کر دیتا" اس میں یہ امکان بھی ہے کہ آپ نے سنجیدگی سے کہا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بطور تہدید اور سرزنش کہا ہو۔ بہرحال آپ نے عدت میں نکاح کرنے والی کسی عورت پر حدِ زنا جاری نہیں کی۔ کیونکہ اس میں عقدِ نکاح کا شبہ موجود ہے اور حضرت عمرؓ کے نزدیک شبہ کی بنا پر حد ساقط ہو جاتی ہے، لیکن آپ عدت میں نکاح کرنے والوں کو تعزیری سزا دیتے تھے، چنانچہ ایک شخص نے ایک عورت سے عدت کے دوران نکاح کر لیا، جب یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو آپ نے انہیں حد کی مقدار سے کم کوڑے مارے۔ (۳) طلیحہ بنت عبیداللہ اسدیہ نے عدت میں نکاح کر لیا۔ آپ نے اُسے مار کی سزا دی اور اُس کے شوہر کو چند کوڑے مارے۔ (۴)

۴۔ عدت میں نکاح کرنے والوں کے مابین تفریق:
حضرت عمرؓ دوران عدت نکاح کے مقدمات میں نکاح کرنے والے مرد و عورت کی دو مختلف حالتوں کی بنا پر اُن کے مابین

(۱) سنن البیہقی ۷/ ۲۱۹، ۴۴۲، المحلی ۹/ ۴۸۰، عبدالرزاق ۶/ ۲۱۱
شرح معانی الآثار ۳/ ۱۵۱ (۲) المحلی ۹/ ۴۸۰، المغنی ۸/ ۸۳ (۳)
شرح معانی الآثار ۲/ ۱۵۱، خراج ابی یوسف ۲۱۱، ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۰
(۴) الموطا ۲/ ۵۳۶، عبدالرزاق ۶/ ۲۰۹، سنن البیہقی ۷/ ۴۴۱، المغنی ۷/ ۴۸۱

تفریق کرانے کے سلسلہ میں ان کی حالتوں کے اختلاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلے میں بھی فرق کیا کرتے تھے۔

پہلی حالت :

ایک شخص نے ایک عورت سے اس کی عدت کے دوران نکاح کیا، لیکن جماع نہیں کیا تھا کہ دونوں میں تفریق ہو گئی اس صورت میں عورت اپنے پہلے شوہر کی باقی ماندہ عدت پوری کرے گی اور دوسرے شوہر کی حیثیت پیغام دینے والے شخص کی سی ہو جائے گی، یعنی وہ اس عدت کے پورا ہونے کے بعد اگر چاہے تو اس عورت سے نکاح کر لے اور چاہے تو نہ کرے۔

دوسری حالت :

اگر دورانِ عدت نکاح کر لیا اور عدت میں ہی دخول کر لیا پھر دونوں میں تفریق ہو گئی تو اس صورت میں عورت اولاً پہلے شوہر کی باقی ماندہ عدت پوری کرے گی اور پھر از سرِ نو دوسرے شوہر سے تفریق ہو جانے کی عدت پوری کرے گی اور دوسرے شوہر پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی اور دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکیں گے لیکن پہلا شوہر پھر پیغام دے سکتا ہے اور اگر دونوں چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔ طلیحہ بنت عبیداللہ اسدیہ، رشید ثقفی کے نکاح میں تھی۔ رشید نے اُسے طلاق دے دی تو اُس نے دوران عدت ہی نکاح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے بھی مارا اور اُس کے شوہر کو بھی کوڑے سے چند ضربات لگائیں اور ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دی۔ ازاں بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو عورت عدت میں نکاح کرلے، اگر نکاح کرنے والا شوہر اس سے عدت کے دوران جماع نہ کرے تو اُن کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی، پھر وہ اپنے پہلے شوہر کی باقی عدت پوری کرے گی اور دوسرا شوہر پیغام دینے والا ہو گا۔ اور اگر دوسرے شوہر نے دورانِ عدت جماع کر لیا تو اُن کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی، پھر وہ پہلے شوہر کی باقی عدت پوری کرے گی، پھر دوسرے شوہر کی عدت گزارے گی اور یہ دونوں پھر کبھی جمع نہیں ہو سکیں گے۔ (۱) اور اندریں صورت پہلا شوہر پیغام دینے والوں میں سے ایک ہو سکتا ہے۔

اور یہ جو روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے دوران عدت نکاح کر لیا تھا۔ یہ مقدمہ جب حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے حد سے کم تعداد میں کوڑے مارے اور عورت کو مہر دلوایا اور دونوں کے درمیان تفریق کرا دی۔ اور فرمایا کہ یہ دونوں اب جمع نہیں ہو سکتے۔ (۲) اسے اس پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ یہ فیصلہ آپ نے اس بنا پر دیا کہ شوہر نے عدت کے دوران میں دخول بھی کر لیا تھا۔

(ھ) ترکِ زینت (د : حداد)

۱۰۔ معتدہ کا نفقہ (د : نفقہ/۵)

عدوٰی (بیماریوں کا متعدی ہونا)

متعدی بیماریوں سے بچنے کی کوشش کرنا۔ (د : مرض/۱)

عذر

معذور کا وضو (د : وضو/۹)

---

(۱) الموطا ۲/۵۳۶، سنن البیہقی ۷/۴۴۱، عبدالرزاق ۷/۲۰۹، ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۹ ب المغنی ۷/۴۸۱، خراج ابی یوسف ۲۱۱

(۲) شرح معانی الآثار ۲/۱۵۱، عبدالرزاق ۷/۲۰۹، سنن البیہقی ۷/۴۴۲، المحلی ۹/۴۸۱

عرب

قیدی مشرکین عرب (د: اسر/۲ ب)

سرزمین عرب میں کافروں کی رہائش (د: جزیرۃ العرب)

عشر کے سلسلہ میں عرب کے نصاریٰ کے ساتھ معاملہ۔

(د: عشر/۷ و ۲)

عرب سے جزیہ وصول کرنا (د: جزیہ/۵ و ۲)

عرب اور اُن کے آزاد کردہ غلاموں کے عطایا میں فرق نہ کرنا۔

(د: فئے/۳ ب ۳ ز)

عربون (بیعانہ)

۱۔ تعریف:

عربون سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی قسم کا سامان خرید ے اور بیچنے والے کو ایک درہم دے دے کہ اگر میں نے یہ سامان لیا تو یہ درہم اس کی قیمت میں شمار ہو جائے گا ورنہ یہ بائع (فروخت کنندہ) کا ہو جائے گا۔

۲۔ عربون کا حکم:

حضرت عمرؓ نے بیع عربون جائز قرار دیا ہے۔

(د: بیع/۴ ب ۲)

عرس (شادی)

شادی کے موقع پر غنا (گانا) کا مباح ہونا (د: غناء/۲د)

شادی کے موقع پر موسیقی کی بعض قسموں کا جائز ہونا۔

(د: موسیقی)

عرض (عزت)

اپنی عزت کا دفاع کرنا شرعاً جائز ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی عزت کے دفاع میں کوئی جنایت (جرم) کر گزرے تو اس کا کوئی تاوان نہیں۔ (د: جنایت/۳ ب ۶)

عرفہ

حج میں وقوف عرفہ (د: حج/۱۱)

حاجی کے لیے یوم عرفہ کے روزے کا حکم۔

(د: حج/۱۱، صیام/۳د۹)

یوم عرفہ تکبیر کہنا (د: تشریق/۲ ط ۲)

عرق (پسینہ)

آدمی کا پسینہ پاک ہے (د: نجاستہ/۲ و)

جلالہ (گندگی کھانے والے جانور) کا پسینہ ناپاک ہے۔

(د: نجاست/۱ ب ۸)

عزل

۱۔ تعریف:

عزل کا مطلب یہ ہے کہ بوقت جماع مرد منی کو عورت کے رحم میں پہنچنے سے روک دے۔

۲۔ عزل کا حکم:

عزل کا حکم اس عورت کے لحاظ سے جس سے وطی کی جائے بدل جاتا ہے۔

(ز) اگر وہ عورت جس سے وطی کی جائے باندی ہو تو اُس سے عزل جائز ہے، کیونکہ اگر وہ وطی کرنے والے کی باندی ہے تو اُسے اولاد کا حق نہیں ہے اور اگر بیوی ہے تو اولاد کے غلام ہونے کا اندیشہ ہے اور یہ اندیشہ شرعی جواز ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ

اپنی ایک باندی سے عزل کرتے تھے۔ (۱) مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی ایک باندی سے عزل کیا کرتے تھے۔

(ب) اگر آزاد عورت ہو تو حضرت عمرؓ کے نزدیک اس کے ساتھ عزل کرنا مکروہ ہے(۲)۔ آزاد عورت سے عزل کرنے پر حضرت عمرؓ نے اپنے بعض بیٹوں کو مارا تھا۔ (۳)

۳۔ عزل کے باوجود نسب کا ثبوت:

اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مرد نے اپنی باندی سے جماع کیا تھا تو اس کے بچے کا نسب بھی اس سے ثابت ہو جائے گا، خواہ اس نے عزل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم میں سے بعض لوگ عزل کرتے ہیں اور جب باندی حاملہ ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ بچہ میرا نہیں ہے، لہٰذا قسم بخدا میرے پاس جو شخص بھی لایا جائے گا جس نے ایسا کیا ہو گا میں وہ بچہ اسی کی طرف منسوب کروں گا، اب جو چاہے عزل کرے اور جو چاہے عزل نہ کرے۔ (۴)

۴۔ عزل کی صورت میں بھی غسل واجب ہے (د: غسل / ۱)

عسل (شہد)

عسل (شہد) پر زکوۃ کا وجوب اور اس کی مقدار۔

(د: زکوۃ / ۲ د)

عشور ۱۔ تعریف:

ایک شہر سے دوسرے شہر سامانِ تجارت لے کر جانے والے تاجروں سے حکومت جو کچھ وصول کرے وہ تجارتی عشر ہے(۱)۔

۲۔ اسلامی دور میں سب سے پہلے تجارتی عشر کس نے عاید کیا؟

اسلامی دورِ حکومت میں سب سے پہلے تجارتی عشر (ٹیکس) عاید کرنے والے حضرت عمرؓ ہیں(۲) اور اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ اہلِ منبج اور بحرِ عدن کے اُس پار کے لوگوں نے تحریر کیا کہ وہ اپنا سامانِ تجارت لے کر سرزمینِ عرب میں داخل ہوا کریں گے اور مسلمانوں کو عشر دیا کریں گے، اس پر حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا اور سب نے اس سے اتفاق کیا۔ غرض حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے تجارتی عشر وصول کیا(۳) مگر اس مشورہ کے باوجود حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ مسلمان تاجر جب غیر مسلم حکومتوں میں برائے تجارت جاتے ہیں تو اُن سے کتنی مقدار وصول کی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں سے دریافت کیا کہ جب تم حبشہ جاتے ہو وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہوتا ہے، اُس کا دسواں حصہ لے لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو وہ تم سے لیتے ہیں وہی تم اُن سے لے لو۔(۴) نیز آپ نے عثمان بن حنیف سے دریافت کیا کہ جب تم اہلِ حرب کے یہاں جاتے ہو تو وہ تم سے کیا لیتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ عشر۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر اُن سے عشر ہی وصول کرو۔ (۵)

۳۔ وہ مال جس پر عشر لیا جائے گا:

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۷/۱۴۶ ، المغنی ۹/ ۵۲۹

(۲) المغنی ۷/۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۹ب، المحلی ۱۰/ ۷۱

(۳) المحلی ۱۰/ ۷۱ (۴) مصنف عبدالرزاق ۷/ ۱۳۲ و بعد، الموطا ۲/ ۷۴۲، المحلی ۱۰/ ۳۲۲، المغنی ۷/ ۳۹۸، ۹/ ۵۲۹

---

(۱) المغنی ۸/ ۵۱۷

(۲) الاموال ۵۳۴، مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۳۳۴

(۳) عبدالرزاق ۶/ ۹۷، ۱۰/ ۳۳۵

(۴) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۹۸

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۴۸ ب

تاجر پیشہ لوگ اسلامی علاقوں کی حدود میں سے گزرتے ہوئے اپنے ساتھ جو سامانِ تجارت اور نقد لے کر گزریں گے، اُن پر عُشر لیا جائے گا۔ زریق مولی بنی فزارہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُنہیں لکھا تھا کہ جو ذمی تاجر تمہارے پاس سے گزریں، اُن سے اُن کے اموالِ ظاہرہ پر یعنی ان مالوں پر جن سے وہ تجارت کرتے ہیں ہر بیس دینار پر ایک دینار وصول کرو۔ (۱) مال ظاہر کہنے سے مراد یہ ہے کہ اگر تاجر اپنا کوئی مال چھپالیں تو عشر وصول کرنے والا اس کی تفتیش نہ کرے، چنانچہ زیاد بن حدیر سے مروی ہے کہ مجھے حضرت عمرؓ نے عشور کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ میں کسی کی تفتیش نہ کروں۔(۲)

۴۔ عُشر کا نصاب:

حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ جس مال کی مجموعی قیمت دس درہم نہ ہو اس پر عُشر نہ لیا جائے۔ زریق مولی بنی فزارہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُنہیں لکھا کہ تمہارے پاس سے جو ذمی تاجر اپنا سامان تجارت لے کر گزریں تو اُن کے ظاہری مال پر یعنی جس سے وہ تجارت کرتے ہیں، ہر بیس دینار پر ایک دینار لے لو اور جو اس سے کم ہو اس میں سے اسی حساب سے وصول کرو، یہاں تک کہ دس دینار تک پہنچ جائے۔ پھر جب تین دینار سے کم ہو تو چھوڑ دو اور اس پر کچھ نہ لو۔ (۱)

۵۔ سال میں ایک مرتبہ سے زائد وصول نہ کیا جائے:

عشر سال میں ایک مرتبہ وصول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر تاجر عاشر (عشر وصول کرنے والے) کے پاس سے گزرے اور اس کے پاس

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۸ ب (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۸ ب، خراج ابی یوسف ۱۴۴
(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۸ ب

مثلاً ایک ہزار دینار کی قیمت کے بقدر تجارتی سامان ہو تو اس پر عاید ہونے والا عشر لے لیا جائے گا۔ پھر جب وہ اسی سال کے دوران دوبارہ گزرے اور اُس کے پاس دو ہزار دینار کا سامانِ تجارت ہو تو اُس سے صرف اس ایک ہزار دینار کا عُشر وصول کیا جائے گا جو پہلے ہزار سے زائد ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان سے سال میں ایک ہی مرتبہ عُشر لو۔ (۱) آپ نے زریق مولی بنی فزارہ کو حکم دیا کہ جو کچھ تم ان سے ایک مرتبہ لیتے ہو، اس کی بنا پر ان کو پورے سال کے لیے برأت لکھ کر دے دیا کرو۔ (۲) اور آپ نے زیاد بن حدیر کے نام فرمان تحریر کیا کہ جو تمہارے پاس سے سامان تجارت لے کر گزرے اور اُس سے تم عُشر وصول کر لو تو اس مقدار پر اگلے سال تک کچھ نہ لو، الا یہ کہ کوئی زائد سامان اس کے پاس ہو۔ (۳)

۔ غیر مسلم تاجروں سے وہ اشیا عُشر میں قبول نہیں کی جائیں گی جو مُسلمانوں کے ہاں مال نہیں ہیں۔

اگر ذمی کسی عاشر کے پاس سے شراب لے کر گزرے گا تو اُس سے عُشر میں شراب نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کی قیمت لگا کر قیمت میں سے عشر بصورت نقد لیا جائے گا، چنانچہ حضرت عمرؓ کے ایک عامل نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ عاشر کے پاس سے ذمی کافر گزرتے ہیں جن کے پاس شراب ہوتی ہے ؛ اس پر حضرت عمرؓ نے تحریر کیا کہ اُس کی فروخت ان ہی کے سپرد کر دو اور قیمت پر عشر وصول کر لو۔ (۴) نیز حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عُشر کی وصولی

(۱) خراج یحیی ۶۸، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۸ ب
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۸ ب
(۳) خراج ابی یوسف، ۱۹۲
(۴) المغنی ۵/ ۲۷۶

کے لیے خمر اور خنزیر کی فروخت اُن ہی سے کراؤ۔ (۱) عتبہ بن فرقد نے شراب کے عشر سے وصول شدہ چالیس ہزار درہم حضرت عمرؓ کے پاس بھیجے تو حضرت عمرؓ نے اُنہیں سرزنش کرتے ہوئے لکھا کہ اس مال کے حق دار مہاجروں سے زیادہ تم ہو اور آپ نے یہ بات عام لوگوں کو بتلادی اور عتبہ سے کہا کہ میں تمہیں اب کبھی کام پر مامور نہیں کروں گا۔ اس کے بعد عتبہ نے یہ طریقہ ترک کر دیا۔ (۲) دراصل عتبہ نے شراب کا عشر شراب کی صورت میں وصول کرکے پھر اس شراب کو خود فروخت کیا تھا، اس پر حضرت عمرؓ نے اظہار ناپسندیدگی فرمایا تھا۔ (د ا اشربہ / ا ی)

۷۔ عشر کس تناسب سے وصول کیا جائے:

عشر کے محصول کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، بلکہ خلیفہ اس کی شرح خود متعین کرے گا اور اس سلسلے میں وہ سامان تجارت کی نوعیت اور تاجروں کے حالات کو مدِنظر رکھے گا۔

(و) تاجروں کے لحاظ سے عشر کی مقدار کا مختلف ہونا۔

حضرت عمرؓ نے عشر کے سلسلہ میں مسلمان، ذمی اور حربی تاجروں کے درمیان فرق کیا۔

۱۔ مسلمان تاجر: اگر مسلمان تاجر مالِ تجارت لے کر عاشر کے پاس سے گزرے گا تو جس قدر اس کے پاس سامانِ تجارت اور نقود ہوں، اگر وہ بقدر نصاب زکوٰۃ ہوں تو اس سے اس کی زکوٰۃ ڈھائی فیصد کے حساب سے وصول کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام تحریر کیا کہ مسلمانوں سے دو سو پر پانچ لے لو، پھر ہر چالیس درہم پر ایک درہم وصول کرو۔(۳)

(۱) المغنی ۸/ ۵۲۰

(۲) اموال ابی عبید ۵۱، المغنی ۸/ ۵۲۰

(۳) خراج یحیٰی ۲۰۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۱، بدائع الصنائع ۲/ ۳۵

انس بن مالک سے مروی ہے کہ مجھے حضرت عمرؓ نے عشور وصول کرنے کے لیے بھیجا اور مجھے فرمان لکھ کر دیا کہ مسلمان تاجروں سے اموال تجارت لانے لے جانے پر ربع عشر وصول کروں اور ذمیوں سے نصف عشر اور حربیوں سے عشر وصول کروں۔ (۱)

اور زیاد بن حدیر بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ میرے پاس سے مسلمان تاجر جو سامان لے کر گزرے میں اس سے چالیس درہم پر ایک درہم وصول کروں۔ (۲)

مسلمانوں سے اس کے سوا کچھ نہیں لیا جائے گا۔ فقہاء نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ مسلمانوں سے عاشر جو کچھ وصول کرے گا وہ زکوٰۃ ہوگی، جزیہ نہیں جو کہ اہل ذمہ سے لیا جاتا ہے اور نہ یہ اس طرح کا ٹیکس ہے جو اہل حرب سے وصول کیا جاتا ہے اور جو اس ٹیکس کی مثل ہوتا ہے جو وہ مسلمانوں سے وصول کرتے ہیں۔ چنانچہ ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ عشار جو کچھ آپ کے مال پر وصول کرتے ہیں اسے زکوٰۃ میں شمار کرو۔ (۳) اسی لیے زیاد بن حدیر نے جو اسلام میں سب سے پہلے عشر وصول کرنے والے ہیں (۴)، کہا ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے دورِ حکومت میں عشر وصول کرتے تھے لیکن کسی معاہد اور مسلم سے عشر وصول نہیں کرتے تھے۔ عبداللہ بن خالد عبسی کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ پھر تم کس سے عشر وصول کرتے تھے تو اُنہوں نے جواب دیا اہل حرب تاجروں سے جن کے یہاں جب ہم جاتے تھے تو وہ ہم سے عشر وصول کرتے تھے۔ (۵) حضرت عبداللہ بن عمرؓ

(۱) خراج ابی یوسف ۱۶۱، سنن البیہقی ۹/ ۲۱۰، المحلی ۶/ ۶۲، ۱۱۵
مصنف عبدالرزاق ۴/ ۸۸، ۶/ ۹۵ (۲) خراج ابی یوسف ۱۴۴
(۳) موسوعہ فقہ ابراہیم نخعی، مادہ عشر (۴) الاموال: ۵۲۸
(۵) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۹۹، ۱۰/ ۳۷۰، المحلی ۶/ ۱۱۶، الاموال ۵۲
مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۱۳۹

سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت عمرؓ نے مُسلمانوں سے ٹیکس وصول کیا تو اُنھوں نے کہا کہ میرے علم میں یہ بات نہیں ہے۔[1]

اس جواب سے ان دونوں حضرات کی مراد یہ تھی کہ حضرت عمرؓ مسلمان تاجروں سے اور ذمی تاجروں سے وہ مقدار وصول نہیں کرتے تھے جو آپ اہلِ حرب کے تاجروں سے وصول کرتے تھے، کیونکہ جو کچھ اہلِ حرب سے لیا جاتا تھا وہ اپنے مزاج کے لحاظ سے اس سے مختلف تھا جو مُسلمان اور ذمی تاجروں سے لیا جاتا تھا۔

۲۔ ذمّی تاجر:

حضرت عمرؓ نے بعض ذمیوں سے اس شرط پر صُلح کی تھی کہ اُن کے تاجر جو سامانِ تجارت اپنے شہر سے لے کر دوسرے شہر جائیں گے اس پر اُن سے سال میں ایک مرتبہ نصف عُشر لیا جائے گا۔[2]

حضرت عمرؓ نے نجران کے عیسائیوں سے اس شرط پر صُلح کی تھی کہ مسلمانوں پر جو زکوٰۃ عاید ہوتی ہے اُن پر اُس سے دُگنا جزیہ عاید ہوگا۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے ان پر نصف عُشر عاید کیا تھا۔ (د، جزیہ/۳/ج۴)

آپ نے اہلِ نبط سے اس شرط پر صُلح کی تھی کہ اُن میں سے جو اپنا تجارتی سامان اپنے شہر سے کسی اور جگہ لے کر جائے گا اُس سے عُشر لیا جائے گا۔ (۳) اور جب عراق فتح ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن حنیف کو وہاں روانہ کیا اور اُنہیں وہاں کے مالی محصولات پر عامل مقرر کیا اور حضرت عمرؓ نے اہلِ سواد پر جو کہ ذمی تھے اُن کے اموال پر اور ان کے اس تجارتی سامان پر جو وہ لے کر گزریں بیس درہم پر ایک درہم عاید کیا یعنی نصف

(۱) مصنف عبدالرزاق ۴/۱۳۹ الاموال ۵۲۸
(۲) الاموال ۵۳۲، المغنی ۸/۵۱۰، المحلی ۶/۱۱۵
(۳) المحلی ۶/۱۱۵، الموطا ۱/۲۸۱

عُشر۔ (۱)

غیر مُسلموں کے ساتھ کئے گئے پائے جانے والے ان معاہدوں کی روشنی میں حضرت عمرؓ نے عشارین (عُشر وصول کنندگان کو) حُکم دیا تھا کہ وہ ان ذمی تاجروں سے جو اُن کے قریب سے گزریں اسی تناسب سے عُشر وصول کریں جو باہم اتفاق رائے سے طے ہوا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اہلِ کتاب سے اس سے دُگنا عشور وصول کیا جائے جو مسلمانوں سے سونے اور چاندی پر (بطور زکوٰۃ) لیا جاتا ہے۔ (۲) اور آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام تحریر کیا کہ ذمی تاجروں سے نصف عُشر وصول کریں۔ (۳) اور حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھے عشور کی وصولیابی پر مامور کر کے روانہ کیا اور یہ تحریر لکھ کر دی کہ میں مسلمانوں سے اُن کے تجارتی سامان کے لانے لے جانے پر ربع عشر (چالیسواں حصّہ) وصول کروں۔ اور ذمیوں سے نصف عُشر (بیسواں حصّہ) وصول کروں۔ (۴) زیاد بن حدیر سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو محاصل کی وصولیابی پر مامور کر کے روانہ کیا تو انہیں حُکم دیا کہ عرب کے نصاریٰ سے نصف عُشر وصول کرو جو کہ مسلمانوں پر عاید زکوٰۃ کا دُگنا ہے۔ (۵) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ نصارائے بنی تغلب سے عُشر وصول

(۱) الاموال ۶۸، ۵۳۲، عبدالرزاق ۶/۱۱۵، المغنی ۸/۵۱۷
(۲) مصنف عبدالرزاق ۶/۹۷، ۱۰/۳۳۵، الاموال ۵۳۲، ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۸ ب، خراج یحییٰ: ۶۸
(۳) خراج یحییٰ: ۱۷۳
(۴) خراج ابی یوسف (۱۹)، البیہقی ۹/۲۱۲، المحلی ۶/۱۱۵، ۱۲۲، عبدالرزاق ۴/۸۸، ۶/۹۵
(۵) مصنف عبدالرزاق ۶/۹۹

کرو اور نصارائے اہلِ کتاب سے نصف عُشر وصول کرو۔ (۱)
بہرحال ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لیے کہ حضرت عمرؓ یہودیت اور نصرانیت کو عرب سرزمین کے لیے اجنبی اور بیرونی دین تصور کرتے تھے، اسی لیے آپ نے نصارائے بنی تغلب سے اور باقی عرب کے نصاریٰ سے یکساں معاملہ کیا اور غیر عرب نصاریٰ ـــــ نصارائے اہلِ کتاب ـــــ سے مختلف معاملہ کیا۔ السائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں عبداللہ بن عتبہ کے ساتھ مدینہ منورہ کی منڈی میں محاصل پر عامل تھا۔ وہ اہلِ نبط سے عُشر لیتے تھے۔ (۲) اس بنا پر ہماری رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ ذمی تاجروں سے جو کچھ لیتے تھے جزیہ تھا اور یہ ان معاہدات کے تحت عاید کیا جاتا تھا جو اُن سے طے پائے تھے اور یہ اس سے مختلف تھا جو اہلِ عرب تاجروں سے لیا جاتا تھا۔

۲۔ اہلِ حرب تاجر :

حضرت عمرؓ اہلِ حرب تاجروں سے جب وہ اپنا سامانِ تجارت لے کر ہمارے علاقے سے گزرتے تھے کل سامان پر عُشر لیا کرتے تھے۔ کیونکہ جب مُسلمان تاجر اُن کے علاقوں سے گزرتے تھے تو اُن کی حکومتیں مُسلمان تاجروں کے سامان پر عُشر وصول کرتی تھیں۔ حضرت عثمان بن حنیف نے حضرت عمرؓ سے پُوچھا کہ آپ ہمیں کیا حُکم دیتے ہیں کہ ہم اہلِ حرب تاجروں سے کیا وصول کیا کریں؟ اس پر حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ جب مُسلمان اُن کے علاقوں سے گزرتے ہیں تو وہ کیا وصول کرتے ہیں، بتایا گیا کہ عُشر لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر تم بھی

(۱) المحلی ۶/۱۱۵، المغنی ۸/۵۱۶، عبدالرزاق ۱۰/۳۷۰
(۲) الاموال ۵۳۲، المحلی ۶/۱۱۵

عشر لیا کرو تاکہ معاملہ برابر رہے۔ (۱) حضرت انسؓ بن مالک کو حضرت عمرؓ نے ابلّہ کا عامل بنا کر روانہ کیا تو اُن کو بھی یہی لکھ کر دیا۔ (۲) نیز حضرت ابوموسیٰ اشعری کے نام تحریر کیا کہ اہلِ حرب کے تاجر جب ہمارے علاقے میں داخل ہوں تو اُن سے عُشر وصول کرو۔ (۳)

زیاد بن حدیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ اہلِ حرب کے لوگ سرزمینِ اسلام میں اگر قیام کرتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے مجھے جواب لکھا کہ اگر وہ چھ ماہ قیام کریں تو اُن سے عُشر لو اور اگر وہ ایک سال قیام کریں تو اُن سے نصف عُشر وصول کرو۔ (۴) کیونکہ مُسلمانوں کے علاقے میں ایک سال رہنے کی بنا پر وہ ذمی بن جائیں گے اور ذمیوں پر نصف عُشر ہے۔

(ب) سامانِ تجارت میں فرق کی بنا پر عُشر میں فرق :

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ مصلحت اس امر کی متقاضی ہے کہ غیر مُسلموں کے ایسے سامانِ تجارت پر جو عوام کی ضرورت کا ہو ٹیکس کا بوجھ کم ہونا چاہیے تاکہ تاجر ان اشیاء کو زیادہ لے کر آئیں، چنانچہ حضرت عمرؓ اہلِ نبط سے گندم اور زیتون کے تیل پر نصف عُشر لیا کرتے تھے اور اس کا مقصد یہی تھا کہ وہ یہ اشیا زیادہ مقدار میں مدینہ منورہ لے کر آئیں۔ اور آپ والول

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۸ ب، الاموال ۹۸، سنن البیہقی ۹/۱۳۹، المغنی ۸/۵۲۱
(۲) المحلی ۶/۱۱۷، سنن البیہقی ۹/۲۱۰، خراج ابی یوسف : ۱۶۱ مصنف عبدالرزاق ۶/۸۸، ۶/۹۵
(۳) خراج یحییٰ : ۱۷۳
(۴) سنن البیہقی ۹/۲۱۰، خراج یحییٰ : ۱۷۲

پر یعنی چنا اور مسور پر عُشر لیا کرتے تھے۔ (۱)

عصبہ

۱۔ تعریف:

باپ کی طرف کے رشتہ دار عصبہ کہلاتے ہیں۔

۲۔ تعصیب کی بنا پر میراث۔ (د: ارث/۶)

۳۔ ولدِ زنا اور ولد ملاعنہ کے عصبہ وہ رشتہ دار ہوں گے جو اس کی ماں کے عصبہ ہیں۔ (د: ارث/۱۵)

عصر

عصر کا وقت (د: صلاۃ/۳ج)

صلاۃِ عصر ہی صلاۃِ وسطٰی ہے۔ (د: صلاۃ/۶)

صلاۃِ عصر کے بعد نماز کی کراہت (د: صلاۃ/۷ھ)

عَطَاء

۱۔ تعریف:

فئے کے مال میں سے امام مسلمانوں میں سے کسی کے لیے جو حصّہ مقرر کر دے وہ عطا کہلاتا ہے۔

۲۔ عطاء کے احکام اور کون اس کا مستحق ہے اور اُس کی مقدار کیا ہے۔ (د: فئے/۱۳و۲-۲-۳)

عطاس (چھینک آنا)

حضرت عمرؓ کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی اور اُس کے بعد اُس نے کہا کہ السلام علیکم۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وعلیک وعلیٰ امک۔ تم پر اور تمہاری ماں پر ایسا ہی سلام جیسا تم نے کیا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ چھینکنے کے بعد کیا کہنا چاہیے۔ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ الحمد للہ کہے اور سُننے والے لوگ یرحمک اللہ کہیں اور پھر چھینکنے والا یغفر اللہ لکم کہے۔ (۱)

عطیہ

۱۔ تعریف:

اپنی زندگی ہی میں بلا عوض کسی کو کچھ دے دینا عطیہ کہلاتا ہے اور ہبہ اور صدقہ پر بھی عطیہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

(د: ہبہ) و (صدقہ)

عظم (ہڈی)

ہڈی کا پاک ہونا (د: نجاست/۲ھ)

ہڈیوں پر جنایت کی صورت میں کیا تاوان لازم آتا ہے۔

(د: جنایت/۵ب ۴ھ)

عقم (بے اولاد ہونا)

۱۔ تعریف:

عقم سے مراد ہر وہ امر ہے جو انسان کے صاحبِ اولاد

---

(۱) الموطا ۱/۲۸۱، سنن البیہقی ۹/۲۱۰، الاموال: ۵۳۳ المغنی ۸/۵۲۲، مصنف عبدالرزاق ۶/۹۹، ۱۰/۳۳۵

مصنف عبدالرزاق میں یہ روایت اس طرح ہے کہ حضرت عمرؓ گندم اور زیتون کے تیل پر عشر وصول کرتے تھے اور دالوں پر نصف عُشر وصول کرتے تھے، لیکن صحیح وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۴۵۱

ہونے میں مانع ہو۔

۲۔ عقم کے احکام:

مرد کا اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہونا عورت کی طرف سے فسخ نکاح کے مطالبہ کا جائز سبب ہے۔ (د: طلاق/۱۱ھ)

عقوبۃ (سزا)

سزاؤں کی متعدد قسمیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

حدود (د: حد)

قصاص (د: جنایت/۵ و)

دیت (د: جنایت/۵ب) و (اجہاض/۲)

کفارہ (د: کفارہ) و (جنایت/۵ج)

۲۔ اکراہ (جبر) کی بنا پر عقوبت معاف ہو جاتی ہے۔ (د: اکراہ/۲)

علم

۱۔ قرآن کے درس و فہم میں مصروف رہنا سنّت کے درس و فہم میں مصروفیت سے افضل ہے۔

حضرت عمرؓ قرآن میں مصروف رہنے کو سنّت کی مصروفیت پر فوقیت دیتے تھے۔ یہ بات ہمیں اس سے معلوم ہوئی کہ جب حضرت عمرؓ نے سنّت کے ضبطِ تحریر میں لانے کا ارادہ کیا تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ سنّت کو ضبطِ تحریر میں لایا جائے۔ آپ نے ایک ماہ تک اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور ایک صبح اللہ نے آپ کا عزم پختہ فرما دیا تو آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ سُنن کو ضبطِ تحریر میں لانے کا تھا، پھر مجھے گزشتہ اقوام کا خیال آیا کہ انہوں نے کتابیں لکھیں اور کتاب اللہ کو فراموش کر کے انہی کتابوں میں منہمک ہو گئے۔ اور میں قسم بخدا کتاب اللہ کو کبھی کسی شئے کے ساتھ ملتبس نہ ہونے دوں گا۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے جب ایک جماعت صحابہ کو کوفہ روانہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم ایسی بستی (کوفہ) والوں کے پاس جا رہے ہو کہ اُن کی تلاوتِ قرآن کی آوازیں گونجتی رہتی ہیں تو تم انہیں احادیث میں مشغول کر کے قرآن سے نہ روک دینا۔ قرآن کو خالص رکھنا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم نقل کرنا۔ جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

۲۔ علم کے پڑھنے پڑھانے میں رات گزارنا۔ (د: سمر/۲)

عمامہ

۱۔ عمامہ کی صورت:

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ مسلمانوں کا عمامہ ان دو صورتوں کے سوا نہ ہونا چاہیے۔

اوّل: آدمی عمامہ باندھے اور اس کا ایک کنارہ پیچھے چھوڑ دے۔ اور حضرت عمرؓ ایسا ہی کرتے تھے، چنانچہ السائب بن یزید نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے عمامہ کا ایک کنارہ اپنے پیچھے چھوڑا ہوا تھا۔ (۳)

دوم: عمامہ اس طرح باندھے کہ اس کا ایک پلو ٹھوڑی کے نیچے سے گزار کر چہرے کی دوسری جانب لے جائے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اُس نے عمامہ اس طرح باندھ رکھا تھا کہ اُس کی ٹھوڑی کے نیچے کچھ نہیں تھا۔ آپ نے اُس کا ایک

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۱/۲۵۷، جامع بیان العلم ۱/۶۷، طبقات ابن سعد ۳/۲۸۷ (۲) طبقات ابن سعد ۶/۷، جامع بیان العلم ۲/۱۲۶ (۳) سنن البیہقی ۲/۲۸۱

پلو لے کر اس کی ٹھوڑی کے نیچے کر دیا اور کہا کہ پگڑی باندھنے کا یہ کیا فاسقوں کا سا طریقہ ہے۔

۲۔ وضو میں عمامہ پر مسح کرنا۔ (د: وضو / ۵ د)

محرم کا عمامہ کا باندھنا (د: حج / ۶ د ۱)

عمرہ

۱۔ عمرہ کی فضیلت

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم زین اتار کر رکھ دو۔ یعنی جہاد سے واپس آجاؤ تو حج اور عمرہ کے لیے سواری تیار کر لو کہ یہ بھی دو جہادوں[۱] میں سے ایک ہے۔ (۲)

۲۔ عمرہ کا حکم :

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ عمرہ اس پر فرض ہے جس پر حج فرض ہے۔(۳) اور فرماتے کہ اے لوگو! تم پر عمرہ فرض کر دیا گیا ہے۔(۴)

۳۔ نیت :

عمرہ کی نیت بھی حج کی نیت کی طرح ہے۔ (د: حج / ۳)

۴۔ عمرہ کا احرام :

عمرہ کا احرام بھی حج کے احرام کی طرح ہے۔ (د: حج / ۶)

۵۔ عمرہ کا وقت :

عمرہ کا حج سے ملانا (د: حج / ۱۸ ب)

حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرنا اور پھر حلال ہو کر مکہ میں قیام کرنا اور حج کا وقت آجانے پر حج کا احرام باندھنا، جسے حج تمتع کہا جاتا ہے۔ (د: حج / ۱۸ ج)

حضرت عمرؓ اس امر کو افضل سمجھتے تھے کہ حج کرنے والا ایام حج کے علاوہ دوسرے دنوں میں عمرہ کرے تاکہ بیت اللہ زیارت کرنے والوں سے خالی نہ ہو، چنانچہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے حج اور عمرہ میں فصل کیا کرو، کیونکہ اس طرح حج زیادہ بہتر اور مکمل ہوگا اور عمرہ اس طرح بہتر اور مکمل ہوگا کہ حج کے مہینوں کے علاوہ کیا جاتے۔(۱) اسی بنا پر آپ نے ماہ رجب میں عمرہ کیا۔ (۲)

عمل

۱۔ یہ جائز نہیں ہے کہ کارکن پر اس کی استطاعت سے بڑھ کر کام کا بوجھ ڈالا جائے۔ (د: امارۃ / ۵ ز)

۲۔ قرآن کو کمائی کا ذریعہ بنانا (د: قرآن / ۳ ر)

عناق (معانقہ کرنا)

سلام کے وقت معانقہ کا جواز (د: سفر / ۷)

عُنّہ (نامردی)

۱۔ تعریف :

عُنّہ سے مراد یہ ہے کہ مرد کے عضو تناسل میں اتنی کرختگی اور استادگی نہ ہو کہ وہ عورت سے جماع کر سکے۔

۲۔ احکام :

(۱) نامرد کی بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مقدمہ عدالت میں دائر کر کے اپنے نامرد خاوند سے تنسیخ نکاح کا مطالبہ کرے۔ جب عورت یہ مطالبہ کرے گی تو قاضی نامرد کو ایک سال کی مہلت دے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ دیا تھا کہ اگر کوئی شخص عورتوں

---

(۱) المغنی ۱/ ۳۰۱ (۲) مصنف عبدالرزاق ۵/ ۱۷۴ (۳) المجموع ۷/ ۸، المغنی ۳/ ۲۲۳ (۴) المحلی ۷/ ۴۱

(۱) الموطا ۱/ ۳۴۷، المحلی ۷/ ۹۷، مسلم، الحج ۱۲۱، النسائی، الحج، التمتع (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۶۸ ب

کے پاس جانے یعنی جماع کرنے کے قابل نہ ہو تو اُسے ایک سال کی مہلت دی جائے پھر اگر اس عرصہ میں اللہ اُسے اس بیماری سے شفا دے دے اور وہ جماع کرنے کے قابل ہو جائے تو پھر عورت کو تفریق کا مطالبہ جاری رکھنے کا حق باقی نہیں رہے گا۔ اور اگر وہ جماع کرنے کے قابل نہ ہو سکا تو اس کا نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے شریح کو لکھا کہ جس روز عورت فسخِ نکاح کا مطالبہ کرے اس دن سے نامرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے۔ اگر وہ اس عرصہ میں جماع کے قابل ہو جائے تو درست ورنہ ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دی جائے۔ (۲) اگر ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی تو عورت پورے مہر کی مستحق ہو گی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسی صورت میں پورا مہر دلوایا۔ (۳) پھر وہ مطلقہ کی عدت گزارے گی اور اگر عدت کے دوران بھی اس کا نامرد شوہر شفایاب ہو جائے تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہوگا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ نامرد کی بیوی مطلقہ کی عدت گزارے گی اور دوران عدت خاوند اس سے رجوع کرنے کا زیادہ حق دار ہوگا۔ (۴) امام ابو یوسف نے الآثار میں حسن بصری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس علیحدگی کو طلاق بائن قرار دیا۔ (۵)

(ب) اگر عورت کو نکاح کے وقت شوہر کے نامرد ہونے کا علم ہو تو پھر اُسے شوہر کے نامرد ہونے کی بنا پر تنسیخِ نکاح کے مطالبہ کا حق نہیں رہے گا۔ چنانچہ یحییٰ بن سعید الانصاری سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کیا جو نامرد تھا حضرت عمرؓ نے اُس سے کہا کہ اللہ تجھے اجر دے اور تیری بیٹی کی طرف سے تجھے راحتیں عطا فرمائے۔ (۱)

عہد

مسلمانوں کا ذمیوں سے معاہدہ۔ (د: ذمہ)

عورۃ (جسم کے قابلِ ستر حصے)

۱۔ تعریف:

عورت انسانی جسم کا وہ حصہ ہے جس کا مستور رکھنا واجب اور کھولنا حرام ہے۔

۲۔ جسم کے قابلِ ستر حصے کی حدود اور اُن کے ستر کا وجوب:

(ا) مرد کا قابلِ ستر حصہ جسم:

مرد کے جسم کا قابلِ ستر حصہ ناف سے گھٹنے تک ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ کے نزدیک حمام میں ازار باندھنا واجب ہے۔

(د: حمام/۱)

(ب) عورت کے جسم کا قابلِ ستر حصہ (د: حجاب/۱)

(ج) جسم کے قابلِ ستر حصوں کو ایسے لباس سے چھپانا جس میں سے جسم کی ساخت ظاہر ہوتی ہو۔ (د: لباس/۱ب)

(د) نماز کی صحت کے لیے قابلِ ستر حصوں کو مستور رکھنے کی شرط۔

(د: صلاۃ/۲ب)

عول

۱۔ تعریف:

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۲۵۳/۶، مصنف ابن ابی شیبہ ۲۱۵/۱، المحلی ۵۸/۱۰، المغنی ۶۶۶/۶ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۱۵/۱ ب ۲۵۰؛ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۱۵/۱ - ۲۵۰، عبدالرزاق ۲۵۳/۶ (۴) عبدالرزاق ۲۵۳/۶، ابن ابی شیبہ ۲۵۰/۱ (۵) آثار ابی یوسف: ۹۴۲

(۱) المحلی ۹۹/۱۰

میراث میں عول یہ ہے کہ ایسی صورت پیش آجائے کہ حصّوں کی تعداد بڑھ جائے جس کی وجہ سے وارثوں کے حصّوں کی مقدار میں کمی کرنی پڑے ۔ (د: ارث / ۱۱)

عیب

۱۔ نکاح کا پیغام دیتے وقت فریقین کا ایک دوسرے کو اپنے جسم میں موجود عیب سے آگاہ کر دینا ۔

(د: نکاح / ۳ ج ۲) (د: نکاح / ۴ ب ۵)

۲۔ شوہر میں موجود ایسے عیب کی بنا پر نکاح کا فسخ ہو نا جو مانع جماع ہو یا عورت کے لیے کسی خطرہ کا باعث ہو ۔

(د: طلاق / ۱۱)

۳۔ سامانِ تجارت میں موجود عیب کی بنا پر بیع کا فسخ ہونا

(د: خیار / ۳)

عید

۱۔ تعریف :

یوم فطر اور یوم اضحیٰ میں سے ہر ایک کو عید کہا جاتا ہے ۔ عید فطر شوال کی پہلی تاریخ کو اور عید اضحیٰ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو ہوتی ہے ۔

۲۔ عید کے دن کا روزہ رکھنا حرام ہے ۔ (د: صیام / ۱۰۳)

۳۔ عید کی نماز کے لیے پیدل جانا اور عید گاہ میں نماز ادا کرنا، الا یہ کہ کوئی عذر ہو اور نمازِ عید کی کیفیت (د: صلاۃ / ۲۰ ج ۲)

۴۔ مسلمانوں کا کافروں کی عید (تہوار) میں شریک ہونا اور ان کو عید کی مبارک باد دینا :

کسی مسلمان کے لیے کافروں کے کسی تہوار میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ان کے تہوار کے دن ان کے کینسہ میں جانا جائز ہے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مشرکین کے تہوار کے دن ان کی عبادت گاہوں میں نہ داخل ہو کہ ان پر اللہ کی ناراضگی نازل ہو رہی ہوتی ہے ۔ (۱)

اسی طرح ان کے تہوار پر انہیں مبارکباد دینا بھی جائز نہیں ہے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کے دشمنوں سے ان کے تہوار کے دن احتراز کرو ۔ (۲)

---

(۱) عبدالرزاق ۱/۴۱۱ ، سنن البیہقی ۹/ ۲۳۴

(۲) سنن البیہقی ۹/ ۲۳۴

غ

غائب

غائب (غیر حاضر) کے خلاف فیصلہ (د: قضا / ۵)

نیز دیکھیے: مفقود

غبن (خرید و فروخت میں نقصان پہنچانا)

ایسا نقصان جس کی بنا پر بیع کا معاملہ ختم کر دینے کا اختیار ثابت ہو جاتا ہے۔ (د: بیع / ۲ ھ)

غرر

۱۔ تعریف:

غرر کے معنی لاعلمی اور خطرے کے ہیں۔

۲۔ غرر کے اثرات:

غرر کی بنا پر عقد فاسد ہو جاتا ہے خواہ وہ بربنائے ناواقفیت ہو یا خطرے کی بنا پر ہو۔ ناواقفیت کی بنا پر غرر کی مثال جیسے پانی کے اندر موجود مچھلی کی فروخت کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مچھلی پانی کے اندر روشنی کے انعکاس کی بنا پر اپنے حقیقی حجم سے بڑی نظر آتی ہے۔ (د: بیع / اب ۴) اور وہ غرر جو خطرے کی بنا پر ہو اُس کی مثال ــــ جیسے کسی ایسی شے کی فروخت جو موجود ہی نہ ہو (بیع معدوم) یا جیسے گابھن جانور کے پیٹ کے بچے کی فروخت یا پکنے سے پہلے درخت پر لگے ہوئے پھل کی فروخت یا ایسی شے کی فروخت جس پر خریدار قبضہ نہ کر سکے۔ کیونکہ ان تمام معاملات خرید و فروخت میں سپرد کرنے پر قدرت نہ ہونے کا خطرہ موجود ہے اور ایسے امور کی بنا پر ہے جو تقریباً اختیار سے باہر ہیں۔ (د: بیع / اب ۱)

غُرّہ

۱۔ تعریف:

غُرّہ سے مراد غلام یا باندی ہے اور اُن کی قیمت بھی اُن کا بدل ہو سکتی ہے۔ اُن کی قیمت کا اندازہ دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ اُونٹ ہے۔ (۱)

۲۔ غرّہ کس موقعہ پر لازم آتا ہے۔

غرّہ دو صورتوں میں لازم آتا ہے۔

(و) جانی (مجرم) پر اس وقت غُرّہ لازم آتا ہے جب کہ وہ ماں کے پیٹ میں بچہ (جنین) پر جنایت کا ارتکاب کرے جس کے نتیجہ میں بچہ مردہ ساقط ہو جائے۔ (د: اجہاض / ۳ د)

(ب) باپ پر اس اولاد کے فدیہ کے طور پر لازم آتا ہے جو ایسی عورت

(۱) المغنی ۷ / ۸۰۴

کے بطن سے ہوئی ہو جس نے اُسے یہ دھوکہ دیا ہو کہ میں آزاد عورت ہوں لیکن بعد میں معلوم ہو کہ وہ باندی ہے۔ یہ غرہ باپ اولاد کی ماں کے مالک کو دے گا۔ (دیکھئے استحقاق)

غسل

۱۔ کن اُمور سے غسل لازم آتا ہے۔

درج ذیل حالات میں غسل لازم آجاتا ہے۔

(و) منی خارج ہونے سے خواہ بغیر جماع کے خارج ہو مثلاً احتلام ہو یا استمناء بالید سے خارج ہو یا بوس وکنار کی وجہ سے ...

اسی بنا پر عزل کی صورت میں بھی غسل واجب ہے کیونکہ انزال منی اس میں بھی ہوتا ہے۔ (۱) اگر کپڑوں پر منی کے نشانات ہوں اور احتلام یاد نہ ہو اور اس کے اس لباس کو پہن کر کوئی دوسرا نہ سویا ہو تو اس پر غسل واجب ہے۔ حضرت عمرؓ نے جب اپنے کپڑوں پر منی کے نشانات دیکھے تو آپ نے غسل فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ مسلمانوں کو صبح کی نماز پڑھا کر جرف کی طرف چلے گئے۔ وہاں آپ کو اپنے کپڑوں پر منی کے نشانات نظر آئے تو آپ نے فرمایا میرا خیال ہے مجھے احتلام ہو گیا تھا، چنانچہ آپ نے غسل کیا، لباس دھویا اور نماز کا اعادہ کیا۔ (۲)

(ب) جماع سے غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو صحابہ کرام کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف تھا کہ جماع سے اگر انزال نہ ہو تو غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ اس صورت میں غسل واجب نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ غسل منی خارج ہونے پر ہے۔ (۳) جب کہ بعض کی رائے یہ تھی کہ اس صورت میں غسل واجب ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر آدمی جماع کے لیے عورت کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھ جائے اور شرمگاہ، شرمگاہ سے مل جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ (۱)

چنانچہ ایک واقعہ کے بعد جسے ابن ابی شیبہ نے رفاعۃ بن رافع کے حوالے سے بیان کیا ہے حضرت عمرؓ نے تمام صحابہؓ کو ایک رائے پر یعنی اس پر کہ غسل واجب ہے مجتمع کر دیا۔ وہ واقعہ یہ ہے: رفاعہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن الخطاب کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا اور اُس نے کہا اے امیر المومنینؓ۔ زید بن خالد الجہنی غسلِ جنابت کے بارے میں مسجد کے اندر اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ انہیں میرے پاس بلا کر لاؤ۔ زید آئے تو حضرت عمرؓ نے اُنہیں دیکھ کر کہا کہ اے اپنی جان کے دشمن! مجھے اطلاع پہنچی ہے کہ تم اپنی رائے سے فتویٰ دے رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین! میں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ میں نے اپنے چچاؤں ابوایوبؓ، ابی بن کعبؓ اور رفاعۃ بن رافع سے جو حدیث سُنی وہ میں نے بیان کر دی۔ آپ سب عہد نبوی میں ایسا ہی کرتے تھے اور اللہ کی جانب سے اس کی کوئی تحریم نہیں نازل ہوئی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے واقف تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ مجھے علم نہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے تمام مہاجرین اور انصار صحابہ کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ سب جمع ہوئے تو آپ نے اس کے بارے میں مشورہ کیا۔ بہت سے صحابہ کرامؓ نے کہا کہ

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۶ ب (۲) المغنی ۱/۲۰۲ (۳) البخاری، الوضوء، باب من لم یر الوضوء الا من المخرجین، مُسلم، الحیض، انما الماء من الماء، ابوداؤد، الطہارۃ ۱/۲۱۶

(۱) مُسلم، الحیض، نسخ الماء من الماء، الترمذی ۱۰۸، الطہارۃ، الموطأ ۱/۲۴۱

ایسی صورت میں غسل نہیں ہے۔ البتہ حضرت معاذؓ اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر شرمگاہ، شرمگاہ سے مل جائے تو غسل واجب ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ سب اصحاب بدر ہیں۔ آپ کے درمیان اختلاف ہے تو بعد کے لوگوں میں اور زیادہ اختلاف ہوگا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اے امیرالمومنین اس مسئلہ میں سب سے زیادہ علم اُمہات المومنین کو ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ سے معلوم کرایا تو اُنہوں نے کہا کہ مجھے علم نہیں ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ سے دریافت کرایا تو اُنہوں نے فرمایا کہ اگر شرمگاہ شرمگاہ سے مل جائے تو غسل واجب ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب آئندہ کوئی ایسا کرے گا تو مَیں اسے سخت ضرب لگاؤں گا۔ (۱) یعنی اگر کوئی شخص بغیر انزال کے جماع پر غسل نہیں کرے گا تو میں اسے سخت سزا دوں گا۔

اسی لیے القرطبی نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ حدیث "الماء بالماء یعنی غسل منی خارج ہونے پر واجب ہے" سے استدلال ترک کر دیں۔ (۲)

مَیں کہتا ہوں کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حدیث "الماء بالماء" کے ترک پر آمادہ نہیں کیا، بلکہ درحقیقت آپ نے اس حدیث کو حالتِ احتلام پر محمول کیا اور اس حدیث کو کہ "اگر آدمی عورت کے زانوؤں کے درمیان بیٹھ جائے اور شرمگاہ شرمگاہ سے مل جائے تو غسل واجب ہے" اس کو جماع پر محمول کیا ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ اگر مرد بیوی سے اختلاط کرے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ (۳) نیز آپ فرماتے کہ شرمگاہوں کے مل جانے سے غسل فرض ہو جاتا ہے۔ (۱)

(ج) حیض اور نفاس کے ختم ہونے پر غسل بالاجماع فرض ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(د) مستحاضہ پر ہر نماز کے لیے غسل ———— (د: استحاضہ / ۲)

(ھ) غسلِ میّت (د: موت / ۵)

(و) جمعہ کے لیے غسل (د: صلاۃ / ۱۹ ل)

(ز) حج یا عمرہ کے احرام کا ارادہ کرنے والے کے لیے غسل۔ (د: حج / ۶ د ۱)

(ح) احرام کے دوران محرم کے لیے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (د: حج / ۱د۶)

(ط) عرفات کی طرف روانہ ہونے کے وقت غسل (د: حج / ۸)

۲۔ غسل کی کیفیت:

(ا) اگر کوئی مسلمان غسل کا ارادہ کرے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ایسی جگہ غسل کرے جہاں وہ لوگوں کی نگاہ سے زیادہ سے زیادہ مستور ہو۔ غسل کے دوران تمام کپڑے اتار دینا جائز ہے۔ حضرت عمرؓ اپنے اُونٹ کی آڑ میں بیٹھ کر غسل فرما لیا کرتے تھے۔ آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا یہ جائز ہے کہ مَیں اُونٹ کی آڑ میں غسل کر لوں اور اپنے لیے کسی پتھر یا ٹیلے کی اوٹ کر لوں؟ آپ نے کہا کہ ہاں، تمہیں تمہارا اُونٹ کافی ہے۔ اُس نے کہا کہ یا مَیں اپنے حجرے کے وسط میں غسل کر لیا کروں۔ اس پر آپ نے کہا کہ نہیں بلکہ اس کی کسی دیوار کے قریب کر لیا کرو۔ اُس نے پُوچھا خواہ میرے اوپر کوئی پردہ بھی نہ ہو تو بھی ٹھیک ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ٹھیک ہے۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۴ ب

(۲) تفسیر القرطبی ۵ / ۲۰۵

(۳) مصنفِ ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۴ ب

---

(۱) عبدالرزاق ۱/ ۲۴۵، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۵، الموطا ۱/ ۷، معرفۃ سنن والآثار للبیہقی ۱/ ۴۱۷، المحلی ۲/ ۴ (۲) مصنف عبدالرزاق ۱/ ۲۸۵

(ب) بغیر کپڑے اتارے غسل کرنا بھی درست ہے۔ اگر یہ اطمینان ہو کہ پانی پورے جسم تک پہنچ جائے گا۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے قمیص پہنے پہنے اپنے اوپر خوب پانی بہالیا۔ پھر ایک بڑی چادر منگا کر قمیص کے اُوپر سے اپنے اُوپر لپیٹ لی۔ (۱)

(ج) اگر غسل جنابت ہو تو سب سے پہلے شرمگاہ دھوئے۔ پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرے، پھر تین مرتبہ اپنے سر پہ پانی ڈالے۔ پھر اپنے سارے جسم پر پانی بہائے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے غسل جنابت کے بارے میں فرمایا کہ غسل کرنے والا پہلے شرمگاہ دھوئے، پھر وضو کرے، پھر تین مرتبہ پانی بہائے۔ (۲) حضرت عمرؓ جب جنبی ہوتے تو اولاً جسم کے مستور حصے پاک کرتے، پھر وضو کرتے پھر اپنے اوپر پانی بہاتے۔ (۳) اور فرماتے تھے کہ میں اپنے جسم پر تین مرتبہ پانی بہاتا ہوں۔ (۴) اور آپ کہتے کہ جو شخص غسل جنابت کرے وہ تین مرتبہ کلی بھی کرے کہ یہ زیادہ بہتر ہے۔ (۵)

حضرت عمرؓ کے پاس ایک قافلہ آیا اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے غسل جنابت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے نماز کی طرح وضو کرو، پھر تین مرتبہ سر دھوؤ اور پھر تمام جسم پر پانی بہالو۔ (۶)

۳۔ غسل کی بجائے تیمم کرنا اگر غسل دشوار ہو۔ (د: تیمم/۱)

غش (عیب چھپا کر دھوکہ دینا)

۱۔ غش کسی فروخت کی جانے والی شئے میں ہوتا ہے یا بیوی میں یا شوہر میں (د: تدلیس)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۲ (۲) مسند احمد ۱/۱۴
(۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۱ (۴) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۱
(۵) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۱ (۶) عبدالرزاق ۱/۲۵۷، المحلی ۲/۳۰

۲۔ اگر قیمت میں کھوٹ ہو تو بیع فسخ ہو جاتی ہے، بالکل ایسے ہی جیسے فروخت کنندہ نے کوئی شئے بہت زیادہ قیمت (غبن فاحش) پر فروخت کی ہو۔ (د: بیع/۲ ھ)

غلول ۔ تعریف:

۱۔ کسی مجاہد کا غنیمت میں کوئی شئے چرا لینا غلول کہلاتا ہے۔

غلول کرنے والے کی سزا:

غنیمت کے مال میں سے کوئی شئے چرانے والے پر حد سرقہ جاری نہیں ہوتی، البتہ اُسے تعزیری سزا دی جائے گی۔

(د: سرقہ/۵ ز ۱۔ تعزیر/۶)

غنا (خوش الحانی سے اشعار پڑھنا)

۱۔ غنا کب جائز ہے:

اصلاً غنا (مباح) جائز ہے الا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی اور حرام چیز شامل ہو جائے تو وہ حرام ہو جائے گا۔ اس کے جواز پہ یہ امر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ اونٹوں کے لیے حدی پڑھنے کا حکم دیتے تھے (۱) اور فرماتے تھے کہ غنا سوار کا زاد راہ ہے (۲) حضرت عمرؓ ضرار بن خطاب بن مرداس کے اشعار کو جو قریش کا شہسوار شاعر تھا پسند فرماتے تھے اور آپ کو یہ بھی پسند تھا کہ کوئی شخص ان اشعار کو ترنم کے ساتھ گائے۔ السائب بن یزید سے مروی ہے کہ ہم ایک حج میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے ساتھ مکّہ کی طرف جا رہے تھے کہ عبدالرحمٰنؓ عام راستہ سے ہٹ کر چلنے لگے اور انہوں نے رباح بن معترف سے کہا کہ اے ابو حسان ہمیں مترنم آواز میں

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۷۷
(۲) المغنی ۹/۱۷۵، سنن البیہقی ۵/۶۸

اشعار سناؤ۔ یہ صاحب "نصب[1]" اچھا گایا کرتے تھے مباح اشعار سنا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ آگئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیا ہے۔ عبدالرحمنؓ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس طرح ہمارا دل بہل رہا ہے اور سفر کی مشقت کم ہو رہی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم سننا ہی چاہتے ہو تو ضرار بن الخطاب کے اشعار سنو۔ (۱)

حضرت عمرؓ ضرار کے اشعار پر کسی دوسرے شاعر کے اشعار کو ترجیح نہیں دیتے تھے الا یہ کہ کوئی شاعر خود اپنے اشعار خوش الحانی سے سنائے، کیونکہ ایسی صورت میں شاعر کے حقیقی احساسات اور سچے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ خوات بن جبیر سے مروی ہے کہ ہم حج کے ارادے سے حضرت عمرؓ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ قافلہ میں ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ بھی تھے۔ لوگوں نے کہا کہ اے خوات ہمیں اشعار گا کر سناؤ، چنانچہ خوات نے اشعار سنانے شروع کیے تو لوگوں نے کہا کہ ضرار بن الخطاب کے اشعار سناؤ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ انہیں اپنے دل سے نکلے ہوئے اشعار سنانے دو، یعنی انہیں ان کے اپنے اشعار سنانے دو۔ خوات کہتے ہیں کہ میں اشعار سناتا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خوات اب بس کرو سحر ہو گئی ہے۔ (۲)

۱۔ غنا کب حرام ہے:

غنا کے ساتھ اگر کوئی حرام بات شامل ہو جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے جن امور کی وجہ سے غنا حرام ہو جاتا ہے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(ا) فحش اشعار اور ایسے اشعار گانا جن سے جنسی جذبات میں ہیجان پیدا ہو:

حضرت عمرؓ جب کسی حُدی خواں کو اشعار پڑھتے سنتے تھے تو اُسے فرماتے کہ ایسے اشعار سے گریز کرو جن میں عورتوں کا ذکر ہو۔ (۱)

(ب) اشعار میں منہمک ہو کر فرائض اور مسنون امور مثلاً قیام لیل وغیرہ کی انجام دہی سے باز رہنا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے خوات بن جبیر کو سحر کا وقت آنے پر اشعار پڑھنے سے روک دیا، کیونکہ یہ وقت اللہ کے سامنے کھڑے ہونے اور اس سے دعا مانگنے کا ہے۔

(ج) عورت کا مردوں کے لیے اور مرد کا عورتوں کے لیے گانا۔ کیونکہ اس میں فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت عمرؓ حُدی خواں کو ایسے اشعار گانے سے منع کرتے تھے جن میں عورتوں کا ذکر ہو تو عورتوں کا مردوں کی مجلس میں ترنم کے ساتھ اشعار گانا، اُن کے نزدیک بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہونا چاہیے۔

(د) ایسے مجمع میں گانا جس میں فاسق جمع ہوں:

حضرت عمرؓ مدینہ منورہ میں گشت کیا کرتے تھے۔ اور اگر کہیں سے اشعار گانے یا دف بجانے کی آواز آتی تو دریافت فرماتے کہ کیا ہو رہا ہے۔ اگر بتایا جاتا کہ شادی یا ختنہ کی تقریب ہے تو آپ سکوت فرماتے۔ (۲) اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات ہوتی تو کوڑا اُٹھا لیتے۔ (۳)

غنی (مالدار)

غنی کی وہ حد جس کی موجودگی میں زکوۃ لینا جائز نہیں ہے۔

(۱) زکوۃ / ۸ ب ۱)

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۲۲۴، الاستیعاب ۲/۲۸۶ (۲) سنن البیہقی ۵/۶۹

[1] نصب حُدی سے ملتا جلتا ایک گانا ہے جو بلند آہنگ میں گایا جاتا ہے۔

(۱) سنن البیہقی ۵/۶۷ (۲) مصنف عبدالرزاق ۱۰/۵ مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۴ (۳) المغنی ۹/۱۷۴

غنیمت

۱۔ تعریف :

جو مال حربی کافر سے مسلمان جنگ کے نتیجہ میں بزور حاصل کر لیں وہ غنیمت کہلاتا ہے۔

۲۔ مغنوم (غنیمت میں حاصل ہونے والا مال)

(ا) کافر دشمن کے ساتھ جنگ میں مسلمانوں کو جو مال بزور حاصل ہوتا ہے وہ درج ذیل اشیا میں سے کوئی چیز ہوگی۔

۱۔ اراضی (زمینیں) جن کے احکام کے لیے دیکھیے۔

(ارض / ۱ ج / ۲ ب)

۲۔ مرد، عورتیں اور بچے جنہیں جنگی قیدی کہا جاتا ہے اُن کے احکام کے لیے دیکھیے (اسر)

۳۔ اموال منقولہ یعنی درہم و دینار اور ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ۔ اس میں وہ اجناس خوردنی اور چارہ وغیرہ داخل ہیں جو مسلمان کافروں کے شہروں سے حاصل کر کے فروخت کریں لیکن جو غلہ خود کھالیا یا چارہ جو جانوروں کو کھلا دیا وہ مالِ غنیمت شمار نہ ہوگا، چنانچہ شام کے سپہ سالار نے شام کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ کو لکھ کر دریافت کیا کہ ہم نے ایسا علاقہ فتح کیا ہے جہاں اجناس خوردنی اور چارہ وغیرہ فراواں ہے اور میں نے ان کے سلسلے میں ابھی تک کوئی کارروائی انجام نہیں دی تاآنکہ آپ کی طرف سے کوئی ہدایت موصول نہ ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے جواباً تحریر کیا کہ لوگوں کو کھانے دو اور اپنے جانوروں کو چارہ کھلانے دو اور اگر ان میں سے کوئی شئے کسی نے سونے یا چاندی کے بدلے فروخت کی تو اس میں اللہ کا خمس (⅕) اور مسلمانوں کا حصہ ہوگا۔ (۱)

(۱) سنن البیہقی ۹/۶۰

ان میں ان لوگوں کے مال بھی شامل ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے فتح حاصل کرنے کے بعد اسلام قبول کیا ہو۔ یہ مال ان مسلمان ہونے والوں کو واپس نہیں کیا جائے گا بلکہ مال غنیمت میں شامل رہے گا۔ حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ میں تمہیں پہلے ہی یہ حکم تحریر کر چکا ہوں کہ لوگوں کو تین دن تک اسلام کی دعوت دیتے رہو جو جنگ کے آغاز سے قبل اسلام قبول کر لے وہ مسلمانوں ہی میں سے ہے اور جو مسلمانوں کو حصہ ملے گا وہ اسے بھی ملے گا۔ اور اگر کوئی غیر مسلم جنگ میں شکست کے بعد اسلام قبول کرے گا تو اُس کا مال مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت ہے کیونکہ مسلمان یہ مال اُس کے اسلام قبول کرنے سے قبل حاصل کر چکے تھے۔ یہ میرا حکم ہے اور یہ میرا خط ہے جو تمہارے نام ہے۔ (۱)

غنیمتوں کے اکٹھا ہونے کے بعد اُن کا جائزہ لیا جائے گا کہ ان میں کوئی ایسی شے تو نہیں ہے جو کافروں نے مسلمانوں سے کسی جنگ میں بطور غنیمت حاصل کی ہو اور اب پھر مسلمانوں نے دوبارہ اس کو حاصل کر لیا ہو، اگر ایسا ہو اور اس کا اصل مسلمان مالک غنیمت کی تقسیم سے پہلے اُسے پہچان لے تو وہ بغیر کسی عوض کے اُس کو دے دی جائے گی۔ اور اگر وہ چیز اُس نے غنیمت کی تقسیم کے بعد پہچانی تو اس پر اس کا حق نہیں رہے گا، بلکہ اب اگر وہ چاہے تو جس کے قبضے میں تقسیم غنیمت کے بعد وہ شئے آئی ہے اُس سے خرید لے اور اُس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے اور اُس کی یہ خریداری بالکل ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص کسی سے اس کی مملوکہ چیز خریدتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شے تقسیم غنیمت سے پہلے پہچان لی

(۱) اموال ابی عبید ۱۳۶، خراج ابی یوسف ۲۸

جائے وہ اس کے مالک کو لوٹا دی جائے گی اور جو نہ پہچانی جائے اور وہ تقسیم کر دی جائے تو وہ اُسے واپس نہیں کی جائے گی اور قیمت ادا کرکے لینے کے سوا اس کے پاس اس شئے کے حصول کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہوگا۔ (۱)

ماہ اور جلولہ کے لوگوں نے مُسلمانوں پر حملہ کیا اور مُسلمانوں کو قیدی بنا کر لے گئے اور اُن کے غلام اور سازوسامان بھی لے گئے۔ ازاں بعد حضرت عمرؓ کے عامل سائب بن اقرع نے ان پر لشکرکشی کی اور "ماہ" کو فتح کر لیا۔ اُنھوں نے حضرت عمرؓ کو مسلمان قیدیوں اور ان کے اُن غلاموں کے بارے میں تحریر کیا جو تاجر "ماہ" والوں سے خرید چکے تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر کیا کہ مُسلمان مُسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس کی خیانت کرتا ہے اور نہ اُسے رسوا کرتا ہے۔ مسلمانوں میں سے جو شخص بعینہٖ اپنا کوئی غلام یا سامان پالے یعنی تقسیم سے پہلے تو وہ اس کا حقدار ہے، اور اگر اُسے وہ شئے تقسیم کے بعد تاجروں کے پاس ملے تو اس کے لیے اُسے حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اور اگر کسی آزاد شخص کو تاجروں نے خرید لیا ہو تو ان تاجروں کو اُن کا اصل زر جو اُنھوں نے خرچ کیا تھا واپس کر دیا جائے گا، کیونکہ آزاد شخص نہ فروخت کیا جا سکتا ہے نہ خریدا جا سکتا ہے۔ (۲)

(ب) تقسیم غنائم:

غنیمتیں تین حصوں میں تقسیم کی جائیں گی۔

۱۔ صفی: وہ اشیا جو امام (سربراہ مملکت) تقسیم سے پہلے غنیمت میں سے منتخب کر لے۔ ایسی اشیا تقسیم میں شامل نہیں کی جائیں گی۔ (دیکھیے: صفی)

(۱) مصنف عبدالرزاق ۵/۱۹۴، ۱۹۵، المحلی ۷/۳۰۱
سنن البیہقی ۹/۱۱۲، المغنی ۸/۴۳۰

۲۔ صفی کے بعد جو کچھ بچے اس کا خمس:

یہ خمس (۱/۵) حکومت لے گی اور ان پانچ مصارف میں صرف کرے گی جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائے ہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

(الانفال: ۴۱)

(اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اُس کے رسولؐ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خُمس (۱/۵) حصہ کو اس کے مصارف میں خرچ فرمایا کرتے تھے اور اس میں سے پانچواں حصہ (خُمس الخمس) خود اپنے مصارف کے لیے رکھ لیتے تھے اور اپنی ذات پر یا اپنے عیال پر صرف فرمایا کرتے تھے۔ اگر اس میں سے کچھ بچ جاتا تو اُسے پھر فقراء اور مساکین کو لوٹا دیتے اور دوسرا خُمس آپ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے ذوی القربیٰ پر خرچ کرتے تھے۔ لیکن اس خمس میں سے آپ بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو کچھ نہیں دیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ ساقط فرما دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ تو آپؐ کی وفات کی وجہ سے ساقط ہو گیا اور آپ کے رشتہ داروں کا حصہ اس بنا پر تھا کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور نصرت کی تھی اور اس کے ساتھ ہی آپ سے تعلق قرابت داری بھی تھا، لیکن جن کا نُصرت کا تعلق نہیں تھا، ان کو کوئی حصہ نہیں

ملتا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے قرابت داری کا حصہ ساقط کر دیا اور ان میں سے جو فقیر تھے انہیں عام مسلمان فقراء کے زمرے میں داخل کر دیا اور باقی حصے حضرت ابوبکرؓ نے اسی طرح تقسیم کیے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ (۱)

جب حضرت عمرؓ کا عہدِ خلافت آیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی پیروی کی اور وہ خمس جو حکومت غنیمتوں سے وصول کیا کرتی تھی اُسے علی الحساب ان پانچ اصناف کے لیے شمار کر لیا جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کی وفات کی بنا پر ساقط ہو گیا اور تین اصناف باقی رہ گئے۔ یعنی فقراء، مساکین اور ابن السبیل اور اس خمس کا زیادہ مستحق اُسے قرار دیا جو اس کا زیادہ حاجت مند ہو۔ یہ بات حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ ہمیں خمس دیا کرتے جس طرح وہ موزوں خیال فرماتے کہ ہمیں دیا جانا چاہیے، لیکن ہم نے یہ کہہ کر اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ رشتہ داروں کا حصہ خمس کا خمس (۱/۵) ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خمس معینہ مدّوں کے لیے مقرر فرمایا ہے، لہٰذا ان معینہ مدّوں میں سے اُنہی کو اس خُمس کا زیادہ حصہ ملے گا جو تعداد میں زیادہ ہوں گے اور ضرورت مندی کی بنا پر زیادہ مستحق ہوں گے۔ چنانچہ ہم میں سے کچھ لوگوں نے لیا اور کچھ لوگوں نے نہیں لیا۔ (۲)

نجدۃ الحروری نے حضرت ابن عباسؓ کو رشتہ داروں کے حصہ کے متعلق تحریری سوال بھیجا تو انہوں نے اُسے جواب تحریر کیا کہ یہ حصہ ہمارا ہے خود حضرت عمرؓ نے ہمارے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ اس حصہ میں سے وہ ہمارے غیر شادی شدہ افراد کی شادی کرا دیں گے اور ہمارے عیالدار کے لیے خادم فراہم کر دیں گے لیکن ہم نے انکار کیا اور کہا کہ ہمیں یہ حصہ پورا دے دیں مگر حضرت عمرؓ نے یہ بات نہیں مانی۔ (۱) حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے پاس عراق کا خمس آ گیا تو میں کسی ہاشمی کو شادی کے بغیر نہیں چھوڑوں گا اور اُن میں سے جس کے پاس خدمت گار کنیز نہیں ہوگی، اُسے خدمت گار مہیا کر دوں گا۔ (۲)

حضرت عمرؓ نے یہ بات بنو ہاشم کے فقر اور ضرورتمندی کی بنا پر فرمائی تھی، اسی لیے بعد کے فقہاء نے اس قول سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے نزدیک عام مسلمانوں کے حق کے سوا قرابتِ رسولؐ کا کوئی علاحدہ حق نہیں ہے۔ (۳) اسی طرح فقہاء نے یہ بات کہی کہ حضرت عمرؓ نے غنیمتوں کو یعنی غنیمت کے خمس کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ یتیموں کا حصہ، مساکین کا حصہ اور ابناء السبیل (مسافروں) کا حصہ۔ (۴) اور اسی پر اجماع ہو گیا اور ہر مخالفت ختم ہو گئی۔ قیس بن مسلم الجدلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حسن بن محمد بن الحنفیہ سے دریافت کیا کہ قرآن مجید کے اس حکم: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی (الانفال، ۴۱) کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف ہوا۔ کسی نے کہا کہ قرابت داروں کا حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا ہے اور کسی نے کہا کہ خلیفہ کے قرابت داروں کا ہے مگر بعد میں اس امر پر اتفاق ہو

(۱) الاموال، ۳۳۱، سنن البیہقی ۶/۳۴۳، احکام القرآن للجصاص ۳/۹۳ (۲) الاموال، ۳۳۵

(۱) الاموال ۳۳۵۔ احکام القرآن، الجصاص ۳/۹۳ (۲) الاموال ۳۳۵ (۳) شرح معانی الآثار ۲/۲۲۴ (۴) بدائع الصنائع ۷/۱۲۵

گیا کہ یہ دونوں حصّے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصّہ اور آپ کے قرابت داروں کا حصّہ) اللہ کی راہ میں جہاد کی تیاریوں اور گھوڑے خریدنے پر صرف کیے جائیں لیکن یہ فیصلہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ہوا تھا، چنانچہ مَیں نے ان سے پُوچھا کہ حضرت علیؓ کے لیے کیا امر مانع رہا کہ اُنہوں نے اپنے دورِ خلافت میں اپنی رائے پر عمل نہیں کیا، تو اُنہوں نے کہا کہ حضرت علیؓ اس امر کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اُنہوں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے برخلاف عمل کیا۔[1] حسن بن محمد بن الحنفیہ کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے جصاص لکھتے ہیں کہ نہیں؛ اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کے فیصلوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی رائے وہ نہیں تھی جو حسن بن محمد نے بیان کی ہے، کیونکہ حضرت علیؓ نے متعدد امور میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی مخالفت کی۔ مثلاً حد کے مسئلہ میں عطایا کی مساوات کے مسئلہ میں اور ان کے علاوہ دیگر کئی امور ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرابت داروں کے حصّہ کے بارے میں حضرت علیؓ کی بھی وہی رائے تھی جو پہلے دو خلفاء کی تھی، یعنی یہ کہ اس کے مستحق ذوی القربیٰ کے فقراء ہیں اور چونکہ اس پر چاروں خلفاء راشدین کا اجماع ہے، لہٰذا یہ حجت ہے کیونکہ حدیثِ نبوی ہے کہ تم پر لازم ہے کہ میری سُنّت پر اور میرے بعد میرے خلفاء راشد کی سُنّت پر عمل کرو۔[2]

۳۔ خُمس کے باقی ماندہ چار حصّے:

(۱) غنیمت کے خمس میں سے باقی چار خمس مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے اور مجاہد کے لیے ان چار خمس میں سے حصّہ پانے کے لیے حسبِ ذیل شرائط ہیں۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مجاہد جنگ میں شریک ہوا ہو۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عمارؓ بن یاسرؓ اور طارق بن شہاب احمسی کو لکھا کہ غنیمت اُس کو ملے گی جو جنگ میں شریک ہوگا۔[1] اس اساس پر جو جماعت بطور کمک معرکہ ختم ہونے کے بعد پہنچی ہو وہ غنیمت میں سے کسی حصّے کی مستحق نہیں ہوگی۔ اس کے بارے میں حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ مَیں نے ایک جماعت تمہاری مدد کے لیے روانہ کی ہے۔ ان میں جو لوگ تمہارے پاس دشمنوں کے پیٹ چاک کرنے سے پہلے پہنچ جائیں اُنہیں غنیمت میں شریک کرلو۔[2] بصرہ کے بنو عطارد نے 'ماہ' (نہاوند) پر حملہ کیا ان کی مدد کے لیے کوفہ سے جنگ شروع ہونے سے قبل حضرت عمار بن یاسر کا دستہ بھیجا گیا جو معرکہ ختم ہونے کے بعد پہنچا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم غنیمت میں تمہارے شریک ہیں تو بنی عطارد کا ایک شخص کھڑا ہوا اور اُس نے کہا کہ اے کن کٹے غلام تو چاہتا ہے کہ ہم اپنی غنیمتیں تم پر تقسیم کر دیں۔ حضرت عمارؓ کا کان جہاد میں کٹ گیا تھا۔ اس پر حضرت عمارؓ نے کہا کہ تم مجھے جس کان کا عار دلا رہے ہو وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ پھر اُنہوں نے اس واقعہ کے بارے میں حضرت عمرؓ کو لکھا تو حضرت عمرؓ نے جواباً تحریر کیا کہ غنیمت اُسے ملے گی جو شریکِ جنگ ہوگا۔[3]

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۵/۲۳۸

(۲) احکام القرآن ۳/۶۳، المغنی ۶/۴۰۹

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۵/۳۰۲، سنن البیہقی ۶/۳۳۵، ۹/۵۰، المغنی ۸/۴۱۹، احکام الجصاص ۳/۵۷ (۲) مصنف عبدالرزاق ۵/۳۰۳، سنن البیہقی ۹/۵۰، الرد علی سیر الاوزاعی ۸/۱۹، ۲۰

(۳) سنن البیہقی ۶/۳۳۵، مصنف عبدالرزاق ۵/۳۰۲۔ احکام الجصاص ۳/۵۷، المغنی ۸/۴۱۹

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مجاہد آزاد ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ غلام اگر اپنے مالک کے ساتھ شریکِ جنگ ہو تو اس کا غنیمت میں حصہ نہیں ہے۔ (۱) لیکن اگر وہ اکیلا لڑا ہو تو اس کا حصہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمان ارسال فرمایا کہ ہر غلام جو جنگ میں اپنے مالک کے بغیر شریک ہو اس کا غنیمت میں آزاد کے برابر حصہ رکھو۔ (۲)

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مجاہد بالغ ہو۔ حضرت عمرؓ غنیمت میں اس وقت تک کسی کا حصہ نہیں لگاتے تھے جب تک وہ بالغ نہ ہو۔ (۳)

غنیمت کے استحقاق میں مرد اور عورت برابر ہیں، اور عورت کو بھی اتنا ہی حصہ دیا جائے گا جتنا مرد کو، چنانچہ سفیان بن وہب الخولانی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے لوگوں کے درمیان غنیمتیں تقسیم کیں اور ہر شخص کو ایک دینار دیا اور مرد اور عورت کو برابر حصہ دیا۔ (۴)

(ب) ان چار خمسوں میں گھوڑے کا حصہ:

بعض فقہا مثلاً حصاص وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ گھڑ سوار کو ایک حصہ دیتے تھے اور سوار کے عربی گھوڑے کو دو حصے دیتے تھے اور غیر عربی گھوڑے کو کوئی حصہ نہیں دیتے تھے۔ بعض فقہاء نے یہ رائے بیہقی کی اس روایت سے اخذ کی ہے جو انہوں نے کلثوم بن اقمر سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے جس نے عربی گھوڑوں کا حصہ لگایا وہ منذر الوداعی تھا جو شام کے کسی علاقے میں حضرت عمرؓ کا عامل تھا۔ اس نے گھوڑوں کو دشمن کے تعاقب میں دوڑایا تو عربی گھوڑوں نے انہیں جالیا اور غیر عربی گھوڑے راستے میں رہ گئے۔ اس پر اس نے عربی گھوڑوں کا حصہ لگایا اور غیر عربی گھوڑوں کو حصہ نہ دیا۔ یہ بات انہوں نے حضرت عمرؓ کو تحریر کی تو حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ آپ نے بہت عمدہ رائے اختیار کی۔ اس طرح یہی عمل دستور بن گیا۔ (۱)

اور بعض دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے گھوڑوں میں فرق کیا اور عربی گھوڑے کے دو حصے مقرر کیے کیونکہ یہ زیادہ تیز رفتار اور جنگ میں زیادہ پھرتیلا ثابت ہوتا ہے اور غیر عربی گھوڑے کا ایک حصہ مقرر کیا اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جو اسی منذر بن عمرو وداعی کے واقعہ میں مروی ہے۔ ان کا نام منذر بن ابی حمیصہ تھا، انہوں نے کہا کہ میں اس گھوڑے کا حصہ جو منزل تک پہنچ جائے گا اس جیسا نہیں رکھوں گا جو منزل تک نہیں پہنچے گا۔ یہ بات انہوں نے حضرت عمرؓ کو تحریر کی تو حضرت عمرؓ نے تحریر کیا کہ وداعی کی ماں نے بڑا بہادر بیٹا جنا ہے۔ اس نے مجھے وہ بات یاد دلا دی جو میں بھول گیا تھا۔ اسی طرح کرو جس طرح انہوں نے کہا ہے۔ (۲) اور ایک دوسری روایت جو سعید بن منصور سے مروی ہے اس طرح ہے کہ انہوں نے کہا کہ جو گھوڑا آج ہی پہنچ گیا میں اس کو اس گھوڑے جیسا قرار نہیں دے سکتا جو نہیں پہنچ سکا اور انہوں نے عربی گھوڑے کو ترجیح دی۔ (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے براذین (غیر عربی گھوڑوں) کا بھی حصہ لگایا، لیکن انہیں عربی گھوڑوں سے کم حصہ دیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عربی گھوڑے کے دو حصے لگائے۔ اور غیر عربی گھوڑے براذین وغیرہ کا ایک حصہ لگایا۔ اس کی تائید

(۱) مصنف عبدالرزاق ۵/۲۸۸، المحلی ۷/۳۳۲ (۲) سنن سعید بن منصور ۲/۳۰۵ (۳) مصنف عبدالرزاق ۵/۳۱۱ (۴) المحلی ۷/۳۳۶

(۱) سنن البیہقی ۹/۳۲۷، احکام القرآن للجصاص ۳/۹۰
(۲) مصنف عبدالرزاق ۵/۱۳۸، الاصابۃ ۳/۵۰۲، آثار ابی یوسف ۸۰
(۳) المغنی ۸/۸۰۹، منقول از سنن سعید بن منصور

اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو لکھا کہ عربی گھوڑوں میں سختی اور قوت ہوتی ہے اور ایسے خصائص ہوتے ہیں جو غیر عربی گھوڑوں براذین وغیرہ میں نہیں ہوتے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں آپ کی رائے معلوم ہو جائے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُنہیں لکھا کہ عربی گھوڑے کے دو حصے ہیں اور سُست رفتار گھوڑے اور خچر کا ایک حصہ ہے۔[1]

(ج) غنائم کی فروخت :

۱۔ مُسلمان جو غنیمت حاصل کریں اُس کا غیر مُسلم ذمی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں۔ (د: بیع /۱ د ۳)

۲۔ اگر حکومت خُمس غنیمت میں سے کوئی شے فروخت کرنے پر مجبور ہو تو خود امیر یا اُس کے خاندان کے کسی فرد کو اُس کا خریدنا روا نہیں ہے (د: بیع ۱ د ۹، امارہ ۵ ط ۴)

۴۔ غنیمت کی تقسیم کون کرے گا :

(ا) خُمس کی تقسیم :

جب مُسلمانوں کو مالِ غنیمت حاصل ہو تو اُس میں سے خُمس نکال کر امیر المومنین کو پہنچایا جائے تاکہ وہ اُسے اپنی صوابدید کے مطابق مستحقین میں تقسیم کریں۔

(ب) باقی چار خُمسوں کی تقسیم :

باقی چار خُمس مجاہدین کا حصہ ہیں۔ ان میں بھی اُصول یہی ہے کہ امام انہیں تقسیم کرے، لیکن چونکہ اس تمام مالِ غنیمت کے امیر تک لے جانے اور تمام مستحقین کے سفر کرنے میں مشقت ہے اس لیے لشکر کا سردار امام کی نیابت کرتے ہوئے خود مجاہدین میں مالِ غنیمت تقسیم کرے گا۔ چنانچہ جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے عراق فتح کر لیا تو حضرت عمرؓ نے اُنہیں لکھا کہ اما بعد : مجھے تمہاری تحریر ملی کہ لوگ تم سے کہہ رہے ہیں کہ تم اُن کے درمیان غنیمتیں اور فیئے کے مال تقسیم کر دو۔ جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو جائزہ لو کہ لوگ تمہارے پاس کیا گھوڑے اور جانور لے کر آئے ہیں اور ان سب اشیا کو حاضر مجاہدین میں تقسیم کر دو اور زمینیں اور نہریں ان کے کاشتکاروں کے پاس رہنے دو تاکہ اس میں سے مُسلمانوں کو عطیات دیے جاتے رہیں۔ اگر ان اشیاء کو بھی آپ حاضر مُسلمانوں میں تقسیم کر دیں گے تو اُن کے بعد آنے والوں کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔[1]

(۵) غنیمت سے تنفیل یعنی کسی کو زائد حصہ دینا۔ (د: تنفیل)

غیاب

غائب (غیر حاضر) کے خلاف فیصلہ دینا۔

(د: قضا / د)

نیز دیکھیے (مفقود)

---

[1] مصنف عبدالرزاق ۵/ ۱۸۷، المغنی ۹: ۴۰۶

[1] خراج ابی یوسف ۲۸:

ف

فاتحہ

نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ایک ایسا فرض ہے جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔ (د، صلاۃ/۱۲ د)

فجر

۱۔ جس فجر سے احکام شریعت متعلق ہیں وہ فجر صادق ہے جو اس طرح ظاہر ہوتی ہے گویا کہ وہ بھیڑیے کی دم ہے یعنی آسمان پر پوری طرح روشن ہوتی ہے[1] اور اس کے بعد تاریکی نہیں آتی۔

۲۔ فجر کی اذان اور نماز کا وقت (د، صلاۃ/۲و)

۳۔ صلاۃ فجر میں قرآن کی کن کن سورتوں کی تلاوت کرنی چاہیے۔ (د، صلاۃ/۱۲، ۷)

۴۔ نماز فجر کے بعد نماز کی کراہت (د، صلاۃ/۷د)

۵۔ طلوعِ فجر سے روزے کا آغاز (د، صیام/۴ب)

فخر

نسب پر فخر (د، نسب/۴)

فداء

غازہ یا مستحقہ کی اولاد کا فدیہ (د، استحقاق/۲)

اسیر کا فدیہ (د، اسر/۲ ز ۲) و (اسر/۲ب ۲،۱)

فدیہ

وہ مریض جس پر پورا سال گزر گیا ہو اور وہ رمضان کے روزوں کی قضا نہ کر سکا ہو تو اس پر فدیہ واجب ہے (د، صیام/۸ب)

فرائض

دیکھیے: میراث

فراش (بستر)

فراش سے نسب کا ثابت ہونا۔ (د، نسب/۳ب)

عورت کا اپنے شوہر کے فراش سے نہ رکنا۔ (د، نکاح/۶ج)

فرج

شرمگاہ چھو لینے سے وضو کا ٹوٹ جانا۔ (د، وضو/۷د)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۳/۵۴، ۵۵

حرام طریقہ سے فرج میں وطی کرنے پر وجوبِ حد (د: زنا/۱)
نکاح سے فرج کا حلال ہونا (د: نکاح) یا ملکیت سے حلال ہونا۔
(د: تسری)

فسق

۱۔ تعریف:
کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر کے یا صغیرہ گناہوں پر اصرار کر کے دین سے انحراف کرنا۔

۲۔ فاسق کی شہادت کا رد ہونا (د: شہادت/۱ د ۴)

فضۃ

چاندی کی زکوۃ (د: زکوۃ/۴ ب ۱)
چاندی کو بطور زیور استعمال کرنے کا جواز (د: حلی/۲ ب)

فضولی

۱۔ تعریف:
فضولی وہ ہے جو عقد کرتے وقت نہ تو عقد کا اصل فریق ہو نہ اس کا وکیل یا ولی یا وصی ہو۔

۲۔ فضولی کا طے کردہ معاہدہ مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر وہ جائز قرار دے گا تو جائز ہو جائے گا ورنہ باطل ہو جائے گا۔

(د: بیع/۲ ب)

فطر

۱۔ روزہ دار کا رمضان میں روزہ توڑنا (د: صیام/۹)
۲۔ عید الفطر کی نماز (د: صلاۃ/۲۰ ج ۲)

فقر

وہ حد جس پر کسی شخص کو فقیر سمجھا جاتا ہے۔ (د: زکوۃ/۸ ب و)
فقر کی بنا پر زکوۃ کا مستحق ہونا (د: زکوۃ/۸ ب)، صدقہ کا مستحق ہونا۔ (د: صدقہ/۲)، خمس کا مستحق ہونا (د: غنیمت/۲ ب) اور نفقہ کا مستحق ہونا۔ (نفقہ/۲)
فقیر سے جزیہ کا ساقط ہو جانا (د: جزیہ/۳ ب ۴) و (د: ۳ ج د)
فقراء کے لیے وقف کرنا۔ (د: وقف/۴ و)
فقراء کے لیے کم از کم معیارِ زندگی کی ضمانت مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ (د: امارہ/۵ ھ ۴)

فلس (مفلس ہونا)

دیکھیے (دَین/۶ و)

فئے

۱۔ تعریف:
فئے ہر وہ مال ہے جو کافروں سے جنگ کیے بغیر حق کے مطابق لیا جائے مثلاً جزیہ (د: جزیہ) اور خراج (د: خراج) اور تجارتی عُشر (د: عشور) اور وہ مال جو سفرا امام کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت اپنے ساتھ لائیں۔ اور وہ مال جو کفار اسلامی لشکر کے خوف سے بھاگتے وقت جنگ سے پہلے ہی چھوڑ جائیں۔ اور وہ مال جو لاوارث میت اپنے ترکہ میں چھوڑ جائے۔ (د: ارث/۸) اور وہ مال جو دفینوں سے نکالا گیا ہو (د: رکاز) وغیرہ۔ [۱]

---

[۱] منتہی الارادات ۱/ ۲۲۳، الاموال: ۲۵۴۔ بدائع الصنائع ۷/ ۱۱۶۔ بعد۔

اور وہ گم شدہ جانور جو از خود زندہ رہ سکیں اور ان کا مالک معلوم نہ ہو جیسے اونٹ وغیرہ (دالقطہ/۲ب ۱) اور ہر وہ گری پڑی چیز جس کے مالک کا پتہ نہ ہو اور اُس کو اٹھانے والا اُس کو نہ رکھنا چاہتا ہو (د: لقطہ / ۳ ج)

۲۔ خُمس فئے :

حضرت عمرؓ فئے میں سے بھی غنیمت پر قیاس کرتے ہوئے خُمس نکالنے کے قائل تھے۔ حضرت عمرؓ سے مروی روایات اسی امر پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ آپ نے مُسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ مال فئے صحیح مصارف میں خرچ ہو۔ اب آپ سب اپنی رائے دیں۔ پھر دوسرے دن صبح کے وقت آپ نے فرمایا کہ مجھے کتاب اللہ میں ایسی آیت ملی ہے جس میں اللہ نے مسلمانوں میں سے ہر اُس شخص کا ذکر کر دیا ہے جس کا اس مال میں حصّہ ہے اور کسی کو نہیں چھوڑا۔ ارشادِ الٰہی ہے :

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (الانفال: ۴۱)

(اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصّہ اللہ اور اس کے رسُولؐ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے)

بعد ازاں آپ نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی :

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: ۷)

(جو کچھ رسُولؐ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے تم کو روک دے اُس سے رُک جاؤ)

پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی :

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ (الحشر: ۸)

(ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کیے گیے ہیں)

یہ آیت آپ نے أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ تک تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ یہ آیت مہاجرین کے بارے میں ہے)

اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی :

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ (الحشر: ۹)

(ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لاکر دار الہجرت میں مقیم تھے)

یہاں تک کہ آپ اس آیت تک پہنچے :

وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الحشر: ۹)

(حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنی دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں)

اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (الحشر: ۱۰)

(اور وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں)

یہ آیت آپ نے رؤف رحیم تک تلاوت کی اور فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی مُسلمان ایسا نہیں ہے جس کا اس مال میں

حق نہ ہو خواہ وہ دیا جائے یا محروم کیا جائے۔ (۱)

شعبی سے مروی ہے کہ ایک شخص کو مدینہ منورہ سے باہر ایک ہزار دینار مدفون ملے۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس لے کر آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا خمس (دو سو دینار) لے لیا اور باقی اس کو دے دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے یہ دو سو دینار حاضرین میں تقسیم کر دیے کچھ باقی رہ گئے تو وہ دیگر مستحقین کو دے دیے۔ (۲) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ رکاز کو بھی فئے قرار دیتے تھے۔ (د: رکاز)

غرض ان دونوں تصریحات سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک فئے میں خمس عاید ہوتا ہے۔

۳۔ مصارف فئے:

ا) خمس کے مصارف:

فئے میں سے خمس لے کر ان مصارف میں صرف کیا جائے جن میں غنیمت کا خمس صرف کیا جاتا ہے (د: غنیمت / ۲ ب ۲) حضرت عمرؓ نے سورۃ الانفال کی وہ آیت جو آیت غنیمت کہلاتی ہے تلاوت کر کے اسی جانب اشارہ کیا ہے۔ آیت غنیمت یہ ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الانفال: ۴۱)

(اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا سورۃ الانفال کی آیت غنیمت تلاوت کرنے سے مقصد یہ تھا کہ غنیمت کی تقسیم سے متعلق اس خاص آیت سے سورۃ حشر کی مندرجہ ذیل آیت منسوخ ہو گئی ہے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الحشر: ۷)

(جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسولؐ کی طرف پلٹا دے وہ اللہ، رسولؐ اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔)

کیونکہ سورۃ حشر کی آیت کا مقتضا یہ ہے کہ فئے میں سے خمس نہ نکالا جائے جب کہ سورۃ الانفال کی آیت میں خمس نکالنے کا صریح حکم موجود ہے۔ کہا گیا ہے 'فان للہ خمسہ وللرسول' کہ پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہے۔

اسی بنا پر حضرت عمرؓ فئے پر بھی اسی طرح خمس لیتے جس طرح غنیمت پر لیا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ان کا حصہ ساقط کر دیا تھا اور اس حصہ کو ان دونوں حضرات نے ہتھیاروں اور گھوڑوں یعنی جنگی سامان پر صرف کیا[1] اور اس حصہ میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو نہیں دیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہم انبیاء ہیں ہماری میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

مالک بن اوس الحدثان سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت عمرؓ نے بلوایا۔ میں آپ کے پاس دن چڑھے پہنچا۔ میں نے دیکھا آپ گھر میں چارپائی پر کھجور کی چٹائی بچھائے اس پر

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۴/۱۵۱، ۱۱/۱۰۱، سنن البیہقی ۶/۳۵۱ المغنی ۶/۴۰۲، ۴۱۴ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۰ ب الاموال ۳۴۲، المحلی ۷/۳۲۹، المغنی ۳/۲۲

(۱) تفسیر ابن کثیر ۲/۳۱۲ ط۔ دار احیاء التراث ۱۳۸۸ھ

بیٹھے ہیں اور چمڑے کے ایک تکیہ سے ٹیک لگائی رکھی ہے۔ آپ نے کہا کہ اے مالک! تمہاری قوم کے کچھ لوگ میرے پاس دوڑے ہوئے آئے تھے۔ میں نے ان کو کچھ تھوڑا سا دینے کا حکم دیا ہے تم اسے لے لو اور اُن کے درمیان تقسیم کر دو۔ میں نے عرض کی کہ اگر آپ میرے علاوہ کسی اور کو حکم دیتے۔ اس پر آپ نے فرمایا اے مالک تم ہی لے لو۔ اسی اثناء میں حضرت عمرؓ کا دربان یرفاء آیا اور اُس نے کہا کہ اے امیر المومنین حضرت عثمانؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں انہیں بلا لو۔ یہ سب حضرات تشریف لے آئے۔ اس کے بعد یرفاء پھر آیا اور اُس نے کہا کہ امیر المومنین حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں اُنہیں بلا لو۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ اے امیر المومنین میرے اور اُن کے درمیان فیصلہ کیجیے۔ اور لوگوں نے بھی کہا کہ جی ہاں اے امیر المومنین ان کے درمیان فیصلہ کر کے اُنہیں مطمئن کر دیجیے۔ مالک بن اوس نے کہا کہ اس پر مجھے خیال ہوا کہ انہی دونوں نے ان صحابہ کرامؓ کو اسی غرض سے پہلے بھیجا ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ذرا صبر و تحمل سے۔ میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین اور آسمان قائم ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہماری میراث نہیں ہے جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ سب نے کہا کہ جی ہاں۔ پھر حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی جانب متوجہ ہوئے اور اُن سے فرمایا کہ میں تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں کیا آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ہماری میراث نہیں ہے ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے" ان دونوں نے بھی کہا کہ جی ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسی خصوصیت سے مختص فرمایا ہے جو کسی اور میں موجود نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ (الحشر: ۷)

(جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسولؐ کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسولؐ کے لیے ہے)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کا سارا مال تمہارے درمیان تقسیم کر دیا اور تم پر اس مال کو ترجیح نہیں دی اور نہ تمہیں چھوڑ کر یہ مال کسی اور کو دیا۔ حتیٰ کہ یہ مال باقی رہ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے تمام سال کے اپنے ذاتی مصارف لیتے تھے اور جو بچ جاتا اس کو بیت المال میں جمع کر دیتے۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین اور آسمان قائم ہیں کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے۔ سب نے کہا کہ جی ہاں معلوم ہے۔ پھر آپ نے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کو اسی طرح کی قسم دی جیسے سب لوگوں کو دی تھی۔ اور پوچھا کہ کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ جی ہاں۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں، چنانچہ تم دونوں میراث طلب کرنے آئے۔ آپ اے عباسؓ اپنے بھتیجے کی اور یہ (علیؓ) اپنی بیوی کا حصہ باپ کی میراث میں سے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ہماری میراث نہیں ہے ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے"۔ پھر حضرت ابوبکرؓ وفات پا گئے اور اب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کا ولی ہوں۔

پھر تم دونوں میرے پاس آئے۔ تم دونوں ایک تھے تمہارا مسئلہ بھی ایک تھا۔ تم نے کہا کہ یہ مال ہمیں دے دو۔ میں نے کہا کہ تم چاہو تو میں تمہیں دے دیتا ہوں لیکن تمہارے اوپر اللہ کا یہ عہد لازم ہوگا کہ تم اس میں اسی طرح عمل کرو گے جس طرح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ تم نے اس عہد پر یہ مال مجھ سے لے لیے۔ کیا ایسا نہیں ہے۔ دونوں نے کہا کہ جی ہاں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اب تم میرے پاس آئے ہو کہ میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں۔ خدا کی قسم اب میں تمہارے درمیان تا قیامِ قیامت فیصلہ نہیں کروں گا۔ اگر تم اس سے عاجز آگئے ہو تو یہ مجھے لوٹا دو۔ (۱)

باقی رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا حصہ تو وہ پہلے حضرت ابوبکرؓ دیتے رہے پھر حضرت عمرؓ بھی دیتے رہے لیکن بعد ازاں جب حضرت عمرؓ اپنے اجتہاد سے اس نتیجے پر پہنچے کہ سورۂ حشر کی آیت جس میں مصارف فیئے بیان ہوئے ہیں اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ قرابت کے حصہ کا بیان ہے سورۃ الانفال کی اُس آیت سے منسوخ ہوگئی ہے جس میں مصارفِ غنیمت کا بیان ہے اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ قرابت کے حصّے کا ذکر نہیں ہے تو حضرت عمرؓ نے آپؐ کے قرابت داروں کا یہ حصہ دینا بند کر دیا۔ اور فیئے کو ان مصارف میں خرچ کرنا شروع کر دیا جو غنیمت کے لیے مقرر ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے خُمس کے بارے میں دریافت کیا تو اُنھوں نے کہا کہ اللہ نے ہم پر صدقہ حرام قرار دیا ہے اور اس کے عوض ہمیں خُمس ـــ یعنی فیئے کا خُمس ـــ عطا فرمایا ہے۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے دیتے رہے یہاں تک کہ آپ رحلت فرما گئے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ دیتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی وفات پا گئے۔ پھر حضرت عمرؓ دیتے رہے یہاں تک کہ سوس اور جندیسابور فتح ہوگئے۔ (۱)

(ب) باقی ماندہ چار خُمسوں کے مصارف:

فیئے کے باقی چار خمس مندرجہ ذیل مصارف میں خرچ کیے جائیں گے۔

۱۔ امیر المومنین کی عطا: حضرت عمرؓ جب خلیفہ ہوئے تو آپ کو بیت المال سے کوئی مقررہ تنخواہ نہیں ملتی تھی بلکہ آپ تجارت کرتے تھے اور تجارت ہی کی آمدنی سے اپنا اور اپنے اہلِ خاندان کا گزارہ کیا کرتے تھے۔ آپ تجارت کرتے رہے تا آنکہ جب قادسیہ اور دمشق فتح ہو گیا اور حکومت وسیع ہو گئی اور حکومت کے مسائل بڑھ گئے اور مسائل میں تنوع پیدا ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور اُن سے اپنے تجارت ترک کر دینے اور مسلمانوں کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے فارغ ہو جانے کے بارے میں مشورہ کیا اور یہ کہ یہ حضراتِ صحابہؓ بیت المال سے ـــ یعنی فیئے سے ـــ اُن کا راتب (تنخواہ) مقرر کر دیں جو اُن کو اور اُن کے اہلِ خانہ کو کافی ہو۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ میں تجارت کیا کرتا تھا۔ اب تمہارے معاملات میں مصروف ہو گیا ہوں۔ تمہاری رائے میں مجھے اس مال میں سے کس قدر لینا حلال ہے۔ (۲) صحابہ کرامؓ نے آپ کے لیے چھ ہزار درہم وظیفہ مقرر کرنے پر اتفاق کیا۔ (۳) یہی وہ مقدار ہے جو

(۱) صحیح البخاری، الفرائض، باب قول لانورث، صحیح مسلم، الجهاد، حکم الفئے ۵۷، ۱۱، الترمذی ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، السیر، سنن ابی داؤد ۲۹۶۳، النسائی ۷/۱۳۹، الفئے۔ سنن البیہقی ۶/۲۹۷

(۱) کنز العمال ۴/۵۳۴ (۲) تاریخ الطبری ۴/۱۶۴ (۳) تاریخ الطبری ۴/۱۶۴

اُن سے قبل حضرت ابوبکرؓ لیا کرتے تھے۔ (۱) حضرت عمرؓ نے ازاں بعد اسی تنخواہ پر اکتفاء کیا اور وہ ان امور کے لیے جو انہیں بحیثیت امیرالمومنین انجام دینے پڑتے تھے مسلمانوں کے مال سے اس کے سوا مزید کچھ وصول نہیں کرتے تھے۔ (د: امارہ/ ۵ ط)

۲۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہیں، عہد نبویؐ میں عمال اور کارکنانِ حکومت کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں تھی اور نہ حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں ایسا ہوا بلکہ اس زمانہ میں لوگوں کو حالات اور ضرورتوں کے مطابق دیا جاتا تھا۔

جب حضرت عمرؓ کا زمانہ خلافت آیا تو آپ نے وظائف مقرر کیے اور حکومت کے ہر کارکن کا وظیفہ مقرر ہو گیا۔ ان میں سے بعض وظائف ایسے تھے جو سالانہ دیے جاتے تھے، جیسے والی شام حضرت معاویہ بن ابی سفیان کا وظیفہ جو کہ ایک ہزار دینار سالانہ تھا اور حضرت عثمان بن حنیفؓ کا وظیفہ جو حضرت عمرؓ کی جانب سے عراق کے محاصل وصول کرنے پر مقرر تھے اُن کا وظیفہ پانچ ہزار درہم سالانہ تھا اور اس کے علاوہ اُنہیں روزانہ مصارف کے لیے یومیہ بھی ملتا تھا جو چوتھائی بکری اور پانچ درہم تھا۔

ان میں سے بعض رواتب (تنخواہیں) ماہوار بھی تھیں۔ والی کوفہ حضرت عمار بن یاسر کو ماہوار تنخواہ ملتی تھی جو چھ سو درہم ماہوار تھی (۲)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قاضی کوفہ کا وظیفہ سو درہم ماہوار تھا اور اس کے ساتھ اُن کو چوتھائی بکری بھی روزانہ ملتی تھی۔ شریح قاضی کوفہ کا وظیفہ سو درہم اور دس جریب ماہوار تھا۔ سلیمان بن ربیعۃ الباہلی کا وظیفہ پانچ سو درہم ماہوار تھا۔

بعض ایسے حضرات تھے جن کی تنخواہ یومیہ دی جاتی تھی، چنانچہ عیاض بن غنم والی حمص کو روزانہ ایک دینار ایک بکری اور ایک مُد (غلہ) ملتا تھا۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ یہ رواتب (تنخواہیں) یکساں نہیں تھے بلکہ منصب کی اہمیت اور ملازم کی اہلیت کے لحاظ سے تنخواہوں میں فرق رکھا گیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے قاضیوں کی تنخواہوں کا بطور خاص اہتمام کیا اور اُنہیں بڑی فراخدلی سے وظیفہ عطا کیا تاکہ اُن کی حیثیت قضا کے منصب کے مطابق نظر آئے اور وہ کسی کے محتاج نہ رہیں اور رشوت یا ہدیہ کا لالچ باقی نہ رہے، چنانچہ آپ نے جب معاذ بن جبلؓ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو شام کا والی بنا کر بھیجا تو اُن کے نام تحریر کیا کہ اپنے یہاں موجود نیک لوگوں کا انتخاب کر کے اُنہیں منصب قضا پر مامور کرو، اُنہیں فراخی فراہم کرو اور تنخواہیں دو اور اُنہیں اللہ کے مال سے اُن کی کفایت کے بقدر عطا کرو۔ (۱)

۳۔ لشکر کی عطاء

(د) عہد نبویؐ اور عہد صدیق اکبرؓ میں اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دورِ خلافت میں اہلِ لشکر کا کوئی مقررہ اور طے شدہ روزینہ نہیں تھا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی مال آجاتا تو آپ اس کو فوراً موجود مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اس زمانہ میں تمام مسلمان فوجی شمار کیے جاتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت وظائف اس لیے مقرر نہ کیے گئے ہوں کہ سب لوگ لشکری تھے اور اموال فئے کی مقدار محدود تھی۔

لیکن جب حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں فتوحات کا

---

(۱) الخطط المقریزی ۱/ ۱۵۴ (۲) البلاذری: ۲۴۴

(۱) المغنی ۹/ ۳۷

دائرہ وسیع ہوگیا۔ مال فئے بکثرت آنے لگا اور اہلِ لشکر کی تعداد بھی بڑھ گئی تو حضرت عمرؓ کو دیوان مرتب کرنے کی جانب متوجہ کیا گیا اور یہ کہ آپ مالی آمدنیوں کو اور عطاء کے مستحق لوگوں کو اور اُن کو دیے جانے عطایا کو اس دیوان میں منضبط کرلیں۔

حضرت عمرؓ نے دیوان کی تیاری کا فیصلہ ایک اہم واقعہ کے بعد کیا تھا۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ حضرت عمرؓ کے پاس جب کسریٰ کے خزانے آئے تو آپ سے عبداللہ ارقم زہری نے کہا کہ آپ اُنہیں تقسیم کرنے کے لیے بیت المال میں رکھیں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں جب تک اُنہیں تقسیم نہ کرلوں ان پر کسی چھت کا سایہ نہیں پڑے گا، چنانچہ آپ نے حکم دیا اور یہ سب دولت مسجد کے صحن میں رکھ دی گئی، صحابہؓ نے رات کو حفاظت کی۔ جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اس پر سے کپڑا ہٹانے کا حکم دیا، کپڑا ہٹایا گیا تو سونے اور چاندی اور جواہرات کا ڈھیر اس طرح چمک رہا تھا کہ آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر حضرت عمرؓ آبدیدہ ہوگئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ اے امیرالمومنین آپ کس بات پر آبدیدہ ہوگئے ہیں یہ تو شکر کا دن ہے خوشی کا دن ہے اور شادمانی کا دن ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہرگز نہیں، یہ بات نہیں ہے بلکہ جن لوگوں کو یہ مل جاتا ہے، ان کے درمیان دشمنی اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اسے ہم صاع سے ناپ کر تقسیم کریں یا لپ بھر بھر کر دیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ لپ بھر بھر کر دے دو۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت حسنؓ کو بلایا اور اُنہیں لپ بھر کر دے دیا۔ پھر حضرت حسینؓ کو بلایا اور اُنہیں لپ بھر کر دے دیا اور پھر تمام لوگوں میں تقسیم کردیا۔ اس کے بعد دیوان (رجسٹر) مرتب کیے گئے۔ (۱)

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۰۰

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت ابوہریرہؓ بحرین سے حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ اس واقعہ کو وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُن کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، جب آپ نے مجھے دیکھا تو میں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا لے کر آئے ہو؟ میں نے کہا کہ پانچ لاکھ درہم لے کر آیا ہوں۔ ایک دوسری روایت میں آٹھ لاکھ کے الفاظ ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ سمجھ رہے ہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ ایک لاکھ، ایک لاکھ، ایک لاکھ، ایک لاکھ، ایک لاکھ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم پر نیند کا غلبہ معلوم ہوتا ہے۔ گھر جاکر سو جاؤ۔ صبح ملاقات کرنا۔ میں اگلے روز صبح کو پہنچا تو آپ نے پوچھا کہ کیا لے کر آئے ہو۔ میں نے کہا کہ پانچ لاکھ۔ آپ نے پوچھا کہ صحیح ہے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں۔ مجھے تو یہی علم ہے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ ہمارے پاس بہت سا مال آیا ہے۔ اگر تم چاہو تو ہم تمہیں گن کر دے دیں اور چاہو تو ہم تمہیں ناپ کر دے دیں۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اے امیرالمومنین! میں نے عجمی لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ دیوان (رجسٹر) میں لوگوں کے نام درج کر کے اُس کے حساب سے دیتے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے دیوان مرتب کرایا۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا کہ اے امیرالمومنین ایسا نہ کیجیے لوگ اسلام میں داخل ہوتے جاتے ہیں اور مال کی کثرت ہوتی جاتی ہے، اس لیے آپ کتاب ــــ دیوان ــــ تیار کرا کے اُس کے مطابق دیجیے تاکہ جس قدر لوگ بڑھتے جائیں اور مال زیادہ ہوتا جائے آپ اُنہیں دیتے جائیں۔ (۱)

حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے اس بارے میں مشورہ کیا کہ

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۳۰۹، کنزالعمال: ۱۱۶۴۸، ۱۱۶۵۳

اس دیوان میں کون لوگ مقدم رکھے جائیں اور کون مؤخر۔ چنانچہ آپ نے دریافت کیا کہ تم مجھے بتاؤ کہ میں کن کے نام سے آغاز کروں؟ صحابہ نے فرمایا کہ اے امیرالمومنین اپنے نام سے ابتدا کیجیے کیونکہ آپ ولی امر ہیں۔ آپ نے کہا کہ نہیں! بلکہ میں آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع کروں گا۔ (۱)

(ب) حضرت عمرؓ نے دیوان کا آغاز آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ناموں سے کیا اور ان میں بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو مقدم رکھا۔ اگر کوئی ہاشمی شخص عمر میں مُطلبی سے بڑا تھا تو اسے مقدم رکھا اور اگر کوئی مطلبی شخص ہاشمی سے بڑا تھا تو اُس کو مقدم رکھا۔ پھر بنی عبدشمس کے نام لکھے گئے۔ پھر بنی نوفل کے، پھر بنی عبدالعزیٰ کے، پھر بنی عبدالدار کے، پھر بنی زہرہ کے، پھر بنی تیم کے، پھر بنی مخزوم کے، پھر بنی جمح کے، پھر بنی عدی کے، پھر بنی سہم کے (۲)

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبتوں کے تعدد کے لحاظ سے لوگوں کے نام دیوان میں ثبت ہو گئے تو اُن میں سے عطاء میں ترجیح دینے کے سلسلہ میں اُن کی قبولِ اسلام میں سبقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربِ تعلق کو ملحوظ رکھا گیا جبکہ حضرت ابوبکرؓ ان سب لوگوں کو برابر رکھتے تھے اور اُنہوں نے قبول اسلام میں سبقت کی بنا پر کسی کو ترجیح نہیں دی تھی۔ اور بعد میں حضرت علیؓ نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں اسی طریقہ کو اختیار کیا۔ (۳)

(ج) ازاں بعد ازواجِ مطہرات کے نام درج کیے گئے اور ان میں سے ہر ایک کا ماسوا حضرت صفیہؓ اور حضرت جویریہؓ کے فی کس بارہ ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا گیا اور حضرت صفیہؓ اور حضرت جویریہؓ کے لیے چھ چھ ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا۔ (۱) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عائشہؓ کا وظیفہ بارہ ہزار درہم مقرر کیا اور حضرت جویریہؓ اور حضرت صفیہؓ کا چھ چھ ہزار درہم اور باقی ازواج مطہرات کا دس دس ہزار درہم۔ (۲)

(د) اس کے بعد لشکر کے باقی لوگوں کا اندراج کیا گیا۔ اور حضرت عمرؓ نے اُن کے کئی درجے بنا دیے اور اُن میں سے بعض کو دوسروں پر ترجیح دی، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اُن کے درمیان وظائف کی تقسیم میں مساوات رکھی تھی۔ (۳) حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ پر اس مساوات رکھنے پر اعتراض بھی کیا تھا، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اس اعتراض پر توجہ نہیں دی۔ بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب اولاً تقسیم کی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ ان میں سے مہاجرین اولین کو اور سابقین اسلام کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دیجیے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ کیا میں ان کی سبقت اسلام کی قیمت ادا کر رہا ہوں؟ غرض حضرت ابوبکرؓ نے تقسیم میں سب کو برابر رکھا۔ (۴)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے وظائف میں مساوات رکھنے کے بارے میں کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! کیا آپ انہیں جنہوں نے راہ خدا میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور اپنے گھروں کو چھوڑ کر ہجرت کی۔ ان لوگوں کے برابر رکھ رہے ہیں جو اسلام میں مجبوراً

---

(۱) الاموال ۲۲۴، کنزالعمال ۱۱۶۵۳
(۲) کنزالعمال ۱۱۶۹۷، سنن البیہقی ۳۶۴/۶، المغنی ۴۱۶/۶
(۳) الاحکام السلطانیہ، للماوردی ۱۸، ابویعلیٰ ۲۲۲

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۱۰۰، ابن ابی شیبہ ۳۰۹/۲، سنن البیہقی ۳۵۰/۶ الاموال ۲۲۵ (۲) الاموال ۲۲۴، ۲۲۵ (۳) الاموال ۲۲۴، المغنی ۵۷/۹ (۴) سنن البیہقی ۳۴۸/۶

داخل ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ جنہوں نے جو اچھے اعمال کیے ہیں رضائے الٰہی کی خاطر کیے ہیں اور اُن کا اجر اُنہیں اللہ تعالیٰ دے گا۔ دنیا تو اتنی ہی درکار ہوتی ہے جتنی گزارے کے لیے کافی ہو۔ پھر جب حضرت عمرؓ خود خلیفہ بنے تو آپ نے ان کے درمیان فرق رکھا۔ (۱) اور ان کو درجوں میں تقسیم کر دیا۔ اور فرمایا کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کیا میں انہیں اُن لوگوں کے برابر کیسے قرار دے دوں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی تھی۔ (۲)

حضرت عمرؓ نے اہلِ بدر کو طبقۂ اولیٰ قرار دیا اور ان کے بھی دو گروہ بنا دیے۔

پہلا گروہ بدری مہاجرین کا بنایا جن کا وظیفہ حضرت عمرؓ نے پانچ ہزار درہم فی کس سالانہ مقرر کیا۔ (۳) اور ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کے فی کس چھ ہزار درہم مقرر کیے۔

اور دوسرا گروہ بدری انصار کا بنایا جن کے لیے حضرت عمرؓ نے چار ہزار درہم فی کس سالانہ مقرر کیے (۴)

حضرت عمرؓ نے بدری صحابہؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم میں اُنہیں بعد والوں پر ترجیح دوں گا۔ (۵)

دوسرا طبقہ: دوسرا طبقہ ان مہاجر صحابہ کرامؓ کا قرار دیا جو جنگِ بدر میں شریک نہیں ہوئے، لیکن اُنہوں نے بعد کے غزوات میں شرکت کی۔ حضرت عمرؓ نے ان میں سے ہر ایک کے لیے چار ہزار درہم سالانہ مقرر کیے۔ عبداللہ بن عمرؓ کے سوا ان کا وظیفہ

(۱) المغنی ۶/۴۱۶، خراج ابی یوسف ۵۰ (۲) البخاری، المغازی الاموال ۲۲۶ (۳) الاموال ۲۲۵، سنن البیہقی ۶/۳۵۱، ۳۴۹ (۴) البخاری، المغازی، الاموال ۲۲۶ (۵) صحیح البخاری، فضائل النبی، باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینۃ، خراج ابی یوسف ۵۰، سنن البیہقی ۶/۳۵۱

ساڑھے تین ہزار مقرر کیا۔ اس پر آپ سے کہا گیا کہ عبداللہ بھی تو مہاجرین میں سے ہیں، آپ نے ان کا حصہ کیوں کم کر دیا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اُنہوں نے اپنے باپ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔

لیکن حضرت اسامہ بن زیدؓ عمر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے برابر تھے اور اُنہوں نے بھی اپنے والد کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ مگر حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کی طرح اُن کا وظیفہ پانچ ہزار درہم سے کم نہیں کیا اور اس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت اسامہؓ کو اپنے بیٹے حضرت عبداللہ پر فضیلت دی تھی اور یہ بات لوگوں کے سامنے واضح تھی اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر بھی ظاہر ہو گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے اور اُن سے اصرار کرتے رہے کہ آپ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ سے بات کریں، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ سے گفتگو پر آمادہ ہو گئے اور اُنہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ نے مجھ پر ایسے شخص کو ترجیح دی ہے جو نہ مجھ سے افضل ہے اور نہ اُنہیں مجھ پر کوئی اور سبقت حاصل ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ زید بن حارثہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرؓ سے زیادہ محبوب تھے اور اسامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ محبوب تھے۔ (۱)

تیسرا طبقہ: وہ انصار صحابہؓ قرار پائے جو بدر میں شریک نہیں ہوئے اور اُنہوں نے بعد کے غزوات میں شرکت کی۔ حضرت عمرؓ نے اُن میں سے ہر ایک کا وظیفہ تین ہزار درہم مقرر کیا۔ (۲)

چوتھا طبقہ: اُن حضرات کا ہوا جنہوں نے حدیبیہ، فتح مکہ اور بعد کی جنگوں یعنی قادسیہ اور یرموک تک میں شرکت کی۔ ان میں سے

(۱) الاموال: ۲۲۷، سنن البیہقی: ۱۰/۶ (۲) سنن البیہقی: ۶/۳۵

ہر ایک کے دو ہزار درہم مقرر کیے گئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو تحریر کیا کہ اپنے پاس موجود ان صحابہ کا جنھوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی پورے دو سو دینار وظیفہ مقرر کر دو۔ (۱) جو کہ دو ہزار درہم کے مساوی ہیں۔ سنن البیہقی میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے مہاجر اور انصار صحابہؓ کے بیٹوں کا وظیفہ دو ہزار درہم مقرر کیا۔ (۲) ابن قدامہ نے المغنی میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فتح مکہ کے شرکاء کا وظیفہ دو ہزار درہم مقرر کیا۔ (۳)

پانچواں طبقہ، وہ حضرات تھے جنھوں نے قادسیہ اور یرموک میں شرکت کی۔ حضرت عمرؓ نے ان میں سے ہر ایک کے لیے پانچ سو درہم مقرر کیے اور ان میں سے بہترین کارکردگی کا ثبوت دینے والوں کے لیے دو ہزار درہم مقرر کیے۔ ان طبقات کے بعد دیگر طبقوں کے لوگوں کے نام درج کیے گئے جنھیں حضرت عمرؓ نے ایسے وظائف دیے جو اُن کے مناسب حال تھے۔

حضرت عمرؓ نے بعض لوگوں کی قابل لحاظ خوبیوں کے پیش نظر اُن کے خاص وظائف بھی مقرر کیے۔ مثلاً آپ نے حضرت علیؓ کے دونوں صاحبزادوں حضرات حسنؓ و حضرت حسینؓ کے لیے پانچ پانچ ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا باوجودیکہ وہ شرکاء بدر نہیں تھے۔ آپ نے اُن کے یہ وظائف اس بنا پر مقرر کیے کہ وہ اہل جنت کے سردار اور گلشن قلب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول تھے۔ (۴) اور عمیر بن وہب جمحی اور عثمان بن قیس سہمی کے لیے دو دو سو دینار مقرر کیے۔ (۵) کیونکہ یہ دونوں حضرات مہاندار اور مہمان نواز تھے۔ اور بُسر بن ابی ارطاۃ کے دو سو دینار مقرر کیے کیونکہ یہ صاحب تلوار کے دھنی تھے۔ اور خارجہ بن حذافہ کے لیے بہادری اور شرف کی بنا پر اُن کا بھی وظیفہ مقرر کیا اور اسی طرح اور لوگوں کا وظیفہ مقرر کیا گیا۔

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ، اسماءؓ بنت عمیسؓ اور اُم عبداللہ بن مسعودؓ میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک ہزار درہم مقرر کیے، اس لیے کہ یہ مہاجرین اولین میں سے تھیں۔ (۱)

ہرمزان کے لیے دو ہزار درہم مقرر کیے کیونکہ وہ صاحب الرائے تھا۔ (۲)

(ھ) حضرت عمرؓ نے ان وظائف کے علاوہ اور بھی عطیات مقرر کیے تھے۔

پہلا عطیہ بیوی کے لیے تھا۔ ابو عبید نے الاموال میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جنگ میں لڑنے والوں کی اولاد اور اُن کے اہل و عیال کے لیے دس دس درہم کا وظیفہ مقرر کیا تھا؛ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جابیہ میں فئے تقسیم کی تو ہر ایک کو اگر وہ تنہا تھا، نصف دینار ملا۔ اور اگر اُس کے ساتھ اُس کی بیوی بھی تھی تو اُسے ایک دینار ملا۔ (۳)

دوسرا عطیہ بچوں کے لیے تھا۔ حضرت عمرؓ ابتدا میں بچے کا وظیفہ اُس وقت تک مقرر نہیں کرتے تھے جب تک اُس کا دُودھ نہ چھڑا دیا جاتا۔ پھر ہوا یہ کہ ایک مرتبہ آپ رات کے وقت مصلی کے قریب گشت فرما رہے تھے کہ ایک بچے کی رونے کی آواز آئی۔ آپ نے اُس کی ماں سے کہا کہ اسے دُودھ پلاؤ تو اُس نے کہا کہ چونکہ امیر المومنین بچے کا وظیفہ اُس وقت تک

---

(۱) الاموال ۲۲۹، کنز العمال ۵، ۱۱۶۷ (۲) سنن البیہقی ۶/۳۵ (۳) المغنی ۶/۴۱۶ (۴) کنز العمال: ۱۱۶۶۱ (۵) الاموال: ۲۲۴

(۱) الاموال: ۲۳۶ (۲) الاموال: ۲۴۱ (۳) الاموال ۲۶۳، ۲۴۲، سنن البیہقی ۶/۳۴۶

مقرر نہیں کرتے جب تک اس کا دُودھ نہ چھڑا دیا جاتا، لہٰذا میں نے اس کا دُودھ چھڑا دیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تو اس کی جان ہی لینے کا سبب بن گیا تھا۔ تم اسے دُودھ پلاؤ عنقریب امیرالمومنین اس کا وظیفہ مقرر کر دیں گے، چنانچہ اُس کے بعد آپ نے ہر بچے کا وظیفہ اُس کے پیدا ہوتے ہی مقرر کرنا شروع کر دیا۔ (۱) آپ نے منادی کرنے والے کو حکم دیا کہ اعلان کر دے کہ اپنے بچّوں کا دُودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو۔ ہم نے مُسلمان کے گھر پیدا ہونے والے ہر بچّے کا وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔ (۲) چنانچہ آپ ہر بچے کو سو درہم سالانہ وظیفہ دیا کرتے تھے۔ (۳)

تیسرا عطیہ، بعض اشیاء ضرورت، حضرت عمرؓ وظائف کے مستحق افراد کو اُن کے وظائف اور اُن کے بیوی بچّوں کے وظائف کے علاوہ بعض ضروری اشیاء بھی فراہم کرتے تھے جو اُن کے لیے اور ان کے زیرِ کفالت غلام لونڈیوں اور گھوڑوں وغیرہ کے لیے کفایت کریں، چنانچہ عیاض الاشعری سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ غلاموں، باندیوں اور گھوڑوں کو بھی کھانے کا سامان دیا کرتے تھے۔ (۴) اور آپ ہر ماہ کھانے کا سامان تقسیم کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ (غلہ کی) جو مقدار دیتے تھے اُس کے بارے میں آپ نے ابنِ قاطورا سے مشورہ کیا تھا، اُس سے آپ نے دریافت کیا تھا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ انسان کو ماہانہ اور روزانہ کس قدر غذا درکار ہوتی ہے تو وہ مدیؔ اور قسطؔ لایا اور اُس نے کہا کہ دو مدی گندم پورے مہینہ کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا اور دو مدی گندم کو پیس کر گوندھا گیا اور اس کی روٹیاں پکائی گئیں۔ اُس کے ساتھ دو قسط زیتون کے تیل کو سالن کے طور پر رکھا گیا۔ پھر تیس افراد بلائے گئے اور یہ کھانا اُن کو صبح و شام کے دونوں وقت پیٹ بھرنے کے لیے کافی ہوا۔ پھر حضرت عمرؓ نے مدی کو دائیں ہاتھ میں لیا اور قسط کو بائیں ہاتھ میں لیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے اللہ میں کسی کو اس کی اجازت نہیں دوں گا کہ میرے بعد ان میں کمی کرے۔ جو ان میں کمی کرے اے اللہ تو اس کی عمر کم کر دیجیو۔ (۱) اور آپ نے فرمایا کہ میں نے ہر مُسلمان کے لیے دو مدی گندم، دو قسط سرکہ اور دو قسط زیتون کا تیل مقرر کر دیا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ اور غلاموں کے لیے؛ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جی ہاں اور غلاموں کے لیے بھی یہی مقدار ہے (۲)، چنانچہ ہر عورت، غلام اور بچّہ کو ہر ماہ یہی مقدار ملتی تھی۔ اور چونکہ یہ مقدار بڑوں کے لیے کافی تھی اور بچوں اور بڑوں سب کو یہی مقدار ملتی تھی تو ظاہر ہے کہ بچّوں والے گھر میں اس کی کچھ مقدار بچ رہتی ہوگی، کیونکہ بچہ بڑے سے کم کھاتا ہے اور عملاً ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ خالد بن عرفطہ عذری حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور حضرت عمرؓ نے اُن سے اُن کے علاقے کے بارے میں پُوچھا تو اُنہوں نے کہا کہ میں اپنے پیچھے وہ لوگ چھوڑ کر آ رہا ہوں جو دُعا کرتے ہیں کہ اُن کی عمر بھی آپ کو مل جائے۔ قادسیہ کی مُہم میں جس نے بھی شرکت کی اُس کا وظیفہ دو ہزار یا پندرہ سو درہم مقرر ہوا ہے۔ اور جو بچہ پیدا ہوتا لڑکا ہو یا لڑکی اُسے سو (درہم) اور دو جریب ماہوار ملتے ہیں اور جو لڑکا بالغ ہوتا اُسے پانچ سو یا چھ سو

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ۵/۳۱۱، ۲/۳۲، ۵ سنن البیہقی ۶/۳۴۷ کنزالعمال ۱۱۶۶۳ (۲) الاموال ۲۲۷، (۳) کنزالعمال ۱۱۶۶۱ (۴) کنزالعمال ۱۱۶۴۰

لے مدی: غلہ ناپنے کا ایک پیمانہ جو ۴۹ رطل گندم کے مساوی ہے اور قسط تیل ناپنے کا پیمانہ تقریباً نصف صاع کے برابر ہوتا ہے۔

(۱) سنن البیہقی ۶/۳۴۹

(۲) کنزالعمال ۱۱۶۸۷، الاموال ۲۴۷

سے گئے ہیں اور جب یہ تمام عطایا گھروں میں پہنچنے لگیں ہیں تو گھر میں بعض افراد کھانے والے ہوتے ہیں اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو نہیں کھاتے تو آپ کا اُن کے بارے میں کیا خیال ہے، کیونکہ اس صُورت میں یہ لوگ اس مال کو وہاں بھی خرچ کریں گے جہاں اسے خرچ ہونا چاہیے اور وہاں بھی خرچ کریں گے جہاں اسے خرچ نہیں ہونا چاہیے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ مدد کرنے والا ہے۔ یہ ان کا حق ہے جو ان کو دے دو۔ میں اس میں سے کچھ لینے کے مقابلہ میں یہی بہتر خیال کرتا ہوں کہ اُن کو دے دوں۔ (۱)

(د) اگر کوئی شخص جو فوجی عطا کا مستحق ہو، سال کا ایک حصہ گزرنے کے بعد مر جائے تو سال کے اس حصہ کی جس قدر عطا (وظیفہ) کا وہ مستحق ہو چکا تھا وہ مقدار بیت المال کے ذمہ اس کے وارثوں کا قرض ہوگا۔ (۲) چنانچہ روایت ہے کہ سال کے آٹھ ماہ گزرنے کے بعد ایک شخص کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے اُس کے وظیفہ کا دو تہائی ادا کیا۔ (۳) اسی پر وہ روایت محمول کی جائے گی جو بیہقی نے اپنی سنن میں اور بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ ایک اعرابی عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اُس نے عرض کی کہ اے امیر المومنین میں خفاف بن ایماء کی بیٹی ہوں۔ میرے والد حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کوئی قریبی رشتہ دار ہے۔ اُس نے بتایا کہ بیٹے چھوڑ کر آئی ہوں جن میں سے بڑا ابھی گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ایک اُونٹ اعلیٰ قسم کے غلے اور کپڑے سے لاد کر اسے دے دیا جائے۔ ایک شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ نے بہت دے دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے والد حدیبیہ میں شریک ہوئے اور شاید وہ فلاں شہر کی فتح میں بھی شریک ہوئے ہوں اور فلاں شہر کی فتح میں بھی شریک ہوئے ہوں اور فلاں شہر کی فتح میں بھی شریک ہوئے ہوں اور فلاں شہر کی فتح میں بھی شریک ہوئے ہوں اور ان سب میں اُن کا حصہ ہو، اب ہمارے پاس ان شہروں سے جو مال آرہا ہے تو کیا ہم اس میں سے اُسے نہ دیں۔ ہم نے یہ روایت اس مقام پر اس لیے نقل کی ہے کہ اس خاتون کے والد خفاف بن ایما بن رحضہ الغفاری کی وفات حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئی تو ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس خاتون کو جو کچھ دیا وہ اُن کے والد کا اس سال کے فئے میں سے حصہ ہو جس سال اُن کا انتقال ہوا۔

اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ فئے کی تقسیم سال کے آخر میں ہوتی تھی شروع میں نہیں۔

(ذ) عطایا کے سلسلہ میں عرب اور آزاد کردہ غلام کے درمیان فرق نہیں ہے: حضرت عمرؓ عطایا میں عربوں اور اُن کے آزاد کردہ غلاموں کے درمیان فرق نہیں کرتے تھے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ آپ نے شرکائے بدر میں مال تقسیم کرتے وقت عرب اور موالی (آزاد کردہ غلام) کو برابر حصہ دیا۔ نیز آپ نے امراء لشکر کو تحریر کیا کہ تم نے جو غیر عرب موالی آزاد کیے ہیں اگر وہ مسلمان ہو گئے تو اُن کا شمار اُن کے آزاد کرنے والوں میں کرو۔ جو مراعات اُنہیں (آزاد کرنے والوں کو) حاصل ہوں وہی اُنہیں دو۔ اور جو ذمہ داریاں اُن پر ہوں وہی اُن پر بھی لگاؤ۔ اور اگر یہ لوگ جداگانہ قبیلہ بن کر رہنا چاہیں تو وظائف اور دیگر معاملات و

---

(۱) کنز العمال: ۱۱۲۶۱ (۲) الاحکام السلطانیہ، للماوردی ۱۹۲
(۳) الاموال: ۲۶۱

(۱) الاموال ۲۲۵، سنن البیہقی ۳۴۹/۶، ۳۵۱

امور میں اُن سے وہی سلوک کرو تم جو اپنے لوگوں سے کرتے ہو۔(۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری کے پاس ایک جماعت آئی تو آپ نے عربوں کو دیا اور موالی کو نہیں دیا تو حضرت عمرؓ نے اُنہیں لکھا کہ آپ نے ان سب کو برابر کیوں نہیں دیا۔ انسان کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مُسلمان بھائی کو حقیر جانے۔(۲)

(ح) کون لوگ فوجی عطا کے مستحق نہیں :

دو قسم کے لوگ ہیں جو فوجی عطایا کے مستحق نہیں ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی قسم : وہ بدوی لوگ جو بالعموم جنگ میں شریک نہیں ہوتے یا وہ شخص جسے امام کسی وجہ سے جہاد سے مستثنیٰ قرار دے دے۔ ابوعبید نے الاموال میں ذکر کیا ہے کہ اعراب (بدویوں) کا عطا میں کوئی حق نہیں ہے۔(۳) ابوعبید نے یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت عمرؓ باشندگان مکہ میں سے ایک گروہ کو وظیفہ نہیں دیتے تھے اور نہ ان کو فوجی مہم پر روانہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ ایسے اور ایسے ہیں یعنی اُن کے بارے میں ایسے الفاظ کہتے تھے جنہیں میں نقل کرنا پسند نہیں کرتا۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اُن کو اس لیے وظائف نہیں دیتے تھے کہ وہ مُسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے تھے۔(۴)

دوسری قسم : غلام کیونکہ غلام جہاد سے مستثنیٰ ہیں۔ ہمیں یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ غلام درحقیقت جنگی قیدی ہوتے ہیں جو غلام بنا لیے جاتے ہیں، چنانچہ اس کا امکان ہے کہ اگر وہ شریک جنگ ہوں اور میدانِ جنگ میں مقابلہ پر اُن کی قوم اور کنبہ کے لوگ آجائیں تو وہ اُن کی جانب مائل ہو جائیں۔ اسی بنا پر اُنہیں

(۱) الاموال : ۲۳۵ (۲) کنز العمال : ۱۱۶۹۱
(۳) الاموال : ۲۳۴ (۴) الاموال : ۲۳۱

جہاد سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور اسی استثنا کی بنا پر ——— اُنہیں میدانِ جنگ سے دُور رکھنے کے لیے حضرت عمرؓ نے اُنہیں فوجی عطیات سے محروم رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہر مُسلمان کا اس فئے میں حق ہے سوائے ان کے جو تمہارے مملوک ہوں۔(۱) اور آپ نے فرمایا کہ کسی غلام کا نام دیوان (دفتر) میں درج نہیں ہوگا۔(۲) یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان غلاموں کو اس اصول سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا جن کا خلوص اور جاں سپاری جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں ثابت ہوگئی تھی۔ چنانچہ آپ نے بنی غفار کے ان تین غلاموں کو جو جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے تین تین ہزار دیے۔(۳) حضرت عمرؓ نے ان تینوں کو اُن کے بدر میں شرکت کے شرف اور اللہ کے دین کے دفاع میں اُن کے پُرخلوص طرزِ عمل کی بنا پر اُن کو یہ عطا دی تھی۔

البتہ ایک روایت میں جو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ مکّہ کے لوگوں میں دس دس (درہم) تقسیم کیے اور اسی تقسیم میں آپ نے ایک شخص کو دس درہم دیے تو آپ سے کہا گیا کہ یہ تو غلام ہے تو آپ نے کہا کہ واپس لے لو، واپس لے لو پھر فرمایا اچھا رہنے دو۔(۴) تو اس کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ ابھی دیوان مرتب نہیں ہوئے تھے اور اس وقت فئے موجود حاضرین میں بغیر کسی متعین قاعدہ کے تقسیم کر دی جاتی تھی لیکن جب حضرت عمرؓ نے فئے کی تقسیم کا نظام مرتب کر لیا، اس کے بعد کسی غلام کو فئے نہیں دی گئی۔

(۱) مسند احمد ۱/۴۲، مصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۰، سنن البیہقی ۶/۳۴۷، خراج یحییٰ : ۲۰ (۲) مصنف عبدالرزاق ۵/۲۲۷
(۳) سنن البیہقی ۶/۳۴۷، مصنف عبدالرزاق ۵/۲۲۷، الاموال ۲۴۳ (۴) کنز العمال : ۱۱۶۶۷

(ط) فئے کی تقسیم کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا اہتمام :

حضرت عمرؓ فئے کی تقسیم کے سلسلہ میں اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ اُسے خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے تھے یا اس کی تقسیم کے وقت خود نگرانی کرتے تھے چنانچہ ہشام کعبی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ آپ خزاعہ کا دیوان لے کر قدید تشریف لے جاتے اور ہم بھی قدید آجاتے اور اس موقع پر کوئی کنواری یا بیاہی ہوئی عورت غیر حاضر نہ ہوتی اور حضرت عمرؓ خود اُن کے ہاتھوں میں دیتے۔ پھر عسفان چلے جاتے اور وہاں بھی اسی طرح کرتے۔ آپ کا یہی طرزِ عمل رہا یہاں تک کہ آپ وفات پا گئے۔[1]

(ی) فئے میں سے احتیاطاً بیت المال کے لیے بچانا :

حضرت عمرؓ اس امر سے قطعی انکار کرتے تھے کہ اسلامی حکومت فئے میں سے کوئی حصہ علٰحدہ کر کے بربنائے احتیاط رکھ لے تاکہ وقتِ ضرورت کام آئے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن ارقم سے فرمایا کہ مُسلمانوں کے بیت المال میں جو کچھ موجود ہو، اُسے مہینہ میں ایک مرتبہ تقسیم کر دو یا بیت المال میں جو کچھ آئے اُسے ہر جمعہ کو تقسیم کر دو یا بیت المال میں جو کچھ آئے اُسے روز کے روز تقسیم کر دو۔ لوگوں میں سے کسی نے کہا کہ اے امیرالمومنین! آپ بیت المال میں کچھ باقی رکھا کریں تاکہ وقتِ ضرورت کام آئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ بات تمہیں شیطان نے سمجھائی ہے۔ اللہ نے مجھے اس طرزِ عمل کی دلیل بھی سمجھا دی ہے اور مجھے اس کے شر سے بھی بچا لیا ہے۔ میں ضروریات اور حادثات کے لیے وہی تیاری کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی[2] یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری۔

ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ریاست کے لیے احتیاطی طور پر فئے میں سے کچھ پس انداز کر کے رکھنے سے اس لیے انکار کیا ہو کہ اُن کے خیال میں جب بھی خرچ کی ضرورت پیش آئی مُسلمان اپنی حکومت کو مالی تعاون فراہم کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ جب تک صُورت یہی رہے گی تو جو مال مُسلمانوں کے پاس ہوگا وہ دراصل حکومت ہی کے پاس ہوگا۔ اور اگر بالفرض مُسلمان اپنا مال بچانے کی خاطر اس معاملہ میں پہلو تہی کریں تو امیرالمومنین کو یہ اختیار ہے کہ بوقتِ ضرورت مُسلمانوں سے بزور حاصل کر لے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مجھے مستقبل میں ان حالات سے سابقہ پڑا جو پہلے گزر چکے ہیں تو میں امراء سے اُن کا زائد مال وصول کر کے غرباء میں تقسیم کر دوں گا۔ (۱)

۴۔ عطیات کی مقدار مقرر کرنے میں حضرت عمرؓ نے جن اصولوں کو مدِنظر رکھا :

حضرت عمرؓ نے تنخواہوں اور وظائف کی مقدار کے تعیّن میں جن اُصولوں کو مدِنظر رکھا وہ یہ ہیں :

پہلا اُصول :

سبقت فی الاسلام : کیونکہ جو صحابہ کرامؓ پہلے اسلام لائے، اُنہیں مشرکوں کی ایسی سختیاں برداشت کرنی پڑیں جو دوسروں کو برداشت نہیں کرنی پڑیں۔ قرآن کریم نے اُن کا ذکر فرمایا اور اُن کے مقربین بارگاہِ الٰہی ہونے کا اعلان فرمایا ہے :

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (الواقعہ : ۱۰)

(اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں۔ وہی تو مقترب لوگ ہیں)

(۱) طبقات ابن سعد ۳/ ۲۱۲، کنز العمال ۴ ۶۵ (۲) سنن البیہقی ۶/ ۳۵۷، کنز العمال : ۱۱۶۵۲

(۱) المحلی ۶/ ۱۵۸

اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے عطا میں مہاجرین کو انصار پر مقدم رکھا۔

دوسرا اُصول :

میدانِ جہاد میں آزمائش سے گزرنا : یعنی جس نے اسلام کی کوئی حربی خدمت انجام دی ہے، دوسرے لوگوں پر مقدم رکھا۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ کی عورتوں میں ریشمی چادریں تقسیم کیں، اُن میں سے ایک عمدہ چادر بچ رہی۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو دے دیجیے جو آپ کے پاس ہیں اُن کی مراد یہ تھی کہ اُم کلثوم بنتِ علیؓ کو دے دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ اُم سلیط اس کی زیادہ حق دار ہیں کیونکہ وہ جنگِ اُحد میں مشکیزے بھر بھر کے لاتی تھیں ۔ (۱)

حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن حنظلہ کا وظیفہ دو ہزار درہم مقرر کیا۔ تو حضرت طلحہؓ اپنے بھتیجے کو لے کر آئے اور حضرت عمرؓ نے اُن کا وظیفہ کم مقرر کیا تو طلحہؓ نے کہا کہ اے امیر المومنین ! آپ نے اس انصاری کو میرے بھتیجے پر ترجیح دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جی ہاں، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ جنگِ اُحد کے موقع پر اُن کے والد اپنی تلوار سے اس طرح اوٹ بنائے ہوئے تھے جیسے اُونٹ سے اوٹ بن جاتی ہے ۔ (۲)

تیسرا اُصول :

ضرورت : اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے امراء کے وظائف میں ان کی ضرورتوں کے لحاظ سے فرق کیا۔ امیرِ عراق حضرت عمار بن یاسرؓ کے لیے آپ نے روزانہ نصف بکری مقرر کی اور عبداللہ بن مسعودؓ کے لیے روزانہ چوتھائی بکری مقرر کی۔ حضرت عمارؓ کو آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر اس لیے ترجیح دی کہ حضرت عمارؓ امیر تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قاضی تھے۔ ظاہر ہے کہ امیر کے یہاں مہمانوں کی آمد قاضی کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے۔

چوتھا اُصول :

کثرتِ عیال : کثرتِ عیال انسان کی حقیقی ضرورت کی تعریف میں آتی ہے، اسی لیے حضرت عمرؓ نے بیوی کے لیے علٰحدہ وظیفہ مقرر کیا اور ہر بچہ کا وظیفہ مقرر کیا تاکہ وہ والدین پر بوجھ نہ بنیں۔ مالک بن اوس سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے فئے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ میں اس فئے کا تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں اور ہم میں سے کوئی بھی اس کا زیادہ حق دار نہیں ہے، البتہ ہم ان امور کے پابند ہیں جو کتاب اللہ نے مقرر کیے ہیں اور اس تقسیم کے پابند ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ علاوہ بریں ہم آدمی کی سبقت، اس کی کارکردگی اس کی عیالداری اور اس کی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھیں گے ۔ (۱)

۵ ۔ ریاست کی دولت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ عطایا میں اضافہ :

نیز اشیا کی قیمتوں میں اضافہ کی صورت میں بھی حکومت کو چاہیے کہ تنخواہوں اور وظیفوں میں اضافہ کر دے، کیونکہ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ تنخواہیں ضرورت کے مطابق ہونی چاہییں ۔

اگر حکومت کے مالی وسائل میں اضافہ ہو جائے اور دولت بڑھ جائے تو مسلمانوں کے امیر پر لازم ہے کہ تنخواہوں میں اضافہ کر کے اس دولت کو قوم پر صرف کرے، کیونکہ سرکاری خزانے میں آنے والا سرمایہ درحقیقت قومی سرمایہ ہے۔ چنانچہ عبیدۃ السلمانی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے کہ آدمی کو کتنا وظیفہ کافی ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ اتنا اور اتنا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو ایک

---

(۱) الاموال : ۲۴۲ (۲) کنز العمال : ۱۱۶۹۵

(۱) ابوداؤد، الخراج : ۲۵۰، مسند احمد ۱/۴۲

آدمی کا وظیفہ چار ہزار کر دوں گا۔ ایک ہزار اس کے ہتھیار کا، ایک ہزار اُس کے اخراجات کا، ایک ہزار اُس کے گھر والوں کا اور ایک ہزار اُس کے گھوڑے کا۔ (۱) اور آپ نے فرمایا کہ میں ادنیٰ طبقات کے لوگوں کا وظیفہ دو ہزار کر دوں گا۔ (۲) اور آپ نے کہا کہ جس قدر مال میں اضافہ ہوتا جائے گا میں لوگوں کے وظائف میں اضافہ کرتا جاؤں گا۔ میں انہیں گن گن کر دوں گا۔ اگر گن کر نہیں دے سکوں گا تو ناپ کر دوں گا اور اگر اس سے بھی عاجز ہوں گا تو بغیر حساب کے لپ بھر بھر کر دوں گا۔ کیونکہ یہ انہی کا مال ہے اور وہی اسے لینے کے حق دار ہیں۔ (۱)

(۱) سنن البیہقی ۶/۳۴۷، کنز العمال: ۱۱۶۴۶

(۲) کنز العمال: ۱۱۶۷۴۔ طبقات ابنِ سعد

(۱) کنز العمال: ۱۱۶۷۰۔ طبقات ابنِ سعد

قاضی

قاضی کے اوصاف اور وہ امور جو اسے فیصلہ کرتے وقت ملحوظ رکھنے چاہییں۔ (د: قضاء / ۱ د و)

قاضی کے لیے اپنے فیصلے کی اُجرت لینا جائز نہیں ہے۔

(د: اجارہ / ۲ ج ۲۔ قضاء / ۱ د)

قاضی کی تنخواہ (د: اجارہ / ۲ ج ۲۔ فئے / ۳ ب ۳)

قبر

۱۔ قبر کی گہرائی:

حضرت عمرؓ اس امر کو پسند فرماتے تھے کہ قبر گہری ہو، اسی وجہ سے آپ نے وصیت فرمائی کہ آپ کی قبر ایک آدمی کے کھڑے ہونے کی بقدر گہری اور چوڑی بنائی جائے۔ (۱) یعنی کھڑے ہونے کی گہرائی اور ہاتھ پھیلانے کی چوڑائی کے بقدر

۲۔ زیارتِ قبور:

حضرت عمرؓ سے زیارتِ قبور کی ممانعت مروی ہے۔ (۲) چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں ایسا کروں تو میں زیارتِ قبور کرنے والے سے بھی زیادہ گمراہ ہوں گا۔ (۳) غالباً یہ وہ دور ہو گا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور سے منع فرمایا تھا۔

۳۔ قبر پر خیمہ لگانا:

قبر پر خیمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت زینب کی قبر پر خیمہ لگایا۔ (۱)

۴۔ قبر پر سائبان بنانا:

حضرت عمرؓ قبر پر سائبان بنانے کو ناپسند فرماتے تھے۔ آپ نے ایک قبر پر سائبان بنا دیکھا تو آپ نے اس کے اُٹھانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کہ اس پر اس کا عمل ہی سایہ فگن ہو۔ (۲)

۵۔ کفن چور کی سزا: (د: سرقہ / ۵ و ۱)

۶۔ قبر پر مسجد بنانے کی حرمت (د: مسجد / ۳)

۷۔ قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کی کراہت۔ (د: صلاۃ / ۱۰ ب ۲)

قُبلہ (بوسہ)

بحالتِ روزہ بوسہ لینے کا حکم (د: صیام ۷ ب)

بوسہ سے وضو کا ٹوٹنا۔ (د: وضو / ۷ ج)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱ / ۱۵۰، المجموع ۵ / ۲۵۰

(۲) المحلی ۵ / ۱۶۱ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۱ / ۱۵۱ ب

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱ / ۱۵۱

(۲) المجموع، ۵ / ۲۶۴

قبلہ

نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کی شرط۔

(د: صلاۃ / ۲ ج)

قریب المرگ شخص کا چہرہ قبلہ کی جانب کرنا۔

(د: موت / ۲ ف)

قبر میں میت کو قبلہ رُخ لٹانا۔ (د: موت / ۱۰ ھ)

قتل

مرتد کو "حد ردۃ" میں قتل کرنا۔ (د: ردۃ / ۴) محارب کو حدِ حرابہ میں قتل کرنا (د: حرابہ / ۳)

محصن کو حدِ زنا میں قتل کرنا (د: زنا / ۵ ف)

تعزیراً قتل کرنا (د: تعزیر / ۲ ل)

قتل کی بنا پر قاتل کا میراث سے محروم ہونا۔ (د: ارث / ۴ ج)

قتل کے اقسام، قتل کے احکام اور قتل کی سزا (د: جنایۃ / ۴ ف)

اپنی عزت کی حفاظت کی خاطر قتل کرنے کا جواز (د: جنایہ / ۳ ب ۲)

سزائے قتل کے سلسلہ میں خواہ وہ بطور قصاص ہو یا بطور حد۔ مسلمانوں کے امیر کا متفق ہونا (د: حد / ۵، جنایہ / ۵ ف ۳)

جاسوس کا قتل (د: تجسس / ۴)

اسیر کا قتل (د: اسر / ۲ ف ۱) د (اسر / ۲ ب ۱)

ایسے ذمی کے قتل کا جواز جو عہد ذمہ توڑ دے (د: ذمہ / ۵)

قدر (شب قدر)

شب قدر رمضان المبارک کی ستائیسویں شب ہے۔ چنانچہ زر بن حبیش سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ سے شب قدر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ عمرؓ اور حذیفہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ دیگر صحابہ کرام کو رمضان کی ستائیسویں شب کے لیلۃ القدر ہونے میں کسی قسم کا شبہہ نہیں ہے۔(۱)

قدس (بیت المقدس)

۱۔ بیت المقدس کی زیارت:

حضرت عمرؓ زیارت کعبہ کو بیت المقدس کی زیارت سے افضل سمجھتے تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے بیت المقدس جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تیاری کرو۔ جب تیاری مکمل ہو جائے تب میرے پاس آنا، چنانچہ وہ اپنی تیاری مکمل کر کے آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ عمرہ کا ارادہ کر لو۔ (۲)

جو شخص بیت المقدس کی زیارت کا ارادہ کرتا آپ اس پر معترض ہوتے، چنانچہ سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ زکوٰۃ کے اونٹ ملاحظہ فرما رہے تھے کہ دو اشخاص آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ بیت المقدس سے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان پر کوڑا اٹھایا اور فرمایا کہ کیا حج بیت اللہ کی طرح بیت المقدس کا حج کیا ہے؟ ان دونوں نے عرض کی کہ اے امیر المؤمنین ہم فلاں اور فلاں مقام سے آ رہے تھے راستہ میں ہم بیت المقدس سے گزرے تو ہم نے وہاں نماز پڑھ لی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے اور ان دونوں کو چھوڑ دیا۔(۲)

(۱) مصنف عبدالرزاق ۵/ ۱۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۰۲

(۲) مصنف عبدالرزاق ۵/ ۱۴۳، ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۰۲

۲۔ بیت المقدس میں داخلہ کے وقت تلبیہ :

بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو آپ نے "لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ" کہا۔ (۱)

قذف

۱۔ تعریف :

صراحتاً یا کنایۃً کسی پر زنا کی تہمت لگانا قذف کہلاتا ہے۔

۲۔ قاذف (تہمت لگانے والا)

قاذف پر حدِ قذف نافذ کرنے کے لیے اس میں کن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ (د : حد/۶)

۳۔ مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی)

قاذف پر حدِ قذف جاری کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مقذوف میں حسبِ ذیل شرائط موجود ہوں۔

(ا) محصن ہو۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے :

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور : ۴)

(اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے مارو اور اُن کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور وہ خود ہی فاسق ہیں)

کافر محصن نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کافر عورت پر تہمت لگائے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ ابو سلمہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو ایسی بدکاری کا طعنہ دیا جس کی مرتکب اُس کی ماں زمانۂ جاہلیت میں ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس قاذف پر حد نہیں ہے۔ (۱) مخرمہ بن نوفل نے ایک شخص کی ماں پر تہمت لگائی اور کہا کہ میں نے دورِ جاہلیت میں تیری ماں کے ساتھ زنا کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا آئندہ کوئی ایسی بات نہ کہے۔ (۲)

لیکن اگر قذف ایسا ہو جس کے نتیجہ میں کسی مُسلمان کے نسب کی اُس کے باپ سے نفی ہو رہی ہو تو مُسلمان شخص کے احترام کے پیشِ نظر حضرت عمرؓ قاذف پر حد جاری کرتے تھے؛ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ایک شخص نے مہاجرین میں سے کسی شخص پر تہمت لگائی اور اُس سے کہا کہ تو اپنے باپ کا نہیں ہے۔ اُن کی والدہ زمانہ جاہلیت میں انتقال کر چکی تھی۔ حضرت عمرؓ نے احترامِ مُسلم کے پیشِ نظر اُس پر حد جاری کی۔ (۳) اور زہری کے اس قول کو بھی کہ حضرت ابوبکرؓ اور اُن کے بعد والے خلفاء ایسے شخص کو کوڑے لگاتے تھے جو کسی کی ماں کو زانیہ کہتا خواہ وہ یہودی یا عیسائی ہوتی، اسی پر محمول کیا جائے گا کہ ان کے ایسا کرنے میں احترامِ مُسلم ملحوظ ہوتا تھا۔ (۴)

غلام محصن نہیں ہے لہٰذا اگر کسی نے غلام کی ماں پر تہمت لگائی تو اُسے سزا نہیں دی جائے گی۔ (د : تعزیر/۶)

(ب) مقذوف نے خود ایسی صورتِ حال پیدا نہ کر رکھی ہو جو باعثِ تہمت ہو :

لہٰذا اگر مقذوف نے خود کو ایسی حالت میں ڈال رکھا ہے جو

---

(۱) سنن البیہقی ۵/۱۴۷

(۱) مصنف عبدالرزاق ۷/۴۳۶ (۲) مصنف عبدالرزاق ۷/۴۳۶ کنزالعمال ۱۳۹۶۷ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۳۵ ب عبدالرزاق ۷/۴۲۵ (۴) عبدالرزاق ۷/۴۳۵

باعثِ تہمت ہے تو قاذف پر حد نہیں جاری کی جائے گی بشرطیکہ قاذف کو واقع کا علم نہ ہو۔ ایک شخص نے ایک عورت سے خفیہ شادی کر لی اور اس کے گھر آنا جانا شروع کر دیا۔ ایک شخص نے جو اس عورت کا پڑوسی تھا اس شخص کو اس عورت کے پاس آتے جاتے دیکھا تو اُس نے اس پر تہمت لگائی وہ شخص یہ مقدمہ لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو قاذف نے کہا کہ اے امیر المومنین یہ شخص میری پڑوسن کے پاس آتا ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ اس نے اس سے نکاح کیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس سے پُوچھا کہ تم کیا کہتے ہو تو اُس نے کہا کہ مَیں نے اس خاتون سے کم مہر پر شادی کی تھی اس لیے مَیں نے اس شادی کو چھپایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ نکاح کے گواہ کون ہیں؟ تو اُس نے کہا کہ اسی خاندان کے کچھ لوگ ہیں، اس پر حضرت عمرؓ نے اس کے قاذف کی حد ساقط کر دی اور فرمایا کہ نکاح کا اعلان کیا کرو اور شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ (۱)

ح) جس عورت پر تہمت لگائی گئی ہو وہ قاذف کی بیوی نہ ہو کیونکہ اگر مقذوفہ قاذف کی بیوی ہوگی تو قاذف لعان کے ذریعہ خود پر سے حد ساقط کرا سکتا ہے۔ (د: لعان) الا یہ کہ وہ یہ اقرار کرنے کے بعد کہ یہ بچہ میرا ہے اس کے نسب کا انکار کرے تو اس پر حد قاذف جاری کی جائے گی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کے بارے میں جس نے پہلے اپنی بیوی کے شکم میں موجود بچہ کو اپنا بچہ ماننے سے انکار کیا، پھر ابھی وہ شکم ہی میں تھا تو یہ اعتراف کر لیا کہ یہ بچہ میرا ہے اور پھر جب بچہ پیدا ہوا تو اس کو اپنا بچہ ماننے سے انکار کر دیا، اس تہمت کی بنا پر فیصلہ دیا کہ اس پر حد جاری کی جائے اور اُسے اَسی کوڑے لگائے گئے اور بچہ کا نسب اُسی شخص کی طرف منسوب کر دیا۔ (۱)

۴۔ قذف کے الفاظ:

(و) تہمت کبھی زنا کے صریح الفاظ کے ساتھ لگائی جاتی ہے اور یہ صورت دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔

۱۔ یا تو مطلقاً زنا کی تہمت ہوگی اور اس میں اس عورت کا تعین نہ ہوگا جس سے زنا کیا گیا ہے۔ مثلاً قاذف نے ایک شخص سے کہا: 'اے زانی' اس صورت میں حد واجب ہو جائے گی۔

۲۔ یا کسی متعین عورت کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی ہوگی۔ اس صورت میں قاذف پر حد قائم ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ عورت ایسی ہو جس سے اس کا وطی کرنا حلال نہ ہو۔ حبیبہ بنت خارجہ نے اپنی باندی اپنے شوہر حبیب بن اساف کے ساتھ شام بھیج دی اور کہا کہ شام میں اس کی اچھی قیمت مل جائے گی تم وہاں اس کو مناسب قیمت پر فروخت کر دینا۔ اس وقت تک یہ تمہارے کپڑے دھوئے گی، سواری کی دیکھ بھال کرے گی اور تمہاری دیگر خدمات انجام دے گی۔ وہ اُسے لے کر روانہ ہو گئے اور خود اپنے پیسے اُسے خرید لیا۔ پھر وہ اسے مدینہ لے کر آئے تو وہ حاملہ تھی۔ خارجہ کی بیٹی (حبیبہ) حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور اس امر سے انکار کیا کہ میں نے حبیب کو اس کے فروخت کرنے کا حکم دیا تھا تو حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ ان کے شوہر کو رجم کیا جائے۔ اسی اثناء میں حبیبہ کی قوم کے کچھ لوگوں نے حبیبہ سے بات کی اور اُسے سمجھایا۔ اس پر وہ بولیں کہ مَیں اب شہادت دیتی ہوں کہ مَیں نے اس کی فروخت کا حکم دیا تھا۔ اور اس بات کا انہوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے بھی اقرار کر لیا تو حضرت عمرؓ نے حبیبہ بنت خارجہ کو قذف کے کوڑے مارے۔ (۲) ایک عورت حضرت عمرؓ

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۴/۲، کنز العمال ۲: ۳۹۸۲ء

(۱) سنن البیہقی ۷/۱۱/۲ (۲) مصنف عبدالرزاق ۷/۳۴۷

کے پاس آئی اور اُس نے کہا کہ میرے شوہر نے میری باندی سے زنا کیا ہے۔ اس شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میری بیوی نے یہ باندی مجھے ہبہ کر دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے کہا کہ یا تو ثبوت فراہم کرو، ورنہ میں تمہارا سر پتھروں سے کچل دوں گا۔ عورت نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو بولی کہ یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ میں نے یہ باندی اُسے ہبہ کی تھی، لیکن مجھے غیرت کھا گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس عورت کو کوڑے مارے اور مرد کو چھوڑ دیا۔ (۱)

اگر قاذف نے کسی شخص کو ایسی عورت کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی جس کے ساتھ مقذوف کے لیے جماع حلال ہے تو اُسے قاذف تصور نہیں کیا جائے گا اور اس پر حدِ قذف قائم نہیں کی جائے گی، چنانچہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تو اپنی بیوی سے زنا کر رہا ہے یا حرام کا ارتکاب کر رہا ہے۔ حضرت عمرؓ کے پاس یہ مقدمہ پہنچا تو مقذوف نے کہا کہ اُس نے مجھ پر تہمت لگائی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں ایسے امر کی تہمت لگائی ہے جو تیرے لیے حلال ہے۔ (۲)

ب) کبھی زنا کی تہمت ضمناً ہوتی ہے، جیسے قاذف کسی کے باپ سے اُس کے نسب کا انکار کرے۔ مثلاً یہ کہے کہ 'تو اپنے باپ کا نہیں ہے'۔ ہم (قذف/۲ ج) میں بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مسلمان شخص کے نسب کی اُس کے باپ سے نفی کرنے والے پر حدِ قذف جاری کی اور اس شخص پر حدِ قذف قائم کی جس نے پہلے ایک بچے کو اپنا بیٹا تسلیم کر لیا۔ بعد ازاں اُسے اپنا بیٹا ہونے سے انکار کر دیا۔

(۱) عبد الرزاق ۷/۳۴۷

(۲) سنن البیہقی ۸/۲۵۳ - کنز العمال ۱۳۹۷۸

(ج) زنا کے گواہ اگر چار سے کم ہوں تو ان کی گواہی قذف متصور ہوگی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان تینوں گواہوں کو کوڑے لگائے جنہوں نے مغیرہ بن شعبہؓ کے خلاف زنا کی گواہی دی تھی جب کہ چوتھے گواہ، زیاد بن ابیہ نے مغیرہ کے خلاف زنا کی گواہی دینے سے گریز کیا تھا۔ (۱)

(د) اگر کسی شخص نے کسی عورت کو ایسی بات کی تہمت لگائی جو زنا کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے اور کسی اور وجہ سے بھی۔ مثلاً یہ کہا کہ میں نے تجھے باکرہ نہیں پایا تو اس پر حد نہیں ہے، چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھے باکرہ نہیں پایا اور میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا زنا کی بنا پر ہے تو اس پر حد نہیں نافذ کی جائے گی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے ایسے قاذف پر حد نہیں نافذ کی۔ (۲) کیونکہ بکارت کبھی حیض سے بھی جاتی رہتی ہے یا کبھی کودنے سے جاتی رہتی ہے یا بچی کے لاعلمی میں خود اپنے ہاتھوں کوئی فضول سی حرکت کرنے سے بھی زائل ہو جاتی ہے۔

(ھ) اگر کسی نے کسی مرد یا کسی عورت کو ایسے الفاظ میں تہمت لگائی جن کو زنا کے مفہوم میں بھی لیا جا سکتا ہو اور غیر زنا کے مفہوم میں بھی لیکن زنا کے مفہوم میں نہ ہونے کے قرائن موجود ہوں تو حد جاری نہیں ہو گی۔ حمید بن ہلال سے مروی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو تہمت لگائی اور کہا کہ اے ذکر سونگھنے والی کے بیٹے۔ حضرت عثمان نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تو وہ شخص حضرت عثمانؓ کو برا بھلا کہنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ عثمان کا ذکر چھوڑو، لیکن وہ شخص باز نہیں آیا تو حضرت عمرؓ نے کوڑا اُٹھا لیا۔

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۷، عبد الرزاق ۷/۳۸۴، ۸/۳۶۲، المغنی ۸/۲۳۵

(۲) مصنف عبد الرزاق ۷/۱۰۶

اور فرمایا کہ عثمانؓ کا ذکر رہنے دو۔ اور اس شخص کی ماں کے بارے میں دریافت احوال کیا تو معلوم ہوا کہ اس عورت نے کئی نکاح کیے تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُس سے حد ساقط کر دی۔(۱)

(و) کنایۃً زنا کی تہمت لگانے پر حدِ قذف:

حضرت عمرؓ اشارے کنائے سے زنا کی تہمت لگانے پر بھی حد نافذ کیا کرتے تھے۔(۲) چنانچہ ایک واقعہ کے بارے میں جس میں دو شخصوں نے ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہا تھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا تھا کہ میری ماں زانیہ نہیں تھی اور میرا باپ زانی نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو اُنھوں نے کہا کہ اُس نے اپنے ماں باپ کی تعریف کی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مدح کے لیے اور الفاظ بھی ہیں اور اسے حد کے کوڑے لگائے۔(۳)

عکرمہ بن عامر بن ہشام بن عبد مناف بن عبدالدار نے وہب بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد کی ہجو کہی اور اس ہجو میں اس پر اشارۃً زنا کی تہمت لگائی تو حضرت عمرؓ نے عکرمہ پر حد نافذ کی۔(۴)

(ز) زنا کے علاوہ کسی اور امر کی صراحتاً یا ضمناً تہمت لگانا:

حضرت عمرؓ زنا کے علاوہ کسی اور بات کی تہمت لگانے پر حد قذف کے علاوہ دوسری سزا دیتے تھے۔ چنانچہ یہ امر ثابت ہے کہ آپ ہجو کہنے پر سزا دیتے تھے۔(۵) حضرت عمرؓ نے حاجب بن عطارد کی اولاد میں سے ایک شخص کو حضرت ابوبکرؓ پر اعتراض کرنے پر سزا دی۔ اُس نے کہا تھا کہ عمرؓ ابوبکرؓ سے بہتر ہیں۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ اطلاع پہنچی تو آپ نے اس کو کوڑے سے مارا، جس سے اس کا پاؤں اکڑ گیا۔(۱)

(ح) قذف کی تکرار:

اگر کوئی شخص کسی کو دوبارہ وہی تہمت لگائے جو اُس نے پہلے لگائی تھی تو اس پر سزا دوبارہ نہیں جاری ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے جب ان تینوں گواہوں پر حدِ قذف جاری کی جنھوں نے گواہی دی تھی کہ مغیرہ بن شعبہؓ نے زنا کیا ہے جب کہ چوتھے گواہ نے گواہی نہیں دی تھی تو ان میں سے ایک یعنی ابوبکرہؓ نے تہمت کا دوبارہ اعادہ کیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ مغیرہ زانی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُن پر پھر حدِ قذف جاری کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اب آپ کوڑے نہ لگائیں کیونکہ اب جو یہ کہہ رہے ہیں یہ وہی ہے جو پہلے کہہ چکے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں چھوڑ دیا۔(۲) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین اگر آپ دوبارہ ابوبکرہ پر حد قذف جاری کریں گے تو آپ مغیرہ پر رجم لازم کر دیں گے۔(۳)

۵۔ قذف کی سزا:

قاذف یا تو آزاد ہوگا یا غلام۔

(ا) اگر آزاد ہو تو اُس کی سزا اسّی کوڑے ہیں اور اس کی شہادت ہمیشہ کے لیے رد ہو جائے گی الا یہ کہ وہ توبہ کر لے۔ چنانچہ اگر توبہ کر لے تو اس کی گواہی قابلِ قبول ہو جائے گی۔ جیسا کہ سورۂ

(۱) المحلی ۱۱/۲۷۷ (۲) عبدالرزاق ۷/۴۲۱، سنن البیہقی ۸/۲۵۲، المحلی ۱۱/۲۷۹ (۳) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۷ب، المحلی ۱۱/۲۷۹، الموطا ۲/۸۲۹، سنن البیہقی ۸/۲۵۲، عبدالرزاق ۷/۴۲۵، المغنی ۸/۲۲۲ (۴) عبدالرزاق ۷/۴۲۱، المحلی ۱۱/۲۷۶ (۵) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۷ب، سنن البیہقی ۸/۲۵۳

(۱) المحلی ۱۱/۲۸۶ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۷ب (۳) المغنی ۸/۲۲۵، ۷/۲۴۲

نور میں ارشاد ہے (۱) :

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النور ۴-۵)

(اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں اُن کو اسی کوڑے مارو اور اُن کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور وہ خود ہی فاسق ہیں سوائے ان لوگوں کے جو اس حرکت کے بعد تائب ہو جائیں اور اصلاح کر لیں کہ اللہ ضرور اُن کے حق میں غفور رحیم ہے)

قذف سے توبہ کی صورت یہ ہو گی کہ قاذف مقذوف پر لگائے ہوئے اپنے الزام کی تکذیب کرے اور کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے فلاں شخص کے بارے میں جو یہ دعویٰ کیا تھا کہ اُس نے زنا کیا ہے اس میں میں جھوٹا ہوں۔

نافع بن حارث، شبل بن معبد اور ابوبکرہ نے مغیرۃ بن شعبہؓ کے بارے میں گواہی دی کہ اُنہوں نے زنا کیا ہے اور زیاد بن ابیہ نے یہ گواہی دینے سے انکار کر دیا تو حضرت عمرؓ نے نافع، شبل اور ابوبکرہ میں سے ہر ایک کو اسی کوڑے مارے اور اُن سے کہا کہ جو تم میں سے توبہ کرے گا اُس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے کہا کہ جو اپنے آپ کو جھٹلا دے گا مستقبل میں اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ نافع اور شبل نے توبہ کر لی اور ابوبکرہ نے اپنے آپ کو جھٹلانے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ اُن کی شہادت قبول نہیں کرتے تھے۔ (۱)

(ب) اور اگر قاذف غلام ہو تو اُس کو چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔

اس لیے کہ فرمان الٰہی ہے :

فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (النساء:۲۵)

(اور اس کے بعد کسی بدچلنی کی مرتکب ہوں تو ان پر اس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو خاندانی عورتوں (محصنات) کے لیے مقرر ہے)

اگر غلام کسی آزاد کو تہمت لگاتا تو حضرت عمرؓ اس کو چالیس کوڑے لگاتے۔ (۲) عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ میں نے حضرات عمرؓ و عثمانؓ اور دیگر خلفاء کو دیکھا کہ یہ سب حد قذف میں غلام کو چالیس کوڑے لگاتے تھے۔ (۳)

غالباً اس مقام پر یہ کہنا زائد از ضرورت ہو گا کہ قذف سے غلام کی شہادت بھی ساقط ہو جائے گی، کیونکہ غلام کی شہادت تو کسی حال میں بھی قابلِ قبول نہیں ہے خواہ وہ قاذف ہو یا نہ ہو۔

(د: شہادت/۱ د ۳)

(ج) قذف میں جلد (کوڑے لگانے) کی کیفیت - (د: جلد)

قرء

۱- تعریف :

قرء کے معنی "حیض" ہیں۔

---

(۱) تفسیر القرطبی ۱۲/۱۷۹

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۷ ب، عبدالرزاق ۷/۳۸۴، ۳۶۲ المغنی ۸/۲۳۰

(۲) مصنف عبدالرزاق ۷/۴۳۷، ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۵ ب

(۳) الموطا ۲/۸۲۸، سنن البیہقی ۸/۲۵۱، المغنی ۸/۲۱۸

مطلقہ عورت کو اگر حیض آتا ہو اور حاملہ نہ ہو تو وہ قروء (حیض) سے عدت کا شمار کرے گی۔ (د: عدت/ ۲ ب ۱)

باندی کو بھی اگر حیض آتا ہو اور حاملہ نہ ہو تو اس کا استبراء رحم بھی قروء سے ہوگا۔ (رک/ ۱ د)

زانیہ کو بھی اگر حیض آتا ہو اور حاملہ نہ ہو تو اس کا استبراء بھی قروء سے ہوگا۔ (د: استبراء/ ۲)

قرآن

۱۔ قرآن سیکھنے اور تلاوت قرآن کی فضیلت:

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کتاب اللہ کی تعلیم حاصل کرو تم اسی سے پہچانے جاؤ گے۔ اور کتاب اللہ پر عمل کرو اسی کے ذریعہ سے تم قرآن والے بنو گے۔ (۱)

اور قرآن میں مشغول ہونا سنت میں مشغول ہونے سے بہتر ہے۔ (د: علم/ ۱)

۲۔ قرائت قرآن کی شرائط:

حدث اکبر کی حالت میں قرآن کا کوئی حصہ پڑھنا جائز نہیں ہے، خواہ یہ حدث بلا انزال وطی سے ہو یا انزال کی وجہ سے ہوا ہو۔ (۲)

حضرت عمرؓ جنابت اور حیض و نفاس کی حالت میں قرآن پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (۳)

وضو کے بغیر قرآن پڑھنا جائز ہے۔ حضرت عمرؓ اکثر بغیر وضو کے قرآن پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کچھ لوگوں کے درمیان تھے جو قرآن پڑھ رہے تھے۔ اسی اثنا میں حضرت عمرؓ

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۶۰ (۲) مصنف عبدالرزاق ۱/ ۳۳۷ معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۱/ ۳۵۸ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۷۸، المجموع ۱/ ۱۷۱، ۲/ ۳۷۲، المغنی ۱/ ۱۴۳

حوائج ضروری کے لیے گئے۔ جب آپ واپس آئے تو قرآن پڑھتے ہوئے آئے۔ کسی نے کہا کہ امیر المومنین! آپ بغیر وضو کے قرآن پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ فتویٰ تمہیں کس نے دیا؟ کیا مسیلمہ نے؟ (۱) جس شخص نے یہ بات کہی تھی وہ مسیلمہ کے ساتھ رہا تھا۔

۳۔ قرائت قرآن کے آداب:

(الف) اللہ سے ثواب پانے کی نیت۔

قاری قرآن کے لیے ضروری ہے کہ علم قرآن سے اس کی نیت اللہ سے ثواب حاصل کرنا ہو۔ اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے دنیا اور مال و دولت دنیا طلب کرے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن پڑھو اور اس کے وسیلہ سے اللہ سے مانگو۔ اس سے قبل کہ قرآن ایسے لوگ پڑھیں جو اس کو ذریعہ بنا کر لوگوں سے سوال کریں۔ (۲) ایک مرتبہ آپ نے خطبہ میں کہا کہ ایک زمانہ وہ تھا جب لوگ کتاب اللہ کا علم صرف رضائے الٰہی کی خاطر حاصل کرتے تھے اور اب یہ مرحلہ آگیا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ لوگ قرآن اس لیے سیکھتے ہیں کہ لوگوں کو خوش کریں اور ان کے پاس جو دنیا ہے وہ حاصل کریں۔ اپنے اعمال اور قرائت قرآن سے رضائے الٰہی کی نیت رکھو۔ (۳)

(ب) قرآن کو الفاظ کی واضح ادائیگی کے ساتھ تلاوت کرنا:

حضرت عمرؓ کو یہ پسند تھا کہ قرآن کریم کو کلمات کی واضح ادائیگی کے ساتھ اس طرح پڑھا جائے کہ الفاظ کے آخری حرف پر جو حرکات ہوں وہ بھی پوری طرح ادا ہوں، چنانچہ ایک مرتبہ آپ کا کچھ لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو ایک دوسرے کو قرآن پڑھ

(۱) الموطا ۱/ ۲۰۰، عبدالرزاق ۱/ ۳۳۹، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۸ ب (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۵۹ ب ۱۹۰ (۳) مصنف عبدالرزاق ۳/ ۳۸۳

کر سُنا رہے تھے۔ جب اُنھوں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا تو خاموش ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ تم کیا دہرا رہے تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم قرآن پڑھ کر ایک دوسرے کو سُنا رہے ہیں۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھو لیکن اعراب کی غلطی نہ کرو۔ (۱)

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ سُنّت کا فہم حاصل کرو، عربیت کی سمجھ بوجھ پیدا کرو، اور قرآن کو زبر زیر کے پورے اظہار کے ساتھ پڑھو کیونکہ قرآن عربی ہے۔ اور بنو معد کے لہجے میں پڑھو کہ تم معدی ہو۔ (۲)

(ج) قراءت قرآن میں ٹھہراؤ:

حضرت عمرؓ جب قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے تو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے۔ (۳)

(د) تلاوت کرتے وقت آواز میں حُسن پیدا کرنا:

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن پڑھتے وقت اپنی آواز کو خوبصورت بناؤ۔ (۴) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ خوش آواز تھے اور قرآن کریم تجوید کے ساتھ پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ جب اُن کے پاس بیٹھتے تو اُن سے فرماتے کہ اے ابوموسیٰؓ ہمیں ہمارے رب کی یاد دلاؤ۔ اس پر حضرت ابوموسیٰؓ قرآن کی تلاوت فرماتے۔ (۵)

(ھ) مُسلمان کے لیے مستحب ہے کہ قرآن کا ایک حصّہ ہر روز کی تلاوت کے لیے اس طرح مقرر کرے کہ اگر کسی دن پڑھنا بھول جائے یا کسی اور کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے نہ پڑھ سکے تو بعد از زوال اس معمول کی قضا کرے تاکہ قرآن سے دائمی تعلق برقرار رہے۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی شخص کی رات کی تلاوت کا مقررہ حصّہ چھوٹ جائے اور وہ شخص زوال آفتاب کے بعد سے ظہر تک پڑھ لے تو گویا وہ حصّہ اُس کا چھوٹا ہی نہیں۔ یا گویا اُس نے اُسے پا لیا۔ (۱)

(و) قرآن پر اُجرت نہ لے:

ایک موقع پر سعد بن ابی وقاصؓ نے کہا کہ جو شخص قرآن پڑھے گا مَیں اُس کا نام دو ہزار وظیفہ پانے والوں میں درج کر دوں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا اُف اُف! کیا کتاب اللہ کے پڑھنے پر اُجرت دی جائے گی۔ (۲)

۴۔ قرآن کا علم حاصل کرنا:

(الف) ہر مُسلمان پر فرض ہے کہ وہ قرآن کی اتنی مقدار ضرور حفظ کرے جس کی تلاوت سے نماز صحیح ہو سکے۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ اس کی کم از کم مقدار چھ سُورتیں ہیں، جن کو وہ جہری نمازوں میں تلاوت کرے اور ایک سُورت دن میں ایک مرتبہ سے زائد بار نہ پڑھے۔ قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ ہر مُسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اُسے چھ سُورتیں یاد ہوں۔ دو صبح کی نماز کے لیے۔ دو مغرب کی نماز کے لیے اور دو عشاء کی نماز کے لیے۔ (۳)

(ب) قرآن سیکھنے اور حفظ کرنے پر انعامات مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے کسی عامل کے نام خط تحریر کیا کہ لوگوں کو قرآن سیکھنے پر عطیات دیا کرو۔ اس پر عامل نے جواباً لکھا کہ آپ نے تحریر کیا ہے کہ مَیں لوگوں کو قرآن کے سیکھنے پر عطیات دیا کروں مجھے یہ اندیشہ ہے کہ بعض لوگ صرف انعام کی خاطر قرآن سیکھیں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ عطیات دینے میں آپ ان لوگوں کی عالی ظرفی اور قرآن سے شغف کو بھی ملحوظ رکھیں۔ (۴)

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۸ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۸ (۳) ابن ابی شیبہ ۲/۱۹۳ ب (۴) ابن ابی شیبہ ۲/۱۵۹، آثار ابی یوسف ۲۲۵ - اس میں ہے کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے حسین بناؤ (۵) عبدالرزاق ۲/۴۸۶

(۱) عبدالرزاق ۳/۵۰، الموطا ۱/۲۰۰، مُسلم، صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ اللیل ومن نام عنہ او مرض (۲) الاموال ۲۶۲، المحلی ۸/۱۹۵ - (۳) مصنف عبدالرزاق ۲/۱۲۳ (۴) الاموال: ۳۶۱

۵ - قریب الموت شخص کے پاس قرآن پڑھنا :

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ جس شخص کی موت کا وقت قریب ہو اس کے گھر والوں کو چاہیے کہ اس کے پاس بیٹھ کر قرآن کریم پڑھیں تاکہ وہ بھی خدا کو یاد کرے اور اس پر اللہ سبحانہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے مرنے والوں کے پاس موجود رہو، ان کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرتے رہے (مرنے کے بعد) ان کی آنکھیں بند کر دو اور اُن کے پاس قرآن پڑھو۔ (۱)

۶ - قرآن لکھتے وقت اس میں کچھ اور نہ لکھا جائے :

حضرت عمرؓ مسلمانوں کو تاکید کرتے تھے کہ قرآن کریم کو علٰحدہ لکھو اور اس کے ساتھ ملا کر حدیث رسولؐ اور قرآن کے الفاظ کی تفسیر بھی نہ لکھو۔ حضرت عمرؓ ایسی کوئی شئے دیکھتے تو تلف کر دیتے تھے تاکہ قرآن میں کوئی اور شے شامل نہ ہو جائے۔ چنانچہ عامر شعبی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے مصحف لکھا اور ہر آیت کے ساتھ اس کی تفسیر بھی لکھی۔ حضرت عمرؓ نے اُسے منگوایا اور قینچی سے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (۲)

۷ - قرآن کی تفسیر :

حضرت عمرؓ اس امر کو پسند فرماتے تھے کہ قرآن کو سمجھنے میں تکلف سے کام نہ لیا جائے۔ آپ نے ایک مرتبہ منبر پر قرآن کی یہ آیت پڑھی 'وفاکهة و ابا' اور فرمایا کہ 'فاکهة' تو ہم سمجھتے ہیں مگر یہ 'ابا' کیا ہے۔ پھر دل ہی دل میں سوچا۔ بعد ازاں کہا کہ اے عمرؓ یہی تکلف ہے۔ (۳)

۸ - قرآن میں مقاماتِ سجدہ :

ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ

(۱) مصنف عبدالرزاق ۳/۳۸۶ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۶۲ ب ۱۶۳ (۳) ابن ابی شیبہ ۲/۱۶۲ ب ۱۶۳

نے فرمایا کہ مفصّل (سُورتوں) میں، سجدہ نہیں ہے۔ (۱) نیز حضرت عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے سورۃ نحل کی مندرجہ ذیل آیت منبر پر تلاوت فرمائی اور سجدہ کیا : (۲)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (۴۹)

اور صبح کی نماز میں سورۃ اسراء تلاوت کی اور اس آیت پر سجدہ کیا۔

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ رَبِّنَا ... (۱۰۸)

حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ سُورۃ حج میں دو سجدے ہیں - چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ سورۃ حج پڑھی تو دو سجدے کیے اور فرمایا کہ اس سُورۃ کو دو سجدوں سے فضیلت دی گئی ہے۔ (۳)

پہلا سجدہ اس آیت پر ہے :

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (۱۸)

اور دوسرا سجدہ اس آیت پر :

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۷۷)

سورۃ صٓ میں بھی سجدہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے منبر پر سورۃ صٓ پڑھی اور منبر سے اُتر کر سجدہ کیا، پھر منبر پر چڑھے اور خُطبہ پُورا کیا۔ (۴)

سورۃ حٰمٓ السجدۃ میں حضرت عمرؓ نے اس آیت پر سجدہ کیا :

(۱) مصنف عبدالرزاق ۳/۳۸۶ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۶۶

(۳) الموطا ۱/۲۰۶، ابن ابی شیبہ ۱/۶۴ ب، عبدالرزاق ۳/۳۴۱ المجموع ۳/۵۵۷، المغنی ۱/۶۱۸، المحلی ۵/۱۰۶

(۴) عبدالرزاق ۳/۳۳۶، ابن ابی شیبہ ۱/۶۴ ب المغنی ۱/۶۱۸

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا

فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ (۳۸)

حضرت عمرؓ کے نزدیک سورۃ والنجم میں بھی سجدہ ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے صبح کی نماز میں سورۃ یوسف پڑھی اور رکوع میں چلے گئے۔ پھر دوسری رکعت میں سورۃ والنجم پڑھی اور سجدہ کیا اور بعد ازاں کھڑے ہو کر إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا پڑھی۔(۱) اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے منبر پر سورۃ والنجم پڑھی اور سجدہ کیا۔(۲)

حضرت عمرؓ نے اذا السماء انشقت تلاوت کرتے وقت بھی سجدہ کیا۔ ابو رافع صائغ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی۔ آپ نے پہلی دو رکعتوں میں سے ایک میں اذا السماء انشقت تلاوت کی اور سجدہ کیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔(۳) حضرت عمرؓ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو منبر پر اذا السماء انشقت پڑھائی۔ پھر نیچے اتر کر سجدہ کیا۔(۴)

۹۔ سجدۂ تلاوت (د سجود/۲)

۱۰۔ نماز میں قرأت قرآن (د صلاۃ/ ۱۲ ج د ھ و)

۱۱۔ مصحف کی فروخت (د بیع/ ا ب ۲)

قراض (مضاربت)

قراض سے مراد مضاربت ہے۔ (د شرکہ/ ۱)

قرد (بندر)

حضرت عمرؓ بندر کا گوشت کھانا مکروہ سمجھتے تھے اور اُن کے نزدیک اس کی بیع جائز نہیں تھی۔(۱) (د بیع/ ا ب ۲)

قرض

دیکھیے: دین

قرینہ

قرائن کے ذریعہ اثبات (د قضاء/ ۳ و)

قسامت

۱۔ تعریف:

قسامت سے مراد وہ متعدد قسمیں ہیں جو اس وقت لی جاتی ہیں جب کوئی مقتول ایسے علاقے میں پڑا ہوا پایا جائے جس کے اور مقتول کے یا مقتول کی قوم کے درمیان دشمنی ہو اور قاتل کا پتہ نہ چلتا ہو۔

۲۔ قسامت کے وجوب کے حالات:

قسامت حسب ذیل حالات میں لازم ہوتی ہے۔

(الف) مقتول کسی ایسے قبیلہ میں پایا جائے جس کے اور مقتول کے درمیان یا جس کے اور مقتول کی قوم کے درمیان عداوت ہو۔ روایت ہے کہ ایک مقتول ہمدان کے علاقہ وادعہ کے ایک کھنڈر میں پڑا ہوا ملا جس کا مقدمہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو حضرت عمرؓ نے اس علاقہ کے باشندوں کو پچاس قسمیں دلائیں کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے نہ ہمیں قاتل کا علم ہے۔ ان قسموں کے بعد حضرت عمرؓ نے اُن پر دیت عاید کر دی اور فرمایا کہ اے ہمدان کے لوگو تم نے ان قسموں سے اپنی جانوں کا تحفظ کر لیا ہے لیکن اس مسلمان شخص کا خون کیسے رائگاں جا سکتا ہے۔(۲)

---

(۱) المجموع ۳/ ۵۵۴ (۲) عبدالرزاق ۳/ ۳۳۹، المغنی ۱/ ۶۲۶

(۳) الموطا ۱/ ۲۰۶، المحلی ۱/ ۵۰۸ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/ ۶۳

(۱) المغنی ۸/ ۵۸۸ (۲) سنن البیہقی ۸/ ۱۲۳، اخبار القضاۃ ۲/ ۱۹۳

(ب) مقتول دو قبیلوں کے درمیانی علاقہ میں پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چلے۔
اس صورت میں مقتول کی جائے وقوع سے دونوں قبیلوں کا فاصلہ ناپا جائے گا۔ جو قریب ہوگا اُس پر قسامت عاید ہوگی، چنانچہ وادعہ اور شاکر کے درمیان اور ایک دوسری روایت کی رُو سے جنوان اور وادعہ کے درمیان ایک مقتول پایا گیا تو حضرت عمرؓ نے ان دونوں مقامات اور مقتول کے درمیان فاصلہ کی پیمائش کا حکم دیا، چنانچہ مقتول وادعہ کے زیادہ قریب پایا گیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُنہیں پچاس قسمیں دلائیں۔ ہر ایک نے یہ قسم کھائی کہ مَیں نے نہ قتل کیا ہے اور نہ مجھے قاتل کا علم ہے۔ ازاں بعد حضرت عمرؓ نے ان پر دیت عاید کر دی۔ اس پر کسی نے کہا کہ اے امیرالمومنین نہ ہماری قسموں نے ہمارے مال کو بچایا اور نہ مال نے ہمیں قسموں سے بچایا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہی حق ہے۔ (۱)

(ج) ایسی صورت میں جب یقین سے نہ کہا جا سکے کہ قاتل فلاں شخص ہے، لیکن اس امر کا قوی احتمال ہو کہ قاتل وہی شخص ہو۔ بنی سعد بن لیث کے ایک شخص نے جہینہ کے ایک شخص کو اپنے گھوڑے سے کچل ڈالا اور اُس کی پیر کی ایک اُنگلی کٹ گئی جس میں سے خون بہتا رہا اور وہ مر گیا۔ حضرت عمرؓ نے قبیلہ جہینہ کے لوگوں سے کہا کہ کیا تم میں سے پچاس اشخاص یہ قسم کھانے کو تیار ہیں کہ اُسی نے اسے کچلا ہے اور وہ اس کچلنے سے ہی مرا ہے۔ اُنہوں نے حلف اُٹھانے سے انکار کیا۔ پھر آپ نے دوسرے قبیلہ کے لوگوں سے پچاس قسمیں کھانے کا مطالبہ کیا لیکن اُنہوں نے بھی حلف اٹھانے سے انکار کیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کی نصف دیت عاید کی۔ (۱)

(د) ایسی صورت میں جب کہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ مقتول کو کئی افراد نے مشترکہ طور پر قتل کیا ہے لیکن اس کا گواہ کوئی نہ ہو۔ منٰی میں حضرت عمرؓ کے پاس دو آدمی آئے اور اُنہوں نے کہا کہ ہمارا ایک بھتیجا جس کی طرف ہم جا رہے تھے قتل ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر دو عادل گواہ لے آؤ کہ فلاں شخص نے اُسے قتل کیا ہے تو اُس سے قصاص دلوائیں گے۔ ورنہ تمہارے گروہ پیش کے لوگ حلف اُٹھائیں کہ اُنہوں نے قتل نہیں کیا۔ پھر اگر وہ انکار کریں تو تم پچاس قسمیں کھاؤ تو تمہیں دیت مل جائے گی۔ (۲)

۳۔ مدعیانِ قسامت:
قسامت کے لیے مدعی مقتول کے اولیاء اور ورثا ہو سکتے ہیں، خواہ مرد ہوں یا عورتیں۔ حضرت عمرؓ نے قسامت میں ایک عورت سے قسم لی جب کہ وہ مدعیوں میں سے تھی۔ اُس نے حلف اُٹھایا اور حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا کہ اس کے مقتول مولی کی دیت اسے ادا کی جائے۔

۴۔ قسامت میں مدعی علیہان:
قسامت میں مدعا علیہ وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس مقتول پایا جائے۔ ان میں بچہ اور مجنون شامل نہیں ہیں، کیونکہ ان سے حلف لینا صحیح نہیں ہے۔ اور عورت بھی مدعیٰ علیہ نہیں ہوگی، کیونکہ عورت مددگاروں میں سے نہیں ہوتی۔

۵۔ حلف:

(ا) حلف کے الفاظ:
اگر حلف مدعیٰ علیہم اُٹھا رہے ہیں تو ان میں سے ہر ایک یہ قسم کھائے گا کہ خدا کی قسم مَیں نے اسے قتل نہیں کیا اور نہ مجھے

---

(۱) عبدالرزاق ۱۰/۳۵، سنن البیہقی ۸/۱۲۴۔ آثار ابی یوسف ۹۸۱، المغنی ۸/۶۵

(۱) عبدالرزاق ۱۰/۴۴، سنن البیہقی ۱۰/۱۸۳ (۲) عبدالرزاق ۱۰/۴۱

اس کے قاتل کا علم ہے۔ حضرت عمرؓ نے وادعہ کے مقدمہ میں اسی طرح حلف لیا تھا۔ (۱)

اور اگر حلف اُٹھانے والے مدعی ہوں تو اُن میں سے ہر ایک یہ حلف اٹھائے گا کہ اللہ کی قسم فلاں شخص نے اُسے قتل کیا ہے۔

(ب) قسموں کی تعداد:

قسامت میں مطلوبہ قسموں کی تعداد پچاس ہے۔ اگر حلف مدعیٰ علیہم اُٹھا رہے ہیں تو ان میں سے پچاس مرد قسم کھائیں گے اور مدعیوں کی صورت میں پچاس مرد و عورت یہ قسمیں کھائیں گے۔ اس ضمن میں حضرت عمرؓ کے اقوال گزر چکے ہیں اب اُن کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر حلف اٹھانے والے افراد کی تعداد پچاس سے کم ہو تو انہی افراد سے بار بار قسم کھلائی جائے گی، یہاں تک کہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے قسموں کو دہرایا اس طرح کہ سب سے پہلے جس شخص نے قسم کھائی تھی پھر اُسی نے پہلے دوسری قسم کھائی اور اس کے بعد دوسرے نے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مثلاً اگر قسمیں کھانے والے کل چالیس افراد ہوں تو دس قسمیں باقی رہ گئیں، لہٰذا صرف وہ پہلے دس افراد جنہوں نے پہلے قسم کھائی تھی اُن ہی سے دوبارہ مزید دس قسمیں لی جائیں گی۔ (۲)

(ج) قسم کی شدت (تغلیظ الیمین)

حضرت عمرؓ قسامت کی قسم میں شدت پیدا کرنے کے لیے مقدس مقام پر قسم دلاتے تھے۔ حضرت عمرؓ وادعہ والوں کو حجر میں لے گئے وہاں اُن سے قسم لی اور دیت کا فیصلہ کیا۔ (۳) اسی طرح حضرت عمرؓ نے قسامت کے مدعا علیہم کو یمن سے اور کوفہ سے

(۱) سنن البیہقی ۸/۱۲۳، عبدالرزاق ۱۰/۳۵ (۲) المحلی ۱۱/۹۲ (۳) سنن البیہقی ۸/۱۲۴

مکہ مکرمہ بلایا کہ کعبہ یعنی بیت اللہ میں قسم کھائیں۔ (۱)

(د) قسم کا آغاز کس سے ہوگا:

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ حلف کا آغاز مدعیٰ علیہم سے ہوگا تاکہ اس قاعدہ کلیہ پر عمل ہو جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں بیان فرمایا ہے کہ گواہ پیش کرنا مدعی پر ہے اور یمین مدعیٰ علیہ پر۔ (۲) نیز آپ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو محض ان کے دعووں پر دے دیا جائے تو لوگ دوسروں کے جان اور مال کا مطالبہ کرنے لگیں گے لیکن مدعیٰ علیہ پر حلف ہے۔ (۳) اور حضرت عمرؓ نے بھی وادعہ والوں سے پہلے قسم لی تھی۔ (۴)

اگر مدعیٰ علیہم حلف اٹھالیں تو اُن پر مقتول کے ورثا کو دیت کی ادائیگی لازم ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے وادعہ والوں سے حلف لینے کے بعد اُن پر دیت عاید کر دی تھی۔ اس پر اُنہوں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین نہ ہماری قسموں نے ہمارے مال کو بچایا اور نہ ہمارے مال نے ہمیں قسموں سے بچایا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق اسی طرح ہے۔ (۵)

اگر مدعیٰ علیہم حلف اُٹھانے سے انکار کریں تو قسم مدعیوں پر لوٹ جائے گی۔ اگر وہ حلف اُٹھالیں تو دیت کے مستحق ہوں گے۔ حضرت عمرؓ نے مدعیوں سے کہا کہ دو عادل گواہ لے آؤ کہ فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو ہم تمہیں اُس سے قصاص دلوا دیں گے ورنہ مدعیٰ علیہم حلف اُٹھائیں گے کہ اُنہوں نے قتل نہیں کیا۔ اور اگر وہ انکار کر دیں تو تم پچاس قسمیں کھاؤ گے اور

(۱) المحلی ۱۱/۹۳ (۲) الترمذی، الاحکام ۱۳۴۱
(۳) صحیح مسلم، الاقضیہ، باب الیمین علی المدعیٰ علیہ
(۴) سنن البیہقی ۸/۱۲۳، ۱۲۴، عبدالرزاق ۱۰/۳۵، ۴۱
(۵) عبدالرزاق ۱۰/۳۵، سنن البیہقی ۸/۱۲۴، المغنی ۸/۶۵

ہم تمہیں دیت دلوائیں گے۔ (۱) اگر مدعی بھی حلف اٹھانے سے باز رہیں تو مدعیوں کو مدعیٰ علیہم سے دیت نصف ملے گی۔

اگر اس بارے میں حضرت عمرؓ سے مروی روایت درست ہے کہ حضرت عمرؓ نے قبیلہ جہینہ کے لوگوں پر جو مدعیٰ علیہم تھے نصف دیت عاید کی تھی جب مدعیوں اور مدعیٰ علیہم میں سے ہر ایک نے حلف اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ (۲)

اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ پہلے مدعیٰ علیہم سے حلف لیا جائے گا۔ رہ گئی یہ روایت جو زہری نے مروی ہے کہ بنی سعد بن لیث کے ایک شخص نے بنو جہینہ کے ایک شخص کو گھوڑے سے کچل دیا اور اس کے پیر کی انگلی کٹ گئی اور خون بہتا رہا یہاں تک کہ وہ مرگیا تو حضرت عمرؓ نے بنو جہینہ کے لوگوں سے جو کہ مجنی علیہ کے اولیاء تھے کہا کہ یا تم میں سے پچاس افراد یہ قسمیں کھائیں گے کہ اسی شخص نے اسے کچلا ہے اور وہ اسی کچلنے سے مرا ہے۔ انہوں نے حلف اٹھانے سے انکار کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فریق مخالف سے یعنی جانی کے اولیا سے پچاس قسمیں کھانے کو کہا۔ انہوں نے بھی انکار کیا، اس پر حضرت عمرؓ نے اس کی دیت نصف کر دی۔ (۳) اس روایت کے سلسلہ میں یہ ہے کہ زہری نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا، کیونکہ حضرت عمرؓ نے ۲۳ ہجری میں شہادت پائی اور زہری ۵۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ زہری نے جو روایت نقل کی ہے وہ حضرت عمرؓ سے مروی صحیح روایت کے برخلاف ہے، لہٰذا زہری کی روایت ناقابلِ اعتبار ہے۔

۶۔ قسامت سے کیا لازم آئے گا:

قسامت مکمل ہو جانے کے بعد مدعیٰ علیہم پر دیت ادا کرنا واجب ہوگا اور قصاص ساقط ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قسامت سے دیت لازم آتی ہے اور خون نہیں بہایا جاتا۔ (۱)

قسم

دیکھیے: یمین

قصاص

دیکھیے: جنایت/ ۵ ر)

قصر صلاۃ (نماز کا قصر)

سفر میں قصر نماز (د: سفر/ ۱۰ ب)

قضاء

فقہ عمرؓ کے سلسلہ میں قضاء کے موضوع پر گفتگو حسب ذیل پہلوؤں پر مشتمل ہوگی۔

۱۔ قاضی ۲۔ مصادر احکام (فیصلے کے ماخذ) ۳۔ شہادتیں (بینات، جن پر قاضی کو اعتماد کرنا چاہیے ۴۔ مقدمے کے دونوں فریق ۵۔ قضا کی جگہ

۱۔ قاضی:

(و) قاضیوں کی اقسام۔

قاضیوں کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ حکومت کا متعین کردہ قاضی: وہ قاضی جسے حکومت نے مقرر کیا ہو اور نزاع کرنے والے فریقین کے درمیان مقدمات کا فیصلہ اس کے سپرد کر دیا ہو۔ اس قاضی کو حدود اور تعزیرات تمام

---

(۱) عبدالرزاق ۱۰/ ۴۱ (۲) عبدالرزاق ۱۰/ ۴۴ (۳) عبدالرزاق ۱۰/ ۴۲

(۱) عبدالرزاق ۱۰/ ۳۷، ۱۰/ ۴۱، سنن البیہقی ۸/ ۱۲۹

کرنے اور تاوان عاید کرنے اور ان سب سزاؤں کو بزور نافذ کرنے کا اختیار ہے۔

اس نوع کے قاضی حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے آغاز میں کم تھے لیکن کچھ مدت بعد حضرت عمرؓ نے ہر شہر میں قاضی مقرر کر دیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا اور اس کے بعد شریح کو قاضی مقرر کیا۔ اور کعب بن سور کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا اور دیگر حضرات کو بھی قاضی مقرر کیا۔ وکیع کی کتاب اخبار القضاۃ میں متعدد حضرات کا ذکر ہے جن کو حضرت عمرؓ نے قاضی مقرر کیا۔

مختلف شہروں میں قاضی مقرر ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ اس امر کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ ان مقرر کردہ قاضیوں کے علاوہ کوئی اور قضا کا کام انجام دے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے فرمایا کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ فیصلے کرتے ہیں حالانکہ آپ امیر نہیں ہیں۔ یعنی ہم نے آپ کو قاضی مقرر نہیں کیا ہے۔ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی سختی اسی کو برداشت کرنے دو جو اس کی راحت سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ (۱) حضرت عمرؓ اس بات کو اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ ایسے قاضی کے پاس، اپنے فیصلے کو نافذ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا اور اس لحاظ سے ایسے فیصلے کا اس کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ معاملہ کا حکم معلوم ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایسے حق کو بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے جسے نافذ نہ کیا جا سکے۔ (۲)

(۱) عبدالرزاق ۱/۳۰۱ (۲) سنن البیہقی ۱۰/۱۵۰
اخبار القضاۃ، لوکیع ۱/۷۰، ۲۸۳

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ صرف امیر ہی فیصلہ کرے۔ (۱) یعنی وہ قاضی جسے حکومت نے مقرر کیا ہو۔

۲۔ وہ قاضی جسے فریقین مقدمہ نے خود تسلیم کر لیا ہو: اس کے اختیار کا منبع خود فریقین مقدمہ ہیں۔ اگر ایسے قاضی کے فیصلہ کو قبول کرنے سے ایک فریق انکار کر دے تو اس کے پاس ایسی کوئی قوت موجود نہیں ہے کہ اپنا فیصلہ بزور نافذ کر سکے۔

قاضیوں کی یہ قسم لوگوں میں اس وقت تک مقبول رہ سکتی ہے جب تک لوگوں کا دینی جذبہ قوی ہو۔ لیکن دینی جذبات کے کمزور پڑتے ہی یہ نوع غیر مقبول ہو جائے گی، کیونکہ اس کے پاس اپنے فیصلے کو نافذ کرانے کے لیے ایسی قوت موجود نہیں ہے جس سے یہ فریقین کو مجبور کر سکیں۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس حق کے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے جسے نافذ نہ کیا جا سکے۔ (۲)

اس نوع کے قاضی مختلف علاقوں میں کافی تعداد میں موجود تھے۔ خود حضرت عمرؓ نے بعض مواقع پر ان کی جانب رجوع کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ نے اپنے درمیان فیصلے کے لیے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم تسلیم کیا اور انہوں نے ان دونوں کے قضیے کا فیصلہ کیا۔ (۳) اور حضرت عمرؓ اور معاذ بن عفراء کا نزاع ہوا تو دونوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کو حکم بنایا۔ (۴) حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے فرمایا کہ اپنے اور میرے درمیان ایک شخص کو امیر بنا لو کہ جب کسی شے میں ہمارا اختلاف ہو تو ہم اسے حکم بنا لیں۔ آپ کی مراد

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۲۲۹ (۲) سنن البیہقی ۱۰/۱۵۰، اخبار القضاۃ ۱/۷۰، ۲۸۳ (۳) سنن البیہقی ۱۰/۱۳۶، ۱۴۴، ۱۴۵، المغنی ۹/۸۰، ۹۰، المحلی ۹/۳۸۱ (۴) عبدالرزاق ۸/۴۷۱

حضرت علی بن ابی طالب سے تھی۔ (۱)

حضرت عمرؓ اس نوع کے قاضیوں کو فیصلے کرنے سے غیر حتمی انداز میں منع کیا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ قضا ایسا کام ہے جس میں بہت سے کٹھن مقامات آتے ہیں اور ایک ناواقف شخص جو فیصلہ کرنے کے اصولوں اور لوگوں کے معاملات سے پوری طرح آگاہ نہ ہو اس میں لغزش کھا سکتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے فرمایا کہ جو شخص اس کام کی راحت سے لطف اندوز ہو رہا ہے اسے ہی اس کی سختی بھی برداشت کرنے دو۔ (۲) نیز یہ کہ اس نوعیت کی قضاء سے جو اپنے فیصلوں کو بزور نافذ کرنے کی طاقت نہ رکھتی ہو۔ احکامِ شریعت کی ہیبت جاتی رہے گی، اس لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان صرف امیر یعنی حکومت کا متعین کردہ قاضی ہی فیصلے کرے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ صرف امیر ہی فیصلہ کرے، کیونکہ ظالم اور جھوٹے گواہ پر اس کی ہیبت طاری ہوگی۔ تمہاری مجلس میں جب فریقین مقدمہ آئیں اور اُن میں سے کوئی ظلم کا ارادہ کرے تو تم اس کے سر پر ضرب لگاؤ۔ (۳)

(ب) قاضی کا تعین:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں امیر المومنین خود قاضیوں کو متعین کیا کرتے تھے؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ان کی صغر سنی کے باوجود یمن کا قاضی مقرر کیا تھا۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کو قاضی مقرر کیا اور حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا اور کعب بن سوار کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا اور بعد میں شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا اور اُن کے علاوہ دیگر افراد کو بھی قاضی مقرر کیا۔

امیر المومنین کبھی اپنا یہ حق اپنے علاقائی حاکموں کے سپرد بھی کر سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو شام کا والی بنا کر بھیجا تو اُن کے نام تحریر کیا کہ اپنے ہاں موجود نیک اور صالح لوگوں کو تلاش کر کے انہیں قاضی مقرر کر دو۔ اُن کو اختیارات اور تنخواہیں دو اور اللہ کے مال میں سے اتنا دو جو اُن کی کفالت کے لیے کافی ہو۔ (۱)

(ج) قضا کے منصب کی درخواست:

اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو منصب قضا کا اہل تصور کرے تو اس کے لیے منصب طلب کرنا جائز ہے۔ حضرت ابوبکرؓ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ سے کہا کہ مجھے امورِ خلافت میں مددگاروں کی ضرورت ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ کی طرف سے قضا کا فریضہ میں انجام دوں گا۔ اور حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا کہ بیت المال کی ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں۔ (۲)

(د) قاضی کی تنخواہ۔ (د: فئے/۳ ب ۲)

(ھ) قاضی کے اوصاف:

جس شخص کو منصب قضا سپرد کیا جائے اُس میں حسبِ ذیل اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ عقل، بلوغ، حریت اور اسلام؛ کیونکہ جس شخص میں یہ اوصاف موجود نہ ہوں وہ شہادت کا اہل نہیں ہے تو وہ قضا کا اہل کیسے ہو سکتا ہے۔ (د: شہادت/۱ د)

۲۔ مرد ہونا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ حدود اور قتل

(۱) اخبار القضاۃ ۱/ ۸۹ (۲) اخبار القضاۃ ۱/ ۸۹
(۳) عبدالرزاق ۱۱/ ۳۲۹

(۱) المغنی ۹/ ۳۷ (۲) اخبار القضاۃ ۱/ ۱۰۴

کے علاوہ دیگر معاملات میں عورت کی قضا کو دُرست تصور کرتے تھے، کیونکہ ان امور میں حضرت عمرؓ نے تنہا عورت کی گواہی بغیر مرد کے قبول کی ہے، جب کہ حضرت عمرؓ نے حدود اور قصاص میں عورت کی گواہی قبول نہیں کی۔ (۱) شہادت/۱ د)

اور چونکہ حضرت عمرؓ نے ایک عورت کو بازار کے امور کا نگران مقرر کیا تھا لہٰذا اُن کے نزدیک، عورت کا قاضی ہونا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔ (۱) امارہ/۳)

۳۔ احکامِ شریعت کا علم: قاضی کے لیے احکامِ شریعت کو جاننا اس لیے ضروری ہے کہ اُسے پیش آمدہ واقعات میں شریعت کا نفاذ کرنا ہے۔ اور اگر اس سے ناواقف ہو تو وہ اس کی تطبیق نہیں کر سکتا۔

۴۔ تقویٰ: تقویٰ کی شرط اس لیے کہ فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی قضا بدرجۂ اولیٰ قبول نہیں ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے جب معاذ بن جبلؓ اور ابوعبیدہ بن الجراح کو شام کا والی بنا کر بھیجا تو انہیں لکھا کہ تم اپنے ہاں موجود نیک اور صالح لوگوں کو تلاش کرکے اُنہیں منصبِ قضا پر مامور کر دو۔ (۱)

۵۔ لوگوں کے پاس موجود مال و دولت سے بے نیاز ہونا اور ہر قسم کی ریاکاری اور خوشامد سے دُور رہنا: حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کا حکم وہ شخص قائم کر سکتا ہے جو نہ کسی کی طرفداری کرے، نہ کسی سے مشارکت اختیار کرے اور نہ لالچوں کے پیچھے لگے۔(۲)

۶۔ ذہانت و فطانت: قاضی کی شرط یہ ہے کہ وہ سمجھ دار اور ذہین ہو اور دقیق امور پر جلد متنبہ ہو جاتا ہو۔ شعبی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس کعب بن سوار بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس ایک عورت آئی اور اُس نے کہا کہ اے امیرالمومنین میں نے اپنے شوہر سے اچھا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ وہ پوری رات نماز میں پڑھتا ہے اور دن کو گرمی میں بھی روزے رکھتا ہے افطار نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر عورت کے حق میں مغفرت کی دعا کی اور اس کی تعریف کی اور فرمایا کہ عورت کو خیر کی باتوں میں تجھ جیسا ہونا چاہیے۔ اس پر وہ عورت شرما گئی اور واپس چلی گئی۔ کعب نے عرض کی کہ اے امیرالمومنین آپ نے اس عورت کی اپنے شوہر کے خلاف شکایت رفع نہیں کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس نے کوئی شکایت تو نہیں کی؟ اس پر حضرت کعبؓ نے کہا کہ بہت سخت شکایت کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اچھا تو کیا اس کی یہ نیت تھی؟ کعب نے کہا کہ جی ہاں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس عورت کو دوبارہ میرے پاس لاؤ (جب وہ آئی تو) آپ نے کہا کہ حق بات کہنے میں کوئی باک نہیں ہے۔ کعب کا خیال ہے کہ تم نے اپنے شوہر کی شکایت کی ہے کہ وہ تمہارے بستر سے دُور رہتا ہے۔ اُس نے کہا کہ جی ہاں! میں نوجوان عورت ہوں اور مجھے بھی وہی کچھ مطلوب ہے جو دوسری عورتوں کو ہوتا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُس کے شوہر کو بلوایا۔ جب وہ آیا تو آپ نے کعب سے کہا کہ تم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ حضرت کعب نے کہا کہ ان کا فیصلہ کرنے کے زیادہ حقدار امیرالمومنین ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں تمہیں پابند کرتا ہوں کہ تم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو، کیونکہ تم نے ہی وہ بات سمجھی ہے جو میں نہیں سمجھ سکا۔ حضرت کعبؓ نے کہا کہ میں یہ فرض کر لیتا ہوں کہ اس شخص کی تین بیویاں ہیں اور یہ چوتھی ہے۔ اور میں فیصلہ دیتا ہوں کہ تین دن اور تین راتیں اس کے شوہر کے ہیں، ان میں وہ عبادت کرتا رہے اور ایک دن اور ایک رات اس بیوی کا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہاری

---

(۱) المغنی ۹/ ۳۷ (۲) عبدالرزاق ۸/ ۲۹۹

یہ بات مجھے تمہاری پہلی بات سے بھی زیادہ پسند ہے ۔ جاؤ میں تمہیں بصرہ کا قاضی مقرر کرتا ہوں ۔ (۱)

۷ ۔ سختی بغیر درشتی کے اور نرمی بغیر کمزوری کے : حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ امر (قضاء) ایسے شخص کو دیا جانا چاہیے ، جس میں چار اوصاف ہوں ۔ نرم ہو لیکن کمزوری نہ ہو ، سختی ہو لیکن درشتی نہ ہو ۔ مال روک کر رکھے لیکن بخیل نہ ہو اور سخاوت ہو لیکن اسراف نہ ہو ۔ (۲) اور آپ نے فرمایا اللہ کا حکم ایسا شخص قائم کر سکتا ہو جو ایسی زبان میں گفتگو کرے جس پر درشتگی کا اعتراض نہ ہو اور اُس کی تیزی کی بنا پر کوئی کسی ناجائز حق کی طمع نہ کر سکے ۔ (۳)

۸ ۔ شخصیت کی مضبوطی : حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں ابومریم کو ضرور معزول کر دوں گا اور اُن کی جگہ ایسے شخص کو قاضی مقرر کروں گا جس کو اگر بُرا آدمی دیکھے تو مرعوب ہو جائے ، چنانچہ آپ نے اُنہیں بصرہ کی قضا سے معزول کر کے اُن کی جگہ کعب بن سور کو قاضی مقرر کیا ۔ (۴)

۹ ۔ مالدار اور خاندانی ہونا : حضرت عمرؓ نے اپنے بعض عمال کو لکھا کہ ایسے افراد کو قاضی مقرر کرو جو مالدار اور خاندانی ہوں ، کیونکہ صاحبِ مال آدمی کو دوسرے کے مال کا لالچ نہیں ہوگا اور صاحب حسب شخص لوگوں کی طرف سے پہنچنے والے عواقب سے خوفزدہ نہیں ہوگا ۔ (۵) یہ بات حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس لیے صحیح تھی کہ اس وقت بھی قبائلی اثرات اور جاہلی عصبیتیں معاشرے میں موجود تھیں ۔ اور یہ بات ہمارے اس دور میں بھی صحیح ہے ۔ اور اب بھی پست طبقے کے لوگ اگر قاضی بن جاتے ہیں تو لوگوں کے حقوق ضائع کرتے ہیں ۔

(۹) کن امور کو ملحوظ رکھنا قاضی پر لازم ہے :

بعض امور ایسے ہیں جن کا خیال رکھنا عدل و انصاف کے قیام کے لیے قاضی پر لازم ہے مثلاً :

۱ ۔ عمل میں اللہ کے لیے اخلاص : حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام تحریر کیا کہ جو قاضی حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اللہ اُس کے لیے اجر لازم کر دیتا ہے اور اُس کی عاقبت بھی سنوار دیتا ہے جس کی نیت حق کے سلسلہ خالص ہو اگرچہ وہ حق خود اس کے خلاف جاتا ہو تو اللہ اُس کے لیے ان سب معاملات میں کافی ہو جاتا ہے جو اُس کے اور لوگوں کے درمیان ہوں اور جو ایسے وصف سے اپنے آپ کو آراستہ دکھاتا ہے جو اس میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے عیب دار کر دیتا ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا صرف وہی عمل قبول فرماتا ہے جو خالصتاً اُس کے لیے ہو ۔ اور آپ کا کیا خیال ہے کہ اللہ کے یہاں اس کا کیا ثواب ہے اور دنیا میں اُس کے رزق اور آخرت میں اُس کی رحمتوں کے کیا خزانے ہیں ۔ (۱)

۲ ۔ فیصلہ سنانے سے قبل معاملے کو خوب ، اچھی طرح سمجھنا اور اس کے تمام پہلوؤں کا پوری طرح جائزہ لینا ضروری ہے اور جب تک حق پوری طرح کھل کر سامنے نہ آ جائے قاضی کے لیے مقدمے کا فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے ۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو اُسے خوب اچھی طرح سمجھو ۔ (۲)

---

(۱) المغنی ۹/ ۵۱ ، الاستیعاب : ۱۸ ، ۱۳۱ ، الاصابۃ ۷۴۹۵ ، اخبار القضاۃ ۱/ ۲۷۴ (۲) عبدالرزاق ۸/ ۲۹۹ (۳) عبدالرزاق ۸/ ۲۹۹ (۴) المغنی ۹/ ۱۰۳ ، ۴۳ ، سنن البیہقی ۱۰/ ۱۰۸ ، اخبار القضاۃ ۱ ترجمہ کعب بن سوار ، (۵) اخبار القضاۃ ۱/ ۷۶

(۱) سنن البیہقی : ۱۰/ ۱۵۰ (۲) سنن البیہقی : ۱۰/ ۱۵۳ ، ۱۵۰

ابو موسیٰؓ نے ایک مرتبہ کہا کہ قاضی کے لیے اس وقت تک فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہے جب تک اس کے سامنے حق روزِ روشن کی طرح واضح نہ ہو جائے۔ حضرت عمرؓ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ ابو موسیٰؓ نے صحیح کہا۔ (۱)

۳۔ اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا، خواہ مقدمہ کے فریق مسلمان ہوں یا غیر مسلم، چنانچہ زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت حضرت عمر بن الخطاب کے پاس آئی اور اس نے عرض کیا کہ میرا بیٹا مر گیا ہے اور یہودیوں کا خیال ہے کہ اس کی میراث میں میرا کوئی حق نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے خاندان کے لوگوں کو بلایا اور اُن سے دریافت کیا کہ تم اس عورت کو اس کا حق کیوں نہیں دیتے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہماری کتاب کے مطابق اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ کیا تمہاری مراد تورات ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ "مثناۃ" مراد ہے۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ "مثناۃ" کیا ہے۔ اُنہوں نے بتایا کہ یہ ہمارے علما اور حکماء کی تحریر کردہ کتاب ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُنہیں بُرا بھلا کہا اور اُنہیں حُکم دیا کہ جاؤ اور اس کا حق اسے دے دو۔ (۲)

۴۔ قاضی کے لیے اگر کوئی قضیہ حل کرنا دشوار ہو جائے تو اُسے چاہیے کہ دوسروں سے مشورہ کرے (۳) حضرت عمرؓ نے اپنے کسی قاضی کو تحریر کیا کہ ــــ دین کے مسائل و معاملات میں اللہ سے ڈرنے والے لوگوں سے مشورہ کرو۔ حضرت عمرؓ نے شریح کو لکھا کہ اگر تم چاہو تو مجھ سے مشورہ کر لیا کرو اور میرا خیال ہے کہ تمہارا مجھ سے مشورہ کرنا تمہارے لیے زیادہ سلامتی کا حامل ہوگا۔ (۱) حضرت عمرؓ بکثرت مشورہ کیا کرتے تھے۔ (۲) یہاں تک کہ شعبی نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی کے فیصلے پر اعتماد کرنا چاہے وہ حضرت عمرؓ کے فیصلے پر اعتماد کرے کہ حضرت عمرؓ کثرت سے مشورہ کرتے تھے۔ (۲)

۵۔ فریقین مقدمہ کے مابین مساوات، حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ اپنے متوجہ ہونے میں، اپنی مجلس میں اور اپنے انصاف میں لوگوں کے مابین مساوات قائم کرو۔ تاکہ کسی باحیثیت شخص کو تم سے طرفداری کا لالچ پیدا نہ ہو اور کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہو۔ (۳) نیز آپ نے لکھا کہ حصولِ انصاف کے لیے اپنے پاس آنے والے سب لوگوں کو برابر سمجھو۔ ان میں جو تم سے قریب ہیں ان کے ساتھ بھی وہ رویہ رکھو جو بعید والوں کے ساتھ ہو اور جو تم سے دُور ہیں اُن کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرو جو قریب والوں کے ساتھ کرتے ہو۔ (۴) حضرت ابی بن کعبؓ نے حضرت عمرؓ پر ایک باغ کا دعویٰ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس دعویٰ کو قبول نہ کیا تو دونوں نے اپنے درمیان حضرت زید بن ثابت کو حکم مقرر کیا اور دونوں اُن کے پاس اُن کے گھر آئے۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا کہ ہم آپ کے پاس اپنے درمیان فیصلہ کرانے آئے ہیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ اپنے گھر ہی میں فیصلے کیا کرتے تھے۔ حضرت زیدؓ حضرت عمرؓ کے لیے اپنی نشست چھوڑ کر الگ ہو گئے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زیدؓ نے حضرت عمرؓ کے لیے تکیہ رکھ دیا اور کہا کہ امیر المؤمنین آپ یہاں تشریف رکھیے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے زیدؓ

(۱) المحلی ۸/۴۲۰ (۲) المحلی ۹/۳۰۷
(۳) سنن البیہقی ۱۰/۱۱۲

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۱۱۰ (۲) سنن البیہقی ۱۰/۱۰۹
(۳) سنن البیہقی ۱۰/۱۳۵، ۱۵۰، المغنی ۹/۸۰
(۴) سنن البیہقی ۱۰/۱۲۵

تم قضا کے پہلے ہی مرحلے میں ناانصافی کر بیٹھے۔ تمہیں چاہیے کہ مجھے میرے فریق مخالف کے ساتھ بٹھاؤ۔ الغرض دونوں حضرت زید رضؓ کے سامنے بیٹھ گئے۔ (۱)

۶۔ کمزور شخص کی ہمت بندھانا تاکہ اس کا خوف جاتا رہے اور اس میں بولنے کی ہمت پیدا ہو جائے۔ حضرت عمر رضؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ کمزور شخص کو اپنے قریب کر دو تاکہ اس کے دل میں ہمت پیدا ہو جائے اور اس کی زبان کھل جائے۔ (۲)

۷۔ باہر سے آئے ہوئے شخص کا فیصلہ فوراً کیا جائے یا اس کی دیکھ بھال اور اخراجات کی ذمہ داری لی جائے۔ حضرت عمر رضؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ باہر سے آنے والے شخص کی خبرگیری کرو۔ کیونکہ اگر وہ دیر تک رکا رہا یعنی اپنے دعویٰ کی وجہ سے اس کا قیام زیادہ دن رہا اور وہ اپنے گھر والوں سے دور رہا تو وہ اپنا حق چھوڑ کر اپنے گھر کی جانب روانہ ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کا حق اس نے باطل کیا، جس نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ (۳)

۸۔ فراخیٔ صدر، حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ مقدمہ کی سماعت کے وقت اکتاہٹ، غصہ، پریشانی اور لوگوں کو ایذا پہنچانے سے اجتناب کرو۔ (۴) اگر قاضی اپنے اندر ایسی کوئی بات محسوس کرے تو اس کے لیے اس وقت تک فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے جب تک اس کی یہ کیفیت جاتی نہ رہے تاکہ قاضی کی مخصوص نفسیاتی حالت اس کے فیصلے پر اثر انداز نہ ہو۔ حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرو۔ (۱) شریح بن الحارث سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضؓ نے مجھے قاضی مقرر کیا تو مجھ پر یہ شرط عاید کی کہ میں غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کروں۔ (۲) تنگی اور اکتاہٹ کے اسباب میں سے بھوک اور پیاس بھی ہیں جن کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ قاضی فیصلہ میں غور و تامل کے بجائے جلد بازی سے کام لے۔ اسی لیے حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ قاضی اس وقت فیصلہ کرے جب وہ سیراب ہو اور پیٹ بھرا ہوا ہو۔ (۳)

۹۔ ہر اس بات سے اجتناب کرے جو قاضی پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ مثلاً رشوت، تاجروں کا اشیاء کی فروخت میں اس سے نرمی اور سہولت کا معاملہ کرنا اور ہدیہ قبول کرنا وغیرہ۔ اسی لیے حضرت عمر رضؓ نے قاضیوں کو تجارت میں مصروف ہونے، بازاروں میں جا کر لین دین کرنے اور ہدیہ اور رشوت قبول کرنے سے منع فرمایا۔ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ نہ خرید و فروخت کرو اور نہ مضاربت کرو اور نہ فیصلے پر رشوت لو۔ (۴) شریح بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضؓ نے مجھے قاضی بنایا تو آپ نے یہ شرط لگائی کہ میں نہ فروخت کروں گا، نہ خریدوں گا اور نہ رشوت لوں گا۔ (۵) نیز حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ خود کو رشوت سے اور ہوائے نفس کے مطابق فیصلہ کرنے سے بچانا۔ (۶)

۱۰۔ ظاہری دلائل کا اختیار کرنا اور نیتوں کی ٹوہ نہ لگانا، حضرت عمر رضؓ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس کے دوران فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے تو ہم تمہیں پوری طرح جانتے تھے، کیونکہ اس وقت وحی نازل ہوتی تھی اور

(۱) اخبار القضاۃ ۱/۱۰۸، المحلی ۹/۳۸۱، سنن البیہقی ۱۰/۱۳۶، المغنی ۹/۸۰ (۲) اخبار القضاۃ ۱/۷۵
(۳) اخبار القضاۃ ۱/۷۵ (۴) عبدالرزاق ۱۱/۲۲۹، سنن البیہقی ۱۰/۱۵۰، المغنی ۸/۴۹

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۲۲۹، سنن البیہقی ۱۰/۱۵۰، المغنی ۸/۴۹
(۲) عبدالرزاق ۸/۳۰۰ (۳) المغنی ۹/۷۹ (۴) سنن البیہقی ۱۰/۱۰۶
(۵) عبدالرزاق ۸/۳۰۰ (۶) المغنی ۹/۷۹ (۷) سنن البیہقی ۱۰/۱۳۵

تمہاری تمام خبریں بتادی جاتی تھیں۔ لیکن اب ہم تمہیں اقوال سے پہچانیں گے اور جو شخص ہمارے روبرو خیر کا اظہار کرے گا ہم اس کو اچھا سمجھیں گے اور اس خیر کی بنا پر اس سے محبت کریں گے اور جو شخص ہمارے سامنے شر کا اظہار کرے گا ہم اسے برا سمجھیں گے اور اس شر کی وجہ سے اس سے نفرت کریں گے اور تمہارے دلوں میں پوشیدہ ارادے تمہارے اور تمہارے اللہ کے درمیان ہیں۔ (۱)

۱۱۔ مقدمہ کے دونوں فریقوں کے مابین صلح کی خواہش: حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ باہم جھگڑا کرنے والوں کو لوٹا دو، یہاں تک کہ وہ آپس میں صلح کرلیں، کیونکہ قاضی کا فیصلہ بھی لوگوں کے درمیان کینہ پیدا کرنے کا باعث بن سکتا ہے(۲)۔ پھر اگر وہ اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرکے دوبارہ آئیں تو قاضی اسے نافذ کر دے اور اگر ان کی صلح احکام شریعت کے منافی ہو تو قاضی اس کو رد کر دے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے مابین صلح جائز ہے سوائے اس صلح کے جو کسی حرام کو حلال کر دے یا حلال کو حرام کر دے۔ (۳) قاضی کو چاہیے کہ وہ صلح کا حریص ہو، بالخصوص ایسے فریقوں کے درمیان صلح کی ضرور کوشش کرے جن کے معاملے میں حق پوری طرح واضح نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ اگر تمہارے لیے فیصلہ واضح نہ ہو تو فریقین کے مابین صلح کی کوشش کرو۔ (۴) یا اگر فریقین مقدمہ کے درمیان رشتہ داری ہو تو بھی ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مقدمہ کے دونوں فریق اگر باہم رشتہ دار ہوں تو (ان

(۱) البخاری، الشہادت، باب الشہود العدول۔ سنن البیہقی: ۱۰/۱۲۵، ۱۵۰ (۲) مصنف عبدالرزاق ۸/۳۰۴، المغنی: ۹/۵۳ (۳) سنن البیہقی: ۱۰/۱۵۰ (۴) اخبار القضاۃ: ۱/۵۷

کے درمیان صلح کرا کے) لوٹا دو، اس لیے کہ قاضی کا فیصلہ بھی عداوت پیدا کر سکتا ہے۔ (۱)

لیکن قاضی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ فریقین مقدمہ کو اپنے پاس سے مال دے کر صلح پر آمادہ کرے اس لیے کہ یہ اس کی کمزوری کی دلیل ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک قاضی مقرر کیا۔ اس کے پاس دو افراد ایک دینار کا جھگڑا لے کر آئے۔ قاضی نے اپنے پاس سے ایک دینار مدعی کو دے دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ تم ہماری قضا سے علیحدہ ہو جاؤ۔ (۲)

۱۲۔ حق کی جانب رجوع کرنا: اگر قاضی نے کسی مقدمہ میں کوئی فیصلہ کر دیا پھر اس کی اجتہادی رائے میں تبدیلی آگئی تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی اس نئی رائے کی بنا پر رجوع کا اثر قبول کرے اور اپنی اس نئی رائے کی وجہ سے اپنے سابقہ فیصلے کو تبدیل کر دے اسی طرح اس کے بعد آنے والے قاضی کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ پہلے قاضی کے پہلے فیصلہ کو کالعدم قرار دے چنانچہ سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں ـــــ کہ اگر کوئی طعن کرنے والا حضرت عمرؓ پر اعتراض کر سکتا ہے تو وہ ان کے پورے دور خلافت میں سے محض وہ دن ہو سکتا ہے جب آپ کے پاس اہل نجران آئے تھے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل نجران کے درمیان طے پانے والے معاہدہ کی تحریر لکھی تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ان سے لوگوں کے حق میں اندیشہ محسوس کیا۔ اس کے بعد ان کا آپس میں کوئی اختلاف ہوا تو وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے اس معاہدہ کو بدل دینے کی درخواست کی اور حضرت عمرؓ نے

(۱) اعلام الموقعین ۱/۸۷، ۱۰۱ (۲) اخبار القضاۃ ۱/۸۱

وہ معاہدہ تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد وہ پشیمان ہوئے اور اُن کے درمیان اس معاہدے کے سلسلے میں اختلاف ہوگیا تو وہ پھر حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور آپ سے اس تبدیلی کو واپس لینے کی درخواست کی جو حضرت عمرؓ نے قبول نہیں کی۔ بعد ازاں جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو یہ لوگ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور عرض کی کہ اے امیر المومنین! آپؓ نے اپنی زبان سے سفارش کی تھی اور اپنے ہاتھ سے معاہدہ کی دستاویز لکھی تھی۔ اس پر حضرت علیؓ نے کہا کہ تمہارا بُرا ہو حضرت عمرؓ بڑے معاملہ فہم آدمی تھے۔ (۱) اور انہوں نے جو فیصلہ کیا تھا وہی رہے گا۔

اس واقعہ میں حضرت عمرؓ نے اس فیصلہ کو بدلنے سے انکار کر دیا جو وہ پہلے کر چکے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے کیے ہوئے فیصلے کو بدلنے سے انکار کر دیا۔

متعدد معاملات میں حضرت عمرؓ کی رائے بعد میں تبدیل ہوگئی مثلاً بھائیوں کے ساتھ دادا کے میراث پانے کا مسئلہ اور سگے بھائیوں کو ماں جائے بھائیوں کے ساتھ ثلث میں شریک کرنا جبکہ سگے بھائیوں کے لیے میراث میں کچھ نہ بچا ہو۔ ایسی کوئی روایت ہم تک نہیں پہنچی جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت عمرؓ نے اپنے کسی سابقہ فیصلے کو کالعدم قرار دیا ہو۔ البتہ حضرت عمرؓ نئے پیش آمدہ مقدمات میں اپنے جدید اجتہاد کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے اور سابقہ فیصلہ بعد میں حق ظاہر ہو جانے کی وجہ سے قبولِ حق سے مانع نہیں ہوتا تھا۔ حضرتِ عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ تم نے جو آج فیصلہ کیا ہے اور اس میں تم نے اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کیا ہے پھر حق تمہارے سامنے ظاہر ہوگیا تو کوئی بات تمہیں اس سے مانع نہیں ہونی چاہیے کہ تم حق کی جانب رجوع کر لو، کیونکہ حق قدیم ہے، اسے کوئی شے باطل نہیں کر سکتی اور حق کی طرف رجوع کر لینا باطل پر سکتی اور حق کی جانب رجوع باطل پر جمے رہنے سے بہتر ہے۔ (۱)

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے دادی (کی میراث) کے بارے میں مختلف فیصلے کیے۔ (دادارث/ ۵ ب ۵) آپ نے اس عورت کی میراث کے بارے میں فیصلہ کیا جو شوہر، ماں، سگے بھائی اور ماں شریک بھائی چھوڑ کر مری تھی تو آپ نے ثلث میں سگے بھائیوں کو اور ماں شریک بھائیوں کو شریک کر دیا۔ کسی نے کہا کہ آپ نے فلاں سال تو اُن کو شریک نہیں کیا تھا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ ہمارا اُس وقت کا فیصلہ تھا اور یہ ہمارا آج کا فیصلہ ہے۔ (۲) (دادارث/ ۵ ج د)

۱۳۔ ملزم کو اس وقت تک بے گناہ قرار دینا جب تک اس کا جرم نہ ثابت ہو جائے:

حضرت عبداللہ بن عامر سے مروی ہے کہ میں ایک قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب ہم ذالمروہ پہنچے تو میری گٹھڑی چرالی گئی۔ ہمارے ساتھ ایک شخص تھا۔ میرے ساتھیوں نے اُس سے کہا کہ اے فلاں گٹھڑی واپس کر دو۔ اُس نے کہا کہ میں نے نہیں چرائی۔ میں نے واپس آکر حضرت عمرؓ کو واقعہ بتایا۔ آپ نے پُوچھا کہ تم کون کون تھے۔ میں نے آپ کو اُن کی تعداد بتائی۔ اس پر آپ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ وہی ہے، یعنی جس پر میں نے الزام لگایا تھا۔ اس پر میں نے کہا کہ اے امیر المومنین! میں نے تو سوچا تھا کہ اسے بیڑیاں ڈال کر لے آؤں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم ثبوت کے بغیر بیڑیاں ڈال کر لاتے۔ (۳)

---

(۱) سنن البیہقی ۱۰/ ۱۲۰

(۱) سنن البیہقی ۱۰/ ۱۵۰، المغنی ۹/ ۵۹، اعلام الموقعین ۱/ ۸۶

(۲) اعلام الموقعین ۱/ ۱۱۱، المغنی ۹/ ۵۷

(۳) المحلی ۱۱/ ۱۳۲، عبدالرزاق ۱۰/ ۲۱۷

۱۴۔ قصاص اور حدود میں معاف نہ کرنا؛ (دیکھئے جنایت/۵ و ۶) اور (دیکھئے حد/۴)

۲۔ مصادر احکام

(ا) قاضی کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہو تو وہ کتاب اللہ میں اس کا حکم تلاش کرے اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو سنت رسولؐ میں تلاش کرے۔ اگر اس میں بھی نہ ملے تو کسی ہدایت یافتہ خلیفہ مہدی کا اس میں اگر کوئی فیصلہ موجود ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ حضرت عمرؓ نے یہ وضاحت حضرت شریح کے نام ایک مکتوب میں فرمائی۔ آپ نے اس خط میں لکھا کہ اگر تمہارے سامنے کوئی ایسا معاملہ پیش ہو جس کا حکم کتاب اللہ میں موجود ہو تو اُس کے مطابق فیصلہ کرو اور محتاط رہو، کہیں لوگ تمہیں اس سے ہٹا کر کسی اور جانب متوجہ نہ کر دیں۔ اگر اللہ کی کتاب میں اس کا حکم موجود نہ ہو، لیکن سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو تو اُس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر کتاب اللہ اور سنت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں نہ ہو تو ائمہ ہدیٰ کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرو۔[۱] اگر خلفائے راشدین میں سے بھی کسی کا فیصلہ اس کے بارے میں نہ ہو تو ایسے معاملہ کا فیصلہ اس کے نظائر کے ساتھ مطابق کر کے کرو۔ اور یہی وہ طریقہ ہے جسے قیاس کہا جاتا ہے جو ایک انتہائی دقت طلب راستہ ہے جس میں بہت تامل کی ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جب کوئی قضیہ تمہارے سامنے پیش ہو اور اُس کے بارے میں قرآن اور سنت میں حکم موجود نہ ہو تو اس پر خوب غور و فکر کرنے کے بعد اس کو دیگر امور پر قیاس کرو۔ اس کی امثال اور اشباہ دریافت کرو اور پھر جس کے متعلق تمہارا خیال ہو کہ یہ خدا کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اور حق سے زیادہ قریب ہے تو اُسے اختیار کرو۔[۲] اگر قیاس کرنے کا معاملہ بھی مشتبہ ہو اور یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ پیش آمدہ قضیہ کو اس واقعہ پر قیاس کیا جائے یا اُس واقعہ پر تو پھر اہل علم اور اہل تقویٰ میں سے ایسے لوگوں سے مشورہ کرے جو خیر خواہ ہوں۔[۳] حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اپنے دین کے معاملات میں ایسے لوگوں سے مشورہ کرو جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہو۔

اگر پیش آمدہ واقعہ ایسا ہو جس کی پہلے سے کوئی نظیر نہ ہو اور نہ اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ موجود ہو تو قاضی کو چاہیے کہ اس کے بارے میں امیر المومنین کو تحریر کرے، تاکہ وہ اس مسئلہ کو اپنی مجلس شوریٰ میں پیش کرے اور قاضی کو وہ فیصلہ لکھ کر بھیجے جسے وہ حق سمجھتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے قاضی شریح کے نام اپنے خط میں فرمایا کہ اگر کسی معاملے کے بارے کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حکم موجود نہ ہو اور ائمہ ہدیٰ کا کوئی فیصلہ بھی اس کے متعلق موجود نہ ہو تو تمہیں اختیار ہے کہ تم اپنی رائے سے اجتہاد کر دو یا اگر چاہو تو مجھ سے مشورہ کر لو۔ اور میرا خیال ہے کہ تمہارا مجھ سے مشورہ کر لینا ہی تمہارے لیے سلامتی کا حامل ہے۔[۳]

حضرت عمرؓ کے سامنے جب کوئی دعویٰ پیش ہوتا تو آپ قرآن اور سنت میں اس کا حکم تلاش کرتے۔ اگر قرآن و سنت سے راہنمائی نہ ملتی تو آپ دیکھتے کہ اس بارے میں حضرت ابو بکرؓ کا کوئی فیصلہ ہے۔ اگر حضرت ابو بکر کا کوئی فیصلہ موجود ہوتا تو اس کے مطابق عمل کرتے۔ ورنہ سرکردہ مسلمانوں اور علماء کو بلا کر ان سے مشورہ کرتے اور جو سب کی متفقہ رائے ہوتی، اس

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۱۱۰

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۱۵۰، اعلام الموقعین ۱/۸۶ (۲) سنن البیہقی ۱۰/۱۱۲ (۳) سنن البیہقی ۱۰/۱۱۰

کے مطابق فیصلہ کرتے[1]۔ اسی لیے شعبی کہا کرتے تھے جو شخص کسی سابقہ فیصلہ پر اعتماد کرنا چاہے تو وہ حضرت عمرؓ کے فیصلے کو اختیار کرے کیونکہ حضرت عمرؓ مشورہ کرکے فیصلے کیا کرتے تھے[2]

(ب) قاضی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے فیصلے میں ان مذکورہ بالا ماخذ کے علاوہ کسی اور ماخذ پر اعتماد کرے مثلاً تورات اور اس کی شرح۔ اور وہ کتابیں جو لوگوں نے خود لکھی ہوں اور وہ احکام جو انہوں نے خود وضع کیے ہوں خواہ مقدمہ کے فریق مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ چنانچہ زید بن اسلم سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اس نے عرض کی کہ میرا بیٹا مر گیا ہے اور یہود کہتے ہیں کہ اس کی میراث میں میرا کوئی حق نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں بلایا اور ان سے دریافت کیا کہ تم اس کا حق کیوں نہیں دیتے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری کتاب میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا تمہاری مراد تورات ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں 'مثناۃ' مراد ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ 'مثناۃ' کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ ایک کتاب ہے جو ہمارے علماء اور حکماء نے لکھی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں برا بھلا کہا اور انہیں کہا کہ جاؤ اور اسے اس کا حق دے دو۔[3]

۳۔ ثبوت مقدمہ کے دلائل جن پر قاضی اعتماد کر سکتا ہے۔

فیصلہ صادر کرنے میں ثبوت کے جن دلائل پر قاضی اعتماد کر سکتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) اقرار (۱۔ اقرار) تحریر بھی اقرار کی ایک قسم ہے۔

(ب) شہادت (گواہی) (۱۔ شہادت)

۱۔ قاضی کو چاہیے کہ گواہوں کے بارے میں تحقیق کرے کہ آیا وہ گواہی دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اور اگر وہ خود انہیں نہ جانتا ہو تو ان سے ایسے لوگوں کو لانے کا مطالبہ کرے جو انہیں جانتے ہوں۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے کسی شخص نے گواہی دی۔ حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ میں تو تمہیں نہیں پہچانتا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، تم کوئی ایسا شخص لے آؤ جو تمہیں جانتا ہو۔ لوگوں میں سے کسی نے کہا کہ میں اسے جانتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تم اسے کس طرح جانتے ہو، اس نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ شخص عادل اور صاحب فضیلت ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا یہ تمہارا قریبی پڑوسی ہے اور تمہیں اس کے شب و روز اور اس کی آمد و رفت کا علم ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کیا اس نے تمہارے ساتھ درہم و دینار کا لین دین کیا ہے جس سے تم کو اس کی خدا خوفی کا علم ہوتا ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا پھر کیا یہ سفر میں تمہارا ساتھی رہا ہے کہ رفاقت سفر سے مکارم اخلاق کا علم ہوتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم اسے نہیں جانتے۔[1]

۲۔ شہادت قسم (حلف) پر مقدم ہے خواہ یہ شہادت دوسرے فریق کے حلف اٹھانے سے پہلے پیش کی جائے یا اس کے بعد۔ یعنی اگر مدعی نے مطالبہ کیا کہ مدعیٰ علیہ انکار دعویٰ کی صورت میں حلف اٹھائے اور قاضی نے مدعیٰ علیہ سے حلف لے لیا۔ اس کے بعد مدعی اس دعویٰ پر گواہ لے آیا تو اس کے یہ گواہ قبول کیے جائیں گے اور حلف رد ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جھوٹی قسم سچی گواہی کے سامنے رد کیے جانے کے قابل ہے۔[2]

۳۔ شہادت کا مطالبہ مدعی سے کیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے

---

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۱۱۵ (۲) سنن البیہقی ۱۰/۱۰۹
(۳) المحلی ۹/۳۰۷

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۱۲۵، سبل السلام ۴/۱۹۰، المغنی ۹/۶۴
(۲) اختلاف ابی حنیفۃ مع ابن ابی لیلی ۸۰

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام اپنے خط میں لکھا کہ بار ثبوت مدعی پر ہے اور حلف انکار کرنے والے پر۔ (۱)

ج) شاہد اور قسم :

اگر مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو اس کی گواہی کا اعتبار ہوگا۔ اور اس کے ساتھ مدعی قسم کھائے گا۔ حضرت عمرؓ مالی مقدمات میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ دے دیا کرتے تھے۔ (۲)

(د) قسم (حلف)

۱۔ قاضی مدعیٰ علیہ سے اس وقت حلف لے گا جب مدعی بینہ (گواہ) پیش کرنے سے عاجز ہو تو اس صورت میں مدعیٰ علیہ سے حلف اٹھانے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ (د: حلف /۲) اگر مدعیٰ علیہ نے حلف اٹھا لیا تو قاضی اس قسم پر مقدمہ کا فیصلہ کر دے گا۔ حضرت عمرؓ نے وادعہ والوں سے قسامت میں حلف اٹھوانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے حلف اٹھالیے تو آپ نے انہیں خون سے بری کر دیا۔

(د: قسامت /۲ و ب)

حضرت عمرؓ اور حضرت معاذ بن عفراءؓ نے اپنے کسی نزاع میں حضرت ابی بن کعبؓ کو حکم بنایا اور ان کے پاس آئے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو حلف اٹھانے کے لیے کہا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلے کے بعد معاذؓ سے کہا کہ کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں اپنی قسم کی وجہ سے اس شئے کا مستحق ہو گیا ہوں جاؤ یہ تمہاری ہے (۲)

حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس کھجور کے ایک درخت کے بارے میں اپنا دعویٰ لے کر گئے۔ جس کے ابیؓ دعویدار تھے۔ حضرت عمرؓ پر بار قسم آیا تو زیدؓ نے

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۱۵۰، ۱۵۲ (۲) سنن البیہقی ۱۰/۱۶۷ ۔ عبدالرزاق ۸/۴۷۱ ۔ عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت معاذ نے حضرت عمرؓ کو ہبہ کر دیا، لیکن صحیح یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذ کو ہبہ کر دیا۔

کہا کہ امیرالمومنین کو قسم سے معاف رکھیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ امیرالمومنین کو کیوں معاف رکھا جائے۔ اگر میں کسی شئے کے بارے میں جانتا ہوں (کہ میری ہے) تو میں قسم کے ذریعہ اس کا مستحق ہو جاؤں گا ورنہ میں اسے چھوڑ دوں گا۔ میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ یہ کھجور کا درخت میرا ہے اور ابی کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ جب دونوں باہر آئے تو حضرت عمرؓ نے وہ کھجور کا درخت ابی کو ہبہ کر دیا۔ اس پر کسی نے کہا کہ اے امیرالمومنین قسم سے پہلے کیوں نہ دے دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر میں حلف نہ اٹھاؤں تو ہو سکتا ہے کہ میرے بعد دوسرے لوگ بھی اپنے حقوق کے حصوں کے لیے حلف نہ اٹھائیں اور اس طرح یہی طریقہ رائج ہو جائے۔ (۱) حضرت عمرؓ کے طرز عمل میں اس طرح کی مثالیں بہت ہیں۔

۲۔ اگر مدعیٰ علیہ حلف اٹھانے سے انکار کرے تو قاضی حلف مدعی پر لوٹا دے گا اور اگر مدعی نے حلف اٹھا لیا تو وہ اپنے حلف کی بنا پر اس شئے کا مستحق ہو جائے گا جس کا اس نے دعویٰ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ سے حلف کا اس طرح لوٹانا ثابت ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ مقداد بن اسودؓ نے حضرت عثمانؓ سے سات ہزار درہم قرض لیے۔ ادائیگی کے وقت وہ چار ہزار لے کر آئے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ یہ تو سات ہزار تھے۔ مقداد نے کہا کہ نہیں چار ہزار تھے۔ دونوں اپنا مقدمہ لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت مقدادؓ نے کہا کہ اے امیرالمومنین! عثمانؓ قسم کھائیں کہ جس طرح وہ کہہ رہے ہیں یہ رقم اسی قدر ہے تو وہ لے لیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ

(۱) المغنی ۸/۹۸۸، ۹/۲۳۲

اس نے تمہارے ساتھ انصاف کیا ہے۔تم قسم کھالو کہ اتنی ہی رقم تھی جتنی تم کہہ رہے ہو تو رقم لے لو، لیکن حضرت عثمانؓ نے وہی رقم لے لی جو مقداد انہیں دے رہے تھے اور قسم نہیں کھائی اور کہا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں تقدیر کسی آزمائش کو ساتھ نہ لے آئے اور کہا جائے کہ یہ عثمانؓ کی قسم کا نتیجہ ہے۔(۱)

اگر مدعیٰ علیہم قسامت میں حلف نہ اٹھائیں تو قاضی یہ یمین مدعیوں پر لوٹا دے گا۔ (د: قسامت/ ۵ د)

لیکن ابن حزم نے اس امر سے انکار کیا ہے کہ حضرت عمرؓ قسم مدعی پر لوٹا دینے کے قائل تھے۔ (۲)

۳۔ جس پر حلف اٹھانا ضروری ہو گیا ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ پرہیزگاری کی بنا پر اس سے اجتناب کرے۔ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے خود قسم کھائی اور جب وہ شے آپ کو مل گئی جس پر دعویٰ تھا تو آپ خود اس سے دستبردار ہو گئے۔ آپ نے ایک مرتبہ ممبر پر فرمایا اور آپ کے ہاتھ میں عصا تھا کہ اے لوگو دیکھو قسم تمہارے حقوق کے حصول میں رکاوٹ نہ بنے۔قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میرے ہاتھ میں عصا ہے۔ (۳)

۴۔مقام سے قسم میں شدت پیدا کرنا، حضرت عمرؓ مقدمہ کے بعض فریقوں کی قسم میں اس طرح شدت پیدا کرتے تھے کہ کسی ایسے مقام پر ان سے حلف لیتے جہاں اُن کے دلوں پر ہیبت طاری ہو جائے اور وہ جھوٹ بولنے کی جسارت نہ کر سکیں۔ایک مرتبہ آپ نے ایک جماعت سے حجر میں حلف لیا۔(۴) اور ایک شخص سے آپ نے رکن اور مقام کے درمیان کھڑا کر کے حلف لیا۔ (۱)

(ھ) قیافہ، اثبات نسب کے مقدمات میں قیافہ سے کام لینا،

اگر کسی لونڈی سے دو مردوں نے ایک ہی طہر کے زمانے میں جماع کیا ہو اور ان میں سے ہر ایک بچے کا دعویدار ہو تو قیافہ شناس بچے کو دیکھے گا اور وہ جس کے حق میں فیصلہ کرے گا بچہ اُسی کا ہو گا۔ اور اگر قیافہ شناس اس بچے کو دونوں مدعیوں سے ملحق کر دیں تو اس سلسلے میں حضرت عمرؓ سے ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے دونوں کے حق میں فیصلہ کیا اور بچے کو دونوں سے منسوب کر دیا۔مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں ہے کہ دو آدمی ایک بچے کے دعویدار تھے۔ حضرت عمرؓ نے قیافہ شناسوں کو بلایا تو اُنہوں نے کہا کہ بچے کی مشابہت ان دونوں میں اور ان دونوں کی مشابہت بچے میں پائی جاتی ہے۔حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ تم دونوں کا ہے۔تم دونوں اس کے وارث ہو گے اور یہ تم دونوں کا وارث ہو گا۔(۲)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بچے کو اختیار دیا کہ وہ جس کے ساتھ چاہے وابستہ ہو جائے۔چنانچہ روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دو مردوں نے ایک عورت کے ساتھ جماع کیا اور اس کے بچہ پیدا ہوا۔ پھر حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان دونوں نے اس بچے کا دعویٰ کیا۔حضرت عمرؓ نے بنی کعب کے ایک قیافہ شناس کو بلایا اور اس سے کہا کہ اس کو اپنے قیافہ سے دیکھو اور دیکھ کر اپنی رائے دو۔اُس نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو خلافت سے نوازا، یہ دونوں اس میں مشترک ہیں،

(۱) المحلی ۹/ ۳۷۷، المغنی ۸/ ۶۸۰ (۲) المحلی ۹/ ۳۸۱ (۳) المغنی ۸/ ۹۸۱ (۴) سنن البیہقی ۱۰/ ۱۷۶

(۱) المحلی ۹/ ۳۸۲، ۳۸۴، سنن البیہقی ۱/ ۱۵۶
(۲) عبدالرزاق ۷/ ۳۶۰، ابن ابی شیبہ ۳/ ۱۸۷ ب، سنن البیہقی ۱۰/ ۲۶۴، المغنی ۵/ ۷۰۱

حضرت عمرؓ نے اُسے کوڑے سے مارا یہاں تک کہ وہ لیٹ گیا۔ اور اُس سے کہا کہ تمہاری قیافہ شناسی تمہیں غلط رخ پر لے گئی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس عورت کو بلوایا اور اس سے پوچھا تو اُس نے کہا کہ یہ شخص میرے ساتھ جماع کیا کرتا تھا، اور جب خود جماع کرتا تو نگرانی کرتا تھا کہ کوئی دوسرا نہ آئے۔ پھر جب مجھے حمل ٹھہر گیا تو یہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر مجھے کثرت سے خون آیا۔ اس کے بعد یہ (دوسرا) شخص آیا اور اس نے مجھ سے جماع کیا تو اب مجھے پتہ نہیں کہ بچّہ ان میں سے کس کا ہے؛ اس پر کبھی نے کہا کہ اللہ اکبر، قسم بخدا دونوں اس میں شریک ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میری بھی وہی رائے ہے جو تمہاری رائے ہے۔ پھر اس لڑکے سے کہا کہ تم جس کو چاہو اپنا باپ تسلیم کرلو۔ ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ روایت ضعیف ہے اور ہمیں اس کی صحت کا کوئی علم نہیں ہے۔ (۱)

اگر کسی شخص کو بچے کے نسب میں شک ہو کہ یہ بچہ میرا ہے یا نہیں، تو وہ قیافہ شناس سے رجوع کر کے اس کا فیصلہ کرا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پاس ایک باندی تھی، جس سے وہ جماع کیا کرتے تھے، اُنہوں نے وہ باندی استبرا کے بغیر فروخت کر دی۔ خریدار کے پاس اس کا حمل ظاہر ہوا تو معاملہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے دریافت کیا کہ تم اس سے جماع کیا کرتے تھے؟ اُنہوں نے کہا کہ جی ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ پھر تم نے بغیر استبرا اس کو فروخت کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا کہ جی ہاں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پھر آپ نے قیافہ شناسوں کو بلایا۔ اُنہوں نے بچّے کو دیکھ کر اس کا نسب عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ لاحق کر دیا۔ (۱)

(و) قرائن:

قرائن کا باب بہت وسیع ہے اور قرائن سے استنباط کرنے کی مختلف صورتیں ہیں اور مختلف قاضی اس کے لیے متعدد طریقے اختیار کرتے ہیں؛ چنانچہ حمل ہونا بھی ایک قرینہ شمار کیا جاتا ہے اور جس عورت کا نکاح نہ ہوا ہو اس کا حمل زنا کے لیے قوی قرینہ ہے۔ اسی طرح چھ ماہ سے کم مدت میں بچے کی پیدائش یا مدتِ حمل سے زائد مدت میں بچہ پیدا ہونا بھی قرینہ ہے۔ (دہ زنا/ ۹ ج) اسی طرح دو انسانوں کا اس طرح مردہ پایا جانا کہ ان میں ایک اُوپر ہو اور دوسرا نیچے۔ اس امر کا قرینہ ہے کہ جو نیچے ہے وہ پہلے مرا ہے اور جو اُوپر ہے وہ بعد میں مرا ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ طاعون عمواس میں اگر کسی مرنے والے کا ہاتھ یا پیر دوسرے مرنے والے کے اُوپر پاتے تو اُوپر والے کو نیچے والے کا وارث قرار دیتے اور نیچے والے کو اُوپر والے کا وارث قرار نہ دیتے (۲) شراب کے قوی قرائن میں سے یہ امر ہے کہ قے میں شراب کی بُو پائی جائے۔ حضرت عمرؓ جس کی قے میں شراب کی بُو پاتے اس پر حد جاری کرتے۔ (دہ اشربہ/ ۱ و ۱)

(ز) قاضی کا جاننا:

۱۔ قاضی کا کسی جرم کے بارے میں ذاتی طور پر جاننا حد نافذ کرنے کیلئے ایسی قابلِ اعتماد دلیل نہیں ہے کہ اس کی بنا پر ملزم کے خلاف

---

(۱) المحلی ۱۰/ ۱۵۱، المحلی ۲/ ۴۰۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۷ ب، مصنف عبدالرزاق ۷/ ۳۶۰، ۳۶۱، سنن البیہقی ۱۰/ ۲۶۳، المغنی ۵/ ۶۹۷، ۷۰۱

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۱۷، ۲۲۹ ب، سنن البیہقی ۱۰/ ۲۶۳، المغنی ۷/ ۵۱۵ (۲) سنن البیہقی ۶/ ۲۲۲

سزا کا فیصلہ صادر کر دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو لکھا کہ امام (قاضی) اپنے علم، گمان یا شبہ پر فیصلہ نہ کرے۔ (۱) اور آپ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا کہ اگر میں کسی کو قتل کرتے یا چوری کرتے یا زنا کرتے دیکھوں تو تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا کہ آپ کی شہادت اسی طرح ہو گی جیسی عام مسلمانوں میں کسی کی شہادت۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم نے درست کہا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے کہا کہ اگر تم قاضی یا والی ہو۔ پھر تم کسی شخص کو حد کے مجرم کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھو کیا تم اس پر حد قائم کر دو گے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، جب تک میرے سوا ایک اور شخص گواہی نہ دے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ درست کہتے ہیں اور اگر تم اس کے سوا کہتے تو درست نہ ہوتا۔ (۳)

اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں جو یہ روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ گھوڑوں کے ملاحظہ کے لیے گئے۔ وہاں آپ نے ایک شخص کو نشہ کی حالت میں پایا۔ اسی اثنا میں ابن ابی ملیکہ بھی آ گئے، جن کو حضرت عمرؓ نے اقامت حدود پر مقرر کر رکھا تھا۔ آپ نے ان سے کہا کہ صبح ہو جائے تو اس پر حد نافذ کر دینا۔ تو اس روایت کا مطلب اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابن ابی ملیکہ کو حد جاری کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کے نشہ میں ہونے کی شہادت نہیں دی اور یہ کہ آپ کے ساتھ کسی اور نے اس کو نشہ کی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ ایسا ہی تھا تو جس وقت ابن ابی ملیکہ آئے، اس وقت بھی وہ شخص نشہ میں تھا تو یہ ابن ابی ملیکہ اس کے نشہ میں ہونے کے دوسرے گواہ ہو گئے، جس کی بناء پر حضرت عمرؓ نے حد قائم کرنے کا حکم دیا۔

۲۔ حدود کے علاوہ دیگر مقدمات: حضرت عمرؓ سے اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں کہ حدود کے علاوہ دیگر مقدمات میں قاضی کا علم ایسی حجت ہے کہ اگر قاضی کے سامنے کوئی اور دلیل نہ ہو تو وہ اپنے علم پر اعتماد کر کے فیصلہ صادر کر سکتا ہے؟ المحلی میں ہے کہ الضحاک سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس کسی شے کے بارے میں مقدمہ پیش ہوا جس کے بارے میں حضرت عمرؓ جانتے تھے۔ آپ نے مطالبہ کرنے والے سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں گواہی دے دوں اور فیصلہ خود نہ کروں اور چاہو تو فیصلہ کر دوں اور گواہی نہ دوں۔ (۱) غرض حضرت عمرؓ نے اپنے علم کی بنا پر فیصلہ نہیں کیا۔

اور المغنی میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک واقعہ میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ کیا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ بنی مخزوم کے ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے پاس ابوسفیانؓ بن حرب کی شکایت کی کہ انہوں نے فلاں مقام پر (جگہ کی) حد بندی میں اس پر ظلم کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں اس مقام سے بخوبی واقف ہوں اور غالباً جب تم اور میں بچے تھے تو ہم وہاں کھیلتے بھی رہے ہیں۔ ابوسفیان کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ وہ ابوسفیانؓ کو بلا لائے تو حضرت عمرؓ نے ابوسفیانؓ سے کہا کہ اے ابوسفیانؓ یہ پتھر یہاں سے اٹھا کر یہاں رکھو۔ انہوں نے کہا کہ قسم بخدا

---

(۱) عبدالرزاق ۸/۳۴۲ (۲) سنن البیہقی ۱۰/۱۴۴، عبدالرزاق ۸/۳۴۰، المحلی ۹/۴۲۷، خراج ابی یوسف ۲۱۲ (۳) ابن ابی شیبہ ۲/۱۳۵

(۱) عبدالرزاق ۸/۳۴۲

میں نہیں کروں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ قسم بخدا تم ضرور کروگے۔ انہوں نے پھر کہا کہ قسم بخدا میں نہیں کروں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کوڑا اٹھالیا اور کہا کہ تمہاری ماں نہ رہے، اس پتھر کو یہاں سے اٹھاکر یہاں رکھو، مجھے پتہ ہے کہ تم ہمیشہ سے ظلم کرتے آئے ہو؛ چنانچہ ابوسفیان نے وہ پتھر اٹھاکر وہاں رکھ دیا جہاں حضرت عمرؓ نے کہا تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے قبلہ رو ہوکر کہا کہ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ میری موت اس وقت تک نہیں آئی جب تک میں ابوسفیانؓ کی رائے پر غالب نہیں آگیا اور میں نے اس کو اسلام کے سامنے سرنگوں نہیں کردیا۔ اس پر ابوسفیانؓ نے قبلہ رُخ ہوکر کہا کہ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تُو نے مجھے اُس وقت تک موت نہیں دی جب تک میرے دل میں وہ بات نہ ڈال دی جس کی وجہ سے عمرؓ نے مُجھکایا ہے۔ (۱)

میں کہتا ہوں کہ مذکورہ بالا ہر دو واقعات ایسے ہیں کہ ان میں کلام کیا گیا ہے۔

۴۔ قاضی کے جاری کردہ فیصلے:

قاضی کے جاری کردہ فیصلے مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں مثلاً:

(الف) احکامِ شریعت بروئے کار لانے کے لیے کسی عقد کے کرنے یا کسی عقد کو ختم کرنے پر مجبور کرنا یا کسی عمل کے کرنے یا کسی عمل کو نہ کرنے کا پابند بنانا۔ (دیکھئے اجبار)

(ب) سزائیں جاری کرنا۔ اور یہ سزائیں تین قسم کی ہیں۔

۱۔ حدود (دیکھئے حد) ۲۔ تعزیرات (دیکھئے تعزیر) ۳۔ اور قصاص (دیکھئے جنایات/۵ و)

۵۔ فریقین مقدمہ:

قاضی فریقین مقدمہ کے درمیان فیصلہ کرسکتا ہے خواہ دونوں فریق قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں یا نہ ہوں۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے صحیح منقول روایت یہی ہے کہ آپ نے غائب (غیر حاضر شخص) کے خلاف بھی فیصلہ سُنایا۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ حق اُس کے ذمہ ہے اور صحابہ میں سے کسی ایک سے اس کی مخالفت صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔ (۱)

۶۔ قضا کی جگہ:

(الف) قضا کی مجالس مسجد میں منعقد ہوا کرتی تھیں اور حضرت عمرؓ مسجد ہی میں فیصلہ کرتے تھے۔ البتہ جب کوئی جسمانی سزا جاری کرنی ہوتی، مثلاً کوڑے مارنا اور قطع ید وغیرہ تو مجرم کو مسجد سے باہر لاکر اس پر سزا جاری کی جاتی۔ ایک شخص کسی جرم میں حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اسے مسجد سے باہر لے جاؤ اور کوڑے لگاؤ۔ (۲)

لیکن اگر کسی مقدمہ میں کوئی فریق حائضہ عورت یا نفاس والی عورت ہو تو اس کا مسجد میں داخلہ ممنوع ہی رہے گا۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے اپنے آخری ایام میں قاسم بن عبدالرحمٰن کو لکھا کہ مسجد میں فیصلے نہ کر کیونکہ تمہارے پاس حائضہ عورتیں بھی آتی ہیں اور جنبی بھی آتے ہیں۔ (۳)

(ب) قاضی کا فیصلہ صادر کرنے کے لیے فریقین مقدمہ کے پاس جانا جائز نہیں ہے الا یہ کہ کوئی ضرورت اس امر کی داعی ہو؛ جیسا کہ ہم نقل کرچکے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ فیصلہ

(۱) المحلی ۹/۴۲۷، المغنی ۹/۵۴

(۱) المحلی ۹/۳۶۹ (۲) البخاری، الاحکام، باب من حکم فی المسجد، عبدالرزاق ۸/۳۲۹، ۱۰/۲۳، المغنی ۹/۴۵، ۸/۳۱۴، المحلی ۱۱/۱۲۳
(۳) المغنی ۹/۴۵ (۴) اخبار القضاۃ ۱/۱۰۸، المحلی ۹/۳۸۱
سنن البیہقی ۱۰/۱۳۹، المغنی ۹/۸۰

کرانے خود حضرت زید بن ثابت کے پاس گئے اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ انہی کے گھر میں فیصلہ ہوگا۔ (۴) اسی طرح حضرت عمرؓ معاذ بن عفراءؓ کے ساتھ فیصلے کے لیے حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس گئے اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ فیصلہ ان کے گھر میں ہوگا۔ (۱)

قضاء الفوائت

(جو فرائض اپنے مقررہ وقت پر انجام نہ دیے جاسکیں ان کو بعد میں ادا کرنا)

۱۔ قضاء الصلوۃ (نماز کی قضا)

مجنون اور بے ہوش کی ان نمازوں کی قضا جن کے اوقات میں وہ مجنون یا بے ہوش تھا۔ (د: قضا/اج)

ایسی فرض نمازوں کی قضا جن کے اوقات مقرر ہیں۔ (د: صلاۃ/۵)

نماز کے اُن ارکان کی قضا جن کو ادا کرنا بھول جائے۔

(د: صلاۃ/۱۶ و ۳)

صلاۃ الوتر کی قضا (د: صلاۃ/۳د)

نماز تہجد کی قضا (د: صلاۃ/۲۰ج ۴ ب)

مسبوق کی جو نماز رہ گئی ہو اس کی ادائیگی۔ (د: صلاۃ/۱۸ج ۴)

۲۔ قضاء الصیام (روزوں کی قضا)

رمضان کے روزوں کی قضا (د: صیام/۸)

نفلی روزہ اگر توڑ دے تو اس کی قضا

(د: صیام/۹)

قضاء الدین (قرض کی ادائیگی) (د: دین/۶)

عبدالرزاق، ۸/۴۷۱

قطع الطریق (راہزنی)

دیکھیے (حرابہ)

قلنسوۃ (ٹوپی)

وضو میں ٹوپی پر مسح (د: وضو/۶د)

قنوت

فجر اور وتر کی نمازوں میں اور مصائب کے وقت قنوت

(د: صلاۃ/۱۴)

قود (قصاص)

(دیکھیے: جنایت/۵د)

قوامۃ

۱۔ تعریف:

قوامۃ کے معنی ہیں حفاظت کرنا، پاسداری کرنا اور نگرانی کرنا۔

۲۔ احکام:

(د: حضانت) اور (ولایت)

قیئ

قیئ کی ناپاکی (د: نجاست/اب ۲)

قیئ سے وضو کا ٹوٹنا (د: وضو/۷د)

قیافۃ

۱۔ تعریف :

قیافہ سے مراد ہے بچے میں باپ کے آثار و علامتیں تلاش کرنا تاکہ معلوم ہو سکے کہ بچہ اسی باپ کا ہے یا کسی اور کا۔

۲۔ قیافہ کا قانوناً ایسا ثبوت شمار ہونا کہ قاضی اس کی بنا پر فیصلہ صادر کر سکے۔ (د: قضاء/۳-ھ)

۳۔ قیافہ سے نسب کا اثبات : (د: نسب/۲-ج)

قیلولہ

۱۔ تعریف :

دوپہر کے وقت سونے کو قیلولہ کہا جاتا ہے۔

۲۔ قیلولہ کی ترغیب : (د: نوم/۲)

کافر

دیکھیے : کفر

کبر (تکبّر)

حضرت عمرؓ متکبر شخص کو سیدھا کرنے میں کبھی سستی نہیں کرتے تھے ۔ چنانچہ عکرمہ بن خالد سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس اُن کا ایک بیٹا آیا جس نے بالوں میں کنگھی کر رکھی تھی اور عُمدہ لباس پہنا ہوا تھا ۔ حضرت عمرؓ نے اُسے کوڑے سے مارا یہاں تک کہ وہ رونے لگا ۔ یہ دیکھ کر حضرت حفصہؓ نے کہا کہ یہ لڑکا بدکار تو نہیں ہے جو آپ اسے مار رہے ہیں ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ اس میں خود پسندی پیدا ہو گئی ہے، اس لیے میں نے چاہا کہ اسے اس کی نگاہ میں چھوٹا کر دوں ۔ (۱)

کتابت

غلام کا اپنے مالک سے یہ معاہدہ کرنا کہ میں اس قدر مال کی ادائیگی پر آزاد ہو جاؤں گا ۔ (د ۔ رق/۳)

(۱) عبدالرزاق ۱۰/۴۱۶

کتابی (اہلِ کتاب)

۱ ۔ تعریف :

کتابی وہ شخص ہے جو ایسے دین کا پیروکار ہو، جس کی اصل کوئی آسمانی کتاب ہو ۔ اہلِ کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں ۔ فرقہ سامرہ سے تعلق رکھنے والے بھی یہودیوں ہی میں شمار ہوتے ہیں ۔ چنانچہ روایت ہے کہ کسی عامل نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ہمارے یہاں کچھ لوگ ہیں جنہیں 'سامری' کہا جاتا ہے ۔ یہ لوگ تورات پڑھتے ہیں، سبت کا دن مناتے ہیں مگر روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ۔ اے امیرالمؤمنین ان کے ذبیحہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ۔ حضرت عمرؓ نے جواباً تحریر کیا کہ یہ اہلِ کتاب کا ایک فرقہ ہے ۔ (۱)

۲ ۔ اہلِ کتاب کے احکام :

اہلِ کتاب کے ساتھ عقدِ ذمہ (د ۔ ذمہ)

اہلِ کتاب کے ذبائح کا کھانا (د ۔ ذبح/۳ ر)

مسلمانوں کے لیے اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اگرچہ مکروہ ہے ۔ (د ۔ نکاح/۴ و ۲ ز)

کتابیہ لونڈی سے نکاح کی ممانعت (د ۔ نکاح/۴ و ۲ ز)

(۱) عبدالرزاق ۱۸۷/۷

باقی احکام میں اہلِ کتاب کافروں کی مثل ہیں۔ (د کفر)

کذب (جھوٹ)

۱۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ شخص کامیاب ہوگیا جو ہوائے نفس، طمع اور غصہ سے بچا رہا اور جس بات میں سچائی نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ (۱)

۲۔ تعریض (اشارہ کنایہ)

حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ مجبوری کی حالت میں آدمی اشارہ یا کنایہ سے کام لے کر جھوٹ سے بچ سکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اشارے اور کنایے میں کچھ ایسے پہلو ہیں جو انسان کو جھوٹ سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ (۲) اور تعریض یعنی اشاروں کنایوں سے کام لینا جھوٹ نہیں ہے۔

کسوف (سورج گہن)

(دیکھیے: صلاۃ / ۲۰ ج ۲)

کِسوۃ (لباس)

کفارے میں کپڑے دینا (د کفارہ / ۳ ب)

غلافِ کعبہ (د کعبہ / ۳)

کعبہ

۱۔ تحیۃ الکعبہ (کعبہ کا سلام)

تحیۃ الکعبہ کی دو صورتیں ہیں:

(الف) سلام کے ذریعے۔

حضرت عمرؓ جب کعبہ کو دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ۔

(اے اللہ تیری ذات سلامتی ہے اور سلامتی تجھ ہی سے ہے پس تو ہمیں اے ہمارے رب سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ) (۱)

(ب) طواف کے ذریعے،

حضرت عمرؓ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے کعبہ کا طواف کرتے[۲] (د حج / ۸)

۲۔ کعبۃ اللہ کے گرد طواف:

حاجی کعبہ کے گرد تین طواف کرتا ہے۔ پہلا طواف قدوم (د حج / ۸) دوسرا طواف افاضہ (د حج / ۱۱ د) اور تیسرا طوافِ وداع (د حج / ۱۶) اور عمرہ کرنے والا بھی طواف کرتا ہے۔ (د عمرہ)

۳۔ غلافِ کعبہ:

کعبۃ اللہ پر سال میں ایک مرتبہ غلاف چڑھایا جاتا ہے حضرت عمرؓ نے کعبہ پر قباطی (مصر کا ریشمی کپڑا) اور حبرات (یمن کی پھولدار چادر) کا غلاف چڑھایا، اور کعبۃ اللہ کا غلاف جب اتارا جائے تو اسے فروخت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ حضرت عمرؓ ہر سال کعبۃ اللہ کا غلاف اتار کر اسے حاجیوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے (۳)

۴۔ کعبہ میں موجود مال:

لوگ کعبۃ اللہ کو ہدیہ دیا کرتے تھے اور فئے میں سے بھی اللہ تعالیٰ کا حصہ نکالا جاتا تھا وہ اس طرح کہ فئے کے مال میں سے ایک مٹھی بھر کر اسے کعبہ کے لیے رکھ دیتے۔ یہ مال کعبہ کے مصالح مثلاً غلاف سازی، کعبہ کی صفائی اور اسی طرح کے دیگر

(۱) عبدالرزاق، ۱۱/ ۱۶۲ (۲) سنن البیہقی، ۱۰/ ۱۹۹

(۱) سنن البیہقی ۵/ ۷۳، (۲) المغنی ۳/ ۳۷۰ (۳) المجموع ۷/ ۴۳۹

امور میں صرف کیا جاتا تھا۔ ہر سال اس مال میں سے کچھ نہ کچھ بچ رہتا تھا۔ حضرت عمرؓ یہ سوچا کرتے تھے کہ کعبہ کا یہ زائد مال لے کر فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیں اور اس سے محتاجوں کی ضرورت پوری کر دیں، لیکن حضرت عمرؓ کو ایسا کرنے میں یہ امر مانع تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے ایسا نہیں کیا، حالانکہ ان کے زمانے میں یہ مال بہت کثرت سے تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ میں کعبہ میں کوئی سونا چاندی نہ رہنے دوں اور سب تقسیم کر دوں۔ شیبہ بن عثمان نے کہا کہ آپ کے دو پیش رو تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ، ان دونوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا یہی دونوں تو وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کی میں پیروی کر رہا ہوں۔(۱)

۵۔ کعبہ کی قسم کھانا:

کعبہ کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ (د: حلف/۲و)

۶۔ کعبہ کے پاس لے جا کر قسم کھلوانا اور اس طرح حلف میں شدت پیدا کرنا۔ (د: قضا/۳د۴)

کفاءۃ (کفو ہونا)

نکاح میں کفو کا لحاظ رکھنا (د: نکاح/۴ج۱)

کفّارہ

۱۔ تعریف:

مسلمان سے جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو تلافی گناہ کے لیے شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرنا کفارہ کہلاتا ہے۔

۲۔ کن گناہوں کا کفارہ لازم ہے:

وہ گناہ جن پر کفارہ لازم ہے درج ذیل ہیں

(الف) قتل:

اس کا کفارہ ایک مومن غلام کا آزاد کرنا ہے۔ اگر وہ میسر نہ ہو تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا (د: جنایت/۵ج) اگر مقتول جنین ہو تو دیکھیے (اجہاض/۳ب)

(ب) قسم توڑ دینا:

اس کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر غلام میسر نہ ہو تو دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے پہنانا۔ اگر یہ استطاعت بھی نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھنا۔ (د: حلف/۴)

(ج) وہ نذر جس کے پورا کرنے کی طاقت نہ ہو اور نذر معصیت ان دونوں کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا ہے۔ (د: نذر/۵)

(د) ظہار:

ظہار کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر غلام آزاد نہ کر سکے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ اگر روزے بھی نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ (د: ظہار/۴)

(ھ) رمضان میں عذر کے بغیر روزہ توڑ دینا۔ (د: صیام/۹)

(و) حج میں احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرنا۔

(د: حج/۲۱، ۲۲، ۳و-۲۶د)

(ز) حائضہ عورت سے مجامعت کرنے پر کفارہ نہیں ہے۔

(د: حیض/۲د)

۳۔ کفارہ میں کیا واجب ہے:

کفارہ میں امور ذیل میں سے کوئی ایک امر واجب ہوتا ہے۔ غلام آزاد کرنا یا کپڑا پہنانا یا کھانا کھلانا یا روزہ رکھنا یا جانور کی قربانی دینا یا ان کے علاوہ کوئی اور مناسب حال امر۔

---

(۱) سنن البیہقی ۱۵۹/۵

(الف) غلام آزاد کرنا :

قتل، ظہار اور قسم توڑنے کے کفارہ میں غلام آزاد کرنا واجب ہے۔ پھر قتل کے کفارے میں جو غلام آزاد کیا جائے اس کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے چنانچہ قتل کے کفارہ میں کافر غلام آزاد کرنا کافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ سورۂ نساء میں فرمانِ الٰہی ہے :

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

(النساء : ۹۲)

(اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اُس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے، الا یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں ۔ لیکن اگر وہ مُسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دُشمنی ہو تو اس کا کفارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے اور اگر وہ کسی ایسی غیر مُسلم قوم کا فرد تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اُس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔)

ظہار اور قسم توڑنے کے کفارہ کے سلسلے میں ہمیں کوئی صریح نص نہیں ملی جس سے معلوم ہو کہ حضرت عمرؓ اس میں بھی مسلمان غلام آزاد کرنا ضروری خیال کرتے تھے، البتہ حضرت عمرؓ یہ پسند فرماتے تھے کہ آزاد کیا جانے والا غلام ولد زنا نہ ہو، چنانچہ آپؓ نے فرمایا کہ میں کسی کو اللہ کی راہ میں دو جوتیاں پہناؤں، میرے نزدیک یہ اس سے بہتر ہے کہ ولد زنا کو آزاد کر دوں۔ (۱)

(ب) کپڑا پہنانا :

یہ قسم توڑنے کے کفارہ میں واجب ہے۔

کپڑا پہنانے کی کم از کم مقدار یہ ہے کہ ہر حاجت مند کو اس قدر کپڑا دیا جائے جو نماز دُرست ہونے کے لیے کافی ہو، لیکن کفارہ میں کپڑے کی قیمت دینا جائز نہیں ہے۔ (۲)

(ج) کھانا کھلانا :

یہ قسم توڑنے اور ظہار کے کفارے میں واجب ہے۔

کھانے کی کم از کم مقدار جو کفارہ میں دی جائے وہ ایک صاع کھجور یا جو یا نصف صاع گندم ہے۔ حضرت عمرؓ نے یسار بن نمیر سے کہا کہ میری طرف سے ایک صاع کھجور یا جَو یا نصف صاع گندم کھانے کے لیے دے دو۔ (۳) اس میں بھی کھانے کی قیمت دینا جائز نہیں ہے۔ (۴)

(د) روزے :

قتل، اسقاطِ حمل، ظہار اور قسم توڑنے کے کفارہ میں روزے رکھنا واجب ہے، لیکن ہمیں رمضان کا روزہ بغیر عذر توڑنے کے کفارہ کے بارے میں حضرت عمرؓ سے کوئی صریح نص نہیں ملی۔ (دیکھئے : کفارہ/۲) قرآن کریم میں قتل اور ظہار کے کفارہ میں مسلسل روزوں کا حکم آیا ہے۔ چنانچہ قتل کے بارے میں سورۂ نساء میں ارشاد ہے کہ :

فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ

(النساء : ۹۲)

---

(۱) سنن البیہقی ۱۰/۵۹، عبدالرزاق ۹/۱۸۱، ابن ابی شیبہ ۱/۱۶۰ ب (۲) المغنی ۸/۷۳۸ (۳) عبدالرزاق ۸/۵۰۷، سنن البیہقی ۱۰/۵۵، المحلی ۸/۷۳، المغنی ۷/۳۷۰، تفسیر الطبری ۱۰/۵۳۵ (۴) المغنی ۸/۷۳۸

(پھر جو غلام نہ پائے وہ پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے، یہ اس گناہ پر اللہ سے توبہ کرنے کا طریقہ ہے۔)

اور سورۃ المجادلہ میں کفارہ ظہار کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا (المجادلہ: ۴)

(اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے، قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں)

قسم توڑنے کے کفارہ میں جو روزے رکھے جاتے ہیں اُن کے بارے میں ہمیں کوئی صریح نص نہیں ملی جس سے معلوم ہو کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک ان کا مسلسل ہونا واجب ہے۔

(ھ) جانور کی قربانی:

جانور کی قربانی اس پر واجب ہے جس نے حج کے احکام میں سے کسی حکم کی خلاف ورزی کی ہو۔ (د: حج / ۲۱، ۲۲ و ۳)

(و) حاجی حالتِ احرام میں اگر کوئی جانور شکار کرے تو کفارہ میں اس جانور کا مماثل جانور بدلہ میں دینا۔ (د: حج / ۶ د ۵)

کُفر

۱۔ تعریف:

کافر وہ شخص ہے جو اللہ پر محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان امور پر ایمان نہ رکھتا ہو جو ایمان باللہ اور ایمان بالرسولؐ کی بنا پر لازم آتے ہیں۔ اگر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر کوئی شخص اس ایمان کو چھوڑ دے تو اُسے ہم مرتد کہتے ہیں اور مرتد بھی کافر ہیں۔

۲۔ وہ اُمور جن سے کافر مسلمان شمار ہوتا ہے۔ (د: اسلام/۴)

وہ امور جو مسلمان کو اسلام سے خارج کر کے کفر کی جانب لے جاتے ہیں اور اس سے متعلقہ احکام (د: ردّہ)

یہ جائز نہیں ہے کہ کافر کو مسلمانوں پر کسی قسم کی ولایت حاصل ہو۔ (د: امارہ / ۲ ب) و (قضاء / ۱ ھ ۱) و (حضانت / ۳ ب) و (نکاح / ۳ و ۱)

ایسی کافر عورت کو جو کسی مسلمان کے نطفہ سے حاملہ ہو، مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کا حکم (د: موت / ۱۰ ب)

کفر مانع ارث ہے لہٰذا نہ کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے۔ (د: ارث / ۴ ل)

کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف قابلِ قبول نہیں ہے۔ (د: شہادت / ۱ ۲)

کافر کے ساتھ عقد ذمہ کرنا اور اس پر جو حقوق اور واجبات مرتب ہوتے ہیں۔ (د: ذمہ)

کافر کا ایسا نام نہ رکھنا چاہیئے جس سے اُس کی رفعت ظاہر ہو۔ (د: اسم)

حربی کافر تاجروں کا ٹیکس ادا نہ کرنا (د: عشر / ۷ و ۳)

کافروں سے مشابہت پیدا کرنے کی ممانعت (د: تقلید - لباس / ۱ ج)

کافروں سے کسی قسم کی مشابہت پیدا ہو جانے پر نماز کا مکروہ ہونا۔ (د: صلاۃ / ۱۰ ب)

کافر کو زکوۃ دینا (د: زکوۃ / ۸ ج)

مسلمان کا دوسری کافر عورتوں کے علاوہ کتابی کافر عورت سے نکاح کرنا (د: نکاح / ۴ ب ۱)

کافر کی طلاق (د: طلاق / ۴ و)

دو کافروں کے جھگڑے میں مسلمان قاضی کا فیصلہ کرنا (د: قضاء / ۲ ب)

مسلمان کی کافر پہ جنایت اور اس کی سزا۔
(د ؛ جنایت / ۳ ب ۱)

کافر کی دیت (د ؛ جنایت / ۵ ب ۳ د)

کافر کا ذبیحہ (د ؛ ذبح / ۳ د)

کافر کا مسلمانوں کی مسجد میں داخل ہونا۔
(د ؛ مسجد ۴ د۔ امارہ ۴ ب)

کافر کی امان کا درست نہ ہونا (د ؛ امان / ۳ د)

مسلمان عورت کا کافر عورت سے پردہ کرنا (د ؛ حجاب / ۱ د)

کافر محصن نہیں ہے (د ؛ احصان / ۱ د)

حرم مکہ میں کافروں کا داخلہ ممنوع ہے (د ؛ مکہ / ۷ د)

مدینہ میں کافروں کا تین دن سے زیادہ قیام منع ہے۔ (د ؛ مدینہ / ۲)

کافروں کے ساتھ اُن کی عیدوں میں شریک ہونا اور اُن کو مبارکباد دینا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کے دشمنوں سے اُن کے عید کے ایام میں احتراز کرو۔ (۱)

مسلمان کا کافر کو ہبہ کرنا۔ (د ؛ ہبہ / ۳ ب)

کفن

وہ کپڑے جن میں مُردہ کو لپیٹا جاتا ہے کفن کہلاتے ہیں۔

کفن کے احکام (د ؛ موت / ۶)

کلالہ

حضرت ابوبکرؓ کی رائے یہ تھی کہ کلالہ وہ ہے جس کا نہ باپ زندہ ہو اور نہ اولاد ہو، جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو آپ کی رائے یہ ہوئی کہ کلالہ وہ ہے جو بے اولاد ہو (۲) جس وقت آپ کو

(۱) سنن البیہقی ۹/۲۳۴ (۲) المغنی ۶/۱۶۸

برچھا مارا گیا اس وقت تک آپ اسی رائے کے قائل رہے لیکن برچھا مارا جانے کے بعد آپ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا اور حضرت ابوبکرؓ کی رائے اختیار کر لی کہ کلالہ وہ ہے جس کا نہ باپ زندہ ہو اور اولاد نہ ہو (۱) شعبی نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ کا قول تھا کہ کلالہ وہ ہے جس کا نہ باپ زندہ ہو اور نہ اولاد ہو۔ اور حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ کلالہ وہ ہے جو بے اولاد ہو۔ پھر جب آپ کو برچھا مارا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ میں اس معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت کروں۔ کلالہ وہ ہے جس کا نہ باپ زندہ ہو اور نہ اولاد ہو۔ (۲) اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا گزرا ہے کہ میں نہیں جانتا تھا کہ کلالہ کیا ہے، اب معلوم ہوا کہ کلالہ وہ ہے جس کا نہ باپ زندہ ہو اور نہ اولاد ہو۔ (۳) لہٰذا ہم اس روایت کو جو امام احمد نے اپنی مسند میں نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جان لو کہ میں نے کلالہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا (۴) اس دور کے قول پر محمول کریں گے جس میں آپ نے کلالہ کے بارے میں کوئی قطعی رائے اختیار نہیں کی تھی۔

اور ابن ابی شیبہ نے جو یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ میں وہ شخص ہوں جو حضرت عمرؓ سے سب سے آخر میں ملا اور میں نے اُن کو کہتے ہوئے سُنا کہ کلالہ وہ ہے جو بے اولاد ہو۔ (۵) تو اس روایت کو عبدالرزاق وغیرہ نے

(۱) سنن البیہقی ۶/۲۲۳، المغنی ۶/۱۶۸، عبدالرزاق ۱۰/۳۰۴
(۲) عبدالرزاق ۱۰/۳۰۴، سنن البیہقی ۶/۲۲۳، ۲۲۴ تفسیر الطبری ۱۰/۵۴ (۳) سنن البیہقی ۶/۲۲۴
(۴) مسند الامام احمد ۱/۲۰ (۵) ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۹۔

ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ میرا حضرت عمرؓ سے تعلق کا زمانہ صحابہ میں سب سے بعد کا زمانہ ہے اور مجھ سے حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم کلالہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا کہ آپ کیا کہتے ہیں؛ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جو بے اولاد ہو اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے کہا کہ جو بے باپ ہو۔ (۱) گویا حضرت ابن عباسؓ کو شک ہے کہ حضرت عمرؓ نے کیا کہا تھا اور یہ شک اس بات سے صاف ہو جاتا ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کے برچھا مارا گیا، اس کے بعد آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کی جانب رجوع کر لیا تھا۔

کلام

مسجد میں باتیں کرنا (د: مسجد / ۷ ج ذ)

اذان اور اقامت کے درمیان گفتگو کر کے فصل کرنا۔ (د: صلاۃ / ۱۱ ب)

خطبہ کے دوران خطیب کا کلام کرنا (د: صلاۃ / ۱۹ د)

طواف کے دوران کلام کرنا (د: حج / ۸)

کلب (کتا)

کتے کا جھوٹا (د: ماء / ۲ ب)

کنز (خزانہ)

۱۔ کنز سے مراد ایک تو وہ مال ہے جو کسی کو زمین میں مدفون ملے اور اس کے مالک کا علم نہ ہو (د: رکاز)

۲۔ کنز کے دوسرے معنی: وہ مال جو جمع کر کے ذخیرہ کر لیا گیا ہو۔ (د: زکوۃ / ۲)

کنیسہ

۱۔ تعریف:

کنیسہ سے ہماری مراد یہاں غیر مسلموں کی عبادت گاہیں ہیں۔

۲۔ مسلمانوں کے علاقوں میں کنیسہ کی تعمیر (د: ذمہ / ۲ و ۲ ج)

۳۔ مسلمان کا کنیسہ میں جانا:

کافروں کی عید کے دن مسلمان کا اُن کے کنیسہ میں جانا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس دن اُن پر اللہ کی ناراضگی نازل ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کافروں کی عید کے دن اُن کے کنیسہ میں نہ داخل ہو، کیونکہ اس دن اُن پر اللہ کی ناراضگی نازل ہوتی ہے۔ (۱)

۴۔ کنیسہ میں مسلمان کا نماز پڑھنا (د: صلاۃ / ۲ ل ۲)

---

(۱) عبدالرزاق ۱۰/ ۳۰۴، سنن البیہقی ۶/ ۲۲۵

(۱) عبدالرزاق ۶/ ۴۱۱، سنن البیہقی ۹/ ۲۳۴

ل

لباس

۱۔ لباس کے شرائط :

حضرت عمرؓ سے کپڑے کے بارے میں بعض شرائط منقول ہیں جو یہ ہیں۔

(الف) ریشمی نہ ہو :

۱۔ مرد کے لیے ریشمی کپڑا پہننا جائز نہیں ہے۔ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا وہ چمکدار کپڑا پہنے ہوئے تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا اور اس کپڑے کو پھاڑ دیا گیا، یہاں تک کہ لوگوں کے ہاتھوں میں اُس کی دھجیاں آگئیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ یہ ریشمی کپڑا ہے۔ (۱) حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ریشمی کپڑا پہننے پر اعتراض کیا۔ (۲)

سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ ہم نے شام میں فتوحات حاصل کیں۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو ہم نے دیباج اور حریر پہن رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ہمیں دیکھا تو ہمیں کنکریاں ماریں۔ اس پر ہم نے وہ لباس اُتار دیا پھر جب حضرت عمرؓ نے ہمیں دیکھا تو فرمایا کہ مہاجرین کو خوش آمدید، دیباج اور حریر پہننے سے اللہ تعالیٰ پچھلی اقوام سے بھی خوش نہیں ہوا تو تم سے کیوں کر خوش ہوگا۔ بس اتنا اور اتنا جائز ہے۔ شعبہ نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ دو انگل یا تین انگل یا چار انگل۔ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ایک ریشمی حلہ عطا فرمایا اور کہا کہ میں نے یہ تمہیں پہننے کے لیے نہیں دیا۔ حضرت عمرؓ نے وہ حلہ اپنے ایک مشرک بھائی کو دے دیا جو مکہ میں رہتا تھا۔ (۲)

۲۔ اگر کسی کپڑے میں دو انگل یا تین انگل یا چار انگل کے برابر ریشم کی پٹی لگی ہو تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ ابھی جو روایت گزری اس میں بیان ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ اس قدر کم مقدار ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہے۔ بہرحال حضرت عمرؓ نے دو یا تین یا چار انگل کے برابر ریشمی کپڑے کے حاشیہ کی اجازت دی ہے۔ (۳)

(ب) لباس ستر ڈھانپنے والا ہو اور اس میں سے نہ جسم نظر آتا ہو اور نہ جسم کے پوشیدہ حصوں کو نمایاں کرتا ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اپنی عورتوں کو قباطی نہ پہناؤ، کیونکہ اس میں سے اگر جسم نہیں جھلکتا تو اس کے خطوط ضرور نمایاں ہوتے ہیں (۴) حضرت عمرؓ

---

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۸۰

(۲) سنن البیہقی ۳/۲۶۹، عبدالرزاق ۱۱/۶۹

---

(۱) المحلی ۴/۳۹ (۲) سنن البیہقی ۳/۲۷۱، ۲۷۲، المغنی ۲/۶۵۹، ۱/۱۰۴ (۳) عبدالرزاق ۱/۷۴، البیہقی ۳/۲۶۹

(۴) عبدالرزاق ۵/۱۶۴ - ۷/۵۱

نے اپنے اوپر پانی ڈالا، آپ اس وقت قمیص پہنے ہوئے تھے جب آپ باہر آئے تو آپ نے چادر منگائی اور اُسے اپنے گرد لپیٹ لیا۔ (۱) حضرت عمرؓ نے ایسا اس لیے کیا کہ آپ کی قمیص جسم سے چپک گئی تھی اور اس میں سے جسم کا ستر نمایاں ہو رہا تھا۔

(ج) کافروں کے لباس سے مشابہ نہ ہو، بشرطیکہ کافروں کا کوئی مخصوص لباس ہو۔ حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقد کو لکھا۔ اے عتبہ بن فرقد! تم تنعم سے اور اہل شرک کے پیراہن سے احتراز کرو۔ (۲)

(د) مردوں کا لباس عورتوں کے لباس سے مشابہ اور عورتوں کا لباس مردوں کے لباس سے مشابہ نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو کسم میں رنگا ہوا کپڑا پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ چمکدار کپڑے عورتوں ہی کے لیے رہنے دو۔ (۳) حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو لال یا پیلے رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو اُتار دو۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ امیرالمومنین میں نے یہ کپڑے آج سے پہلے کبھی نہیں پہنے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے فلاں اور فلاں دن تمہیں یہی کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ شخص بولا، میں بھول گیا — 'استغفراللہ' حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم اپنے اس عمل کی معذرت ایک ایسے کام سے کر رہے ہو جو اس سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ (یعنی جھوٹ)۔ (۴)

(ھ) مرد کے لباس میں ایک طرح کا کھردرا پن اور سختی ہو۔ (د: تنعم)

(و) لباس پاک ہو۔ حضرت عمرؓ نے یمنی چادر کو جانور کے پیشاب میں رنگنے سے منع فرمایا۔ (۱) آپ نے ایک شخص کو لومڑی کی کھال کی ٹوپی اوڑھے دیکھا تو آپ نے حکم دیا اور وہ پھاڑ دی گئی۔ (۲) کیونکہ آپ کی نظر میں یہ ناپاک تھی۔ (د: نجاست / ۱ ب ۵) د (نجاست / ۲ ب ۴)

(ز) کپڑا پہننے والے کی حیثیت کے لیے موزوں ہو، یعنی عالم آدمی یا دستار لباس پہنے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے پسند ہے کہ قاری سفید کپڑے پہنے (۳) اور غنی مالداروں کے سے کپڑے پہنے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب اللہ تمہیں فراخی عطا کرے تو تم بھی اپنے اوپر فراخی کرو۔ (۴)

۲۔ مرد کا حج لباس (د: حج / ۶ د ۱) اور عورت کے لیے حج کا لباس (د: حج / ۱۹ ب)

۳۔ آزاد عورت کا لباس (د: حجاب / ۱)

۴۔ لونڈی کا لباس (د: حجاب / ۱ ج)

لحیہ (ڈاڑھی)

وضو کرتے وقت ڈاڑھی میں خلال کرنا (د: وضو / ۲ ب)

لحن

حضرت عمرؓ کو یہ اشتیاق تھا کہ لوگ فصیح عربی سیکھیں اور اپنی تحریر میں زبان کی غلطیاں نہ کریں، بالخصوص اس صورت میں جب کہ یہ سرکاری مراسلت ہو، چنانچہ روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو خط بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے پڑھا تو اس میں تحریر کی غلطی تھی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۲ (۲) مسند الامام احمد ۱/ ۱۶
(۳) عبدالرزاق ۱۱/ ۷۸، المحلی ۴/ ۷۰
(۴) عبدالرزاق ۱۱/ ۷۹، المحلی ۴/ ۷۰

(۱) سنن البیہقی ۳/ ۲۷۱ (۲) عبدالرزاق ۱/ ۷۱
(۳) المؤطا ۲/ ۹۱۱ (۴) المؤطا ۲/ ۹۱۱

انہیں لکھا کہ تمہارے جس کاتب نے یہ خط لکھ کر مجھے بھیجا ہے اس میں غلطی ہے تم اسے کوڑے بسے مارو۔(۱)

لسان

زبان پر جنایت کی دیت ۔

(د جنایت / ۵ ب ۴ ل) د (جنایت / ۵ ج)

لعان

۱۔ تعریف :

خاوند اور بیوی کا ایک دوسرے کے خلاف اللہ کی لعنت اور غضب کے الفاظ کے ساتھ مؤکد بحلف گواہیاں دینا لعان کہلاتا ہے ۔

لعان شوہر کے حق میں حدِ قذف کا قائم مقام ہے اور بیوی کے حق میں حدِ زنا کا قائم مقام ۔

۲۔ کیفیت :

اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے اور بیوی اس کی تکذیب کرے تو شوہر پر حدِ قذف عاید ہو گی، لیکن یہ حد لعان کرنے سے ساقط ہو جائے گی ۔ اور لعان کی صورت یہ ہے کہ شوہر چار مرتبہ کہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میں اس پر تہمتِ زنا لگانے میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں ۔ مرد کی اس گواہی سے بیوی پر حدِ زنا لازم ہو جائے گی اور بیوی کے لعان کرنے سے اس کی حد ساقط ہو جائے گی ۔ اور بیوی کے لعان کی صورت یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ یہ کہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتی ہوں کہ اس (شوہر) نے مجھ پر زنا کا جو الزام لگایا ہے وہ اس میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو ۔ اور لعان کا یہ حکم سورۂ نور کی درج ذیل آیت میں ہے ۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (النور ۶ - ۹)

(اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور اُن کے پاس خود اُن کے اپنے سوا دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو اُن میں سے ایک شخص کی شہادت (یہ ہے کہ وہ) چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ (اپنے الزام میں) سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو ۔ اگر وہ (اپنے الزام میں) جھوٹا ہو ۔ اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر شہادت دے کہ یہ شخص (اپنے الزام میں) جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس بندی پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر وہ (اپنے الزام میں) سچا ہو ۔)

۳۔ لعان کرانے کی شرائط :

لعان صرف اس صورت میں کرایا جائے گا جب حسبِ ذیل شرائط پائی جائیں ۔

---

(۱) اخبار القضاۃ ۱/۲۸۶

(د) مقذوفہ (جس پر تہمت لگائی گئی ہے) وہ قاذف کی بیوی ہو جیسا کہ فرمانِ الٰہی میں ہے :

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ

(ب) بیوی ایسی عورت ہو کہ اگر کوئی اجنبی شخص اس پر تہمت لگاتا تو اس تہمت لگانے کی وجہ سے اس اجنبی پر حدِ قذف جاری ہوتی

(د ؛ قذف /۳)

(ج) شوہر کے پاس اپنی بیوی کے ارتکاب زنا کے قابلِ اعتبار گواہ موجود نہ ہوں ۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی سے واضح ہے ؛

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ

(د) بیوی اپنے شوہر کے اس دعویٰ قذف کی تکذیب کرے ۔ ورنہ تو اگر وہ تصدیق کر دے تو اس کی یہ تصدیق زنا کا اقرار ہو گی اور اس سے اس پر حدِ زنا عاید ہو جائے گی ۔

(ھ) یہ تہمت بطورِ خاص زنا کی ہو یا خاوند کہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے جو کہ حقیقت میں زنا ہی کی تہمت ہے ۔ لیکن بچے سے انکار کی صورت میں یہ شرط بھی ہے کہ اُس نے پہلے اس بچہ کا اقرار نہ کیا ہو ۔ اگر پہلے اقرار کر چکا تھا پھر انکار کیا تو اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور اس پر حدِ قذف عاید ہو گی اور دونوں (میاں بیوی) کے درمیان لعان نہیں ہوگا ۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کے بارے میں فیصلہ کیا جس نے اپنی بیوی کے بچہ کا جب کہ ابھی وہ پیٹ میں ہی تھا کہ یہ اعتراف کر لیا کہ یہ بچہ میرا ہے لیکن جب بچہ پیدا ہو گیا تو پھر انکار کر دیا ۔ حضرت عمرؓ نے اُسے حدِ قذف کے اَسی کوڑے مارے اور بچہ کا نسب اس سے ثابت قرار دے دیا ۔ (۱)

۴ ۔ لعان کے اثرات ؛

(د) اگر میاں بیوی میں سے کوئی لعان کرنے سے انکار کر دے تو اس پر حد قائم کی جائے گی یعنی اگر شوہر لعان نہ کرے تو اس پر حدِ قذف اور اگر بیوی لعان نہ کرے تو اس پر حدِ زنا قائم کی جائے گی ۔

(ب) لعان کرنے والے میاں بیوی کے درمیان تفریق ہو جائے گی اور دونوں پھر کبھی ایک دوسرے کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک نہ ہو سکیں گی ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی اور دونوں پھر کبھی جمع نہیں ہوں گے ۔ (۱)

(ج) اگر لعان بچہ کے انکار کی بنا پر ہوا ہو تو وہ بچہ جس کی وجہ سے لعان ہوا ہے ماں کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا اور اس مسئلہ پر اجماع ہے اور کوئی اختلاف نہیں ہے ۔

۵ ۔ ولد ملاعنہ کی میراث (د ؛ ارث /۱۵)

لُقطہ (گم شدہ شے)

۱ ۔ تعریف ؛

لُقطہ وہ گرا پڑا مال ہے جو اصل مالک کے علاوہ کسی دوسرے کو ملے اور وہ اُسے اُٹھا لے ۔

۲ ۔ لُقطہ کی اقسام ؛

(د) وہ شے جو بطورِ لُقطہ ملی یا تو کم حیثیت والی ہو گی یا زیادہ قدر و قیمت والی ہو گی ۔ اگر وہ کم حیثیت شے ہو تو تشہیر کے بغیر اس سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے (۲) چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کسی جگہ سے گزر رہے تھے کہ ایک کھجور پڑی ہوئی نظر آئی ، آپ نے وہ اُٹھا کر کھا لی ۔ (۳) لیکن اگر وہ اہم شے ہو تو اس کی تشہیر ضروری ہے ،

---

(۱) سنن البیہقی ۷/۴۱۱

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۲۲۷ ب ، عبدالرزاق ۷/۱۱۲ ، سنن البیہقی ۷/۴۱۰ ، المغنی ۵/۶۳۴ (۲) المغنی ۵/۶۳۴ (۳) عبدالرزاق ۱۰/۱۴۳

جیسا کہ آگے آرہا ہے ۔

(ب) ایک دوسرے پہلو سے لُقطہ کی مزید دو قسمیں ہیں ۔

۱۔ ایسا لاوارث جانور جو خود اپنی حفاظت کر سکتا ہو مثلاً اُونٹ گائے وغیرہ ۔ حضرت عمرؓ نے ایسے جانور کو پکڑ کر اپنے قبضے میں لینے سے منع فرمایا ہے ۔ آپ کا قول ہے کہ جس نے گم شدہ اُونٹ پکڑ کر اپنے قبضہ میں رکھا وہ گمراہ ہے، یعنی غلطی کا مرتکب ہے ۔ اس سے حضرت عمرؓ کی مراد ایسا جانور ہے جو خود اپنی حفاظت کر سکتا ہو ۔ (۱) لہٰذا اگر کوئی شخص ایسے لاوارث جانور کو پکڑے گا تو اس پر لازم ہوگا کہ ہمیشہ اس کی تشہیر کرتا رہے یہاں تک کہ اس کا مالک اُسے مل جائے اور اگر اُسے اس کا مالک نہ ملے تو اس کے لیے اس کا لینا حلال نہیں ہے بلکہ اُسے چاہیے کہ اُسے اسی جگہ پہنچادے جہاں سے اُسے پکڑا تھا ۔ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ایک شخص کو ایک لاوارث اُونٹ ملا، وہ اُسے لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایک ماہ تک اس کی تشہیر کرو ۔ اُس نے ایسا ہی کیا، پھر وہ اُسے لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا ۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک ماہ مزید تشہیر کرو، اُس نے ایسا ہی کیا ۔ اور پھر آیا اور اُس نے کہا کہ ہم نے اسے تازہ گھاس کھلا کھلا کر موٹا کر دیا ہے ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہارا اس سے کیا واسطہ اور پوچھا کہ تمہیں کہاں ملا تھا، اُس نے وہ مقام بتلایا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اسے وہیں چھوڑ آؤ جہاں سے تمہیں ملا تھا ۔ (۲)

امام مالک نے المؤطا میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُس شخص سے جسے اُونٹ ملا تھا فرمایا کہ تین دن اس کی تشہیر کرو

اُس نے کہا کہ اس کی وجہ سے میں اپنا کاروبار نہیں کر سکتا ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر اسے وہیں چھوڑ آؤ جہاں سے تمہیں ملا تھا ۔ (۱) حضرت عمرؓ کے عہد میں جو گم شدہ اُونٹ ملتے تھے وہ یونہی چھوڑ دیے جاتے تھے اور اُن کے بچے بھی پیدا ہوتے تھے مگر کوئی اُنہیں ہاتھ نہیں لگاتا تھا ۔ (۲) اسی لیے حضرت عمرؓ نے اُن کے لیے ایک چراگاہ بنا دی تھی جسے نقیع کہا جاتا تھا اور وہاں وہ جہاد کے گھوڑوں کے ساتھ رکھے جاتے تھے ۔ (۳) اسی بنا پر اُن کی تشہیر کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی ۔ اور جس کا کوئی اُونٹ یا گھوڑا گم ہو جاتا وہ اس مقام پر آکر دیکھ لیتا اور اگر وہاں موجود ہوتا تو لے لیتا ۔ (۴)

۲۔ دوسری قسم لاوارث اشیا اور لاوارث جانور ہیں جو اپنی حفاظت خود نہ کر سکتے ہوں ۔ اُن کے لُقطہ کی تشہیر لازم ہے اور تشہیر کی مدت گزرنے کے بعد اگر اس کے اصل مالک کا پتہ نہ چلے تو اٹھانے والا اُن کا مالک ہو جاتا ہے ۔

۳ ۔ لُقطہ کی تشہیر :

لُقطہ کی تشہیر کی مدت مقرر کرنے کے بارے میں حضرت عمرؓ سے مروی متعدد روایات ہمارے پیشِ نظر ہیں ۔

(الف) ایک روایت میں ہے کہ تین دن تشہیر کی جائے، چنانچہ اسماعیل بن امیہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر تمہیں لُقطہ ملے تو مسجد کے دروازے پر اس کی تین دن تشہیر کرو ۔ اگر کوئی ایسا شخص آجائے جو اسے پہچانتا ہو تو اُسے دے دو، ورنہ جو تم چاہو کرو ۔ (۵) ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا، اُسے ایک تھیلا ملا تھا جس میں آٹا تھا ۔ آپ نے اُسے تین دن تشہیر کا حکم

(۱) المغنی ۵/۶۷۳ ۔ سنن ابی داؤد میں مرفوعاً وارد ہے ۔ نمبر ۱۷۲۰
(۲) عبدالرزاق ۱۰/۱۳۲

(۱) المؤطا ۲/۷۵۹، المغنی ۵/۶۴۹، ۶۷۵ (۲) المؤطا ۲/۷۵۹ (۳) المغنی ۵/۶۷۵ (۴) المغنی ۵/۶۷۶ (۵) عبدالرزاق ۱۰/۱۳۶

دیا، وہ پھر آیا اور اُس نے کہا کہ اس کا کوئی پہچاننے والا نہیں
آیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے نوجوان یہ تم لے لو (تمہارا
لینا) اس سے بہتر ہے کہ جانور اسے ضائع کر دیں اور ہوا اسے
اڑا دے۔ (۱)

(ب) ایک دوسری روایت یہ ہے کہ گم شدہ شے پانے والا اس کی تین
ماہ تشہیر کرے۔ (۲)

(ج) ایک اور روایت یہ ہے کہ چار ماہ تشہیر کی جائے، چنانچہ زید بن
صوحان العبدی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُنہیں ایک قلادہ
(ہار) کے بارے میں جو اُنہیں پڑا ہوا ملا تھا حکم دیا کہ چار ماہ اس
کی تشہیر کرو۔ اگر اس کا پہچاننے والا (یعنی مالک) مل جائے تو اُسے
دے دو ورنہ بیت المال میں جمع کرا دو۔ (۲)

(د) اس سلسلہ میں چوتھی روایت یہ ہے کہ لُقطہ کی ایک سال تشہیر
کی جائے۔ چنانچہ سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے
فرمایا کہ لُقطہ کی ایک سال تشہیر کی جائے۔ (۳) معاویہ بن عبداللہ
بن بدر الجہنی بیان کرتے ہیں کہ اُن کے والد عبداللہ نے بتایا کہ میں
شام کے راستہ میں کسی پڑاؤ پر اُترا وہاں مجھے ایک تھیلی ملی جس
میں اَسّی دینار تھے۔ میں نے حضرت عمرؓ کو بتلایا۔ حضرت عمرؓ
نے کہا کہ مسجد کے دروازوں پر اس کی تشہیر کرو اور شام سے
آنے والوں سے ایک سال تک اس کا ذکر کرو۔ اگر ایک سال
گزر جائے اور کوئی نہ آئے تو تم جو چاہو کرو۔ (۴) سفیان بن
عبداللہ ثقفی کو ایک پوٹلی ملی جس میں کافی مال تھا، وہ اُسے لے کر
حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو آپ نے کہا کہ اس کی ایک سال
تشہیر کرو۔ اگر کوئی پہچاننے والا مل جائے تو درست ورنہ یہ تمہاری

(۱) عبدالرزاق ۱۰/۱۴۳ (۲) المحلی ۸/۲۶۴، المغنی ۵/۶۲۲
(۳) المحلی ۸/۲۶۴ (۴) عبدالرزاق ۱۰/۱۳۹

ہے، اُنہیں کوئی اس کا پہچاننے والا نہیں ملا اور اگلے موسم حج
میں حضرت عمرؓ سے ملے اور اُن سے اس امر کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ
نے کہا کہ اب یہ تمہاری ہو گئی، کیونکہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہی حکم دیا ہے، اُنہوں نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔
اس پر حضرت عمرؓ نے اُسے لے کر بیت المال میں جمع کرا دیا (۱)
ابو نوفل بن ابی عقرب سے روایت ہے کہ ان کے والد نے بیان
کیا کہ اُنہیں حج کے موسم میں مال کی ایک تھیلی ملی۔ اُنہوں نے
اس کی تشہیر کی مگر کوئی اس کو پہچاننے والا نہیں ملا۔ وہ روانگی کے
وقت اُسے لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے
اس کی تشہیر کی ہے۔ اب آپ مجھے اس ذمے داری سے آزاد
کر دیجیے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں میں ایسا نہیں کروں گا۔
اُنہوں نے کہا کہ پھر میرے لیے کیا حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے
کہا کہ اسے اپنے پاس رکھو تاکہ اگلے موسم حج میں پھر اس کی تشہیر
کر سکو۔ اُنہوں نے ایسا ہی کیا اور اس کی تشہیر کرتے رہے مگر
کوئی اُسے پہچاننے والا نہیں آیا۔ اس کے بعد وہ حضرت عمرؓ
کے پاس آئے اور اُن سے کہا کہ میں نے اسی طرح کیا جس طرح
مجھے حکم دیا گیا تھا اور میں نے اس کی تشہیر کی لیکن کوئی پہچاننے
والا نہیں آیا۔ اب آپ مجھے اس ذمے داری سے آزاد کر
دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں میں ایسا نہیں کروں گا، البتہ
اگر تم چاہو تو میں اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ بتا
دوں۔ تم چاہو تو اس کو صدقہ کر دو۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو
اُسے اختیار دے دو۔ اگر وہ مال لینا چاہے تو اُسے اس کا

(۱) سنن البیہقی ۶/۱۹۳، المحلی ۸/۲۵۹، الموطا ۲/۷۵۸،
المغنی ۵/۶۲۲۔
المغنی میں یہ روایت زید الجہنی سے منقول ہے جو درست نہیں ہے۔

مال اپنے پاس سے لوٹا دو اور تمہیں اس صدقہ کا اجر مل جائے گا۔[۱]

(ہ) اور ابن حزم نے جو روایت نقل کی ہے اور جس کی جانب المغنی میں ابن قدامہ نے اشارہ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ لقطہ کی تین سال تشہیر کی جائے گی (۲) تو اس کی بنیاد ایک شاذ روایت ہے جو معاویہ بن عبداللہ بن بدر الجہنی سے مروی ہے جن کا ذکر اُوپر آیا ہے اور وہ روایت یہ ہے، معاذ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد کو اونٹوں کے باڑے میں سے سو دینار ملے۔ اُنہوں نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس سال اس کی تشہیر کرو۔ اُنہوں نے ایک سال تک تشہیر کی مگر کوئی اس کو پہچاننے والا نہیں ملا۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ تین سال اس کی تشہیر کرو۔ مگر پھر بھی کوئی اس کا پہچاننے والا نہیں ملا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب یہ تمہاری ہوگئی۔ (۲)

(و) اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لقطہ کی تشہیر کی مدت میں یہ اختلاف کیوں ہے۔ ان مذکورہ روایات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لقطہ کے کم حیثیت ہونے کی صورت میں اس کی تشہیر کی مدت بھی کم رکھی گئی ہے اور گم شدہ شئے کی قیمت میں اضافہ کے ساتھ اس کی تشہیر کی مدت میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ آٹے کا تھیلا معمولی لقطہ تھا، اس لیے تین دن اس کی تشہیر پر اکتفا کیا گیا جبکہ ہار کی قیمت آٹے کے تھیلے سے زیادہ تھی، اس لیے حضرت عمرؓ نے چار ماہ تک اس کی تشہیر کا حکم دیا، جب کہ اَسی دینار کافی بڑا مال تھا، اس لیے حضرت عمرؓ نے ایک سال تک اس کی تشہیر کا حکم دیا۔

۴۔ لقطہ کا مالک بننا:

اگر لقطہ کی تشہیر کی مدت گزر جائے اور اسے پہچاننے والا نہ ملے تو اُسے اُٹھانے والا اُس کا مالک بن جائے گا اور اُسے تین باتوں کا اختیار ہوگا۔

(الف) اس شئے کو صدقہ کر دے اور اگر بعد میں اس کا مالک مل جائے تو اٹھانے والا اُسے یہ اختیار دے کہ وہ یا صدقہ کا اجر حاصل کرلے یا اُٹھانے والا اُسے اس چیز کی قیمت دے دے۔ (۱) چنانچہ سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے لقطہ کے بارے میں فرمایا کہ اُٹھانے والا ایک سال اس کی تشہیر کرے، اگر اس کا مالک آجائے تو دُرست ورنہ اُسے صدقہ کر دے۔ اگر صدقہ کرنے کے بعد اس کا مالک آجائے تو اُسے اختیار دے کہ وہ چاہے تو صدقہ کا اجر حاصل کرلے اور چاہے تو مال لے لے۔[۲] حضرت عمرؓ نے ابن ابی عقرب سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس ذمہ داری سے عُہدہ برآء ہونے کا طریقہ بتا دوں۔ اگر چاہو تو اسے صدقہ کر دو۔ پھر اگر اس کا مالک آگیا تو اُسے اختیار دے دینا۔ اگر وہ چاہے تو تم اُس کا مال اُسے لٹا دو اور تمہیں صدقہ کا اجر مل جائے اور اگر وہ اجر اختیار کرلے تو تمہیں نیت کا ثواب مل جائے گا۔ (۳) اور غنی کے حق میں بھی زیادہ بہتر ہے کہ لقطہ صدقہ کر دے۔

(ب) لقطہ کو اپنے مال میں شامل کرلینا۔ پھر اگر لقطہ کا مالک آجائے اور وہ شئے موجود ہو تو مالک اُسے لے لے گا۔ اگر وہ شئے موجود نہ رہے تو اُٹھانے والا اس کی قیمت ادا کرے گا۔ اس سلسلے میں ضمان کے بارے میں ہمیں حضرت عمرؓ کی کوئی تصریح نہیں ملی، مگر ہم نے اس کو پہلی صُورت پر قیاس کیا ہے کہ جب اُٹھانے والا صدقہ کر دینے کی صُورت میں اس کا ضامن ہوتا ہے تو کیا وہ اس سے خود منتفع ہونے کی صُورت میں اس

---

(۱) المغنی ۵/۶۳۲ المحلی ۸/۲۶۲ (۲) المحلی ۸/۲۶۲ (۳) المحلی ۸/۲۶۲

(۱) المحلی ۸/۲۶۶ (۲) عبدالرزاق ۱۰/۱۳۹ (۳) المحلی ۸/۲۵۸

کا ضامن نہیں ہوگا؟

حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن بدر الجہنی سے کہا کہ جب سال گزر جائے تو تم جو چاہے کرو۔(۱) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پھر وہ تمہارے لیے ہے۔(۲) عبداللہ بن بدر نے کہا کہ میں نے وہ شے اپنی دو بیویوں میں تقسیم کر دی۔(۳) اور حضرت عمرؓ نے سفیان بن عبداللہ ثقفی کو جب وہ ایک سال کی تشہیر کے بعد آئے، کہا کہ اب یہ شے تمہاری ہو گئی۔(۴)

(ج) اسے مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دے۔ اور اگر اس کے بعد اُس کا مالک آجائے تو وہ اس شے کو بیت المال سے لے لے، چنانچہ سفیان بن عبداللہ ثقفی کے واقعہ میں ہے کہ اُنہوں نے لقطہ لینے سے انکار کر دیا تو حضرت عمرؓ نے اُن سے لے کر مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کر دیا۔(۵)

لقیط (لاوارث بچہ)

۱۔ تعریف:

لقیط وہ بچہ ہے جس کے نسب کا پتہ نہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ وہ غلام ہے، اُسے کسی نے پھینکا ہو یا وہ گم ہو گیا ہو اور کوئی شخص اُسے لے آیا ہو۔

۲۔ لقیط کی آزادی:

لقیط آزاد شمار ہوگا، کیونکہ انسانوں کے سلسلہ میں اصل آزادی ہے اور غلامی عارضی ہے، چنانچہ اگر اس عارضی امر کا علم نہ ہو تو اس پر اس حالت کا اطلاق ہوگا جو اُن کے لیے اصل ہے۔(۱)

چنانچہ سُنین ابو جمیلہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک بچہ پڑا ہوا پایا، میں اسے لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا، جب حضرت عمرؓ نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ چھوٹا سا غار آفت بن جائے۔لہ تمہیں اس ننھی جان کے اُٹھانے پر کس بات نے آمادہ کیا؟ میں نے کہا: کہ یہ ضائع ہو رہا تھا، اس لیے میں نے اس کو اُٹھا لیا۔ گویا حضرت عمرؓ اس معاملہ میں مجھ پر شک کر رہے تھے۔ اس پر اُن کے عریف نے جو حضرت عمرؓ کو لوگوں کے بارے میں آگاہ کیا کرتا تھا بتایا کہ یہ نیک آدمی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا واقعی؟ اُس نے کہا کہ جی ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ جاؤ، یہ بچہ آزاد ہے، اس کی ولاء تمہیں ملے گی اور اس کے اخراجات ہمارے ذمہ ہیں۔(۲)

(۳) لقیط کا نفقہ:

اگر لقیط کے ساتھ کوئی مال نہ ہو تو اس پر مسلمانوں کے بیت المال

---

(۱) سنن البیہقی ۶/۱۹۳، الموطا ۲/۷۵۸، المغنی ۵/۶۲۳
(۲) المحلی ۸/۲۵۹، ۲۶۲ (۳) المحلی ۸/۲۵۹
(۴) سنن البیہقی ۶/۱۸۷، عبدالرزاق ۱۰/۱۳۵، المحلی ۸/۲۶۶، المغنی ۵/۶۴۰ (۵) بحوالۂ مذکور

---

(۱) المغنی ۵/۶۸۰ (۲) الموطا ۲/۷۳۸، البخاری، الشہادات، باب اذا زکی الرجل رجلاً کفاہ، سنن البیہقی ۶/۲۰۱، عبدالرزاق ۱۴/۹، ۷/۴۴۹، ابن ابی شیبہ ۶/۱۸۹، المحلی ۸/۲۷۲، المغنی ۵/۶۷۹

لہ یہ ایک قدیم ضرب المثل "عسی الغویر ابؤسا" کا ترجمہ ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس ذریعہ سے کوئی برائی سامنے آجائے اور حضرت عمرؓ کے کہنے کا انداز ایسا تھا کہ آپ ابو جمیلہ پر شک کر رہے ہیں کہ کہیں وہی اس بچہ کا باپ نہ ہو

سے خرچ کیا جائے گا۔ یہ بات حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا قول سے واضح ہوتی ہے جو انہوں نے سُنین کے واقعہ میں کہی ہے کہ ہمارے ذمے اس کے اخراجات ہیں۔ اور اگر اس کے ساتھ مال ہو تو اس میں سے اُس کے اُوپر خرچ کیا جائے گا۔

۴۔ لقیط کا نسب :

اگر کوئی شخص لقیط کے بارے میں دعویٰ کرے کہ وہ اس کا بچہ ہے تو اس لقیط کو اس کی جانب منسوب کر دیا جائے گا۔ اور اگر دو آدمی ہوں اور دونوں میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور کسی کے پاس ثبوت نہ ہو یا دونوں کے پاس ثبوت ہو تو بچہ قیافہ شناس کو دکھایا جائے گا اور جو فیصلہ قیافہ شناس کا ہوگا، اس کے مطابق اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ (د : قضاء/۳ھ)

۵۔ لقیط کی میراث :

اگر لقیط مر جائے اور وہ کوئی وارث نہ چھوڑے تو اس کی میراث اس کے اٹھانے والے کو ملے گی۔ اور یہ بات حضرت عمرؓ کے اس قول سے واضح ہے جو آپ نے سُنین سے کہا کہ تمہارے لیے اس کی ولاء ہے۔ (د : ارث/ ۷ ب)

لمس (چھونا)

عورت کو چھونے سے وضو کا ٹوٹنا۔ (د : وضو/ ۷ ج)

شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹنا۔ (د : وضو/ ۷ د)

چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہونا۔

(د : نکاح/ ۴ و ۱ ج)

اجنبی مرد کے لیے عورت کو چھونے کی حرمت۔

(د : /۲)

احرام کی حالت میں عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے کا جرمانہ۔ (د : حج/ ۶ د ۳)

لواطت

۱۔ تعریف :

مرد کا مرد کے ساتھ مقعد میں جنسی فعل کرنا لواطت کہلاتا ہے۔

۲۔ لواطت کی حُرمت :

حضرت عمرؓ بیوی کے ساتھ مقعد میں جنسی فعل کرنے والے کو بھی سزا دیتے تھے تو صاف ظاہر ہے کہ مرد کے ساتھ مرد کا بدفعلی کرنا ضرور قابلِ سزا ہے۔ حضرت عمرؓ لواطت کو ایسا قبیح فعل تصور کرتے تھے جس کا ارتکاب کسی بھی حال میں مسلمان کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اس فعل کو اللہ نے بھی حرام قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حرام قرار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہلاک ہو گیا۔ آپؐ نے دریافت کیا کہ کیا بات ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آج شب میں نے اپنی سواری اُلٹ لی۔ اس پر آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا اور اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی کہ :

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ

(البقرہ ۲۲۳)

(تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ تمہیں اختیار ہے جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ۔)

یعنی سامنے سے بھی اور پشت کی جانب سے بھی، لیکن دبر اور حیض سے بچو۔[1]

(۱) ترمذی، تفسیر سورۃ بقرۃ، مسند احمد ۱/ ۲۹۷، سنن البیہقی ۷/ ۱۹۸، تفسیر الطبری ۴/ ۴۱۲

۲۔ لواطت کی سزا :

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ لواطت کی کوئی متعین حد نہیں ہے اور اس کی سزا کا مدار قاضی کے اجتہاد پر ہے کہ وہ کوئی ایسی سزا دے سکتا ہے جو اس فعل بد سے روکنے والی ہو۔ حضرت عمرؓ نے اس جرم کی سزا میں کبھی کوڑے مارے ہیں، چنانچہ ایک شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ بدفعلی پر کوڑے مارے۔ (۱)

اور آپ نے اس جرم میں معاشرتی قطع تعلق کی بھی سزا دی ہے، چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب سب سے پہلے ایک شخص اس فعل قبیح کا مرتکب ہوا تو آپ نے قریش کے نوجوانوں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ میل جول چھوڑ دیں۔ (۱)

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۲۴۲

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۲۴۳، کنزالعمال ۱۳۶۴۹

م

مؤلفۃ القلوب

زکوٰۃ میں مؤلفۃ القلوب کا حصہ (د : زکوٰۃ ۸)

ماء (پانی)

۱۔ پانی کی تمام اقسام پاک بھی ہیں اور پاک کرنے والی بھی ہیں۔ خواہ وہ بارش کا پانی ہو، جو حوض میں جمع ہو جاتا ہے یا زمین سے نکلنے والا پانی ہو یا سمندر کا پانی ہو۔ حضرت عمرؓ سے کہا گیا کہ ہم ایک عرصہ تک سمندر میں سفر کرتے ہیں اور پینے کے لیے پانی لے جاتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ سمندر کا پانی پاک کرنے والا نہیں ہوتا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! سمندر کے پانی سے زیادہ پاک پانی اور کونسا ہوگا۔[1] اور آپ نے کہا کہ سمندر کا پانی بھی جس کو پاک نہ کر سکے تو اللہ اُسے پاک ہی نہ کرے۔[2] اور آپ نے فرمایا کہ سمندر کے پانی سے غسل کرو کہ اس کا پانی مبارک ہوتا ہے۔[3] اور پانی خواہ ٹھنڈا ہو یا گرم، بہرحال طاہر اور مطہر ہے؛ چنانچہ روایت ہے کہ

(۱) ابن ابی شیبہ : ۱/۲۲ ب۔ عبدالرزاق : ۱/۹۵۔
(۲) المغنی : ۱/۹۔ المحلی : ۲/۱۳۳۔
(۳) کنز العمال : ۲۶۷۷۰۔

حضرت عمرؓ کے لیے پانی گرم کیا جاتا اور آپ اس سے غسل یا وضو کرتے تھے۔[1]

۲۔ کسی نجاست کے مل جانے سے پانی اپنے پاک کرنے کے وصف سے خارج نہیں ہوگا، بشرطیکہ نجاست سے پانی کے اوصاف ختم نہ ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو پاک بنایا ہے۔[2] اسی لیے حضرت عمرؓ نے باوجود نجاست مل جانے کے اوپر بیان کردہ پانیوں کو پاک تصور کیا۔

ناپاک برتن میں رکھا ہوا پانی :

عبداللہ بن ملیکہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ قضاء حاجت کے لیے اجیاد کے علاقے میں تشریف لے گئے۔ واپس تشریف لائے تو وضو کا پانی طلب کیا جو کسی نے فراہم نہیں کیا۔ اُم مہزول جو جاہلیت کی مشہور بدکار عورتوں میں سے تھی، اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ پانی ایک بالٹی میں ہے جو ایسے چمڑے کی بنی ہے جسے دباغت نہیں دی گئی۔ حضرت عمرؓ نے خالد بن طمیل[3] سے کہا کہ یہ وہی ہے؟ انھوں نے کہا کہ جی ہاں،

(۱) ابن ابی شیبہ : ۱/۵ ب۔ معرفۃ السنن والآثار للبیہقی : ۱/۱۶۳۔ الام : ۱/۳۔ کنز العمال : ۲۷۴۸۰۔ المغنی : ۱/۱۶۔
(۲) المحلی : ۱/۱۴۹، ۱۶۸۔
(۳) ایک روایت میں خالد ہی کا نام طمیل بتایا گیا ہے، یعنی طمیل بن رجاح، جو کہ بلال بن رباح کے بھائی ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ اے آلِ اللہ نے پانی کو پاک بنایا ہے۔"(۱)

ب تمام جھوٹے پانی۔ خواہ انسان کا جھوٹا ہو یا ایسے جانور کا جھوٹا ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے یا ایسے جانور کا جھوٹا ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا(۲) (سب پاک ہیں) چنانچہ یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ ایک قافلہ میں جس میں عمرو بن العاصؓ بھی تھے نکلے تو ایک حوض پر پہنچے۔ عمرو بن العاصؓ نے حوض والے سے دریافت کیا کہ اس حوض پر درندے بھی پانی پینے آتے ہیں؟ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے حوض والے ہمیں یہ بات نہ بتاؤ، کیونکہ ہم درندوں کے بعد پانی پر آتے ہیں اور درندے ہمارے بعد پانی پر آتے ہیں۔"(۳)

ایک موقعہ پر حضرت عمرؓ ایک پانی پر آئے تو آپ کو بتایا گیا کہ کتے اور درندے آکر اس پانی میں مُنہ ڈال دیتے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ جس میں انہوں نے مُنہ ڈالا تھا وہ تو اُن کے پیٹ میں چلا گیا(۴)۔ ایک مرتبہ آپ کا گزر ایک ایسے حوض سے ہُوا جو چاروں طرف سے جھاڑیوں سے ڈھکا ہُوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس سے پانی پلاؤ۔ لوگوں نے کہا کہ اس پر درندے کتے اور گدھے آتے ہیں، آپ نے فرمایا، انہوں جو پانی پیا وہ تو ان کے پیٹ میں چلا گیا۔ اور جو باقی ہے وہ ہمارے لیے پاک ہے اور پینے کے قابل ہے(۵)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ سے کہا گیا کہ اے امیرالمؤمنین، ابھی اس میں کتا مُنہ

(۱) کنزالعمال: ۸، ۲۷۴۷۔

(۲) المجموع: ۱/۲۲۶۔

(۳) الموطا: ۱/۱۴، عبدالرزاق: ۱/۷۷۔ المغنی: ۱/۴۸۔

(۴) عبدالرزاق: ۱/۷۶۔

۵ مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۲۴۔

ڈال کر گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس نے اپنی زبان سے پیا ہے۔ تم بھی پیو اور وضو کرو۔"(۱)

ج۔ راستہ کا پانی جس میں مٹی اور گندگی مل گئی ہو۔

ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام اور تابعین بارش میں راستوں پر چلتے تھے اور پیروں پر جو گندا پانی اور کیچڑ لگ جاتا اسے دھوتے نہ تھے۔ اور جن صحابہ کرام سے یہ بات مروی ہے ان میں سے ایک حضرت عمرؓ بھی ہیں۔"(۲)

د اور ابن حزم نے جو المحلی میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ عورت کے وضو سے بچے ہوئے پانی سے وضو کو جائز نہیں سمجھتے تھے تو یہ روایت حضرت عمرؓ کے اس اصول سے جو ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں کہ پانی ناپاک نہیں ہوتا سے مطابقت نہیں رکھتی۔ ابن حزم نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اس قول کی خلاف ورزی کرنے والے کو کوڑے سے مارتے تھے(۳) اور شوکانی نے نیل الاوطار میں اس قول کو ابن حزم سے بلا تحقیق نقل کر دیا ہے(۴)۔ غالباً ابن حزم کا اشارہ عبدالرزاق کی بیان کردہ اس روایت کی جانب ہے جو انہوں نے ابوسلامۃ الحبیبی السلمی سے نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو دیکھا کہ وہ حوض پر آئے جہاں مرد اور عورتیں اکٹھے وضو کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں کوڑے سے مارا اور حوض والے سے کہا کہ مردوں کے لیے علیحدہ حوض بنا دو اور عورتوں کے لیے علیحدہ حوض بنا دو۔ پھر حضرت عمرؓ حضرت علیؓ سے ملے اور ان سے

(۱) کنزالعمال: ۲۷۴۸۴

(۲) المغنی: ۲/۹۶۔

(۳) المحلی: ۱/۲۱۳

(۴) نیل الاوطار: ۱/۳۶۔

دریافت کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ اس اُمت کے نگران ہیں۔ اگر آپ اُنہیں اس کے علاوہ کسی اور بات پر مارتے تو خود بھی ہلاک ہوتے اور اُنہیں بھی ہلاک کرتے۔[1]

لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان مردوں کو اس لیے نہیں مارا تھا کہ وہ عورتوں کے بچے ہُوئے پانی سے وضو کر رہے تھے، بلکہ حضرت عمرؓ نے مردوں اور عورتوں کے ایک ہی حوض پر جمع ہونے کی بنا پر سرزنش کی تھی اور اس امر پر تنبیہ کی تھی کہ وضو کے دوران عورتوں کے جسم کے حصے مردوں کے سامنے نہ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے اس مارنے کی تائید فرمائی اور ان سے فرمایا کہ اگر آپ اُنہیں اس کے علاوہ کسی اور بات پر مارتے تو خود بھی ہلاک ہوتے اور اُنہیں بھی ہلاکت میں ڈالتے۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ بات اس لیے نہیں فرمائی ہو گی کہ حضرت عمرؓ نے اُنہیں اس بات پر مارا تھا کہ مردوں نے عورتوں کے جھوٹے پانی سے وضو کیا تھا، کیونکہ خود حضرت علیؓ سے یہی ثابت ہے کہ ان کے نزدیک عورت کے بچے ہُوئے پانی سے مرد کا وضو کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ہم نے یہ موضوع تفصیل سے موسوعہ فقہ علیؓ میں بیان کیا ہے۔

۲۔ پانی میں اگر پاک شئے ملنے کی بنا پر اس میں تغیر پیدا ہو جائے تو وہ پاک ہونے اور پاک کرنے کی صلاحیت سے اس وقت تک خارج نہیں ہوتا جب تک اس کی رقت اور بہنے کا وصف ختم نہ ہو جائے[2] اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۴۔ پانی نجاستوں سے پاک ہونے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ (د: نجاست ۴/۲ ب ۱)

مال:

مال کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ اللہ کا مال۔ یعنی وہ مال جسے ملکیت عامہ کہا جاتا ہے۔

۲۔ اللہ کے بندوں کا مال۔ یعنی وہ مال جسے انفرادی ملکیت کہا جاتا ہے۔ (د: ملکیت)

مبارزت:

جہاد میں مبارزت (د: جہاد ۱)

مباشرت

دیکھیے: لمس۔

مبتدع (بدعتی)

دیکھیے: بدعت۔

متعہ:

۱۔ حج میں تمتع: (حج ۱۸ ج)

۲۔ نکاح متعہ:

۱) تعریف:

نکاح متعہ وہ نکاح ہے جو ایک مقررہ مدت کے لیے کیا جاتا ہے اور جب یہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو تفریق واقع ہو جاتی ہے۔

---

۱) عبدالرزاق: ۱/۷۵۔ کنزالعمال: ۲۶۷۸۲

۲) ابن ابی شیبہ: ۱/۹۔

ب متعہ کی حرمت۔

ا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانے میں متعہ حلال تھا، بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی زبان سے اس کو قیامت تک کے لیے قطعی طور پر حرام کر دیا اور ابتدا میں جو اجازت تھی وہ منسوخ ہو گئی؛ چنانچہ سبرۃ الجہنی سے مروی ہے: ان کے والد نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ رسول اللہؐ کے ساتھ تھے کہ آپؐ نے فرمایا: اے لوگو میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے۔ اب جس کے پاس ایسی کوئی عورت ہو وہ اس کو آزاد کر دے اور جو کچھ تم نے انہیں دیا ہو وہ ان سے واپس نہ لو"[1]

حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی اسی پر محمول کیا جائے گا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دو قسم کے متعہ تھے ان میں سے متعۂ نسلہ سے میں منع کرتا ہوں اور اس پر سزا دوں گا اور مجھے اگر ایسے کسی شخص پر قدرت حاصل ہو گئی جس نے مقررہ مدت کے لیے کسی عورت سے نکاح کیا ہو تو میں اُسے پتھروں سے ڈھانپ دوں گا۔ دوسرا متعہ، متعۂ حج ہے تم اپنے حج اور عمرہ میں فصل کرو کہ اس طرح تمہارا حج بھی مکمل ہو گا اور تمہارا عمرہ بھی مکمل ہو گا"[2]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگ متعہ کرتے تھے پھر آپؐ نے اس کو حرام کر دیا۔ بعد ازاں وقتی طور پر اس کی رخصت دی اور پھر قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دیا۔ بعض لوگوں کو اس آخری تحریم کا حکم پہنچا تو انہوں نے اُسے تا قیامت تحریم کا حکم سمجھا اور بعض لوگوں کو جب اس حرمت کا حکم پہنچا تو وہ یہ سمجھے کہ یہ وہی حکم ہے جو رخصت سے پہلے تھا اور بعد میں اجازت مل گئی تھی، لہٰذا وہ رخصت پر عمل پیرا رہے"[1]

حضرت عمرؓ روایات کے اس الجھاؤ کو حد ساقط کر دینے والا شبہ خیال کرتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک حد صرف اسی صورت میں جاری کی جا سکتی ہے جب مجرم کو معلوم ہو کہ اس کا جرم قابل حد ہے (د ۱ حد ۶) یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ربیعۃ بن امیہ بن خلف پر نکاح متعہ کرنے کے باوجود حد زنا جاری نہیں کی۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس خولہ بنت حکیم آئیں اور انہوں نے کہا کہ ربیعۃ بن امیہ نے ایک عورت سے نکاح متعہ کیا تھا اور وہ حاملہ ہو گئی ہے۔ حضرت عمرؓ اپنی چادر کھینچتے ہوئے باہر نکلے اور فرمایا کہ اگر میں متعہ کی حرمت کے بارے میں پہلے اعلان کر چکا ہوتا تو میں اسے ضرور رجم کر دیتا"[2] لیکن جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ یہ معاملہ پھیل رہا ہے اور ایک قطعی تدبیر کی ضرورت ہے تو آپ نے نکاح متعہ کے بارے میں سخت موقف اختیار کیا اور اس معاملہ میں سختی کی اور قطعی طور پر اس کی ممانعت فرما دی اور منبر پر بھی اس ممانعت کا اعلان فرمایا اور متعہ کرنے والوں پر بھی اس طرح کڑی نظر رکھی کہ حضرت سعید بن المسیب نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ پر اپنی رحمت نازل فرمائے، اگر وہ متعہ سے منع نہ کرتے تو لوگ کھلم کھلا زنا کرتے"[3]

---

(۱) صحیح مسلم، النکاح، باب نکاح المتعہ۔ ۱۴۰۹۔

(۲) سنن البیہقی: ۲۰۶/۷۔ المحلی: ۱۰۷/۷۔

(۱) صحیح مسلم، شرح النووی: ۱۶۹/۹۔ بیعد، فتح الباری: ۱۴۸/۷، بیعد۔ نیز متعہ کی بحث ہماری کتاب موسوعۃ المرأۃ المسلمۃ، میں جو طبع نہیں ہوئی۔

(۲) الموطا: ۵۴۲/۲، مصنف عبدالرزاق: ۵۰۱/۷۔ سنن البیہقی: ۲۰۶/۷

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۲۴/۱ ب۔

متعہ کے بارے میں سختی کرنے اور قطعیت اختیار کرنے کا مرحلہ اس وقت آیا جب عمرو بن حریث نے بنی عامر بن لوئی کی نوجوان لڑکی سے نکاح کر لیا اور وہ حاملہ ہوگئی۔ حضرت عمرؓ کو یہ بات بتائی گئی تو حضرت عمرؓ نے اس لڑکی سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ مجھ سے عمرو بن حریث نے متعہ کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن حریث سے پوچھا تو اس نے اعتراف کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا کہ تم نے کس کو گواہ بنایا تھا؟ اس نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم یا اس نے کہا کہ اس کی ماں اور بہن کو، یا یہ کہا کہ اس کی ماں کو اور اس کے بھائی کو، یہ حالت دیکھ کر حضرت عمرؓ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ متعہ کرتے ہیں اور عادل لوگوں کو گواہ نہیں بناتے۔ اب میں کسی مسلمان کو متعہ کرتے پاؤں گا تو اس پر حد جاری کروں گا۔"(۱)

حضرت عمرؓ مسلسل اپنے خطبوں میں لوگوں کو متعہ کی ممانعت یاد دلاتے اور انہیں تنبیہہ کرتے کہ اگر کسی نے اس ممانعت کے بعد متعہ کیا تو آپ اس پر حد زنا جاری کریں گے۔ ایک مرتبہ آپ منبر پر چڑھے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرما دیا ہے تو پھر لوگ کس طرح ایسا کر رہے ہیں۔ اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا گیا جس نے متعہ کیا ہوگا تو میں اسے رجم کر دوں گا"(۲)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس امر کو چاہتا تھا اپنے نبی کے لیے حلال کر دیتا تھا۔ اب قرآن پورا نازل ہو چکا ہے۔ اب تم اپنے حج اور عمرہ میں تو فصل کرو لیکن عورتوں سے نکاح پختہ اور مستقل کرو۔ میرے

(۱) عبدالرزاق: ۷/۵۰۰، ۵۰۱۔
(۲) سنن البیہقی: ۷/۲۰۶۔

پاس اگر کوئی شخص لایا گیا جس نے ایک مدت تک کے لیے نکاح کیا ہوگا تو میں اسے رجم کر دوں گا"(۱) اور ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا گیا جس نے محصن ہونے کے باوجود متعہ کیا ہوگا تو میں اسے رجم کر دوں گا اور اگر غیر محصن متعہ کرے گا تو اسے کوڑے ماروں گا"(۲)

بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ نے متعہ سے صرف اس صورت میں منع کیا تھا جب اس میں دو عادل گواہ نہ ہوں اور اگر عادل گواہ موجود ہوں تو حضرت عمرؓ نے اسے جائز قرار دیا ہے"(۳)

غالباً ان کے اس قول کی وجہ یہ ہے کہ ربیعۃ بن امیہ بن خلف کے واقعہ میں (جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) مروی بعض روایات کے یہ الفاظ ہیں کہ ربیعہ نے مدینہ منورہ کی کسی لڑکی سے نکاح متعہ کر لیا اور اس پر دو عورتوں کو گواہ بنا لیا ان میں سے ایک خولہ بنت حکیم تھیں ___ جو ایک نیک خاتون تھیں ___ انہیں اچانک معلوم ہوا کہ وہ لڑکی حاملہ ہو گئی ہے، لہٰذا خولہ نے حضرت عمرؓ سے ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ غصہ سے چادر گھسیٹتے ہوئے باہر نکلے اور منبر پر چڑھ گئے اور فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ ربیعہ ابن امیہ نے مدینہ کی ایک لڑکی سے دو عورتوں کو گواہ بنا کر نکاح متعہ کر لیا ہے۔ اگر میں پہلے سے اس کی ممانعت کا اعلان کر چکا ہوتا تو اسے رجم کر دیتا"(۴)

اسی طرح عمرو بن حریث کے بارے میں ایک روایت میں یہ

(۱) سنن البیہقی: ۵/۲۱
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۲۲۰ ب۔
(۳) المحلی: ۹/۵۲۰۔
(۴) عبدالرزاق: ۷/۵۰۱۔

الفاظ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہُوا کہ متعہ کرتے ہیں اور عادل لوگوں کو گواہ نہیں بناتے (۱)

سنن البیہقی میں ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے خفیہ طور پر نکاح ــــ متعہ ــــ کرلیا: وہ اس کے پاس آتا جاتا تھا کہ اس کے پڑوسی نے اُسے دیکھا اور اس پر تہمت لگائی۔ وہ اس بات کی شکایت حضرت عمرؓ کے پاس لے کر گیا۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اس سے نکاح کے گواہ کہاں ہیں۔ اس نے کہا کہ امیرالمؤمنین یہ ذرا کم حیثیت بات تھی، اس لیے میں نے اس کے گھر والوں ہی کو گواہ کرلیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے اور اس کے قاذف سے حد ساقط کردی اور فرمایا کہ عورتوں سے تعلق میں پاکدامنی اختیار کرو اور نکاح کا اعلان کرو اور آپ نے متعہ سے منع کردیا (۲)

ہم کہتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ یہ واقعات پیش آئے، لیکن ان میں دو اُمور جمع ہوگئے تھے۔ پہلا امر یہ کہ یہ نکاح متعہ تھا اور دوسرا یہ کہ یہ بغیر گواہوں کے نکاح تھا یا یہ کہ یہ نکاح خفیہ طور پر اور بغیر اعلان کے کیے گئے تھے۔

بلاشبہ یہ بات صحیح ہے کہ جہاں گواہوں کی ضرورت پر متنبہ کرنے کی ضرورت تھی۔ وہاں حضرت عمرؓ نے گواہوں کی ضرورت پر متنبہ بھی کیا۔ لیکن ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے متعہ کی ممانعت بھی کی ہے قطع نظر اس سے کہ متعہ گواہوں کے ساتھ ہُوا ہو یا بغیر گواہوں کے۔

اور ایک واقعہ بھی ایسا منقول نہیں ہے جس میں حضرت عمرؓ نے متعہ کی رخصت دی ہو۔ وہ تمام روایات جو حضرت عمرؓ سے متعہ کے بارے میں منقول ہیں۔ ہم نے سب نقل کردی ہیں اور ان سب کے مطالعہ سے اس حقیقت تک رسائی حاصل ہوجاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بغیر کسی قید کے متعہ سے منع کیا ہے اور اس میں ایسی کوئی قید کہیں نہیں ہے کہ وہ متعہ منع ہے جس میں گواہ نہ ہوں، لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ حضرت عمرؓ نے اس متعہ سے منع کیا تھا جو بغیر گواہوں کے ہُوا ہو اور اس کی اجازت دی تھی جس میں گواہ موجود ہوں، محض ایک بلا دلیل دعویٰ اور کج فہمی ہے۔

۲۔ متعہ طلاق

قرآن کریم میں سورۂ بقرہ میں اس کے بارے میں ارشاد ہے۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَالَمْ تَمَسُّوهُنَّ اَوْتَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ (البقرہ: ۲۳۶)

"تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اپنی عورتوں کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ ہاتھ لگانے کی نوبت آئے یا مہر مقرر ہو۔ اس صُورت میں اُنہیں کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیے۔ خوشحال آدمی اپنی مقدرت کے مطابق اور غریب اپنی مقدرت کے مطابق معروف طریقے سے دے یہ حق ہے نیک آدمیوں پر۔

مجری (پانی کی گزرگاہ)

پانی کی گزرگاہ کا حق۔ (د: ارتفاق ۲ ج)

مجنون

دیکھیے: جنون۔

(۱) عبدالرزاق: ۷/ ۵۰۱۔

(۲) سنن البیہقی: ۷/ ۲۹۰۔

مجوس

مجوس سے عقد ذمہ اور ان سے جزیہ لینا۔ (د : جزیہ ۳ (۲۔ ذمہ)

مجوس پر جنایت۔ (د : جنایت ۳ ب ۲ و)

مجوس کی دیت کی مقدار (د : جنایت ۵ ب ۲ د) و (ذمہ) و (کفر)

مُحتضر (جان کنی کی حالت میں)

جو شخص جان کنی کی حالت میں ہو اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔

(د : میت ۲)

مَحرم :

محرم وہ ہے جس سے نکاح حرام ہو۔ (د : نکاح ۲ ا)

مُحلّل

۱۔ تعریف :

محلل وہ شخص ہے جو اس عورت سے جسے تین طلاقیں مل چکی ہوں اس غرض سے نکاح کرے کہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے۔

۲۔ ایسے نکاح کا حکم

محلل کا نکاح صحیح ہے اور حلالہ کی شرط لغو ہے۔ اگر یہ شخص اس عورت کو اس لیے طلاق دے گا کہ اس کے لیے پہلے شوہر کی جانب لوٹنا ممکن ہو جائے تو اسے تعزیری سزا دی جائے گی۔

(د : طلاق ۱۸۔ اور زنا ۲ ب ۴)

مُدبَّر

مُدبّر وہ غلام ہے جس کی آزادی کو مالک کی موت پر معلق کر دیا گیا ہو۔

مدینہ منورہ

۱۔ تعریف :

مدینہ منورہ کا اطلاق اس خطۂ زمین پر ہوتا ہے جو واقم اور وبرہ نامی دو ٹیلوں کے درمیان محصور ہے۔

۲۔ مدینہ کے درختوں کا حکم :

مدینہ منورہ کا کوئی درخت کاٹنا جائز نہیں ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اس سے وہ آلات لے لیے جائیں جن سے وہ یہ کام کر رہا ہے ؛ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے قدامۃ بن مظعون سے فرمایا کہ تم ان لکڑہاروں پر متعین ہو، تم جسے دیکھو کہ مدینہ منورہ کے دونوں ٹیلوں کے درمیان سے لکڑیاں کاٹ رہا ہے تو اس کی کلہاڑی اور لکڑی ضبط کر لو۔ انہوں نے کہا کہ اس کے دونوں کپڑے بھی لے لوں ؟ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں یہ بہت زیادہ ہے[1]

۳۔ کافر کا مدینہ منورہ میں قیام

کافر کو مدینہ منورہ میں تین دن سے زائد قیام کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کسی یہودی یا نصرانی یا مجوسی کو جب وہ مدینہ منورہ آتے تین دن سے زیادہ قیام کی اجازت نہ دیتے یعنی بس اتنی مدت جس میں وہ اپنا سامان فروخت کریں[2] (د : ذمہ ۲ ی)

مذی :

۱۔ تعریف :

مذی سے مراد وہ لیسدار دھاگے کی مانند مادہ ہے جو مرد کی شرمگاہ

---

(۱) مصنف عبدالرزاق ؛ ۹/۲۶۳ ۔ المحلی ؛ ۷/۲۶۳

(۲) مصنف عبدالرزاق ؛ ۱۰/۳۵۷ ۔ ۶/۵۱ ۔ سنن البیہقی ؛ ۹/۲۰۸ ۔

سے جنسی شہوت کے وقت نکلتا ہے ۔

۱ ۔ مذی کی ناپاکی ۔ (د ؛ نجاست ۱ ب ۴۳)

۲ ۔ مذی سے وضو کا ٹوٹنا ۔ (د ؛ وضوء ۷ ، ۱)

مرأۃ (عورت)

۱ ۔ عورت کے بلوغ کی علامت (د ؛ بلوغ ۲)

۲ ۔ عورت کا کمال اہلیت ؛

حضرت عمرؓ سے منقول یہ ہے کہ اُن کے نزدیک وہ عقود تبرع جائز نہیں تھے جو عورت بلوغ کے بعد اور نکاح سے پہلے کرے جب تک کہ اس کے نکاح پر ایک سال نہ گزر جائے یا اس کے بچہ پیدا نہ ہو جائے ؛ چنانچہ شریح سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھے یہ حکم دیا تھا کہ کسی لڑکی کے عطیہ کو جائز قرار نہ دُوں جب تک کہ اس کے بچہ نہ ہو جائے یا اس کا اپنے گھر میں ایک سال نہ گزر جائے[1] حضرت عمرؓ نے عورت پر یہ پابندی (حجر) اس لیے لگائی تھی کہ اس کا مال محفوظ رہے، کیونکہ اس مدت میں خاوند جس انداز سے بیوی کا ہر طرح خیال رکھتا ہے اور اپنی میٹھی باتوں سے اُسے بہلاتا پھسلاتا رہتا ہے اسکی بنا پر اس بات کا امکان موجود ہے کہ عورت اپنے مال کے سلسلے میں بے احتیاط ہو جائے اور اسکی باتوں میں آکر سارا مال اُسے ہبہ کر دے۔ اسلیے ایک سال کی شرط عاید کی کہ نکاح پر ایک سال گزرنے کے بعد شوہر کی حقیقت اس پر ظاہر ہو جائے گی اور اس کے بعد وہ چاہے تو اسے ہبہ کر دے اور چاہے نہ کرے ۔

- عورت کے لیے زیورات پہننے کا استحباب (د ؛ حلی ۲)
- عورت کا حج کا لباس ۔ (د ؛ حج ۱۹ ب)
- آزاد عورت کا لباس (د ؛ حجاب ۱)
- لونڈی کا لباس (د ؛ حجاب ۱ ج)
- عورت کو لباس کم مہیا کرنا ۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے لوگو، عورتوں کو کم لباس فراہم کر کے (ان کے باہر نکلنے سے روکنے میں) مدد حاصل کرو، کیونکہ عورتوں کے پاس کپڑے اور سامان زینت زیادہ ہوتا ہے تو وہ باہر نکلنا پسند کرتی ہیں[1]

- عورت کا حجاب (د ؛ حجاب ۱)
- مردوں کے ساتھ عورتوں کے اختلاط کی ممانعت (د ؛ حجاب ۲ ۔ (د ؛ مسجد ۴)
- عورت خوشبو سے اجتناب کرے اس کے بعد مردوں کے اجتماع میں جائے ۔ (د ؛ طیب)
- عورت کے بالوں کا خضاب ۔ (د ؛ خضاب)
- عورت حج یا عمرہ کا سفر نہ کرے مگر محرم کے ساتھ ؛ البتہ اگر فرض حج کی ادائیگی کے لیے جا رہی ہو تو قابل اعتماد رفقاء کے ساتھ جا سکتی ہے ۔ (د ؛ حج ۱۹ سفر ۱)
- عورت کی نماز (د ؛ صلاۃ ۲ ب ، ۹ ، ۱۸ ، ب ۔ ۱۸ ج ۲ ۔ ۲۰ ج ۲)
- عورت کا شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزے رکھنا ۔ (د ؛ صیام ۲)
- عورت کا حج (د ؛ حج ۱۹)
- حضانت (بچوں کی پرورش) میں عورت کا مرد پر مقدم ہونا ۔ (د ؛ حضانت ۱۲)
- عورت کا نکاح ۔ (د ؛ نکاح) اور عورت کا حق مجامعت ۔ (د ؛ نکاح ۶ ب)
- عورت کی طلاق ۔ (د ؛ طلاق)

---

(۱) المحلی : ۸/۳۱۰ ۔ المغنی : ۴/۶۶۳ ۔ اخبار القضاۃ : ۲/۱۹۱ ۔

(۱) ابن ابی شیبہ : ۱/۲۳۳ ب ۔

- عورت کی عدت ۔ (د: عدت)
- عورت کا حیض ۔ (د: حیض)
- عورت کا نفاس ۔ (د: نفاس)
- عورت کا استحاضہ ۔ (د: استحاضہ)
- عورت کی گواہی ۔ (د: شہادت)
- عورت کو وقف کا نگران مقرر کرنا ۔ (د: وقف ۵ ج)
- عورت کو وصی بنانا ۔ (د: وصیت ۲ ج)
- عورت کا حکومت کے بعض کام سرانجام دینا ۔ (د: امارہ ۳ ۔ قضاء ۱ ھ ۲)
- عورت پر جنایت (د: جنایت ۳ ب ۴ ۔) اور عورت کی جنایت (د: جنایت ۲ ب ۲ و)
- عورت کی دیت (د: جنایت ۵ ب ۳ ب)
- عورت کا قسامت میں شامل ہونا (د: قسامت ۳ ، ۴)
- حاملہ عورت پر حد جاری کرنا (د: زنا ۲ د)
- عورت کا بغیر ولی کے خود اپنا نکاح کرنا (د: نکاح ۴ ب ۲ ب)
- بیوی کی تادیب کے لیے شوہر کا حق (د: تادیب ۲)
- شوہر نے اپنی بیوی کو جو کچھ ہبہ کیا ہو وہ واپس نہ لے ۔ (د: ہبہ ۳ ج ۱)
- عورت کو میدان جنگ میں ساتھ نہ لے جانا اور انہیں دشمن کی سرزمین میں نہ جانے دینا ۔ (د: جہاد ۳ ج)
- جنگ میں عورت کا قتل نہ کرنا ۔ (د: جہاد ۷ و)
- قیدی عورت کا قتل نہ کرنا ۔ (د: اسر ۲ ۱ ۔ ۲ ب ۲)
- عورت کا غنیمت میں استحقاق ۔ (د: غنیمت ۲ ب ۲ ۱)
- عورت پر جزیہ عائد نہ کرنا ۔ (د: جزیہ ۳ ب ۱)
- عورت کی میراث (د: ارث ۵ ۔ ھ ۔ و ۔ ز ۔ ح ۔ ط ۔ ی ۔ ک)
- عورت کا کفن (د: موت ۶)
- عورت کا دفن (د: موت ۱۰ د) اور اگر عورت کافر ہو اور اس کے پیٹ میں مسلمان کا بچہ ہو تو اسے کہاں دفن کیا جائے ۔ (د: موت ۱۰ ب)
- عورت کے لیے جنازہ کے ساتھ جانے کی ممانعت ۔ (د: موت ۷ ب)
- عورت کے لیے مسجد کے بارے میں احکام (د: مسجد ۴ د) (صلاۃ ۱۸ ج)
- عورت کے لیے اپنے غلام کے ساتھ جنسی تعلق کا جائز نہ ہونا ۔ (د: تسری ۲)
- عورت کی امان ۔ (د: امان ۳ ۱)

مرض (بیماری)

۱ ۔ مرض سے بچاؤ ۔

حضرت عمرؓ قضاء و قدر پر ایمان رکھنے کے باوجود اس بات کا یقین رکھتے کہ دنیا میں ہر بات کسی سبب کے تحت وجود میں آتی ہے اور مرض کے بھی کئی اسباب ہیں ، لہذا مسلمان کو چاہیے کہ مرض کے اسباب سے خود کو بچائے ۔ ان اسباب میں سے ایک سبب مریض کے ساتھ اختلاط بھی ہے ۔ یعنی مریض کی بیماری سرایت کر کے صحتمند آدمی کو بھی لگ سکتی ہے ؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ شام روانہ ہوئے جب مقام سرغ پر پہنچے جو تبوک کی وادی میں ایک بستی ہے تو آپ سے امراء لشکر یعنی حضرت ابو عبیدہؓ اور ان کے اصحاب نے ملاقات کی اور بتایا کہ شام میں وبا پھوٹ پڑی ہے ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے پاس مہاجرین

اوّلین کو بلاؤ۔ مَیں نے اُنہیں بُلایا تو آپ نے ان سے مشورہ کیا اور اُنہیں آگاہ کیا کہ شام میں وبا پھیلی ہُوئی ہے تو اس پر اُن کے درمیان اختلاف رائے ہو گیا، بعض نے کہا کہ آپ ایک اہم کام کے لیے نکلے ہیں اب واپس جانا ہماری رائے میں درست نہیں ہے اور بعض نے کہا کہ آپ کے ساتھ اور لوگ اور صحابۂ رسولؐ بھی ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ اُنہیں وبا میں نہ لے کر جائیے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اب آپ تشریف لے جائیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ انصار کو بلاؤ مَیں نے انصار کو بلایا تو حضرت عمرؓ نے ان سے مشورہ طلب کیا۔ ان میں بھی مہاجرین کی طرح اختلاف رائے پیدا ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے اُنہیں بھی مجلس برخواست کرنے کے لیے کہا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہاں پر جو قریش کے بزرگ موجود ہیں جنہوں نے فتح کے بعد ہجرت کی تھی۔ اُنہیں بلاؤ۔ مَیں نے اُنہیں بُلایا تو اُن کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہُوا اور اُنہوں نے متفقہ رائے دی کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں سے واپس تشریف لے جائیں اور صحابہ کو لے کر وبا کے علاقے میں نہ جائیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اعلان کرا دیا کہ مَیں صبحدم واپسی کے لیے روانہ ہونے والا ہُوں؛ چنانچہ سب حضرات صبح کے وقت آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ (اس موقعہ پر) ابو عبیدہؓ نے کہا کہ کیا یہ تقدیرِ الٰہی سے فرار ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کاش آپ کے علاوہ کوئی اور یہ بات کہتا! اے ابو عبیدہؓ! جی ہاں! ہم اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر اللہ کی تقدیر ہی کی طرف جا رہے ہیں۔ خود کیجیے! اگر آپ اپنے اونٹ لے کر نکلتے اور کسی ایسی وادی میں پہنچ جاتے جس کا ایک حصّہ سرسبز و شاداب ہو اور دوسرا بنجر۔ اب آپ اگر اس وادی کے سرسبز حصّے میں اپنے اونٹ چراتے رہیں تو بھی تقدیرِ الٰہی سے چراتے ہیں اور اگر بنجر حصّے میں لے جا کر وہاں چراتے ہیں تو بھی تقدیرِ الٰہی ہی سے وہاں لے جاتے اور چراتے ہیں۔

اسی اثنا میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف جو کسی ضرورت سے کہیں گئے ہُوئے تھے آ گئے اور اُنہوں نے کہا میرے پاس اس بارے میں علم ہے۔ مَیں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے ہُوئے سُنا ہے کہ اگر تم کسی سرزمین کے بارے میں سنو کہ وہاں وبا پھیلی ہُوئی ہے تو وہاں نہ جاؤ۔ اور اگر تم کسی سرزمین میں موجود ہو اور وہاں وبا پھوٹ پڑے، تو اس وبا سے بھاگنے کے خیال سے وہاں سے نہ جاؤ۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور وہاں سے واپس پلٹ گئے۔[1]

نیز حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حُجاز کے مقام رکبہ کا ایک گھر مجھے شام کے پچاس گھروں سے زیادہ محبوب ہے[2] کیونکہ شام میں طاعون پھیلا ہُوا ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے معیقب دوسی سے جو کہ مجذوم تھے۔ کہا کہ قریب آ جاؤ لیکن اگر تمہارے سوا کوئی اور ہوتا تو مجھ سے ایک نیزے کے فاصلے پر بیٹھتا[3] حضرت عمرؓ متعدی امراض میں مبتلا افراد کو عام اجتماعات میں حاضر ہونے سے منع فرمایا کرتے تھے؛ چنانچہ روایت ہے کہ ایک مجذوم عورت بیت اللہ کا طواف کر رہی تھی تو آپ نے کہا کہ اے اللہ کی

---

(۱) صحیح البخاری، الطب، مایذکر فی الطاعون۔ صحیح مسلم: ۲۲۱۹۔ فی السلام، باب الطاعون۔ الموطا: ۸۹۴/۲۔ سنن البیہقی: ۲۱۷/۳۔ عبدالرزاق: ۱۴۷/۱۱۔ مسند احمد: ۱۹/۱۔

(۲) عبدالرزاق: ۱۵۰/۱۱۔

(۳) عبدالرزاق: ۲۰۲/۱۱، ۲۰۵/۱۰۔

پابندی لوگوں کو اذیت نہ پہنچا۔ کاش تو اپنے گھر ہی میں بیٹھی رہتی چنانچہ وہ گھر میں بیٹھ گئی۔ اس کے بعد ایک شخص اس کے پاس سے گزرا اور اس نے کہا کہ جنہوں نے تجھے منع کیا تھا وہ تو اب وفات پا چکے ہیں۔ تو تم (اب حج کے لیے) چلی جاؤ۔ اس پر اس عورت نے کہا کہ میں ایسی نہیں ہوں کہ جس کے حکم کی میں ان کی زندگی میں پابندی کر رہی تھی، اب ان کے مرنے کے بعد ان کی نافرمانی کروں[1]۔

۲ مرض کی بنا پر فسخ نکاح۔

ا عورت کا متعدی مرض میں مبتلا ہونا ایسا عیب ہے جو فسخ نکاح کا سبب بن سکتا ہے۔ (د: طلاق ۱۱ ط)

ب خاوند اور بیوی میں کسی ایسے جنسی عیب کا ہونا جو مجامعت میں مانع ہو فسخ نکاح کے جواز کا سبب ہے۔ (د: طلاق ۱۱ ج)

ج ایسے امراض پر فسخ نکاح جو دوسرے فریق کے لیے باعث مضرت ہوں، جیسے بانجھ پن، جنون اور کم عقلی وغیرہ۔
(د: طلاق ۱۱ھ، د، ز، ط)

۳ مریض کا اپنے رمضان کے چھٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنا۔
(د: صیام ۸ ب)

۴۔ مریض پر حد قائم کرنا۔ (د: حد ۱۱)

۵۔ مریض کا اقرار (د: اقرار ۲)

۶۔ مریض کا مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق دینا۔ (د: ارث ۲ ب ۱)

۷۔ مریض کے خیرات و صدقات کے معاہدے صحیح نہیں ہیں۔ الا یہ کہ وہ ثلث مال کی حد کے اندر رہوں۔ ان معاہدات میں غلام آزاد کرنا بھی شامل ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مریض اگر مرض الموت میں اپنے غلام کو آزاد کر دے تو وہ وصیت کے حکم میں ہے[1]۔

۸۔ وہ عورت جسے دردِ زہ شروع ہو چکا ہو اور وہ مرد جو میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ کے لیے کھڑا ہو چکا ہو۔ دونوں عقود تبرع کے سلسلہ میں اس مریض کے درجے میں ہیں جو مرض الموت میں مبتلا ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب دو لشکر برسرِ پیکار ہوں (تو جو شخص شریک جنگ ہو) اور وہ عورت جسے دردِ زہ شروع ہو چکا ہو۔ ان دونوں کے لیے اپنے مال میں صرف ایک تہائی میں تصرف جائز ہے[2]۔

۹۔ مریض کی وصیت۔ (د: وصیت ۱)

۱۰۔ مریض جب نزع کی حالت میں ہو تو اس کے ساتھ کیا کیا جائے۔
(د: موت ۲)

مرور:

حق مرور (گزرنے کا حق)۔ (د: ارتفاق ۲ ج)

مزارعت:

۱۔ تعریف۔

مزارعت سے مراد یہ ہے کہ زمین کسی کو اس غرض سے دے دی جائے کہ وہ اس پر کاشت یا کوئی اور کام کرے اور جو پیداوار ہو وہ دونوں کے درمیان تقسیم ہو۔

۲۔ مزارعت کا حکم:

حضرت عمرؓ کے نزدیک مزارعت جائز ہے۔ الطبری اختلاف الفقہاء میں لکھتے ہیں کہ اگر سنت نبوی پر قیاس سے اور حضرت عمرؓ

---

(۱) الموطا: ۲/۷۷۶۔ عبدالرزاق: ۵/۱۷۔

(۱) سنن البیہقی: ۶/۲۷۳۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۱۷۸۔

اور حضرت عثمانؓ کے عمل سے اس کی اجازت ثابت نہ ہوتی، تو قابل ترجیح یہی تھا کہ مزارعت جائز نہ ہوتی[1]۔ حضرت عمرؓ خود اپنی زمین اور حکومت کے زیر انتظام اراضی مزارعین کو دے دیتے تھے؛ چنانچہ ابو یوسف نے کتاب الخراج میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی زمین ایک تہائی بٹائی پر مزارعین کو دیا کرتے تھے[2]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر فتح فرمایا تو آپؐ نے اُن پر غلبہ پانے کے وقت یہ شرط لگائی کہ زمین اور سونا چاندی سب ہمارا ہوگا۔ اہل خیبر نے کہا کہ ہم آپ سے زیادہ زمین سے واقف ہیں، آپ پیداوار کی نصف بٹائی پر ہمیں دے دیں؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل اور زرعی پیداوار کے نصف حصّہ پر زمین انہیں دے دی۔ حضرت ابوبکرؓ اور بعد میں حضرت عمرؓ کا عمل بھی اسی پر رہا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے آخری دور میں اہل خیبر کو زمین سے نکال دیا[3]۔

۳ مزارعت کی شرائط:

ا۔ مزارعت عقد ہے۔ اور جو شرائط بیع کا معاہدہ کرنے والے دو فریق کی ہیں، وہی مزارعت کا معاہدہ کرنے والے فریقین کی ہیں۔ (دیکھیے بیع ۳ (ب ا))

ب محلِ عقد کا مجہول نہ ہونا، یعنی زراعت۔ بھی طے شدہ ہو اور زمین بھی متعین ہو۔ کیونکہ جہالت یعنی معاملہ کا واضح نہ ہونا باعث نزاع ہوتا ہے۔

ج مزارعت میں کارکن کا حصّہ زمین سے نکلنے والی پیداوار کی نسبت سے ایک عام متعین حصّہ ہو۔ مثلاً تہائی یا چوتھائی وغیرہ چنانچہ یعلی بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے نجران سے نصاریٰ کو نکالنے کے بعد مجھے وہاں کی زمین کا خراج وصول کرنے کے لیے روانہ کیا۔ میری مراد اس نجران سے ہے جو یمن کے قریب ہے۔ تو آپ نے مجھے لکھا: ان تمام زمینوں کا جائزہ لو جن کے مالکوں کو اُن سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔ پھر جو ہموار زمین ایسی ہو جو نہری پانی سے یا بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہو، اس پر جو کھجور کا یا کوئی اور درخت ہو تو یہ انہی کو دے دو تاکہ وہ ان کی دیکھ بھال کریں اور انہیں سیراب کریں۔ اب اس میں سے جو پیداوار ہو اس میں عمرؓ اور مسلمانوں کے دو ثلث اور ان کا ایک ثلث۔ اور جو زمین ڈول سے سیراب ہو رہی ہو، اس میں ان کے دو ثلث اور عمرؓ اور مسلمانوں کا ایک ثلث۔ اور جو زمین ان کے زیر کاشت ہو وہ ان کے پاس رہنے دو اور اس میں سے جو نہری پانی یا بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہو تو اس میں ان کے دو ثلث اور عمرؓ اور مسلمانوں کا ایک ثلث ہوگا[1]۔

حضرت عمرؓ نے اہل نجران کے نام ایک تحریر لکھی اس میں انہیں اسلام کی رغبت دلائی اور ان میں سے اسلام قبول کرنے والوں کے لیے بعض خصوصی رعایتوں کا وعدہ فرمایا کہ میں نے یعلیٰ کو ہدایت کی ہے کہ تم میں سے جو اسلام قبول کرے وہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرے اور میں نے ان کو حکم دیا ہے کہ زمین پر کام

---

(۱) اختلاف الفقہا: ۱۲۰۔
(۲) خراج ابی یوسف: ۱۰۷۔
(۳) صحیح البخاری۔ المزارعت۔ صحیح مسلم، المساقات۔ ابوداؤد، البیوع۔ الترمذی۔ الاحکام، المزارعت۔ النسائی، المزارعت۔ المحلی: ۸/۲۲۵۔ المغنی: ۵/۳۸۲۔

(۱) خراج ابی یوسف: ۸۹۔

کرنے والے کو پیداوار کا نصف دے دو۔ میں تمہیں اس زمین سے نکالنا نہیں چاہتا، بشرطیکہ تم راست روی اختیار کرو اور اپنا عمل صحیح طریقہ پر انجام دیتے رہو۔[1]

ان دونوں تصریحات سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ مزارعت میں کارکنوں کے لیے حصہ کی ایک نسبت متعین کر دیتے تھے۔

۵۔ مزارعت میں مدت کی تعیین شرط ہونے کے بارے میں ہمیں حضرت عمرؓ سے کوئی ایسی صریح نص نہیں ملی جس سے معلوم ہو کہ مزارعت میں مدت کا مقرر کرنا بھی شرائط میں شامل ہے؛ چنانچہ مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اُنہوں نے بیان کیا کہ جب خیبر فتح ہُوا تو یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں ان کی زمینوں پر رہنے دیا جائے کہ وہ اس میں کاشت کریں اور پیداوار پھل اور زراعت نصف نصف تقسیم ہو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تمہیں ان شرائط کے مطابق باقی رکھیں گے۔ جب تک ہم چاہیں گے۔[2]

یہ روایت کیا اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عقدِ مزارعت میں مدت کا تعین شرط نہیں ہے یا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک غیر متعینہ مدت کا معاہدہ کیا تھا، یعنی یہ کہ اُنہیں جب تک چاہیں گے اس عہد کے مطابق ان زمینوں پر برقرار رکھیں گے، کیونکہ مؤطا کی روایت ہے کہ میں تمہیں اس وقت تک برقرار رکھوں گا۔ جب تک اللہ تمہیں برقرار رکھے اور یہی جمہور کی رائے ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مزارعت میں مُدت کا تعین شرط ہے

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۱۰۲/۸۔

(۲) مسلم، المساقات۔

اور اس کے بغیر مزارعت کا معاہدہ صحیح نہیں۔

یہ بھی جائز ہے کہ یہ شرط لگائی جائے کہ بیج کارکن ڈالے گا۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ شرط لگائی جائے کہ بیج کی ذمہ داری زمین کے مالک پر ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے بعض لوگوں سے یہ معاملہ کیا کہ اگر حضرت عمرؓ نے اُنہیں بیج فراہم کیا تو عمرؓ کا حصہ نصف ہوگا اور اگر بیج وہ خود فراہم کریں گے تو ان کا حصہ اتنا ہوگا۔[1]

۶۔ مزارعت کے رکن۔

عقدِ مزارعت کے رکن ایجاب اور قبول ہیں، جیسا کہ دیگر معاہدات میں ہے۔

مُزدلفہ:

مزدلفہ کے تین نام ہیں: مزدلفہ، جمع اور مشعر حرام۔

حاجی مُزدلفہ میں کیا امور انجام دے گا۔ (د: حج ۱۲)

مَسّ (چھونا)

دیکھیے: لمس۔

مساقاۃ

۱۔ تعریف۔

مساقات سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنے درخت دے دے کہ وہ اُنہیں سینچے اور اُن کی دیکھ بھال کرے اور مالک اس کو پیداوار میں سے ایک متعین اور معلوم نسبت سے حصہ ادا کرے۔

۲۔ مساقات جائز ہے اور اس کے احکام کے لیے دیکھیے۔ (مزارعت)

(۱) صحیح البخاری، المزارعۃ، المغنی ۳۸۹/۵۔

مسبوق :

نماز میں مسبوق کے احکام ۔ (د : صلاۃ ۱۸ ج ۴)

مستامن

دیکھیے : (امان ۳ ب اور حربی)

مستامن پر جنایت ۔ (د : جنایت ۳ ب ۲ ب)

مسجد :

۱۔ مسجد کی فضیلت ۔

مسجد کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے اور مسجد میں داخل ہونے والا اللہ کا مہمان ہوتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑی اور اعلیٰ فضیلت دوسری کیا ہو سکتی ہے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں اور جس کے گھر میں کوئی ملاقات کے لیے آئے اس پر اس کی تکریم لازم ہے[1]

۲ ۔ مسجد کی تعمیر ۔

أ مسجد کی تعمیر کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس کے لیے حلال اور جائز مال فراہم کرے ۔ مدینہ منورہ میں مسجد کے ساتھ حضرت عباسؓ کا گھر تھا ۔ حضرت عمرؓ نے جب مسجد نبوی میں توسیع کا ارادہ کیا تو ان سے فرمایا کہ یہ گھر مجھے فروخت کر دو ۔ حضرت عباسؓ نے اسے فروخت کرنے سے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے یہ گھر ہبہ کر دو ، انہوں نے اس سے بھی انکار کیا ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اپنے اور میرے درمیان کوئی حکم مقرر کر لو ۔

(۱) کنز العمال ۷/ ۲۳۰۰ ۔ الطبرانی ، از ابن مسعود ، مرفوع ۔ دیکھیے مجمع الزوائد ۲/ ۲۲ ۔

اس پر انہوں نے ابی بن کعبؓ کو حکم مقرر کیا ۔ دونوں حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس اپنا مقدمہ لے کر گئے ۔ حضرت ابیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کیلئے ان کی رضامندی کے بغیر ان کو گھر سے بیدخل کرنا جائز نہیں ہے ۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ آپ کے اس فیصلہ کی دلیل قرآن کریم سے ہے یا سنت نبویؐ سے ہے ۔ انہوں نے کہا کہ سنت نبویؐ سے ہے ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت سلیمان بن داؤدؑ جب بیت المقدس کی تعمیر فرمانے لگے تو آپ جو دیوار تعمیر کراتے وہ منہدم ہو جاتی ، اس پر اللہ سبحانہٗ نے انہیں وحی کی کہ تم کسی ایسی زمین میں جو دوسرے کا حق ہو اس وقت تک تعمیر نہ کرو جب تک اس کو راضی نہ کر لو ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا اور حضرت عباسؓ نے بعد میں خود اپنا مکان مسجد کی توسیع کے لیے دے دیا ۔[1]

ب مسجد کی تعمیر میں میانہ روی اور سادگی ملحوظ رکھی جائے اور اسکی زینت آرائش نہ کی جائے کہ اس سے نمازی کا خشوع متأثر ہوتا ہے اور انسان کا ذہن دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے ؛ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد بنائے وہ اسے لال اور پیلا نہ کرے ۔[2]

ج مکّہ کی مسجد میں توسیع ۔ (د : مکہ ۲)

۳ ۔ مسجد قبر اور مزار سے الگ بنائی جائے ۔

أ جو شخص مسجد بنانے کا ارادہ کرے ۔ اُسے چاہیے کہ مسجد قبر سے الگ بنائے ۔ حضرت عمرؓ قبر کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے ۔ (د : صلاۃ ۱۰ ب ۲)

(۱) کنز العمال : ۲۳۰۹۵ ۔ المحلی ۸/ ۲۵۳ ، ۲۴۱ ۔
(۲) المحلی : ۴/ ۲۴۸ ۔

ب جس طرح قبر پر مسجد بنانا مکروہ ہے۔ اسی طرح کسی زیارت گاہ یا انبیاء کرام اور خلفاء یا نیک بزرگوں کے یادگار مقامات پر مسجد بنانا مکروہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ سواری سے اُترتے ہیں اور ایک مسجد میں جاکر نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو لوگوں نے بتایا کہ اس مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر نماز پڑھی تھی۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلی اقوام اسی لیے تباہ ہوئی ہیں کہ اُنہوں نے اپنے انبیا کے آثار کو عبادتگاہ بنا لیا تھا جو شخص کسی مسجد سے گزرے اور نماز کا وقت آ جائے تو نماز پڑھ لے ورنہ گزر جائے۔[1]

حضرت عمرؓ نے اس عمل کو اس لیے ناپسند کیا کہ اس وقت لوگ جاہلیت کے دَور سے تازہ تازہ نکل کر اسلام کی جانب آئے تھے اور حضرت عمرؓ کو یہ اندیشہ ہُوا کہ لوگ اللہ کی عبادت چھوڑ کر جمادات کی تقدس کے قائل نہ ہو جائیں۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

۴۔ مسجد میں آنے والے۔

پہلے ادوار میں مسجد لوگوں سے پُر رہتی تھی۔ اس میں عبادت گزار بھی آتے تھے اور طالبان علم بھی، سیاست دان بھی آتے تھے اور قاضی بھی اور بعض لوگ آرام کرنے بھی مسجد میں آتے تھے۔

ا۔ حضرت عمرؓ کی اہم مجالس مسجد ہی میں منعقد ہُوا کرتی تھیں۔ مسجد ہی میں اربابِ سیاست اور صاحبان نظم مملکت اکٹھے ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ مسجد ہی میں ان سے بحث مباحثہ اور حساب و محاسبہ کرتے تھے اور ان کی راہنمائی فرماتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے پاس مسجد میں آئے۔ ان کے ساتھ ایک رجسٹر تھا جس میں اُنہوں نے اپنے کام سے متعلق حساب درج کیا ہُوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اُسے بُلاؤ جس نے یہ لکھا ہے تاکہ اُسے پڑھے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا کہ وہ مسجد میں نہیں آ سکتا۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کیوں؟ اُنہوں نے بتایا کہ وہ نصرانی ہے۔[1]

ب حضرت عمرؓ مسجد ہی میں لوگوں کے مقدمات کے فیصلے فرماتے تھے لیکن اگر کسی کو جسمانی سزا دینے کا فیصلہ سُناتے تو مسجد کے احترام کے پیشِ نظر اسے باہر لے جاکر یہ سزا دی جاتی تھی۔

(د: قضاء ۲، حصر ۷، ج)

ج دُنیا سے تنگ آکر اور افکار دنیا سے تھک کر بھی لوگ مسجد میں آتے اور آرام کرتے تھے اور یہ لوگ اپنے ساتھ چھوٹے چھوٹے کام بھی لے آتے تھے۔ ابن سعد نے خولہ بنت سعد سے روایت کیا ہے؛ وہ کہتی ہیں کہ ہم بعض عورتیں عہدِ نبوت اور عہدِ خلافت ابوبکرؓ میں اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانۂ خلافت میں مسجد میں مردوں کی موجودگی کے باوجود ان کے درمیان رہتے ہُوئے کبھی سوت کاتا کرتیں اور کبھی کھجور کی رسی بُنتیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں تمہیں آزاد عورتوں کی طرح لوٹانا چاہتا ہوں (یعنی باپردہ) چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہمیں مسجد سے نکال دیا؛ البتّہ ہم نماز کے وقت مسجد میں آیا کرتی تھیں۔[2] حضرت عمرؓ نے اُنہیں مسجد سے اس لیے نہیں نکالا کہ حضرت عمرؓ اُن کے مسجد میں آرام کرنے یا چھوٹے چھوٹے کام کرنے کو ناپسند فرماتے تھے

---

(۱) عبدالرزاق: ۱۱۹/۲۔

(۱) سنن البیہقی: ۳۲۷/۱۰ - ۱۲۷/۱۰ - ۲۰۴/۹ - المغنی: ۵۳۲/۸ - ۴۲۵/۶۔

(۲) کنزالعمال: ۲۲۱۱۸۔

بلکہ اس لیے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا کہ یہ عورتیں اپنے گھر چھوڑ کر مردوں کے ساتھ مل جل کر بیٹھتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی کو مسجد میں بیٹھے ہوئے زیادہ وقت گزر جاتے تو لیٹ کر ذرا سا پہلو ٹکا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس طرح زیادہ دیر بیٹھے رہنے کی اکتاہٹ دُور ہو جائے گی۔[۱]

د حضرت عمرؓ عورت کا مسجد میں اس طرح بار بار آنا پسند نہیں فرماتے تھے کہ وہ اپنے گھر کو اولاد کی تربیت کی ذمہ داری کو، جو اس کا تمام وقت چاہتی ہے، چھوڑ کر مسجد میں آتی رہے۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو، کا مفہوم یہ سمجھتے تھے کہ یہ حکم نماز کے اوقات کے ساتھ خاص ہے اور عورتوں کو مسجد میں آرام کے لیے آنے کی اجازت نہیں ہے۔

اسی لیے حضرت عمرؓ نے ان عورتوں کو جو مسجد میں آرام کیا کرتی تھیں، مسجد سے نکال دیا اور ان سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں آزاد عورتوں کی طرح گھروں میں لوٹا دوں، لیکن حضرت عمرؓ نے اُن کو نماز کے اوقات میں مسجد آنے سے منع نہیں فرمایا اور عورتیں نمازوں کے اوقات میں مسجد میں آیا کرتی تھیں۔ جیسا کہ ابھی گزرا ہے، لیکن علی العموم حضرت عمرؓ عورت کی گھر کی نماز کو مسجد کی نماز سے افضل سمجھتے تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے نماز کے اوقات میں عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہیں روکا۔ حضرت عمرؓ کی زوجہ عاتکہ مسجد میں جانے کی اجازت مانگتیں، تو حضرت عمرؓ خاموش رہتے۔ وہ کہتیں اگر آپ منع نہیں کرتے تو میں ضرور جاؤں گی۔ بہرحال جب عورت مسجد میں جاتے تو عورتوں کے دروازے سے مسجد میں داخل ہو اور مردوں سے علٰحدہ رہے۔ (د: حجاب ۲ ھ)

ھ جنبی اور حائضہ مسجد میں نہ ٹھہریں، حضرت عمرؓ نے اپنے آخری ایام میں قاسم بن عبدالرحمٰن کو لکھا: مسجد میں فیصلے نہ کیا کرو کیونکہ تمہارے پاس حائضہ اور جنبی بھی آتے ہیں۔[۱]

۵۔ مسجد میں سونا

حضرت عمرؓ مسجد میں سونے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ آپ مسجد میں لوگوں کو سوتا ہوا دیکھتے اور اُنہیں منع نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے السائب بن یزید کو مسجد میں سوتا ہوا دیکھا اور اُنہیں بیدار کیا تاکہ وہ اُن دو آدمیوں کو لے کر آئیں جو مسجد میں زور سے بول رہے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کے سونے پر اعتراض نہیں کیا[۲] بلکہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مسجد میں زیادہ دیر بیٹھا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ ذرا سا پہلو ٹکا لے تاکہ وہ بیٹھے بیٹھے اُکتا نہ جائے۔[۳]

۶۔ مسجد میں وضو۔

ابن سیرین نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر خلفاء مسجد میں وضو کرتے تھے۔[۴] ایک طست منگایا جاتا اور اس میں وضو کرتے۔[۵] (د: وضو ۳)

۷۔ مسجد کا احترام۔

ا مسجد کو خوشبو سے بسانا

حضرت عمرؓ مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کی بڑی سعی فرماتے تھے۔

---

(۱) کنز العمال: ۲۳۱۱۸۔

(۱) المغنی: ۹/۹۵۔
(۲) البخاری، الصلاۃ، باب رفع الصوت فی المسجد، سنن البیہقی: ۱۰/۱۰۳۔
(۳) کنز العمال: ۲۳۱۱۸۔
(۴) المغنی: ۳/۲۰۶۔
(۵) ابن ابی شیبہ: ۱/۶۔

تاکہ مسجد لوگوں کے لیے مرغوب جگہ رہے۔ اسی لیے آپ ہر جمعہ کو مسجد میں خوشبو کا اہتمام فرماتے تھے۔(۱)

ب مسجد کو راستہ بنانا۔

حضرت عمرؓ اس کو مکروہ خیال کرتے تھے کہ مسجد کو اس طرح گزرگاہ کے طور پر استعمال کیا جائے کہ اس میں سے گزرے اور نماز نہ پڑھے۔ چنانچہ آپ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے اور ایک رکعت پڑھی کسی نے ان سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو نفل ہے جو چاہے زائد پڑھ لے اور جو چاہے کم پڑھے میں نے تو اس کو بُرا سمجھا کہ (بغیر نماز پڑھے) مسجد سے گزر جاؤں۔(۲)

ج مسجد میں فضول گوئی۔

حضرت عمرؓ جب نماز کے لیے نکلتے تو مسجد میں آواز دیتے کہ فضول گوئی سے احتراز کرو۔(۳) اور ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے گھروں میں فضول گفتگو نہ کرو۔(۴)

د مسجد میں آواز بلند کرنا۔

حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو مسجد میں بلند آواز سے باتیں کرتے ہوئے سُنا تو آپ نے اس شخص سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم کہاں ہو(۵) مسلمانوں کی مساجد میں آوازیں نہیں بلند کی جاتیں۔(۶) ایک مرتبہ حضرت عمرؓ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ دو شخص بلند آواز سے باتیں کر رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ ان کی طرف جھپٹے

(۱) مجمع الزوائد ۲/۱۱۱۔ کنز العمال: ۲۳۰۸۱۔

(۲) عبدالرزاق: ۲/۱۵۴۔

(۳) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۱۰۔

(۴) عبدالرزاق: ۱/۴۲۶۔ ۴/۲۶۶۔

(۵) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۱۰۔

(۶) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۱۰۔

اور ان میں سے ایک کو پکڑ لیا اور اُسے مارا اور دریافت کیا کہ تم کون ہو۔ اس نے کہا کہ میں ثقفی ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ہماری ان مساجد میں آواز بلند نہیں کی جاتی۔(۱) اسی طرح آپ نے دو آدمیوں کو بلند آواز سے باتیں کرتے سُنا تو آپ نے اُنہیں بلوایا اور ان سے دریافت کیا کہ تم دونوں کون ہو۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم طائف کے لوگ ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر تم اسی شہر کے ہوتے تو میں تمہیں سخت سزا دیتا۔ تم رسُول اللہؐ کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو۔(۲)

ھ مسجد میں شعر پڑھنا:

حضرت عمرؓ مسجد میں شعر پڑھنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ کیونکہ اشعار میں تعریف ہو تو مبالغہ پر مبنی ہوتی ہے اور ایسے خیالات ہوتے ہیں جو بے بنیاد اور نادرست ہوتے ہیں لیکن آپ منع نہیں فرماتے تھے، کیونکہ مسجد میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھے گئے، چنانچہ روایت ہے کہ حضرت حسانؓ مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ ادھر سے گزرے تو گوشۂ چشم سے اُنہیں دیکھا۔ حسانؓ بولے کہ میں نے مسجد میں اس کے سامنے بھی اشعار پڑھے ہیں جو آپ سے بہتر تھے۔ حضرت عمرؓ کو یہ خوف محسوس ہوا کہ کہیں حضرت حسانؓ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل مدِ مقابل قرار دے لیں۔ اس لیے آپ نے اُنہیں اجازت دے دی اور اُنہیں چھوڑ دیا۔(۳) اسی لیے حضرت عمرؓ نے مسجد کے ساتھ ایک صحن سا بنوا دیا تھا۔ جس کا نام آپ نے البطیحا، رکھا تھا اور آپ نے کہہ رکھا تھا کہ جو

(۱) عبدالرزاق: ۱/۴۲۶۔

(۲) البخاری، الصلاۃ، باب رفع الصوت فی المساجد۔ سنن البیہقی: ۱۰/۱۰۳۔

(۳) عبدالرزاق: ۱/۴۳۹۔

شخص فضول باتیں کرنا چاہے، شعر پڑھنا چاہے یا بلند آواز سے بات کرنا چاہے تو وہ اس صحن میں چلا جائے"(۱)

۷ مسجد میں مقدمے کا فیصلہ اور سزاؤں کا نفاذ (د: قضاء ۶ حد ۷ ج)

۸ صلاۃ تحیۃ المسجد۔ (د: صلاۃ ۲۰ ج ۸)

۹ مسجد میں نماز جنازہ۔ (د: صلاۃ ۲۴ ج)

مسح:

وضو میں کونسے اعضا پر مسح کیا جائے۔ (د: وضوء ۶)

وضو میں موزوں، جرابوں، جوتوں، عمامہ اور دوپٹہ پر مسح کرنا۔ (د: وضوء ۶ د)

مسکر (نشہ آور شے)

دیکھیے: اشربہ۔

مسیل:

آبی گزرگاہ کا حق۔ (د: ارتفاق ۲)

مشقت:

سخت مشقت برداشت کرنے پر مجبور کرنا۔ (د: اکراہ ۲ ب ۳)

مشارکت:

شریک جنایت کا جانی متصور ہونا۔ (د: جنایت ۲ ب ۲ ث)

انسان کا کسی شخص کے ساتھ اس کی خودکشی میں شریک ہونا۔ (د: جنایت ۲ ب ۱)

نیز دیکھیے: شرکت۔

مصحف (قرآن کریم)

دیکھیے: قرآن۔

مضاربت:

دیکھیے: شرکت۔

مضطر

دیکھیے: ضرورت۔

مطر (بارش)

بارش کے عذر کی بنا پر دو نمازوں کا جمع کرنا۔ (د: جمع بین الصلاتین) (د: صلاۃ ۲ ب)

معانقہ

ملاقات کے وقت معانقہ کا جواز۔ (د: سفر ۷)

معاہد:

دیکھیے: ذمہ

معتوہ (احمق)

دیکھیے: عتہ

معدن (کان)

دیکھیے: رکاز

---

(۱) سنن البیہقی: ۱۰/۱۰۳۔

معذور :

معذور شخص کا وضو۔ (د: وضوء ۹)

مغامرۃ :

دیکھیے: تہلکہ۔

مغرب :

مغرب کا وقت۔ (د: صلاۃ ۳)

مغرب کی نماز میں قرآن کا کونسا حصہ پڑھے۔ (د: صلاۃ ۱۲، ۹)

مفقود (لاپتہ)

۱ تعریف :

مفقود وہ شخص ہے جو بالکل غائب ہوگیا ہو اور اس کے بارے میں کچھ پتہ نہ ہو اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ مرگیا ہے یا زندہ ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس میں فرق نہیں کیا ہے کہ انسان کسی ایسی جگہ مفقود ہوا ہو جہاں کھلا خطرہ موجود ہو۔ جیسے میدان جنگ میں لاپتہ ہوگیا ہو یا ایسی جگہ مفقود ہوا ہو جس میں بظاہر سلامتی ہو، مثلاً کوئی شخص تجارت کے لیے سفر پر جائے اور واپس نہ آئے اور اس کی کوئی خبر نہ ملتی ہو اور یہ بھی پتہ نہ ہو کہ مرگیا یا زندہ ہے[1]

۲۔ مفقود کے احکام

لاپتہ ہوجانے پر حسب ذیل احکام مرتب ہوتے ہیں۔

ا اس کی بیوی اگر چاہے تو اسی کی بیوی رہے حتیٰ کہ یا تو اس کا پتہ چل جائے یا بیوی خود ہی مرجائے۔ اور اگر چاہے تو قاضی کے

(۱) المحلی: ۱۰/۱۴۰۔

یہاں مقدمہ دائر کردے۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ مقدمہ دائر کرنے کے بعد عورت کو چار سال کی مہلت دی جائے۔ جو اُن کے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے اگر اس عرصے میں مفقود کا پتہ چل جائے۔ (تو درست) ورنہ وہ اس کے بعد عدت وفات چار ماہ دس دن گزارے گی[1]

ب لیکن کیا مفقود کی بیوی یہ مدت گزرنے کے بعد نکاح کرسکتی ہے۔ اُسے مفقود کے ولی کی طرف سے طلاق ملنا ضروری نہیں ہے یا دوسرا نکاح حلال ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مفقود کا ولی اُسے طلاق دے۔

حضرت عمرؓ کی رائے یہ ہے کہ مفقود کی بیوی پر چار سال گزرنے کے بعد قاضی مفقود کے ولی کو طلب کرے اور اُسے اس عورت کو طلاق دینے کا حکم دے[2] پھر وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے، چنانچہ عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک عورت کے شوہر کے ولی کو (جس کا شوہر غائب تھا) حکم دیا کہ وہ اس عورت کو طلاق دے دے[3] اور فرمایا کہ مفقود کی بیوی چار سال انتظار کرے گی پھر اس کے شوہر کا ولی اُسے طلاق دے گا اور پھر چار ماہ دس دن کی عدت گزار کے نکاح کرسکے گی[4]

(۱) ابن ابی شیبہ: ۱/۲۱۸، سنن البیہقی: ۷/۴۴۵، المؤطا: ۲/۵۷۵، کنز العمال: ۲۸۰۱۸، المحلی: ۹/۱۰ و ۱۲۷، المغنی: ۱۰/۱۴۰، فتح الباری: ۱۱/۳۵۲۔

(۲) المحلی: ۱۰/۱۴۰، فتح الباری: ۱۱/۳۵۲۔

(۳) کنز العمال: ۲۸۰۲۷، المحلی: ۱۰/۱۳۶، ان دونوں نے عبدالرزاق کا حوالہ دیا ہے، مگر عبدالرزاق کے مطبوعہ نسخہ میں یہ روایت موجود نہیں ہے، بلکہ مطبوعہ نسخہ میں سرے سے 'احکام المفقود' موجود ہی نہیں ہیں۔

(۴) ابن ابی شیبہ: ۱/۲۱۸، سنن البیہقی: ۷/۴۴۵۔

ج اگر مفقود کی بیوی نکاح کرلے اور پھر اس کا مفقود شوہر واپس آ جائے اور یہ بیوی زندہ ہو تو قاضی اسے اختیار دے گا کہ وہ اپنی بیوی واپس لے یا وہ مہر لے لے جو اُس نے اس بیوی کو دیا تھا۔ اگر مہر کو اختیار کرے تو اس کی ادائیگی دوسرے شوہر کے ذمّہ ہوگی، اور اگر بیوی کو اختیار کرے تو بیوی عدت گزارے اور جب عدت پُوری ہو جائے تو اس کے بعد پہلے شوہر کے پاس آ جائے اور اُسے دوسرے شوہر کی طرف سے مہر ملے گا کیونکہ اُس نے اُس کے ساتھ جماع کیا ہے[۱]۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ ایک عورت کا شوہر لاپتہ ہوگیا اس نے اس کا چار سال انتظار کیا پھر اپنا مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا تو حضرت عمرؓ نے اُسے حُکم دیا کہ مقدمہ دائر کرنے کے وقت سے چار سال اور انتظار کرے، اگر اس دوران شوہر آ گیا تو فبہا ورنہ نکاح کرلے۔ چنانچہ چار سال مزید گزارنے کے باوجود جب اسے شوہر کی خبر نہ ملی تو اس نے نکاح کرلیا۔ اس کے بعد اس کا شوہر آ گیا۔ اسے اس معاملہ کی اطلاع ہوئی تو وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ہم تمہاری بیوی تمہیں لوٹا دیں اور تم چاہو تو ہم تمہارا نکاح کسی اور سے کرا دیں۔ اس نے کہا کہ کسی اور سے نکاح کرا دیجیے[۲]۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے اپنی پہلی بیوی اختیار کی اور حضرت عمرؓ نے اس کی پہلی بیوی اُسے واپس دلوادی[۳]۔

(۱) سنن البیہقی: ۷/۴۴۶۔ المحلی: ۱۰/۱۴۰۔ ۹/۱۲۹۔ ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۸۔

(۲) المحلی: ۱۰/۱۳۴۔ کنز العمال: ۲۸۰۲۶۔ ان دونوں نے یہ روایت عبدالرزاق کی طرف منسوب کی ہے مگر عبدالرزاق کے مطبوعہ نسخہ میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔

(۳) کنز العمال: ۲۸۰۲۳۔ المحلی: ۱۰/۱۳۶۔

۳۔ مفقود کی میراث:

ا حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ قاضی مفقود کی بیوی کو چار سال انتظار کا حکم دے گا اور جب یہ چار سال پُورے ہو جائیں گے، تو مفقود کی میراث تقسیم کر دی جائے گی[۱]۔

ب اگر مفقود کی بیوی نکاح کر چکی ہو، اس کے بعد مفقود شوہر آ جائے اور یہ بیوی اس مفقود کے پہنچنے سے پہلے مر چکی ہو تو وہ اس کی میراث کا مستحق ہوگا۔ بشرطیکہ وہ یہ حلف اُٹھا لے کہ نکاح کرنے کے باوجود اگر وہ اُسے زندہ پاتا تو وہ اسی کو اختیار کرتا اور مہر نہ لیتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مفقود کی بیوی نے نکاح کر لیا اور جب اس کا شوہر آیا تو وہ مر چکی ہو تو اس کی میراث یہ شوہر اس صورت میں پائے گا جب وہ یہ حلف اُٹھا لے کہ اگر وہ اُسے زندہ پاتا تو وہ مہر کے بجائے اسی کو اختیار کرتا[۲]۔ (د: میراث ۳ (۲))

مُفلس:

دیکھیے: تفلیس۔

مفوّضہ

(وہ بیوی جسے اس کے شوہر نے حق طلاق یا مہر کا تعین تفویض کر دیا ہو۔)

- مفوضہ مہر، یعنی جسے مہر کے تعین کا حق تفویض کیا گیا ہو، اگر اس کے تعین سے قبل اس کا شوہر مر جائے۔ (د: نکاح ۵ د ۳ ب)
- مفوضہ طلاق۔ (د: طلاق ۲ (۲،۳))

مقاطعہ:

دیکھیے: ہجر۔

(۱) کنز العمال: ۲۸۰۲۳۔ المحلی: ۱۰/۱۳۶۔

(۲) کنز العمال: ۲۸۰۲۵۔ اس روایت کی عبارت میں بے ربطی تھی۔ اور میں نے جیسے مناسب سمجھا اسے دُرست کر دیا ہے۔

مکاتب (وہ غلام جس سے یہ معاہدہ ہوگیا ہو کہ مخصوص رقم ادا کرنے کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا۔)

دیکھیے، رق ۳ ہ۔

مکس :

دیکھیے، عُشر۔

مکّہ :

۱۔ حرم مکّہ کی حدود ۔

حضرت عبیداللہ بن عتبہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم پہلے شخص ہیں جنہوں نے حرم کی حدود متعین فرمائیں ۔ انہیں ان حدود کی نشاندہی حضرت جبریل نے کی اور وہاں نصب شدہ پتھر قُصی کے وقت تک ادھر اُدھر نہیں ہوئے ۔ پھر قُصی نے ان کو از سرِ نو نصب کیا اور یہ پتھر نبی کریم کے وقت تک باقی رہے ۔ آپ کے وقت تک ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی پھر آپ نے فتح کے سال تمیم بن اسد الخزاعی کو بھیجا اور اُنہوں نے از سرِ نو ان حدود کو متعین کیا ۔ پھر یہ علامات اسی طرح برقرار رہیں اور حضرت عمر کے زمانے میں ان میں تغیر آیا تو حضرت عمرؓ نے قریش کے چار افراد بھیجے، جو مکّہ کی وادیوں میں سفر کیا کرتے تھے ۔ اُنہوں نے حرم کے نشانات از سرِ نو لگائے اور حضرت عمرؓ نے اُنہیں حکم دیا کہ ہر وادی کا جائزہ لیں جو حرم میں آتی ہو ۔ اس پر پتھر لگا دیں، نشان لگا دیں اور اُسے حرم میں شامل کر دیں ۔ اور جو وادی غیر حرم میں آتی ہو اُسے "حل" قرار دے دیں ۔[۱]

---

(۱) کنز العمال : ۳۸۰۹۲ ۔ ۳۸۰۹۴ ۔

حرم مکّہ کی حدود کے لیے دیکھیے ۔ (حج ۲ب ۲)

۲۔ مسجدِ حرام کی توسیع ۔

المجموع میں ہے کہ سب سے پہلے مسجد حرام میں حضرت عمرؓ نے اضافہ کیا ۔ حضرت عمرؓ نے گردو پیش کے کچھ مکانات خرید کر مسجد میں توسیع کی اور مسجد کے گرد قدِ آدم سے ذرا نیچی دیواریں بنوائیں اور حضرت عمرؓ ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مسجد کی دیوار بنوائی ۔ پھر حضرت عثمانؓ نے توسیع فرمائی اور آپ ہی نے مسجد میں برآمدے بنوائے گویا برآمدہ بنانے والے پہلے خلیفہ حضرت عثمان ہیں ۔[۱]

۳۔ مکّہ مکرمہ کی فضیلت :

حضرت ابن زبیرؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ مسجد حرام میں ایک نماز دیگر مساجد کی ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے ۔ سوائے مسجد نبویؐ کے کہ مسجد حرام کو مسجد نبویؐ پر سو نمازوں کی فضیلت حاصل ہے ۔[۲] یعنی مسجد حرام میں ایک نماز مسجد نبوی میں سو نمازوں سے افضل ہے ۔ یہ بات اس دوسری روایت سے بھی واضح ہوتی ہے جو ابن الزبیرؓ ہی سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو کہتے ہوئے سُنا کہ مسجد حرام میں ایک نماز مسجد نبوی میں سو نمازوں سے افضل ہے ۔[۳]

۴۔ حرم مکّہ میں گناہوں کے ارتکاب سے اجتناب :

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے اہلِ مکّہ اللہ کے حرم میں اللہ سے ڈرو ۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس گھر میں کون کون سکونت پذیر رہا ۔

---

(۱) المجموع : ۸/۸۵
(۲) کنز العمال : ۳۸۰۳۸ ۔
(۳) المحلی : ۷/۲۸۵ ۔

دیکھو۔ یہاں بنی فلاں رہے اور اُنہوں نے حرم کی حرمت کو پامال کیا اور ہلاک ہوئے اور یہاں بنی فلاں رہے اور اُنہوں نے بھی حرم کی حرمت کو پامال کیا اور وہ بھی ہلاک ہوئے۔ اس طرح حضرت عمرؓ نے متعدد قبائل عرب کا ذکر کیا اس کے بعد فرمایا کہ غیر حرم میں اگر مجھ سے دس خطائیں بھی سرزد ہو جائیں تو اس کو میں اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ حرم میں ایک غلطی کا مرتکب ہوں[1]۔

اور ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں طائف کی وادیٔ رکبہ میں ستر غلطیاں کروں یہ اس سے بہتر ہے کہ میں مکہ میں ایک غلطی کروں[2]۔

۵۔ کسی شخص کے لیے حرم مکہ کی مٹی حرم سے باہر لے جانا جائز نہیں ہے[3] کہ کہیں یہ چیز دوبارہ بت پرستی کی جانب بلانے کا ذریعہ نہ بن جائے۔

۶۔ مکہ کے گھر۔

ا مکہ مکرمہ کے گھروں کی خرید و فروخت رہن رکھنا اور کرایہ پر دینا جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے صفوان بن امیہ سے ایک گھر جیل بنانے کے لیے چار ہزار دینار میں خریدا[4]۔ (د: اجارہ ۲۰) و (بیع اب ۲)

ب حضرت عمرؓ مکہ مکرمہ کے لوگوں کو اپنے گھروں میں دروازے لگانے سے منع فرماتے تھے تاکہ حاجی اور عمرہ کرنے والے ان گھروں کے صحن میں آکر قیام کر سکیں۔ ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مکہ کے گھروں میں دروازے لگانے سے منع فرمایا تاکہ حاجی آکر ان کے صحن میں اُتر سکیں سب سے پہلے جس نے اپنے گھر میں دروازہ لگایا سہیل بن عمرو تھے حضرت عمرؓ نے انہیں طلب

(۱) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۷۹۔ ب
(۲) عبدالرزاق: ۵/۲۸۔
(۳) المغنی: ۳/۵۵۶۔
(۴) عبدالرزاق: ۵/۱۴۸۔ المغنی: ۴/۲۶۲۔

کیا تو اُنہوں نے کہا کہ اے امیرالمؤمنین مجھے رعایت دیجیے میں ایک تاجر ہوں، میں نے اپنے سامان کی حفاظت کے خیال سے چاہا کہ دو دروازے لگوا لوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر درست ہے[1]۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے اہل مکہ اپنے گھروں کے دروازے نہ بناؤ تاکہ باہر سے آنے والا جب چاہے اُتر سکے[2]۔

۷۔ حرم میں اقامت۔

ا کافر کو حرم مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ نے کافروں کو حرم مکہ سے نکال دیا تھا[3]۔

ب حضرت عمرؓ اس امر کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ جو شخص حج یا عمرہ کر چکا ہو وہ تین دن سے زائد مکہ میں ٹھہرے۔ موسیٰ بن عیسیٰ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ جب مکہ آتے اور اپنے حج کے مناسک پورے کر لیتے تو کہتے کہ اے مکہ تو ٹھہرنے اور قیام کرنے کی جگہ نہیں ہے[4] اور آپ فرماتے کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد صرف تین دن قیام کرو[5]۔

۸۔ حدود اور قصاص کا جاری کرنا۔ (د: حد ۷) و (جنایت ۵ (۲،۵)

۹۔ حرم مکہ میں شکار کی حرمت۔

ا اگر کوئی شخص جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو حرم میں کوئی جانور شکار کرے تو اس پر اس کا مقررہ فدیہ لازم آئے گا۔ (د: حج ۶ د ھ)

(۱) عبدالرزاق: ۵/۱۴۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۱۸۸۔ دال ابی عبید: ۶۶۔ المحلی: ۷/۲۶۲۔
(۲) کنز العمال: ۳۸۰۴۶۔
(۳) المغنی: ۸/۵۳۱
(۴) عبدالرزاق: ۵/۲۱۔
(۵) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۱۶۸۔

ب غیر محرم اگر حرم کا کبوتر مارد ے تو اس پر ایک بکری فدیہ ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹوں کی جانب سے جنہوں نے حرم مکہ کے کبوتر کا بچہ مار دیا تھا، ایک مینڈھا ذبح کیا[1]۔ حضرت عمرؓ نے خود اپنے سلسلہ میں ایک بکری ذبح کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ آپ ایک کبوتر کو مارنے کے سبب بن گئے تھے۔ چنانچہ نافع بن عبدالحارث سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ مکہ مکرمہ آئے اور جمعہ کے روز دارالندوہ میں داخل ہوئے آپ چاہتے تھے کہ وہاں سے مسجد جانا قریب رہے۔ آپ نے گھر میں لگی ہُوئی ایک کھونٹی پر چادر ڈال دی، اس پر ایک کبوتر آبیٹھا۔ جو آپ نے اڑا دیا، وہ دوسری (کھونٹی) پر جا بیٹھا وہاں اسے سانپ نے ڈس لیا اور وہ مر گیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد میں اور حضرت عثمانؓ آپ کے پاس گئے تو آپ نے کہا کہ میں آج ایک کام کر گزرا ہوں، تم دونوں اس کے بارے میں فیصلہ کرو۔ میں اس گھر (دارالندوہ) میں آیا، میرا ارادہ یہ تھا کہ مسجد قریب ہو جائے، میں نے اس کھونٹی پر اپنی چادر ڈال دی۔ اس پر ان کبوتروں میں سے ایک کبوتر آکر بیٹھ گیا، مجھے یہ اندیشہ ہُوا کہ بیٹ کرکے چادر گندی نہ کر دے۔ اس لیے میں نے اُسے اُڑا دیا۔ وہ دوسری (کھونٹی) پر جا بیٹھا۔ وہاں اُسے سانپ نے ڈس لیا اور وہ مر گیا۔ اب مجھے یہ خیال ہُوا کہ میں نے اس کو محفوظ جگہ سے اُڑا کر ایسی جگہ بیٹھنے پر مجبور کیا جہاں موت اس کی منتظر تھی۔ میں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر ہم امیرالمؤمنین کو اس سلسلے میں ایک دو سالہ بھوری بھیڑ کی قربانی کا حکم دے دیں؟ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میری بھی یہی رائے ہے؛ چنانچہ اُنہوں نے حضرت عمرؓ کو اس کا حکم دیا[2]۔

(۱) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۸۷۔ (۲) الام: ۲/۱۹۵۔ المغنی: ۳/۳۴۹۔

۱۰۔ حرم کے درخت کاٹنے کی حرمت۔

کسی انسان کے لیے مکہ مکرمہ کا کوئی درخت کاٹنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ منٰی میں خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے ایک یمنی شخص کو درخت کاٹتے دیکھا۔ تو آپ نے اسے بلوایا اور اس سے دریافت کیا کہ تم کیا کر رہے ہو، اس نے کہا کہ میں اپنے اُونٹ کے لیے چارہ کاٹ رہا ہوں۔ میرے پاس چارہ نہیں ہے۔ آپ نے پُوچھا تمہیں پتہ ہے کہ تم کہاں ہو، اس نے کہا: نہیں، اس پر حضرت عمرؓ نے اس کے لیے نفقہ جاری کرنے کا حکم دیا[1]۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مکہ کا نہ درخت کاٹا جاتا ہے اور نہ سبز گھاس کاٹی جاتی ہے۔ اس نے کہا کہ جی ہاں! لیکن میرے اُونٹ کی بھوک نے مجھے اس پر آمادہ کیا ہے؛ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسے ایک لدا ہُوا اُونٹ دے دیا اور اُسے فرمایا کہ اب دوبارہ ایسا نہ کرنا[2]۔

۱۱۔ حرم میں ارتکاب جنایت پر دیت کی شدت۔ (د: جنایت ۲ ب ۵)

ملکیّت:

ملکیت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ملکیت عامہ۔

و تعریف:

ملکیت عامہ سے مراد وہ تمام اشیاء ہیں جو متعین طور پر کسی انسان کی ملکیت نہ ہوں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ وہ اشیاء جو مسلمانوں کے بیت المال میں جمع ہوں۔ جیسے فئے (د: فئے) خمس غنیمت (د: غنیمت ۲ ب ۲) غنیمت میں سے امیر نے جو شے اپنے لیے منتخب کرلی ہو (د: غنیمت ۲ ب ۱)

(۱) عبدالرزاق: ۵/۱۲۵۔ (۲) سنن البیہقی: ۵/۱۹۶۔

اور زکوٰۃ ۔ (د : زکوٰۃ ۵ (۲)

۲ ۔ وہ زمینیں جو طاقت کے بل پر فتح ہوئی ہوں اور امام نے انہیں وقف قرار دے دیا ہو اور مجاہدین میں تقسیم نہ کیا ہو ۔

(د : ارض ا ج)

۳ ۔ وہ مقامات جس سے عوام کی منفعت وابستہ ہو جیسے راستے اور مساجد وغیرہ ۔

۴ ۔ وہ اشیا جو خالص اللہ سبحانہ کی پیدا کردہ ہوں اور کسی انسان کا ان کی پیدوار میں کوئی دخل نہ ہو ، جیسے سمندر میں مچھلی ، فضا میں پرندے اور سبزہ اپنے اگنے کی جگہ پر اور پانی اپنے نکلنے کی جگہ پر وغیرہ ۔

ب ملکیت عامہ کا ملکیت خاص میں منتقل ہونا :

ا ۔ ملکیت عامہ کی پہلی قسم یعنی وہ اشیا جو بیت المال میں جمع ہوتی ہیں ۔ اگر امام ان میں سے کسی چیز کا کسی شخص کو مالک بنا دے تو وہ ملکیت خاص میں منتقل ہو جاتی ہے ۔ شریعت نے ان میں سے ہر قسم کے متعین مصارف مقرر کیے ہیں ، مثلاً : مصارف فئے (د : فئے ۳) اور مصارف خمس غنیمت (د : غنیمت ۲ ب ۲) اور مصارف صفی (د : صفی ۲) د (احیاء موات ۲) اور مصارف زکوٰۃ (د : زکوٰۃ ۸)

۲ ، ۳ ۔ دوسری اور تیسری قسم یعنی وہ مفتوحہ زمینیں جو قوت کے بل پر فتح ہوئی ہوں ، وہ مقامات جو منفعتِ عامہ سے متعلق ہوں ایسی زمینیں اللہ کی ملکیت یعنی ملکیت عامہ سے کبھی نہیں نکلتیں ۔ (د : ارض ا ب) اس امر پر اجماع ہے کہ راستے اور مساجد کبھی کسی کی ملکیت خاص نہیں بن سکتے ۔

۴ ۔ چوتھی قسم وہ اشیا ہیں جن پر قابو پا کر مالک بننے کی نیت سے انہیں اپنی ملکیت میں لایا جائے ۔ مثلاً کوئی شخص مالک بننے کی نیت سے مچھلی کا شکار کر لے تو وہ بالاجماع اسکا مالک بن جائے گا ۔

۲ ۔ فردِ خاص کی انفرادی ملکیت ۔

ا تعریف :

یہ وہ اموال ہیں جن کا ایک متعین شخص بطور خاص مالک ہو اور اُسے اس شے پر تصرف کا ایسا حق حاصل ہو جس سے کسی کا نقصان نہ ہوتا ہو ، خواہ یہ تصرف بالعوض ہو یا بلا عوض ہو ۔

ب ۔ ملکیت کے مشروع (جائز) ذرائع : ملکیت کے از رُوئے شریعت جائز ذرائع درج ذیل ہیں ۔

ا ۔ عمل ، خواہ زراعت ہو ۔ (د : زراعت) یا تجارت ہو (د : بیع) یا صناعت (د : اجارہ ۲ ا) اس میں مباح اشیا کو اپنے قبضہ میں لانے کے ذرائع بھی داخل ہیں ، مثلاً شکار ، گھاس کاٹ لینا ، لکڑی کاٹ لینا اور غیر آباد زمین کو آباد کر لینا ۔ وغیرہ

۲ ۔ تملیک : اس کی تین قسمیں ہیں ۔

پہلی قسم : اللہ کے مالک بنانے سے مالک بننا مثلاً میراث ۔

(د : ارث)

دوسری قسم : معاوضہ لے کر مالک بنانا مثلاً بیع اور اجارہ ۔

(د : بیع ، اجارہ)

تیسری قسم : بغیر معاوضہ کے مالک بنانا ۔ جیسے صدقہ اور ہبہ ۔

(د : صدقہ ، ہبہ ، تبرع)

۳ ۔ ضائع اور ہلاک ہوتی ہوئی چیز کو بچانا یا زندہ کرنا ، مثلاً لقطہ (د : لقطہ ۴)

ج ۔ خاص انفرادی ملکیت کی قیود ۔ انفرادی ملکیت کی چند قیود ہیں جو یہ ہیں ۔

ا ۔ مالک اپنی ملکیت کو ایسے کام میں نہ لائے جو خود اس کے حق میں یا کسی دوسرے کے حق میں ضرر رساں ہو ۔ خود اپنے لیے نقصان دہ استعمال یہ ہے کہ وہ اس استعمال میں اسراف اور تبذیر کے راستوں پر چلے ۔ اسراف کے بارے میں اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے کہ

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۔

(بنی اسرائیل : ۲۹)

نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اُسے بالکل ہی کُھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ ۔

تبذیر کے بارے میں حق سبحانہٗ کا فرمان ہے کہ

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا (بنی اسرائیل : ۲۷)

فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے ۔

اسی قسم میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ انسان کی ملکیت اسے اس کے فرائض سے غافل کر دے ۔ اگر یہ کیفیت ہو تو وہ اس تنبیہ اور ملامت کا مستحق ہے جو اللہ سبحانہٗ نے اس قول میں فرمائی ہے کہ

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۔ (التکاثر : ۱-۸)

تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دُنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے ۔ یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو ۔ ہرگز نہیں ، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا ۔ پھر (سن لو کہ) ہرگز نہیں ، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا ، ہرگز نہیں اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے (اس روش کے انجام کو) جانتے ہوتے (تو تمہارا یہ طرز عمل نہ ہوتا) تم دوزخ دیکھ کر رہو گے ۔ پھر (سن لو کہ) تم بالکل یقین کے ساتھ اسے دیکھ لو گے پھر ضرور اس روز تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی ۔“

اور اپنی ملکیت کا ایسا استعمال جس میں دوسرے کا نقصان ہو یعنی یہ کہ کوئی شخص اپنی مملوکہ اشیا دوسروں کو نقصان پہنچانے کا آلہ اور ذریعہ بنائے ۔ روایت ہے کہ ضحاک بن خلیفہ نے محمد بن مسلمہ کی زمین میں سے پانی کی نالی گزارنی چاہی تاکہ وہ اس سے اپنی زمین سیراب کر سکیں ، لیکن محمد بن مسلمہ نے انکار کر دیا ضحاک نے کہا کہ تم مجھے کیوں روکتے ہو ، جبکہ اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے کہ اول و آخر تمہاری زمین سیراب ہوگی ، مگر محمد نے اس کے باوجود انکار کیا ، اس پر ضحاک نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی ۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بلوایا اور انہیں حکم دیا کہ ضحاک کو پانی لے جانے کا راستہ دو ۔ محمد نے اب بھی انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کو اس کام سے کیوں روک رہے ہو جس میں اس کا نفع ہے اور تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ تمہارا بھی فائدہ ہے کہ تمہاری زمین بھی اول و آخر سیراب ہوگی ۔ اس پر بھی محمد بن مسلمہ نے کہا کہ نہیں قسم بخدا ! اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قسم بخدا یہ ضرور گزارے گا ۔ اگرچہ تمہارے پیٹ پر سے گزارے ؛ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ضحاک کو حکم دیا کہ وہ پانی کی نالی گزار لیں ؛ چنانچہ ضحاک نے ایسا ہی کیا ۔[1]

۲- ملکیت پر جو حقوق عائد ہوں انہیں ادا کرے ۔ یہ حقوق کئی قسم کے ہیں ۔

پہلی قسم : وہ حقوق جو تمام ملکیتوں پر عائد ہوتے ہیں ۔ خواہ ان کا مالک مسلمان ہو یا کافر ، ذمی ہو یا حربی ۔ اور وہ یہ ہیں ؛

---

(۱) الموطا : ۲/۷۴۶ ، المغنی ، ۴/۹۷ ۵ ، خراج یحییٰ بن آدم : ۱۲۰ ۔

(۱) اس میں سے مالک پر خرچ ہو اور ان لوگوں پر خرچ ہو جن کا نفقہ مالک کے ذمے واجب ہو۔ (د: نفقہ)

(۲) مزید کچھ حقوق ہیں جو ضرورت کے تحت وجود میں آتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے کھانے یا پانی کا بحالت اضطرار ضرورت مند ہو اور اس سے مانگے، تو اس شخص پر اسے دینا واجب ہے۔ اگر یہ شخص جس سے مانگا گیا ہے نہ دے، حالانکہ وہ خود اس وقت اس کا ضرورت مند نہ ہو، اور یہ شخص مر جائے تو نہ دینے والا اس کی (دیت کا) ضامن ہوگا[1] چنانچہ حسن بصری سے مروی ہے کہ ایک شخص کچھ لوگوں کے پاس آیا جن کے پاس پانی موجود تھا۔ اس نے ان سے پانی مانگا مگر اُنہوں نے اُسے پانی نہیں دیا۔ یہاں تک کہ وہ پیاسا مر گیا، تو حضرت عمرؓ نے ان لوگوں پر بطور تاوان اس شخص کی دیت کی ادائیگی لازم کی[2]

دوسری قسم۔ وہ حقوق اس جو بطور خاص مسلمانوں کے مال پر واجب ہیں۔ اور وہ حقوق یہ ہیں۔

زکوٰۃ (د: زکوٰۃ)

صدقۂ فطر (د: صدقۃ الفطر)

دیگر صدقات (د: صدقہ)

تیسری قسم۔ وہ حق ہے جو خاص ذمیوں کے مال میں واجب ہے اور وہ ہے جزیہ۔ (د: جزیہ)

چوتھی قسم: وہ حق ہے جو اہل حرب تاجروں کے مال پر اسلامی حدود سے گزرتے وقت عائد ہوتا ہے۔ اور وہ عشر ہے۔

(د: عشر)

(۱) المغنی: ۷/۸۳۴۔ (۲) سنن البیہقی: ۶/۱۵۳۔ المحلی: ۱۰/۵۲۲۔ خراج یحیٰی: ۱۱۱۔ عبدالرزاق: ۱۰/۵۱۔

د۔ انفرادی ملکیت کا اجتماعی ملکیت میں بدل جانا۔ یہ ممکن ہے کہ انفرادی ملکیت اجتماعی ملکیت میں بدل جائے، بشرطیکہ یہ عمل رضامندی سے ہو۔ حضرت عمرؓ نے صفوان بن امیہ سے ایک گھر چار ہزار دینار میں جیل بنانے کے لیے خریدا[1] اور اس طرح آپؓ نے اس انفرادی ملکیت کو اجتماعی ملکیت میں تبدیل کر دیا۔ اسی طرح آپؓ نے ارادہ کیا کہ حضرت عباسؓ سے ان کا گھر خرید کر مسجد حرام میں توسیع کریں مگر حضرت عباسؓ اُسے فروخت کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ دونوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کو حکم بنایا۔ حضرت ابیؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ حضرت عمرؓ کے لیے حضرت عباس کی مرضی کے بغیر ان کا مکان خریدنا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت ابیؓ کے اس فیصلہ پر مطمئن ہو گئے۔ (د: مسجد ۲ ا)

مُنَقِّلہ

۱۔ تعریف:

منقلہ وہ زخم ہے جس میں ہڈی ٹوٹ کر اپنی جگہ سے سرک جائے۔

(د: جنایت ۷ ب ۲ ج)

۲۔ سزا۔

منقلہ میں قصاص نہیں ہے بلکہ دیت ہے۔ (د: جنایت ۵ ب ۷ ھ)

مِنیٰ

یوم الترویہ کو حاجی کا منیٰ کی جانب روانہ ہونا اور وہاں رات گزارنا۔

- یوم نحر کو حاجی کا منیٰ جانا اور وہاں رمی جمار کرتا۔ (د: حج ۱۴)

- طواف افاضہ کے بعد حاجی کا منیٰ کی طرف لوٹنا۔

(د: حج ۱۵)

(۱) عبدالرزاق: ۵/۱۴۸۔

منافق

جہاد میں منافق کی مدد حاصل کرنا۔ (د: جہاد، ح)

مَن (احسان)

قیدیوں پر احسان۔ (د: اسر ۲ (۲) د (اسر ۲ ب ۱، ۲)

مَنی

۱۔ تعریف:

اچھل کر باہر نکلنے والا گاڑھا پانی، جو اس وقت نکلتا ہے جب جنسی شہوت نقطۂ عروج کو پہنچ جاتی ہے۔ عورت کی منی گاڑھی نہیں ہوتی پتلی ہوتی ہے۔ منی بالغ ہونے کی دلیل ہے۔ (د: بلوغ ۲ (۱)

۲۔ منی کے احکام:

ا منی کا ناپاک ہونا۔ (د: نجاست ۱ ب ۴)

ب منی سے غسل کا واجب ہونا۔ (د: غسل ۱ (۱)

مہر:

۱۔ تعریف:

عقد نکاح میں جو مقررہ معاوضہ طے پاتا ہے وہ مہر ہے۔

۲۔ مہر کے احکام۔ (د: نکاح ۵)

موات (غیر آباد زمین)

ارض موات: ایسی زمین جس پر نہ کاشت ہوتی ہو نہ درخت لگائے گئے ہوں اور نہ اس پر کچھ تعمیر کر کے اُسے آباد کیا گیا ہو۔

(د: احیاء موات)

موت

۱۔ شہر مقدس میں موت کی دُعا:

حضرت عمرؓ اللہ کے راستے میں شہادت اور مدینہ منورہ میں موت آنے کی دُعا مانگا کرتے تھے۔ آپؓ کہا کرتے تھے: اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور میری موت اپنے رسولؐ کے شہر میں مقدر فرما۔[1]

حضرت عمرؓ کو معلوم تھا کہ وہ شہید ہوں گے، کیونکہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احد پہاڑ پر فرماتے سُنا تھا جب وہ ڈگمگایا تھا کہ اے احد ٹھہر جا تیرے اُوپر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔[2] اس وقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ تھے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ یہ دُعا بھی مانگا کرتے تھے کہ کوئی مومن مجھے قتل نہ کرے۔ آپؓ کہتے کہ اے اللہ میرا قتل ایسے شخص کے ہاتھ سے نہ ہو جس نے تجھے کبھی ایک سجدہ بھی کیا ہو اور وہ روز قیامت اس سجدے کو تیرے پاس میرے خلاف حجت بنا کر لائے۔[3]

۲۔ جس کی موت کا وقت قریب ہو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

جب مریض کا وقت وفات قریب آجائے تو یہ امور مستحب ہیں۔

ا اُسے قبلہ رُو کر دیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ جب میری موت

---

(۱) البخاری، الجہاد، باب الدعاء بالجہاد والشہادۃ۔ الموطا: ۲/۴۶۲۔ عبدالرزاق: ۵/۲۶۳۔ المجموع: ۵/۱۰۳۔

(۲) البخاری، فضائل الصحابہ، فی مناقب عمر۔ ابوداؤد: ۱۵/۴۶۵۔ السنۃ، باب فی الخلفاء والترمذی: ۳۶۹۷۔ المناقب باب مناقب عثمان۔ (۳) الملخا: ۲/۴۶۱۔

قریب ہو تو مجھے قبلہ رو کر دینا۔"[1]

ب مرنے والے کو کلمہ شہادت لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کی جائے اور اس کے پاس قرآن کی تلاوت کی جائے۔[2] حضرت عمرؓ نے فرمایا: اپنے مرنے والوں کے پاس حاضر رہو اور انہیں لا الٰہ الا اللہ یاد دلاؤ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اُن کے قریب قرآن کی تلاوت کرو۔

۳۔ میت کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔

جب کوئی شخص مرجائے تو اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اُن (مرنے والوں) کی آنکھیں بند کر دو۔[3] حضرت عمرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے صاحبزادے سے کہا کہ میرے قریب ہو جاؤ جب میری رُوح میرے حلق تک آجائے تو اپنی دائیں ہتھیلی میری پیشانی پر رکھ کر بائیں میری ٹھوڑی کے نیچے رکھ دینا اور میری آنکھیں بند کر دینا۔"[4]

۴۔ میت کو کفن دینے اور دفن کرنے کا وجوب۔

مسلمانوں پر فرض ہے کہ جس شخص کو مُردہ پائیں اس کی تدفین کریں خواہ اسے جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو وہ گنہ گار ہوں گے لیکن اگر بعض لوگ یہ فریضہ انجام دے لیں تو باقی لوگوں پر سے فرض ساقط ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ ایک عورت بیدا میں مر گئی، لوگ اس کے پاس سے گزرتے رہے اور کسی نے اس کو دفن نہیں کیا۔ پھر جب کلیب بن بکر اللیثی کا گزر ہوا تو انہوں نے اُسے دفن کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس کے صلہ میں کلیب کے حق میں خیر کی اُمید رکھتا ہوں پھر حضرت عمرؓ نے اس واقعہ کے بارے میں اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے نہیں دیکھا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم دیکھتے اور دفن نہ کرتے تو میں تمہیں سخت سزا دیتا۔"[1] پھر حضرت عمرؓ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور ان کے اس طرز عمل پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔[2]

۵۔ میت کو غسل دینا اور خوشبو لگانا۔

میت کو غسل دیا جائے، اگر مرد ہو تو وہ مرد غسل دیں جو اس کے پاس آتے جاتے ہوں اور اگر عورت ہو تو وہ عورتیں غسل دیں جو اس کے قریب ہوں۔ شوہر اپنی بیوی کو غسل نہ دے کیونکہ ان کے درمیان موت سے تفریق واقع ہو چکی ہے؛ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایک زوجہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب تک وہ زندہ تھی میں اس کا ولی تھا اور اب تم اس کے زیادہ قریب ہو۔[3] بعد ازاں مُردے کو حنوط لگایا جائے لیکن یہ حنوط مشک نہ ہو، کیونکہ مشک کی اصل خون ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے مشک کا حنوط نہ لگانا۔[4]

۶۔ تکفین:۔

اس کے بعد میت کو کفن دیا جائے۔ اگر مرد ہو تو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ اس پر زیادتی مکروہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے اور حد و د سے تجاوز نہ کرو، اللہ حدود سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔[5] حضرت عمرؓ جب شہید ہو گئے تو انہیں تین کپڑوں میں کفن دیا گیا دو کپڑے سحولی یعنی مقام سحول کے بنے ہوئے تھے اور ایک کپڑا وہ تھا جو آپ پہنا کرتے تھے۔[6] اگر عورت ہو تو اُسے پانچ کپڑوں

---

(۱) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۴۲۔ ب (۲) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۱۴۲۔ عبدالرزاق ۳/۳۸۶۔ المحلی: ۵/۱۵۷۔ (۳) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۴۲۔ المحلی: ۵/۱۵۷۔ (۴) المغنی: ۲/۴۵۱۔

(۱) عبدالرزاق: ۳/۵۴۸۔ (۲) سنن البیہقی: ۳/۳۸۶۔ (۳) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۴۳۔ المغنی: ۲/۵۰۱۔ (۴) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۴۷۔ (۵) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۴۴۔ (۶) عبدالرزاق: ۳/۴۲۵۔ المحلی: ۵/۱۱۹۔

میں کفن دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ ۱۔ ازار ــــــ ۲۔ قمیص ــــــ ۳۔ اوڑھنی یا سر بند ــــــ ۴۔ پوٹ چادر ــــــ ۵۔ سینہ بند جو اوپر باندھا جائے [۱]

۷۔ جنازہ:۔

ا مسلمانوں کے لیے کافر کے جنازہ کے ساتھ جانا جائز ہے چنانچہ ابو وائل سے مروی ہے کہ میری ماں نصرانی تھی، اس کا انتقال ہُوا تو میں حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور ان سے اس بات کا ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا کہ سواری پر سوار ہو کر اس کے آگے آگے چلو [۲]

ب عورت کے لیے جنازہ کے ساتھ جانا ہرگز جائز نہیں ہے حضرت عمرؓ نے کچھ عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جاتے ہُوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ ثواب کی بجائے گناہ لے کر لوٹو گی، نہ تم جنازہ اٹھاؤ گی اور نہ دفن کرو گی۔ اے مردوں کو ایذا دینے والیوں اور اسے زندوں کو فتنے میں ڈالنے والیوں [۳] اور آپؓ نے وصیت فرمائی کہ کوئی عورت میرے جنازہ کے ساتھ نہ جائے [۴]

ج جب آدمی جنازہ میں نکلے تو اس کے آگے چلے اس لیے کہ یہی افضل ہے، چنانچہ انس بن مالکؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جنازہ کے آگے چلتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ بھی اور حضرت عمرؓ بھی [۵]

اور وہ روایت جو عبدالرحمٰن بن ابزی سے مروی ہے کہ میں ایک جنازہ میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھا۔ حضرت علیؓ نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا، اور ہم جنازہ کے پیچھے تھے اور ابوبکرؓ و عمرؓ آگے چل رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جنازہ کے پیچھے چلنے والے کا ثواب آگے چلنے والے سے اسی طرح زیادہ ہے جیسے جماعت سے نماز پڑھنے والے کا علٰحدہ نماز پڑھنے والے سے۔ یہ دونوں حضرات بھی اس بات کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح میں جانتا ہُوں، لیکن یہ دونوں نہیں چاہتے کہ لوگ ان کی وجہ سے تنگی محسوس کریں [۱]

یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس روایت سے معارض ہے جو ربیعہ بن عبداللہ بن ھدیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ آپ لوگوں کو مار مار کر زینب بنت جحشؓ کے جنازہ کے آگے کر رہے تھے [۲]

جنازہ کے پیچھے عود دان (خوشبو جلانے کی انگیٹھی) یا آگ لے جانا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ کام کافر کیا کرتے تھے اور ہمیں اُن کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے جنازہ کے پیچھے عود دان لے کر نہ آنا [۳]

جنازہ کے ساتھ تیز روی مستحب ہے کیونکہ اگر مرنے والا بھلا آدمی ہے تو ہم اُسے بھلائی کی جانب جلد پہنچا دیں اور اگر بُرا آدمی ہے تو ہم اس سے جلد خلاصی پالیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ جب تم میرا جنازہ لے کر چلو تو جلدی جلدی چلنا [۴]

۸۔ نمازِ جنازہ۔ (د: صلاۃ ۲۲)

۹۔ میت کی قبر۔ (د: قبر)

---

(۱) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۴۴۔ (۲) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۵۲۔ (۳) عبدالرزاق: ۳/۴۵۷۔ (۴) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۴۶۔ (۵) سنن الترمذی ۱۰۰۷۔ الجنائز، باب المشی امام الجنازہ۔ سنن البیہقی: ۴/۲۴۔ المحلی: ۵/۱۶۵۔ الموطا: ۱/۲۲۵۔ ابن ابی شیبہ: ۱/۱۴۵ب عبدالرزاق ۳/۴۴۵۔ المجموع: ۵/۲۸۳۔ المغنی: ۲/۴۷۲۔

(۱) عبدالرزاق: ۳/۴۴۷۔ سنن البیہقی: ۴/۲۵۔ (۲) عبدالرزاق: ۳/۴۴۵۔ (۳) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۴۴۔ المجموع: ۵/۲۴۱۔ (۴) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۴۶۔

۱۰۔ میت کی تدفین :

حضرت عمرؓ نیک لوگوں کے پہلو میں دفن ہونے کو پسند فرماتے تھے، تاکہ اللہ سبحانہٗ روزِ قیامت بھی انہی کے ساتھ رکھے۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونا پسند فرماتے تھے، مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر میں دفن تھے۔ اس لیے آپ اس جگہ دفن کیے جانے کی اس وقت تک وصیت نہیں کر سکتے تھے جب تک حضرت عائشہؓ اس کی اجازت نہ دے دیں، اس لیے آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ عمر بن الخطاب آپ کو سلام کہتے ہیں، امیر المؤمنین نہ کہنا، میں اب مسلمانوں کا امیر نہیں رہا ہوں، ان سے کہنا کہ عمر بن الخطاب اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی، حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ بیٹھی ہوئی رو رہی ہیں۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ عمر بن الخطاب آپ کو سلام کہتے ہیں اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس جگہ میں خود دفن ہونا چاہتی تھی مگر اب میں انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب واپس آئے اور حضرت عمرؓ کو بتایا گیا کہ عبداللہ بن عمرؓ واپس آگئے ہیں، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے ذرا اوپر اٹھاؤ، ایک شخص نے سہارا دے کر آپ کو اٹھایا۔ آپ نے ابن عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا خبر لائے ہو؟ انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین جو آپ کو پسند تھا حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ الحمد للہ! میرے نزدیک اس آخری آرام گاہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ جب میں وفات پا جاؤں تو مجھے لے جانا۔ اور (حضرت عائشہ کو) سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ عمر بن الخطاب اجازت طلب کرتا ہے اگر وہ اجازت دیں تو اندر لے جانا ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا۔[1]

ب کافر عورت کا جس کے پیٹ میں مسلمان کا بچہ ہو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جانا۔ اگر ذمی عورت کسی مسلمان سے نکاح کرے اور اس سے حاملہ ہو پھر مر جائے اور یہ حمل اس کے بطن میں موجود ہو تو اُسے اس کے پیٹ میں موجود مسلمان فرزند کی وجہ سے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ شام میں ایک نصرانی عورت مر گئی اور اس کے پیٹ میں مسلمان شخص کا بچہ تھا، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس بچہ کی وجہ سے اُسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔[2]

ج دفن کون کرے۔ میت کو اس کا کوئی محرم دفن کرے۔ زینب بنت جحشؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ انھیں قبر میں کون اتارے۔ انہوں نے کہا کہ جو زندگی میں ان کے پاس آتا تھا۔[3] آپؓ نے فرمایا کہ درست کہتی ہیں۔[4] جب حضرت عمرؓ کی ایک زوجہ کا انتقال ہوا تو آپؓ نے اُن کے اہل خاندان سے فرمایا کہ اب تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔[5]

---

(۱) سنن البیہقی : ۴/۵۵ - ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۲۔ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۲ ب - عبدالرزاق : ۳/۵۲۸ - ۶/۱۲۔ المحلی : ۵/۱۴۲ - المجموع : ۵/۲۴۷ - (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۰ - (۴) سنن البیہقی : ۴/۳۷ - المغنی : ۲/۵۰۱ - (۵) ابن ابی شیبہ : ۱/۱۴۳ - المغنی : ۲/۵۰۱ -

د ۔ دفن کے دوران عورت کی قبر پر پردہ کیا جائے۔ کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ قبر میں اُتارتے وقت اس کے جسم کا کوئی حصہ کھل جائے۔ حضرت عمرؓ عورت کی تدفین کے وقت اس کی قبر پر پردہ کراتے تھے۔[1]

ھ ۔ میت کا رُخ قبر میں قبلہ کی جانب کیا جائے اور اس کا رخسار زمین پر رکھا جائے ۔ حضرت عمرؓ نے وصیت فرمائی کہ جب تم مجھے لحد میں اُتارو تو میرا رخسار زمین پر ٹکا دینا۔[2]

و ۔ رات کو دفن کرنا جائز ہے جیسا کہ دن کو جائز ہے یعنی دن ہو یا رات جس وقت بھی دفن کرنا پڑے کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی تدفین رات کو عشا کے بعد فرمائی اور تدفین کے بعد مسجد میں آکر آپ نے تین رکعت وتر پڑھے۔[3]

۱۱ ۔ دفن کے بعد میت کے لیے دعا کرنا اور پھر لوٹ جانا :

میت کو قبر میں اُتارنے کے بعد جب اسے پاٹ دیا جاتا تو حضرت عمرؓ یہ دُعا کرتے: "اے اللہ! اس کے اہل وعیال مال اور کنبہ والے اسے تیرے سپرد کر گئے ہیں۔ اس کے گناہ بہت زیادہ ہیں تو اس کی مغفرت فرما دے۔"[4]

حضرت عمرؓ جنازہ سے بغیر اجازت لیے واپس نہ آتے تھے۔[5]

۱۲ ۔ تعزیت :

حضرت عمرؓ پسند فرماتے تھے کہ تعزیت کرنے والا مرنے والے کے اہل خانہ کو صبر اور ایمان کی تلقین کرے اور اُنہیں یاد دلائے کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے لیے کیا جزا رکھی ہے اور اُنہیں قرآن کے وہ حصے سے سنائے جن سے یہ تذکیر حاصل ہو

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس موقعہ پر اس آیت کا پڑھنا موزوں ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ[1]

(البقرہ: ۱۵۶)

وہ لوگ جن پر جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ اُنہیں خوشخبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رَو ہیں۔

۱۳ ۔ میت پر رونا :

حضرت عمرؓ میت پر بے آواز رونے سے منع نہیں فرماتے تھے کہ یہ ایسی بات ہے جو انسان کے بس میں نہیں ہے۔ خود حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ حضرت سعدؓ بن معاذ کے انتقال پر اس قدر روئے کہ اُن کی ہچکی بندھ گئی ——

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذؓ کا انتقال ہوا تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ یہاں تک کہ ان کی آوازیں بھی باہم گڈمڈ ہو گئیں۔[2]

اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بنی مغیرہ کی عورتیں ابوسلیمان یعنی خالد بن ولید کو کیوں نہ روئیں، لیکن چیخنا اور سروں پر خاک ڈالنا نہ ہو۔[3]

---

(۱) المغنی: ۲/۵۰۱ ۔ (۲) المغنی: ۲/۴۹۷ ۔ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۱۵۲ ، عبدالرزاق: ۳/۵۲۱ ۔ (۴) عبدالرزاق: ۳/۵۰۹ ، سنن البیہقی ۴/۵۶ ۔ المغنی: ۲/۵۰۰ ۔ (۵) عبدالرزاق: ۳/۵۱۴ ۔

(۱) سنن البیہقی: ۴/۶۵ ۔ (۲) المغنی: ۲/۵۴۶ ۔ (۳) المغنی: ۲/۵۴۷ ، سنن البیہقی: ۴/۷۱ ۔ اس روایت میں نقع اور لقلقہ کے الفاظ آتے ہیں، نقع کے معنی سر پر خاک ڈالنے کے ہیں اور لقلقہ کے معنی چیخنے کے ہیں۔

لیکن نوحہ گری یا چلّا کر رونا (بین کرنا) یا رونے کے لیے اکٹھا ہونا۔ تو ان اُمور سے حضرت عمرؓ سختی سے منع کرتے تھے۔ جب حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہُوا تو عورتیں ان پر رونے کے لیے اکٹھی ہوگئیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میّت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے، لیکن لوگ رونے سے باز نہیں آئے، اس پر حضرت عمرؓ نے ہشام بن الولید سے کہا کہ اُٹھو اور ان عورتوں کو باہر نکال دو۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے نکالتی ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اندر چلے جاؤ تمہیں اجازت مل گئی ہے۔ وہ اندر چلے گئے تو حضرت عائشہ نے فرمایا کیا تم مجھے بھی نکالو گے۔ اے میرے بیٹے۔ اُنھوں نے کہا کہ آپ ہی نے تو اجازت دی ہے۔ بغرض اُنھوں نے عورتوں کو ایک ایک کرکے باہر حضرت عمرؓ کی طرف نکالنا شروع کر دیا اور حضرت عمرؓ اُنہیں کوڑے سے مارتے رہے۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے ام فروہ کو بھی نکال دیا اور تمام نوحہ کرنے والیاں منتشر ہو گئیں[۱] اور جب خالدؓ بن ولید کا انتقال ہُوا تو حضرت میمونہؓ کے گھر میں عورتیں جمع ہوگئیں اور رونا شروع کر دیا حضرت عمرؓ آئے، ان کے ساتھ ابن عباسؓ بھی تھے اور حضرت عمرؓ کوڑا لیے ہُوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ اے ابو عبداللہؓ تم ام المؤمنین کے پاس جاؤ اور اُنہیں کہو کہ پردہ کر لیں۔ اور ان عورتوں کو باہر میرے پاس نکالو۔ عبداللہ بن عباسؓ جا کر اُنہیں نکالتے رہے اور حضرت عمرؓ اُنہیں کوڑے سے مارتے رہے، اسی اثنا میں ایک عورت کا دوپٹہ گر گیا۔ لوگوں نے کہا کہ: امیر المومنین فلاں کا دوپٹہ گر گیا ہے۔

(۱) عبدالرزاق: ۳/۵۵۶۔

آپ نے فرمایا کہ رہنے دو اس کا کیا احترام باقی رہ گیا[۱] مگر اس کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ نے حضرت خالد پر رونے کی اجازت بھی دی اور فرمایا کہ بنی مغیرہ کی عورتیں ابوسلیمان (خالد بن ولید) پر کیوں نہ روئیں، ضرور روئیں، لیکن نہ سر پر خاک ڈالیں اور نہ چیخیں چلّائیں۔

جریر بن عبداللہ البجلی حضرت عمرؓ کے پاس آئے حضرت عمرؓ نے اُن سے پُوچھا کیا آپ کے یہاں میّت پر نوحہ کیا جاتا ہے۔ اُنھوں نے کہا "نہیں"، حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کیا میّت کے خاندان والے جمع ہوتے ہیں اور کھانا تیار کرتے ہیں اُنھوں نے کہا: ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہی تو نوحہ ہے[۲] جب حضرت عمرؓ کے برچھی ماری گئی تو صہیبؓ روتے ہُوئے اور پکارتے ہُوئے آئے کہ اسے ہمارے بھائی، اسے ہمارے ساتھی! حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے صہیبؓ کیا تم میرے اُوپر رو رہے ہو ــــ یعنی بآوازِ بلند رو رہے ہو اور نوحہ کر رہے ہو ــــ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میّت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے[۳] حضرت عمرؓ پر اُن کی صاحبزادی بلند آواز کے ساتھ روئیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے حفصہؓ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سُنا ہے، کہ جس پر چلّا کر رو دیا جائے اُسے عذاب ہوتا ہے[۴]

۴۔ میّت کی کون سی عبادتوں کی قضا ہو سکتی ہے۔
خالص جسمانی عبادات مثلاً نماز اور روزہ وغیرہ کی میّت

(۱) عبدالرزاق: ۳/۵۵۰۔ (۲) المغنی: ۲/۵۵۵۔ (۳) صحیح البخاری اور صحیح المسلم، الجنائز۔ باب یعذب المیت ببکاء اہلہ علیہ۔
(۴) سنن البیہقی: ۴/۷۲۔

کی جانب سے قضا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے، نماز نہ پڑھے اور کوئی کسی کی جانب سے روزہ نہ رکھے۔ (د: صلاۃ ۱ ب) و (صیام ۱۳) البتہ میت کے ذمہ فرض مالی عبادتیں اس کی طرف سے ادا کی جاسکتی ہیں کیونکہ ان کا تعلق مال سے ہے بدن سے نہیں اور اس کا مال باقی ہے۔ (د: صدقہ ۲ ج)

۱۵۔ میت کی بیوی کی عدت۔ (د: عدت ۶)

۱۶۔ مردہ حیوان کی کھال کی نجاست۔ (د: نجاست ۶) و (د: نجاست ۱ ب ۵)

۱۷۔ وہ مقتول جو جنگ میں شہید ہوا ہو۔ (د: شہید)

موسیقی:

حضرت عمرؓ موسیقی میں سے دف کو جائز سمجھتے تھے کہ اسے ولیمہ شادی اور ختنہ وغیرہ کے مواقع پر بجانا جائز ہے بشرطیکہ فاسقوں کا اجتماع نہ ہو۔ اسی لیے جب آپ کوئی شور یا دف کی آواز سنتے تو دریافت کرتے کہ کیا بات ہے۔ اگر لوگ بتاتے کہ شادی یا ختنہ کی تقریب ہے تو سکوت اختیار فرماتے[1] اور اگر اس کے علاوہ کوئی بات ہوتی تو کوڑا اٹھا لیتے[2]

مُوضِحہ:

۱۔ مُوضِحہ وہ زخم ہے جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے۔

۲۔ یہ زخم اگر عمداً پہنچایا گیا ہو تو قصاص واجب ہے اور بغیر عمد کے ہو تو اس میں حکومت (ثالثی) ہے۔

(د: جنایت ۵ ب ۷ ھ)

مولیٰ

۱۔ مولیٰ بمعنی غلام کا آقا۔

(دیکھیے: رِق

ب آزاد کرنے والے آقا کا اپنے ایسے غلام کی میراث پانا جو مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ (د: ارث ۶ ب)

۲۔ مولیٰ بمعنی غلام۔

دیکھیے: رق

۳۔ مولیٰ بمعنی موالات کا معاہدہ کرنے والا مولیٰ۔

مولی الموالات کی میراث (د: ارث ۷)

مولود (بچہ)

- بچہ کا پیدائش کے وقت آواز نکالنا۔ (د: استہلال)
- بچہ کے کان میں اذان دینا۔ (د: اذان ۲)
- بچہ کا نام رکھنا۔ (د: اسم)

میراث:

دیکھیے: ارث۔

---

(۱) عبدالرزاق: ۱۱/۵ (۲) المغنی: ۹/۱۷۴۔

ن

نار (آگ)

آگ میں جلانے کی سزا دینا۔ (د: تعزیر ۲ م)

جنازہ کے پیچھے آگ لے کر چلنا۔ (د: موت ۷ د)

نافلہ (نفل)

مومن، فرائض سے زائد اطاعت الٰہی کا جو کام انجام دے وہ نفل ہے۔

نفل نماز۔ (د: صلاۃ ۲۰)

نفل روزہ (د: صیام ۳ ب ج)

نفل صدقہ (د: صدقہ)

نبش القبر (قبر کھولنا)

قبر کھول کر کفن چرانے والے کی سزا۔ (د: سرقہ ۱)

نبیذ

۱۔ تعریف:

نبیذ سے مراد وہ پانی ہے جس میں کھجور یا کشمش وغیرہ جیسی کوئی شیریں شے ڈال دی جائے اور اس میں اس کی مہک آجائے۔

۲۔ نبیذ کے احکام۔ (د: اشربہ ۲)

نبی:

نبیوں کے نام پر نام رکھنا۔ (د: اسم)

نجاست

۱۔ نجاست کی اقسام

نجاست کی دو قسمیں ہیں۔

نجاستِ معنوی:

جو کسی ایسے امر کے ہونے سے طاری ہوتی ہے جو ناقض وضو ہو یا غسل کا موجب ہو اور یہ نجاست غسل یا وضو سے دور ہو جاتی ہے۔ (د: غسل اور وضو)

ب نجاستِ مادی:

وہ ہے جس کا مادی وجود ہو۔۔ مادی نجاستیں یہ ہیں۔

۱۔ پیشاب اور پاخانہ۔

حضرت عمرؓ کے جسم پر اگر پیشاب لگ جاتا تو اُسے دو مرتبہ دھوتے تھے[۱] اور آپ عصب (یمن کی دھاری دار چادر) کو پیشاب میں رنگنے سے منع فرمایا کرتے تھے[۲] آپؓ نے ارادہ کر لیا تھا کہ ایسی چادر پہننے سے منع کر دیں جو پیشاب میں رنگی ہو مگر حضرت ابی بن کعبؓ نے اس کی مخالفت کی لہٰذا حضرت عمرؓ نے اس کے پہننے سے منع نہیں کیا[۳]

پیشاب چونکہ نجس ہے اس لیے حضرت عمرؓ اس کی چھینٹوں سے اجتناب کرتے تھے، چنانچہ زید بن وہب سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا اور آپ نے اپنی ٹانگیں اس قدر کھولی ہوئی تھیں کہ آپ مشقت محسوس کر رہے تھے[۴] تاکہ آپ پیشاب کی چھینٹوں سے بچ سکیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کا پیشاب ناپاک ہے اور پاخانہ بھی نجس ہے اور حضرت عمرؓ پاخانہ کے بعد بھی طہارت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ پاخانہ کے لیے تشریف لے گئے، پھر آپ نے دو اونٹوں کے درمیان پانی سے طہارت کی[۵]

۲۔ خمر :

حضرت عمرؓ کے نزدیک خمر (شراب) نجس ہے۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت خالد بن ولیدؓ حمام میں داخل ہوئے اور انہوں نے نورہ استعمال کرنے کے بعد خمر میں گندھی ہوئی کسم کی روئی کا ٹکڑا جسم پر رگڑا یعنی اسے جسم کے صاف کرنے اور رگڑنے کے لیے استعمال کیا ـــــ حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے خمر والی شے سے اپنا جسم رگڑا ہے۔ اس کا تو ظاہر اور باطن دونوں حرام ہیں اور خمر کا چھونا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح اس کا پینا تم اس کو اپنے جسم سے نہ لگاؤ، اس لیے کہ وہ نجس ہے[۱]

۳۔ مذی :

حضرت عمرؓ کے نزدیک مذی نجس ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے اس کے دھونے کا حکم دیا[۲] اور فرمایا کہ یہ قطرے کی صورت میں نکلتی ہے اور جب کسی کو محسوس ہو تو وہ اپنا جسم دھو کر اس طرح وضو کرے جس طرح نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے[۳]

۴۔ منی :

منی نجس ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ اسے دھوتے تھے اور دھونے کا حکم دیتے تھے؛ چنانچہ یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک قافلہ میں جس میں عمرو بن العاصؓ بھی تھے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ عمرہ کیا۔ رات کے وقت راستے میں کسی پانی کے قریب حضرت عمرؓ نے پڑاؤ کیا۔ حضرت عمرؓ کو رات کو احتلام ہو گیا اور صبح کا وقت قریب آ گیا اور قافلہ والوں میں سے کسی کے پاس پانی نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ سوار ہو کر پانی پر آئے اور کپڑوں پر لگے ہوئے احتلام کے اثرات کو دھونے لگے۔ یہاں تک کہ روشنی ہو گئی۔ ان سے حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ صبح بھی ہو گئی اور ہمارے پاس اور کپڑے بھی ہیں آپ ان کپڑوں کو رہنے دیں یہ بعد میں دھل جائیں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

---

(۱) ابن ابی شیبہ: ۱/۲۱ ب۔ (۲) کنز العمال: ۲۷۲۵۸۔ (۳) کنز العمال: ۲۷۵۴۵۔

(۴) کنز العمال: ۲۷۲۳۲۔ عبدالرزاق کی جانب نسبت کی ہے لیکن مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔ (۵) کنز العمال: ۲۷۲۲۹۔ کنز العمال میں عبدالرزاق کا حوالہ ہے مگر عبدالرزاق کے مطبوعہ حصہ میں یہ موجود نہیں ہے۔

(۱) کنز العمال: ۲۷۲۵۶۔ (۲) المغنی: ۲/۹۷۔ (۳) الموطا: ۱/۵۴۔ عبدالرزاق: ۱/۱۵۸۔

اے عمرو بن العاصؓ حیرت ہے کہ تم ایسی بات کر رہے ہو اگر تمہارے پاس زائد کپڑے ہیں تو کیا سب لوگوں کے پاس زائد کپڑے ہوتے ہیں؟ اگر میں اس طرح کروں گا تو یہ طریقہ سنت بن جائے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم کو جو داغ اپنے کپڑے پر نظر آ جائے اُسے دھولو اور جو نظر نہ آئے اس پر پانی چھڑک دو[۱]

ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ مجھے چٹائی پر احتلام ہوگیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر گیلا ہو تو اُسے دھولو اگر خشک ہو تو رگڑ ڈالو اور جو جتنے تم پر مخفی ہو ان پر پانی چھڑک دو[۲]

۵۔ مردہ حیوان کا جسم انسان کا نہیں خواہ جانور ایسا ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور خواہ وہ جانور ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ حضرت زید بن وہب سے مروی ہے کہ ہم ——— حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں آذربیجان غزوہ کے لیے گئے۔ ہمارے ساتھ حضرت زبیر بن العوامؓ بھی تھے۔ اس اثنا میں ہمارے پاس حضرت عمرؓ کی تحریر آئی کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم ایسی سرزمین میں ہو جہاں کھانے میں مردار شامل ہوتا ہے اور لباس بھی مردار کا ہوتا ہے تم صرف ذبح کیا ہوا، حلال جانور کھانا اور حلال و مذبوح جانور کی پوشش بنانا[۳]

اس بنا پر مردہ جانور کی کھالیں بھی ناپاک ہیں؛ البتہ ان کھالوں کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ اگر یہ ایسے جانور کی کھال ہے جو حلال نہیں ہے اور جو اپنی موت مرا ہے تو وہ ناپاک ہے اور دباغت سے پاک نہیں ہوگی[۱] اور اگر اس کو ذبح کیا گیا ہے یا شکار کیا گیا ہے تو وہ ناپاک تو ہے لیکن دباغت سے پاک ہو جائے گی۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو ایک ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا جس کے استر میں لومڑی کی کھال لگی ہوئی تھی۔ وہ آپ نے اس کے سر سے اُتار کر پھینک دی۔ اور فرمایا کہ کیا خبر تمہیں یہ ذبح نہ کی گئی ہو[۲] اور آپ نے ایک شخص کے سر پر بلی کی کھال کی ٹوپی دیکھی تو آپ نے وہ لے کر پھاڑ دی اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ یہ ضرور مردار ہے[۳]

حضرت عمرؓ نے اُن کے استعمال سے اس لیے منع کیا کہ آپ نے انہیں مردار کی کھال سمجھا تھا؛ چنانچہ وہ روایت جو ابن سیرین نے بیان کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر کو لومڑی کی کھال کی بنی ہوئی ٹوپی پیش کی آپ نے اس کے پھاڑنے کا حکم دیا اور وہ پھاڑ دی گئی[۴] اسی پر محمول کی جائے گی اور اسی طرح اس روایت کو بھی جو منصور بن معتمر نے اپنے بعض اصحاب سے حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے درندوں کی کھالیں بچھانے اور پہننے سے منع فرمایا اسی پر محمول کیا جائے گا۔

اگر ایسے جانور کی کھال ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور اسے ذبح بھی کیا گیا ہو تو اس کی کھال اس کے گوشت کی طرح پاک ہے۔ حضرت عمرؓ نے ذبح کیے ہوئے جانور کی کھال کے برتن میں موجود پانی سے وضو فرمایا یہ حلال جانور تھا لیکن اس کی کھال کو دباغت نہیں دی گئی تھی[۶] اور اگر حلال جانور اپنی طبعی

(۱) الموطا: ۱/۵۰۔ عبدالرزاق: ۱/۳۷۰۔ ابن ابی شیبہ، ۱/۱۴۱۔ (۲) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۴۱ ب۔ (۳) طبقات ابن سعد: ۴/۱۰۳۔ کنز العمال: ۵/۲۷۵۵۔

جو حلال نہیں ہے اور جو اپنی موت مرا ہے تو وہ ناپاک ہے اور

۱۔ المغنی: ۱/۶۶۔ المجموع: ۱/۲۷۴۔ (۲) مشکل الآثار: ۴/۶۵۔
۳۔ عبدالرزاق: ۱/۶۱۔ (۴) عبدالرزاق: ۱/۶۱۔
۵۔ عبدالرزاق: ۱/۶۰۔ (۶) عبدالرزاق: ۱/۶۱۔

موت مرا ہو تو اس کی کھال ناپاک ہے لیکن دباغت سے پاک ہو جائے گی ؛ لہٰذا حضرت عمرؓ کا وہ جواب جو آپ نے مردار کی کھال کے بارے میں دیا اسی پر محمول کیا جائے گا۔ آپ سے مردار کی کھال کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس کو دباغت دے لینا اس کی پاکی ہے۔(۱) اسی لیے ابن قدامہ حضرت عمرؓ کا مسلک نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ اس سے وہ جانور مراد ہے جو زندگی میں پاک ہو(۲) یعنی حلال جانور۔

۶۔ خون :

خون نجس ہے اسی لیے حضرت عمرؓ کے نزدیک جسم سے خون نکلنے پر وضو واجب ہے(۳)

۷۔ قے : قے نجس ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ کے نزدیک قے کے آنے سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔(۴)

۸۔ جلّالہ جانور کا پسینہ :

جلّالہ گندگی کھانے والے جانور کو کہتے ہیں۔ اسی لیے حضرت عمرؓ جلّالہ پر سواری کو مکروہ سمجھتے تھے(۵)

ج ۔ کس قدر نجاست قابلِ معافی ہے۔

نجاست کی وہ مقدار قابلِ معافی ہے جس سے بچنا دشوار ہو اسی طرح ٹھوس نجاست کی قلیل مقدار بھی قابلِ معافی ہے اور اس قلیل مقدار کی حد یہ ہے کہ اگر نجاست سیال ہو تو درہم کے حجم کے برابر اور کثیف ہو تو درہم کے وزن کے برابر ؛ چنانچہ حضرت عمرؓ سے کپڑے پر لگ جانے والی قلیل نجاست کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جو میرے ناخن کے برابر ہو(۶)

(۱) عبدالرزاق: ۱/۶۴، المحلی: ۱/۱۲۲۔ (۲) المغنی: ۱/۶۶۔ (۳) المجموع: ۲/۵۸۔
(۴) المجموع: ۲/۵۸۔ (۵) عبدالرزاق: ۱/۷۷۔ (۶) حاشیہ ابن عابدین: ۱/۲۱۰۔

۲۔ وہ چیزیں جو نجس نہیں سمجھی جائیں گی ۔

ا حائضہ عورت کا جسم اور اس کا پسینہ پاک ہے۔

حضرت عمرؓ سے حائضہ عورت کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ اگر وہ شوہر کو وضو کا پانی لاکر دے اور پانی میں ہاتھ ڈال دے؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا حیض اس کے ہاتھ میں تو نہیں ہے(۱) اسی طرح حائضہ کا جھوٹا پاک ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے حیض کا اثر اس کے منہ میں نہیں ہے(۲)

ب۔ راستے کا پانی جس میں گندگی ملگئی ہو بشرطیکہ پانی ہی غالب ہو۔ (د : مادہ ۲ ج)

ج ہر وہ پانی جس میں نجاست ملی ہو مگر اس کے اوصاف نہ بدلے ہوں۔ (د ا مادہ ۲)

د وہ برتن یا کپڑا جس کا ناپاک ہونا یقینی نہ ہو، کیونکہ پاک چیزوں میں اصل طہارت ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو کیا(۳)

ھ جانوروں کی ہڈیاں۔ خواہ وہ ان جانوروں کی ہوں جن کا گوشت کھایا جاتا ہو یا ان جانوروں کی ہوں جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے ؛ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک کنگھی تھی اور ایک مُدہن تھا اور یہ دونوں ہاتھی کی ہڈی کے بنے ہوئے تھے(۴)

و انسان کا پسینہ ۔ انسان کی بغل کا پسینہ اور ناک کی ریزش پاک ہیں اور حضرت عمرؓ سے جو یہ مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو اپنی بغل چھوتے دیکھا تو اس سے کہا کہ اٹھو اپنے ہاتھ دھوؤ اور پاک کرو(۵) اور یہ کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بغل

(۱) عبدالرزاق: ۱/۱۱۰۔ (۲) ابن ابی شیبہ: ۱/۷۔ (۳) المغنی: ۱/۸۲۔
المجموع: ۱/۲۲۳۔ عبدالرزاق: ۱/۷۸۔ (۴) عبدالرزاق: ۱/۶۹۔
(۵) ابن ابی شیبہ: ۱/۹، ۲۳۔

چھوٹے وہ وضو کرے[1] اور یہ کہ آپ نے فرمایا کہ جو اپنی ناک صاف کرے یا بغل کھجائے تو وہ وضو کرے[2] تو ان اقوال سے مراد وہ شرعی وضو نہیں ہے جو نماز کے لیے کیا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد صرف ہاتھ دھوتا ہے اور یہ دھونا بربنائے نجاست نہیں ہے بلکہ بربنائے نظافت ہے۔ اس لیے کہ بغل کا پسینہ اور ناک کی ریزش دونوں پاک ہیں کیونکہ نماز سے پہلے اُن کے دھونے میں مشقت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے یا کسی اور نے نماز سے پہلے اُن کے دھونے کا حکم نہیں دیا۔ اگر یہ ناپاک ہوتے تو ضرور نماز سے پہلے اُن کے دھونے کا حکم ہوتا کیونکہ اگر نجاست لگی ہو تو نماز نہیں ہوتی۔

۳۔ پاکی حاصل کرنے کے وسائل

و معنوی نجاست سے پاک ہونے کے وسائل۔

معنوی نجاست اگر حدث اکبر کی ہو تو پانی سے غسل کرنے سے دُور ہو جاتی ہے۔ (د: غسل) اور اگر حدثِ اصغر کی ہو تو وضو سے دُور ہو جاتی ہے۔ (د: وضو) اور دونوں طرح کے حدث تیمم سے بھی دُور ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا عذر موجود ہو جس کی بنا پر تیمم جائز ہو جاتا ہے۔ (د: تیمم)

ب مادی نجاست سے طہارت کے وسائل۔

۱۔ پانی۔ طہارت کا سب سے اہم ذریعہ پانی ہے جبکہ محل نجاست متعین اور معلوم ہو۔ حضرت عمرؓ بیشتر اوقات پانی سے استنجا کرتے تھے؛ چنانچہ عثمان بن عبدالرحمٰن تیمی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو بادیہ (میدان) میں دیکھا کہ آپ نے قضائے حاجت کے بعد پانی سے استنجا کیا[1]۔ ایک مرتبہ آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے اور دو سواریوں کے درمیان بیٹھ کر پانی سے طہارت کی۔ یہ دیکھ کر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر ہنسنے کہ آپ نے اس طرح وضو کیا ہے جیسے عورتیں وضو کرتی ہیں[1]۔

حضرت عمرؓ اپنے کپڑے بھی پانی سے پاک کرتے تھے؛ چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ منی کے جو داغ تم کو نظر آئیں ان کو دھو لو اور جو نظر نہ آئیں ان پر پانی چھڑک دو۔

اگر نجاست کا مقام متعین اور معلوم نہ ہو تو پانی بہا دیا جائے چنانچہ اُوپر وہ اثر گزر چکا ہے جو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ مجھے فرش پر لیٹے ہوئے) احتلام ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تر ہے تو دھو ڈالو اور اگر سوکھ گیا ہے تو کھرچ ڈالو اور اگر پتہ نہیں ہے تو پانی بہا دو[2]۔

۲۔ سوکھی ہوئی منی کو کھرچنا؛

منی اگر تر ہو تو دھو ڈالو اور اگر خشک ہو تو کھرچ ڈالو۔

۳۔ مٹی، پتھر اور وہ اشیا جو رطوبت جذب کر لیتی ہیں۔ جیسے کپڑا اور کاغذ وغیرہ۔ اگر آگے اور پیچھے سے نکلنے والی نجاست اپنے نکلنے کی جگہ سے تجاوز نہ کرے تو اس سے طہارت کے لیے مندرجہ بالا چیزیں استعمال کی جا سکتی ہیں۔

حضرت عمرؓ پتھر سے استنجا کرتے پھر وضو کر کے نماز پڑھ لیتے تھے[3]۔ ان ذریعوں سے پاکی حاصل کرنا پانی سے پاکی حاصل کرنے کی طرح ہے بشرطیکہ اس طرح نجاست کی جگہ صاف ہو جائے[4]۔

---

(۱) عبدالرزاق: ۱/۱۱۱۔ (۲) ابن ابی شیبہ: ۱/۹۔
(۳) کنزالعمال: ۲۷۲۴۲۔

(۱) کنزالعمال: ۲۷۲۲۹۔ ابن ابی شیبہ: ۱/۶۵ب۔ (۲) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۴۵ب۔
(۳) المغنی: ۱/۹۷۔ (۴) المجموع: ۲/۱۱۳۔

حضرت عمرؓ پیشاب کر کے پتھر کے ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کرتے تھے پھر وضو کرتے وقت پانی سے اپنے ذکر کو نہیں دھوتے تھے۔[1]

جوتے اور چپل وغیرہ کے تلے کو بھی مٹی اور پتھر وغیرہ سے رگڑ کر پاک کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ دباغت:

دباغت طہارت کا ایسا ذریعہ ہے جس سے ان جانوروں کی کھالیں پاک ہوجاتی ہیں جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا، بشرطیکہ ان کو ذبح کرلیا گیا ہو اور ان مردہ جانوروں کی کھالیں بھی پاک ہوجاتی ہیں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ (د: نجاست اب ۵)

۵۔ شراب میں طبعی تبدیلی پیدا ہو کر اس کا قلب ماہیت ہوجانا اور از خود سرکہ بن جانا۔

ـــــــ ایسی صورت میں شراب پاک ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر انسان کے عمل سے تبدیلی پیدا ہو اور سرکہ بنے تو وہ پاک نہیں ہوتی۔ اور اس کے ساتھ وہی رویہ اختیار کیا جائے گا جو شراب کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ (د: اشربہ)

نجاست کی فروخت۔ (دیکھیے: بیع اب ۲)

ندب:

میت پر بین کرنے کی کراہت۔ (د: موت ۱۳)

نذر:

۱۔ تعریف:

کسی مکلف شخص کا اپنے اُوپر کسی ایسے امر کو لازم کرلینا جو شریعت نے اس پر لازم نہ کیا ہو۔ اور نذر اپنے معنی کے لحاظ سے اللہ کی قسم کھا کر کہنا ہے کہ میں ایسا ضرور کروں گا یا ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔

۲۔ نذر کے الفاظ:

نذر ان تمام الفاظ سے ہوجاتی ہے جو الفاظ وجوب پر دلالت کرتے ہیں، جیسے کوئی یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کے لیے لازم ہے۔ یا مجھ پر واجب ہے یا مَیں اللہ کے لیے نذر مانتا ہوں، وغیرہ کیونکہ نذر اپنے اُوپر لازم کرنا ہے۔ اس لیے ایسے ہی الفاظ سے درست ہوگی جو الزام پر دلالت کرتے ہوں۔

نذر کو یمین کا قائم مقام قرار دینا۔ (د: حلف ۲)

۳۔ ناذر (نذر ماننے والا)

چونکہ نذر نفس پر کسی عبادت کو لازم کرنا ہے۔ اسی لیے یہ اسی شخص کی جانب سے صحیح ہوگی جس کا اس طرح واجب کرنا صحیح ہو۔ اور اس شخص کی وہی شرائط ہیں جو عبادت کے مکلف شخص کے لیے ہیں۔ یعنی عقل، بلوغ اور اسلام۔ اور اگر نذر مال کے متعلق ہو تو آزادی بھی شرط ہے۔ اس بارے میں اگرچہ ہمیں حضرت عمرؓ کی کوئی تصریح نہیں ملی لیکن بہرحال یہ حضرت عمرؓ کے اصولوں کے مطابق ہے۔

۴۔ منذور (جس امر کی نذر مانی گئی ہو)

جس امر کی نذر مانی گئی ہو اس میں حسب ذیل شرائط پائی جانی چاہئیں۔

(ا) اللہ سبحانہٗ کی معصیت نہ ہو اگر حق سبحانہٗ کی معصیت کے کام کی نذر مانی ہو تو ایسی نذر کا پُورا کرنا جائز نہیں ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنے یتیم بھتیجوں کے ساتھ نہیں کھائے گا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جاؤ اور اُن کے ساتھ کھاؤ۔[1]

---

(۱) ابن ابی شیبہ: ۱/۹۔ب۔ کنز العمال: ۲۷۲۲۸، ۲۷۲۳۶۔ آثار ابو یوسف: ۳۰۱۔

(۱) عبدالرزاق: ۸/۴۴۳۔ المحلی: ۸/۵۔

ب جس امر کی نذر مانی گئی ہے وہ ایسا کام نہ ہو جو اصلاً اس کے اوپر فرض ہو۔ مثلاً کسی کا رمضان کے روزوں کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے اور نہ اس شخص کی حج کی نذر ماننا صحیح ہے جو حج کی استطاعت رکھتا ہو۔ اس لیے کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے واجب ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی امر کو فرض قرار دینے کی زیادہ قوت رکھتا ہے بہ نسبت اس وجوب کے جو انسان خود اپنے اوپر عائد کرے۔

ج منذور ایسا امر ہو جس کو پورا کرنے کی طاقت ہو۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے امر کی نذر مانے جو اس کے بس میں نہ ہو تو ایسی نذر کو پورا کرنا اس پر لازم نہیں۔ کسی امر کے بس میں نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے پورا کرنے میں ناذر کو حرج اور سختی پیش آئے۔ مثلاً کوئی شخص یہ نذر مانے کہ وہ اپنا پورا مال صدقہ کر دے گا۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

۵ نذر کا کفارہ

ا نذر کا پورا کرنا اسی صورت میں لازم ہے جب نذر ماننے والے کیلئے اس کا پورا کرنا ممکن ہو۔ اگر اس نذر کا پورا کرنا ممکن نہ ہو جیسے کسی شخص نے ایسی نذر مانی ہو جس میں اللہ کی نافرمانی ہو یا ایسی نذر مانی جس کا پورا کرنا اس کی طاقت سے باہر ہو، تو اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ مثلاً کوئی یہ نذر مانے کہ وہ اپنا سارا مال صدقہ کر دے گا تو اس پر کفارۂ یمین لازم ہوگا۔[1]

ب۔ نذر میں وہی کفارہ واجب ہے جو قسم کا ہے۔[2]

۶۔ زمانہ جاہلیت کی نذر۔

اگر کسی شخص نے حالت جاہلیت میں نذر مانی ہو اور اُسے پورا نہ کیا ہو۔ پھر وہ مسلمان ہو گیا ہو اور یہ نذر ایسی ہو جس کا اسلام میں بھی پورا کرنا ضروری ہو تو اس پر اس نذر کا پورا کرنا لازم ہے

(۱) المحلی: ۸/۱۰ ۔ (۲) المحلی: ۸/ ۸، ۱۰ ۔

حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کروں گا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔[1]

نسب :

ا۔ انساب کا اہتمام

حضرت عمرؓ انساب سے بخوبی واقف اور انساب عرب کے حافظ تھے اور آپ کو عربوں کے نسبوں کی تلاش اور تفحص کا ملکہ حاصل تھا؛ چنانچہ ابن سیرین سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا تو اس سے دریافت کیا کہ تم کس قبیلے سے ہو۔ اس نے کہا کہ میں فلاں قبیلے سے ہوں؛ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے نسب کا نجران سے بھی تعلق ہے۔ اس نے کہا، نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس کے نجران کے سلسلۂ نسب سے واقف ہو تو میں اُسے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ ضرور ہمیں اس کی خبر دے۔ ایک شخص نے کہا کہ اے امیرالمؤمنین میں جانتا ہوں، اس کو اہل نجران کی ایک عورت نے جنا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے ہم آثار دیکھ کر قیافہ لگاتے ہیں۔[2]

۲۔ نسب کے معاملے میں حضرت عمرؓ کی شدت۔

حضرت عمرؓ نسب کے معاملے میں متشدد تھے اور ایسے شخص پر سختی سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے جو اپنا سلسلۂ نسب

(۱) مسند الامام احمد: ۱/ ۳۷، سنن البیہقی: ۱۰/ ۷۶، ۴/ ۳۱۶، المغنی ۳/ ۲۱۵۔
(۲) عبدالرزاق: ۷/ ۳۴۹۔

کسی دوسرے شخص سے وابستہ کرتا ؛ چنانچہ زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ بن الخطابؓ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ آپ صہیبؓ سے کہہ رہے تھے کہ اے صہیبؓ! تمہارے اندر کوئی عیب نہیں ہے سوائے تین باتوں کے، اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو میں آپ پر کسی کو مقدم نہ سمجھتا، حضرت صہیبؓ نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہیں ؛ دراصل آپ بہت طعن کرنے والے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ فضول خرچی کرتے ہیں، ایک نبی کے نام پر اپنی کنیت رکھتے ہیں اور اپنا نسب عربی بتاتے ہیں حالانکہ آپ کی زبان عجمی ہے۔ حضرت صہیبؓ نے فرمایا کہ جہاں تک فضول خرچی کا تعلق ہے تو میں جہاں خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہاں خرچ کرتا ہوں، جہاں تک میری کنیت کا تعلق ہے تو میری کنیت ابو یحییٰ خود رسُول اللہ نے رکھی تھی۔ کیا آپ کے کہنے پر میں یہ کنیت چھوڑ دُوں؟ اور جہاں تک میرے اہل عرب سے انتساب کا تعلق ہے تو دراصل مجھے رومی بچپن میں قیدی بنا کر لے گئے تھے۔ مجھے اپنے گھر کے لوگ اب تک یاد ہیں۔ اگر میں لبید میں سے پھوٹتا ہوں تو اُسی کی طرف منسوب ہوں گا۔[۱]

حضرت عمرؓ نے نسب کے معاملے میں اپنے تشدد کی وجہ خود بیان فرمائی کہ ہم پڑھا کرتے تھے یعنی قرآن میں ___ کہ اپنے آباء سے منہ موڑو کہ یہ بھی تمہارا کفر ہے یا آپ نے فرمایا کہ تمہارا کفر یہ ہے کہ تم اپنے آباء سے منہ موڑ لو۔[۲]

۲ نسب کا ثبوت۔

نسب حسب ذیل امور سے ثابت ہو جاتا ہے۔

۱ اقرار:

نسب کا اقرار کرنے والا یا تو ایسے نسب کا اقرار کرے گا جو خود اس کا ہے یا کسی دوسرے کے نسب کا اقرار کرے گا۔

۱۔ اگر وہ کسی ایسے نسب کا اقرار کرے جو خود اس کا ہے، مثلاً یہ اقرار کرے کہ فلاں میرا بیٹا ہے تو اگر اس اقرار کے خلاف کوئی موزوں بات موجود نہیں ہے تو یہ اقرار قبول کیا جائے گا اور اس کے بعد وہ کبھی اس نسب سے انکار نہیں کر سکے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی نے ایک گھڑی کے لیے بھی اپنے بیٹے کے بارے میں اعتراف کر لیا تو پھر بعد میں وہ اگرچہ انکار کرے لیکن یہ بچہ اسی سے منسوب ہوگا۔[۱] اور فرمایا کہ اگر کسی نے پلک جھپکنے کے عرصہ کے لیے بھی کسی بچے کے اپنا ہونے کا اعتراف کیا تو بعد میں اُسے انکار کا حق نہیں رہے گا۔[۲] حضرت عمرؓ نے ایک شخص کے بارے میں فیصلہ کیا جس نے اپنی بیوی کے بطن میں موجود بچہ اپنا ہونے سے پہلے انکار کیا تھا پھر ابھی وہ پیٹ ہی میں تھا کہ اس کے اپنا ہونے کا اعتراف کر لیا۔ پھر جب وہ بچہ پیدا ہوا تو پھر انکار کر دیا تو حضرت عمرؓ نے اس بہتان پر اسے اسّی کوڑے مارے اور بچہ اس کے ساتھ منسوب کر دیا۔[۳]

حضرت عمرؓ اس امر کے شدید خواہشمند تھے کہ بچے اپنے باپ سے منسوب ہوں ؛ چنانچہ اگر کوئی باپ اپنے بچے کے نسب کا انکار کرتا اور اسی انکار پر جما رہتا، تو اس سے اس گھڑی میں یہ بات پوچھی جاتی جب وہ اللہ کے یہاں جانے

---

(۱) المحلی : ۸/ ۲۹۷۔ المحلی میں ہے کہ مجھے یاد نہیں ہے ؛ مگر یہ الفاظ درست نہیں ہیں کیونکہ حضرت صہیبؓ کا نسب اہل عرب میں متعارف ہے۔ (۲) عبدالرزاق : ۹/ ۵۰۔

(۱) عبدالرزاق : ۷/ ۱۰۰۔ (۲) ابن ابی شیبہ : ۱/ ۲۲۱۔ عبدالرزاق : ۷/ ۱۰۰۔ سنن البیہقی : ۷/ ۴۱۲۔ اخبار القضاۃ : ۲/ ۱۹۱۔

(۳) سنن البیہقی : ۷/ ۴۱۱۔

کے لیے تیار رہتا ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے شریح کو لکھا کہ آدمی سے اس کی موت کے وقت اس کے بچّہ کے بارے میں دریافت کیا جائے کیونکہ وہ اپنی موت کے وقت زیادہ سچ بولتا ہے۔[۱]

۲۔ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کے نسب کے بارے میں اقرار کیا کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے تو اس کا یہ اقرار قبول نہیں کیا جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ فلاں لڑکا اس کے پڑوسی کا بچّہ ہے۔ایک شخص کی اور اس کی بہن حضرت عمرؓ کے پاس آتے۔ ان کے ساتھ ایک بچّہ بھی تھا،ان دونوں نے کہا کہ یہ بچّہ ہمارا بھائی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اُسے تمہارے باپ کے ساتھ منسوب نہیں کروں گا کیونکہ اس نے خود اس بات کا اقرار نہیں کیا۔[۲] (د : اقرار ۲)

ب۔ فراش :

حضرت عمرؓ ایسے بچّہ کا نسب جو حمل کی کم سے کم مدّت سے بھی کم ہیں یا حمل کی زیادہ سے زیادہ مدّت سے بھی زائد مدّت میں پیدا ہوا ہوتا اسی شخص کی طرف منسوب کرتے تھے جس نے اس بچّہ کی ماں کے ساتھ جائز طور پر جماع کیا ہوتا خواہ یہ عورت اس کی منکوحہ بیوی ہوتی یا لونڈی ۔چنانچہ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ ایک عورت کا شوہر مر گیا۔اس نے چار ماہ دس دن عدت گزاری۔پھر جب وہ نکاح کے لیے حلال ہوگئی تو اس نے ایک اور شخص سے نکاح کر لیا،جس کے پاس وہ ساڑھے چار ماہ رہی اور اس کے ہاں اسی مدّت میں ایک مکمل بچّہ پیدا ہو گیا۔اس کا شوہر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور آپ سے اس امر کا ذکر کیا۔آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کرادی اور فرمایا کہ مجھے تمہارے بارے میں اچھی ہی خبر ملی ہے اور بچّہ کو پہلے شوہر سے منسوب کر دیا۔[۱]

کسی شخص کا اپنی بیوی یا لونڈی سے جماع کے وقت عزل کرنا اس شخص سے بچّے کے نسب کے عدم اثبات میں مؤثر نہیں ہے،کیونکہ بچّہ کا نسب فراش سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ اپنی باندیوں سے جماع کے وقت عزل کرتے ہیں جس باندی کا مالک اس سے جماع کرنے کا اعتراف کرے گا میں اس باندی کا بچّہ اس سے منسوب کروں گا۔اب تم خواہ عزل کر دیا عزل ترک کر دو۔[۲] اسی طرح اثباتِ نسب میں اس عورت کا جس سے اس کے خاوند یا مالک نے جماع کیا ہو ارتکابِ زنا بھی مانع نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے اپنی باندی سے جماع کرے تو وہ اس کے احصان (عفت) کا خیال رکھے ورنہ تم میں سے جو اپنی باندی سے صحبت کرنے کا اقرار کرے گا،میں بچّہ اس سے منسوب کر دوں گا۔[۳]

عبداللہ بن ابی یزید اپنے والد ابو یزید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بنو زہرہ کے ایک شیخ کو جو ہمارے گھر میں رہتا تھا بلوایا،میں بھی اس کے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس گیا۔حضرت عمرؓ نے اس سے زمانۂ جاہلیت کے بعض بچّوں کے بارے میں دریافت کیا،تو اس نے کہا کہ فراش فلاں کا ہے اور نطفہ فلاں کا ہے۔حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم نے صحیح کہا مگر رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فیصلہ یہ ہے کہ

---

(۱) اخبار القضاۃ : ۱۹۳/۲۔ (۲) المغنی : ۲۶۹/۶۔

(۱) سنن البیہقی : ۴۴۲/۷۔ (۲) المؤطا : ۷۴۲/۲۔ المغنی : ۵۲۹/۹۔ ۳۹۸/۷۔ المحلی : ۳۲۲/۱۰۔ عبدالرزاق : ۱۳۲/۷۔ (۳) عبدالرزاق : ۱۳۲/۷۔ المحلی : ۳۲۲/۱۰۔ المغنی : ۵۲۸/۹

بچہ صاحب فراش کا ہے۔[۱]

ح قیافہ :

نسب قیافہ سے ثابت ہو جاتا ہے اور حضرت عمرؓ قیافہ سے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ (د: قضا ۳ ھ)

ط ولد زنا اور ولد ملاعنہ کا نسب۔

ولد زنا اور ولد ملاعنہ کے نسب کا اُن کی ماں سے الحاق ہوتا ہے۔ (د: ارث ۱۵) دران میں سے کسی کا اپنے آپ کو اپنے باپ کے ساتھ منسوب کرنا درست نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اسلام میں ولد زنا کا دعوٰی جائز نہیں ہے۔[۲]

ی اسلام کا نسب :

نسب خواہ کوئی بھی ہو اسلام میں اصل اعتبار اس ایمان کا ہے جو سینہ میں جاگزیں ہے اور اسلام کے ان اصولوں کا ہے جنھوں نے انسان کو سراپا خیر یعنی ایسا انسان بنا دیا ہے جو اسلام کو مطلوب ہے۔ اس لیے مسلمان پر اسلام کا فضل اس سے کہیں زیادہ عظیم ہے جتنا اس پر اس کے ماں باپ کا ہے اس لیے اگر انسان کو خونی نسب سے شرف و فضیلت کے حصول میں کمی محسوس ہو تو وہ اپنے اس اسلام پر فخر کرے جس نے اُسے ایمان عطا کیا اور فضیلت و استقامت عطا کی۔ روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت سلمانؓ فارسی کے درمیان کوئی رنجش تھی۔ ایک مجلس میں سعدؓ نے ایک شخص سے کہا کہ اے فلاں اپنا نسب بیان کرو، اس نے اپنا نسب بیان کیا، پھر حضرت سعدؓ نے دوسرے سے پھر تیسرے سے یہی کہا، یہاں تک کہ حضرت سلمانؓ تک پہنچ گئے اور ان سے کہا کہ اے سلمانؓ تم اپنا نسب بیان کرو۔ اُنھوں نے فرمایا کہ میں زمانۂ اسلام میں اپنے کسی باپ کو نہیں جانتا۔ مَیں بس سلمان بن اسلام ہُوں۔ یہ خبر حضرت عمرؓ کو پہنچی تو حضرت عمرؓ نے سعدؓ سے کہا کہ اے سعدؓ اپنا نسب بیان کرو، سعد بات سمجھ گئے اور اُنھوں نے فرمایا کہ اے امیرالمؤمنین میں اللہ کو گواہ بناتا ہُوں۔ حضرت عمرؓ نے ان کو نہیں چھوڑا اور فرمایا کہ وہ اپنا نسب بیان کریں، جب اُنھوں نے اپنا نسب بیان کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے دوسرے شخص سے نسب بیان کرنے کے لیے کہا۔ یہاں تک کہ آپ سلمانؓ تک پہنچ گئے اور آپ نے سلمانؓ سے کہا کہ اے سلمانؓ اپنا نسب بیان کرو۔ اُنھوں نے کہا کہ مجھ پر تو اسلام کا بڑا انعام ہے۔ اس لیے مَیں تو سلمان بن اسلام ہُوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: سب جانتے ہیں کہ قریش میں خطاب کا خاندان سب سے معزز خاندان ہے لیکن میں بھی یہی کہتا ہُوں کہ مَیں عمر بن اسلام ہُوں اور سلمانؓ بن اسلام کا بھائی ہُوں۔ اگر یہ بات ۔۔۔۔ نہ ہوتی تو مَیں تمہیں ایسی سزا دیتا جسے اہل امصار بھی سُنتے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ اگر کوئی شخص جاہلیت میں اپنے نو آباء تک نسب بیان کرے تو ان کا دسواں یقیناً جہنمی ہوگا اور ایک شخص اسلام کے ایک شخص کی جانب منسوب ہو جائے اور باقی سب کو چھوڑ دے تو وہ اس کے ساتھ جنّت میں ہوگا۔[۱]

۶۔ لعان سے نسب کی نفی۔

صاحب فراش یعنی شوہر یا مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ جس سے اس نے جماع کیا ہو لعان کے ذریعہ اس کے حمل کے نسب سے انکار کر دے۔ (د: لعان)

(۱) سنن البیہقی، ۷/۴۰۲۔

(۲) عبدالرزاق: ۷/۴۵۲۔

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۴۳۸۔

نسب سے انکار میں کیا چیز لازم آتی ہے۔ (د: قذف ۲ ج)

۷۔ ایک سے زائد افراد کے ساتھ نسب کا الحاق۔ (د: قضا ۳ ھ)

لقیط کا نسب۔ (د: لقیط ۴)

نسیئہ (ادھار)

۱۔ تعریف:

نسئیہ کے معنی تاخیر کے ہیں۔

۲۔ ربا نسئیہ کی حرمت۔ (د: ربا ۲)

نشوز (نافرمانی)

۱۔ تعریف:

عورت کا بغیر کسی جواز کے اپنے شوہر کا کہنا نہ ماننا۔

۲۔ شوہر کا اپنی نافرمان بیوی کو سزا دینے کا حق۔ (د: تادیب ۳)

۳۔ نافرمان بیوی کا خلع کرنا (د: خلع ۲)

نصرانی:

دیکھیے: کتابی۔

نصرۃ (مدد)

نصرت (مدد) کی اساس پر عاقلہ کا تعین۔ (د: عاقلہ ۲)

نصرت سے میراث کا استحقاق۔ (د: ارث ۲ ھ) و (د: ارث ۲)

نظر:

مخطوبہ (جس سے نکاح کا ارادہ ہو) کو دیکھنا۔ (د: نکاح ۲ ب ۱)

قابل ستر حصّوں کو دیکھنا۔ (د: عورت)

نعل (جوتا)

وضو میں نعلین (جوتیوں) پر مسح کا جواز۔ (د: وضو ۶ و)

جوتے کو زمین سے رگڑ کر پاک کر لینا۔ (د: نجاست ۲ ب ۳)

جوتی پہن کر نماز پڑھنا۔ صلاۃ ۲ (۲)

نفاس:

۱۔ نفاس کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت۔

نفاس کی کم سے کم مدت کی تعیین کے بارے میں ہمیں حضرت عمرؓ سے منقول نص نہیں ملی، البتہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے[1] حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جوان عورت کے ہاں جب بچہ ہوا اور خون جاری رہے تو وہ چالیس دن انتظار کرے اور اس کے بعد غسل کرے[2]

۲۔ نفاس والی عورت پر کیا حرام ہے۔

نفاس والی عورت پر وہی کچھ حرام ہے جو حائضہ پر حرام ہے۔ (د: حیض ۲)

نفاق:

جنگ میں منافق سے مدد حاصل کرنا۔ (د: جہاد ۷ ج)

نفقہ:

۱۔ اپنی ذات پر خرچ کرنا۔

بنیادی طور پر ہر انسان کا نفقہ اُس کے مال پر عاید ہوتا ہے اگر اُسکے پاس مال ہو لیکن اگر اُس کے پاس مال نہ ہو تو اس کا نفقہ اس کے اقارب پر ہے۔

۲۔ اقارب (رشتہ داروں) پر خرچ کرنا۔

ا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک فقیر (تنگدست) کا نفقہ اس کے ان قریبی رشتہ داروں پر لازم ہے جو اس کے وارث ہوں اور خوش حال ہوں۔ آپ نے ایک شخص پر اس کے بھتیجے کے نفقہ کے سلسلہ میں جبر کیا[1] اور تین آدمیوں پر جو ایک بچے کے وارث تھے اس بچے کی رضاعت کی اجرت کا بار ڈالا[2] اور ایک نومولود کے مرد عصبات کو (عورتوں کو نہیں) اس پر خرچ کرنے پر مجبور کیا[3] اور ایک یتیم حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ اور اس نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے خرچ کے لیے دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مجھے اس یتیم کے دور کے رشتہ داروں کا بھی پتہ چل جائے تو میں ان پر اس کا خرچ لازم کر دوں گا[4] حضرت عمرؓ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ وہی اس یتیم کے وارث بھی ہوتے۔

ب وارثوں میں سے ہر ایک پر کس قدر نفقہ لازم ہے؟ حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ جن لوگوں پر نفقہ لازم آتا ہو۔ ان پر وہ برابر برابر تقسیم ہوگا جس طرح عاقلہ پر دیت تقسیم ہوتی ہے۔ اور اس سلسلہ میں میراث کے اس حصہ کے مطابق نفقہ کا اندازہ نہیں کیا جائے گا جو یہ وارث اس فقیر کے مرنے کے بعد پائیں گے۔ چنانچہ عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے نومولود بچہ کے نفقہ کا بار اس کے وارثوں پر دیت کے بار کی طرح ڈال دیا[1]

۳۔ اس شخص کا نفقہ جس کے رشتہ دار نہ ہوں۔

جس کے پاس کوئی مال نہ ہو اور جس کے رشتہ دار بھی نہ ہوں، مثلاً لقیط، یا جس کے رشتہ دار ہوں مگر وہ خود فقیر ہوں تو اس کا نفقہ مسلمانوں کے بیت المال پر عائد ہوگا۔

(د: لقیط ۳) و (امارہ ۵ ھ ۴)

۴۔ بیوی کا نفقہ:

شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو خرچ دے خواہ اس کے ساتھ رہے یا سفر پر چلا جائے۔ حضرت عمرؓ نے لشکروں کے امیروں کے نام فرمان لکھا کہ فلاں اور فلاں شخص کو بلاؤ یعنی بعض ایسے لوگوں کے نام لکھے جو مدینہ منورہ چھوڑ کر چلے گئے تھے اور انہیں حکم دو کہ وہ یا تو اپنی بیویوں کے پاس واپس آ جائیں یا ان کا نفقہ بھیج دیں اور یا انہیں طلاق دے دیں اور گزشتہ مدت کا نفقہ انہیں بھیج دیں[2] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوی کو شوہر سے گزشتہ مدت کا نفقہ مانگنے کا حق حاصل ہے اور اگر شوہر نفقہ نہ دے تو بیوی کو اختیار ہے چاہے تو اس نکاح کو برقرار رکھے اور چاہے تو تفریق کا مطالبہ کر دے۔

(د: طلاق ۱۱ ج)

اگر شوہر تنگ دست ہو اور نفقہ ادا نہ کر سکے تو ابن حزم نے المحلی میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ سے صحیح روایت یہ منقول ہے کہ اگر شوہر تنگدست ہو اور نفقہ نہ ادا کر سکے تو بیوی کا نفقہ طلب کرنے کا حق ساقط ہو جائے گا[3]

---

(۱) ابن ابی شیبہ: ۱/۲۵۶۔ ب۔ عبدالرزاق: ۷/۶۰۔
(۲) عبدالرزاق ۷/۶۰۔ سنن البیہقی: ۷/۱۷۹۔
(۳) عبدالرزاق: ۷/۵۹۔ سنن البیہقی ۷/۴۷۸۔ المحلی: ۱۰/۱۷۱۔ ۹/۴۰۔ ۱۰/۱۰۲۔ الاموال: ۲۴۰۔ المغنی: ۷/۵۸۹۔ ابن ابی شیبہ: ۱/۲۵۶۔
(۴) ابن ابی شیبہ: ۱/۲۵۶۔

(۱) عبدالرزاق: ۷/۵۹۔ (۲) المحلی: ۱۰/۹۲۔ المغنی: ۷/۵۷۳۔ ابن ابی شیبہ: ۱/۲۵۳۔ ب۔ سنن البیہقی: ۷/۴۶۹۔ (۳) المحلی: ۱۰/۹۴۔

۵ عدت گزارنے والی کا نفقہ ۔

معتدہ یا تو وفات کی عدت گزار رہی ہوگی یا طلاق کی ۔

ا وفات کی عدت گزارنے والی کا نفقہ :

معتدۂ وفات اگر حاملہ نہ ہو تو بالاجماع اسے نفقہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ وہ عدت میں جو رکی ہوئی ہے وہ شوہر کے حق کی بنا پر نہیں بلکہ شریعت کے حق کی بنا پر رکی ہوئی ہے۔ اور اگر وہ حاملہ ہے تو اُسے وضع حمل تک نفقہ ملے گا۔

ب معتدۂ طلاق نفقہ کی مستحق ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔ حاملہ کے بارے میں قرآن کریم کا فرمان ہے کہ

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق:۶)

"اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ کرتے رہو، جب تک ان کا وضع حمل نہ ہو جائے۔"

غیر حاملہ کو نفقہ اس لیے ملے گا کہ وہ شوہر کے حق کی بنا پر رکی ہوئی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کے بطن میں اس شوہر کا بچہ موجود نہیں ہے۔ اس لیے وہ نفقہ کی مستحق ہے، خواہ اسے رجعی طلاق دی گئی ہو، یا وہ بینونت صغری کی بنا پر بائن ہو یا بینونت کبری کی بنا پر، چنانچہ جب فاطمہ بنت قیس نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے ذکر کیا کہ ان کے شوہر نے انہیں تین طلاقیں دی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رہائش اور نفقہ نہیں دلوایا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم ایک عورت کے بیان پر اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت ترک نہیں کر سکتے، اسے رہائش اور نفقہ دونوں ملیں گے[1] (دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ) ہم اللہ کے دین میں ایک عورت کی بات نہیں مانیں گے (مطلقہ کو نفقہ اور رہائش ملیں گے[1]

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ میں کوفہ کی مسجد اعظم میں اسود بن یزید کے ساتھ تھا اور ہمارے ساتھ شعبی بھی تھے۔ شعبی نے فاطمہ بنت قیس والی حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نفقہ اور سکنی نہیں دلایا تھا۔ اس پر اسود نے سنگریزے مٹھی میں لیے اور ان کی جانب پھینک کر کہا کہ افسوس تم ایسی روایت بیان کر رہے ہو جس کے متعلق حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم ایک عورت کے بیان پر جس کا یقین نہیں کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی، اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت ترک نہیں کریں گے۔ (مطلقہ) کو نفقہ اور سکنی ملے گا۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ[2]

(الطلاق:۱)

(زمانہ عدت میں) نہ تم انہیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کسی صریح برائی کی مرتکب ہوں۔

۶ ۔ غلام کا نفقہ

غلام کا نفقہ اس کے آقا پر لازم ہے۔ حضرت عمرؓ نے حاطب بن ابی بلتعہ پر ان کے غلاموں کے اونٹنی چرانے کی بنا پر اونٹنی کی دگنی قیمت کا بار ڈالا، کیونکہ ان کے سرقہ کا سبب یہ تھا کہ حاطب نے ان کو نفقہ دینے میں کوتاہی کی تھی۔ (د: سرقہ ۳) اس سے معلوم ہوا کہ غلام کا نفقہ اس کے مالک پر ہے۔

۷ ۔ امیر کا نفقہ ۔ (دیکھئے امارہ ۵ ط)

(۱) سنن البیہقی: ۷/۵ء۴، ۷ء۴ شرح معانی الآثار ۲/۶۷، المحلی: ۱۰/۲۸۸، ۳۰۰، المغنی: ۷/۴۰، ۵۷۹۔ اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلی: ۱۹۶۔

(۱) ابن ابی شیبہ: ۱/۲۲۷ ب۔ (۲) المحلی: ۱۰/۲۹۶۔

نفل

۱۔ تعریف:

نفل وہ عمل ہے جو فرض پر زائد ہو۔

۲۔ نفل کی اقسام:

- معرکہ کی تنفیل (د: تنفیل)
- نوافل صلاۃ (د: صلاۃ ۲۰) سفر میں نوافل کی ادائیگی (د: سفر ۱ھ)
- نفلی روزے (د: صیام ۲ ب) عورت کا شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزے رکھنا۔ (د: صیام ۲)

نفی:

۱۔ تعریف:

ارتکاب جُرم کی سزا کے سزا کے طور پر کسی شخص خاص کو کسی ایسے مخصوص شہر میں رہنے کا جبرًا پابند کر دینا جو اس کا اپنا شہر نہ ہو نفی کہلاتا ہے۔

۲۔ حضرت عمرؓ کا جلاوطنی کی سزا دینا۔

حضرت عمرؓ اکثر ان لوگوں کو نفی کی سزا دیتے تھے جن کو یہ سزا دینا قرینِ مصلحت خیال فرماتے۔ آپ نے مدینہ سے بصرہ جلاوطن کیا اور مدینہ سے خیبر جلاوطن کیا[1] اور دیگر شہروں کی طرف بھی جلاوطن کیا۔

۳۔ نفی کی اقسام:

جلاوطنی کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ نفی حد: جلاوطنی کی سزا بطور حد شریعت میں ماسوائے زنائے غیر محصن کے اور کسی جرم میں نہیں ہے۔ غیر محصن زانی کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا دی جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے زنا اور حرابہ میں جلاوطنی کی سزا دی ہے۔

(د: زنا ۵ ب) و (حرابہ ۳)

ب۔ نفی تعزیر: حضرت عمرؓ ایسے اشخاص کو جن کو جلاوطن کرنے میں مصلحت خیال فرماتے اکثر تعزیب (جلاوطنی) کی سزا دیتے تھے۔ (د: تعزیر ۲ھ)

(1) عبدالرزاق ۷/۳۱۴۔

نقود (سکے)

ہرقل رُوم کے دینار مسلمانوں کے یہاں آتے تھے۔ اسی طرح مسلمانوں کے پاس ایران کے بغلیہ دراہم بھی آتے تھے اور مسلمان انہی سکوں سے لین دین کیا کرتے تھے اور یہ طریقہ عہد نبوت میں حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں اور حضرت عمرؓ کے شروع کے دَور میں برقرار رہا[1] غرض اس وقت تک اسلامی سلطنت کے جداگانہ سکے موجود نہیں تھے۔ حضرت عمرؓ ان باہر سے آنے والے سکوں کو ناپسند کرتے تھے، کیونکہ ان میں کھوٹے سکے بھی موجود ہوتے تھے۔ یہ کھوٹے سکے دراصل عجم کے بنائے ہوئے وہ درہم ہوتے تھے جن میں وہ کھوٹ ملا دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ اسلامی حکومت کی اپنی مستقل ٹکسال ہو، مگر وسائل کی قلت کی بنا پر حضرت عمرؓ کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ اُونٹ کے چمڑے کے سکے بنوا دوں، کسی نے کہا کہ پھر تو اُونٹ ہی ختم ہو جائیں گے تو آپ نے اس ارادے پر عمل نہیں کیا[2]

لیکن جونہی حضرت عمرؓ کو وسائل فراہم ہوئے آپ نے ایرانی دراہم کی شکل کے درہم بنوائے اور ان پر اسلامی عبارتیں

(1) النقود للبلاذری: ۱۔ (2) النقود للبلاذری ۱۸۔

نقش کرا کے انہیں ایرانی سکوں سے ممتاز کر دیا۔ آپ کے ڈھلوائے ہوئے سکوں میں سے بعض پر الحمد اللہ کندہ کیا گیا۔ بعض پر "محمد رسول اللہ" لکھا گیا اور بعض پر لاالہ الا اللہ تحریر کیا گیا۔ اور آپ نے اپنے آخری دور میں سکوں کے اوزان میں ایک اہم تبدیلی یہ فرمائی کہ ہر دس درہم کا وزن چھ مثقال مقرر فرما دیا (۱)

نکاح :

نکاح پر گفتگو مندرجہ ذیل پہلوؤں پر مشتمل ہوگی ۔

۱۔ ترغیب نکاح ۲۔ خطبہ (پیغام نکاح) ۳۔ شوہر

۴۔ بیوی ۵۔ عقد نکاح ۶۔ ازدواجی زندگی

۱۔ ترغیب نکاح :

(الف) حضرت عمرؓ نکاح کی ترغیب بکثرت دیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ تنگدست لوگوں کو بھی نکاح کرنے کی نصیحت کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ نکاح سے رزق کا دروازہ کھل جاتا ہے، اس لیے آپ فرماتے تھے کہ نکاح کر کے غنا حاصل کرو۔ (۱) ایک اور روایت میں ہے کہ نکاح کر کے فضل یعنی رزق تلاش کرو، اور ایک اور موقعہ پر حضرت عمرؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ :

إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (النور : ۳۲)

"اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اُن کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔" (۲)

جب آپ کسی کنوارے شخص کو دیکھتے تو اُسے توجہ دلاتے اور کچھ ایسے جملے فرماتے جس سے اُس کی نکاح کی رغبت بیدار ہو جاتی۔ آپ نے ایک موقعہ پر ابوالزوائد کو دیکھا۔ اُن کی عمر زیادہ ہو گئی تھی اور اُنہوں نے ابھی تک نکاح نہیں کیا تھا تو اُن سے کہا : نکاح سے کیا امر مانع ہو سکتا ہے، سوائے اس کے کہ انسان عاجز یا بدکار ہو۔ (۱)

(ب) حضرت عمرؓ جس قدر عام حالات میں نکاح کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ قحط کے زمانہ میں نکاح سے منع بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ قحط سالی کے دنوں میں نکاح کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ (۲)

۲۔ خطبہ (پیغام نکاح)

(الف) حضرت عمرؓ چھوٹی نابالغ بچیوں کو رشتہ دار مردوں کے سامنے لانے کا حکم فرمایا کرتے تھے تاکہ وہ ان کو دیکھ بھال لیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ کوئی اُنہیں نکاح کا پیغام دے یا کسی اور کو پیغام نکاح دینے کی جانب متوجہ کرے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو لڑکیاں بالغ نہ ہوئی ہوں، اُنہیں باہر لایا کرو، بہت ممکن ہے کہ اُنہیں دیکھ کر اُن کے چچیرے بھائیوں کو اُن کی طرف میلان پیدا ہو۔ (۳)

(ب) مخطوبہ کو دیکھنا :

حضرت عمرؓ اس امر کو جائز سمجھتے تھے کہ نکاح کا پیغام دینے والا پیغام دینے کی نیت سے اس عورت کو دیکھ لے جسے پیغام نکاح دینا چاہتا ہو۔

(ج) عورت کے ولی کا شوہر کو پیغام نکاح دینا :

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۰۷ ب
(۲) عبدالرزاق ۶/ ۱۷۱، ۱۷۳

(۱) المحلی ۹/ ۴۴۰، المغنی ۶/ ۴۴۶
(۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۲۱، عبدالرزاق ۶/ ۱۵۲، ۱۵۴
(۳) مصنف عبدالرزاق ۶/ ۱۵۶

مروجہ طریقہ یہی ہے کہ مرد عورت کو پیغامِ نکاح دے، لیکن اگر عورت کسی مرد میں نیکی اور خیر محسوس کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ خود اُسے پیغامِ نکاح دے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کا پیغامِ نکاح دیا۔ حضرت حفصہؓ خنیس بن حذافہ سہمی کے نکاح میں تھیں اور بیوہ ہو گئی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے خود بیان فرمایا ہے کہ میں حضرت عثمانؓ سے ملا اور اُنہیں حفصہؓ سے نکاح کی پیش کش کی۔ میں نے اُن سے کہا کہ اگر آپ پسند کریں تو میں حفصہؓ کا نکاح آپ سے کر دوں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ میں غور کروں گا۔ چند دن بعد وہ مجھ سے ملے اور کہا کہ میرا ابھی نکاح کا ارادہ نہیں ہے۔ پھر میں حضرت ابو بکرؓ سے ملا اور اُن سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ سے (حضرت) حفصہؓ کا نکاح کر دوں۔ حضرت ابو بکرؓ یہ سُن کر خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے اُن کے اس رویّے کو حضرت عثمانؓ کے رویے کے مقابلے میں زیادہ شدت سے محسوس کیا۔ کچھ دن گزرے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (حضرت) حفصہؓ کے لیے نکاح کا پیغام دے دیا اور میں نے آپؐ سے (حضرت) حفصہؓ کا نکاح کر دیا۔ اس کے بعد مجھ سے حضرت ابو بکرؓ ملے اور کہنے لگے کہ شاید جب آپ نے مجھے حفصہؓ کی پیش کش کی تھی اور میں نے آپ کو جواب نہیں دیا تھا تو اس پر آپ کو ناراضگی پیدا ہوئی تھی۔ میں نے کہا کہ جی ہاں۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ آپ کی بات کا جواب نہ دینے کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (حضرت) حفصہؓ کا ذکر فرمایا تھا اور میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا راز افشا نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ اگر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یہ ارادہ تبدیل فرما دیتے تو پھر میں حضرت حفصہؓ سے ضرور نکاح کر لیتا۔ (۱)

(د) پیغامِ نکاح پر پیغامِ نکاح دینا:

اگر کسی شخص نے کسی عورت کو پیغامِ نکاح دیا ہوا ور وہ عورت اس پیغام پر مطمئن ہو یا اثبات میں جواب دے دے یا اپنے ولی کو یہ رشتہ قبول کرنے یا اس سے اپنا نکاح کرنے کی اجازت دے دے تو کسی دوسرے شخص کے لیے اس عورت کو پیغامِ نکاح دینا حرام ہے۔ الا یہ کہ پہلا پیغام دینے والا اس رشتہ کو چھوڑ دے یا دوسرے پیغام دینے والے کو پیغام دینے کی اجازت دے دے۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے یہی سُنت مروی ہے۔

ایک شخص نے پیغام دیا لیکن عورت نے اُسے ردّ کر دیا یا وہ اس سے مطمئن نہیں ہوئی تو دوسرے شخص کے لیے اس پیغام پر پیغام دینا جائز ہے، کیونکہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ فاطمہ بنت قیس نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بتایا کہ معاویہ اور ابوالجہم نے اُنہیں پیغام بھیجا ہے۔ یہ سُن کر رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ معاویہ قلاش ہے، اُس کے پاس مال نہیں ہے اور ابوالجہم تو وہ اپنی لاٹھی اپنے کاندھے سے نہیں اُتارتا۔ (یعنی بیویوں سے سلوک اچھا نہیں کرتا) میری رائے یہ ہے کہ تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو۔ ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ایک عورت کو پیغامِ نکاح دیا جسے پہلے جریر بن عبداللہ، مروان الحکم اور عبداللہ بن عمرؓ پیغامِ نکاح دے چکے تھے۔ آپ اُن کے پاس آئے۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ نے کہا کہ

(۱) مسند ابی بکر

تمہیں جریر بن عبداللہ نے بھی پیغام دیا ہے، وہ اہلِ مشرق کے نوجوانوں کے سردار ہیں، اور مروان نے بھی پیغام دیا ہے، وہ قریش کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ اور عبداللہ بن عمرؓ نے پیغام دیا ہے اور آپ سے آپ جانتی ہی ہیں اور عمر بن الخطابؓ بھی امیدوار ہیں۔ اس خاتون نے پردہ سرکایا اور پوچھا کہ کیا امیرالمومنین اپنے پیغامِ نکاح میں سنجیدہ ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں، اس پر اُس نے کہا کہ میں امیرالمومنین سے نکاح کرتی ہوں۔ چنانچہ اس کے خاندان والوں نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا۔[۱]

(ھ) وہ صفات جو مخطوبہ میں ہونی چاہییں۔ (د: نکاح/۲ب)

۳۔ شوہر:

(الف) شوہر یا آزاد ہوگا یا غلام:

اگر آزاد ہے تو اُسے چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے، کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (النساء: ۳)

"جو عورتیں تم کو پسند آئیں اُن میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو۔"

ہانی بن قبیصہ مدینہ منورہ آئے اور ابن عوف کے پاس ٹھیرے۔ اُن کی چار نصرانی بیویاں تھیں جب وہ مسلمان ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے ان کی بیویوں کو اُن ہی کے نکاح میں رہنے دیا۔[۲] اور اگر شوہر غلام ہے تو وہ اپنے رشتۂ ازدواج میں دو سے زیادہ عورتیں جمع نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ غلام دو عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اور دو طلاقیں دے سکتا ہے۔[۳] ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ غلام کتنی عورتیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے؟ سب نے کہا: دو۔[۱]

(ب) شوہر کے لیے کیا شرائط ہیں؟

شوہر کے لیے حسبِ ذیل شرائط ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو نکاح باطل ہوگا۔

۱۔ اسلام، اگر بیوی مسلمان ہو۔ حضرت عمرؓ سے متفقہ طور پر یہ روایت مروی ہے کہ غیر مسلم کا مسلم عورت سے ابتداً نکاح جائز نہیں ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مسلمان تو نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے، لیکن نصرانی مرد مسلمان عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔[۲] حنظلہ بن بشر کی بیٹی مسلمان تھیں۔ حنظلہ نے اس کا نکاح اپنے نصرانی بھتیجے سے کر دیا۔ عوف بن القعقاع حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں لکھا کہ اگر وہ اسلام قبول کرلے تو وہ اُس کی بیوی ہے۔ اور اگر اسلام قبول نہ کرے تو دونوں کے درمیان تفریق کرا دی جائے۔ چنانچہ اُس نے اسلام قبول نہیں کیا اور دونوں کے درمیان تفریق کرا دی گئی اور اس لڑکی سے عوف بن القعقاع نے نکاح کر لیا۔[۳]

اگر کافر مرد کافر عورت سے نکاح کرلے پھر عورت مسلمان ہو جائے اور مرد اسلام قبول نہ کرے تو اس کے بارے میں

(۱) المغنی ۶/۶۰۵
(۲) سنن البیہقی ۷/۱۹۰

(۱) سنن البیہقی ۷/۱۵۸، المحلی ۹/۴۴۴، المغنی ۹/۵۴۰
(۲) سنن البیہقی ۷/۱۷۲، عبدالرزاق ۷/۱۷۶، ۹/۱۰۲
(۳) المحلی ۷/۳۱۳

حضرت عمرؓ سے مختلف روایات مروی ہیں۔ ایک روایت ہے کہ یہ اسی شوہر کے پاس رہے گی۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ اسے اختیار دیا جائے گا کہ اگر چاہے تو اُس کے پاس رہے اور چاہے تو اُسے چھوڑ دے اور ایک تیسری روایت یہ ہے کہ ان کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی۔ جیسا کہ ہم طلاق میں بیان کر آئے ہیں۔ (د: طلاق / ۱۲ ب)

۲۔ شوہر بیوی کا غلام نہ ہو: ایک عورت حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئی اور اُس نے کہا کہ آپ مجھے اس بارے میں مشورہ دیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنے غلام کو آزاد کر کے اُس سے نکاح کر لوں۔ دوسرے کسی شخص کی بہ نسبت اس کی مجھ پر کم ذمہ داریاں آئیں گی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ عمرؓ کے پاس جاؤ اور اُن سے دریافت کرو۔ اس عورت نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا تو حضرت عمرؓ نے اُسے اس قدر مارا کہ اس کا پیشاب خطا ہو گیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اہلِ عرب اُسی وقت تک عافیت میں رہیں گے جب تک وہ اپنی عورتوں کو قابو میں رکھیں گے۔ (۱) (د: تسری/ ۲)

۳۔ مرد نے حج یا عمرہ کا احرام نہ باندھ رکھا ہو۔
(د: حج / ۶ د ۳)

۴۔ وہ مرد عورت پر حرام نہ ہو۔ محارم کی تفصیل بیوی کے عنوان میں آ رہی ہے۔ (د: نکاح / ۴ ل)

(ج) شوہر میں حسبِ ذیل صفات کا پایا جانا مستحسن ہے۔

۱۔ عورت کا کفو (ہم پلہ) ہو۔ یعنی شوہر کی سماجی حیثیت عورت سے کم تر نہ ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اچھے حسب نسب والی عورتوں کو حکم دوں گا

(۱) عبدالرزاق ۷/ ۲۴

کہ وہ صرف اپنے ہم کفو مردوں سے نکاح کریں۔ (۱) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مہاجر اعرابیہ سے نکاح کر سکتا ہے مگر اعرابی مہاجر عورت سے نکاح نہ کرے کہ وہ اسے دار الہجرت سے نکال کر لے جائے گا۔ (۲) اور حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ میرے اندر اسکے سوا جاہلیت کی اور کوئی بات نہیں ہے کہ میں نے اس بات کا بالکل خیال نہیں رکھا کہ کس مسلمان کا نکاح کرایا ہے اور کس عورت سے خود نکاح کیا ہے (۳)

۲۔ خوبصورتی: حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ اپنی بیٹی کا نکاح بدشکل آدمی سے کر دیتے ہیں، حالانکہ جس طرح تمہیں خوش شکل لوگ اچھے لگتے ہیں، اسی طرح تمہاری بیٹیوں کو بھی اچھے لگتے ہیں (۴) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اپنی لڑکیوں کو بدشکل لوگوں سے نکاح پر مجبور نہ کرو، کیونکہ وہ بھی وہی پسند کرتی ہیں جو تم پسند کرتے ہو۔ (۵)

۳۔ بیماریوں سے پاک ہو اور ایسی کسی آفت جسمانی میں مبتلا نہ ہو جو بیوی کے لیے ضرر رساں ہو۔ مثلاً پاگل پن، کم عقلی، بانجھ پن، نامردی اور خصی ہونا وغیرہ۔ اگر شوہر ان میں سے کسی بیماری میں مبتلا ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ عقد سے پہلے بیوی کو یہ بات بتلا دے۔ اگر نہیں بتایا تو بیوی کو جس وقت علم ہو گا اُسے نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہو گا۔ (د: طلاق / ۱۱ ر ح و ز)

۴۔ زنا سے پاک ہونا: حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ زمانۂ اسلام میں کسی ایسے شخص کو جو زنا کا مرتکب ہوا ہو کسی پاک دامن عورت سے نکاح نہ کرنے دوں۔ اس پر حضرت ابی بن

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۲۳، سنن البیہقی ۷/ ۱۳۳، عبدالرزاق ۶/ ۱۵۴، المغنی ۶/ ۴۸۰ (۲) عبدالرزاق ۷/ ۱۷۶، ۱۷۷، ۹/ ۱۰۶ (۳) ابنِ ابی شیبہ ۱/ ۲۲۸ - ۲۲۳ - عبدالرزاق ۶/ ۱۵۲ (۴) عبدالرزاق ۶/ ۱۵۸

(۵) ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۳۲ ب ۲۵۸

کعبؓ نے فرمایا: اے امیرالمومنین شرک زنا سے بڑا گناہ ہے۔ اس سے بھی انسان اگر توبہ کرلے تو اللہ توبہ قبول فرمالیتا ہے[1]۔

۴۔ بیوی:

(الف) بیوی جس سے نکاح حلال ہے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اس شوہر پر حرام نہ ہو۔ محرمات کی دو قسمیں ہیں: وہ محرمات جن کی حرمت دائمی ہے اور وہ محرمات جن کی حرمت وقتی ہے۔

۱۔ وہ محرّمات جن کی حرمت دائمی ہے اُن کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: وہ محرّمات جن کی حرمت بربنائے نسب ہے یہ ہیں: (۱) انسان کی اصل اُوپر تک (۲) انسان کی فرع نیچے تک (۳) باپ کی فرع نیچے تک (۴) دادے کی فرع کا صرف پہلا طبقہ۔ ان محرّمات کا ذکر سورۂ نساء میں آیا ہے اور ان کی حرمت پر اجماع ہے۔

بجالۃ التمیمی بیان کرتے ہیں کہ میں جزء بن معاویہ کا کاتب تھا جو کہ احنف بن قیس کے چچا تھے، ہمارے پاس حضرت عمرؓ کی تحریر اُن کی وفات سے ایک سال قبل آئی کہ "مجوس کے ہر ذی محرم جوڑے کے درمیان تفریق کر دو۔"(۲) مجوسیوں کے یہاں بہنوں اور پھوپھیوں سے اور دیگر محارم سے نکاح جائز تھا ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ حُکم مجوس کے لیے جاری کیا تھا تو یہ حُکم مُسلمانوں ہی کی شریعت ہے، کیونکہ مجوس اہلِ کتاب نہیں ہیں۔

(ب) دوسری قسم: رضاعی محرّمات (دیکھئے: رضاع)

(ج) تیسری قسم: وہ محرّمات ہیں جو مصاہرت کی بنا پر حرام ہوں۔

حرمتِ مصاہرت کس طرح ثابت ہوتی ہے:

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ حرمت مصاہرت جماع سے، شہوت کے ساتھ چھونے سے اور جسم کے پوشیدہ حصّوں پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوجاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی ایک لونڈی کے جسم کا کوئی حصّہ عریاں کر کے دیکھا تھا۔ بعد میں آپ کے کسی صاحبزادے نے کہا کہ یہ لونڈی مجھے ہبہ کر دیجیے تو آپ نے فرمایا کہ یہ تم پر حلال نہیں ہے۔(۱) حضرت عمرؓ نے اسے اپنے صاحبزادے کے لیے اس لیے حرام سمجھا کہ آپ نے اُس کے بے لباس جسم پر نظر ڈالی تھی۔

مصاہرت کی بنا پر حرام عورتیں:

اللہ تعالیٰ نے حرمت مصاہرت کو سورۂ نساء میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ:

وَأُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ (النساء: ۲۳)

"اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہے یعنی اُن بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا تعلّق زن و شو ہوچکا ہو۔ ورنہ اگر (صرف نکاح ہوا ہو اور) تعلّق زن و شو نہ ہوا ہو تو (اُنہیں چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں۔"

نیز حق سبحانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ:

وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (النساء: ۲۲)

"اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں، اُن

---

(۱) المحلی ۹/۴۷۵ (۲) عبدالرزاق ۶/۲۸۰، الموطا ۲/۵۳۹، سنن البیہقی ۷/۱۶۲، المحلی ۹/۵۲۵، اختلاف ابی حنیفہ وابی لیلیٰ: ۱۷۳

(۱) عبدالرزاق ۶/۲۸۰، الموطا ۲/۵۳۹، سنن البیہقی ۷/۱۶۲، المحلی ۹/۵۲۵، اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ: ۱۷۳

سے ہرگز نکاح نہ کرو، مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔"
اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ جو عورتیں بربنائے مصاہرت ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہیں وہ یہ ہیں :
بیوی کے اُصول اوپر تک۔ جس کی جانب قرآن کریم میں وامہات نسائکم کہہ کر اشارہ کیا گیا۔
حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ بیوی کے اصول محض بیوی کے ساتھ عقد سے حرام ہو جاتے ہیں، خواہ شوہر اس کے ساتھ دخول کرے یا نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تحریم میں دخول کی قید نہیں لگائی ہے بلکہ مطلق فرمایا ہے کہ وامہات نسائکم۔ ایک شخص نے حضرت ابن مسعودؓ سے اُس شخص کے بارے میں دریافت کیا، جس نے اپنی بیوی کو دخول کے بغیر طلاق دے دی تھی کہ کیا وہ اس کی ماں سے نکاح کر لے۔ ابن مسعود نے فرمایا کہ ہاں۔ اُس شخص نے نکاح کر لیا اور اُس کے بچہ ہو گیا۔ بعد ازاں ابن مسعود حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور اُن سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ دونوں کے درمیان تفریق کرا دو۔ اُنھوں نے کہا کہ اس کے تو بچہ بھی ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگرچہ دس بچے بھی ہو جائیں، چنانچہ اُن کے درمیان تفریق کرا دی گئی۔ [1]
بیوی کی فرع نیچے تک۔ اگر شوہر نے ان کی پرورش میں حصہ لیا ہو اور وہ بچیاں اس شوہر کے ساتھ رہی ہوں۔ اس لیے کہ فرمانِ الٰہی ہے :

وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ (النساء : ۲۰)

"اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنھوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہے۔" [2]

[1] سنن البیہقی ۱۵۹/۷ [2] المغنی ۵۶۹/۶

اگر بیوی کی اولاد اس کے ساتھ اس کے زیرِ پرورش نہ رہی ہو تو پھر اس کے لیے نکاح جائز ہے، خواہ وہ بیوی کی لڑکی ہو یا بیوی کی پوتی ہو۔ ابراہیم بن میسرہ روایت کرتے ہیں کہ بنی سواۃ کا ایک شخص جس کا نام عبید اللہ بن معبد تھا اور جس کا ذکر میں اچھائی سے کرتا ہوں۔ اُنھوں نے بتایا کہ اُن کے باپ یا دادا نے ایک عورت سے نکاح کیا جس کی ان کے علاوہ پہلے شوہر سے بھی اولاد تھی۔ یہ دونوں ایک عرصہ ساتھ رہے، پھر اُنھوں نے ایک نوجوان عورت سے نکاح کر لیا۔ اس پر پہلی بیوی کے کسی بیٹے نے کہا کہ جب ہماری ماں کی عمر زیادہ ہو گئی تو تم ایک نوجوان عورت سے نکاح کر کے اس سے بے نیاز ہو گئے۔ اس لیے اب تم اسے طلاق دے دو۔ اُس نے کہا کہ نہیں، قسم بخدا، جب تک تم اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے نہ کرو۔ غرض اُس نے اس پہلی بیوی کو طلاق دے دی اور اُس کی بیٹی سے نکاح کر لیا، لیکن یہ لڑکی اور اس کا باپ یعنی اس مطلقہ بوڑھی عورت کا یہ بیٹا اس شخص کی زیرِ پرورش اُس کے پاس نہیں رہے تھے۔ اُنھوں نے بیان کیا کہ میں سفیان بن عبد اللہ ثقفی کے پاس آیا اور اُن سے کہا کہ مجھے حضرت عمرؓ سے پوچھ کر بتائیں۔ اُنھوں نے کہا کہ میرے ساتھ آؤ۔ وہ مجھے حضرت عمرؓ کے پاس لے کر گئے۔ میں نے اُنھیں سارا قصہ سنایا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جاؤ اور فلاں سے پوچھو اور پھر آ کر مجھے بتانا۔ راوی نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ وہ حضرت علیؓ تھے۔ اُنھوں نے کہا میں نے اُن سے پوچھا تو اُنھوں نے بھی یہی کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ [1]
بیوی کی فرع کی حرمت بیوی سے دخول کے بغیر ثابت نہیں

[1] المحلی ۵۳۰/۹ ، عبد الرزاق ۲۷۹/۶

ہوتی اور حضرت عمرؓ کے نزدیک دخول کا مطلب صرف جماع نہیں ہے بلکہ شہوت سے چھو لینا اور بے لباس جسم پر نظر ڈالنا بھی کافی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

بیٹے کی بیوی اور باپ کی بیوی محض عقدِ نکاح سے حرام ہو جاتی ہیں، کیونکہ آیۂ کریمہ میں حرمت کا جو حکم وارد ہوا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے دخول سے مقید نہیں کیا۔

۲۔ وہ محرمات جن کی حرمت وقتی ہے۔ یہ وہ عورتیں ہیں جو کسی عارضی سبب کی بنا پر حرام ہوں اور جب یہ سبب ختم ہو جائے تو حرمت بھی زائل ہو جائے اور اُن سے نکاح حلال ہو جائے۔ ہم اُن میں سے حسبِ ذیل کا ذکر کرتے ہیں۔

(الف) آزاد مرد کے لیے چار سے زائد عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ اس لیے کہ فرمانِ الٰہی ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (النساء: ۳)

"جو عورتیں تم کو پسند آئیں اُن میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو۔"

غلام کے لیے دو سے زائد عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ (د: نکاح / ۳ ل)

(ب) مرد کے لیے ایسی دو عورتوں کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، جن کے درمیان ایسا رشتۂ رحم ہو کہ اگر اُن میں سے ایک مرد ہو تو اُن کا باہم نکاح حرام ہو۔ مثلاً دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کرنا اور کسی عورت کو اس کی پھوپھی یا خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع کرنا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ (النساء: ۲۳)

"اور یہ کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو۔"

بنی تیم اللہ کے ایک شخص ہمام بن عمیر نے زمانۂ جاہلیت میں دو بہنوں سے نکاح کر رکھا تھا، اُس نے اُن میں سے کسی سے بھی علیحدگی اختیار نہیں کی، تا آنکہ حضرت عمرؓ کا زمانۂ خلافت آیا اور اس کا مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اُسے بلوایا اور فرمایا کہ ان میں سے جس کو چاہو انتخاب کر لو۔ قسم بخدا اگر تُو دوسری کے قریب بھی گیا تو میں تیرے سر پر کوڑے لگاؤں گا۔ (۱)

(ج) معتدہ عورت کا جب تک وہ عدت میں ہو نکاح حرام ہے۔ اگر دورانِ عدت نکاح ہو گیا تو دونوں کے درمیان تفریق کرا دی جائے گی۔ (د: عدت / ۹ د - تعزیر / ۲)

(د) ایسی عورت سے نکاح حرام ہے جو کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو، جب تک یہ اُس کی بیوی ہے۔ اگر طلاق ہو جائے یا شوہر مر جائے اور یہ عورت عدت گزار لے تو کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔

(ھ) جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوں۔ وہ اس مطلّقہ سے نکاح نہیں کر سکتا جب تک وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔ (د: طلاق / ۱۸)

(و) مشرک عورتوں سے نکاح حرام ہے جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ مشرک عورتیں یہود اور نصاریٰ کی عورتوں کے علاوہ ہیں۔ اس لیے کہ فرمان الٰہی ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (البقرہ: ۲۲۱)

"تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔"

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۴۴ ب

(ز) کتابی لونڈی سے نکاح حرام ہے جب تک وہ ایمان نہ لے آئے۔ ابن قدامہ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک غلام بھی کتابی لونڈی سے نکاح نہیں کر سکتا، اس لیے کہ فرمانِ الٰہی ہے:

مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ (النساء : ۲۴)

"تمہاری مومن باندیوں میں سے" (۱)

(ح) لونڈی سے نکاح آزاد عورت کی موجودگی میں حرام ہے۔ یعلیٰ بن امیہ نے حضرت عمرؓ کو ایک ایسے شخص کے بارے میں لکھا جس کے نکاح میں دو آزاد عورتیں اور دو غلام عورتیں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر کیا کہ اس کے اور دونوں باندیوں کے درمیان تفریق کرا دی جائے۔ (۲)

(ط) زانیہ کا نکاح حرام ہے جب تک وہ توبہ نہ کر لے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو اس سے نکاح حلال ہے۔ ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک شخص نے اپنی بیٹی کے نکاح کا ارادہ کیا۔ اس کی بیٹی نے کہا کہ کہیں آپ کی رسوائی نہ ہو، میں نے تو بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔ وہ شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کیا اس نے توبہ نہیں کی؟ اس نے کہا کہ جی ہاں توبہ کر لی ہے۔ اس پر آپ نے کہا کہ پھر اس کا نکاح کر دو۔ (۳)

طارق بن شہاب سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیٹی کی کسی سے منگنی کی۔ یہ لڑکی پہلے ہی بدکاری کر چکی تھی۔ یہ شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور آپ سے اس بات کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب اس کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ اب تو میں اس میں خیر ہی پاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا نکاح کر دو اور کسی کو خبر نہ کرو۔ (۱) ایک عورت بدکاری کی مرتکب ہو گئی۔ اس پر حد جاری کی گئی۔ پھر اس نے توبہ کر لی اور اس کی توبہ درست اور اس کی حالت اچھی رہی۔ اس کے چچا کے پاس جب اس کا پیغام آتا تو وہ اس بات کو اچھا نہ سمجھتا کہ یہ بتائے بغیر اس کا نکاح کر دے کہ اس نے کیا کیا ہے اور وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بدکاری کے راز کو افشا کرے۔ لہٰذا اس نے حضرت عمرؓ سے اس امر کا تذکرہ کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا اسی طرح نکاح کر دو، جیسے تم اپنی صالح اور نیک لڑکیوں کے نکاح کیا کرتے ہو۔ (۲) الغرض حضرت عمرؓ نے یہ جاننے کے بعد کہ اس نے توبہ کر لی ہے، اس کے نکاح کی اجازت دے دی اور اس سلسلہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ جو شخص اس سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ وہی ہو جس نے زنا کیا ہے یا کوئی اور ہو۔ مذکورہ بالا واقعات میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان عورتوں سے جنہوں نے زنا سے توبہ کر لی تھی نکاح کا ارادہ کرنے والے ان اشخاص کے علاوہ ہیں جنہوں نے ان سے زنا کیا تھا۔ اسی طرح ایک روایت یہ ہے کہ ایک شخص سے کسی نے اپنی بہن کی منگنی کی اور یہ بھی بتلا دیا کہ وہ پہلے بدکاری کر چکی ہے۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ نے اسے مارا یا قریب تھا کہ مارتے، اور آپ نے فرمایا کہ تمہیں اس چغل خوری کی کیا ضرورت تھی۔ (۳)

حضرت عمرؓ کی بڑی شدید خواہش ہوا کرتی تھی کہ زانی مرد

---

(۱) المغنی ۵۹۶/۶، تفسیر القرطبی ۱۴۰/۵
(۲) المحلی ۴۴۱/۹ (۳) ابن ابی شیبہ ۲۲۱/۷

(۱) عبدالرزاق ۲۴۶/۶ (۲) سنن البیہقی ۱۵۵/۷
(۳) الموطا ۵۴۴/۲، المحلی ۲۸/۱۰

اور زانی عورت آپس میں نکاح کر لیں۔ ایک موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور اُس نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے دہشت زدہ سے انداز میں بے تکی باتیں کیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تم ذرا اس کا معاملہ دیکھو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے کوئی مشکل درپیش ہے۔ حضرت عمرؓ اُس کے قریب گئے تو اُس نے کہا کہ میرے یہاں ایک مہمان آیا اور اس نے میری بیٹی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ تیرا بُرا ہو، تو نے اپنی بیٹی کی بدکاری پر پردہ کیوں نہ ڈال دیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے حکم دیا اور ان دونوں (زانی اور زانیہ) کو حد کے کوڑے لگائے گئے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں کا نکاح کروا دیا اور اُنہیں ایک سال کی جلاوطنی کا حکم دے دیا۔ (۱) یہ سارا واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش آیا اور حضرت عمرؓ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے اس فیصلے کو اپنے لیے مثال بنا لیا۔ اور حضرت عمرؓ اس کو منطبق کرنے کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ سباع بن ثابت نے موہب بن رباح کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ سباع کا کسی اور بیوی سے ایک لڑکا تھا، اور اس عورت کی پہلے شوہر سے ایک لڑکی تھی۔ اس لڑکے نے اس لڑکی کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کر لیا اور لڑکی کو حمل ہو گیا، لڑکی سے جب پوچھا گیا تو اُس نے اعتراف کر لیا۔ یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو وہاں بھی ان دونوں نے اعتراف کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں پر حد جاری کی اور اس امر کی

(۱) المحلی ۹/۴۷۶

کوشش فرمائی کہ یہ دونوں آپس میں نکاح کر لیں مگر لڑکے نے انکار کر دیا۔ (۱)

(ب) بیوی میں کیا باتیں پسندیدہ ہیں۔ حضرت عمرؓ اس امر کو پسند کرتے تھے کہ بیوی میں مندرجہ ذیل اوصاف پائے جائیں۔

۱۔ مُسلمان ہو، اگرچہ حضرت عمرؓ یہود و نصاریٰ یعنی اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح کو جائز سمجھتے تھے مگر اُن کے نزدیک یہ نکاح دو وجوہ سے مکروہ تھا۔ پہلی وجہ یہ کہ اولاد اپنی ماں کے دین سے متاثر ہوتی ہے، اسی لیے حضرت عمرؓ نے عورت کو خطرے کی چنگاری قرار دیا ہے جس سے پُورے گھر میں آگ پھیل سکتی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں حذیفہؓ نے ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اسے طلاق دے دو۔ وہ تو چنگاری ہے۔ حذیفہ نے کہا کہ کیا حرام ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: نہیں! بہرحال حضرت حذیفہؓ نے حضرت عمرؓ کے کہنے پر طلاق نہیں دی لیکن جب بعد میں وہی بات سامنے آئی تو طلاق دے دی۔ (۲) کسی نے کہا کہ آپ نے اس وقت طلاق کیوں نہ دے دی جب حضرت عمرؓ نے آپ سے کہا تھا۔ اس پر حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ لوگ یہ کہیں کہ میں نے ایسا کام کیا ہے جو مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ (۳)

دوسری وجہ یہ ہے کہ غیر مُسلم کتابی عورتوں سے نکاح کے نتیجہ میں مُسلمان عورتوں کی جانب توجہ کم ہو جانے اور کتابی عورتوں

(۱) المحلی ۱۰/ ۲۸، ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۱۹۔ اس میں نام رباح بن وہب ہے اور عبدالرزاق میں وہب بن رباح ہے۔ سنن البیہقی ۷/ ۱۵۵، المغنی ۶/ ۶۰۲

(۲) عبدالرزاق ۷/ ۱۷۶ (۳) المغنی ۶/ ۵۹۰

سے نکاح کا رواج بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ حضرت حذیفہؓ کے واقعہ سے متعلق بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ سے طلاق کے مطالبہ کی وجہ یہ بتائی کہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم مسلمان عورتوں سے نکاح چھوڑ دو گے اور ان بری عورتوں سے نکاح کرنے لگو گے (۱)

اس کراہت میں اس وقت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے جب کہ مسلمان شوہر اپنے قبیلے کا سردار ہو یا حکومت کے کسی منصب پر فائز ہو، کیونکہ عورتیں مردوں پر جادو کر دیتی ہیں اور یہ بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے راز اپنے اہلِ مذہب کو نہ پہنچا دیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ سے کہا کہ اسے طلاق دے دو۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیوں؟ کیا حرام ہے؟ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں حرام تو نہیں ہے لیکن آپ مسلمانوں کے سردار ہیں۔ اس لیے اس سے جدائی اختیار کیجیے۔ (۲)

۲۔ آزاد ہو، حضرت عمرؓ لونڈی سے نکاح کو ناپسند فرماتے تھے کہ اس سے پیدا ہونے والی اولاد بھی غلام ہو جاتی ہے اور اس لیے کہ وہ مجبور ہے کہ دن کو اپنے مالک کی خدمت کے لیے جائے اور رات کو شوہر کے پاس واپس آئے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر غلام آزاد عورت سے نکاح کرے تو اس نے اپنا نصف آزاد کرا لیا اور اگر آزاد مرد لونڈی سے نکاح کرے تو اس نے اپنا نصف غلام بنا لیا۔ (۳) بہر حال حضرت عمرؓ آزاد شخص کو اس سے منع کرتے تھے کہ وہ لونڈی

(۱) سنن البیہقی ۷/۱۷۲، سنن سعید بن منصور ۳/۱/۱۸۲
(۲) سنن سعید بن منصور ۳/۱/۲۸۲ (۳) عبدالرزاق ۷/۲۶۸
ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۹، تفسیر القرطبی ۵/۱۴۷

سے نکاح کرے۔ (۱)

اگر کسی عورت نے اپنے آپ کو آزاد ظاہر کر کے کسی شخص سے نکاح کر لیا اور اس کے ہاں اولاد ہو گئی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ لونڈی ہے اور دوسرے شخص کا اس پر حق ہے تو یہ شخص اپنی اولاد کا فدیہ دے گا اور یہ اولاد آزاد ہو گی۔ اور یہ شخص اس فدیہ کا اپنے اوپر آنے والا بار اس شخص سے وصول کرے گا جس نے اسے دھوکہ دیا۔ (د، استحقاق/۲)

۳۔ باکرہ ہو، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم باکرہ عورتوں سے نکاح کیا کرو کہ وہ شیریں دہن، اولاد پیدا کرنے والی اور کم تر آسائش پر راضی ہو جانے والی ہوتی ہیں۔ (۲)

۴۔ اولاد پیدا کرنے والی ہو، حفص بن مغیرہ کی بیٹی عبداللہ بن ابی ربیعہ کے نکاح میں تھیں انہوں نے ان کو ایک طلاق دے دی۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ نے ان سے نکاح کر لیا۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ بانجھ ہیں اور ان کے بچہ نہیں ہوتا تو حضرت عمرؓ نے جماع سے پہلے ہی انہیں طلاق دے دی۔ وہ حضرت عمرؓ کی پوری زندگی اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے کچھ حصے تک اسی حالت میں رہیں، پھر عبداللہ بن ابی ربیعہ نے جو بیمار تھے ان سے دوبارہ نکاح کر لیا تاکہ وہ ان کی میراث میں ان کی دوسری بیویوں کے ساتھ شریک ہو جائیں کیونکہ وہ ان کی رشتہ دار تھیں۔ (۳)

۵۔ متعدی امراض اور ایسی جسمانی آفات سے پاک ہو جو شوہر کے لیے نقصان دہ ہوں۔ اگر کوئی شخص کسی ایسی عورت کو نکاح

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۳۳۳ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۲۲۳،
عبدالرزاق ۶/۱۶۰ (۳) عبدالرزاق ۶/۳۴۷

کا پیغام دے جسے کوئی بیماری ہو تو اس کے ولی کو چاہیے کہ اس کی اسے اطلاع کر دے۔ اگر ولی خبر نہ کرے اور نکاح ہو جائے اور جماع بھی ہو جائے۔ بعد ازاں شوہر کو اس بیماری کا پتہ چلے تو اُسے حق ہے کہ اُسے طلاق دے دے اور جس نے اُسے دھوکہ دیا ہے، اس سے ادا کیا ہوا مہر واپس لے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مرد کسی عورت سے نکاح کر لے اور وہ عورت مجنون ہو یا اُسے جذام ہو یا بیمار ہو یا اُسے قرن (شرمگاہ میں رکاوٹ) ہو اور شوہر اُس سے جماع کرے تو عورت کو مرد کے چھونے کی بنا پر مہر ملے گا، لیکن یہ مہر عورت کا ولی شوہر کو واپس کرے گا۔ (۱)

البتہ اگر ارتکاب زنا کے بعد توبہ کر لی تو یہ ایسا عیب نہیں ہے جس کی اطلاع پیغام دینے والے کو دینا ولی کے لیے ضروری ہو، چنانچہ طارق بن شہاب سے مروی کہ ایک شخص نے اپنی بیٹی کی منگنی کسی شخص سے کی جب کہ اس کی یہ بیٹی زنا کی مرتکب ہو چکی تھی۔ یہ شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور آپ سے ذکر کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اب اس کا کیا حال ہے۔ کہا کہ اب تو میں اس میں اچھائی ہی دیکھتا ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر اس کا نکاح کر دو اور کسی کو اس بات کی خبر نہ کرو۔ (۲)

ایک اور روایت ہے کہ ایک لڑکی نے بدکاری کا ارتکاب کیا۔ اس پر حد جاری ہوئی، پھر اُس کے اہلِ خاندان ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور اس لڑکی نے توبہ کر لی اور اپنی توبہ نبھائی اور اپنی حالت درست کر لی، لیکن اُس کے چچا کے پاس اس کا رشتہ آتا تو وہ ناپسند کرتا تھا کہ لڑکی کے بارے میں یہ بات بتائے بغیر اُس کا نکاح کر دے اور یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اُس کا یہ راز افشا کرے۔ اُس شخص نے اس بات کا حضرت عمرؓ سے ذکر کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس طرح تم اپنی نیک لڑکیوں کا نکاح کرتے ہو اسی طرح اس کا بھی کر دو۔ (۱)

۶۔ متقی اور دین دار ہو اور دین و تقویٰ والے خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔ حضرت عمرؓ بن الخطابؓ نے اُمِ کلثوم بنت علیؓ سے نکاح کیا۔ وہ ابھی کم سِن تھیں اور سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی تھیں۔ حضرت عمرؓ اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے آپ کے حق میں برکت کی دعا کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے کسی شوق کی بنا پر نکاح نہیں کیا، بلکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا کہ قیامت کے روز ہر سبب اور نسب منقطع ہو جائے گا سوائے میرے سبب اور نسب کے، اس لیے میں نے پسند کیا کہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سبب اور نسب ہو جائے۔ (۲)

۷۔ بچی نہ ہو: یہ صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے ام کلثوم سے نکاح کیا جو ابھی کم سن تھیں جس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی بچیوں سے نکاح جائز ہے۔ (۳) مگر حضرت عمرؓ کو یہ احساس تھا کہ یہ اُن کے لائق نہیں ہیں اور اگر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسب کی وابستگی کا اشتیاق نہ ہوتا تو شاید آپ یہ نکاح نہ فرماتے۔

---

(۱) سنن البیہقی ۷/۲۱۵، ۱۳۵، المحلی ۱۰/۱۱۰، ۱۱۲، عبدالرزاق ۶/۲۴۴ ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۲ ب، المغنی ۶/۶۵۶ (۲) عبدالرزاق ۶/۲۴۶

(۱) سنن البیہقی ۷/۱۵۵ (۲) عبدالرزاق ۶/۱۶۲۔ اُمِ کلثوم سے حضرت عمرؓ کے صاحبزادے زید پیدا ہوئے۔ عبدالملک بن مروان کو جب یہ علم ہوا کہ زید حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی اولاد ہیں تو اُسے اُن سے اپنے اقتدار کے لیے خطرہ محسوس ہوا اور اُس نے آپ کو زہر دلوا دیا۔

۵۔ عقدِ نکاح :

عقدِ نکاح کے لیے مندرجہ ذیل امور ضروری ہیں :

الفاظِ عقد جسے صیغہ کہا جاتا ہے اور اس میں وہ تمام شرائط داخل ہیں جو فریقین بوقتِ نکاح عاید کریں۔ نیز عقد کے دونوں فریق گواہ، تشہیر اور مہر۔ اب ہم ان تمام امور پر تفصیل سے بات کرتے ہیں۔

(الف) صیغہ (عقد نکاح کے الفاظ)

۱۔ نکاح لفظ نکاح سے منعقد ہو جاتا ہے، بشرطیکہ ایجاب اور قبول ایسے الفاظ سے ہو جو تنفیذ پر دلالت کرنے والے ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی ایک آزاد کردہ لونڈی کو پیغام نکاح دیا تو صرف یہ الفاظ فرمائے کہ ہم نے تم سے اللہ کے اس حکم پر نکاح کیا کہ یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اُس کو رخصت کر دیا جائے۔

۲۔ جب نکاح کے یہ الفاظ ایسے شخص کی طرف سے ادا ہوں جو نکاح کرنے کا اہل ہو اور اس تک پہنچ جائیں جس سے نکاح کیا جا رہا ہے تو نکاح منعقد ہو جائے گا، خواہ عقد کرنے والے نے یہ الفاظ سنجیدگی سے ادا کیے ہوں یا بطور مذاق کہے ہوں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ چار امور ایسے ہیں جو زبان سے ادا ہوتے ہی نافذ ہو جاتے ہیں۔ طلاق، نکاح، عتاق اور نذر۔ (۲) اور آپ نے فرمایا کہ تین امور ایسے ہیں جن کو سنجیدگی سے کرنے والا اور ہنسی مذاق سے کرنے والا برابر ہیں۔ طلاق، صدقہ اور عتاق۔(۳)

۳۔ عقد نکاح میں بعض شرائط بھی عاید کر دی جاتی ہیں۔ ان شرائط کی حسب ذیل اقسام ہیں۔

پہلی قسم : ایسی شرائط ہیں جو اس عقد کا تقاضا ہوں اور اس سے ہم آہنگ ہوں۔ مثلاً یہ کہ مہر کے لیے یہ شرط کی جائے کہ وہ کوئی متعین سامان ہو یا مہر کے نصف معجل اور نصف مؤجل ہونے کی شرط۔ اور ہر وہ شرط جو مہر پر وارد ہو۔ ان تمام شروط کے ساتھ عقد صحیح ہوگا اور شرط لازم ہوگی۔

دوسری قسم : وہ شرائط ہیں جو عقد کا تقاضا ہوں اور نہ عقد سے ہم آہنگ ہوں۔ اس طرح کی شرط کی صورت میں عقد صحیح ہو گا اور شرط باطل ہوگی، مثلاً یہ شرط کہ یہ نکاح اس شوہر کے لیے جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں اس مطلقہ بیوی کو حلال کرنے کے لیے ہے، ایسا عقد ہمیشہ کے لیے صحیح قرار پائے گا اور حلال کرنے کی شرط باطل ہوگی (د: طلاق/۱۸) د (زنا/۲ ب ۴) یا یہ شرط لگانا کہ نکاح ایک مدت کے لیے ہوگا یعنی نکاح متعہ (د: متعہ/۲) اسی قسم کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مرد اس پر دوسرا نکاح نہیں کرے گا اور نہ لونڈی سے مجامعت کرے گا یا یہ کہ اس بیوی کی سوکن پر مال خرچ نہیں کرے گا اور یہ کہ تقسیم میں اُسے حصہ نہیں دے گا اور یہ کہ اس کی سوکن کو طلاق دے دے گا وغیرہ۔ چنانچہ یحییٰ بن ابی کثیر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس سے یہ شرط طے کی کہ وہ دوسرا نکاح نہیں کرے گا اور کسی لونڈی سے جماع بھی نہیں کرے گا۔ حضرت عمرؓ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں پابند کرتا ہوں کہ تم دوسرا نکاح بھی کرو گے اور لونڈی سے جماع بھی کرو گے۔ (۱)

اس شرط کے بارے میں کہ شوہر بیوی کو اس کے گھر سے کہیں

(۱) المغنی ۶/۵۳۷ (۲) المغنی ۶/۵۳۵، ۷/۱۳۵، ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۴ (۳) عبدالرزاق ۶/۱۳۴

(۱) عبدالرزاق ۶/۲۲۷

اور نہیں لے جائے گا اور یہ کہ وہ اُس کے ساتھ سفر نہیں کرے گی۔ حضرت عمرؓ سے روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شرط کو عقد کے لیے غیر موزوں اور غیر مناسب قرار دیا ہے اور اسی لیے اس شرط کو پورا کرنا لازم نہیں ہے، چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اُس کی یہ شرط قبول کی کہ اُسے اس کے گھر سے کہیں اور نہیں لے جائے گا حضرت عمرؓ نے یہ شرط ساقط فرما دی اور فرمایا کہ بیوی کو وہیں رہنا ہے جہاں اُس کا شوہر رہے۔ (۱) اسی طرح روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور یہ شرط طے کی کہ وہ اس کے اوپر نکاح نہیں کرے گا۔ کسی باندی سے جماع نہیں کرے گا اور اُس کو اپنے گھر والوں کے پاس لے کر نہیں جائے گا۔ حضرت عمرؓ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں پابند کرتا ہوں کہ تم نکاح کرو، باندی سے قربت کرو اور اسے لے کر اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ۔ (۲) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ اس شرط کو عقد کے تقاضے کے مطابق اور موزوں خیال کرتے تھے اور آپ نے اس کو پورا کرنا لازم قرار دیا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن غنم سے مروی ہے کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس موجود تھا کہ ایک مقدمہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا کہ ایک عورت نے نکاح کے وقت یہ شرط منوائی تھی کہ خاوند اُسے لے کر کہیں نہیں جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس عورت کی شرط پوری کی جائے۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اس طرح تو اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے علیحدہ ہونا چاہے گی تو ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا

(۱) سنن البیہقی ۷/۲۴۹، المحلی ۹/۵۱۷ (۲) عبدالرزاق ۶/۲۲۷

کہ مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ حقوق کی ادائیگی شرائط کے تابع ہے۔ (۱)

(ب) عقد کے فریق۔ یعنی جو دو فریق باہم عقد نکاح کریں:

۱۔ شوہر یا اُس کا وکیل۔ شوہر کے سلسلہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ اس کا ولی نکاح سے اتفاق کرے، الا یہ کہ شوہر غلام ہو۔ اگر غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گا تو وہ عنداللہ گنہگار ہوگا اور اس کا نکاح صحیح نہیں ہوگا اور مالک، یا قاضی کو یہ حق ہوگا کہ میاں بیوی کے درمیان تفریق کرا دے۔ اور اگر اس عورت سے مجامعت ہو چکی ہے تو اسے مہر ملے گا اور اگر مجامعت نہیں کی ہے تو اُسے کچھ نہیں ملے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اُس کا نکاح حرام ہے اور اگر مالک کی اجازت سے کرے تو طلاق شوہر یعنی اسی غلام کا حق ہے۔ (۲) اور آپ نے فرمایا کہ اگر غلام نے اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا اور مہر ادا کر دیا تو اگر مجامعت ہو چکی ہے تو مہر اس عورت کا ہوا اور اگر صحبت نہیں ہوئی تو یہ مہر مالک لے لے گا۔ (۳)

۲۔ بیوی کا ولی: عقد نکاح کی صحت کے لیے شرط ہے کہ عورت رضامند ہو اور اُس کے ولی کی اجازت حاصل ہو اور ولی خود عقد کو سرانجام دے۔

(الف) بیوی کی رضامندی: بیوی اگر ثیبہ (شوہر دیدہ) ہو تو زبان

(۱) عبدالرزاق ۶/۲۲۷، ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۴ ب، سنن البیہقی ۷/۲۴۹، فتح الباری ۱۱/۲۴، المحلی ۹/۵۱۶، المغنی ۶/۵۴۹، البخاری، باب الشروط فی النکاح، الترمذی ۱۱۲۷، سنن سعید بن منصور ۳/۱/۱۶۹

(۲) عبدالرزاق ۷/۲۴۱، ۲۴۲، تفسیر القرطبی ۵/۱۴۲، المحلی ۹/۴۶۸

(۳) ابن ابی شیبہ ۲/۲۲۰

سے اس کی رضامندی کا اظہار لازمی ہے اور اس کا خاموش رہنا کافی نہیں ہے، کیونکہ عادتاً شوہر دیدہ عورت اس وضاحت سے شرماتی نہیں ہے، چنانچہ روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت بیوہ ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے اس کے ولی سے ملاقات کی اور فرمایا کہ اس سے میرا ذکر کر دو (پیغام دے دو) جب کچھ وقت گذر گیا تو حضرت عمرؓ اس عورت کے پاس اور اُس کے ولی کے پاس گئے۔ اور حضرت عمرؓ نے اس خاتون سے کہا کہ معلوم اُنھوں نے آپ سے میرا ذکر نہیں کیا یا نہیں اُس نے کہا کہ جی ہاں، لیکن مجھے نہ آپ کی ضرورت ہے نہ ان لوگوں کی جن کا اُنھوں نے ذکر کیا ہے۔ آپ اُنہیں حکم دیں کہ میرا نکاح فلاں سے کر دیں۔ اس پر اُس کے ولی نے کہا کہ مَیں ہرگز نہیں کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کیوں؟ اُس نے کہا، اس لیے کہ اس کا ذکر آپ نے کیا اور فلاں اور فلاں نے کیا۔ اور مَیں نہیں جانتا کہ مدینہ منورہ میں کوئی معزز انسان بچا ہو جس نے اس کا ذکر نہ کیا ہو، لیکن اُس نے سب سے انکار کر دیا، سوائے فلاں شخص کے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اُسی کے ساتھ اس کا نکاح کر دو، بشرطیکہ تمہیں اس کی کسی دینی خرابی کا علم نہ ہو۔ (۱)

اگر بیوی بالغ اور باکرہ ہو اور اجازت طلب کرتے وقت وہ خاموش رہے تو اُس کی خاموشی کو اُس کی رضامندی تصور کیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یتیم لڑکی سے اُس کی رضامندی کے بارے میں دریافت کیا جائے گا اور اگر وہ خاموش رہے تو یہ اُس کی رضامندی ہے۔ (۲)

(۱) عبدالرزاق ۶/ ۱۵۱ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۰۸ ب، المحلی ۹/ ۴۷۱، عبدالرزاق ۶/ ۱۴۵

اور اگر عورت کم سن اور نابالغ ہو تو اُس کا ولی اُس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے، کیونکہ وہ خود اپنی مصلحت کا پُوری طرح اندازہ نہیں کر سکتی۔ امام شافعی نے بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے اُم کلثوم کا نکاح اُس کی اجازت کے بغیر حضرت عمرؓ سے کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو اُم کلثوم سے نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ وہ ابھی چھوٹی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ روزِ قیامت ہر سبب اور ہر نسب منقطع ہوگا ماسوا میرے سبب اور نسب کے اس لیے مَیں چاہتا ہوں کہ میرا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبب اور نسب قائم ہو جائے۔ حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے کہا کہ اپنے چچا سے نکاح کر دو، اُنہوں نے کہا کہ وہ ایک ایسی عورت ہے جسے اپنے لیے پسند کرنے کا اختیار ہے۔ اس پر حضرت علیؓ ناراض ہو کر کھڑے ہو گئے تو حضرت حسنؓ نے اُن کی قمیص پکڑ لیا اور کہا کہ اباجان آپ کی ناراضگی مقصود نہیں ہے۔ غرض دونوں نے حضرت عمرؓ سے اس کا نکاح کر دیا۔ (۱)

(ب) ولی کی اجازت: اس عنوان میں ہم پہلے نکاح کے لیے ولی کی اجازت کا بیان کریں گے اور اس کے بعد ولی کے بدست خود نکاح کا اہتمام کرنے کے بارے میں بیان کریں گے۔

(ولی کی اجازت: حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عورت کا نکاح اس کے ولی کی اجازت یا اس کے خاندان میں سے صاحب رائے لوگوں یا حاکم وقت کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ (۲) اور آپ نے فرمایا کہ جس عورت کا نکاح اس کے ولی یا والیٔ امر

(۱) سنن البیہقی ۷/ ۱۱۴ (۲) الموطا ۲/ ۵۲۶، سنن البیہقی ۷/ ۱۱۱، ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۰۷

میں سے کسی نے نہ کیا ہو وہ باطل ہے۔ (۱)

حضرت عمرؓ نے ایسی عورت کے بارے میں جس نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا تھا، تحریر کیا کہ اسے سو کوڑے مارے جائیں۔ اور آپ نے مختلف شہروں میں پروانہ جاری کیا کہ جو عورت بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کرے وہ زانیہ کے درجہ میں ہے (۲) اور آپ نے ایک عورت کا نکاح جو اُس نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کیا تھا رد کر دیا۔ (۳) آپ کے پاس ایک عورت لائی گئی جو حاملہ تھی، اُس نے کہا کہ مجھ سے اس شخص نے نکاح کیا ہے۔ اور مرد نے بیان کیا کہ میں نے اپنی ماں اور بہن کی گواہی پر نکاح کیا ہے۔ آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کرادی اور حد ساقط کر دی۔ اور فرمایا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے۔ (۴) عکرمہ بن خالد سے مروی ہے کہ کسی راستے میں ایک قافلہ ٹھہرا۔ ایک ثیبہ عورت نے ولی کے علاوہ کسی اور شخص کو اپنا معاملہ سپرد کر دیا اور اُس نے اُس کا کسی شخص سے نکاح کرا دیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو آپ نے نکاح کرنے والے اور نکاح کرانے والوں کو کوڑے مارے اور یہ نکاح رد کر دیا۔ (۵)

ولی کسی اور کو بھی اجازت دے سکتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کو اپنے مال اور اپنی صاحبزادیوں کے نکاح کا ولی بنا دیا تھا۔ اور حضرت حفصہؓ جب اُن میں سے کسی کے نکاح کا ارادہ کرتیں تو اپنے بھائی عبداللہ کو کہتیں اور وہ نکاح کر دیتے۔ (۱)

ولی کا عقدِ نکاح کو از خود انجام دینا: ولی نکاح کی اجازت دینے کے بعد چاہے تو خود اس نکاح کو سرانجام دے اور چاہے تو کسی دوسرے شخص کو وکیل بنا دے یا نکاح اور عقد کی اجازت کسی کو تفویض کرے۔ اہلِ عرب میں سے ایک شخص نے اپنی بیٹی حضرت عمرؓ کے پاس چھوڑ دی اور آپ سے کہا کہ آپ کو اس کا کفو ملے تو آپ اس کا نکاح کر دیں، اگرچہ جوتے کا تسمہ اس کا مہر ہو۔ حضرت عمرؓ نے اس کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ عمرو بن عثمانؓ کی والدہ یہی خاتون تھیں۔ (۲)

لیکن کیا عورت ولی کی اجازت کے بعد از خود اپنا نکاح کر سکتی ہے یا عورت دوسرے کے وکیل کے طور پر عقد نکاح سرانجام دے سکتی ہے؟

اس بارے میں ہمیں حضرت عمرؓ کی کوئی تصریح نہیں ملی لیکن چونکہ حضرت عمرؓ نے نکاح کے سلسلہ میں عورتوں کی شہادت کو جائز رکھا ہے۔ (د شہادت ۲/۱) لہٰذا مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر عورت نکاح کا اہتمام کرے تو وہ بھی صحیح ہو۔

اور وہ جو عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو اپنے مال اور اپنی صاحبزادیوں کے نکاح کا ولی بنا دیا تھا اور حضرت حفصہؓ ان میں سے جب کسی کا نکاح کرنا چاہتیں تو اپنے بھائی عبداللہ کو کہتیں اور وہ سرانجام دیتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت حفصہؓ اُم المومنین ہیں اور اُمہات المومنین پر اللہ تعالیٰ نے حجاب کی ایسی قیود عاید کی ہیں جو عام مسلمان عورتوں پر نہیں کی ہیں۔

---

(۱) سنن البیہقی ۷/۱۱۱ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۷ ب (۳) المحلی ۹/۴۵۴، ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۷، ۲/۱۳۳، عبدالرزاق ۶/۱۹۷ (۴) سنن البیہقی ۷/۱۱۱ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۷ ب (۵) عبدالرزاق ۶/۱۹۷، ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۷، ۲/۱۳۳، المحلی ۹/۴۵۴ المغنی ۶/۴۴۹

(۱) عبدالرزاق ۶/۲۰۰ (۲) المغنی ۶/۴۶۳

لہٰذا اُمہات المؤمنین دوسرے لوگوں کے سامنے نہیں آسکتیں۔

(ج) گواہ: عقد نکاح دیگر معاہدات سے مختلف ہے۔ اس پر بعض انتہائی اہم نتائج مرتب ہوتے ہیں، اس لیے اس عقد میں گواہ شرط ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بغیر ولی اور دو عادل گواہوں کے نکاح نہیں ہوتا۔ (۱) اس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی بھی جائز ہے اور صرف عورتوں کی گواہی بھی جائز ہے۔

(د: شہادت / ۲،۱)

(د) مہر:

۱۔ تعریف: عقد نکاح میں جو عوض مقرر کیا جائے وہ مہر کہلاتا ہے۔ مہر کی شرط یہ ہے کہ مال ہو یا ایسی شے ہو جس کی قیمت مال سے لگائی جاتی ہو، جیسے منفعت۔ مثلاً اس شرط پر نکاح کرے کہ مرد ایک سال عورت کی بکریاں چرائے گا یا اس کے کارخانے کا ایک ماہ انتظام کرے گا، لیکن اگر کوئی ایسی شے جس کی قیمت مال سے نہ لگائی جاتی ہو تو وہ مہر نہیں بن سکتی۔ اسی لیے نکاحِ شغار صحیح نہیں ہے۔ نکاح شغار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بہن کا نکاح کسی شخص سے اس شرط پر کرے کہ وہ شخص اپنی بیٹی کا نکاح اُس سے کر دے گا اور دونوں عورتیں ایک دوسری کا مہر قرار پائیں گی۔ اگر اس طرح کا عقد کیا جائے گا تو وہ باطل ہوگا، کیونکہ آزاد انسان کی قیمت مال سے نہیں لگتی۔ حضرت عمرؓ نے نکاح شغار کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کرا دی تھی۔ (۲)

نکاح سے قبل شوہر جو چیز عورت کے نام کر دے یا جس چیز کے بارے میں عورت کا ولی یہ شرط لگائے کہ یہ مجھے ملے گی، ایسی سب چیزیں عورت کے مہر کا حصہ ہوں گی۔ حضرت عمرؓ نے

(۱) المغنی ۶/۴۴۱ (۲) المحلی ۹/۴۵۸، تفسیر القرطبی ۵/۱۰۲

اس ولی کے بارے میں جس نے ایک عورت کا نکاح کیا تھا اور اس کے شوہر کے ذمہ اپنے لیے کسی شے کی شرط لگائی تھی یہ فیصلہ کیا کہ یہ چیز بھی عورت کے مہر میں شامل ہے۔

۲۔ مہر کا کون مستحق ہے: بیوی یا آزاد ہوگی یا لونڈی ہوگی۔ بیوی اگر آزاد ہو تو اس کا مہر اُسی کو ملے گا۔ ہم نے ابھی ذکر کیا کہ حضرت عمرؓ نے اس مہر کے بارے میں جو عورت کے ولی نے شوہر سے اپنے قبضہ میں لیا تھا اور جس کے متعلق اُس نے عقد سے قبل اپنے لیے شرط لگائی تھی یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ عورت کا ہے۔ اور اگر عورت لونڈی ہو تو اس کا مہر اُس کے مالک کا ہوگا، اس لیے کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

۳۔ عورت مہر کی کب مستحق ہے:

(الف) عورت کے مستحق مہر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ نکاح صحیح ہو۔ اگر نکاح باطل ہو تو عورت مہر میں سے کسی شے کی مستحق نہیں ہوگی۔ (۲) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر نکاح حرام ہے تو مہر بھی حرام ہے۔ (۳)

(ب) مہر یا تو عقد کے وقت مقرر ہو گیا ہوگا یا نہیں ہوا ہوگا۔ اگر عقدِ نکاح میں مہر کا تعین ہو گیا ہے تو عورت پورے مہر کی حقدار دخول اور خلوت کے بعد ہوگی۔ اگر دخول اور خلوت عقد کے بعد ہوگئے ہوں۔ حضرت عمرؓ نے ایک عورت کے بارے میں فیصلہ کیا جس سے ایک شخص نے نکاح کیا تھا کہ جب پردے گرا دیے جائیں تو مہر لازم ہو گیا۔ (۴) اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب دروازہ بند کر دیں اور پردے گرا دیں اور دلہن گھونگٹ اٹھا دے، تو مہر لازم ہو جاتا ہے۔ (۵) اور فرمایا کہ اگر

(۱) عبدالرزاق ۶/۲۵۸ (۲) المحلی ۹/۴۴۲ (۳) المحلی ۹/۴۸۹، ۴۴۹ (۴) الموطا ۲/۵۲۸، سنن البیہقی ۷/۲۲۶، ۲۵۵، ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۸، عبدالرزاق ۶/۲۸۵، ۲۸۷، المحلی ۹/۴۸۳ (۵) ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۷

کوتاہی مرد کی طرف سے ہو تو عورت کا کوئی قصور نہیں ہے، اس کے لیے پورا مہر اور پوری عدت ہے۔ (۱) ایک مرد نے ایک لڑکی سے نکاح کیا پھر اس کا ارادہ سفر کا ہو گیا۔ وہ اُس کے گھر آیا تو وہ اُس وقت تنہا تھی اور کوئی اُس کے پاس نہیں تھا۔ اُس نے اُسے پکڑ لیا اور اُس کے ساتھ جماع کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنے آپ کو روکتی رہی۔ اسی اثناء میں مرد کو انزال ہو گیا مگر عورت کا پردۂ بکارت زائل نہیں ہوا، لیکن اس کے باوجود منی اندر چلی گئی اور وہ حاملہ ہو گئی۔ یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے اس کے شوہر کو بلوا کر دریافت کیا۔ اُس نے تصدیق کی تو اس موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب دروازے بند کر دیے جائیں اور پردے گرا دیے جائیں تو مہر واجب ہو جاتا ہے اور عدت لازم آجاتی ہے۔ (۲) اسی لیے حضرت عمرؓ نے عنین (نامرد) پر بھی بیوی سے جدائی کی صورت میں مہر لازم قرار دیا ہے۔ (۳) اور اس پر بھی مہر لازم قرار دیا جس کا نکاح دخول یا خلوتِ صحیحہ کے بعد جنون یا جذام یا برص کی بنا پر فسخ ہو گیا ہو۔ اور یہ بار اس پر ڈالا جائے گا جس نے شوہر کو دھوکہ دیا تھا۔ (۴)

دخول سے پہلے اور خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں عورت نصف مہر کی مستحق ہو گی۔ اللہ سبحانہٗ نے اس امر کا قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے:

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ

(البقرۃ: ۲۳۶)

"اور اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہو، لیکن مہر مقرر کیا جا چکا ہو تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہو گا۔"

اگر عقد میں مہر کا تعین نہیں ہوا یا اس کا تعین عورت کے سپرد کر دیا گیا اور عورت نے ایسا مہر متعین کیا جس کی ادائیگی ممکن نہ ہو یا مہر کی تعیین شوہر کے سپرد کر دی گئی اور وہ تعیین سے قبل مر گیا تو عورت دخول یا خلوت صحیحہ کے بعد مہر مثل کی مستحق ہو گی۔ روایت ہے کہ اشعث بن قیس ایک شخص کے ساتھ سفر میں تھے، اُنہیں اُس کی بیوی پسند آ گئی۔ اتفاق یہ ہوا کہ وہ شخص راستے میں مر گیا۔ اشعث نے اس عورت کو پیغامِ نکاح دے دیا۔ اُس نے کہا کہ اس شرط پر وہ اُس سے نکاح کرے گی کہ مہر خود مقرر کرے گی۔ اشعث نے اُس سے اس شرط پر نکاح کر لیا کہ وہ خود اپنا مہر مقرر کرے گی۔ مگر اشعث نے اس کے مہر مقرر کرنے سے پہلے اُسے طلاق دے دی۔ اور اُس سے کہا کہ اپنا مہر بتا۔ اُس نے کہا کہ فلاں اور فلاں شخص جو اس شوہر کے باپ کے غلام تھے مہر میں مجھے دے دو۔ اس پر اشعث نے کہا کہ ان کے علاوہ کچھ اور بتا۔ ایک روایت میں ہے کہ اُس نے کہا کہ میرے مال میں سے اپنا مہر بتا۔ اس پر اُس نے انکار کیا۔ اشعث حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور عرض کی کہ اے امیر المومنین میں عاجز آ گیا۔ اُنہوں نے یہ بات تین مرتبہ کہی۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ اُنہوں نے کہا کہ میں ایک عورت پر عاشق ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اور یہ بات تمہارے بس میں نہیں تھی۔ اشعث نے کہا کہ پھر میں نے اُس سے اس شرط پر نکاح کر لیا کہ وہ اپنا مہر خود بتائے گی۔ پھر میں نے اُس کے مہر بتانے سے پہلے اُسے طلاق دے دی۔ اس پر حضرت عمرؓ

(۱) عبد الرزاق ۶/۲۸۷ (۲) المحلی ۹/۵۸۴، تفسیر القرطبی ۵/۱۰۲
(۳) المغنی ۶/۶۶۶ (۴) الموطا ۲/۵۲۶

نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں میں سے ایک عورت ہے۔ (۱) یعنی اُسے مہرِ مثل ملے گا۔

اور ایسی صورت میں کہ کسی شخص کو مہر کا معاملہ تفویض کیا گیا ہو لیکن وہ مہر کی تعیین سے قبل مرگیا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایسی صورت میں عورت کو میراث ملے گی مہر نہیں ملے گا۔ (۲) مگر شاید اس روایت میں کوئی فقرہ رہ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے فرمانے کا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ اس کو مہر مقرر کی بجائے مہرِ مثل ملے گا۔ واللہ اعلم

زیادہ قیمتی مہر: حضرت عمرؓ مہر کے سلسلہ میں بیش بہا مہر کو ناپسند فرماتے تھے، کیونکہ مہر کا زیادہ ہونا نوجوانوں کے لیے نکاح میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے اور اُن کو عدمِ ازدواج کے فتنوں میں مبتلا کرتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے نصیحت اور یاد دہانی کرتے ہوئے فرمایا کہ عورتوں کے مہر زیادہ مقرر کرنے سے احتراز کرو، کیونکہ اگر مہر کی زیادتی اللہ کے نزدیک کوئی نیکی یا انسانوں کے نزدیک کوئی باعثِ عزت امر ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا کوئی نکاح اور اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کا نکاح بارہ اوقیہ چاندی سے زائد مہر پر نہیں کیا، یعنی چار سو اسی درہم۔ تم جب زیادہ بڑا مہر مقرر کر لیتے ہو تو تمہارے دل میں عداوت کی گرہ پڑ جاتی ہے کہ میں نے اس عورت کے مہر کی خاطر سخت تکلیف اُٹھائی۔ (۳)

لیکن حضرت عمرؓ نے یہ اقدام نہیں کیا کہ خود کوئی مہر مقرر کر دیں، یا لوگوں پر کوئی پابندی عاید کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ باہر نکلا اور میں نے ارادہ کیا کہ میں زیادہ مہر کی ممانعت کر دوں گا، لیکن پھر مجھے یہ آیت یاد آگئی۔

وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا (النساء: ۲۰)

"خواہ تم نے اسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو۔" (۱)

کیونکہ بسا اوقات کوئی مرد کسی عورت کی خواہش کرتا ہے اور اس کے حصول کا گراں بہا مہر کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا تو اُس وقت اُس کے لیے مال بے وقعت ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی اُمِ کلثوم کی رغبت ظاہر کی۔ وہ ابھی کم سن تھیں۔ حضرت عمرؓ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کے طلب گار تھے۔ آپؓ نے چالیس ہزار درہم اُن کا مہر ادا کیا۔ (۲)

(ھ) عقدِ نکاح کی تشہیر:

حضرت عمرؓ چھپا کر نکاح کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اگرچہ اس میں ولی اور دو گواہ بھی موجود ہوں، لیکن آپ اس نکاح کو صحیح قرار دیتے تھے۔ آپ کے پاس ایک نکاح کا مقدمہ لایا گیا جس کا صرف ایک مرد اور ایک عورت گواہ تھے، یعنی کسی اور کو اس کا علم نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو پوشیدہ نکاح ہے میں تو اس کی اجازت نہیں دوں گا اور اگر میں اس کا پہلے اعلان کر چکا ہوتا تو میں اس پر رجم کر دیتا۔ (۳) اجازت نہیں دوں گا۔ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ نکاح صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ میں یہ نکاح باقی نہیں رہنے

(۱) عبدالرزاق ۶/ ۱۴۰، سنن البیہقی ۷/ ۲۴۷، ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۲۳ ب (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۲۳ ب
(۳) سنن البیہقی ۷/ ۲۳۳، مسند الامام احمد ۱/ ۴۰، ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۱۳ ب، المغنی ۶/ ۲۹۸ - ۶۸۱

(۱) المغنی ۶/ ۶۸۱ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۱۳ ب، المغنی ۶/ ۲۹۸، ۶۸۱
(۳) الموطا ۲/ ۵۳۵، سنن البیہقی ۷/ ۱۲۶

دوں گا، کیونکہ پھر بعد میں آپ نے میاں بیوی میں تفریق نہیں کرائی۔ اگر آپ نکاح کو غیر صحیح سمجھتے تو ضرور تفریق کرا دیتے۔ ایک مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اسے پوشیدہ رکھا۔ وہ اُس کے پاس آتا جاتا۔ اُس کے پڑوسی نے اُسے اُس کے پاس جاتا دیکھا تو اُسے متہم کیا۔ اُس نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں شکایت کی تو اُس پڑوسی نے کہا کہ اے امیرالمومنین یہ شخص میری پڑوسن کے ہاں آتا تھا اور مجھے نہیں معلوم کہ اس نے اس سے نکاح کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُس شخص سے پُوچھا کہ تم کیا کہتے ہو؟ اُس نے کہا کہ مَیں نے اس عورت سے بہت کم مہر پر نکاح کیا تھا، اس لیے مَیں نے اس کو چھپایا۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ گواہ کون تھے۔ اُس نے کہا کہ مَیں نے اس کے گھر والوں کو گواہ بنایا تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس کے قاذف سے حد ساقط کر دی اور فرمایا کہ نکاح کا اعلان کیا کرو اور شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ (۱)

شادی میں گانا اور دف بجانا مستحسن ہے۔ (دیکھیے موسیقی)

(ر) عقدِ نکاح ایک سیدھا سادہ عقد ہے جو تمام رسوم اور پیچیدگیوں سے خالی ہے، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے راستے میں چلتے چلتے ایک شخص کا نکاح کر دیا۔ (۲)

(ز) عقدِ نکاح کا خُطبہ:

نکاح میں خُطبہ پڑھنا مسنون ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک آزاد کردہ عورت کے نکاح کا خُطبہ پڑھا تو صرف یہ الفاظ تھے کہ ہم نے اللہ کے حُکم کے مطابق تمہارا نکاح کر دیا کہ تم خوش اسلوبی سے ساتھ رہو یا حُسنِ سلوک سے جدا ہو جاؤ۔ (۳) ایک مرتبہ آپ کو نکاح کے لیے بلایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے گرد زیادہ لوگ جمع نہ ہوں۔ حمد و ثنا خدائے بزرگ کے لیے ہے اور درُود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ فلاں شخص نے تمہیں پیغام دیا ہے۔ اگر تم اس سے نکاح کر لو تو الحمد للہ اور اگر تم نہ مانو تو سبحان اللہ۔ (۱)

۶۔ ازدواجی زندگی:

(الف) میاں اور بیوی میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ گھر کے ماحول کو خوشگوار رکھے اور دونوں ایک دوسرے کی خوشی اور خوشنودی کا خیال رکھیں اور ایک دوسرے کی غلطیوں سے درگزر کریں۔ کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء ۱۹)

"اُن کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔"

حضرت [illegible] کہا کرتے تھے کہ تین چیزیں بڑی آفت ہیں۔ رہنے کی جگہ کا بُرا پڑوسی، بُری بیوی کہ اگر تم اس کے پاس جاؤ تو بُرا سلوک کرے اور اگر اُس کے پاس سے چلے جاؤ تو اس پر اعتماد نہ کر سکو۔ اور وہ حاکم جس کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو تو پذیرائی نہ بخشے اور بُرا سلوک کرو تو معاف نہ کرے۔ (۲) اوس بن شریک سے مروی ہے کہ مَیں حاجیوں کو کرایہ پر لے کر روانہ ہوا اور مسجد حرام پہنچا۔ وہاں حضرت عمرؓ اور حضرت جریر بن عبداللہ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت جریر سے کہا کہ اے ابوعمروؓ تمہارا اپنی بیویوں سے کیسا معاملہ ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اے امیرالمومنین مجھے اُن سے سخت تکلیف ہے۔ نہ تو مَیں اُن میں سے کسی کے گھر کبھی ایسے دن جا سکتا ہوں جو اُس کی باری کا نہ ہو اور نہ مَیں باری کے دن کے بغیر اُن میں سے کسی کا کھانا قبول کر سکتا ہوں، کیونکہ اس سے وہ

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۴

(۲) ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۰ (۳) المغنی ۶/۵۳۷

(۱) المغنی ۶/۵۳۷ (۲) مصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۰۱

ناراض ہو جاتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ـــــــ بہت سی عورتیں نہ اللہ پر ایمان رکھتی ہیں اور نہ مومن اُنکے شر سے محفوظ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم کو ان میں سے کسی کی ضرورت ہو، مگر وہ تمہیں فکر مند بنا دے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جو اُن کے ساتھ ہی بیٹھے تھے فرمایا کہ اے امیر المومنین کیا آپ نہیں جانتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہؑ کی بد خلقی کی اپنے رب سے شکایت کی تھی۔ اس پر اُن سے کہا گیا کہ عورت پسلی کی ہڈی کی مانند ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو توڑ ڈالو گے اور اگر اسی طرح رہنے دو گے تو ٹیڑھی رہے گی، اس لیے جیسی وہ ہیں اُن سے اُسی طرح گزارہ کیا جائے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ آپ کے قلب میں بڑا علم پوشیدہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ جملہ تین مرتبہ کہا۔ (۱)

ب) عورت کا حقِ جماع :

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ عورت کا بھی حقِ مجامعت ہے اور مرد قصداً یا بلا ارادہ اُسے اس حق سے محروم نہیں کر سکتا۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت آئی اور اُس نے کہا کہ اے امیر المومنین! میرا شوہر بہت اچھا آدمی ہے۔ سارا دن روزہ رکھتا ہے اور رات کو نماز پڑھتا ہے۔ قسم بخدا میں ناپسند کرتی ہوں کہ اس کی شکایت کروں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی کے لیے یہ عمل کرتا ہے۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

کعب بن سور بولے کہ میں نے ایسی سخت شکایت اور ایسا خوبصورت احتجاج آج سے پہلے کبھی نہیں سُنا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ وہ کیا کہتی تھی؟ کعب نے بتایا کہ اُس کا کہنا تھا کہ اُسے اُس کے شوہر سے حصّہ نہیں ملتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم سمجھے ہو تو تم ہی فیصلہ کرو۔ اس پر کعب نے کہا کہ امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے دو، تین، اور چار عورتیں حلال کی ہیں، تو اُس بیوی کے لیے چار دنوں میں سے ایک دن ہے جس میں شوہر روزہ نہ رکھے اور اُس دن اُس کے پاس رہے۔ اور ہر چار راتوں میں سے ایک رات اُس کی ہے جو یہ اُس کے پاس گزارے۔ (۱) ایک اور عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اُس نے شکایت کی کہ اُس کا شوہر اُس کے ساتھ جماع نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے شوہر کو بلوا کر اُس سے دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ اے امیر المومنین! میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور قوت کمزور ہو گئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کتنی بار اُس کے پاس جاتے ہو۔ اُس نے کہا کہ ہر پاکی کے زمانے میں ایک مرتبہ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس عورت سے کہا کہ یہ ایک عورت کے لیے کافی ہے۔ (۲)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ مدینہ منورہ میں گشت فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک عورت کو یہ اشعار پڑھتے سُنا۔

"شب دراز ہوتی چلی گئی اور آخر شب آگئی۔ مگر چونکہ میرے پہلو میں میرا رفیق نہیں ہے جس سے میں دل بہلا سکوں، اس لیے میں جاگ رہی ہوں۔ اگر خدائے یکتا کا خوف نہ ہوتا تو اس پلنگ کی چولیں ہل رہی ہوتیں۔"

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۲۵۸

(۱) عبدالرزاق ۷/۱۵۰، المغنی ۷/۲۹

(۲) عبدالرزاق ۷/۲۵۷، ۷/۵۰، المحلی ۱۰/۴۰

حضرت عمرؓ نے اُس سے دریافت احوال کیا تو اُس نے بتایا کہ میرا شوہر چار ماہ سے مجھ سے دُور ہے اور مَیں اس کو یاد کر رہی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا کسی بُرائی کا تو ارادہ نہیں۔ اُس نے کہا کہ اللہ کی پناہ! آپ نے فرمایا کہ تھوڑا سا صبر کرو مَیں اس کو اطلاع بھجواتا ہوں؛ چنانچہ آپ نے اُسے پیغام بھجوایا اور خود حضرت حفصہؓ کے پاس آئے اور اُن سے کہا کہ مَیں تم سے ایک اہم معاملہ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ تم میری یہ پریشانی دور کر دو کہ عورت کتنے دن بعد شوہر کی منتظر ہو جاتی ہے۔ اس پر حضرت حفصہؓ شرما گئیں اور سر جھکا لیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ حق بات سے نہیں شرماتا۔ حضرت حفصہؓ نے اشارے سے بتایا کہ تین ماہ یا پھر چار ماہ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حکم تحریر کیا کہ لشکر میں کسی فوجی کو چار ماہ سے زائد روک کر نہ رکھا جائے۔ (۱)

۲۔ اگر حقِ مجامعت پُورا نہ ہو سکے تو حضرت عمرؓ نکاح فسخ کر دینے کے قائل تھے۔ (د: طلاق/۱۱ و ب ج)

(ج) شوہر کا حق مباشرت:

جس طرح عورت کا حق مباشرت ہے، اسی طرح مرد کا بھی حقِ مباشرت ہے۔ اسی لیے بیوی کے لیے شوہر کو مباشرت سے روکنا جائز نہیں، بلکہ یہ بھی جائز نہیں کہ بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزے رکھے۔ (د: صیام/۲ د)

شوہر کے لیے حیض اور نفاس کی حالت میں بیوی سے مجامعت جائز نہیں ہے۔ (د: حیض/۲ و ز ح) اور نہ دبر میں وطی جائز ہے۔ (د: لواطت)

(د) میاں بیوی کا بچے کا حق:

میاں بیوی میں سے ہر ایک کو بچہ حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ عزل کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ عزل بچہ سے مانع ہے (د: عزل/۲ ب) اور حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ مَیں اپنے آپ کو جماع پر اس لیے آمادہ کرتا ہوں کہ شاید مجھ سے ایسی اولاد پیدا ہو جو اللہ کی تسبیح کرنے والی ہو۔ (۱)

(ھ) عورت کا حقِ نفقہ:

مرد پر لازم ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق اپنی بیوی پر اپنا مال خرچ کرے۔ (د: نفقہ/۴)

(و) شوہر کو بیوی کی تادیب کا حق حاصل ہے۔ (د: تادیب)

۷۔ میراث بر بنائے نکاح (د: ارث/۲ ب)

نہب (لوٹنا)

۱۔ تعریف:

کسی دوسرے کا مال اُس کی اجازت کے بغیر لوٹنا حالانکہ وہ نالپ کر رہا ہو نہب (کہلاتا) ہے۔ اور نہبۃ اور نہبی لوٹے ہوئے مال کو کہا جاتا ہے۔

۲۔ نہب کی حرمت:

کسی کا مال لوٹنا گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تین امور کبیرہ گناہ ہیں۔ بغیر عذر کے دو نمازیں جمع کرنا۔ جہاد سے فرار اختیار کرنا اور کسی کا مال لوٹنا۔ (۲)

نواح (نوحہ)

میت پر نوحہ کرنا۔ (د: موت/۱۲)

---

(۱) عبد الرزاق ۷/۱۵۱، المغنی ۷/۳۱

(۱) سنن البیہقی ۷/۹

(۲) سنن البیہقی ۳/۱۶۹

نوم (نیند)

۱۔ آدمی کا تنہا گھر میں سونا:

حضرت عمرؓ گھر میں تنہا سونے سے منع فرماتے تھے، کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی بات پیش آجائے مثلاً کوئی چور اس پر حملہ کر دے یا مر جائے اور کسی کو پتہ نہ چلے یا اسی طرح کی کوئی اور بات پیش آجائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کوئی آدمی نہ تنہا سفر کرے اور نہ تنہا گھر میں سوئے۔ (۱)

۲۔ دوپہر کا سونا:

السائب بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نصف النہار کے وقت ہمارے پاس سے گزرتے یا اس سے ذرا پہلے تو فرماتے کہ اُٹھو اور قیلولہ کر لو جو پیچھے رہ جائے گا وہ شیطان ہے۔ (۲)

۳۔ سونے سے وضو کا ٹوٹ جانا۔ (د: وضو/ ۷ ب)

سوتے ہوئے آدمی کے فعل پر سزا کا نہ ہونا۔ (د: اکراہ/ ۲ ب ۴)

سوتے وقت جنبی کا وضو کر لینا۔ (د: وضو/ ۷ د)

مسجد میں سونا۔ (د: مسجد/ ۵)

نیّت

۱۔ تعریف:

کسی فعل کے کرنے کا دل میں پختہ ارادہ کرنا۔

۲۔ نیت کے احکام:

عبادات میں نیت (د: صلاۃ/ ۲ ھ صیام ۳)

نماز میں امام اور مقتدی کی نیت کا ایک ہونا۔ (د: صلاۃ/ ۱۸ ج ۳ ج)

طلاق کے کنایہ میں نیت کا تعین (د: طلاق/ ۷ ب)

صریح الفاظ کے لیے نیت کی ضرورت نہ ہونا (د: طلاق/ ۷ و)

۵

ہاشمہ

۱۔ وہ زخم جس سے ہڈی ٹوٹ جائے لیکن اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔

(د: جنایت/ ۴ ح)

۲۔ ہاشمہ پر قصاص نہیں ہے بلکہ ثالثی ہے۔

(د: جنایت/ ۵ ب ۴ ھ)

ہبہ

۱۔ تعریف:

اپنی زندگی میں کسی کو کسی شئے کا بغیر معاوضے کے مالک بنا دینا۔

۲۔ ہبہ میں ایجاب اور قبول:

ہبہ ایجاب کے بغیر منعقد نہیں ہوتا اور ہبہ میں ہبہ کرنے والا کا اپنی ملکیت پر دوسرے کو تصرف کا حق دے دینا ہی ایجاب ہے، لیکن کیا ہبہ کے صحیح ہونے کے لیے موہوب لہ (جسے ہبہ کیا گیا ہے) کا قبول کرنا بھی شرط ہے؟ ابن قدامہ نے حضرت عمرؓ سے جو روایت نقل کی ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہبہ کے صحیح ہونے کے لیے قبول شرط نہیں ہے۔ روایت یہ ہے کہ ابن عمرؓ حضرت عمرؓ کے اُونٹ پر سوار تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ یہ اُونٹ مجھے فروخت کر دو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ ہی کا ہے تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا کہ یہ اب تمہارا ہوگیا لہٰذا جو چاہو کرو۔ صاف ظاہر ہے کہ اس میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس ہبہ کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا تھا اور نہ یہ ذکر ہے کہ ابن عمرؓ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہبہ کو قبول کیا تھا۔ (۱)

۳۔ واہب اور موہوب لہ:

واہب (ہبہ کرنے والے) کی طرف سے ہبہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ تبرُّع کرنے کا اہل ہو (د: تبرع/۲) بنا بریں:

(الف) امیر مال فئے میں سے مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق ہبہ کرسکتا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو ایک ہزار دینار عطا کیے۔ (۲)

(ب) مسلمان کا کافر کو ہبہ کرنا جائز ہے حضرت عمرؓ کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حلّہ عطا کیا تھا، وہ آپ نے مکّہ میں اپنے ایک کافر بھائی کو ہدیۃً دے دیا تھا۔ (۳)

(ج) غلام کم قیمت اشیاء مثلاً روٹی وغیرہ بھی ہبہ کرسکتا ہے۔ (د: صدقہ/۲ب)

---

(۱) المغنی ۵/ ۵۹۵ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۷۲
(۳) سنن البیہقی ۳/ ۲۴۱، المغنی ۲/ ۲۵۹، ۶/ ۴۰

(د) کسی شخص کا اپنی اولاد کو ہبہ کرنا جائز ہے مگر اس پر لازم ہے کہ دیتے وقت اولاد میں مساوات ملحوظ رکھے۔ اگر اُس نے مساوات ملحوظ نہیں رکھی تو حضرت عمرؓ کے نزدیک اس کا ہبہ باطل ہوگا۔ سعد بن عبادہؓ نے اپنی زندگی ہی میں حکم الٰہی کے مطابق اپنا مال اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا تھا مگر جب اُن کی وفات ہوئی تو اُن کی بیوی حاملہ تھیں جس کا پہلے علم نہیں تھا، چنانچہ اُن کے بیٹا ہوا۔ اس معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے قیس بن سعد بن عبادہؓ کو بلوایا تو اُنہوں نے کہا کہ جو تقسیم سعد خود کر گئے ہیں میں اُسے کالعدم کرنا نہیں چاہتا، البتہ میں اپنا حصہ اس (نومولود) کو دیئے دیتا ہُوں۔ (۱)

(ہ) قرض لینے والا قرض دینے والے کو ہدیہ دے سکتا ہے اور اگر پہلے سے یہ شرط نہیں لگائی گئی ہے تو یہ ہبہ ربا نہیں ہوگا۔ (دیکھئے ربا/۲ و ۱)

(و) عامل کا اپنی اُجرت حکومت کو ہبہ کر دینا قبول نہیں ہوگا۔ چنانچہ عبداللہ بن الساعدی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن سے اپنے زمانۂ خلافت میں فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ (حکومت کی جانب سے) لوگوں کے کئی امور انجام دیتے رہتے ہیں اور جب میں آپ کو اس کی اُجرت دیتا ہوں تو آپ اس کو پسند نہیں کرتے۔ میں نے کہا کہ میرے پاس گھوڑے اور غلام ہیں اور میں مالی لحاظ سے اچھی حالت میں ہوں۔ اس لیے میں چاہتا ہُوں کہ میری یہ اُجرت مسلمانوں کے لیے صدقہ ہوجائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو۔ (۲)

(ز) عورت کے لیے اپنے مال میں سے شوہر کو یا کسی دوسرے کو ہبہ کرنا اُس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ اُس کے نکاح پر ایک سال نہ گزر جائے یا اس کے بچہ نہ ہو جائے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عورت جو کہ ابھی دُلہن ہے شوہر کے حُسنِ سُلوک سے متاثر ہو کر یا اس کی نازبرداری کی بنا پر اپنا مال لٹانے پر آمادہ ہو جائے۔ جبکہ ازدواج پر ایک سال گذرنے کے بعد تمام اُمور اصلی حالت میں سامنے آجائیں گے اور شوہر کی بھی حقیقت منکشف ہو جائے گی اور عورت کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ شوہر کی محبت کے جذبات میں کس قدر سچائی ہے۔ پھر اگر وہ چاہے تو اپنا مال شوہر کو ہبہ کر دے اور چاہے تو نہ کرے، چنانچہ شریحؒ سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے عہد لیا کہ میں کسی لڑکی کے عطیہ کو جائز قرار نہیں دوں گا جب تک کہ اُس کے بچہ نہ ہو جائے یا اُسے اپنے گھر میں ایک سال نہ گزر جائے۔ (۱)

(ح) مریض کا ہبہ جائز نہیں ہے اور اس عورت کا ہبہ بھی جائز نہیں ہے جسے دردِ زہ شروع ہو چکا ہو اور نہ اُس شخص کا ہبہ صحیح ہے جو میدانِ جنگ میں دُشمن کے سامنے صف میں کھڑا ہو۔ الا یہ کہ یہ ہبہ ایک تہائی مال کی حد میں ہو۔ اگر تہائی سے زائد ہوگا تو جائز نہیں ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مرض الموت میں جو شخص غلام آزاد کرتا ہے وہ درحقیقت وصیت کرتا ہے (۲) عتق (غلام کا آزاد کرنا) بھی ہبہ کے حکم میں ہے کیونکہ آزاد کرنے والا اور ہبہ کرنے والا دونوں تبرع کر رہے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میدانِ جنگ میں دونوں لشکروں کے ٹکراؤ کے وقت مرد اور دردِ زہ کے وقت عورت، کوئی

(۱) عبدالرزاق ۹/۹۹، ابن ابی شیبہ ۲/۷۸ ب، المحلی ۹/۱۴۲، المغنی ۵/۶۱۶ (۲) المحلی ۹/۱۵۳

(۱) المحلی ۸/۳۱۰، المغنی ۴/۲۶۳، اخبار القضاۃ ۲/۱۹۱
(۲) سنن البیہقی ۱۰/۳۱۴۔

ہبہ کرے) تو یہ ہبہ ان دونوں ... صرف تہائی مال میں سے جائز ہے۔ (۱)

۴۔ شئے موہوب :

(الف) مجہول شئے کا ہبہ ۔ ابنِ حزم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجہول (نامعلوم) شئے کے ہبہ کو باطل قرار دیا ہے ۔ (۲)

(ب) قبضہ میں لینے سے شئے موہوبہ کا مالک ہوجانا ۔ موہوب لہ (جسے ہبہ کیا گیا ہے) ہبہ کی ہوئی شئے کا اس وقت مالک ہوگا جب وہ اس پر قبضہ کرلے ۔ حضرت عمرؓ نے عطیات کے بارے میں فیصلہ کیا کہ جس پر قبضہ ہوگیا وہ درست ہوگیا اور جس پر قبضہ نہیں ہوا وہ میراث کا حصّہ بن گیا ۔ (۳) یعنی وہ واہب کی ملکیت سے نہیں نکلے گا اور اگر واہب مر جائے تو جو شئے اس نے ہبہ کی تھی (اور موہوب لہ کے قبضہ میں نہیں گئی) وہ وارثوں کی ہوجائے گی ۔

اور اس سلسلہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ موہوب لہ واہب کی اولاد ہو یا کوئی اجنبی ہو ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو کوئی ہدیہ دیتے ہیں اور اُسے اپنے ہی پاس رکھتے ہیں پھر اگر بیٹا مرجائے تو کہتے ہیں میرا مال میرے پاس ہے میں نے کسی کو نہیں دیا اور اگر خود مرنے لگے تو کہتے ہیں کہ یہ میرے بیٹے کا ہے ۔ میں نے اسے دے دیا تھا ، لہٰذا اگر کسی نے کوئی ہدیہ کیا اور اس پر اُس شخص نے قبضہ نہ کیا جسے ہدیہ کیا گیا تھا ، حتّٰی کہ وہ مرگیا تو وہ ہدیہ واہب کے ورثا کا ہوجائے گا ۔ اور یہ ہبہ باطل ہوجائے گا ۔ (۱) معمر سے مروی ہے کہ میں نے زہری سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا جو اپنے باپ کا شریک تھا اور اُس کے باپ نے اُس سے کہا کہ تیرے لیے اس مال میں سے جو تیرے اور میرے درمیان مشترک ہے سو دینار ہیں ۔ اس پر زہری نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ یہ اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ یہ مال علیحدہ کرکے اس کے قبضے میں نہ دے دے ۔ (۲) وکیع نے اخبار القضاۃ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے شریح کو لکھا کہ اگر ہدیہ علیحدہ کر دیا گیا ہو اور جسے ہدیہ کیا گیا ہے وہ زندہ ہو تو یہ مُہدیٰ کے ورثاء کا ہے اور اگر یہ ہدیہ علیحدہ نہیں کیا گیا ہے تو یہ ہدیہ کرنے والے کے ورثا کا ہے ۔ (۳)

اس روایت میں علیحدہ کر دینے کا مفہوم یہ ہے کہ مُہدیٰ لہ نے اس پر قبضہ کر لیا ۔ اور اگر یہ مراد نہیں ہے تو یہ روایت شاذ ہے اور قابلِ اعتماد نہیں ہے ۔

(ج) ہبہ سے رجوع :

۱۔ اگر کسی شخص نے کسی کو کچھ ہبہ کیا اور موہوب لہ نے اُسے اس کے بالمقابل ہدیہ دے دیا اور وہ اس عوض پر راضی ہوگیا تو اُس کے لیے اپنے ہبہ سے رجوع کرنا جائز نہیں رہے گا ۔ اور اگر اُس نے عوض میں ہدیہ نہیں دیا یا جو دیا اُس سے یہ شخص راضی نہیں ہوا تو یہ شخص اپنے ہبہ سے رجوع کر سکتا ہے ماسوا اس کے کہ اُس نے کسی ذی رحم رشتہ دار کو ہبہ کیا ہو تو اُس

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۶۸

(۲) المغنی ۹/ ۱۲۶

(۳) المحلی ۹/ ۱۲۵ ، المغنی ۵/ ۹۹۴ ، سنن البیہقی ۶/ ۱۷۰

(۱) الموطا ۲/ ۷۵۲ ، ابنِ ابی شیبہ ۱/ ۲۷۳ ، عبدالرزاق ۹/ ۱۰۱ المحلی ۹/ ۱۲۲ ، المغنی ۵/ ۵۹۲ (۲) المغنی ۵/ ۵۹۲ ، سنن البیہقی ۶/ ۱۷۰ ، عبدالرزاق ۹/ ۱۰۷ ، ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۷۳ المحلی ۹/ ۱۵۲ (۳) اخبار القضاۃ ۲/ ۱۹۳

نسے یہ ہبہ واپس نہیں لے سکتا، کیونکہ ذی رحم رشتہ دار کو ہبہ کرنے میں اس فرض کو پُورا کرنا بھی مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کا اس پر عاید کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس نے کسی ذی رحم رشتہ دار کو ہبہ کیا اُس کا ہبہ نافذ ہو گیا یعنی اُسے واپسی کا اختیار نہیں رہا۔ اور جس نے ذی رحم رشتہ دار کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو ہبہ کیا اور اُس نے اس پر قبضہ نہیں کیا تو ہبہ کرنے والا اس کا زیادہ حق دار ہے۔(۱) اور بیوی بھی اس معاملہ میں ذی رحم رشتہ دار کی طرح ہے۔

اس حکم سے وہ ہبہ مستثنیٰ ہے جو باپ نے اپنے بیٹے کو کیا ہو کہ باپ اس ہبہ کو واپس لے سکتا ہے جب تک کہ بیٹا مر نہ جائے، کیونکہ اگر بیٹا مر گیا تو یہ اُس کے وارثوں کا حق بن جائے گا یا بیٹا اُسے برت نہ لے یا اس ہبہ میں کسی دوسرے کا حق شامل نہ ہو جائے۔ اس صُورت میں باپ کے لیے اس ہبہ سے رجوع کا اختیار باقی نہیں رہے گا۔ حضرت عمرؓ نے تحریر فرمایا کہ باپ نے اپنے بیٹے کو جو کچھ عطیہ دیا ہو وہ اس سے رجوع کر سکتا ہے، جب تک کہ وہ مر نہ جائے یا اسے استعمال نہ کرے یا اس میں کسی قرض خواہ کا حق شامل نہ ہو جائے۔ (۲)

بیوی اپنے شوہر کو کئے ہوئے ہبہ سے رجوع کر سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس بارے میں لکھا کہ بیویاں اپنے شوہروں کو لالچ سے دیتی ہیں یا ڈر کر دیتی ہیں، اس لیے جو عورت اپنے شوہر کو کوئی عطیہ دے تو اُسے رجوع کا حق حاصل ہے۔(۳)

۲۔ رجوع کی حالت میں موہوب لہٗ شے کے اضافے: اگر موہوب لہٗ کے پاس ہبہ کردہ شے میں کوئی ایسا اضافہ ہو جائے جو اس سے الگ ہو مثلاً بکری ہبہ کی ہو اور اس کے بچّہ ہو جائے۔ پھر واہب اپنا ہبہ واپس لینا چاہے تو موہوب لہٗ اسے اصل شے واپس کرے گا اور اس پر ہونے والا اضافہ خود رکھ لے گا کیونکہ یہ اضافہ اس کی ملکیت میں ہوا ہے اس لیے اُسی کا ہوگا، چنانچہ زہری سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کو ایک اُونٹنی ہبہ کی، پھر اُس نے واپس لے لی حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے اصل اُونٹنی اُسے واپس کرائی اور اس میں جو اضافہ ہُوا تھا وہ اُس کے بیٹے کو دے دیا۔ (۱)

ھجاء (ہجو)

۱۔ تعریف:

برائی بیان کرنا اور عیب شمار کرنا ہجو کہلاتا ہے۔

۲۔ ہجو کی سزا:

حضرت عمرؓ ہجو پر سزا دیتے تھے۔(۲) بنی عطارد بن حاجب بن زرارہ کے ایک شخص نے کہا کہ عمرؓ ابوبکرؓ سے بہتر ہیں، حضرت عمرؓ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے اُسے کوڑے سے مارا یہاں تک کہ اس کے پاؤں میں لنگ ہو گیا۔ (۳)
ہجو واضح الفاظ میں ہو یا کنایہ کے طور پر دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں صورتوں میں ہجو کرنے والا سزا کا مستحق ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے حطیئہ کو اس شعر پر جو اُس

---

(۱) عبدالرزاق ۹/۱۷۷، ۹/۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، المحلی ۹/۱۲۹، ۱۲۸، المغنی ۵/۶۰۸، ۶۲۳، ۶۲۴، المنتقیٰ ۲/۵۴ (۲) سنن البیہقی ۶/۱۷۹، عبدالرزاق ۹/۱۲۹، المحلی ۹/۱۳۵ (۳) عبدالرزاق ۹/۱۱۵، المحلی ۹/۱۳۳، المغنی ۵/۶۲۲

(۱) عبدالرزاق ۹/۱۱۱، المحلی ۹/۱۳۵ (۲) سنن البیہقی ۸/۲۵۳، ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۷ ب (۳) المحلی ۱۱/۲۸۶

نے زبرقان بن بدر کے بارے میں کہا تھا قید کی سزا دی ۔

دع المکارم لا ترحل لبغیتھا واقعد

فانك انت الطاعم الکاسی (۲)

(آپ مکارمِ اخلاق کی جستجو چھوڑ دیں اور آرام سے بیٹھے رہیں کہ آپ کے پاس کھانے پینے کے لیے بہت ہے)

ہجر (چھوڑ دینا)

شوہر کا بیوی کو تادیب کے طور پر چھوڑ دینا ۔

(د : تادیب / ۳)

اہلِ بدعت سے بطور تعزیر قطع تعلق کر لینا ۔

(د : تعزیر / ۲ ح)

ھدی

۱ ۔ تعریف :

حج یا عمرہ کے موقع پر بطور کفارہ یا بہ نیت ثواب حرم میں جو جانور ذبح کیا جائے وہ ھدی کہلاتا ہے ۔

۲ ۔ ھدی کے احکام : (د : حج / ۲۲)

حج تمتع کرنے والے پر ہدی کا وجوب (د : حج / ۱۸ ج ۵)

حج قِرآن کرنے والے پر ہدی کا وجوب (د : حج / ۱۸ ج ۴)

ھدیہ

۱ ۔ تعریف :

ہدیہ سے مراد یہ ہے کہ اپنی زندگی میں کوئی شے کسی کو بلا عوض اس سے اظہارِ تعلق اور محبت کے طور پر دی جائے ۔

۲ ۔ ہدیہ کے احکام :

ہدیہ کے احکام وہی ہیں جو ہبہ کے ہیں (د : ہبہ)

امیر اور قاضی اور صاحبِ اختیار شخص کو ہدیہ دینا رشوت کہلاتا ہے ۔ (د : قضاء / ۹۰۱)

ھزل (غیر سنجیدہ بات)

۱ ۔ تعریف :

عاقل بالغ شخص کا قصداً کوئی ایسی بات کہنا جس کے نتائج کا مرتب ہونا اس کا مقصد نہ ہو ۔

۲ ۔ معاہدات پر ہزل کے اثرات :

معاہدات کی دو قسمیں ہیں :

(الف) وہ معاہدے جن پر ہزل اثر انداز نہیں ہوتا اور ان معاہدات کے نتائج و اثرات بہرحال مرتب ہوتے ہیں ۔ اگرچہ معاہدہ کرنے والا معاہدہ کرنے میں غیر سنجیدہ ہو ۔ اور یہ چار ہیں جن کو حضرت عمر رض نے اپنے اس قول میں ذکر کیا ہے کہ چار امور ایسے ہیں کہ ان کے زبان سے ادا ہوتے ہی وہ نافذ ہو جاتے ہیں ۔

۱ ۔ طلاق

۲ ۔ نکاح

۳ ۔ عتاق

۴ ۔ نذر

اور اپنے اس قول میں حضرت عمر رض نے ایک کا مزید اضافہ کیا ہے ۔ تین امور ایسے ہیں جن کے سلسلہ میں سنجیدگی سے کہنے والا اور مذاق کرنے والا دونوں برابر ہیں ۔ اطلاق ۲ ۔ صدقہ ۳ ۔ عتاق (۱)

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۴۴ ، المغنی ۶/ ۵۳۵ ، ۷/ ۱۳۵ (۲) عبدالرزاق ۴۲/۹

(ب) اور کچھ معاہدات ایسے ہیں جن پر ہزل اثر انداز ہوتا ہے اور یہ باقی تمام عقود ہیں مثلاً:
بیع، اجارہ، اور رہن وغیرہ وغیرہ۔

ھلاک

دیکھیے: اتلاف اور ضمان

ھوام

ھوام (کیڑے مکوڑے) کھانا حلال نہیں ہے۔
(د: طعام/٦)

ھوام کا مارنا جائز ہے۔
(د: حج/٦ د ٥ ل)

و

وتر

نمازِ وتر کا وقت (د؛ صلاۃ/۳ و)

نمازِ وتر میں قراءت (د؛ صلاۃ/۱۱ و)

نمازِ وتر کی کیفیت (د؛ صلاۃ/۱۳)

وتر میں دُعاء قنوت (د؛ صلاۃ/۱۴)

ودیعت

۱۔ تعریف:

اپنا مال حفاظت کی غرض سے بلا عوض کسی دوسرے کے سپرد کر دینا۔

۲۔ ودیعت کا ضمان:

جس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے وہ امین ہے لہٰذا وہ ودیعت کی حفاظت یا تو اپنے مال کے ساتھ کرے گا یا حفاظت کی غرض سے اُسے کسی ایسی جگہ رکھے گا جو بطورِ خاص اس چیز کی حفاظت کے لیے ضروری ہو، اب اگر اُس نے اس خاص جگہ رکھ کر اس کی حفاظت کی اور اس کے ارادے کے بغیر اور حفاظت میں کسی کوتاہی کے بغیر یہ ودیعت ضائع ہو گئی تو یہ شخص جس کے پاس امانت رکھی گئی تھی ضامن نہیں ہوگا کیونکہ اُس نے مناسب اور مقررہ طریقے پر پوری طرح اور اپنی قدرت کے مطابق اس کی حفاظت کی تھی۔ (۱) اور اگر اس نے اس ودیعت کی حفاظت اپنے مال کے ساتھ کی تھی اور ودیعت ضائع ہو گئی تو دو صورتیں ہیں۔ یا تو اس ودیعت کے ساتھ اس کا اپنا کچھ مال بھی ضائع ہوا ہو گا، ایسی صورت میں وہ ضامن نہیں ہو گا، کیونکہ اس پر تہمت نہیں لگ سکتی، یا صرف ودیعت ضائع ہوتی ہو گی اور اُس کا اپنا مال ضائع نہیں ہوا ہو گا۔ اس صورت میں حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق وہ ضامن ہو گا، کیونکہ اس سے اُس کی کوتاہی کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ انس بن مالک سے مروی ہے کہ میرے پاس کچھ مال بطور ودیعت رکھا گیا جو میں نے اپنے مال کے ساتھ رکھ لیا، لیکن وہ میرے مال کے بیچ میں سے ضائع ہو گیا۔ میں نے یہ معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے رکھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بلاشبہ تم میری نظر میں امین ہو، لیکن یہ شے تمہارے مال کے درمیان میں سے ضائع ہوتی ہے اس لیے تم اس کا تاوان ادا کرو۔ (۲)

۳۔ ودیعت کی واپسی:

---

(۱) المحلی ۸/۲۷۷، ۹/۱۷۰ (۲) سنن البیہقی ۶/۲۹۰ المحلی ۸/۲۰۳، ۲۷۷، المغنی ۶/۳۸۲

ودلیعت صرف اس کے مالک کو یا مالک کے وکیل کو یا اگر ودیعت رکھوانے والے پر ودیعت کے رکھوانے کے بعد تصرف کی پابندی (حجر) عاید ہو گی تو اس کے شرعی ولی کو واپس کی جائے گی ۔ الا یہ کہ ثبوت قائم ہو جائے کہ ودیعت رکھوانے والا مر گیا ہے تو یہ ودیعت اُس کے شرعی وارثوں کو واپس کی جائے گی ۔ چنانچہ روایت ہے کہ دو شخصوں نے ایک عورت کے پاس سو دینار ودیعت رکھوائے اور اس سے کہا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کی غیر موجودگی میں واپس نہ کرے ، جب تک کہ دونوں ایک ساتھ لینے نہ آئیں ۔ پھر بعد میں اُن میں سے ایک آیا اور اُس نے کہا کہ میرا ساتھی مر چکا ہے تو یہ مال مجھے لوٹا دے ۔ مگر اس عورت نے انکار کیا ۔ یہ شخص تین سال آتا رہا ۔ پھر اُس نے کسی سے سفارش کرائی ، جس پر اس عورت نے یہ ودیعت اُسے دے دی ۔ اب دوسرا شخص بھی آگیا اور اُس نے کہا کہ میرا حصہ مجھے دے دو ۔ پھر وہ اس عورت کو لے کر حضرت عمرؓ کے پاس گیا ۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ تمہارے پاس کوئی گواہ ہے ۔ اُس نے کہا کہ میری گواہ خود یہ عورت ہے ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس عورت سے فرمایا کہ تمہیں ضمان (تاوان) ادا کرنا ہے ۔ (۱)

وصایت

دیکھیے : ولایت

وصی

دیکھیے : وصیت : ۲

(۱) سنن البیہقی ۶/۲۸۹

وصیّت

اس موضوع کے تحت گفتگو حسب ذیل عنوانات پر مشتمل ہو گی ۔

۱ - موصی ۲ - وصی ۳ - وصی الیہ ۴ - موصٰی بہ

۱ - موصی (وصیت کرنے والا)

(الف) مرض الموت میں مبتلا شخص کی وصیت ۔

مرض الموت میں مبتلا شخص کی وصیت درست ہے ۔ حضرت عمرؓ کو جب برچھا مار دیا گیا اور آپ کی آنتیں کٹ گئیں ، آپ نے اس وقت وصیت کی اور یہ وصیت درست قرار دی گئی اور کسی نے اُس سے اختلاف نہیں کیا ۔ (۱) وہ شخص بھی مریض ہی کے حکم میں ہے جو کسی جانے ہلاکت میں موجود ہو ۔ مثلاً برسر پیکار لشکروں کے درمیان لڑائی کے لیے موجود شخص یا وہ عورت جسے دردِ زِہ شروع ہو چکا ہو ۔

(ب) محجور علیہ (جس کے تصرف پر عدالتی پابندی عاید ہو) کی وصیت ، ایسا باشعور شخص جس کے تصرف پر پابندی ہو اس کی وصیت جائز ہے[۲] جیسے باشعور نابالغ اور باشعور بے وقوف وغیرہ ۔ چنانچہ عمرو بن سلیم سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ سے کہا گیا کہ ایک نوخیز لڑکا ہے جو ابھی بالغ نہیں ہوا اور جس کے پاس کافی مال ہے اور اس کے ورثا شام میں ہیں ۔ یہاں پر اس کی صرف ایک چچا زاد بہن ہے ۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ اُس کے حق میں وصیت کر دے ، چنانچہ اس لڑکے نے اپنی اس بہن کو اس زمین کی وصیت کر دی جو بئر جشم کہلاتی تھی ۔ عمرو بن سلیم کا بیان ہے کہ میں نے یہ زمین تیس ہزار میں فروخت کی تھی کیونکہ اس لڑکے کی چچا زاد بہن جس کے حق میں اُس نے اس

(۱) المغنی ۶/۸۴ (۲) المحلی ۹/۳۳۱

زمین کی وصیت کی تھی عمرو بن سلیم کی والدہ تھیں ۔ (۱)

عمرو بن حزم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے خاندان کے ایک لڑکے نے جو ابھی بالغ نہیں ہوا تھا شام میں اپنے کثیر مال کی جسکی قیمت تیس ہزار تھی اپنی پھوپھی کو وصیت کر دی۔ ابو اسحاق نے یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اس وصیت کو جائز قرار دیا ۔ (۲)

روایات اس امر پر متفق ہیں کہ یہ لڑکا سنِ تمیز کو پہنچ چکا تھا اور اس کی عمر دس یا بارہ سال تھی ۔

۲۔ وصی :

(الف) تعریف : وصی وہ شخص ہے جو ترکہ کو تحویل میں لینے، قرض ادا کرنے، وصیت کے مال کو ترکہ میں سے الگ کرنے اور ترکہ وارثوں میں تقسیم کرنے کے امور کا ذمہ دار ہو۔ قیس بن سعد بن عبادہ اپنے والد کے وصی تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو ایک مشہور معاملہ میں وصی برقرار رکھا۔ وہ مشہور معاملہ یہ ہے کہ سعدؓ بن عبادہ نے اپنے وارثوں میں اپنا مال حکم الٰہی کے مطابق تقسیم کر دیا تھا، اُنکی بیوی حاملہ تھیں، جس کا کسی کو علم نہیں تھا۔ اُن کے لڑکا پیدا ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں قیس بن سعد ۔ یعنی سعد کے وصی کو بلوایا تو اُنہوں نے کہا کہ جو تقسیم سعد کر گئے ہیں میں اُسے تو نہیں بدلتا، البتہ میں اپنا حصہ اس (نومولود) کو دیتا ہوں۔ (۳) اور حضرت ابو عبیدہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے جب فرات کو عبور کیا تو

(۱) الموطا ۲/ ۷۶۲، المحلی ۹/ ۳۳۰، المغنی ۶/ ۱۰۱، ۹/ ۲۰۶، سنن البیہقی ۱۰/ ۳۱۷ ، (۲) عبدالرزاق ۹/ ۷۸، المغنی ۶/ ۱۰۱، ۹/ ۲۰۶ (۳) عبدالرزاق ۹/ ۹۹، ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۷۸ ب المحلی ۹/ ۱۴۲، المغنی ۵/ ۶۱۶

حضرت عمر بن الخطابؓ کو اپنا وصی مقرر کیا ۔ (۱)

(ب) ایک شخص کے لیے ایک سے زائد وصی مقرر کرنا بھی جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ہر وصی کو جدا جدا کام سپرد کر دے ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کو وصیت فرمائی ۔ (۲) کہ وہ اُن کے مال پر نظر رکھیں اور اُن کی صاحبزادیوں کے نکاح کریں ۔ (۳) جبکہ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بطورِ خاص صرف قرضوں کی ادائیگی کے لیے وصی مقرر کیا اور اُن سے کہا کہ اے عبداللہ بن عمرؓ دیکھو میرے اوپر کتنا قرض ہے۔ اُنہوں نے حساب کیا تو اسّی ہزار یا اس کے قریب تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ قرض اگر آلِ عمرؓ کے مال سے ادا ہو جائے تو اس سے ادا کر دو، ورنہ بنی عدی بنی کعبؓ سے کہو اگر اُن سے بھی پورا نہ ہو سکے تو قریش سے کہو مگر قریش سے باہر نہ جانا۔ بہرحال میری جانب سے یہ قرض ادا کر دینا ۔ (۴)

(ج) عورت کو وصی مقرر کرنا

وصی بننے کے سلسلہ میں عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کو وصیت کی کہ وہ ان کی صاحبزادیوں کے نکاح سرانجام دیں اور جب تک زندہ رہیں ان اوقاف کی دیکھ بھال کرتی رہیں جو آپ نے قائم کیے ہیں جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے ۔

(د : وصیت / ۴ ب ۱)

(د) یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ موصی کا کوئی قریبی رشتہ دار ہو۔ بلکہ وہ کوئی اجنبی بھی ہو سکتا ہے۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت

(۱) المغنی ۶/ ۱۴۴ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۷۵ (۳) عبدالرزاق ۹/ ۴۰ (۴) سنن ابی داؤد، الوصایا، ۲۸۷۹

ابو عبیدہؓ بن الجراح نے حضرت عمرؓ کو وصی مقرر کیا اور حضرت عمرؓ نے اس سے انکار نہیں کیا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں کوئی ترکہ چھوڑوں گا یا کوئی وصیت کروں گا تو میں زبیر بن العوامؓ کو وصی مقرر کروں گا کہ وہ دین کا ایک ستون ہیں۔ (۱)

۳۔ موصٰی الیہ (جس کے حق میں وصیت کی جائے)

وصیت ایسے قریبی رشتہ دار اور ایسے دور کے رشتہ دار کے حق میں جائز ہے جس کا میراث میں حصہ نہ ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'وارث کے حق میں وصیت نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی اُمہاتِ اولاد (وہ لونڈیاں جن سے آپ کی اولاد ہوئی) کے حق میں وصیت کی کیونکہ انہیں آپ کی میراث میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا تھا؛ چنانچہ آپ نے ہر ایک کے حق میں چار چار ہزار درہم کی وصیت کی۔ (۲)

۴۔ موصٰی بہ (وہ کام جس کی وصیت کی جائے)

(الف) موصٰی بہ ایسی نصیحتیں بھی ہو سکتی ہیں جو موصی دین اور دُنیا کی درستگی کے بارے میں موصٰی لہٗ کو کرنا چاہے۔ جب حضرت عمرؓ کو برچھا مارا گیا تو آپ نے اس طرح کی متعدد وصیتیں فرمائیں؛ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اور اسے وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین سے اچھا سلوک کرے، اُن کے حقوق پہچانے اور اُن کے حسبِ مراتب ان سے برتاؤ کرے اور میں خلیفہ کو انصار کے ساتھ بھی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لا کر پہلے ہی دار الہجرت میں مقیم تھے۔ ان میں سے جو اچھا کام کریں اُن کے کاموں کو قبول کر لیا جائے اور زیادتی کرنے والوں سے درگزر کیا جائے اور میں خلیفہ کو اہلِ امصار کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ اسلام کی حفاظت کا ذریعہ اور دشمن کے پیچ و تاب کھانے کا وسیلہ ہیں اور بیت المال (میں آمدنی کا ذریعہ) ہیں اور یہ کہ اُن سے اُن کے فاضل صدقات صرف اُن کی خوشنودی کے ساتھ لیے جائیں۔ میں اعراب کے بارے میں بھی وصیت کرتا ہوں کہ یہی اصل عرب ہیں اور اسلام کی قوت ہیں۔ اُن کے موال کے صدقات اُن ہی کے فقراء پر لوٹائے جائیں۔ میں اہلِ ذمہ سے بھی اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں کہ اُن کی طاقت سے زائد اُن پر بوجھ نہ ڈالا جائے، اُن کے تحفظ کی خاطر جنگ کی جائے اور اُن سے کیا ہوا عہد پورا کیا جائے۔ (۱)

مسور بن مخرمہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو ایسی حالت میں فرماتے ہوئے سنا کہ میری ایک اُنگلی اُن کے زخم پر تھی اور وہ کہہ رہے تھے کہ اے معشرِ قریش مجھے تمہارے بارے میں لوگوں سے خطرہ نہیں ہے البتہ مجھے تم سے لوگوں کے بارے میں اندیشہ ہے۔ میں نے تمہارے درمیان دو باتیں چھوڑی ہیں، اگر تم ان پر جمے رہو گے تو خیر پر قائم رہو گے: حکومت میں انصاف اور تقسیم میں انصاف۔ میں تمہیں علم کی ایسی بلند سطح پر چھوڑے جا رہا ہوں جو سیدھے راستے سے ہٹنے والے کو اور ہٹا دے گا۔ (۲)

(ب) موصٰی بہ کبھی مال ہوتا ہے اور ایسی صورتیں ہیں:

۱۔ یہ جائز نہیں ہے کہ موصٰی بہ ایک تہائی مال سے زائد ہو۔ یعنی اس مال کے ایک تہائی سے جو اس کے ترکہ میں تجہیز، تکفین اور قرض کی ادائیگی کے بعد بچا ہو۔ حضرت عمرؓ نے

---

(۱) سنن البیہقی ۶/۲۸۲ (۲) الترمذی، الوصایا، باب ابطال الوصیۃ للوارث۔ ابوداؤد، الوصایا۔ ۲۸۷۰

(۱) عبدالرزاق ۱۱/۱۰۹ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/۱۶۲

چوتھائی مال کی وصیت فرمائی ۔ (۱) اور روایت ہے کہ ایک بوڑھا آدمی حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ اے امیر المومنین میں ایک بوڑھا آدمی ہوں ۔ میرے پاس خاصا مال ہے اور میں چونکہ بے اولاد ہوں، لہٰذا میرے وارث آزاد شدہ عرب غلام ہوں گے جن کے نسب بھی ملے جلے ہیں تو کیوں نہ میں اپنے پورے مال کی وصیت کر دوں ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں ۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ وہ مال کی مقدار میں کمی کرتا رہا یہاں تک کہ عُشر پہ آگیا ۔ (۲)

حضرت عمرؓ نے اپنا کچھ مال فقراء اور مساکین پر وقف کیا اور اُس کی یہ تحریر رقم فرمائی :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ وصیت ہے جو اللہ کے بندے امیر المومنینؓ نے کی کہ اگر اُسے کوئی حادثہ پیش آجائے تو ثمغ اور صرمۃ بن الاکوع (کی زمین) صدقہ ہیں اور وہاں جو غلام ہیں ۔ اور خیبر کا وہ سو (درختوں والا) حصّہ اور اس میں موجود غلام اور وہ سو (درختوں والا) حصّہ جو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے عطا فرمایا تھا ۔ اس تمام وقف کی متولی ام المومنین حضرت حفصہؓ ہوں گی، جب تک وہ زندہ رہیں ۔ پھر اُن کے بعد اُن کے خاندان کے عقل مند لوگ اس کے متولی ہوں گے ۔ یہ زمینیں نہ فروخت کی جائیں گی اور نہ خریدی جائیں گی ۔ اور اُن کی آمدنی اپنی صوابدید کے مطابق سائلوں پر مسکینوں پر اور رشتہ داروں پر خرچ کی جائے اور اس میں سے متولی خود کھائے یا دوسروں کو کھلائے یا اس سے غلام خریدے تو کوئی حرج نہیں ہے ۔ (۳)

اگر (مرنے والے نے) متعدد وصیتیں کیں جن میں غلام آزاد کرنا بھی شامل ہو، مگر یہ وصیتیں تہائی مال میں پوری نہ ہوتی ہوں تو غلام آزاد کرنے کو مقدم رکھا جائے گا اور وصیت کا اجرا غلام آزاد کرنے سے شروع ہوگا ۔ غلام کی آزادی کے بعد اگر کچھ بچ رہے تو اسے اہلِ وصیت میں ان کی وصیتوں کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا ۔ (۱) یعنی جس کے حق میں سو کی وصیت کی ہے اُسے اس سے دگنا دیا جائے جس کے لیے پچاس کی وصیت ہے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر غلاموں کو آزاد کرنے اور دیگر وصیتوں کا معاملہ ہو تو ہر ایک کو اس کے حصّہ کے حساب سے دیا جائے ۔ (۲) اگر وصیت میں غلام آزاد کرنا شامل نہ ہو تو تہائی مال کو تمام اہلِ وصایا پر ان کی وصیتوں کے حساب سے تقسیم کیا جائے گا ۔

۲ ۔ وصیت میں تبدیلی :

موصی جس قدر چاہے اپنی وصیت میں تبدیلی کر سکتا ہے ۔ اور وصی ان میں سے آخری وصیت پر عمل کرے گا ۔ حضرت عمرؓ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا جس نے پہلے ایک وصیت کی ہو اور بعد میں دوسری کرے کہ بعد والی وصیت پر عمل ہو گا ۔ (۳) اور آپ نے فرمایا کہ ایک شخص اپنی وصیت میں جو چاہے تبدیلی کر سکتا ہے ۔ ایسی صورت میں اصل وصیت آخری وصیت ہوگی ۔ (۴)

وضوء

وضو کے موضوع پر حسب ذیل پہلوؤں سے گفتگو ہوگی ۔

---

(۱) عبدالرزاق ۹/ ۹۷ (۲) المغنی ۶/ ۴ (۳) عبدالرزاق ۱۰/ ۳۰۷ سنن البیہقی ۶/ ۱۶۰، المغنی ۵/ ۵۶۴

(۱) المغنی ۶/ ۱۵۹ (۲) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۷۷، سنن البیہقی ۶/ ۲۷۷ (۳) ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۷۵ (۴) عبدالرزاق ۹/ ۱، المحلی ۹/ ۳۴، المحلی ۹/ ۶۶

۱۔ وضو نماز کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے
۲۔ ہر نماز کے لیے وضوء کا دہرانا
۳۔ مسجد میں وضوء
۴۔ پانی جس سے وضوء جائز ہے
۵۔ وضو میں دوسرے شخص سے مدد لینا
۶۔ وضو کی کیفیت (عمامہ اوڑھنی، خفین اور جوربین پر مسح)
۷۔ نواقض وضو
۸۔ وہ امور جن سے وضو نہیں ٹوٹتا
۹۔ معذور کا وضو
۱۰۔ غسل سے قبل وضو

۱۔ نماز صحیح ہونے کیلئے طہارت کی شرط :

نماز صحیح ہونے کے لیے طہارت شرط ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بغیر پاکی کے نماز مقبول نہیں ہوتی۔(۱) اور جب پانی موجود ہو اور اس کے استعمال پر قدرت ہو تو طہارت پانی سے وضوء کر کے حاصل ہو گی ورنہ تیمم سے۔(ر: تیمم)

۲۔ ہر نماز کے لیے وضو کا دہرانا :

جب انسان ایک مرتبہ وضو کر لے تو اس وضو سے جس قدر فرائض اور نوافل وہ پڑھنا چاہے، پڑھنا جائز ہے اور اس پر نیا وضو کرنا اس وقت تک فرض نہیں ہے جب تک کوئی ناقض وضو امر نہ پیش آ جائے۔ حضرت عمرؓ ظہر، عصر اور مغرب ایک وضو سے پڑھتے تھے (۲) اور اگر کوئی شخص ہر نماز کے لیے نیا وضو کرے تو یہ افضل ہے۔ اور کبھی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے اور اگر مسجد میں ہوتے تو طشت منگواتے اور اس میں وضو کرتے۔(۱)

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۲
(۲) ابن ابی شیبہ ۱/۶

۳۔ مسجد میں وضو :

مسجد میں وضو کرنا جائز ہے بشرطیکہ نماز کی جگہ آلودہ نہ ہو اور یہ عمل کسی کی تکلیف کا باعث نہ بنے۔ اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جب مسجد میں وضو کا ارادہ کرتے تو طشت منگوا لیتے اور اس میں وضو کرتے۔

۴۔ وہ پانی جس سے وضو جائز ہے۔ (ر: ماء)

۵۔ وضو میں دوسرے شخص سے مدد لینا :

حضرت عمرؓ اس امر کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ وضو کرتے وقت کوئی دوسرا شخص اُن کی مدد کرے تاکہ آپ کا ثواب خالص آپ ہی کا رہے۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے پسند نہیں ہے کہ وضو میں کوئی میری مدد کرے۔(۲)

۶۔ وضو کی کیفیت :

وضو کے اعضا اور اس کی کیفیت معروف ہے، اسی لیے حضرت عمرؓ سے وضو کی کیفیت منقول نہیں ہے، البتہ وضو کی کیفیت کے بارے میں آپ سے بعض امور منقول ہیں جو یہ ہیں۔

(الف) تین تین مرتبہ دھونا :

حضرت عمرؓ کے نزدیک دھوئے جانے والے اعضا کا تین تین مرتبہ دھونا افضل ہے اور دو مرتبہ دھونا بھی جائز ہے؛ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وضو میں تین تین مرتبہ دھونا ہے اور دو مرتبہ بھی کافی ہے۔(۳) حسن سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، چہرے، ہاتھوں اور پیروں کا دو دو مرتبہ دھونا کافی ہے، مگر تین تین مرتبہ افضل ہے۔(۴)

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۶ (۲) المغنی ۱/۱۴۱ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۳ کنزالعمال ۲۶۸۹۹ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۳

اسی لیے حضرت عمرؓ جب وضو کرتے تو دھوئے جانے والے اعضا کو تین تین مرتبہ دھوتے۔ اسود بن ابی اسود بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مجھے حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ اس وقت بیت خلا سے باہر آئے تھے اور آپ کے لیے پانی رکھا گیا تھا۔ آپ نے تین مرتبہ ہاتھ دھوئے اور تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا اور پیروں کو اچھی طرح دھویا۔ (۱) اور کبھی آپ وضو میں اعضا کو دو مرتبہ بھی دھوتے تھے، چنانچہ علقمہ اور اسود نے حضرت عمرؓ کو وضو میں ہر عضو دو دو مرتبہ دھوتے دیکھا۔ (۲) اور حضرت عمرؓ کو فہ جانے والوں کو صرار تک رخصت کرنے آئے تو آپ نے وضو کیا اور دو دو مرتبہ اعضا دھوئے۔ (۳)

(ب) دھوتے وقت اعضا کو پوری طرح دھونا :

وضو کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ ان اعضا کو اچھی طرح دھوئے جن کا دھونا واجب ہے۔ اگر کسی عضو کا کوئی حصہ رہ گیا تو وضو نہیں ہوگا، حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا، اس کے پیروں پر ایک ناخن کے برابر جگہ خشک تھی، آپ نے اسے دوبارہ وضو کرنے اور نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ (۴) اور آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے پیر پر ذرا سا خشک حصہ رہ گیا ہے اور وضو میں اس تک پانی نہیں پہنچا ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس وضو کے ساتھ نماز پڑھنے آگئے ہو اور آپ نے

(۱) کنز العمال : ۲۶۹۰۲ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۶، عبدالرزاق ۱/۴۳، آثار ابی یوسف /۶
(۳) ابن ابی شیبہ ۱/۳
(۴) عبدالرزاق ۱/۳۶، ابن ابی شیبہ ۱/۸، کنز العمال : ۲۶۸۱۷

اسے وضو اور نماز کے اعادے کا حکم دیا۔ (۱) اور آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے پیر کا اوپر کا حصہ دھولیا اور نیچے کا رہنے دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تو نے انہیں آگ کے لیے کیوں چھوڑ دیا ہے۔ (۲) اسی طرح حضرت عمرؓ انگلیوں میں خلال کرنے اور چہرہ دھوتے وقت ڈاڑھی میں خلال کرنے کا حکم دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو وضو کر رہے تھے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ خلال کرو۔ (۳)

(ج) چونکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک پانی ناپاک نہیں ہوتا اور حدث دور کرنے یا ثواب کی خاطر وضو کرنے یا کسی نجاست کے اس میں شامل ہونے سے اس کی پاک کرنے کی صلاحیت اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک اس میں اوصاف نجاست ظاہر نہ ہوں۔ اس لیے حضرت عمرؓ ایک ہی ہتھیلی کے پانی سے کلی بھی کر لیتے اور ناک میں بھی پانی چڑھا لیتے تھے، چنانچہ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک ہی مرتبہ ہتھیلی میں پانی لیا اور اسی سے کلی بھی کی اور ناک میں پانی بھی چڑھالیا۔ (۴)

(د) کانوں پر مسح :

کانوں پر مسح کی کیفیت یہ ہے کہ کانوں کے اندر اور باہر مسح کیا جائے۔ حضرت عمرؓ اسی طرح مسح کرتے تھے۔ آپ جب وضو کرتے تو اپنی انگلی دونوں کانوں کے اندر اور باہر پھرا کر مسح کرتے۔ (۵)

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۷ ب، کنز العمال ۲۶۸۱۲
(۲) ابن ابی شیبہ ۱/۴ ب (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۳ ب، المحلی ۲/۴۰ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۷ ب (۵) ابن ابی شیبہ ۱/۴ ب، کنز العمال ۲۶۸۶۲

(ھ) پیروں کا دھونا فرض ہے، مسح نہیں کیا جاسکتا۔ ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسود سے پوچھا کہ کیا حضرت عمرؓ اپنے پیر دھویا کرتے تھے ؟ انہوں نے کہا کہ ہاں خوب اچھی طرح دھوتے تھے۔ چنانچہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے ایک شخص کے پیر پہ ذراسی خشکی دیکھی جہاں پانی نہیں پہنچا تھا۔ تو آپ نے اُسے وضو اور نماز کے دہرانے کا حکم دیا۔

(و) وضو میں عمامہ، اوڑھنی، موزوں اور جرابوں پر مسح :

۱۔ عمامے وغیرہ پر مسح کی مشروعیت :

(الف) عمامہ پر مسح ۔ حضرت عمرؓ وضو میں مردوں کے لیے سر کے بجائے عمامہ پر مسح کرنا جائز سمجھتے تھے۔ (۲) نباتہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے عمامہ پر مسح کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ چاہو تو عمامہ پر مسح کرلو اور چاہو نہ کرو[۳] اور آپ کہتے تھے کہ جس شخص کو عمامہ پر مسح پاک نہ کرے اللہ اُسے پاک نہ کرے[۴]

(ب) خمار (اوڑھنی) پر مسح : جس طرح حضرت عمرؓ مردوں کے حق میں عمامہ پر مسح کے جواز کے قائل تھے، اسی طرح آپ کے نزدیک عورتوں کے لیے اوڑھنی پر مسح کرنا جائز تھا۔ (۵) اور آپ نے فرمایا کہ جس کو خمار (اوڑھنی) پر مسح پاک نہ کرے اللہ اُسے کبھی پاک نہ کرے۔ (۶)

(ج) خفین پر مسح : حضرت عمرؓ خفین پر مسح کرتے اور اس کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔ (۷) ایک مرتبہ آپ نے پیشاب کیا تو (وضو کرکے) خفین پر مسح کیا۔ (۱) اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عراق میں سعدؓ بن ابی وقاص کو دیکھا کہ وہ وضو میں مسح کر رہے ہیں ۔ میں نے اُن پر اعتراض کیا۔ جب ہم حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس جمع ہوئے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم جو میرے مسح پر اعتراض کر رہے تھے اس بارے میں اپنے والد سے دریافت کرو، چنانچہ میں نے حضرت عمرؓ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب سعد کوئی بات بیان کریں تو اُن کی تردید نہ کیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خفین پر مسح کیا کرتے تھے۔

(د) جوربین پر مسح : حضرت عمرؓ کے نزدیک جوربین پر بھی مسح جائز تھا۔ اور آپ جرابوں پر مسح کرتے تھے۔ آپ نے جمعہ کے روز وضو کیا تو جوربین اور نعلین پر مسح کیا۔ (۲)

مسح نہ کرنا مسح کرنے سے افضل ہے : عمامہ، اوڑھنی، موزوں اور جرابوں پر مسح کرنا رخصت ہے اور حضرت عمرؓ عزیمت پر عمل کرنے کو رخصت پر عمل کرنے سے افضل سمجھتے تھے۔ اسی بنا پر آپ کی رائے یہ تھی کہ وضو میں پیروں کا دھونا موزوں پر مسح کرنے سے افضل ہے۔ (۳)

۲۔ مسح کے احکام :

(الف) طہارت کی حالت میں پہننا : مسح کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ جس چیز پر مسح کیا جائے وہ طہارت کی حالت میں پہنی ہو۔ یعنی موزوں پر مسح کی شرط یہ ہے کہ انہیں وضو کرنے کے بعد پہنا ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم نے موزے اس

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۴۹ب، کنز العمال ۲۶۸۱۳ (۲) المحلی ۲/۲۲۱، المغنی ۱/۳۰۰، المجموع ۱/۴۲۸ (۳) المحلی ۲/۶۰، ابن ابی شیبہ ۱/۵، المغنی ۱/۳۰۵، کنز العمال ۲۶۹۸۷ (۴) المحلی ۱۰/۶۰، المغنی ۱/۳۰۱ (۵) المحلی ۲/۶۳، ابن ابی شیبہ ۱/۳۰ (۶) کنز العمال ۲۶۹۹۹ (۷) عبدالرزاق ۱/۱۹۷

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۲۹ب۔ آثار ابی یوسف ۶۰ (۲) مسند الامام احمد ۱/۱۴ (۳) ابن ابی شیبہ ۱/۳۰، المحلی ۲/۸۵، المجموع ۱/۵۴۰

حالت میں پہنے کہ تمہارے پاؤں پاک تھے تو پھر ان پر مسح کر سکتے ہو، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دریافت کیا کہ اگرچہ ہم میں سے کوئی قضاء حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہاں اگرچہ کوئی قضاء حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہو۔ (۱) یعنی اگر کوئی پاخانہ کر کے آیا ہو تو بھی وضو کرتے وقت اُن پر مسح کر سکتا ہے۔

ب) مسح کی مدت: خفین پر مسح کی مدت کے بارے میں حضرت عمرؓ سے دو روایات مروی ہیں۔

پہلی روایت یہ ہے کہ مقیم کے لیے خفین پر مسح کی مدت ایک شب و روز ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان پر مسح کرتا رہے اسی ساعت تک اور اسی وقت تک جب اُنہیں پہنا تھا۔ (۲) اور مسافر تین دن اور تین رات تک مسح کر سکتا ہے، چنانچہ سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ میں نے نباتۃ الجعفی سے جو حضرت عمرؓ سے سوال کرنے کی ہم سے زیادہ ہمت رکھتے تھے کہا کہ تم حضرت عمرؓ سے خفین پر مسح کے بارے میں دریافت کرو۔ اُنہوں نے دریافت کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مسافر کے لیے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لیے ایک شب و روز۔ (۳) اس بنا پر مسح کی مدت اس وقت سے شروع ہو گی جب سے وضو ٹوٹنے کے بعد مسح شروع کیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسی گھڑی تک مسح کرو جس سے تم نے مسح شروع کیا تھا۔ (۴)

(۱) الموطا ۱/۴۲، المجموع ۱/۵۵۶ (۲) عبدالرزاق ۱/۲۰۹
(۳) شرح معانی الآثار ۱/۸۳، عبدالرزاق ۱/۲۰۵، المحلی ۲/۸۷، المغنی ۱/۲۸۶، المجموع ۱/۵۲۱، ابن ابی شیبہ میں 'یوم ابی اللیل' کے الفاظ ہیں جو غلط ہیں۔
(۴) المغنی ۱/۲۹۱، المحلی ۲/۹۷، المجموع ۱/۲۲۵

دوسری روایت یہ ہے کہ مسح کی مدت غیر محدود ہے اور جب آدمی موزے پہن لے تو جب چاہے اُتارے خواہ مدت کم ہو یا زیادہ۔ چنانچہ روایت ہے کہ ابو عبیدہؓ بن الجراح نے عقبہ بن عامر کو فتح دمشق کی خوش خبری دینے کے لیے حضرت عمرؓ کے پاس روانہ کیا۔ عقبہ جمعہ کے روز روانہ ہوئے اور جمعہ کے روز ہی پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے دریافت کیا کہ کب روانہ ہوئے تھے۔ اُنہوں نے روانگی کا وقت بتایا یا یہ کہا کہ جب سے روانہ ہوا ہوں میں نے اپنے موزے نہیں اُتارے اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا۔ (۱) طحاوی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اے عقبہ تم نے کب سے موزہ نہیں اتارا؟ میں نے کہا جمعہ کو پہنا تھا اور آج بھی جمعہ ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارا عمل سُنت کے مطابق ہے۔ بیہقی کی روایت بھی اس کے قریب قریب ہے۔ دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی وضو کر کے خف پہن لے تو اُن پر مسح کرتا رہے اور نماز پڑھتا رہے اور چاہے تو نہ اتارے الا یہ کہ جنابت کی صورت پیش آ جائے۔ (۳)

بہرحال فقہائے نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ سے مروی پہلی روایت سُنت کے مطابق ہے اور حضرت عمرؓ سُنت پر عمل کرتے تھے، اس لیے احتمال یہ ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ مسح میں وقت کے مقرر ہونے کے قائل نہ ہوں اور بعد میں مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن اور تین رات کے قائل ہو گئے ہوں۔ جب آپ کو اس

(۱) ابن ابی شیبہ ۱/۳۰ (۲) شرح معانی الآثار ۱/۸۰ المجموع ۱/۵۲۱ (۳) کنز العمال: ۲۷۵۹۷

کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ملی ہو۔ مسح کی یہ مدت موزے، جرابیں، عمامہ اور اوڑھنی سب کے لیے ہے۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ سے خفین پر مسح کی مدت کی مانند عمامہ اور اوڑھنی پر بھی مسح کی مدت منقول ہے۔(۱)

۷۔ نواقض وضو:

درج ذیل امور میں سے کسی ایک کی بنا پر حضرت عمرؓ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(ا) جسم سے کسی نجس شے کا خارج ہونا، مثلاً پیشاب، پاخانہ، خون اور قے (۲) اور مذی وغیرہ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم میں سے کسی کے لیس دار قطرہ (مذی) خارج ہوتا ہے۔ جب کسی کو ایسی بات پیش آجائے تو وضو کرے۔(۳) اور آپ نے فرمایا کہ مذی پر وضو ہے غسل نہیں ہے۔(۴)

ب) ایسی نیند جس میں آدمی اپنے سہارے نہ بیٹھ سکے، کیونکہ ایسا شخص لیٹنے والے کے درجے میں ہے اور لیٹ کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص لیٹ کر سو جائے وہ وضو کرلے۔ (۵) اور آپ نے فرمایا کہ جو اپنا پہلو ٹکا لے، وہ وضو کرے۔(۶)

ج) ایسی عورت کو چھونا جس سے نکاح حلال ہو، عورت کو چھو لینے سے وضو ٹوٹنے کے بارے میں حضرت عمرؓ سے مختلف روایات مروی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ عورت کے چھونے اور اس کے بوسہ لینے پر وضو کا حکم دیتے تھے۔

---

(۱) المحلی ۲/ ۶۵ (۲) المجموع ۲/ ۵۸ (۳) عبدالرزاق ۱/ ۱۵۸، الموطا ۱/ ۴۲، کنزالعمال ، ۲۷۰۴۹ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۵ ب (۵) الموطا ۱/ ۱۰، عبدالرزاق ۱/ ۱۲۹، معرفۃ السنن والآثار ۱/ ۲۱۵ المحلی ۱/ ۲۲۴ (۶) ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۲ ب

اور فرماتے تھے کہ جس نے اپنی بیوی کو بوسہ دیا یا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو اس پر وضو ہے۔(۱) اور فرمایا کہ بوسہ بھی لمس ہے، اس لیے اس پر وضو کرو۔(۲)

ایک اور روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی بیوی کا بوسہ لیتے اور نماز پڑھ لیتے مگر وضو نہ کرتے تھے۔(۳) آپ نماز کو جا رہے تھے کہ آپ کی بیوی نے آپ کا بوسہ لیا اور آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔(۴)

ان دونوں روایات میں تطبیق کی صورت غالباً یہ ہے۔ واللہ اعلم۔ کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک عورت کے ایسے لمس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جو شہوت کے ساتھ ہو اور اگر شہوت کے ساتھ نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا؛ چنانچہ اس روایت کو کہ آپ کی بیوی نے آپ کا بوسہ لیا اور آپ بغیر وضو کے نماز کے لیے چلے گئے ـــــ اسی پر محمول کیا جائے گا کہ یہ بوسہ جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والا اور شہوت انگیز نہیں تھا، اس لیے آپ نے وضو نہیں کیا۔

(د) شرمگاہ کو چھو لینا: حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ شرمگاہ کو چھو لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔(۵) آپ کا قول ہے کہ جو شرمگاہ چھوئے وہ وضو کرے۔(۶) ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ کا ہاتھ شرمگاہ کی طرف چلا گیا۔ آپ نے لوگوں کو ٹھیرنے کا اشارہ کیا اور جا کر وضو کرکے واپس

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۱/ ۵۰۳ (۲) معرفۃ السنن والآثار ۱/ ۳۱۲ المجموع ۲/ ۲۳، احکام الجصاص ۲/ ۳۶۹ (۳) تفسیر ابن کثیر ۱/ ۵۰۳ (۴) عبدالرزاق ۱/ ۱۳۵ (۵) الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار: ۴۴، المغنی ۱/ ۱۷۸، المجموع ۲/ ۴۲ (۶) کنزالعمال: ۲۷۰۵۳

آتے اور پھر لوگوں کو باقی ماندہ نماز پڑھاتی۔ (۱)

(ھ) جنازہ اٹھانا: عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ اور آپ کے بعد دوسرے خلفاء جب جنازے کی نماز پڑھتے پھر اُس کے بعد فرض نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو وضو کرتے تھے یہاں تک کہ مسجد میں ہوتے۔ تو طشت منگواتے اور اس میں وضو کرتے۔ (۲)

(و) جُنبی شخص جب جماع کا یا سونے کا ارادہ کرے: جُنبی جب جماع کا یا سونے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے وضو کرنا مستحب ہے۔ (۳) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی بیوی سے جماع کرنے کے بعد دوبارہ جماع کا ارادہ کرے تو دونوں کے درمیان وضو کرلے۔ (۴) اسی طرح ایک مرتبہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ اپنی بیوی سے جماع کرنے کے بعد دوبارہ پھر جماع کرنا چاہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وضو کرے۔ (۵)

(ز) اگر بے وضو ہو تو اللہ کا ذکر کرنے کے لیے وضو کرنا مستحب ہے۔ (دعا/۱)

۸۔ جن امور سے وضو نہیں ٹوٹتا:

(الف) بغل چھونا اور ناک صاف کرنا۔ (د: نجاست/۲ و)

(ب) اُونٹ کا گوشت کھانا: حضرت عمرؓ نے اُونٹ کا گوشت کھایا، نماز کے لیے کھڑے ہوگئے اور وضو نہیں کیا۔ (۶)

(ج) ایسی شے کھانا جو آگ پر پکی ہو: حضرت عمرؓ آگ پر پکی ہوئی شے کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (۱) حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ روٹی اور گوشت کھایا، اُنھوں نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ (۲) ربیعۃ بن عبداللہ بن الھدیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ رات کا کھانا کھایا پھر حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ (۳)

۹۔ معذور شخص کا وضو:

جو شخص کسی مُستقل عذر میں مبتلا ہو اور اتنی دیر بھی وضو برقرار نہ رکھ سکتا ہو جتنی دیر میں وہ وضو کرسکے اور نماز پڑھ سکے۔ جیسے مستحاضہ اور وہ شخص جسے سلس البول ہو اور وہ زخمی جس کا خُون بہہ رہا ہو وغیرہ۔ ایسا شخص ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرے اور اسی وضو سے اس نماز کے وقت میں جتنی نمازیں چاہے پڑھتا رہے اگرچہ ناقضِ وضو مسلسل جاری ہو۔ حضرت عمرؓ کو جب برچھا مارا گیا تو آپ نے نماز پڑھی درانحالیکہ آپ کا خُون بہہ رہا تھا۔ (۴)

۱۰۔ غسل سے پہلے وضو۔ (د: غسل/۲ ج)

وطی (جماع)

۱۔ اقسام:

وطی کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) وطی حلال: یعنی وہ جماع جو نکاح صحیح کے ساتھ ہو۔ (د: نکاح

---

(۱) سنن البیہقی ۱/۳۱، معرفۃ السنن والآثار ۱/۲۳۷، عبدالرزاق ۱/۱۱۴ (۲) المحلی ۱/۲۵۰ (۳) المحلی ۱/۸۱ (۴) ابن ابی شیبہ ۱/۱۳ ب (۵) عبدالرزاق ... (۶) ابن ابی شیبہ ۱/۸ ب، عبدالرزاق ۱/۲۰۸

(۱) الاعتبار: ۴۹، المغنی ۱/۱۹۱، المجموع ۲/۶۱، معرفۃ السنن والآثار ۱/۳۹۹ (۲) ابن ابی شیبہ ۱/۸ ب، عبدالرزاق ۱/۱۶۹ (۳) المؤطا ۱/۲۱ (۴) عبدالرزاق ۱/۱۵۰، المؤطا ۱/۵۱

یا مالک اپنی مملوکہ باندی سے کرے۔ (د: تسری)

(ب) ایسی حلال وطی جو کسی شرعی مانع کی وجہ سے حرام ہو گئی ہو، جیسے حائضہ اور نفاس والی عورت سے جماع۔

(د: حیض / ۲ د)

(ج) حرام وطی: یعنی مرد کا کسی ایسی عورت سے مباشرت کرنا جو اس کے لیے حلال نہ ہو۔ (د: زنا) اور دبر میں وطی (د: لواطت)

۲۔ وطی کے اثرات:

(الف) وطی پر حسب ذیل اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

وطیٔ حلال پر ثواب ہے اور وطیٔ حرام اور اس وطی پر جو کسی شرعی مانع کی بنا پر حرام ہو گناہ ہے۔

(ب) نکاح کے ساتھ وطی کی صورت میں پورا مہر اور نفقہ لازم آنا۔

(د: نکاح / ۵ د) و (د: نفقہ / ۴)

(ج) وطی حلال سے اور ایسی وطی سے جو کسی شرعی مانع کی بنا پر حرام ہوئی ہو بچّہ کا نسب ثابت ہونا۔ (د: نسب)

(د) وطی حرام کی صورت میں سزا (د: زنا / ۵) و (لواطت / ۳۔ حیوان / ۱)

(ھ) وطی سے جسمانی عبادات کا فاسد ہو جانا۔ مثلاً روزہ (د: صوم / ۶) حج (د: حج / ۳) عمرہ اور اعتکاف کا فاسد ہو جانا۔

(و) غسل کا فرض ہونا (د: غسل / ۱ ب)

(ز) حرمت مصاہرت ثابت ہونا (د: نکاح / ۴ و ۱ ج)

۳۔ وہ امور جن سے وطی کی حلّت ختم ہو جاتی ہے:

جس عورت سے پہلے وطی حلال تھی بعض امور کی بنا پر حرام ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

(الف) طلاقِ بائن، خواہ بینونت صغریٰ کے ساتھ ہو یا بینونت کبریٰ کے ساتھ۔

(ب) لونڈی کا فروخت کر دینا یا اس کا کوئی حصہ فروخت کر دینا، یا اس طرح خرید نا کہ اس میں غیر کے حق میں کوئی شرط ہو یا لونڈی کا نکاح کر دینا۔ (د: تسری)

(ج) بیوی سے ظہار، چنانچہ جب تک کفارہ نہ ادا کر دے بیوی سے وطی حرام ہے۔ (د: ظہار / ۲)

۴۔ وطی میں عزل (د: عزل)

وطی چھوڑ دینے کا حلف (ایلاء)

بیوی سے مرد کا حق جماع (د: نکاح / ۶ ج) و (صیام / ۱۲ د)

بیوی کا اپنے شوہر سے حق جماع (د: نکاح / ۶ ب)

جماع نہ ہونے پر بیوی کا فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق۔ (د: طلاق / ۱۱)

وطی کے ارادے کے وقت جنبی کا وضو کرنا۔ (د: وضو / ۷ د)

وقف

۱۔ تعریف:

وقف کے معنی ہیں اصل مال روک کر اس کے ثمرات عام کر دینا۔

۲۔ وقف کا جواز:

وقف جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ پر حضرت عمرؓ نے وقف کیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ مجھے خیبر میں ایک زمین ملی، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا کہ مجھے ایک مال ملا ہے جس سے بہتر اور عمدہ مال مجھے اس سے پہلے کبھی نہیں ملا، آپؐ کا اس بارے میں مجھے کیا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اصل روک لو اور اس کے ثمرات

صدقہ کر دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسے وقف کر دیا کہ نہ فروخت کی جائے اور نہ ہبہ کی جائے اور فقراء، رشتہ داروں، مہمانوں اور مسافروں پر اس کی آمدنی خرچ کی جائے اور جو اس کا متولی ہو اس پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس میں سے معروف طریقہ پر کھالے اور کھلا دے لیکن خود مال اکٹھا نہ کرے۔ (۱)

حضرت عمرؓ نے یہ وصیت لکھوائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وصیت ہے امیرالمومنین کی کہ اگر مجھے کوئی حادثہ پیش آ جائے تو ثمغ اور صرمۃ بن الاکوع (کی زمین) اور اس میں موجود غلام، خیبر کے سو حصے اور وہاں موجود غلام اور وہ سو وسق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمائے تھے، ان کی تاحیات متولی حضرت حفصہؓ رہیں گی۔ ان کے بعد اُن کے گھر کے اہل الرائے اس کے متولی ہوں گے۔ یہ (زمینیں) نہ فروخت کی جائیں گی اور نہ خریدی جائیں گی۔ انہیں سائل محروم اور رشتہ داروں پر خرچ کیا جائے گا اور کوئی حرج نہیں ہے اگر اس کا متولی اس میں سے خود کھائے یا کھلا دے یا اس کے لیے غلام خریدے۔ (۲)

حضرت عمرؓ نے مرۃ اور ثمغ میں اپنی زمین کو اپنی اولاد پر وقف کیا۔ (۳)

۔ واقف:

وقف حقیقتاً ایک تبرع (خیرات) ہے۔ اس لیے شرط یہ ہے کہ واقف تبرع کا اہل ہو [illegible] تبرع۔

۴۔ موقوف علیہ (جس کے لیے وقف کیا جائے)

الف) ضروری ہے کہ واقف اس خیر کے کام کو متعین کرے جس کے لیے اس نے وقف کیا ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے وقف کے استعمال کے پہلو متعین فرما دیے تھے۔ خیبر کا جو حصہ آپ نے وقف کیا تھا اس میں آپ نے وقف کا مصرف فقراء اور رشتہ داروں کے علاوہ غلاموں کا آزاد کرنا، مہمان نوازی کرنا اور مسافروں پر خرچ کرنا قرار دیا ہے اور اس تحریر میں جس میں آپ نے اپنے وقفِ عام کا بیان کیا ہے۔ اس میں آپ نے اپنے وقفِ عام کا بیان کیا ہے، اس میں آپ نے وقف کا مصرف سائل محروم اور رشتہ داروں کو قرار دیا ہے اور دونوں وقفوں میں آپ نے وقف کے متولی کو اس میں سے معروف طریقہ پر اپنے اخراجات لینے کی اجازت دی ہے۔

بہرحال غیر متعین وقف صحیح نہیں ہے اور کسی غیر متعین آدمی کے حق میں وقف بھی صحیح نہیں ہے۔

ب) موقوف علیہ کی ایک شرط یہ ہے کہ خیر کے پہلو میں صرف کیا جائے جیسا کہ حضرت عمرؓ کی تحریر سے واضح ہے۔ لہٰذا اگر کسی معصیت کے کام کے لیے وقف کیا تو صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ معصیت میں مال خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

۵۔ وقف کا متولی:

الف) واقف اپنی زندگی میں خود وقف کے معاملات کی دیکھ بھال کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو یہ نگرانی کسی اور کو بھی سپرد کر سکتا ہے اور اپنے رشتہ داروں میں سے یا غیروں میں سے کسی کو وقف کا متولی مقرر کر سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے وقف کیا اور اپنی زندگی میں وقف کی نگرانی

---

(۱) البخاری، الوصایا، باب الوقف کیف یکتب۔ المحلی ۹/۱۸۰، المغنی ۵/۵۴۴-۵۸۶ (۲) عبدالرزاق ۱۰/۳۷۷، سنن البیہقی ۶/۱۶۰، المغنی ۵/۵۶۴

(۳) سنن البیہقی ۶/۱۶۱، المغنی ۵/۵۴۵

خود فرماتے رہے اور اپنی وفات کے بعد وقف کی دیکھ بھال حضرت حفصہؓ کے سپرد کر دی۔ ان کے بعد آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ متولی بنے اور بعد میں خاندان کے اہلِ رائے، جیسا کہ حضرت عمرؓ کی وصیت میں مذکور ہے (۱)

ب) وقف کے متولی کی شرط یہ ہے کہ وہ تصرف کا اہل ہو، یعنی مکلّف ہو اور صاحب رائے ہو جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی مذکورہ تحریر میں اس شرط کا ذکر فرمایا اور حضرت حفصہؓ کو بھی حضرت عمرؓ نے اُن کی دانش مندی کی بنا پر اپنے وقف کی دیکھ بھال پہ مامور فرمایا تھا۔

ج) وقف کا متولی بننے کے سلسلہ میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو متولی مقرر فرمایا۔

۶۔ مالِ موقوف:

عین موقوف کی شرائط یہ ہیں۔

الف) اس سے انتفاع ممکن ہو، اس لیے کہ وقف انتفاع ہی کے لیے کیا جاتا ہے۔ اگر وقف کردہ شے ایسی ہے جس سے انتفاع ممکن نہ ہو تو یہ بات وقف کی غرض و غایت کے خلاف ہے۔ حضرت عمرؓ نے جو مال وقف کیے وہ سب قابلِ انتفاع تھے۔

ب) مشترک شے کا وقف جائز ہے، کیونکہ اس سے بھی انتفاع ممکن ہے۔ حضرت عمرؓ کو خیبر سے سو حصے ملے، تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں مشورہ کیا تو آپؐ نے اس کے وقف کرنے کا حکم دیا اور حضرت عمرؓ نے وقف کر دیا۔ (۲) یہ روایت پہلے بیان ہو چکی ہے۔

ج) اگر مصلحت متقاضی ہو تو عین موقوفہ کی شکل وصورت کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ اطلاع ملی کہ کوفہ کے بیت المال میں نقب زنی کی گئی ہے تو آپؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ بیت المال، محلہ کھجور فروشاں کی مسجد میں منتقل کر دو، اور بیت المال مسجد میں قبلہ کے رخ بنا دو۔ کیونکہ مسجد میں کوئی نہ کوئی نمازی ہر وقت موجود رہتا ہے۔ آپ نے یہ حکم صحابہ کی موجودگی میں دیا اور کسی نے اس کے برخلاف رائے کا اظہار نہیں کیا۔ (۱)

(د) عین موقوف کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ (۲) یہ امر حضرت عمرؓ کی مذکورۂ صدر تحریر سے بالکل واضح ہے۔

(د: بیع / ۶ ج)

وکالت

۱۔ تعریف:

ایسے امور کے لیے جن میں نیابت ممکن ہے کسی جائز تصرف کی خاطر کسی کو اپنا نائب مقرر کرنا۔

۲۔ وہ امور جن میں وکالت صحیح ہے:

(الف) وکالت تمام حقوق العباد میں صحیح ہے۔ مثلاً نکاح اور قرض کی وصولی وغیرہ۔

(ب) ایسے حق اللہ میں بھی وکالت صحیح ہے جس میں نیابت ہو سکتی ہے۔ مثلاً اثبات حدود اور اجرائے حدود، زکوۃ، صدقہ، نذر اور کفارے کی ادائیگی اور فریضہ حج وغیرہ ادا کرنا۔

(د: زکوۃ / ۳ ج) و (د: حد / ۵)

(ج) خالص بدنی عبادتوں میں وکالت صحیح نہیں ہے مثلاً صلاۃ، صوم اور حدث سے طہارت حاصل کرنا وغیرہ (د: صلاۃ / اب) و (صوم / ۱۲ ...)

(۱) المغنی ۵/۵۵۲ (۲) المغنی ۵/۵۸۶

(۱) المغنی ۵/۵۷۶ (۲) المغنی ۲/۲۰

۳ - وکیل کا تصرف :

(الف) وکیل کی کارکردگی کا جو دائرہ مقرر کیا گیا ہو اُن حدود کے اندر اس کا تصرف جائز ہے، خواہ یہ تصرف اصیل یعنی مؤکل کی موجودگی میں ہو یا اس کی غیر موجودگی میں۔

(ب) وکیل کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جس کام کا اُسے وکیل بنایا گیا ہے اس میں کوئی ایسا تصرف کرے جو خود اس کے اپنے فائدے کے لیے ہو، الا یہ کہ اسے مؤکل کی جانب سے اس کی خاص اجازت حاصل ہو۔ مثلاً اگر کسی کو کسی شے کے فروخت کرنے کا وکیل مقرر کیا گیا ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس شے کو خود اپنے لیے خرید لے۔ روایت ہے جبیبہ بنت خارجہ نے اپنے شوہر حبیب بن اساف الانصاری کے ساتھ اُن کے شام کے سفر میں ایک باندی روانہ کی کہ اس کی وہاں زیادہ قیمت مل جائے گی۔ اور اُن سے کہا کہ یہ تمہارے کپڑے دھو دے گی، تمہاری سواری کی دیکھ بھال کرے گی اور تمہاری خدمت کرے گی۔ وہ اُسے لے کر روانہ ہوئے اور اُسے اپنے لیے خرید لیا۔ پھر واپس لے کر مدینہ منورہ آئے تو وہ حاملہ تھی۔ خارجہ کی بیٹی حضرت عمرؓ کے پاس شکایت لے کر آئیں اور اس سے انکار کیا کہ اُنہوں نے اپنے شوہر سے اس لونڈی کو فروخت کرنے کا کہا تھا اور حضرت عمرؓ نے اُن کے شوہر کو رجم کرنے کا ارادہ کر لیا حتی کہ جبیبہ کی قوم کے لوگوں نے جبیبہ سے بات کی اور اُسے سمجھایا تو جبیبہ نے کہا کہ ہاں اب میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے ان سے لونڈی فروخت کرنے کے لیے کہا تھا اور اُس نے اس امر کا اقرار حضرت عمرؓ کے سامنے کیا تو حضرت عمرؓ نے جبیبہ کو اسی کوڑے (حد قذف) لگوائے۔ (۱)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان صاحب سے کہا کہ تمہارے ایک ہاتھ نے دوسرے ہاتھ کے پاس فروخت کر دیا اور اُنہیں سو کوڑے مارے اور رجم نہیں کیا۔ (۱) یعنی حضرت عمرؓ نے وکیل کا یہ حق تسلیم نہیں کیا کہ جس شے کے فروخت کرنے کے لیے اُسے وکیل مقرر کیا گیا ہے وہ اسے خود خرید لے۔

(ج) اگر اصل شخص (مؤکل) اور وکیل دونوں ہی تصرف کر لیں تو دیکھا جائے گا کہ ان میں سے کس نے پہلے تصرف کیا ہے اور جس نے پہلے تصرف کیا ہوگا اُسی کا تصرف نافذ ہوگا اور بعد کا تصرف باطل ہوگا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک لونڈی کے بارے میں فیصلہ کیا تھا جو اس کے مالک کو جہاد میں حاصل ہوئی تھی اور مالک نے کسی سے اسے فروخت کرنے کے لیے کہہ دیا تھا اور بعد میں مالک کی رائے یہ ہوئی کہ اسے آزاد کر دے اور اُس نے آزاد کر بھی دی اور اس پر گواہ بھی بنا لیے، ادھر وہ لونڈی فروخت کر دی گئی۔ پھر حساب لگایا گیا تو پتہ چلا کہ آزاد پہلے ہوئی ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ وہ آزاد ہے اور خریدار نے جو قیمت ادا کی ہے وہ واپس کر دی جائے اور خریدار نے جو اس سے مجامعت کی تھی اس بنا پر اُس سے اس کا مہر وصول کیا جائے۔ (۲)

ولاء

ولاء کی دو قسمیں ہیں۔

۱- آزاد کرنے کی بنا پر ولاء :

(الف) کسی شخص نے اگر غلام آزاد کیا یا وہ اس کا مالک بنا لیکن غلام از خود آزاد ہو گیا، کیونکہ وہ اس کا ذی رحم رشتہ دار تھا تو اس کی ولاء

---

(۱) عبد الرزاق ۷/۳۴۰

(۱) عبد الرزاق ۷/۳۴۵، اخبار القضاۃ ۱/۳۲۴، سنن البیہقی ۸/۲۴۱

(۲) سنن البیہقی ۹/۸۲

آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی۔(۱) اسی طرح اگر اُم ولد لونڈی مر جائے تو اُس کی ولا بھی مالک کی ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اُم ولد اگر مرجائے تو اس کی ولا اُس کے مالک کے لیے ہوگی۔(۲) نیز ولا بہرحال آزاد کرنے والے کی ہے خواہ آزاد کرنے والا مرد ہو یا عورت۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عورتیں ولاء کی بُنیاد پر وارث نہیں ہوتیں سوائے اس کے کہ وہ آزاد کریں یا ایسا شخص آزاد کرے جس کو انہوں نے آزاد کیا ہو۔(۳)

(ب) اگر معتق مولیٰ مرجائے تو ولاء اس کے مرد عصبہ کو منتقل ہوجائے گا اور ان میں سے جو جتنا زیادہ قریبی ہے اُسے اتنا ہی مقدم رکھا جائیگا یعنی میراث میں جو اُن کی ترتیب ہے اُسی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے گا، اسی طرح ان میں سے ہر ایک کی موت پر یہ ولاء اس کے مرد عصبہ کی جانب منتقل ہوتا جائے گا۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھا کہ اگر کسی کے آزاد کردہ غلام ہوں اور اس کے دو بیٹے ہوں اور باپ مرجائے تو یہ ولاء ان دونوں بیٹوں کا ہوگا۔ اگر ایک بیٹا مرجائے اور اس کی مذکر اولاد موجود ہو اور پھر کوئی آزاد کردہ غلام مرجائے تو اس ولاء میں پوتے کا حصہ وہی ہوگا جو باپ کا تھا اور یہ ولاء اس کے چچا کا نہیں ہوگا۔(۴)

زہری سے مروی ہے کہ ایک شخص مرگیا اور اُس نے دادا اور بھائی چھوڑے پھر میّت کا آزاد کردہ غلام مرگیا تو حضرت عمرؓ نے دادا اور بھائی کو میراث میں شریک قرار دیا۔(۵)

یعنی ولاء کو دونوں کے درمیان تقسیم کیا جیسے میراث کا مال دونوں کے درمیان تقسیم کیا گیا۔

(ج) جرّ ولا: اگر غلام کسی آزاد عورت سے نکاح کرے یا لونڈی سے نکاح کرے اور وہ لونڈی بعد میں آزاد ہوجائے۔ پھر اس کے اولاد ہو تو یہ اولاد آزاد ہوگی اور اُن کا ولاء اُن کی ماں کے موالی کے لیے ہوگا۔ اگر بعد میں باپ بھی آزاد ہوجائے تو وہ اپنی اولاد کا ولاء اپنی جانب کھینچ لے گا اور اس کا اپنا ولاء اور اس کی اولاد کا ولاء اس کے موالی کا ہوجائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی آزاد عورت غلام کے نکاح میں ہو اور اس کے بچے ہوجائیں تو اُس کی اولاد کا ولاء اس کی ماں کے موالی کا ہوگا اور اگر باپ بھی آزاد ہوجائے تو وہ اس ولاء کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔(۱)

(د) ولاء کسی دوسرے کی طرف منتقل کردینا:

ولاء ایسا تعلق متصور ہوتا ہے جس سے آزاد کرنے والا اور آزاد ہونے والا کسی طرح یعنی عوض کے بدلے یا بغیر عوض کے دست بردار نہیں ہوسکتے، کیونکہ یہ تعلق نسبی رشتہ کے مانند ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ولاء رشتۂ رحم کی مانند ہے نہ فروخت کیا جاتا ہے اور نہ ہبہ۔(۲)

(ھ) ثبوت ولاء کے سلسلہ میں درج ذیل امور عتق (آزاد کرنے) کے حکم میں ہیں۔

۱۔ کسی گم شدہ بچے کا اُٹھا لینا، اس کی تربیت و کفالت کرنا وغیرہ اس بنا پر وہ اس کی میراث کا مستحق ہوگا۔

---

(۱) المغنی ۶/۳۵۵ (۲) المغنی ۶/۳۵۷ (۳) سنن البیہقی ۱۰/۳۰۶
(۴) عبدالرزاق ۹/۳۳، المغنی ۶/۳۷۹، سنن البیہقی ۱۰/۳۰۳
(۵) عبدالرزاق ۹/۴۶

---

(۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۸، ۱۸۹، عبدالرزاق ۹/۴۰، سنن البیہقی
(۲) ابن ابی شیبہ ۲/۱۹۰، سنن البیہقی ۱۰/۲۹۴، المغنی ۶/۳۵۲

۲۔ کسی شخص کا کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا، اس سے بھی دوسرا پہلے ہی ولاء کا مستحق ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس کا کوئی وارث نہ ہو۔

۳۔ ایک شخص کا دوسرے شخص کی مدد کرنا اور اس طرح پہلے کا دوسرے کی میراث کا مستحق ہونا۔

(د) ولاء کی اس قسم پر مرتب ہونے والے نتائج :

ولاء کی اس قسم پر میراث کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے یعنی آزاد کرنے والا وارث بنتا ہے۔ (د: ارث / ۲ ب) گم شدہ بچے کو اٹھانے والا لقیط (گم شدہ بچے) کا وارث بنتا ہے۔ اور جو شخص دوسرے کے اسلام کا سبب بنے وہ اس کا وارث بنتا ہے جس نے اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور مدد کرنے والا اس کا وارث بنتا ہے جس کی اس نے مدد کی ہو، بشرطیکہ ان میں سے کسی کا اپنا کوئی وارث نہ ہو۔

(د: ارث / ۷ ب ج د)

۲۔ معاہدے کی بناء پر ولاء :

(الف) اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخص باہم یہ طے کر لیں کہ پہلے شخص کی عاقلہ دوسرے کی جنایت کی صورت میں اس کی دیت کا بار برداشت کرے گی اس شرط کے ساتھ کہ وہ دوسرے سے میراث پائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے دوسرے سے دوستی کا یہ عہد کر لیا تو اسے اس کی میراث ملے گی اور اس کی عاقلہ پر اس کی دیت ہو گی۔

(ب) اس ولاء پر مرتب ہونے والے نتائج :

اس ولاء پر یہ نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

۱۔ دوسرے کی موت کی صورت میں پہلا میراث کا مستحق ہو جاتا ہے اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ (د: ارث / ۷ و)

۲۔ مولی اوّل کی عاقلہ دوسرے کی جنایت کی دیت ادا کرتی ہے اگر وہ جنایت ایسی ہو جس کی دیت کا بار عاقلہ پر آتا ہو۔

ولایت

۱۔ تعریف :

بالغ اور باشعور شخص کا ایسے فرد کے معاملات و امور کی نگرانی کرنا جو اپنے شخصی اور مالی امور و معاملات انجام دینے سے قاصر ہو۔

۲۔ اس کی اقسام :

ولایت کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) ولایت علی النفس :

اس سے مراد وہ ولایت ہے جس کی رو سے ولی کوتاہ فہم شخص کے ذاتی معاملات کی دیکھ بھال اور ان کی اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ مثلاً تادیب، تعلیم، نکاح اور کاروبار چلانا وغیرہ۔ خواہ قاصر (کوتاہ فہم) راضی ہو یا ناراض۔ حضرت عمرؓ نے بچے کی تادیب کے سلسلہ میں ولی کا حق اور اس کا اجر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو یتیم کو تھپڑ مارنے پر اللہ سے اجر کا مستحق قرار پائے[1] اور حضرت علیؓ نے اپنی اسی ولایت کی بنا پر اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے کر دیا، حالانکہ وہ کم سن تھیں۔ (ز: نکاح / ۵ ب ۲ ز)

(ب) ولایت علی المال :

وہ ولایت جس کے تحت ولی قاصر (کوتاہ فہم) شخص کے مال کی دیکھ بھال کرے اور ایسے عقود و تصرفات کرے جو اس کے حق میں مفید ہوں اور ایسے اخراجات کرے جو اس کوتاہ فہم شخص

---

(۱) المحلی : ۱۱/ ۵۸

(۱) سنن البیہقی ۶/ ۲۸۵

پر لازم ہوں۔ چنانچہ

۱۔ ولیِ مال کوتاہ فہم شخص کے مال کو افزائش دیتا اور بڑھاتا ہے اور جو صنعت، تجارت یا زراعت مناسب سمجھے اس میں پیسہ لگاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یتیموں کے مال کو تجارت میں لگاؤ تاکہ وہ زکوٰۃ ہی میں ختم نہ ہو جائے۔ (۱) حضرت عمرؓ نے ایک یتیم کا مال مضاربت پر لگایا اور اس سے عراق میں کاروبار ہوتا تھا۔ (۲) اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس ایک یتیم کا مال ہے جو تیزی سے زکوٰۃ میں جا رہا ہے۔ کیا تمہارے پاس ایسے تاجر ہیں جنہیں مَیں یہ مال دے دوں ؟ بہر حال حضرت عمرؓ نے انہیں دس ہزار دے دیئے۔ وہ یہ مال لے کر چلے گئے اور اُن کا ایک غلام تھا جو کاروبار کرتا تھا۔ جب سال گزرا تو وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ یتیم کے مال کا کیا ہوا۔ اُنہوں نے کہا کہ مَیں لے کر آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کوئی منافع ہوا۔ اُنہوں نے کہا کہ جی ہاں ایک لاکھ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ تم نے کیا کیا تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ مَیں نے تاجروں کو دے دیا اور اُنہیں بتا دیا کہ اس یتیم کا آپ کی نظر میں کیا مقام ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم سے پہلے ہماری نظر میں کوئی شخص تم سے زیادہ اس کی صلاحیت نہ رکھتا تھا کہ ہمیں خبیث مال کھلائے۔ ہمیں ہمارا اصل مال لوٹا دو اور ہمیں تمہارے نفع کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی عمدہ موتی آ جائے تو تم کہتے ہو کہ یہ امیر المؤمنین کے لیے ہے۔ ہمارا اصل مال ہمیں لوٹا دو۔ (۱)

۲۔ ولی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ بچہ کے مال میں کوئی ایسا تصرف کرے جو شریعت نے لازم قرار نہ دیا ہو اور بچہ کے حق میں مضر ہو، چنانچہ اُسے یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ صدقہ دے یا ہدیہ دے یا کم فہم شخص کی بیوی کو طلاق دے دے کہ یہ محض نقصان پر مبنی تصرفات ہیں۔

۳۔ البتہ ولی اس کے مال کی زکوٰۃ ادا کرے گا اور اس کے مال میں سے اس کی ذات پر اور ان افراد پر صرف کرے گا جن کا نفقہ اس کم فہم پر واجب ہے، کیونکہ یہ نفقات واجب ہیں۔ (د، زکوٰۃ / ۳ھ)

۴۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ولی کے لیے یتیم کے مال میں سے (اپنے اوپر) خرچ کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر ولی فقیر ہو اور مجبور ہو جائے تو اس مال میں سے قرض لے لے اور جب خوشحالی آئے تو یہ قرض واپس کر دے۔ (۲) حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ قرآن کریم کے اس حکم کی مراد بھی یہی ہے کہ :

مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء : ۶)

"اور جو غریب ہو وہ معروف طریقے سے کھائے۔" (۳)

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں نے اللہ کے مال میں اپنے آپ کو یتیم کے ولی کے درجہ میں رکھا ہے کہ اگر مجھے ضرورت ہو تو لے لوں اور جب خوشحالی آئے لوٹا دوں اور اگر مَیں غنی ہوں تو اس سے دامن بچا کر رکھوں۔ (۴)

---

(۱) الموطا ۱/ ۲۵۱، عبد الرزاق ۴/ ۶۸، ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۲ ب سنن البیہقی ۶/ ۲، ۴/ ۱۰۷، الاموال ۱/ ۱۲۵۱، المغنی ۴/ ۲۳۹

(۲) اختلاف ابن ابی حنیفہ و ابن ابی لیلی ، ۳۱

(۱) عبد الرزاق ۴/ ۶۷، سنن البیہقی ۴/ ۱۰۷، المحلی ۵/ ۲۰۸ (۲) تفسیر ابن کثیر ۱/ ۴۵۴، القرطبی ۵/ ۴۱ (۳) تفسیر الطبری ۷/ ۲، القرطبی ۵/ ۴۱ المحلی ۵/ ۲۰۸ (۴) سنن البیہقی ۶/ ۵، تفسیر ابن کثیر ۱/ ۴۵۴، الطبری ۷/ ۵۸۲

قصاص میں، ولی دم کون ہے۔ (د: جنایت/ ۵ و)

ولی دم کا قصاص معاف کر دینا۔ (د: جنایت/ ۵ و ۱)

ولی دم کا قصاص لینا۔ (د: جنایت/ ۵ و ۲)

جانی پر ولی دم کی جنایت (د: جنایت/ ۲ ب ۲ ز)

عورت کے ولی کا نکاح سے اتفاق کرنا۔

(د: نکاح/ ۵ ب ۲)

حاکم کا نکاح سے اتفاق کرنا۔ (د: نکاح/ ۵ ب ۲ ب)

ولی کا طلاق دینا۔ (د: طلاق/ ۲ و ۴)

ولد

دیکھیے: ابن (بیٹا) بنت (بیٹی)

میاں اور بیوی میں سے ہر ایک کا بچہ پر حق۔

(د: نکاح/ ۶ د)

بچے کے نفقے کا واجب ہونا۔ (د: نفقہ/ ۲)

بچے کی پرورش۔ (د: حضانت)

بچے کا باپ سے منسوب ہونا (د: نسب/ ۱) اور اگر باپ کا پتہ نہ ہو اور وہ اس سے انکار کرے اور لعان کرلے تو اس کا ماں سے منسوب ہونا۔ (د: نسب/ ۲)

بچے کو ہبہ کرنا (د: ہبہ/ ۳ د) و (ہبہ/ ۴ ج)

بچے کی باپ کے حق میں شہادت۔ (د: شہادت/ ۱ھ)

ولد کے حق میں وصیت۔ (د: وصیت/ ۳)

بچے کا غلامی کے سلسلہ میں اپنی ماں کا تابع ہونا (د: استحقاق/ ۲)

بچہ اگر غلام ہو اور باپ کی ملکیت میں آجائے تو اس کا آزاد ہو جانا۔ (د: رق/ ۵ ب ۲)

باپ سے بیٹے کا قصاص لینا۔ (د: جنایت/ ۳ ب ۳)

باپ کا بیٹے کی چوری کرنا۔ (د: سرقہ/ ۲)

نابالغ اولاد کا دین کے سلسلہ میں والدین میں سے اس کے تابع ہونا جس کا دین اشرف ہو۔ (د: اسلام/ ۴ ب)

اگر بچہ نابالغ ہو تو والدین میں سے کسی ایک کے مسلمان ہو جانے کی بنا پر اس کا مسلمان ہونا۔ (د: اسلام/ ۴ و ۳)

حکومت کا بچے کے لیے عطیہ یعنی وظیفہ مقرر کرنا۔ (د: فئے/ ۳ و ۲ھ)

ولد الزنا

ولد الزنا کا نسب اور میراث (د: ارث/ ۱۵) و (نسب/ ۴)

کفارات میں ولد زنا کا آزاد کرنا۔ (د: رق/ ۵ ج د)

اولاد زنا سے حسن سلوک کی وصیت۔ (د: زنا/ ۷)

(وہ بچہ جس پر لعان ہوا ہو)

ولد ملاعنہ کا نسب اور میراث (د: ارث/ ۱۵)

ولی

دیکھیے: ولایت

ولیمہ

تعریف:

وہ کھانے کی دعوت جس کے لیے لوگوں کو بلایا جائے۔

(د: دعوت)

ی

یتیم

۱- تعریف :

وہ بچہ جس کا باپ اس کے بالغ ہونے سے پہلے مر گیا ہو ۔

۲- یتیم پر حجر :

(د : حجر/۴ب) اور ولی کا مقرر کرنا جو اس کے مال اور اس کی ذات کی دیکھ بھال کرے ۔ (د : ولایت)

یربوع (جنگلی چوہا)

۱- تعریف :

چوہے کی طرح کا ایک جانور جس کے کان اور دُم چوہے سے بڑے ہوتے ہیں اور ٹانگیں ہاتھوں سے بھی ہوتی ہیں ۔

۲- یربوع کا کھانا حلال ہے :

(د : طعام/ ۷)

یمین (حلف)

دیکھیے : حلف
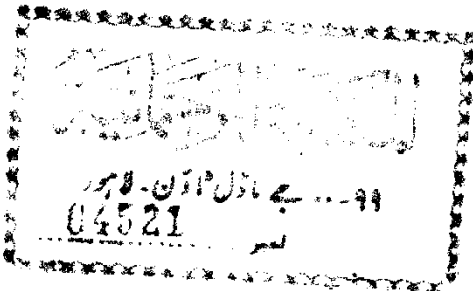
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ معارف اسلامی لاہور

یہ ادارہ اسلامی علوم و معارف کی ترویج و تحقیق کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ اس کی بنیاد دور حاضر کے عظیم مفکر، قائد تحریک اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے جولائی ۱۹۶۳ء میں رکھی تھی اور اس کا پہلا مرکز کراچی میں قائم کیا گیا تھا۔ بعدازاں فروری ۱۹۷۹ء میں مولانا مرحوم نے لاہور کو اس کا دوسرا مستقر بنایا۔ اب کراچی اور لاہور کے ادارہ معارف اسلامی کے دونوں مرکز داخلی طور پر خود مختارانہ اور مقصدی اور آئینی طور پر ہم آہنگی سے کام کر رہے ہیں۔

عصر حاضر کے تقاضوں کی رعایت سے بلند پایہ لٹریچر شائع کرنے کے علاوہ محترم مؤسس کے پیش نظر خاص مقصد یہ تھا کہ اسلامی موضوعات پر کام کرنے والے مصنفین اور محققین کے لئے ایسا ساز گار اور پرسکون ماحول مہیا کیا جائے جس میں وہ پورے انہماک اور فراغت کے ساتھ اپنی کوششیں جاری رکھ سکیں۔

بحمدللہ اپنے یوم تشکیل ہی سے یہ ادارہ ان دونوں مقاصد کے لئے نہایت خوبی سے کام کر رہا ہے۔ اب تک جو منصوبے زیر عمل آ چکے ہیں ان کا مجمل سا خاکہ یہ ہے:

۱ - مختلف موضوعات کی بہت سی بلند پایہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور یہ سلسلہ تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔

۲ - ایسے مصنفین کا پُر خلوص تعاون حاصل کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے جو نئی کتابیں تصنیف کرنے اور دیگر زبانوں کی اہم کتابیں اردو میں ترجمہ کرنے کے علاوہ اردو زبان میں شائع شدہ بہترین کتابوں کو عربی، انگریزی، فارسی، فرانسیسی، جرمن اور سواحلی زبانوں میں منتقل کرنے کا کام کر رہے ہیں۔ ایسی کتابوں میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتب کو اولیت کا درجہ حاصل رہے۔

۳ - مصنفین، محققین اور طلبا کے استفادے کے لئے ایک لائبریری کی بنیاد رکھ دی گئی ہے جس میں اردو کے علاوہ عربی اور دوسری زبانوں کی ضروری کتابیں جمع کی جا رہی ہیں۔

۴ - اردو اور انگریزی کے اخبارات و جرائد کے تراشوں سے بہت احتیاط اور توجہ کے ساتھ ایسا ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے جس سے کسی بھی موضوع پر کام کرنے والے مصنفین اور محققین استفادہ کر سکتے ہیں۔

ان مساعی کو بہت وقیع قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن یہ بات اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ ملتِ اسلامیہ جن مشکلات و مسائل سے دوچار ہے ان سے عہدہ بر آء ہونے اور اتحاد و ترقی کی کوششوں کو آگے بڑھانے میں یہ حقیر مساعی ضرور معاون ثابت ہوں گی اور انشاء اللہ ان میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا۔

اردو میں ہمارے فقہی موسوعات (انسائیکلوپیڈیاز)

۱۔ موسوعہ فقہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ	ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی
۲۔ موسوعہ فقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ	ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی
۳۔ موسوعہ فقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی
۴۔ موسوعہ فقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ	ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی
۵۔ موسوعہ فقہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی
۶۔ موسوعہ فقہ حضرت ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ	ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی
۷۔ فقہ النساء	محمد عطیہ خمیس مصری
۸۔ اقضیتہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (آنحضورؐ کے فیصلے)	امام ابن الطّلاع اندلسیؒ
۹۔ فقہ السنّت (دو حصے)	محمد عاصم الحداد مرحوم
۱۰۔ منہاج القاصدین	امام ابن جوزی
۱۱۔ احکام القرآن الجصاصؒ امام ابو بکر	امام ابو بکر الجصاصؒ

ادارہ معارف اسلامی، منصورہ ۔ لاہور